نصاب سلسلۂ مطبوعات علمیہ جامعہ عثمانیہ

# قانون و رواج ہنود

## جلد اول

از

جان۔ ڈی۔ مین اشاعت بابت سنہ ۱۹۲۲ء

ترجمہ

مولوی اکبر علی صاحب موسوی بی۔اے (آنرس) ایل ایل۔بی
ریڈر قانون جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۶۰ھ م سنہ ۱۳۵۰ف م سنہ ۱۹۴۱ء

دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

# فہرست مضامین

## قانون ورواج ہنود جلد اول

نوٹ:۔ شروع سے آخر تک فقرات کا حوالہ دیا گیا ہے۔



## باب اول

### ہندو قانون کی ابتدا اور نوعیت

از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۴

# ہندو قانون کے ماخذ

## باب دوم

## مقننین اور فیصلے

از صفحہ ۱۵ تا صفحہ ۵۵



## باب سوم

## رواجی قانون

از صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۹۰

# خاندانی تعلقات

## باب چہارم

### ازدواج اور ولدیت

از صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۱۶۴

## باب پنجم

## تبنیت

از صفحہ ۱۶۵ تا صفحہ ۲۸۷

# باب ششم

## نابالغی اور ولایت

# خاندانی جائداد

# باب ہفتم

# قدیم قانون جائداد

از صفحہ ۲۰۴ تا صفحہ ۳۶۷

# باب ہشتم

## خاندان مشترکہ

از صفحہ ۴۶۸ تا صفحہ ۵۴۱

# باب نہم

# قرضے

از صفحہ ۵۴۲ تا صفحہ ۶۰۸



# باب دہم

# انتقالات

از صفحہ ۶۰۹ تا صفحہ ۶۶۵

# اشاعت نہم کے متعلق دیباچہ

مسٹر مین کی کتاب "ہندو قانون اور رواج" کی مکرر ترتیب و اشاعت اس مضمون پر نئی کتاب لکھنے سے دشوار تر ہے۔ آخری اشاعت کے بعد سے جو فیصلے صادر ہوئے ہیں ان کے نتائج کو نئی کتاب میں شامل کر کے نصاب قانون کی کتاب کو جدید کرنا کافی آسان ہے۔ لیکن یہ کتاب معمولی نہیں ہے اور نہ مسٹر مین عام قسم کے مصنف و مولف تھے۔ سنسکرت کی کتابیں انھوں نے بہت زیادہ پڑھی تھیں اگرچہ وہ کتابیں ان تک صرف ترجموں کی شکل میں پہنچ سکیں۔ جس قوم کے افراد کا یا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ جس قوم کا قانون وہ بیان کر رہے تھے ان کے رواجات اور ان کے تفکر کے طریقوں سے انھیں بہت ہی گہری دلچسپی تھی۔ اور وہ ایک ایسے لکھنے والے تھے جن کا طرز تحریر چبھتا ہوا اور اپنی آپ نظیر تھا۔ خود عنوان کتاب یہ بتلاتا ہے کہ منشا یہ تھا کہ اس کتاب میں اس سے کچھ زیادہ ہو جو عموماً معمولی قانونی رسالوں سے توقع کی جاتی ہے۔ کتاب کا نام "ہندو قانون اور رواج پر مقالہ" (A Treatise on Hindu Law and usage.) ہے۔

یوں تو اس کتاب کے شروع سے آخر تک مگر بالخصوص ابتدائی ابواب میں ایسی تحقیقیں دکھائی دیتی ہیں جن کو قانون کے زمرے سے تعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق تاریخ سے ہے یا نسلیات سے یا انسانیات سے (Ethnology and Anthropology) اگر ان علوم سے میری واقفیت شایق فن کی دلچسپی سے زیادہ ہوتی جو فی الحقیقت نہیں ہے تو میں نے کچھ بھی ان عبارتوں کو بجنسہ چھوڑ دیا ہوتا اور اس کی کوشش نہ کرتا کہ اس کتاب میں ان تحقیقات علمی کے نتائج داخل ہو جائیں جو بعد کے محققین نے اسی میدان میں کیا ہے۔ ان تحقیقات کے اکثر جز و اظہارات رائے ہیں نہ کہ بیانات واقعہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ علوم موخر الذکر (یعنے نسلیات اور انسانیات) ہنوز ایسی حالت میں ہیں اور بڑی حد تک رہنا بھی چاہئے کہ ان کے متعلق ہر وہ بیان واقعہ جو عام الفاظ میں کیا گیا ہو اظہار رائے سے زیادہ نہ ہوگا۔ جن آرا کا اظہار کیا گیا ہے وہ خود مین کے ہیں۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام ان کو اسی شکل میں رکھنے کے مجاز ہیں۔ جس شکل میں کہ

صاحب موصوف نے انھیں چھوڑا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح آراء ہوں یا غلط اس خیال کی ہم نوائی میں میں نے متن میں اس نوع کی اکثر ان عبارتوں کو دوبارہ داخل کردیا ہے جنھیں اس سے پہلے کی اشاعت کے مدیر نے نکال باہر کیا تھا۔

سب سے بڑی دشواری جو میں نے محسوس کی ہے وہ اس طول و طویل بحث سے متعلق ہے جو قدیم نظائر کے بارے میں کی جاتی ہے۔ یہ کہ متن میں جو نظائر درج ہیں انھیں کس حد تک قدیم سمجھنا چاہیئے۔ نصاب کی کسی کتاب کے ارتقاء کے وقت جوں جوں وہ بار بار شائع کی جاتی ہے فطری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ایسے مباحث کے بجائے اصل قضیے کو جس کے لئے وہ نظیر بالآخر سند سمجھی جاتی ہے مختصراً بیان کردیا جائے۔ اس کتاب کے چند قدیم اشاعتوں سے مقابلہ کرنے کے بعد میں نے اس کا تعین کیا ہے کہ خود مسٹر مین نے اسی طریقہ کار کو اختیار کیا۔ اور چند مواقع پر میں نے ان کی پیروی کی ہے۔ یہ وہ مواقع ہیں جہاں کہ میں نے یہ محسوس کیا کہ ایسی عبارتوں کی کاٹ چھانٹ کرنا درخت کی پرانی لکڑی مناسب قطع و برید کرنے سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن مسٹر مین کے طریقۂ کار نے اس ضابطے کو نہایت ہی تنگ دائرے میں محدود کردیا۔ بعض مصنفین اپنے اہم اصول خود اپنی زبان میں بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان اصولوں کو تمثیلات سے واضح کرتے ہیں یہ تمثیلات ان نظائر کے حوالے سے دیے جاتے ہیں جن کا اطلاق ان کے خیال میں ان اصولوں پر ہوتا ہے۔ مسٹر مین کا میلان یہ تھا کہ برعکس طریقے سے کام کریں۔ وہ اپنے بیان کردہ بنیادی اصول کو ان اہم مقدمات کی بحث اور وضاحت میں شامل کرتے ہیں جن میں وہ اصول پہلے پہل صاف طور سے ظہور میں آتے ہیں۔ ان کی یہ خصوصیت نہ صرف اس کتاب میں دکھائی دیتی ہے بلکہ ان کے اس معرکۃ الآرا مقالے میں بھی جو "ہرجے" پر لکھا گیا۔ اس مقالے میں انھوں نے ہرجے کی مقدار کے متعلق اصل قواعد بیان کئے ہیں مگر اہم مقدمہ **(Hadley V Baxendale)** کی بحث میں مخلوط کرکے۔ بلاشبہ اس طریقے سے طوالت واقع ہوتی ہے۔ اور کتاب کے مضامین بہت وسیع ہوجاتے ہیں۔ دوسری جانب اس طریقے کی علمی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس سے قانون کا تاریخی ارتقاء بتلایا جاتا ہے۔ اور طالب علم ان حکام کے واقعی اعلانات سے روشں بدوش رہتا ہے جنھوں نے قانون بنایا ہے۔ لیکن میرا یہ کام نہیں ہے کہ

میں ان دونوں طریقوں کے حسن وقبح کا تصفیہ کروں۔ یا اُن پر بحث بھی کروں اس کا یقین ہے کہ مسٹر مین نے ان میں کے ایک طریقے کو اپنے لئے اختیار کیا۔ اور اس سے انحراف کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ کل کتاب کو از سر نو مرتب کیا جائے۔ جب تک اصل مصنف کے نام سے کتاب شائع ہو رہی ہو وہ ایک ایسا طریقہ ہے جسے کوئی مدیر میری رائے میں اختیار کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

اگرچہ میں نے خود کو اس کا پابند سمجھا ہے کہ ان امور میں جو محض آرا سے متعلق ہیں مسٹر مین کی رائے کو دہرا دوں اور اس طریقے میں کوئی تبدیلی نہ کروں جو انھوں نے اس مضمون کے متعلق اختیار کیا تھا تاہم میں نے بہ نسبت اپنے پیشرو کے متن میں بہت زیادہ آزادی سے دست اندازی کی ہے۔ بہت زیادہ آزادی سے کام لیا ہے جب کہ متن ایسے قانون کے بیان پر مشتمل پایا گیا جو آج کے دن رائج ہے۔ حتی الامکان میں نے اصل متن کو حسب حال بحال رکھا ہے۔ اور بعد کے نظائر کے اثرات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس کے لئے حوالے دئے گئے ہیں۔ صفحے کے آخر میں نوٹ دئے گئے ہیں اور متن میں اضافہ کیا گیا ہے۔ مگر ہمیشہ یہ ممکن نہیں ہے اور جب کبھی میں نے یہ خیال کیا کہ بعد کے نظائر سے موجودہ متن غلط ہو جائے گا تو، میں نے بلا پس و پیش اس کو از سر نو لکھ دیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نہایت ہی وفاداری سے مصنف کے ہی الفاظ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ اس مقدس مقصد کو بھی بعض اوقات سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً جبکہ ایک ایسے متن کے شایع کرنے کی ضرورت لاحق ہو جو بہ لحاظ قانون دقت صحیح ہو۔ میں مطمئن ہو جاؤں گا اگر میں اس ناچیز خواہش میں کامیاب ہو جاؤں۔

ابواب ذیل کے متن میں اہم تبدیلیاں کی گئی ہیں تبنیت۔ قرضے۔ مذہبی عطیے۔ تقسیم وراثت۔ اوران مضامین میں جو ناقابل تقسیم جائداد سے متعلق ہیں۔ vii

میں اپنے ہم منصب جسٹس رامیسم کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری بہت مدد کی۔ میں مدراس بار (Bar) کے ارکان کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے تقریباً ہر مضمون پر جو اس کتاب میں ہے مجھے مدد دی۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کے نام گنوانے سے میں قاصر ہوں حقیقت تو یہ ہے کہ

مدراس کے طبقۂ وکلا سے نے عدالت میں اور بیرون عدالت مجھے ہندو قانون کا وہ علم سکھایا ہے جو علم کہ اب مجھے حاصل ہے بسٹر کے بیس کرشنا سامی ائیگار (طبقۂ وکلاء مدراس کے) نے ہر اہم امر پر بہ تفصیل میری معیت میں بحث کی ہے۔ یہ وجوب شکر گزاری بذات خود اپنی جگہ قائم ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ خصوصاً ابواب وراثت زیادہ تر ان کی تصنیف ہے نہ کہ میری یہ ابواب انگریز مقنن عمومی کے لئے کل مضمون میں مشکل ترین ہیں۔ علاوہ اس مدد کے جو انھوں نے بہ حیثیت قانون داں مجھے دی ہے وہ اصل سنسکرت کے متنوں کے بارے میں میرے واحد رہنما رہے ہیں۔ یہ رہنمائی انھوں نے اس وقت کی ہے جب کہ براہ راست ان کے حوالے کی ضرورت لاحق ہوئی اور ترجموں کے پیچھے جاکر دیکھنا پڑا کہ اصلیت کیا ہے میں خود کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے مدد دی جو ایک عالم و فاضل مقنن بھی ہے اور سنسکرت کا عالم متبحر۔

ختم ۱۹۲۱ء تک کا قانون نظائر مجھے یقین ہے کہ مکمل طور پر داخل کر دیا گیا ہے ۱۹۲۲ء کے چند نظائر کتاب کے آخری نصف حصے میں شامل کئے گئے ہیں۔ پہلے نصف حصے میں نہیں لائے جا سکے کیونکہ اس وقت وہ حصہ طبع میں تھا۔ غلط نامے میں میں نے صرف ان غلطیوں کا اندراج کیا ہے جن سے غلطی کا امکان ہو سکتا تھا چھاپنے والے کے سہو کو جو عموماً ہر کتاب میں آ سکتے ہیں میں نے چھوڑ دیا ہے۔ پڑھنے والا خود معلوم کر سکتا ہے۔

مدراس

جولائی ۱۹۲۲ء

جے۔ یم کاونس شارٹر

# اشاعت سوم کا دیباچہ

اس کتاب کی گزشتہ اشاعت کے بعد سے ہندو قانون کے مطالعے کے لئے بہت زیادہ جدید مواد ان اشخاص کے لئے پیش کیا گیا ہے جو مثل میرے اسناد کو ان کی اصلی سنسکرت میں دیکھنے اور جانچنے کے قابل نہیں ہیں۔ پروفیسر میاکس ملر کے سلسلہ کتب مقدس مشرقی نے آپستمبہ۔ گوتم۔ اور وشنو کے مکمل متنوں کا ترجمہ ہمیں دیا ہے۔ ان کے مترجمین ڈاکٹر بہلر اور ڈاکٹر جالی ہیں۔ مسٹر نارائن منڈلک نے مجموعہ یاگنولک اور میوکھ کے ایک نئے ترجمے سے ہمیں ممنون کیا ہے۔ اور سرسوتی ولاس اور ورمترودیا تک مسٹر فاوکس اور گوپال چند سرکار کی محنت اور مشقت کے سبب رسائی ہو گئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان مصنفین کی کتابوں سے جن کا پیشہ قانون ہے ہندو قانون موجودہ پر ہمیں اس سے زیادہ روشنی کی توقع کرنا چاہئے۔ مذکورالصدر تصانیف و تالیفات کو دیکھنے سے میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ توقع نہ رکھنا چاہئے قانون پیشہ اشخاص غلامانہ وفاداری سے متقدمین کے متنوں کو صرف لفظ بہ لفظ دہرا دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان پر تنقید کرتے ہیں گویا کہ وہ الجبرا کی تعریفات (Formulas) ہیں اس کے بتلانے کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ زندگی کے واقعات کو ان سے کیا تعلق ہے۔ مثلاً ورمترودیا کی سی جدید تالیف۔ اس کتاب میں بہت ہی پر زور الفاظ میں مختلف فرقوں کے مابین ازدواج پر بحث کی گئی ہے۔ اور لڑکوں کے بارہ اقسام پر ان مواقع پر اس کا تصور بھی ناممکن ہے کہ مصنف کچھ ایسے امور پر باتیں کر رہا ہے جو فی الحقیقت اس کے زمانے میں موجود تھے۔ تاہم ان تمام امتیازات پر وہ باتیں کرتا ہے اور باتیں بھی ان کی حقیقت پر ظاہری عقیدہ رکھتے ہوئے۔ ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہوئے جیسا کہ انگریز مقنن کا جبکہ وہ بل آف ایکسچینج کی خصوصیات کو بتلانے کی کوشش کرتا ہے۔ مسٹر نارائن منڈلک کے اقتباسات سے جو انھوں نے دیئے ہیں میں یہ خیال کرتا ہوں کہ بنگال اور بنارس کے جدید لکھنے والوں کی بہ نسبت مغربی ہند کے لکھنے والے حقیقت کو تسلیم کرنے پر زیادہ آمادہ ہیں۔ غالباً وہ چیزیں جو زیادہ مفید

اور دلچسپ ہیں ان تالیفات میں پائی جاتی ہیں جو رسوم کہ قانون سے متعلق ہیں کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ کوڑا بھی ہوتا ہے لیکن ہماری تحقیقی خواہش یہ ہے کہ اچھی اطلاعات رکھنے والے ہندوستانی اشخاص اپنے ہاتھوں میں ایک نہ ایک قانونی کتاب لیں۔ اور ہم سے صاف صاف کہیں کہ ہر عنوان کے تحت متن کا کتنا حصہ ایسا ہے ix
جو فی الحقیقت روزمرہ کی زندگی میں تسلیم کیا جاتا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔ مسٹر نارائن منڈلک نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور ان کے کام کی بڑی قیمت اسی پر مشتمل ہے۔ ہندو قانون کا ہر طالب علم ان کی آنے والی تصنیف کا نہایت ہی غائر دلچسپی سے منتظر رہے گا۔

مسٹر جے۔ ایچ۔ نلسن کی کتابوں کے اطراف آتشگیں مباحث اٹھائے گئے ہیں میں اس کے نواح میں داخل ہونے کے لئے فطرۃً پست ہمتی محسوس کرتا ہوں۔ یہ بات قابل رحم معلوم ہوتی ہے کہ بہت زیادہ چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی شخص بھی اتفاق نہیں کر سکتا اگرچہ بہت کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے ہر ایک کو چاہیئے کہ اتفاق کرے۔ وہ انکار کرتے ہیں کہ منو۔ یاگنولک۔ اور متاکشرا دریوڈی اقوام یا شودر کے بھی مسلمہ رہنما ہیں۔ ہر شخص اس بیان کو قبول کرنے پر آمادہ معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اس کا بھی ادعا کرتے ہیں کہ منو۔ یاگنولک اور متاکشرا سنسکرت مقننین کے مابین خود مستند نہیں ہیں۔ یا صرف نامعلوم اور محدود فرقوں میں ان کی سند تسلیم کی جاتی ہے۔ جب وہ اس طرح بیان کرتے ہیں تو ہر شخص کو یہ سوال کرنے کی ترغیب ہوتی ہے کہ ان کے خیال میں کس قدر متعدد شہادت اس کے خلاف ثابت کرنے کے لئے کافی ہوگی؟ کیا مسٹر نلسن کسی واحد کتاب قانون پر جو منو اور یاگنولک کے ظنی زمانوں کے بعد کی ہو بتا سکتے ہیں جن میں ان رشیوں کا حوالہ نہ صرف عزت اور احترام سے دیا گیا ہو بلکہ قطعی طور پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے۔ اگر متاکشرا غیر مستند تصنیف ہے تو یہ کیسے ہوا کہ ہندوستان کے ہر حصے میں باستثنائے بنگال ہر پنڈت اپنی رائے کی تائید میں ہمیشہ وجنانیشورا کی سند پیش کرتا ہے۔ مسٹر نلسن نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ متاکشرا کی تاریخ سترھویں یا اٹھارھویں صدی سے شروع ہوتی ہے۔ اس بے سروپا قیاس کو مسٹر بارتھ نے جو اساتذہ سنسکرت میں سے

Revne Critique al ۱۸۷۲ء صفحہ (۱۶۰) اس مضمون میں مسٹر نلسن کے نظریوں کی پوری پوری

ایک بڑے فاضل شخص نے بالکل خارج کر دیا ہے۔ بالاجمال چنانچہ وہ کہتے ہیں "ہر مستشرق جس نے کولبروک کا مطالعہ کیا ہو جواب ذیل دے گا۔ یہ کہ اگر اس قابل پرستش محقق نے متاکشرا کے متعلق کچھ بھی لکھنے کے قابل نہ پایا ہوتا تو انھوں نے اس مضمون پر ایک سطر تک نہ لکھا ہوتا" ان کی تجویز حسب ذیل ہے۔ یہ کہ ہر قانونی نالش ایسے قانونی رواجات کی (اگر ہوں) مکمل تحقیق سے شروع ہونی چاہئے جن کو فریقین قابل پابندی سمجھتے ہوں۔ یہ تجویز مضحکہ خیز ہے اور اس کی بہت زیادہ داد نہیں دی جا سکتی۔ چونکہ یہ تجویز مخالف کی پیشکردہ ہے اس کو حاسدانہ سمجھا جا سکتا تھا۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ خود مسٹر نلسن بحیثیت حاکم عدالت اپنی تجویز کے اطلاق کی سب سے پہلے مخالفت کرتے۔

سابقہ اشاعت کے بعد سے اہم فیصلوں کی غیر معمولی تعداد داخل کر دی گئی ہے اور یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ اسی وجہ سے اس کتاب کے متعدد اجزا کی تجدید کی گئی ہے۔ آخرکار یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضامین ذیل کے قانون کی یکسوئی ہونی جا رہی ہے۔ کم از کم سمجھنے کے قابل ہوتا جا رہا ہے۔ گو بہت ہی اطمینان بخش طریقے سے نہ ہو۔ مثلاً باپ کے قرضوں کے متعلق بیٹے کی ذمہ داری کا قانون۔ اور ایسے قرضوں کی بے باقی کے لئے باپ کا اختیار کہ خاندانی جائداد پر کس قسم کے معاملات کر سکتا ہے۔ متاکشرا نے استری دھن کی تعریف کی ہے اس متن سے جو مباحث پیدا ہوئے تھے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فیصلوں نے خاموش کر دیا۔ بمبئی ہائیکورٹ نے اناث کے حقوق کے متعلق متضاد نظریے لئے ہیں۔ ان کو بھی بالآخر محدود اور معین کر دیا گیا ہے اور اناث کے حقوق قدیم ترین رواج پر منحصر کر دئے گئے ہیں۔ تحریری قانون پر نہیں۔ پریوی کونسل کے واحد فیصلے نے بمبئی کی حد تک اناث سپنڈوں کے حق وراثت کو قائم کر دیا ہے۔ اور سب سے اہم اصول ذیل تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یہ کہ قانون متاکشرا میں وراثت اور جانشینی کی بنیاد قرابت ہے نہ کہ مذہبی اور روحانی فوائد کے مدارج۔

انزمبل۔ جنوری ۱۸۸۳ء جان۔ ڈی۔ مین۔

---

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جانچ کی گئی ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت تنقید اس سے زیادہ صاف اور پر اخلاق تنقید نہیں ہو سکتی۔ تنقید کا یہ بہترین نمونہ ہے۔

# دیباچہ

اس کتاب میں میں سنے نہ صرف یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ ہندو قانون xi
کیسے کہتے ہیں۔ بلکہ اس حالت میں کیسے آیا جیسا کہ وہ اب ہے۔ غالباً میرے ہم پیشہ قارئین یہ خیال کریں گے کہ موخرالذکر حصہ تحقیق محض تضیع اوقات ہے اور باعث زحمت۔ اور یہ کہ اس کو پورا کرنے کے لئے میں نے کتاب کی ضخامت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور اس کے فوائد میں باوجود اس زحمت کے کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ میں یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے ایک ایسی کتاب لکھنے کی کوشش کی ہے جو ایک وکیل کے محض کتابچے سے مختلف ہونی چاہیئے۔ دنیا کا کوئی نظام قانون جس سے ہم واقف ہیں اتنا سن رسیدہ نہیں ہے جیسا کہ ہندو قانون۔ اور اب بھی اس میں آثار فرسودگی عیاں نہیں ہیں۔ اس وقت بھی وہ انسانوں کے ایسے اقوام پر حکومت کرتا ہے جو کشمیر سے راس کماری تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو بلا کسی استثناء کے اس پر متفق ہیں کہ قانون مذکور کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے۔ جو زحمت اور وقت ایسے نظام کے آغاز اور ترقی کی تحقیق میں صرف کیا جائے۔ نیز اس کے اثر کے علل معلوم کرنے میں اس کو کسی طرح بھی ضائع نہیں سمجھا جا سکتا۔ میں اس کی امید رکھنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں کہ اس کتاب کے اکثر ان اجزا کو جو ایک وکیل کے لئے نہایت ہی کم قیمت کی چیز ہوں ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص نہایت ہی دلچسپی سے پڑھے جو کبھی بھی عدالت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ وہی مباحث جو خالص علمی دلچسپی رکھتے ہیں اور جو بہ وجہ اس کے قدیم ہیں دلچسپ معلوم ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں حقیقی خدمت ظاہر ہو بہر صورت عدالت کے حاکم کے لئے۔ جسے مقدمے کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے گو وکیل جسے مقدمہ جیتنا ہے ان سے کوئی چیز حاصل نہ کرتا ہو۔

حاکم عدالت کے ملاحظے کے لئے ہر مسئلے پر متضاد متن پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ ان میں سے انتخاب کریں۔

ان اساتذہ اور علمائے قانون کی محنت و مشقت سے جو سال بہ سال اطلاعات کے جدید ذرائع پیدا کرتے ہیں مذکورالصدر دشواری مسلسل طور پر بڑھتی ہی رہتی ہے جن کتابوں کو انھوں نے ہم تک پہنچایا ہے وہ نہایت ہی قدیم مصنفین کی ہیں جو فراموش کر دیئے گئے تھے ۔ کیوں کہ ان کی تعلیمات کا لب لباب جدید تر مقالوں میں داخل کر لیا گیا تھا قدیم متنوں میں کی ایک بڑی تعداد خود ایک دوسرے کے مغائر ہے ۔ مزید برآں وہ اس عام قانون کے بھی مغائر ہے جس کے تحت ہماری عدالتوں میں عدل گستری کی جاتی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک یہ رائے ترقی کر رہی ہے کہ ہم سب کے سب غلط کی طرف جا رہے ہیں ۔ یہ کہ قانون کو جدید تر شارحین سے لینا ہماری غلطی ہے ۔ اور یہ کہ ہمارا واحد محفوظ راستہ یہ ہے کہ ہم قدامت پر عود کریں ۔ اور جب کبھی اس کی ضرورت لاحق ہو منو کشرا ۔ یا دیا بھاگ ۔ کو منو ۔ گوتم یا وشسٹ سے صحیح کریں ۔ ان میں سے چند مصنفین

xii شاید بہ لحاظ سن و سال دو ہزار سال سے بھی زیادہ کے ہیں ۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ شرع بھی بدلتا رہتا ہے گو آہستہ آہستہ ۔ مذکورالصدر نظریئے نے ان واقعات کا لحاظ نہیں کیا ہے ۔ قانونی شخص کا حقیقی کام یہ ہے کہ تضاد کے اسباب بیان کرے نہ کہ ان میں تطابق پیدا کرے ۔ تطابق پیدا کرنا ناممکن ہے ۔ مثال کے طور پر اگر حاکم عدالت کے ملاحظے میں امتناع تقسیم کا حکم زیر غور ہو یا وہ متن زیر غور ہو جس سے باپ اپنے خاندان کا مطلق العنان مالک سمجھا جاتا ہو ۔ تو وکیل کی بہترین خدمت یہ ہوگی ۔ حاکم کو یہ بتلائے کہ کسی زمانے میں یہ متن لفظ بہ لفظ صحیح تھے مگر یہ کہ سماج کی وہ کیفیت جس میں وہ صادق آتے تھے ایک عرصہ ہوا کہ باقی نہیں رہی ہے ۔ ڈاکٹر مائیر (Dr. Mayr.) نے اپنی نہایت ہی قیمتی کتاب (Das Indische Erbrecht) (ہندوستانی قانون وراثت) میں ایک بڑی حد تک یہی کیا ہے ۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلک بنگال کے مصنفین و مولفین سے واقف نہ تھے ۔ اور بیشک ان کو قانون کی اس ترقی کا علم نہ تھا جو ایک صدی میں عدالتی فیصلوں کے سبب ہوئی ہے ۔ میں نے ان کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کی ہے اور اس راستے پر جو سر ایچ ۔ ایس مین نے اپنی مشہور عام تصانیف میں بتلایا ہے ۔ یہ قیاسی امید ہوگی کہ میں نے یہ کام پوری پوری کامیابی کے ساتھ یا قابل لحاظ کامیابی کے ساتھ کیا ہے ۔ مگر میں امید کرتا ہوں کہ میری جد و جہد سے

تنقید اور تبصرے کے راستے کی رہنمائی ہوگی اور اس سے حقیقت کا بالآخر انکشاف ہوگا۔

دوسری اور بالکلیہ مختلف مروجہ رائے حسب ذیل ہے۔ یہ کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ اس ہندو قانون کا جو سنسکرت کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے سوائے برہمنوں کے کسی اور پر بہت کم اطلاق ہوتا ہے۔ یا ان پر ہوتا ہے جن کی برہمن اعانت کرتے ہیں۔ اور یہ کہ نیچ فرقوں کے لوگوں کی زندگی سے یا غیر آریہ اقوام کی زندگی سے اسے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے (دیکھئے (View of the Hindu Law as administered by the Madras High Court.) مسٹر نلسن نے نظریۂ مذکور کو اپنی کتاب مذکور میں پیش کیا ہے جو کچھ کہ وہ کہتے ہیں اس کے ایک بڑے حصے سے میں متفق ہوں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان قواعد کا اطلاق جن کی بنیاد برہمنوں کے مذہبی نظریے ہیں صحیح طریقے سے ان قبائل پر نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے ان نظریوں کو کبھی لیا ہی نہ ہو۔ محض اس شہادت پر کہ وہ سنسکرت کی قانونی کتاب میں موجود ہیں۔ ان کا اطلاق کرنا درست نہیں۔ میں ان کے اس خیال سے بالکل متفق ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (الف) خود مصنفین سنسکرت پر جو اثر برہمنی عقائد کا ہوا ہے اس کے بارے میں بہت زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے اور یہ کہ (ب) سنسکرت قانون کے وہ اجزا جو عملی طور پر اہم ہیں رواج پر مبنی ہیں۔ اور یہ ایسا رواج ہے جو اصلاً گو تفصیل میں ایسا نہ ہو آریہ اور غیر آریہ قبائل میں مشترک اور عام ہے موجودہ کتاب کا معتد بہ حصہ اس نظریے کی وضاحت کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ سنسکرت قانون نے خود غیر آریہ اقوام کے مماثل رواجات کو اپنے طرز پر ڈھالنے میں اپنا اثر استعمال کیا ہے۔ میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ انھوں نے (مسٹر نلسن) اس اثر کی بہت کم وقعت کی ہے۔ جنوبی ہند کے کل مقامات میں یہ اثر موجودہ صدی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہماری عدالتوں اور پنڈتوں وکلا اور عہدہ داران عدالتی و مالگزاری کے ذریعے ایسا ہوا ہے۔ تقریباً ان میں کے کل حال حال تک برہمن تھے۔ XI

میں قطعاً یہ خیال نہیں کرتا کہ ڈراویڈی اقوام کا یہ عقیدہ راسخ ہے کہ وہ مٹاکشرا کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور نہ کسی انگریز کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کی زندگی کی رہنمائی لارڈ کوک (Coke) اور لارڈ مینسفیلڈ (Mansfield) کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ اقوام

خالی الذہنی سے زندگی کے ایسے راستے کی پیروی کرنے کی کوشش کر رہے ہوں جس راستے کو معزز ترین ذہین ترین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص ہمسایہ نے اختیار کر لیا ہے۔ نتیجہ بالکل ایک ہی ہوگا گویا کہ انہوں نے بطور خود شاستراکا علم حاصل کر لیا ہے۔ حقیقی صورت حال یہی ہے۔ پندرہ سال تک صوبہ مدراس کی مقدمہ بازی سے واقف ہونے کے بعد میں نے یہی رائے قائم کی ہے۔ ملیبار میں بھی میں نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں کے باشندے مسلسل طور پر خود اپنے رواجات کو نکال باہر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اور متمنی رہتے ہیں کہ جائداد کی تقسیم۔ انتقال اور ہبہ بالوصیت کے بارے میں اس طرح عمل کریں گویا کہ ان کی جائداد معمولی ہندو قانون کی تابع ہے۔ صوبہ جاتی عدالتوں میں ان کی یہ کوششیں مسلسل طور پر کامیاب رہی ہیں لیکن جب صدر عدالت مدراس میں مرافعہ ہوتا تو ان کے منصوبے ہمیشہ خاک میں ملائے جاتے تھے۔ اکثر مرتبہ پہلے پہل انگریز بیرسٹروں کے معترض ہونے پر ایسا ہوتا تھا۔ اس خاموش انقلاب کی کل مدت میں اتفاقاً ایسا ہو رہا تھا کہ صدر عدالت میں ہر وقت ایک یا دو ایسے حکام موجود ہوتے تھے جنہیں رواجات ملیبار کا مکمل علم ہوتا تھا۔ اور اس ضلع کے مقدمات ہمیشہ ایسے ہی حکام سماعت کرتے تھے۔ اگر عدالت میں ایسے خاص تجربہ کار نہ ہوتے تو اس وقت تک طریقہ مذکورالصدر اس سرعت کے ساتھ رائج ہو جاتا کہ ملیبار کا ہر تاروڈ ٹوٹ جاتا۔ بغاوت انقلاب کی شکل اختیار کر لیتی۔

تیسری رائے وہ ہے جو مسٹر اس انگریز کی ہو سکتی ہے جسے عقل سلیم ہو۔ مسٹر کننگھام نے۔ جو اب بنگال ہائیکورٹ کے جج ہیں۔ اپنی جدید ڈائجسٹ آف ہندو لا کے دیباچے میں ان کے نظریوں کو نہایت ہی قابلیت سے پیش کیا ہے۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کل قانون پر تعجب خیز اور قابل رحم نظریں ڈالتے ہیں۔ وہ اس قاعدے کے مہمل ہونے پر ہنستے ہیں جس سے بے ماں باپ کے لڑکے کو متبنیٰ لینے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کو قواعد ذیل سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ کہ ہر شخص کا پڑ دتا اس کا وارث ہے مگر اس پڑ وتے کا لڑکا بعید ورثا میں سے ہے اور خود اس کی بہن وارث ہے ہی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایک مختصر اور سادہ مدونہ قانون سے ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی۔ ہر شخص اس سے خوش ہو جائے گا۔ اور اس کے مفہوم کے بارے میں

یہ توقع نہ ہوگی کہ حکام اختلاف کریں۔ یہ مسائل اس میں شک نہیں مقننہ کے لئے ہیں نہ کہ وکیل کے لئے۔ میں نے اس بحث کے لئے مواد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ میں نے یہ بتلایا ہے کہ قواعد زیر بحث کا آغاز کس طرح ہوا۔ اور یہ کہ ان میں سے کتنوں کو علیحدہ کرنا پڑے گا اگر وہ بدل دیئے گئے ہوں معجزوں کا زمانہ گزر چکا ہے اور میں بہ مشکل ہندو قانون کے ایسے مجموعے کو دیکھنے کی توقع کرتا ہوں جس سے تاجر اور زراعت پیشہ پنجابی اور بنگالی۔ بنارس کے پنڈت نمبر رامیسوارم۔ امرتسر اور پونہ کے پنڈت کو تشفی ہو جائے۔ مگر میں ایک ایسے خوش نما اور بظاہر صحیح مجموعۂ قانون کا تصور کر سکتا ہوں جس سے غیر اطمینانی حالت میں اضافہ ہو جائے۔ اور بہ نسبت اس قانون کے جس کے تحت اب انصاف رسانی ہوتی ہے زیادہ صرف ہوا کرے۔

سنسکرت کی لاعلمی کے سبب جس دشواری کے تحت میں نے کام کیا ہے اس کا مجھے افسوسناک احساس ہے۔ اس کا اظہار کئے بغیر میں اپنے دیباچے کو ختم نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ سے مجھے کلیتہً ترجموں پر اپنے کام کو حصر کرنا پڑا۔ ہندو قانون پر مقالہ حقیقۃً اسی وقت تشفی بخش ہو سکتا ہے جب کہ اس کا مصنف نہ صرف ایک عالم و فاضل قانون داں ہو بلکہ مستشرق بھی۔ اگر گورنمنٹ نے مسٹر کولبروک اور بمبئی ڈائجسٹ کے مدیروں کے کام کی وسعت کو محدود نہ کیا ہوتا تو اس قسم کا کام وہی پیش کر سکتے تھے۔ بدقسمتی سے اب تک وہ لوگ جو اس طرح متصف تھے یا تو میلان اور رجحان کی کمی کے سبب ایسا نہ کر سکے یا وقت کی کمی کے باعث۔ قانون داں اشخاص مستشرق نہیں تھے اور مستشرقین مقننین نہ تھے۔ اکثر غلطیوں کی صحت کے متعلق جن میں میں اپنی جہالت کے سبب پڑ گیا ہوں میں نہایت ہی خندہ پیشانی اور خلوص سے صرف یہ کہہ سکتا ہوں (Exoriare Aliquis Nostris ex ossibus ultor.)

انر ٹمپل

جولائی ۱۸۷۸ء

جان ڈی مین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# قانون ورواج ہنود

## باب اوّل

### ہندو قانون کی نوعیت

### اوراس کی ابتدا

**سنسکرت مقنن کے اسناد**

ف۔ حال تک دھرم شاستر کے مولفین نے یہ فرض کر رکھا تھا کہ ہندوؤں کا قانون کامل طور پر نہ صرف سنسکرت کے قدیم کتب اوران کے شروح میں موجود ہے بلکہ قدیم مصنفین ہی اس کے موجد اور بانی تھے۔ مجموعۂ قوانین منو پہلی کتاب ہے جس پر یورپ کی توجہ مبذول ہوئی۔ اکثر لوگ اس کو قانونِ منو ان معنی میں کہنا چاہتے ہیں جن معنی میں کہ ہم مجموعۂ تعزیرات ہند کو قانون کہتے ہیں گویا کہ مثل موخر الذکر کے وہ بھی ایک خاص دن ۱

نافذ ہوا۔ اور اس کو اس لئے مستند سمجھنا چاہئے ہیں کہ منو نے اس کو مشتہر کیا (جیسا کہ مجلس وضع قوانین نے قانون تعزیرات ہند کو وضع کیا) بعض مولفین اس سے واقف ہیں کہ مجموعہ قوانین منو کے لئے کوئی قانونی سند نہیں ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کتاب میں صرف ان امور کا ذکر کیا گیا ہے جن کو ان کا لکھنے والا قانون سمجھتا تھا یا یہ چاہتا تھا کہ وہ قانون سمجھا جائے ایسے مولفین اس کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ وہ قواعد جن سے اہل ہنود کے دیوانی حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ اور جنھیں ہم عام طور پر ہندو قانون کے نام سے موسوم کرتے ہیں برہمنوں سے لئے گئے ہیں وہ اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ متضاد رسوم موجود ہیں اور ان کی تعظیم واحترام ضروری ہے۔ لیکن وہ ان متضاد رواجات کو اس قانون کی مقامی خلاف ورزی سمجھتے ہیں جس کا وجوب عام ہے اور جس کی پابندی عالمگیر ہونی چاہئے اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اگر وجود رواج اس طرح ثابت کیا جائے کہ پھر نزاع باقی نہ رہے تو قانون مذکور کی اگر ممکن ہو سکے تو روک تھام کر کے اسے ترک کر دینا چاہئے۔

**ف ۲.** اس کے برخلاف وہ لوگ جنھوں نے قانون کا علم کتابوں سے حاصل نہیں کیا بلکہ ہندوؤں سے میل جول کر کے حاصل کیا ہے تسلیم نہیں کرتے کہ برہمنوں کے قانون کا ایسا عالمگیر اثر تھا۔ مسٹر ایلیس (Ellis) جنوبی ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سمرتیوں کا قانون تامل (Tamil) اور دیگر یکجدی اقوام کا قانون کبھی بھی نہیں رہا۔ بجز اس کے کہ اس میں متعدد ترمیمات
۲ ہوئے ہوں (۱) علی ہذا ڈاکٹر برنل و مسٹر نلسن نے بھی پرزور الفاظ میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے (۲) اور سر ایچ-ایس-مین (H. S. Maine) صاحب خصوصیت سے ہندوستان کے صوبہ شمالی و مغربی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جو اشخاص مجھے سب سے زیادہ مستند معلوم ہوتے ہیں انھوں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اولاً یہ ہے کہ قانون موضوعہ (یعنی منو اور اس کے حاشیہ نویس) میں رواجات زیادہ شامل نہ تھے۔ اگرچہ اس کو رواجات سے مملو سمجھا جاتا ہے۔

(۱) مسٹر ایلس مسٹر اسٹرینج صاحب کا ہندو دھرم شاستر جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ نیز دیکھئے پنڈتوں کے فتاویٰ بمقدمہ اندرانا بنام راماسوامی جلد ۱۳ مور ز انڈین اپیلز صفحہ ۱۴۹ جلد ۳ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱ و جلد ۱۲ اسد رلینڈ صفحہ ۱۴۷ پریوی کونسل۔

(۲) دیباچہ ریاباگ صفحہ ۱۳۔ رواجات ہندو دھرم شاستر نلسن صاحب دیباچہ و باب اول Nelson's Scientific Study of Hindu Law (۱۸۸۱ء)۔

اور ثانیاً یہ کہ قواعد رسم و رواج جب تحریر میں لائے گئے تو برہمن شارحین (expositors) نے عموماً اس کے معانی اور کہیں کہیں اس کے طرز کلام و سیاق عبارت ( tenor ) میں تبدیلیاں کی ہیں۔ ہندوستانی قانون سے متعلق فی الواقعی اس کا اعلان کیا جاسکتا ہے کہ وہ مقامی رواجات کی ایک بڑی تعداد پر مشتمل ہے نیز اس میں رواج کا ایک ایسا مجموعہ بھی ہے جو تحریر میں لایا گیا تھا۔ اور جو بہت زیادہ الہامی سمجھے جانے کی وجہ سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ اثر استعمال کر رہے تھے اور اس کی روک تھام نہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان تھا کہ دوسرے رواجی قانون کو اپنے میں جذب کر لیتے اس سے یہ نہ سمجھا جانا چاہیئے کہ رسوم و روایات فی الحقیقت اصولاً ایک دوسرے سے الگ ہیں ان کی عام شکل ایک سی ہے البتہ تفصیل میں قابل لحاظ اختلافات ہیں۔[۲]

(۲) جماعتہائے دیہ ص ۵۲ -

**تحریری اور غیر تحریری قانون بہ نفسہ مشابہ ہے۔**

ف ۳۔ مجھ کو اس کا یقین ہے کہ وہ لوگ بھی جو مسٹر ایلیس اور مسٹر نلسن سے لفظ بہ لفظ اتفاق کرتے ہوں اس کا اعتراف کریں گے کہ قدیم سنسکرت کی کتابوں سے ایک ایسے قانون کا سراغ ملتا ہے جو فطرتاً موجودہ قانون کا ماقبل سمجھا جاسکتا ہے و نیز بعد کے شارحین ایک ایسی حالت کا ذکر کرتے ہیں جو بہ لحاظ عام خاصیت نہ کہ تفصیلات میں ہندو معاشرت سے بہت مطابق ہے مثلاً غیر منقسمہ خاندان کی حالت سلسلۂ وراثت عمل تبنیت وغیرہ موخر الذکر دعوے کے میری رائے میں متعدد ثبوت ہیں۔ اب رہا مغربی ہند یہاں چند ایسے رواجات دکھائی دیتے ہیں جو گھریلو قانون پر حاوی ہیں۔ یہ رواجات مقامی تحقیقات کر کے بڑی محنت سے متعین کئے گئے ہیں اور مسٹر اسٹیل نے انھیں قلمبند کیا ہے اور بورو ڈیل رپورٹ کے اکثر اہم ترین فیصلوں کو زندہ گواہوں کی شہادت پر مسلم قرار دیا گیا۔ ممالک شمالی۔ مغربی اور پنجاب میں اہل ہنود وجین۔ جاٹ اور سکھوں کے متعلق بھی ان ممالک کے فیصلہ جات میں مماثل قسم کی شہادت رواجات کے متعلق پائی جاتی ہے۔ ہندوستان کے دوسرے مقامات کے متعلق
۳ شہادت کسی قدر خفیف ہے۔ لیکن یہ امر آئے دن ہمارے تجربے میں آتا ہے کہ مقامی رواج بے چون و چرا پیش ہوتا ہے اور فوراً منظور بھی کیا جاتا ہے اگرچہ مسلم کتب قانونی میں

اس کے خلاف احکام نہ رج ہدل مثلاً مشولا پور میں عورتوں کا وراثت سے محروم ہونا اور جنوبی ہند کے ماراوروں میں طلاق اور ازدواج ثانی کا عمل۔ ملیبار میں مردمکا تیم قانون اور کنارا میں الیاسا نتن قانون کی متابعت کی جاتی ہے اور کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ ان اقوام سے متاکشرا قانون متعلق ہو کیونکہ اس کا پورا پورا علم تھا کہ ان کے رواجات قطعاً الگ ہیں۔ دوسرے مقامات میں قانون مذکور کو دیسی حکام دیسی وکلاء کی مدد سے ان متنازعین سے متعلق کیا کرتے ہیں جو اس کی استدعا کرتے ہیں۔ اگر یہ قانون اصلاً عوام کے جذبات کے موافق نہ تھا تو یہ امر قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ وہی اشخاص جو واقعات کو ظاہر کرنے کے متمنی ہوں اس کے پوشیدہ رکھنے کی سازش میں شریک بھی ہوتے ہوں۔ میری رائے میں ایسی مطابقت موجود ہے کیونکہ جیسا کہ تھیسا ولم میں ذکر کیا گیا ہے[لہ] اس قانون میں اور شمالی لنکا کے تامل باشندوں کے رواجات میں بین مشابہت دکھائی دیتی ہے۔ لیکن پھر بھی سوال باقی رہتا ہے کہ آیا ان رواجات کی ابتداء برہمنوں سے ہوئی یا اصلاً وہ مقامی ہیں اور یہ کہ آیا برہمنوں کا رنگ اتفاقاً داخل ہو گیا؟ اور جب رواج اور برہمنوں میں تصادم ہو تو ان دونوں میں قدیم تر کون سمجھا جائے گا۔

**رواج یا برہمنی عقائد کی ترجیح اہم ہے**

ف ۲۷۔ ظاہر ہے کہ عملاً یہ سوال نہایت اہمیت رکھتا ہے اور ایک ایسا سوال ہے کہ حاکم عدالت کو چاہیئے کہ فیصلہ کرنے سے قبل اس کا جواب دے۔ یہ یقینی ہے کہ مثلاً برہمنوں کے اصول کے مطابق روحانی فائدہ وراثت کا معیار ہے پس اگر وہ دعویداروں میں سے ایک ہر طرح مرجح ہو اور روحانی فائدے کے معیار میں پورا نہ اترتا ہو تو حاکم کو اس کا تعین کرنا ہو گا کہ آیا اس مسلک کی بنیاد کسی طرح برہمنوں کے اصول پر مبنی تو نہیں ہے۔ علیٰ ہذا تبنیت میں بھی۔ ایک برہمن اس کے جواز اور اس کی ضرورت کو مذہبی نقطۂ نظر سے آزماتا ہے۔ اگر تبنیت عمل میں آئے اور مذہبی ضرورت اس میں قطعاً نہ پائی جائے تو حاکم کو اس کا تصفیہ کرنا ہو گا کہ آیا مذہب اس معاملے میں ایک اہم جزو تھا یا نہیں۔ ۴

لہ۔ اس تالیف کے متعلق دیکھو آگے۔ ف ۴۲۔

**سنسکرت قانون رواج پر مبنی ہے۔**

**ف ۵**۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہندو قانون نہایت قدیم رواجات پر مبنی ہے اور یہ رواجات برہمنی عقائد سے قبل بہ ذات خود موجود تھے۔ آریہ لوگ جب ہندوستان میں داخل ہوئے تو انھوں نے یہاں ایسے رسوم کو رائج دیکھا جو یا تو خود ان کے رواج کے مطابق تھے یا کم وبیش ویسے ہی تھے۔ انھوں نے تب ان رواجات کو یا تو ترمیم کے ساتھ منظور کیا یا بلا ترمیم صرف ان رواجات کو اختیار نہیں کیا جو ان کی معاشرت کے موافق نہ تھے۔ مثلاً محرمات سے ازدواج یا ایک عورت کا کئی شوہروں سے تعلق رکھنے کا رواج وغیرہ موخرالذکر رواجات محض مقامی حد تک باقی رہے اور مقدم الذکر حاکم قوم کے رواجات میں شامل ہو گئے جب برہمنی اثرات بڑھتے گئے اور برہمن مولفین نے قانون کی طرف توجہ کی تو انھوں نے اولاً واقعات کو اسی طرح بیان کر دیا جس طرح کہ وہ پائے گئے اور کوئی مذہبی اہمیت ان واقعات کو نہیں دی۔ مذہب کا جز و بعد پیدا ہوا اور قانونی تصورات سے مخلوط ہوتا گیا اور ان کی تاویل تین طرح سے کی گئی۔ اولاً عام افعال سے مذہبی اغراض منسوب کئے گئے۔ ثانیاً ان افعال سے وہ قواعد اور قیود منسوب کئے گئے جو مفروضہ مقاصد نیک کے لئے موزوں تھے۔ ثالثاً بہ تدریج خود رواجات کو اس طرح بدلا گیا کہ خاص مذہبی اغراض کو ترقی ہو یا اس مصلحت کو مدد پہنچے جو برہمنی عقائد میں اچھی سمجھی جاتی تھی۔

**رہنت سند پر نہیں**

**ف ۶**۔ میری رائے میں یہ تصور کرنا ناممکن ہے کہ رواجات عام طور پر محض اس لئے منظور کئے گئے تھے کہ ان کو برہمن مصنفین نے پھیلایا تھا یا اس لئے کہ آریہ اقوام نے ان رواجات کو پسند کیا تھا۔ بہرحال جنوبی ہند میں یہ امر واضح نظر آتا ہے کہ نہ تو آریہ اور نہ برہمن اتنی کافی تعداد میں کبھی بھی ساکن ہوئے تھے کہ اس طرح کا نتیجہ پیدا کر سکتے[1]۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ مشرقی اقوام کس پابندی سے اپنے رواجات کو چمٹے ہوئے رہتے ہیں اور ان اشخاص کی مثالوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو ان کے قرب وجوار میں رہتے ہیں۔ ہمیں یہ فرض کر لینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ آریوں نے ہندوستان میں

---

[1] ۔ دیکھئے ہنٹر صاحب کی کتاب اوڑیسہ جلد ا صفحہ ۲۴، ۲۶۵۔ نلسن صاحب کی ویو View باب ۱ اور باب ۲ مدورا مینوئل حصہ دوم ص ۱۱ حصہ سوم باب ۲۔

اپنے رسوم ورواج کی پابندی محکوم قوم پر عائد کرنے کی کبھی بھی کوشش کی یا اینکہ وہ کوشش کرتے کی صورت میں کامیاب ہوتے خود برہمنوں کی کتابیں اور تصانیف اس خیال کی نفی کرتے ہیں۔ قدیم سوترا مولفین ہیں نہ تو کوئی تنازع ہے اور نہ ذرہ برابر ازعانیت (Dogmatism) وہ صرف ان رواجات کو قلمبند کرتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں اور کہیں اس کا ذکر کرتے ہیں کہ چند اضلاع کے عمل یا دوسرے اشخاص کے آرا مختلف ہیں منو کا بڑا حصہ قطعاً برہمنوں سے مخاطب ہے۔ لیکن وہ اس بات کے ظاہر کرنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ اضلاع۔ اقوام اور خاندانوں کے رواجات کی پابندی کرنا چاہیئے[1] مثال۔ اثر اور معاشرت کی عام ترقی کی وجہ سے قدیم رواجات میں قابل لحاظ تبدیلیاں ہوئیں۔ لیکن مجھ کو یہ امر خلاف علم و واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ رواجات کے ایک مجموعے کی جگہ کلیتہً دوسرے مجموعے نے لے لی[2]۔

**امتیازی خصوصیات برہمنی نہیں ہیں۔**

ف۔ ہندو قانون کے مابہ الامتیاز خصوصیات غیر منقسمہ خاندان کا طریقہ۔ سلسلۂ وراثت اور تبنیت ہیں۔ موخر الذکر دو امور فی زمانہٖ برہمنی عقائد (Brahmanism) میں جذب ہو گئے ہیں)۔ خاندان پر اس کا اثر محض اس غرض سے ڈالا جاتا ہے کہ اس کو توڑ دیا جائے۔ لیکن بہرصورت میری رائے میں یہ امر قابل اطمینان طریقے سے ظاہر کیا جا سکے گا کہ قانون کے ان شعبہ جات کی ابتدائی تاریخ پر کسی طرح برہمنوں کا اثر نہ تھا۔ یہ کہ وہ برہمنی اثر کے بغیر بھی موجود تھے اور نہ آریوں کا ان پر کوئی اثر پڑا تھا اور یہ کہ جو تغیر و اصلاح ان رواجات میں مذہبی مداخلت سے واقع ہوئے ہوں وہ قطعاً بدیہی ہیں۔

اس نظریے پر آیندہ اسی کتاب میں طویل بحث کی جائے گی یہاں اس استدلال کی نوعیت کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔

لہ۔ دیکھئے اپستمبا جلد ۲، ۶ صہ۱۲ دفعات ۶۔ ۹ گوتم باب ۲۸ ف ۲۶۔ ۴۴ ڈاکٹر جالی سوترا مولفین کے اختلافات کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں "یہ ممکن نہیں ہے کہ اختلافات مسائل کی کوئی اور وجہ سوائے اس کے معلوم کی جا سکے کہ مختلف زمانے اور ممالک میں جہاں کہ موجودہ دھرم شاستر کی ابتدا ہوئی تھی مختلف رواجات تھے"۔ (جالی صاحب کا لکچر نمبر ۲)

لہ۔ دیکھئے آیندہ صفحات پر فقرہ ۴۔ و قدیم دھرم شاستر مولفہ میکس ملر Max Muller صہ ۵۸۔

**خاندان مشترک**

ف۔ خاندان مشترک اس رجحان کا جس سے جائداد مشترک قبضے میں رکھی جاتی تھی صرف ایک پہلو ہے اور اب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ عام طور پر ایک زمانے میں قبضۂ جائداد کا یہی طریقہ تھا (land tenure) اس جانب اہل الرائے (Scholars) کی توجہ سب سے پہلے اسکلاونی (Schavonian) دیہی جماعتوں نے (village Commanities) مبذول کرائی۔ لیکن اب اس امر میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ مماثل قسم کی ملکیت مشترکہ کا تصور اسکلاونی یا آریا اقوام تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر حصے میں جہاں انسان بسے ہیں اور زرعی زندگی بسر کر رہے ہوں پایا جاتا ہے[1] ہندوستان میں اس قسم کا اتحادی طریقہ عام طور پر اشتراکی دیہی جماعت کی شکل میں
یا سادہ خاندان مشترک کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ برہمنی عقائد یا آریوں کے اثرات کو ۶
اس طریقے سے کوئی تعلق نہ تھا چنانچہ وہ ان صوبوں میں خصوصیت سے دکھائی دیتا ہے جہاں برہمنوں اور آریوں کا اثر بہت ہی کمزور تھا۔ اب رہیں دیہی جماعتیں یہ اب تک پنجاب اور اس کے مضافاتی اضلاع میں اصلی حالت میں باقی ہیں۔ یہی وہ حصۂ ملک ہے جس میں سے آریا لوگ ہندوستان میں داخل ہوتے وقت گزرے ہوں گے تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں برہمنی عقائد قطعاً مستحکم نہ ہوسکے۔ ڈاکٹر میور مہابھارت کے چند فقرات تحریر فرماتے ہیں جس سے ہمارے مذکورۂ بالا بیان کی تائید ہوتی ہے۔ وہ لوگ "جو پانچ دریاؤں کے درمیان رہتے ہیں جن میں کا چھٹا دریائے سندھ ہے (River Indus) ایسے نجس بہیکاؤں (Babikas) کے متعلق بیان کئے گئے ہیں" جو حقیقت سے بہت دور ہیں کسی آریا کو اس جگہ دو دن بھی نہ ٹھہرنا چاہئے۔ وہاں بداخلاق برہمن رہتے ہیں جو پرجاپتی کے ہمعصر ہیں۔ ان کے پاس نہ تو وید ہے نہ اس کے رسوم اور نہ قربانی[2] "وہاں ایک بہیکا برہمن تو پیدا ہوتا ہے لیکن بعد میں یا تو چھتری ہو جاتا ہے یا ویش۔ یا شدر اور بالآخر حجام۔ اور پھر وہی حجام برہمن ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک مرتبہ وہی برہمن مثل غلام کے پیدا ہوتا ہے۔ خاندان میں صرف ایک برہمن پیدا ہوتا ہے اس کے دوسرے بھائی اپنی مرضی کے مطابق بلا قیود عمل کرتے ہیں"۔ اور وہ تا حال اسی حالت پر باقی ہیں جیسا کہ آیندہ ہم دیکھیں گے کہ مذہبی عنصر ان کے دنیاوی قانون میں کبھی داخل ہی نہیں ہوا۔

---

[1] دیکھو (Laveleye, Propriete) اور سر ایچ۔ ایس۔ مین کے تالیفات۔
[2] میور جلد ۲ صفحہ ۴۸۲۔ و نیز دیکھئے بیڈن پاول کی ہندی دیہی جماعت بابت ۱۸۹۶ء صفحات ۱۳۱ و ۱۳۶۔

پنجاب کے بعد دیہی جماعتوں کے نمایاں آثار جنوبی دراوڑی اقوام میں پائے جاتے ہیں۔ علی ہذا خاندانِ مشترک کے آثار بھی۔ وہ اب تک اپنی اصلی حالت میں باقی ہیں نہ صرف غیر منقسمہ بلکہ ناقابلِ تقسیم۔ بالخصوص ملیبار اور کنارا کے ان اقوام میں جن کی عورتیں ایک سے زیادہ شوہر کرنے کی مجاز ہیں اور جن پر برہمنی عقائد نے کبھی اپنے اثرات کی چادر ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے بعد غالباً اصلی غیر منقسمہ خاندان کے باقیماندگان شمالی لنکا کے وہ تامل مہاجرین ہیں جو جنوبی ہندوستان سے آئے تھے۔ ہم صرف اس وقت برہمنی عقائد کا اثر دیکھتے ہیں جب کہ طریقۂ خاندان ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور خاندانی یک جہتی کے ٹوٹنے میں اور اس اثر میں صریح تناسب پایا جاتا ہے[1]۔

**قانون وراثت**

**۹**۔ وراثت میں بھی اس نظریہ کی قوی تر تائید ہوتی ہے۔ یہ اصول کہ "ہندو قانون کے لحاظ سے حق وراثت اس روحانی فائدے کے لحاظ سے بڑھتا گھٹتا رہتا ہے جو متوفی مالک کو پہنچایا جاسکتا ہے" نہایت اعلیٰ عدالتی اسناد پر مبنی ہے۔ اصول مذکور نہایت اعلیٰ عدالتی اسناد پر مشتمل اس قانونی عقیدے یا مسلک کے بیان کیا گیا ہے جس کو تمام عالم صحیح سمجھتا ہے اور جس سے انکار کرنا یا جس میں شک کرنا قانونی الحاد ہے۔ بنگال میں یہ اصول قطعاً درست ہے۔ اور اس کی پابندی سختی سے کی جاتی ہے۔ دوسرے مقامات میں ایسا نہیں ہے[2]۔ پنجاب میں سلسلۂ وراثت کا تعین رواج پر منحصر ہوتا ہے روحانی فوائد سے اس کو تعلق نہیں[3]۔ ممالک بمبئی میں ہر جگہ متعدد ایسے رشتہ دار اور بالخصوص اناث قرابت دار وارث ہوتے ہیں جن سے کسی طرح روحانی فائدہ منسوب نہیں کیا جاسکتا بمتاکشرا میں معیار وراثت اشتراک نسب (consanguinity) ہے نہ کہ روحانی فائدہ۔ وہ لوگ جو متاکشرا کو مستند مانتے ہیں چودہ پشت تک کے

---

[1]۔ دیکھئے باب ہفتم فقرہ ۲۶۱۔

[2]۔ پروفیسر ولسن نے بہت قبل اس کو ظاہر کیا تھا، دیکھئے ان کی تالیفات۔ و نیز سر جے پیس مین صاحب کی دیہی جماعتیں صـ۵۳ ان کو بھی اس نظریے کے متعلق بے اعتباری ظاہر کرنے میں دشواری ہوئی تھی۔

[3]۔ رواج پنجاب صـ۱۱ رواجی قانون پنجاب باب ۲ صـ ۱۴۲۱۰۔

یک جدی رشتہ داروں کو قرابتدار بذریعۂ اناث پر مثلاً ہمشیرہ زادے پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ کہ مقدم الذکر بہت کم (infinitesimal) مذہبی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور موخرالذکر کی ہوم کرنے کی قابلیت بہت زیادہ ہے۔ سب سے پہلے جموتو وہان (Jimuta vahan) نے اس کا اعلان کیا کہ ورثا کی ترتیب روحانی مفاد پر ہونی چاہیے اس کو اس کے جانشینوں نے وسعت دی۔ لیکن اس سے سلسلۂ وراثت کی مکمل الٹ پھیر کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ قرابتدار بذریعۂ اناث یک جدی میں مخلوط ہو گئے۔ اگرچہ ان کا شمار یک جدی کے بعد ہوتا تھا۔ اور قرابتدار بذریعۂ اناث کی خود تعریف کو بدلنا پڑا تاکہ وہ لوگ خارج ہو سکیں جنھیں مٹاکشرا نے قرابتدار بذریعۂ اناث بیان کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسا طریقہ رائج ہوا جو مذہبی عقائد پر مبنی ہے اور جن کے استدلال اور منطق بے عیب ہیں لیکن کسی طرح وہ طریقہ وہی نہیں ہے جو قدیم ہندوستان میں رائج تھا[1] بنگال میں قانونِ وراثت ہوم ادا کرنے کے فرائض کے تابع ہے۔ دوسرے مقامات میں وراثت کے تابع فرض ہے۔

**قانون تبنیت**

ف ۱۔ قانونِ تبنیت کو برہمنوں نے زیادہ کامیابی کے ساتھ اپنے منشا کے موافق بنا لیا۔ اور اس رواج کے علامات تک باقی نہ رکھنے کی کوشش میں تقریباً کامیاب ہوئے جو ان سے پہلے تبنیت کے متعلق موجود تھا۔ اس میں
شک نہیں کہ ان آریا اقوام میں جو اجداد کی پرستش کرتے تھے بیٹے کا وجود مذہبی رسوم ادا ۸
کرنے کے لئے ہمیشہ سے غیر معمولی اور اصلی اہمیت رکھتا تھا۔ جب فطرتی اور اصلی بیٹا موجود نہ ہو تو اس کی جگہ فرضی بیٹا لیتا ہے۔ اس سے فطرۃً تبنیت کا طریقہ رائج ہوا۔ لیکن جملہ مذہبی خیالات کے قطع نظر بیٹے کی موجودگی کے حسب ذیل فوائد کو مساوی طور پر محسوس کیا جانا ضروری تھا اور دیگر اقوام نے بھی اس کو محسوس کیا کہ وہ باپ کو زندگی کے کاروبار میں مدد دیتا ہے ضعیفی میں اس کی حفاظت کرتا ہے اور مرنے پر اس کی جائداد پر قابض ہوتا ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ شدروں میں بھی تبنیت تھی کیونکہ علمائے عقائد برہمنی نے ان کے لئے خاص قواعد بنائے ہیں۔ پنجاب اور شمالی مغربی ممالک کے لوگ عام اس سے کہ وہ اصلی ہندو ہوں

[1] اس کے متعلق دیکھو باب ۱۲۔ اور انگریزی قانون کا (Statute of Distributions)۔

یا جین یا جاٹ۔ یا سکھ یا مسلمان سب کے سب بلا مذہبی رسوم ادا کرنے کے متبنیٰ لیتے ہیں اور ایسی تبنیت کو مذہبی اغراض سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا لنکا کے تاملوں کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ خود برہمنی عقائد کے کتب اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ نام اور بقائے نسل تبنیت کے لئے معقول وجوہات ہیں متبنیٰ گیرندہ کی روح کو دوزخ سے بچانے کا ذکر ضروری نہیں واقعہ تو یہ ہے کہ بہت ہی ابتدائی زمانے میں لڑکیوں کو متبنیٰ لیا جاتا تھا۔ یہ عمل تا حال بھیلوں اور لنکا کے تاملوں میں رائج ہے۔ یقیناً اس رواج کو مذہب یا مذہبی عقیدے سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے خیال میں اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اگر آریا تبنیت کے رواج کو ہندوستان میں اپنے ساتھ لائے بھی ہوں تو انھوں نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ وہ رواج یہاں بھی پہلے سے موجود ہے اور غیر آریہ اقوام نے ہر صورت میں اس کو اپنے نہایت قدیم رواجات سے اخذ کیا نہ کہ برہمنی عقائد کی جدت سے ونیز یہ بھی سمجھنے کی معقول وجہ دکھائی دیتی ہے کہ آریہ ہندوؤں میں بھی جو اہمیت اس وقت تبنیت کو دی جاتی ہے وہ قدیم نہیں ہے بلکہ جدید۔ اس مضمون پر جو کچھ مواد ملتا ہے وہ جدید ہے۔ اور قدیم مصنفین متبنیٰ لڑکے کو تمام ذیلی لڑکوں میں بہت کم درجہ کا سمجھتے ہیں۔ وہ سلسلۂ قواعد جس سے متبنیٰ لڑکے کا انتخاب محدود کیا گیا ہے محض استعارات اور تشبیہات سے پیدا ہوا ہے مثلاً یہ کہ وہ صلبی لڑکے کا عکس ہونا چاہئے۔ یہ قواعد ایسے مسلک کے لئے مناسب ہو سکتے ہیں جس میں مذہبی رسوم (ہوم) کے ادا کرنے کے لیے پتر کا فطری ہونا لازم ہو۔ لیکن ان قواعد کو تعین نسب (affiliation) سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تعین نسب کے اغراض میں یہ نظریہ

۹ داخل نہیں ہے۔ اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے ان قواعد کا ہندوستان کے بہت سے ایسے حصوں میں کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا جہاں تبنیت کے رواج کی جڑیں بہت زیادہ مضبوط ہیں۔ تاہم برہمنوں نے یہ عقیدہ پیدا کرا دیا ہے کہ ہر تبنیت کا مقصد یہ ہے کہ جد کی روح کو پت (Put) سے نجات دلائی جائے۔ اور یہ کہ اس کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ اسی نقطۂ نظر سے کیا جانا چاہئے۔ اور ہماری عدالتیں شدت سے فریقین تبنیت کے مذہبی عقیدے کا توازن کرتی ہیں اگرچہ ان میں کا کوئی بھی تبنیت کے فعل کو مذہبی عقیدے سے اس سے زیادہ متعلق نہیں کرتا۔ جتنا کہ توالد نسل کو متعلق

کیا جاتا ہے[۱]:

**سنسکرت قانون کا محدود اطلاق**

ف ۱۱۔ اگر میرے خیالات مذکور الصدر درست ہیں تو لازماً یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ وہ اقوام جو نام کے ہندو ہیں۔ یا مذہباً ہندو ہیں[۲] ان کتب قانونی کے پیرو نہیں ہیں جو سمرتیوں پر مبنی ہیں اور انھیں سے ماخوذ ہیں۔ ان کے رواجات مشابہ ہو سکتے ہیں لیکن ایسے مختلف اصول پر مبنی ہو سکتے ہیں کہ سمرتیوں سے ان کی ترقی ممکن نہ ہو۔ ممکن ہے کہ جملہ برہمن ان کتب کے اسناد سے جو ان کے ملک میں برہمنی عقائد کے متعلق رائج ہوں انکار کرنے سے منع کئے جائیں اگرچہ ان برہمنوں کا نسب مشتبہ ہو[۳] لیکن ان اشخاص سے یہ اصول تقریر مخالف متعلق نہیں کیا جا سکتا جو صرف برہمن نہیں ہیں بلکہ جو آریا بھی نہیں ہیں۔ ایک مقدمے میں ایک نہایت ہی عالم و فاضل حاکم نے تامل متنازعین کی وراثت کے متعلق اصول سنسکرت قانون پر بحث کی اور فیصلے کا اختتام ان الفاظ میں کیا کہ "مجھ کو اس امر کے اضافہ کرنے کی اجازت دی جانی چاہئے کہ میں ان ماڑواروں سے ہندو قانون متعلق کرتے ہوئے سخت بغوییت (حماقت فضولی)(Absurdity) محسوس کرتا ہوں۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انھیں انگریزی نظام جاگیری کے قانون سے استفادہ کرنے کی اجازت دینا بھی بیجا نہ ہوگا۔ بہرحال اس وقت یہ ناممکن ہے کہ حماقت محسوس کرنے کے بعد بھی اس پر عمل کیا جا سکے[۴]" میں اس کو ناممکن سمجھنے سے قاصر ہوں۔ شمالی اور مغربی ہند میں کبھی بھی عدالتیں اپنے کو اس کا پابند نہیں سمجھیں کہ وہ ان اصولوں کو ان لوگوں سے متعلق کرنے پر قانوناً مجبور ہیں۔ جن کا یہ ادعا نہ ہو کہ وہ سمرتیوں کے تابع ہیں۔ ۱۰

[۱] ہندو بڑے لڑکے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق صرف وہی ایک ایسا لڑکا ہوتا ہے جو فرض کے خیال سے پیدا کیا جاتا ہے۔ باب ۹ فقرات ۱۰۷-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹۔ اس مضمون پر مفصل بحث آئندہ ہوگی دیکھئے باب ۶ فقرہ ۱۳۵۔

[۲] بہت سی دراوڑی اقوام جنھیں ہندو کہا جاتا ہے سانپ اور شیاطین کی پرستش کرتی ہیں۔ وشنو اور سیوا سے اسی قدر بے خبر ہیں جس قدر کہ وائٹ چیپل کے باشندے۔

[۳] دیکھئے گوپالن بنام رگھوپاتیان جلد ۷ مدراس ہائیکورٹ ص ۲۵۵۔

[۴] جسٹس (Holloway) بمقدمہ متو وزیا بنام دوراسنگا۔ جلد ۶ مدراس ہائیکورٹ ص ۱۰۳۔

مثلاً فرقہ جین کے اشخاص تحقیق نے اب یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے رواجات اگرچہ کچے اور اصلی ہندوؤں سے مشابہ ہیں لیکن اسی جگہ مختلف نظر آتے ہیں جہاں کہ اختلاف کی امید ہو سکتی تھی کیونکہ وہ دنیاوی اصول پر مبنی ہیں نہ کہ مذہبی اصول[1] پر بنگال کی عدالت جیسا کہ امید کی جا سکتی تھی الحاد یا بدعت کو بہت کم روا رکھتی ہے۔ لیکن یہ امر نہایت ہی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کی عدالت نے بطور معاملہ یہ فرض کر لیا ہے کہ آسام کے لوگ جہتو وہاں کے ترمیم کردہ ہندو قانون کے تابع ہیں اگرچہ آسام بہ لحاظ تہذیب و تمدن تمام ممالک میں سب سے زیادہ ابتدائی حالت میں ہے[2] اس امر کی تحقیق کرنا تعجب خیز ہوگا کہ آیا اس عقیدے کے لئے کوئی وجہ بھی تھی بجز اس واقعے کے کہ بنگال کی عالیہ عدالت میں مرافعہ ہو سکتا تھا۔ اوڑیسہ اور گنجام اوریا سردار (Oriya chieftains) بہ لحاظ اپنی ابتدا مذہب اور زبان کے ایک ہیں لیکن ان کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ مختلف نظام قانون کے تابع ہیں۔ ان میں کا ہر ایک اس نظام سے منسوب کیا گیا ہے۔ جو ان عدالتوں میں رائج ہو جس کے وہ بہ لحاظ قانون تابع ہیں۔ یہ واقعہ اہم ہے اور اس سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے[3]۔

**برہمنی عقائد سے رواج کی ترمیم۔**

۱۲۔ برخلاف اس کے جس طرح کہ میرا خیال ہے کہ برہمنوں کا قانون دراصل غیر برہمن رواجات پر مبنی ہے اسی طرح اس کا بھی مجھ کو بہت کم شبہہ ہے کہ وہ رسوم اور رواجات بڑی حد تک اس قانون کی وجہ سے

---

[1] ۔ دیکھئے آگے فقرہ ۴۶۔

[2] ۔ دیکھئے دیبو دیبیا بنام گوبند دب۔ جلد ۱۶ سدرلینڈ صفحہ ۴۲۔ جلد ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۳۱۔

[3] ۔ اوڑیسہ کے متعلق مقدمہ پٹن پریا بنام سوگنڈا کا نوٹ دیکھا جائے جلد ا صدر دیوانی صفحہ ۳۷ (۴۹ و ۵۰) لیکن ۱۸۱۳ء سے ایک مقدمے کا ذکر مسٹر میاکناٹن نے اوڑیسہ کے متعلق جلد ۲ میاکناٹن میں کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ متاکشرا کے مطابق ہوا تھا۔ مقدمہ پاربتی کمارا بنام جگدیش چندر ہندوستان کی دونوں عدالتوں نے یہ قرار دیا کہ اوڑیسہ کا تعلق متاکشرا سے ہے۔ جلد ۲۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۵ و ۸۸ و جلد ۲۹ کلکتہ صفحات ۴۳۳ اور ۴۴۲۔ پریوی کونسل نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ گنجام کے متعلق مقدمہ راگمونادا بنام برونڈو کشورو ملاحظہ کیا جائے جلد ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۴۔ صدر عدالت۔ جلد ا مدراس صفحہ ۶۹۔ صدر عدالت جلد ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۲۹۱۔

بدل گئے ہیں اور ان میں اضافہ بھی ہوا ہے جب دو قسم کے رواجات لفظ بہ لفظ جو ایک دوسرے کے مطابق نہ ہوں پہلو بہ پہلو دکھائی دیں تو اس رواج کو باقی رہنے کا حق حاصل ہوگا جو خدائی احکام پر مبنی ہوں۔ علاوہ ازیں فطرۃً زیادہ ترقی یافتہ نظامِ قانون کم درجہ کے نظام کو جڑ سے نکال باہر کرتا ہے۔ غیر متمدن جماعتوں کے ضروریات کے لئے چند قواعد اور ضوابط کافی ہوتے ہیں۔ جوں جوں وہ متمدن ہوتے جاتے ہیں اور نزاع کے نئے وجوہات پیدا ہوتے ہیں نئے قواعد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اگر ان کے پاس خود ان کے کوئی قواعد نہ ہوں تو فطرۃً اپنے ہمسایہ سے قواعد حاصل کرتے ہیں جب رواج کی شہادت بہم پہنچائی جائے تو ہر ہندو یہ کہتا ہوا دکھائی دے گا کہ "ہم اپنے قواعد کے تابع ہیں۔ اور اگر کوئی قاعدہ نہ ہو تو ہم پنڈتوں سے استفسار کرتے ہیں" بے شک ۱۱
پنڈت بہت ہی اطمینان اور دلجمعی سے اپنے شاستروں میں سے ایک ایسا جواب پیش کرتا ہے جو دشواری کو حل کر دیتا ہے۔ یہ جواب اولاً اس کی سند پر اختیار کر لیا جاتا ہے اور بعد دیہی رواج کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس طریقے کو برہمنوں کے اس اثر سے مدد ملتی ہے جو وہ اپنے مذہبی فوقیت کی وجہ سے ہمیشہ اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں ڈاکٹر جالی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ شروح اور حواشی قانون کا ایک بڑا حصہ یا تو ہندوستان کے بادشاہوں اور وزرائے اعظم کا لکھا ہوا ہے یا ان کے حسب الحکم (جالی صاحب کا ستائیسواں درس) ہندو حکامِ عدالت خود برہمن ہوتے تھے۔ مصنفین اور حکام فطرۃً دیسی رواجات پر اپنے خیالات کا رنگ چڑھائیں گے اور اپنے مسائل کو ان رواجات میں داخل کریں گے۔ گذشتہ صدی میں تبدیلی کی رفتار بہت ہی تیز ہوگی کیونکہ بہت سے نزاعات فیصلے کے لئے ہماری عدالتوں میں پیش کئے جاتے تھے اور ان کا تصفیہ ان عدالتوں میں محض پنڈتوں کی آرا پر ہوا کرتا تھا۔[۲]

**عملی نتائج**

۱۳۔ اگر مذکور الصدر بحث اچھے استدلال پر مبنی سمجھی جا سکتی ہو تو ذیل کے عملی نتائج مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔

---

۱۔ دیکھئے مین صاحب کی "جماعت ہائے دیہی" صفحہ ۵۲۔
۲۔ دیکھئے فقرہ ۴۰۔ ذیل کے خیالات ۱۸۹۱ء کی اعداد و شمار سے ماخوذ ہیں اور اس مضمون پر اہم روشنی ڈالتے ہیں۔

اولاً یہ کہ ان تمام اشخاص پر جو ہندو کہلائے جاتے ہیں ہندو قانون کا اطلاق کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیا جانا چاہئے۔

ثانیاً یہ کہ جب ہم اس قانون کے اطلاق پر غور و فکر کر رہے ہوں ہم پر رواج کی صحیح مشابہت کا بہت زیادہ اثر نہ ہونا چاہئے۔

ثالثاً یہ کہ ہمیں یہ دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ بہت سے قواعد (مثلاً قواعد وراثت و تبنیت وغیرہ) کو برہمنوں سے ایسے اشخاص نے لیا ہوگا جنھوں نے ان اصول یا اغراض کو کبھی بھی تسلیم نہ کیا ہو جن سے ابتداً یہ قواعد پیدا ہوئے ہوں گے اور لہذا بالآخر یہ کہ ہمیں بلا غور و فکر یہ استنباط نہ کرنا چاہئے کہ چونکہ برہمنوں نے ایک رواج پر عمل کیا تھا اور
۱۲ ترقی ہوئی تھی لہذا اگر غیر اقوام بھی اس پر عمل کریں گی تو وہاں ترقی ہوگی ایسا نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ غیر اقوام نے اصول اور عمل دونوں کو اختیار کیا ہو۔ دونوں کے بغیر رواج محض ایک شاخ ہوگی جو تنے سے علحدہ کر لی گئی ہو اس میں رس معدوم ہے اس لئے نشو و نما نہیں ہو سکتا۔[1]

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ یہ ہندو مذہب میں ایسے گھٹتے بڑھتے ہوئے مقاصد اور رسوم و رواج۔ معاشرتی اور مذہبی خیالات داخل ہیں کہ جن کی صحیح تفصیل کے متعلق یہ بتلانا ناممکن ہے کہ وہ کسی خاص حکم کے تابع ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں میں کوئی عام بات پائی جا سکے۔ یہ عقیدہ کہ برہمن مذہبی فوقیت رکھتے ہیں۔ گائے کا احترام ضروری ہے۔ اور ورنہ بندی واجب التعظیم ہے۔ ہندو مذہب کے عناصر ہیں اور عام طور پر ان کو مسلمات سمجھا جاتا ہے لیکن ان میں کے ہر ایک کو اور تمام کو ایسے قبیلوں اور اقوام نے ترک کر دیا ہے جن کے ہندو ہونے کے حق سے انکار نہیں کیا جاتا (اعداد و شمار بابت ۱۸۹۱ء ممالک مغربی شمالی کی رپورٹ صفحہ ۱۹۵) عام طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بدھ مذہب سے کنارہ کشی کی گئی اس لئے جاہل قبیلوں کو اپنی حیثیت معاشرتی کو بدلنے کی ترغیب ہوئی۔ اس نتیجہ کو گوسائیوں کی کوشش سے زیادہ تعلق نہیں کیونکہ زیادہ تر یہ معاملہ معاشرتی حیثیت کا ہے نہ کہ کسی اور چیز کا ہندو مذہب میں عقیدہ اور ایمان بالغیب کو زیادہ دخل نہیں ہے ایک خدا کی پرستش کرنا یا متعدد کی سب ایک ہیں بشرطیکہ مقررہ رواجات کی تصدیق کی جائے اور اگر کوئی شخص ان کو قبول کرنے پر راضی ہو تو اس کو ہندو نظام میں بخوشی جگہ دی جاتی ہے اور مذہبی عقائد کی یکتائی کے متعلق سوال کر کے زحمت نہیں دی جاتی۔ ۱۸۹۱ء کے اعداد و شمار۔ آسام رپورٹ جلد ا صفحہ ۸۳۔

[1] اس کی تفصیلی بحث کے لئے کہ کن صورتوں میں برطانوی ہندوستان کی عدالتیں ہندو قانون کے مطابق فیصلہ کریں گی ورسٹ اور ہل صاحب کی کتاب دیکھی جائے (طبع سوم صفحات آتا ۸)۔ اگر کوئی شخص یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کا تعلق کسی ایسے مذہب سے ہے جو خاص قسم کے قانون کے تابع ہے تو اس کے حقوق کا فیصلہ انصاف نصفت اور اجازت وا۔ ضمیر سے کیا جائے گا۔ دیکھئے مقدمہ راج بہادر بنام بشن دیال جلد ۴۔ الہ آباد صفحہ ۳۴۳۔

۱۳

# باب دوم

## ہندو قانون کے ماخذ

| | |
|---|---|
| (۱) سمرتیاں | (۲) شارحین |
| (۳) قانونی مسالک | (۴) فیصلہ جات عدالت |

ف۱۴۔ میں اس باب میں ہندو قانون کے ان ماخذوں کو جانچنا چاہتا ہوں جو قدیم علمائے سنسکرت اور ان کے شارحین کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس مضمون پر جو اسناد فراہم ہو سکتے ہیں ان کے متعلق ایک عام حوالہ ذیل میں دیا گیا ہے[۱]۔ میں نے خاص حوالے دینا

[۱] دیکھئے ملر صاحب کی قدیم ادب سنسکرت" ویسٹ اور بہلر صاحبین کے خلاصۂ ہندو قانون پر بہلر کا مقدمہ۔ کولبرک صاحب کا دیابھاگ اور اس کے خلاصہ پر دیباچہ اور ان کا نوٹ (جلد اول سرتامس اسٹرینج کا ہندو قانون ص۳۱۵) سرتامس اسٹرینج کے ہندو قانون کا دیباچہ۔ ڈاکٹر برنیل صاحب کا دیباچہ دیابھاگ وروراج کے ترجمے پر۔ اور مورے ڈائجسٹ جلد اول پر مقدمہ۔ یاگنولک (اس میں پروفیسر ملر ڈاکٹر بہلر کے نتائج اختیار کر لئے گئے ہیں) کے ترجمہ پر اسٹنزلر کا دیباچہ۔ ڈاکٹر جالی کا ناردو پر دیباچہ Mayr, Ind. Ebrecht 1-10 پروفیسر مونیر ولیمس Moneir Williams کی "ہندی ذہنیت" بن منڈلک کا دیباچہ ضمیمہ نمبر ۱ اپستمبا اور گوتم وشسٹ بودھاین اور منو پر ڈاکٹر بہلر کے مقدمات وشنو پر ڈاکٹر جالی کا مقدمہ۔ مشرق کی مقدس کتابیں

ضروری نہیں سمجھا بجز اس کے کہ بیان مندرجہ متن ہنوز معرض بحث میں تھا اور نہ میں نے ہندو مصنفین و مولفین کا تفصیلی حوالہ دیکر اپنے معلومات کی نمائش کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ میرا علم ان کے متعلق اس سے زیادہ نہیں ہے کہ میں ان کے نام سے واقف ہوں۔ اس عنوان کے تحت میں ان اختلافات آرا پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کو عام طور سے "مسالک قانون" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بالآخر اس اثر کے متعلق اپنا خیال ظاہر کر کے ختم کروں گا جو ہمارے عدالتی نظام نے ہندو قانون کی فطری ترقی پر ڈالا ہے۔ رسم ورواج کا اہم مضمون بعد کے باب کے لئے محفوظ ہے۔

(الف) سمرتیاں۔ ف ۱۵۔ ہندو قانون کے پڑھنے اور سمجھنے میں ہمیں سب سے بڑی دشواری اس وقت ہوتی ہے جبکہ کسی خاص ذکر کے زمانے کا تعین کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے تصانیف سے کسی تاریخی تقدیم و تاخیر کا پتا چلانا نہایت دشوار امر ہے ، معدوم
وہ عام الفاظ میں ایسے دور یا زمانے کا ذکر کرتے ہیں جس کی مدت محض افسانوی ہوتی ہے
۱۴ اور جس کو حقیقت امر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ قدیم حکمار کے زمانے کا تعین ناممکن ہے بلکہ یہ کہنا بھی دشوار ہے کہ ان کا وجود تھا بھی یا نہیں۔ بہت سے نام جن کا وہ ذکر کرتے ہیں غالباً محض فرضی اور حکایتی ہیں جب کسی روایت کا ماخذ محض قصہ یا کہانی ہو تو اس کو کوئی وقعت نہیں دی جاسکتی حالیہ مصنفین یا مدیروں یا احکام کے جمع کرنے والے نہایت قدیم اور فرضی ناموں کو پیش کرتے ہیں۔ (یعنی قدما کا حوالہ دیتے وقت فرضی ناموں سے کام لیتے ہیں) اگرچہ تصانیف اور تالیفات کے سلسلے کا ہم تعین بھی کرسکیں تو یہ فرض کرلینا خطرے سے خالی نہیں کہ فلاں بیان قانون سے فلاں واقعے کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ ہر ہندو کے لئے تمام مقدس کتابیں یکساں طور پر قابل تعظیم ہیں مقولہ جات کو بلا تنقید یا غیر فطری تعبیر کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اگرچہ ان مقولہ جات اور اصلی زندگی میں ایک عرصے سے کوئی مطابقت باقی نہیں رہی۔ ان رواجات کو مفصل بیان کیا جاتا ہے جو معدوم ہو گئے ہیں اور یہ ظاہر نہیں کیا جاتا کہ وہ اب رائج نہیں ہیں۔ خیال یہ ہے کہ ایسی چیز کو جو ایک مرتبہ مقدس تحریر Holy Writ میں آچکی ہے ترک کرنا مذہبی گستاخی ہے۔ مختصراً ہمیں اس

---

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ "جلد ۲-۷-۱۴ اور ۲۵ سردو ھکیری کا فقرہ ۳ - جالی لکچر الغایت ۶۹۔
(Recht und Sitte) ch I

مواد پر کام کرنے میں (جو ہمارے سامنے پیش ہے) اسی قسم کی دشواری کا سامنا ہوتا ہے جو ایک ماہر طبقات الارض یا ماہر ارضیات کو (Paleontologist) پیش آتی ہے جب کہ وہ ان قدیم عضوی آثار یا اجزا (archaic organisms) کو جن کا وہ مقابلہ کرنا چاہتا ہے ان کے مختلف صخور میں نہیں پاتا بلکہ ایک نمائش گاہ میں بے ترتیب حالت میں دیکھتا ہے۔

**سرتی اور سمرتی**

دفعہ ۱۶۔ زمانۂ قدیم کے اسناد میں سرتی اور سمرتی سب سے زیادہ قابل وقعت ہیں۔ پران (Puranas) غالباً ان دونوں کے بعد آتے ہیں یا ان کے مابین زمانے میں۔ مسٹر کولبروک کا بیان ہے کہ پران کو مذہبی صحیفہ (مثلاً وید کا تتمہ یا اضافہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ پانچواں وید ہے[1] سرتی سے الہامی مشاہدہ مراد ہے یا وہ چیزیں مراد ہیں جن کا احساس الہام سے ہوا تھا۔ اور اس میں چاروں وید شامل ہیں۔ سمرتی سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں رشیوں اور حکمائے متقدمین نے سنا اور یاد رکھ کر سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل کیں[2] مقدم الذکر کی ابتدا الہامی ہے اور موخر الذکر کا آغاز بنی نوع انسان سے کیا۔ جب دونوں میں مطابقت نہ ہو (اگر ایسا اختلاف متصور ہو سکے) تو موخر الذکر ترک کیا جائے گا۔ عملاً سرتی کی قانونی وقعت بہت کم ہے یا ہے ہی نہیں۔ سرتی میں قانون کا ذکر نہیں ہے البتہ واقعات بیان کئے گئے ہیں اور موخر الذکر بیانات (یعنی واقعاتی) کبھی کبھی قانونی رواج کے ثبوت کیلئے پیش کئے جاتے ہیں۔ قواعدِ عمل نہ کہ محض مثالیں سمرتی میں پہلی مرتبہ داخل کی گئیں اور جب ہم سمرتی کو بہ نظر غائر دیکھتے ہیں تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔
۱۵ یعنی وہ تالیفیں جو نثر میں ہیں یا مخلوط نثر اور نظم میں۔ اور دوسری وہ جو محض نظم میں ہیں۔ موخر الذکر مبسوط اور زیادہ صاف ہیں اور عام طور پر لفظ سمرتی کا مفہوم اسی قسم پر حاوی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں دونوں اقسام داخل ہیں۔ یہ دو غیر مبایکس مولر بطور کلیہ کے یہ بیان کرتے ہیں کہ بطور قاعدہ مقدم الذکر بہ نسبت موخر الذکر کے زیادہ قدیم ہیں۔

[1] جسٹس ممو وبقدمہ گنگا سہائے بنام لکراج سنگھ الہ اباد جلد ۹ صفحہ ۲۰۹۔

[2] منو باب دوم دفعات ۹ اور ۱۰ اکتاب ویسٹ اور بہلر صفحہ ۲۵ Jolly, Recht U. Sitte

ہم پروفیسر صاحب مذکور کے مشکور ہیں۔ ان کے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہوسکتا ہے۔ [1]

**سوترا**

**ف ۱۷** برہمن کا پہلا فرض یہ تھا کہ علم وید حاصل کرے تحریر میں لائے جانے سے قبل انھیں (ویدوں کو) صدیوں سینہ بسینہ زبانی منتقل کیا جاتا تھا اور ان کی تعلیم بھی مثل زمانہ حال کے زبانی ہوتی تھی [2] اس طرح فطری طور پر ایک ہی وید کے متعدد اور مختلف نسخے پیدا ہوئے۔ فرقہ بندی اور اختلاف مسالک کے بھی نسخہ جات تھے ان مسالک کے ممتاز معلمین نے مختلف نسخہ جات کی مختلف مقامات میں تعلیم دی۔ طریقۂ تعلیم میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے سوتراس Sutras (قواعد کا سلسلہ یا زنجیر) وضع کئے۔ زیادہ تر یہ سوتراس نثر میں تھے اور یہ اصطلاحی یادداشتیں memoria technica تھیں جن میں زبانی درس کا لب لباب ہوتا تھا اور جن سے یادتازہ کی جاتی تھی اور کسی مضمون پر مستقل تصنیف کی شکل میں نہ تھے۔ ویدوں کے ہر شعبے میں اس کے سوترا تھے وہ سوتراس جو عملی زندگی یا قانون سے متعلق تھے "دھرم سوتراس" سمجھے جاتے تھے۔ اور دھرم سوتراس بھی مثل فرقوں یا چرناس charanas کے مختلف تھے۔ یہ اختلافات حقیقتہً چرناس یا فرقوں charanas or sects ہی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور ان اساتذہ یا علماء سے منسوب کئے گئے جو ان اختلافات کے وضع کرنے کے باعث یا جن کے خیالات ان میں داخل ہوئے تھے مثلاً وہ "دھرم سوتراس" جو اپستمب یا بودھیاین یا گوتم وغیرہ سے منسوب ہیں ان میں ان قواعد قانون کا خلاصہ درج ہے جو ان چرناس میں رائج تھے جنھوں نے ان حکماء یا علماء کو اپنا پیشوا تسلیم کیا تھا۔ یا جن چرناس یا فرقوں نے ان ناموں کو اپنے لئے اختیار کیا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی تالیف و تصنیف ہمارے سنہ عیسوی سے دو سو برس قبل موجود تھی) ۔ پروفیسر میاکس ملر بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۶۰۰ لغایت سنہ ۲۰۰ قبل مسیح کا زمانہ سوتراس کا زمانہ تھا لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے جمع کرنے میں زیادہ مدت لگی ہو۔ اور کسی خاص سوترا کے متعلق جو

---

[1] دیکھئے پروفیسر میاکس مولر کے خطوط مسٹر مورلے کے نام جلد ۱ مورخہ ۴ اگست تمہید صفحہ ۱۹ اینگلو ساکسن لٹریچر صفحات ۱۲ تا ۱۳۴ - ۲۶۰ - ۲۴۴ - ویسٹ اینڈ بہلر صفحہ ۳۰۔

[2] اینگلو سیاکسن لٹریچر صفحہ ۴۹۷ میں تحریر کی ابتدا کے متعلق ذکر ہے۔ انڈین ورڈم صفحہ ۲۵۲۔

اس وقت موجود ہے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس زمانہ کا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

**سوتراس کا حقیقی زمانہ**

**ف ۱۸۔** گوتم، بدھیاین، اپستمبا، وشسٹھا vasistha اور وشنو کے دھرم سوتراس[1] کا ترجمہ ہوگیا ہے۔ وشنو کا ترجمہ ڈاکٹر جالی نے کیا ہے۔ اور دوسروں کا ڈاکٹر بہلر نے[2] اُن کی قدامت کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ گوتم کا دھرم 16

سوتر اسب سے قدیم ہے بدھیاین میں اس کا ذکر ہے جو بہ لحاظ زمانہ گوتم کے بعد کا دھرم سوترا ہے اس کا (بدھیاین کا) تعلق سام وید سے تھا۔ اس لئے لفظ "یوانا" Yavana استعمال کیا ہے۔ یہ اصطلاح قدیم ہندی طریقۂ تقریر (Parlance) میں یونانیوں کے لئے استعمال ہوتی تھی اور اس سے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ اس کا زمانہ سنہ ۳۰۰ قبل مسیح سے پہلے کا نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کے دوسرے اطلاق بھی تھے اور ڈاکٹر بہلر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے استعمال پر کسی قسم کی رائے زنی غلطی سے خالی نہ ہوگی۔ فی زمانا کوئی اور چیز معلوم نہیں ہے جس سے گوتم کے زمانے کا تعین تخمیناً کیا جاسکے[3] بدھیاین کا زمانہ گوتم کے بعد کا ہے۔ ابتدا میں اس کے سوتراس صرف سیاہ یجر وید کی پیروی کرنے والے پڑھا کرتے تھے لیکن بعد میں تمام برہمنوں نے اس کو مقدس قانون کی سند تسلیم کر لیا۔ غالباً وہ جنوبی ہند کا رہنے والا تھا۔ ڈاکٹر بہلر کا یہ خیال ہے کہ بدھیاین اور اپستمبا کے زمانوں میں صدیوں کا فرق ہے اور اپستمبا کو وہ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا قرار دیتے ہیں۔ اپستمبا بھی جنوبی ہند کا باشندہ تھا غالباً ضلع آندھرا کا اور اس کا تعلق بھی اسی وید سے تھا جس کا پیرو بدھیاین تھا۔ اپستمبا

---

[1] دیکھئے "مشرق کے کتب مقدس" کی جلد (۲) و (۷) اور (۱۴)۔

[2] دیکھئے بہلر کا مقدمہ گوتم پر صفحہ ۴۵-۴۹-۵۱۔ Recht U. Sitte از جالی صفحہ ۵۔

[3] دیکھئے ڈاکٹر بہلر کا دیباچہ بدھیاین صفحہ ۲۹۔ اور صفحہ ۲۵ اور دیباچہ اپستمبا صفحہ ۱۸ اور صفحہ ۲۴۔ ڈاکٹر جالی کہتے ہیں کہ بدھیاین کا چوتھا پراسنا (Prasna) جو تملم کا تمام نثر میں ہے غالباً بعد میں اضافہ کیا گیا اور یہ کہ تیسرا بھی شک سے خالی نہیں۔ مسٹر گنپتی امیر (اپنے دھرم شاستر کے چوتھے باب میں) بادی النظر میں اس خیال کے نظر آتے ہیں کہ اپستمبا کا موجودہ متن گوتم اور بدھیاین سے بھی قدیم لیکن اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ مصنفین ممکن ہے کہ اس زمانے سے پہلے کے ہوں جب کہ یہ کتابیں اپنی موجودہ شکل میں ظاہر ہوئیں۔

اس وقت بہت نمایاں نظر آتا ہے جب کہ وہ بے رو و رعایت اور غیر جانب دارانہ قوت سے چند ایسے عمل یا رواج کو جنھیں ابتدائی ہند و قانون نے تسلیم کیا تھا۔ متروک قرار دیتا ہے مثلاً پتر کے مختلف اقسام نیوگ اور پشاچ قسم ازدواج [1] وشسٹ کے چند اقتباسات اپستمبا کی کتاب میں ہیں اس کے ماسوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ جس سے وشسٹ کے زمانے کا پتا چل سکے۔ اسے یاما۔ گوتم ہرتیا اور ایک منو مصنف منو اسوترا سے **Manava Sutras** کا علم تھا یہ بھی شاید فرض کیا جا سکتا ہے کہ اس کو بدھیان کا بھی علم تھا [2] ڈاکٹر جالی کی رائے میں اس نے وشنو سے اقتباس کیا ہے۔ ڈاکٹر بہلر البتہ اس رائے زنی میں ڈاکٹر جالی سے اختلاف کرتے ہیں۔ غالباً وشسٹ شمالی ہندوستان کا رہنے والا تھا [3]

وشنو سوترا کی تصنیف کے متعلق کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر بہلر اور ڈاکٹر جالی اس خیال میں متفق ہیں کہ اس کو (وشنو سوترا کو) ابھی موجودہ شکل میں اضافوں کے ساتھ ان لوگوں نے از سر نو لکھا جو اس کی ابتدا سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کو اوتار وشنو **(God Vishnu)** سے منسوب کرنا چاہتے تھے، اس تالیف کا بڑا حصہ طرز تحریر اور مضمون کے لحاظ سے نہایت قدیم نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر جالی کا یہ خیال ہے کہ اس کے چند حصے وشسٹ سے لئے گئے ہیں یا بدھیان سے بھی وہ بھی مثل وشسٹ کے سیاہ یجروید کا پیرو تھا [4] ہرتیا **Harita,** ہرنیاکسن **(Hiranyakessin)** یوکانس **Ucanas,** یاما **Yama,** کسیاپا **Kacyapa,** اور کھنکا **(Cankha)** یہ سب سوترا دور کے ہیں۔ ان سب کا ذکر کولبروک کے خلاصے میں ہے اور شارحین نے بھی ان کا ذکر کیا ہے ان میں سے ہرتیا بدھیان سے قبل کا ہے اور ہرنیاکسن **Hiranyakesin** کا زمانہ اپستمبا کے بعد کا ہے [5]

ہرتیا کا ایک قلمی نسخہ ناسک میں پایا گیا اور اس کا ترجمہ منمتھ ناتھ دت **(Manmath Nath Dutt)**

---

[1] دیکھئے ڈاکٹر بہلر کا دیباچہ اپستمبا صفحہ ۱۶، ۱۸-۲۰ - ۳۰ اور ۳۴ -

[2] ڈاکٹر بہلر کا وششٹ پر دیباچہ صفحہ ۱۲-۱۷ - ۲۱ - ۲۵ (Recht U. Sitte) ہزجالی صفحہ ۶ -

[3] ڈاکٹر جالی کا دیباچہ وشنو۔ لکچر ۳۸ ویسٹ اور بہلر صفحہ ۳۵ -

[4] ڈاکٹر بہلر کا دیباچہ اپستمبا صفحہ ۲۴-۲۵-۲۶ -

نے کیا ڈاکٹر جالی نے اس کا مفصل بیان دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون اور زبان کے لحاظ سے اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن سے اس کی قدامت کا ثبوت ملتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس میں قانون قرضہ اور عدالتی ضابطے کا بھی ذکر ہے۔ جو بالکل جدید نوعیت کی چیز ہے۔ لہٰذا نہ صرف وہ قلمی نسخہ اپنے مضامین کے لحاظ سے بھروسے کے ناقابل ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ اس میں کیا ہونا چاہیے تھا۔ قطعاً قصر ہرتیا کے بہت سے اقتباسات جو بدھبایں اور اپستمبا (اور ہیمادری Hemadri میں بھی جو تیرہویں صدی کا مولف ہے) میں دکھائی دیتے ہیں ناسک کے نسخے میں نہیں ہیں ڈاکٹر جالی یہ فرض کرتے ہیں کہ سب سے قدیم سمرتی ہرتیا Harita کی ہے۔ قلمی نسخے کے اصل حصے میں رسوم، اخلاق، ناپاکی، توبہ اور ہم مماثل چیزوں کا ذکر ہے لیکن اس سے ہم یہ فرض نہیں کر سکتے ہیں کہ کل تالیف سے قانونی نوعیت کی کوئی چیز اخذ کی جا سکتی ہے مگر یہ اشارہ ہے کہ دنیاوی قانون طلوع ہو رہا تھا[۱]۔

**دھرم شاستر عام طور سے زیادہ جدید ہیں**

۱۹ دھرم شاستر کل کے کل نظم میں ہیں۔ پروفیسر میاکس ملر یہ خیال کرتے ہیں کہ موجودہ دھرم شاستر ان سوتروں کے نسخوں کے جو سابق میں تھے محض منظوم نسخے ہیں۔ ڈاکٹر بہلر یہ ظاہر فرما کر کہ "ہندو علم کے ہر شعبے میں جس میں نثر اور نظم دونوں میں کتابیں پائی جاتی ہیں ۱۸
موخرالذکر (کتابیں) قسم متقدم الذکر کی حالیہ اشاعتیں ہیں" فرماتے ہیں کہ اس رائے کی تائید دوسرے عام وجوہات سے ہو سکتی ہے اولاً اگر ہم مقدمات مذکورالصدر کو خارج کر دیں تو منظوم دھرم شاستروں کے مضامین اور دھرم سوتر اس بالکل ایک ہیں۔ البتہ ترتیب مضامین میں قدرے اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف اس سے کم ہے۔ جو خود دھرم شاستروں میں ہیں۔ ثانیاً منظوم دھرم شاستروں اور دھرم سوترا کی زبان تقریباً ایک ہی ہے۔ دونوں سے قدیم اشکال ظاہر ہوتے ہیں اور بہت سے موقع پر مماثل قسم کی بے ضابطگیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ثالثاً منظوم دھرم شاستروں میں بہت سے وہی شلوک Slokas یا گتھاس Gathas پائے جاتے ہیں جو دھرم سوتراس میں

---

۱۔ Recht U. Sitte صفحہ ۲۰۔

دیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند اس طرح بدل دیے گئے ہیں کہ وہ زیادہ تر جدید شکل میں ہیں۔ مقدم الذکر کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔ اگر دشٹ۔ بدھیاین اور اپستمبا سے اقتباس کا منو کی سمرتی سے مقابلہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ مقدم الذکر کی ایک بڑی تعداد موخر الذکر میں داخل ہو گئی ہے" اور وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے مثالیں دیتے ہیں کہ منو نے وشٹ سوترا کے فقرات کو (جو اس وقت موجود ہیں) جدید طرز تحریر (Modernised Versions) میں پیش کیا ہے۔ ایک جگہ منو نے جائز سود کے متعلق وشٹ سے اقتباس کیا ہے اور جس فقرے کا اقتباس کیا گیا ہے وہ تا حال اس مصنف کے سوترا میں موجود ہے۔ ڈاکٹر بہلر کی رائے میں نتیجہ یہ ہے کہ غالباً یہ نظر آئے گا کہ دھرم شاستر مثلاً وہ جو منو اور یاگنولک سے منسوب ہیں۔ ان مسالک کے سوترا سے جن سے ان کا تعلق ہے جدید تر ہیں اگرچہ دوسرے مسالک کے سوترا کے مقابلے میں وہ قدیم تر ہوں۔[1] اور تیسری مماثل قسم کی تالیف وہ ہے جسے نارد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انگریزی پڑھنے والے ان سب سے اب مستفید ہو سکتے ہیں[2] ان کے دور یا زمانے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے سلسلے کی ترتیب وہی ہے جس ترتیب سے کہ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی اصلی عمر کا یقین کے ساتھ تخمینہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

19 **منو**

**ف ۲۰**۔ ہند و حکماء اور شارحین نے مجموعۂ قوانین منو کو ابتدا سے اہم ترین سند تصور کیا ہے۔ تاہم یہ رائے ایسی نہیں ہے کہ عند الضرورت اس کو متروک سمجھنے کی مانع ہو۔[3] اس کی قدامت کا کوئی بہتر ثبوت نہیں

---

[1] دیکھئے ویسٹ اور بہلر ص ۹۔

[2] پروفیسر اسٹنزلر نے ۱۸۴۹ء میں یاگنولک کا مکمل ترجمہ جرمن زبان میں کیا ہے۔ ڈاکٹر رویر (Roer) نے ۱۸۵۹ء میں جلد دوم کا پورا ترجمہ اور جلد اول کے ایک حصے کا ترجمہ بزبان انگریزی کیا ہے۔ (کلکتہ) مسٹر وی ین مانڈلک نے کل کتاب کا ترجمہ کیا ہے (بمبئی ۱۸۸۰ء) ورہسپتی Vrihaspati کے صرف ان ٹکڑوں کا علم ہے جنھیں شارحین نے اور جگناتھ نے اپنے خلاصے میں لکھا ہے۔ ڈاکٹر بہلر ورہسپتی کو اسی زمرے میں داخل سمجھتے ہیں۔

[3] دیکھئے سر ولیم جونس کے دیباچے کا ص ۱۱ اور ص ۲۳ (لندن ۱۷۹۶ء) وی ین مانڈلک کا دیباچہ ص ۴۶

دیا جا سکتا۔ ہم اس کا تعین نہیں کر سکتے کہ آیا اس کی شہرت کا باعث اس کی ذاتی خوبیاں ہیں۔ یا وہ ادعا ہے جو اس کے مقدس ہونے کے متعلق کیا گیا۔ یا خود اس کی قدامت اور شہرت اس کو مقدس سمجھنے کا باعث ہوئی؟ اس کے مصنف کی شخصیت جس طرح اس تالیف میں بیان کی گئی ہے بادی النظر میں اساطیری معلوم ہوتی ہے۔ حکماء منو سے دعا مانگتے ہیں کہ انھیں مقدس قانون کا علم عطا ہو وہ یہ بیان کرتے کہ اس کی پیدائش برہم سے ہوئی تخلیق عالم کا حال بیان کرتا ہے اور بعد ازاں یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے ان قوانین کو برہم سے حاصل کیا اور ان دس حکماء کو دیا جن میں کا ایک بھرگو (Bhirgu) ہے۔ اور بھرگو سے یہ استدعا کرتا ہے کہ وہ ان قوانین کو باقی لوگوں تک پہنچا دے جو بظاہر اس کو فراموش کر گئے تھے۔ یہ مسلمہ ہے کہ اس کتاب کا بقیہ بیان بھرگو کا ہے نہ کہ منو کا سلہ منو جو ہند وعقیدے کے لحاظ سے بنی نوع انسان کا مورث اعلیٰ ہے کوئی خاص شخص نہ تھا بلکہ انسان کا محض ایسا نمائندہ جس کی کوئی شخصیت ہی نہ ہو۔ جو کچھ یقینی ہے وہ یہ ہے کہ برہمنی عقائد کا ایک مسلک وہ تھا جسے مسلک منواس Manavas کہتے تھے اور اس مسلک کے لوگ سوتراس کی تعلیم دینے کے لئے اس کتاب کو استعمال کرتے تھے جسے منواس سوتراس (Manavas-sutras) کے نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے کے دھرم سوتراس بدقسمتی سے کم ہیں لیکن یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ (یعنی دھرم سوتراس) ایک بڑی حد تک ست (Concentrated essence) تھے جن سے منوا دھرم شاستر Manava-Dharma Sastras کی کشید کی گئی تھی اس وقت یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ آیا فرقہ مذکور نے اپنے کو ایک حقیقی معلم سے (جو منو کہلاتا تھا) موسوم کیا یا یہ کہ اساطیری (mythical) شخص سے۔ سلہ

---

بقیہ حصہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سد ینجلد ۲۳ صاحب کے رسالہ بابت ہندوؤں منو کا احترام نہ صرف ہندو مصنفین کرتے ہیں بلکہ بامیام و رجا ملک دوسرے مذہب کے مولفین بھی اس کا حوالہ بڑی وقعت سے دیتے ہیں Recht U. Sitte از جالی ۴۱-۴۴۔

سلہ دیکھئے منو باب اول فقرات ۱ تا ۶۰ باب سوم فقرہ ۱۶۔ باب ہشتم فقرہ ۲۰۴۔ باب دوازدہم فقرہ ۔ ہندو تالیفات جو زیادہ قدیم نہیں ہیں بالعموم قدیم حکماء کے فرضی بیانات داخل کر لیتے ہیں ویسٹ اینڈ بیلر کا دیباچہ صفحہ ۳۸۔

سلہ اے۔ ایس لٹریچر صفحہ ۵۳۳۔ جلد ۲۵ سدرن انجمنٹ دیباچہ ۱۹۷۔ انڈین وزڈم صفحہ ۲۱۲۔ جالی لیکچر صفحہ ۴۶۔ بیلر صاحب کا دیباچہ

**اس کا زمانہ**

**دفعہ ۲۱۔** سر ولیم جونس نے موجودہ تالیف منو کو ۱۲۸۰ قبل مسیح کی
قرار دیا ہے شلیگل (Schlegel) نے اس کا زمانہ ۱۰۰۰ قبل مسیح
قرار دیا ہے مسٹر الفنسٹن Elphinstone ۹۰۰ ق م بیان کرتے ہیں اور پروفیسر مونیر ولیمس ۵۰۰ ق م[1]
۲۰ پروفیسر میاکس ملر بہ ظاہر اس کو وید سے قبل کی چیز سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا زمانہ جو ۲۰۰ ق م
سے قبل کا نہ ہو۔ (قدیم ادب سنسکرت صفحہ ۶۱ صفحہ ۲۴۲) وہ اپنی اس رائے کے متعلق یہ وجہ پیش
کرتے ہیں کہ وہ مسلسل شلوک Slokas جن میں وہ (منو) لکھی گئی وہ شلوک اس تاریخ کے بعد
مروج ہوئے۔ وجہ پیش کردہ شبہ سے پاک نہیں ہے کیونکہ پروفیسر گولڈ سٹکر Goldstucker نے
یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ (شلوک) اس زمانے سے پہلے موجود تھے[2] بہ لحاظ تاریخ اس کے
زمانے کے سوال کا تعین کرنے کے لئے اس کا تصفیہ کرنا ضروری ہے کہ آیا منو کا حالیہ نظر ثانی
کیا ہوا نسخہ قدیم ہے یا ان بہت سے نسخوں کا جو بلاشبہ موجود تھے جدید ترین نسخہ ہے۔ نارد
کے دیباچے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منو میں اصلاً ایک ہزار باب تھے اور ایک لاکھ شلوک
Slokas نارد نے بارہ ہزار شلوک باقی رکھے اور سوماتی (Sumati) اور بھی کم کر کے
چار ہزار منتخب کر لئے۔ وہ کتاب جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے یہ بہت ہی مختصر کتاب
سمجھی جاتی تھی کیونکہ اس میں صرف ۲۶۸۵ شلوک رہ گئے ہیں وردھا (Vridha) یا قدیم
برہنت (Brihant) یا بڑا منو کا ذکر بھی ہم دیکھتے ہیں[3] وغیرہ موجودہ منو میں وشت کے
ایک ایسے قاعدے کا بھی ذکر ہے جو فی الواقعی اس کے مقابلے میں پایا جاتا ہے۔ اور وشت
بھی منو کے ابیات کا اقتباس کرتا ہے جن میں کے دو اب تک پائے جاتے ہیں اور
دو نہیں دکھائی دیتے۔ موخر الذکر دو میں کا ایک ایسی بحر میں ہے جو منو کے موجودہ نسخے میں
نہیں پایا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ منو جس کا اقتباس وشت نے کیا ہے اور دو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ منو ۱۴ - ۴۰ - ۹۱ - ۵۷ - ۹۳ - Recht U. Sitte ۱۸ -

[1] انڈین وزڈم صفحہ ۲۱۵ الفنسٹن صفحہ ۲۲۷ اشٹرلر کا دیباچہ یاگنولک صفحہ ۱۰ -

[2] وسٹ اینڈ بہلر صفحہ ۳۹ -

[3] ڈاکٹر جالی ثابت کرتے ہیں کہ یہ حالات تاریخی اہمیت نہیں رکھتے اور یہ کہ عموماً وہ مصنفین جن کے نام کے ساتھ وہ لگائے جاتے ہیں بہ نسبت ان کے زیادہ حال کے زمانے کے ہیں جن کے نام کے ساتھ وہ الفاظ نہیں لگائے جاتے۔ لکچر صفحہ ۵۔

ں نے وشت سے اقتباس کیا ہے ان دونوں میں قابل لحاظ وقفہ ہونا چاہیئے۔
ہ ازیں بودھیاین ایک ایسے مسئلے کا منو سے اقتباس کرتا ہے جو اس سے قطعاً
ف ہے جو منو نے باب نہم فقرہ ۸۹ میں بیان کیا ہے چھٹی صدی بعد مسیح کی ایک
ف میں منو کے ایسے ابیات دیئے ہوئے ہیں جو موجودہ نسخۂ منو میں صرف جزاً
ے جاتے ہیں۔ بطور اندرونی شہادت کے وہی اختلاف ان متضاد امور سے ظاہر ہوگا
و منو کے قانون میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً عورتوں کے ازدواج ثانی یا گوشت
نے کے احکام کی تطبیق کرنا ناممکن ہے [۱] مردوں کے متعلق بھی چند فقرات سے
ہر ہوتا ہے کہ کوئی مرد اپنی پہلی زوجہ کے حین حیات دوبارہ عقد نہیں کر سکتا۔
سکے برخلاف دوسرے فقرات سے ازدواج ثانی کا صریح جواز ظاہر ہوتا ہے [۲]
یا وہ حکم جس سے برہمن مرد اور شودر عورت کے مابین ازدواج جائز قرار دیا گیا ہے [۳] ۲۱
ہ حکم کہ بیوہ عورت سے اس کے شوہر متوفی کے فائدے کے لئے بچے پیدا کئے جا سکتے ہیں [۴]
ہے کہ مختلف زمانوں کے ہیں۔ سابقہ تصانیف میں ڈاکٹر بہلر نے اس رائے کو
کرنے کا رجحان ظاہر کیا تھا کہ منو کا وہ نسخہ جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے
ترین قسم کی تصنیف تھی۔ اپنے ترجمے پر دیباچہ لکھتے وقت انہوں نے اس سوال کو
ر نو جانچا اور مختلف نتیجے اخذ کئے ان کے خیال میں اس منو کی جو اس وقت ہمارے
ں ہے دو بنیادیں ہیں۔ ایک تو قدیم مسلک مناوا کے سوتر تالیفات اور دوسرے
مندانہ اقوال کا وہ ذخیرہ جو پہلے سے منظوم موجود تھا۔ موخر الذکر ماخذ سے
ت منو اور مصنف مہابھارت نے اپنے اپنے طور پر استنباط کیا [۵] البتہ بعض وقت

---

[۱] منو باب ۵ فقرات ۱۵۷، ۱۶۰ تا ۱۶۵ باب ۹ فقرات ۶۵ و ۶۶ و ۱۷۵ و ۱۷۶ باب ۵ فقرہ ۳۵ باب ۳
فقرات ۷، ۵ باب ۹ فقرات ۱۰۶ و ۱۵۹۔
[۲] منو باب ۳ فقرہ ۱۶۷۔ باب ۵ فقرہ ۲۰۴ باب ۹ فقرات ۷۷، ۸۰، ۱۰۱ اور ۱۰۲۔
[۳] منو باب ۳ فقرات ۱۳ ۱۹ باب ۳ فقرات ۱۴۸۔ ۱۵۵۔ ۱۷۸ ۔ باب ۸ ۳۶۳ ۷۶ ۔
[۴] منو باب ۹ ۵۶۔ ۶۲، ۱۲۰، ۱۴۳۔ ۱۴۲۔ ۱۶۵، ۱۶۷ و ۱۹۰۔ ۱۹۱، ۲۰۳۔
[۵] تیسری یا پانچویں صدی بعد مسیح۔

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہابھارت نے موجودہ مناوا۔سمرتی سے براہ راست مسئلہ اخذ کیا
چنانچہ اس سمرتی کا نام بہ وضاحت اس میں لیا گیا ہے۔ڈاکٹر جالی نے سب سے پہلے
یہ معلوم کیا کہ ورہسپتی Vrihaspati کا دھرم شاستر جس کے کچھ اجزا اس وقت باقی ہیں بظاہر منو کے
اسی نسخے پر مبنی ہیں جو اس وقت موجود ہے۔ڈاکٹر بہلر اس تحقیق سے مطمئن ہیں۔
بہر حال ڈاکٹر بہلر اس نتیجے پر پہنچے ہیں بھرگو کا سمہتا (Bhrigu's Samhita) اس
دھرم شاستر کا پہلا اور قدیم ترین ترتیب شدہ نسخہ ہے جو منو سے منسوب کیا جاتا ہے اور یہ کہ
موخر الذکر اور مناوا دھرم سوترا ایک ہی سمجھے جانے چاہئیں۔اگرچہ ترتیب شدہ نسخے کو ایک ہی
شخص کی محنت کا کام سمجھنا چاہئے لیکن اس کا امکان ہے کہ چیدہ چیدہ ابیات بعد میں داخل
کئے گئے ہوں یا بدل دیے گئے ہوں اس امکان کو بلا شک ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔اس نسخے کو وہ
دوسری صدی قبل مسیح اور دوسری صدی بعد مسیح کے درمیان کا قرار دیتے ہیں[۱] پروفیسر میکڈونل
Macdonell یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ تالیف "دوسری صدی بعد مسیح سے قبل اپنی موجودہ شکل میں ظاہر نہیں ہوئی"[۲]

**یاگنولک**

**دفعہ ۲۲**۔ زمانہ اور سند دونوں کے لحاظ سے یاگنولک کا شمار منو کے
بعد ہوتا ہے اس کی مطابقت کے لئے سوترا معلوم نہیں کئے گئے۔
پروفیسر اشٹنزلر (Stenzler) کی تحقیق میں یہ تالیف منو پر مبنی ہے۔اس پر بہت سے
۲۱ شروح لکھے گئے ہیں۔سب سے مشہور شرح وہ ہے جسے متاکشرا کہتے ہیں۔
ہندو قانون کی ابتداً ان صوبہ جات کے لئے جو متاکشرا کے تابع احکام ہیں
یہیں سے ہوتی ہے۔اصل مصنف کا خیال بالکل معلوم نہیں۔ایک یاگنولکیا کا ذکر
ہندو ضمنیات میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ آفتاب نے سفید یجروید عطا ہوا۔
اسی اساطیری (mythical) شخص کو اس قانونی کتاب کا مصنف بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔
اس میں شک نہیں کہ دونوں تالیفات بلحاظ زمانہ ایک دوسرے سے بہت دور ہیں
لیکن ڈاکٹر بہلر یہ رائے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دھرم شاستر جو یاگنولک کے نام سے
موسوم ہے ان سوتراس (Sutras) پر مبنی کی گئی ہوگی جو یا تو یجروید کے مسلک سے

[۱] بہلر کا منو پر دیباچہ صفحہ ۹۰/۱۱۷ صفحہ ۱۱۷/۱۲۳۔ وشنو پر دیباچہ صفحہ ۱۱/۲۰ جالی صاحب کا لکچر ۶۰۔
[۲] سنسکرت ادب کی تاریخ صفحہ ۴۲۸

آئے ہونگے یا جو شاید خود مصنف یجر وید کے ہوں گے [1] یہ محض معہود ذہنی ہے کیونکہ مثل منو کے یاگنولک کے لئے بھی الفاظ "قدیم" (یاگنولک) اور "بڑا" (یاگنولک) بولے جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ شہادت فراہم ہوتی ہے کہ اس تالیف یا تصنیف کے متعدد نسخے موجود تھے۔ اس کے زمانے کا تعین محض تخمیناً کیا جا سکتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ وسیع گنجائش رکھی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ منو سے بہت بعد کی تصنیف ہے۔ جیسا کہ گنیش (Ganesh) اور سیارگان کی پرستش۔ دستاویزات کے لئے دھات کی تختیوں کے استعمال اور خانقاہوں کے لئے اوقاف کے بیان سے ثابت ہے۔ اور دوسرے فقرات (مثلاً جن میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے سر بالوں سے بالکل صاف ہوتے تھے۔ یا زر و عباؤں کا بیان بدھ مذہب لوگوں سے متعلق سمجھا جاتا تھا۔ پروفیسر ولسن یہ بتلاتے ہیں کہ "اس کے فقرات ہندوستان کے ہر حصے میں کتبوں (inscriptions) پر پائے جاتے ہیں۔ یہ کتبے دسویں اور گیارھویں صدی کے ہیں۔ اس وسعت کے ساتھ پھیلنے میں اور عام سندی خصوصیت حاصل کرنے میں قابل لحاظ مدت گزری ہوگی لہذا وہ تصنیف ان کتبوں کے زمانے سے بہت قبل کی ہونی چاہئے" ان کا یہ خیال ہے کہ چونکہ جس سکے Nanaka کا ذکر یاگنولک میں ہے وہ کنرکی Kanerki کا ایک سکہ تھا اس لئے ۲۰۰ء بعد مسیح کی تاریخ قایم ہوتی ہے پروفیسر میاکس ملر اس استنباط کو مشتبہ سمجھتے ہیں۔ یاگنولک کے فقرات پنچتنترا Panchatantra میں پائے جاتے ہیں اور موخر الذکر پانچویں صدی کے آخری حصے سے پہلے کی نہیں ہے [2] و نیز "اگنی پران" Agni Purana "میں یاگنولک کا لفظ بہ لفظ اقتباس کیا گیا ہے اور اگنی پران آٹھویں صدی سے قبل کی سمجھی جاتی ہے [3] لہذا یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تصنیف (یاگنولک) چودہ سو برس سے بھی زیادہ قدیم ہے لیکن یہ کہنا ناممکن ہے کہ اس کی حقیقی عمر کیا ہے [4] پروفیسر میاکڈونل اس تصنیف کی

---

[1] یاگنولک باب اول فقرہ ۱۔ باب سوم فقرہ ۱۱۰ ویسٹ اینڈ بہلر صہ ۴۳

[2] دیکھئے ولسن ورکس باب ۴ صہ ۹

[3] دیکھئے اشٹنزلر کا دیباچہ صہ ۱۰۔ قدیم ادب سنسکرت سن ۳۳۔ ولسن ورکس باب ۳ صہ ۲ صہ ۹۰

[4] مذکورالصدر نتائج کم و بیش وہی ہیں جو وی۔ین منڈلک نے اپنے دیباچے میں اخذ کئے ہیں صہ ۴۲-۵۹ وہ صفحہ ۱۵ پر؛

تاریخ تخمیناً سنہ ۳۰۰ء قرار دیتے ہیں [1]

Paragrap 28

نارد Narada ۲۳ ؁ سب سے آخری مکمل منظوم دھرم شاستر جو اس وقت ہمارے پاس ہے وہ نارد سمرتی ہے۔ ڈاکٹر جالی نے اس کا حال میں ترجمہ کیا ہے حسب عادت اس کو حکیم آسمانی (Divine Sage) نارد سے منسوب کیا گیا ہے اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ نارد نے منو کے دوسرے خلاصے سے اس کا خلاصہ چار ہزار شلوکا میں کیا۔ لیکن بہت سے اہم مسائل میں نارد کی سمرتی منو کی سمرتی سے اختلاف کرتی ہے ڈاکٹر بہلر اور ڈاکٹر جالی ان اختلافات کو بہ تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جو رتبہ کہ نارد نے متبنیٰ لڑکے کو عطا کیا ہے وہ ایک اختلافی امر ہے اور ان تمام سے زیادہ اہم ہے۔ جس کا ذکر ڈاکٹر بہلر اور ڈاکٹر جالی نے کیا ہے منو نے متبنیٰ لڑکے کو بہ سلسلۂ پسران [illegible] درجہ پر لکھا ہے اور نارد نے نویں درجہ پر جس کی وجہ سے وہ طرفی ورثا (collateral heirs) کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے [2] بیشک یہ ممکن ہے اور میرا ظن غالب یہ ہے کہ اس خصوص میں نارد نے منو کے اصلی اور حقیقی احکام کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ … کہتے ہیں کہ یاگنولک کی سمرتی کو جانچنے اور دوسروں سے مقابلہ کرنے کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس کو … وست گوتم گنکھا لکھتا اور ہریت کی حد کی۔ وشنو کی تقریباً ہمسر اور پاراسارا اور دوسروں کی قسم کی سمجھتا ہوں مثل منو گوتم گنکھا لکھتا اور پاراسارا کے اس کو یہ امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں ہوا کہ آریہ قانون کی بنیاد … البتہ اس کو سفید یجر وید کے … شاکھاس Sakhas کا بہترین رہنما سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس میں جو یجر وید کے مسائل نہایت اچھی طرح طے کئے گئے ہیں۔ یہ شاکھاس شمالی علاوہ (Narmada) کے ممالک میں سب سے زیادہ رائج ہیں چنانچہ (Charana Vyuha) اور دوسرے اسناد سے بھی ظاہر ہوتا ہے … بیان کرتے ہیں کہ یاگنولک متعدد سمرتی کا … ایک ہے اور ان کے ساتھ ان کے سوا ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ مؤخر الذکر بیان درست نہیں ہے کیونکہ ہندوستان کے ہر ضلع کے شارحین اس کے اسناد کا حوالہ دیتے ہیں بلکہ ان کو مسلم سمجھتے ہیں ڈاکٹر جالی کا بیان ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یاگنولک کی منظومہ … پہلی صدی عیسوی سے قبل کی ہے۔ لکچر ۴۹۔ ڈاکٹر جالی اپنی بعد کی تصنیف میں یاگنولک کو چوتھی صدی کی تصنیف بیان کرتے ہیں Recht U. Sitte صفحہ ۲۱۔

[1] ادب سنسکرت کی تاریخ ص ۳۰۹۔

[2] منو باب ۹ فقرہ ۱۵۹۔ نارد باب ۱۳ فقرہ ۴۶۔

متابعت کی ہوگی یہ شمول اس استثنا کے (اگر اس کو استثنا سمجھا جائے) نارد کو بمقابلہ منو کے جدید رنگ دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ضابطے کے قواعد دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قانون انگریزی کے خاص اصول پلیڈنگ پیش از وقت بیان کر دیے گئے ہیں[1] اگر اسی طرح مقابلہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہ نسبت یاگنولک کے نارد زیادہ حال کی تصنیف ہے۔ اس کے برخلاف

۲۴ اس کی عمر بمقابلہ کتیاین اس قدر زیادہ ہے کہ مثلاً کتیاین میں اس کا نہ صرف محض اقتباس کیا گیا ہے بلکہ اس کو الہامی مولف بیان کیا گیا ہے۔ اس کے خیالات کتیاین۔ ورہسپتی یا ما اور دوسرے سمرتیوں کے خیالات سے بھی (جن کا حوالہ شارحین نے دیا ہے) زیادہ قدیم قسم کے نظر آتے ہیں۔

نارد کا زمانہ ڈاکٹر جالی کے مطابق یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نارد۔ سمرتی کو تقریباً پانچویں یا چھٹی صدی کی یا ایک گونہ اس کے بعد کی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یعنی تقریباً یاگنولک اور اس زمانے کے مابین کی تصنیف ہے جب کہ سمرتیوں کی ترتیب اور ان کے لکھنے کا کام بند ہو گیا تھا پروفیسر سیالڈونل اس رائے سے متفق ہیں۔ ڈاکٹر بہلر نے حال میں نارد۔ سمرتی کے ایک جزو کا نہایت دلچسپ انکشاف کیا ہے۔ ان کی رائے میں یہ جزو نارد کے ایسے نسخے کا ہے جو ڈاکٹر جالی کے مترجمہ نسخے سے بڑا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی نسخے کو قدیم شارحین نے استعمال کیا تھا کیونکہ اس میں وہ احکام درج ہیں جو نارد سے منسوب کئے گئے ہیں۔ یہ احکام اس نسخے میں نہیں دکھائی دیتے جو اس وقت خلاصے کی شکل میں موجود ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جزو مذکور الصدر باب ۳ فقرہ ۱۹ تک ہی ہے۔ ڈاکٹر جالی یہ فرض کر لیتے ہیں کہ نارد نیپال کا باشندہ تھا[2]

**ناقص یا نامکمل دھرم شاستر**

ف ۲۴۔ منظوم دھرم شاستروں کے وہ اجزا جو اس وقت گم ہیں شارحین کی کتابوں اور خلاصوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں کے سب سے قدیم اور اہم ابیات ورہسپتی اور کتیاین کے ہیں۔ یہ دونوں ہمعصر معلوم ہوتے ہیں غالباً چھٹی یا ساتویں صدی کے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ منو پر مبنی ہیں اگرچہ بعد کی سوسائٹی کے ضروریات کے مدنظر اس کو وسیع کیا گیا اور

[1] دیکھئے نارد باب اول ف ۵ تا ۵۷۔

[2] جالی صاحب کا لکچر موسوم Recht U. Sitte ص ۲۱۔

تبدیلیاں کی گئیں [1] اس سے بھی بعد کے زمانے کی وہ سمرتیاں ہیں جنھیں ڈاکٹر بہلر منظوم دھرم شاستروں کی ضمنی اشاعتیں (ضمنی سمرتیاں یا ذیلی سمرتیاں) کہتے ہیں ۔ اس عنوان کے تحت وہ ان متعدد سمرتیوں کا ذکر کرتے ہیں جو اس زمانے میں انگیرا۔ آتری ۔ وکشہا۔ دیوالا ۔ پرجاپتی ۔ یاما ۔ لکھتیا ۔ وگھرایدا ۔ دیاس سنکھا۔ سنکھا لکھتیا اور وردھاساتپا Vriddha Satatapa کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں ۔ یہ تمام کتابیں چھوٹی اور غیر اہم ہیں ۔ مذکورالصدر کتابیں بڑی تصنیف کی یا تو حقیقی منتخبات ہیں یا جدید طرز کی اشاعتیں ۔ وہ محض جعلی تصانیف نہیں ہیں جیسا کہ فرض کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ چند ابیات جن کا اقتباس قدیم شارحین نے (مثلاً وجنیشورا) انگیرا وغیرہ سے کیا ہے ان میں فی الحقیقت موجود ہیں ۔ اس کے برخلاف یہ امر واضح ہے کہ وہ ایسے اصلی اور قدیم تصانیف نہیں ہیں جن سے وجنیشورا اور دوسرے قدیم نبندھاکر Nibandhakars ۲۵
واقف تھے کیونکہ بہت سے اقتباسات جو موخرالذکر (یعنی وجنیشورا وغیرہ) سے کئے گئے ہیں ان میں (یعنی انگیرا وغیرہ میں) نہیں ملتے چنانچہ وردھاساتپا (vridha satatapa) کے مصنف خود اپنی کتاب کی ابتدا میں یہ کہتے ہیں کہ وہ قدیم کتب سے صرف اقتباس پیش کرتے ہیں جو معنی کی تفہیم کے لئے ضروری ہو [2] بیشک یہ ہو سکتا ہے کہ ان کتابوں میں قدیم احکام موجود ہوں اگر یہ وہ اشاعتیں جن میں وہ احکام ہوں مقابلتہً جدید ہوں مذکورالصدر فہرست کے بہت سے ناموں کو یاگنولک اصل ماخذ قانون بیان کرتا ہے [3] لہذا وہ یاگنولک سے بہت قبل موجود ہوں گے اگرچہ دوسری شکل ہیں ۔ ڈاکٹر جالی کو اس کا یقین ہے کہ اکثر جدید اور منظوم سمرتیوں کے اجزا گیارھویں اور بارھویں صدی سے

[1] جالی صاحب کا لکچر ۶۰-۶۴ Recht صہ ۲۶

[2] ویسٹ اور بہلر صہ ۲۶ سمرتیوں کی مکمل فہرست اس سے قبل صہ ۲۵/۲۸ میں دی گئی ہے ویز دیکھئے مونے کا ڈائجسٹ جلد ۱ صہ ۱۹۳ انڈین وزڈم صہ ۲۱۱ ۔ وی این مانڈلک باب ۱۲ ۔ جالی صاحب کا لکچر ۱۵ ۔ اسٹوک کا ہندولا صہ ۵ ۔

[3] منو۔ آتری ۔ وشنو ۔ ہرتیا یاگنولک ۔ یوناس ۔ انگیرا ۔ یاما ۔ اپستمبا ۔ سمورتا ۔ کتیاین ۔ ورہسپتی ۔ پاراسارا ۔ ویاس ۔ سنکھ لکھتا ۔ وکشا گوتم ۔ ساتاتاپا اور وشست وہ ہیں جنھوں نے دھرم شاستر کو رائج کیا " یاگنولک باب ۱ ۔ ۴ و ۵ ۔ ان تالیفات کی تفصیلی جانچ کے لئے وی این مانڈلک کا ضمیمہ ۱ دیکھا جائے ۔

قبل کے ہیں چنانچہ وجنانیشورا اور اپار ارکا ApararKa نے انھیں الہامی مصنفین تصور کرکے ان سے استناد کیا ہے۔ نیز اکثر حصہ آٹھویں اور نویں صدی سے بھی قبل کا ہے کیونکہ اس عہد میں Medhatithi نے ان میں کے اکثر مصنفین کے اسنا پیش کیے ہیں[1]

پریوی کونسل نے بار بار یہ ہدایت کی ہے کہ سمرتیوں کے معاملے میں احتیاط کرنی چاہیے ہمیں چاہیئے کہ اس ہدایت کو نہ بھولیں۔ ذیل کا اعلان غالباً سب سے زیادہ پرزور ہے حکام عالی مقام کو حال کے ایک مقدمے میں[2] اس پر کافی بحث کرنی پڑی کہ اخلاق مذہب اور قانون کا سمرتیوں میں کس طرح اختلاط ہو گیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ "تمام قدیم کتابوں اور شروح کا میلان یہ ہے کہ ان مذہبی اور اخلاقی امور کو جو فی نفسہٖ قانون نہیں ہیں ان سے مخلوط کر دیا جائے جو حقیقتہً قانون ہیں"۔ "وہ اب یہ اضافہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ان مرافعوں کے فیصلے کے لئے انھیں اس مضمون کا "مزید مطالعہ کرنے کی ضرورت تھی اس لئے ان کو اس کا زیادہ احساس ہوا کہ مذہب "اخلاق اور قانون کی مخلوط کتابوں کی تعبیر میں زیادہ احتیاط سے کام لیا جانا چاہیئے۔ ورنہ غیر ملکی مقننین عادتہً مستند کتابوں میں پائی ہوئی چیزوں کو قانون تصور کرکے بہ عجلت تمام
۲۶ ان تمام احکام کو جو فی الحقیقت اخلاق سے متعلق ہوتے ہیں حقیقی قانون تسلیم کر لیں گے اور "اس طرح سے خانگی معاملات میں انفرادی رائے مقید ہو جائے گی۔ و نیز ہندو سوسائٹی میں" اس قسم کے ناقابلِ ترمیم و اصلاح قیود داخل ہو جائیں گے جو اصلی قانون دینے والوں کے ذہن و قیاس میں بھی نہ تھے"[3]

(ب) سمرتیوں کی سند ف ۲۵۔ شارحین وہ تمام کتابیں جو سمرتیوں کے عنوان کے تحت آتی ہیں اپنے اس دعوے میں متفق ہیں کہ وہ بہ ذات خود سند ہیں اور اس دعوے کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ جس طرح ایک جج دوسرے کی رائے کا اقتباس کرتا ہے اسی طرح حسب ضرورت ایک سمرتی

[1] جالی صاحب کا لکچر ص۶۔

[2] راؤ بلونت سنگھ بنام رانی کشوری جلد ۲۵ مرافعہ جات ہند ۴۵ بر صفحہ ۶۹۔

[3] سری بلوسو گرو لنگا سوامی بنام سری بلوسو را مالکشما ۲۲ مدراس ص۳۹۸ ۔ ۱۵ پی سی ۔

دوسری سے اقتباس کرتی ہے لیکن ہر حصۂ کتاب کو ایک ہی قسم کی وقعت حاصل ہے اور ایسے پسے بیانات سمجھے جاتے ہیں جن میں خطا کا احتمال ہی نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ سمرتیوں کے بیانات میں خاصا اختلاف ظاہر ہوتا ہے ان اختلافات کی وجوہ مدت کا انقضا اور غالباً مقامی خصوصیات ہیں۔ پاراسارا (Parasara) کی سمرتی اس نوع کی حالیہ سمرتی ہے۔ اس نے اس اختلاف اور اس کی وجہ کو تسلیم کیا ہے اور اس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ قوانین منو کرتیا جگ Krita Yuga یا پہلے دور کے لئے موزوں تھے۔ گوتم کے قوانین ترتیا Treta یا دوسرے جگ کے لئے سنکھا اور لکھتیا کے Dvapara یا تیسرے جگ کے لئے اور خود اس کے قوانین کالی جگ Kali (یعنی ایسا دور جو گناہ سے پر ہو) کے لئے جس کا سلسلہ اب تک باقی ہے [1] افسوس ہے کہ اس کی کتاب کا قانونی حصہ تلف ہو گیا ہے۔ غالباً وہ کتاب تاریخی اصول پر لکھی گئی تھی۔ بعد کے مصنفین اور مولفین یہ قیاس کرتے ہیں کہ سمرتیوں میں ایک ہی قسم کے نظام قانون کا ذکر ہے یہ کہ اس کا ایک جزو دوسرے کی کمی کو پورا کرتا ہے اور اس کے ہر حصے کی مطابقت دوسرے حصے سے ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہو [2] ایک حد تک شاید یہ صحیح ہو کیونکہ کسی بھی دھرم۔ سوتر یا دھرم شاستر کا یہ دعوی نہیں ہے کہ وہ تمام قانون پر حاوی ہے لیکن ان کے اختلافات کی کبھی بھی یکسوئی (یا تطبیق) نہیں ہو سکتی۔ سمرتیوں کے کل ذخیرے بلاچون و چرا اس لئے قبول کر لئے گئے۔ اولاً ان کی قدامت ایسی بڑھ گئی تھی کہ قدامت ۲۰
اصلی واقعات فراموش کر دیے گئے اور ان کے مصنفین سے متعلق یہ تصور کرنے لگے کہ وہ نیم دیوتا ہیں اور ثانیاً اس وقت کے قانون میں عقیدے کو بذات خود دخل ہو گیا تھا اور وہ (یعنی قانون) ان اسناد سے اختلاف کر کے بھی باقی رہا جن پر حقیقتہً وہ مبنی تھا۔ جدید دینیات میں بھی یہی راست مشابہت پائی جاتی ہے چنانچہ متضاد قسم کے نظام کو ایسے دستاویزات سے متعلق کر دیا جاتا ہے جو خود ان احکام سے مختلف ہیں جن سے ان کی

[1] موجودہ منو میں ان چاروں دور کا ذکر ہے باب ا ف ۸۱–۸۶ جلد ا اسٹرینج کا ہندو لا۔ دیباچہ ص ۱۲۔

[2] یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا منو نے وید کے احکام کے سوا دوسرے احکام کو لازمی مان کر انھیں قابل عمل سمجھا ہو دیکھئے باب ۲ دفعہ ۱۰–۱۵۔

تائید ہوتی ہے۔

**وسواروپ**

دفعہ ۲۶۔ یاگنولکیا پر سب سے قدیم شرح وسواروپ Visvarupa کی ہے[1]۔ مصنف مٹاکشرا اپنی کتاب کے ابتدائی حصے میں یہ کہتا ہے کہ یاگنولکیا کی سمرتی کو بہ تفصیل وسواروپ نے ایسے الفاظ میں واضح کرنے کی کوشش کی جن کا سمجھنا کسی قدر دشوار تھا[2]۔ اس کی شرح وجنانیشورا کی شرح سے تقریباً دو صدی قبل کی ہے۔ ابھی تک اس کو گمشدہ سمجھا جاتا تھا لیکن حال میں اس کا ایک نسخہ ملا بار میں ملا۔ سیتارام شاشتری نے (جو مدراس کے ایک فاضل وکیل ہیں) ترجمہ کر کے اس کو شایع کیا۔ مجھ کو اس کا علم انھیں سے ہوا۔

**مٹاکشرا**

وجنانیشورا کی شرح جسے مٹاکشرا کہا جاتا ہے سب سے زیادہ قابل وقعت ہے[1] شہر اور صوبۂ بنارس میں وہ سب سے زیادہ مستند ہے۔ جنوبی اور مغربی ہند میں اس کی وقعت بہ حیثیت قانون ان سب کتابوں سے زیادہ ہے۔ جن کا حوالہ اوپر دیا گیا۔ منجملہ کے کتب قانونی کی بنیاد مٹاکشرا ہی ہے۔ البتہ صرف بنگال میں ایک حد تک جموت وہان Jimta Vahen اور اس کے شاگردوں کی تحریروں کو ترجیح ہے۔ گجرات میں صرف ان چند امور کی حد تک جن میں میوکھ اور مٹاکشرا اختلاف کرتے ہیں میوکھ کو ترجیح ہے[2]۔ جدید تحقیق نے وجنانیشورا کا زمانہ گیارہویں صدی کا آخری حصہ قرار دیا ہے[3]۔ دوسرے صوبہ جات کے ۲۸
وہ مصنفین بھی مٹاکشرا کی پیروی کرتے ہیں جو ان صوبہ جات میں خاص طور پر مستند ہیں

---

[1] مسٹر کولبروک نے اس کتاب کے اس حصے کا ترجمہ کیا ہے جو وراثت سے متعلق ہے اور اس سے طالبان علم واقف ہیں مسٹر میاکناٹن نے اس حصے کا ترجمہ کیا ہے جو عدالتی ضابطے سے متعلق ہے۔ یہ ترجمہ ان کی کتاب ہندو قانون کی جلد اول کے آخری حصے میں ہے۔ مٹاکشرا کے کل مضامین کا تختہ بورڈیل رپورٹ کی جلد بابت ۱۸۲۵ء کے آخری حصے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

[2] بہ نام اسٹرینج کا ہندو قانون جلد اصفحہ ۳۱ و نیز دیکھیے مقدمات ذیل۔

کرشناجی بنام پانڈورنگ ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۶۵ کلکٹر مدورا بنام موتو راما لنگا 12 M. I. A 437

گردھاری لال بنام حکومت بنگال 12 M. I.A 448 جگناتھ پرشاد بنام رنجت سنگھ ۲۵ کلکتہ صفحہ ۳۲۶۔

[3] ویسٹ اور بہلر صفحہ ۱۸ ۔ میاکڈونل صفحہ ۲۲۹۔

البتہ کہیں کہیں تھوڑا سا اختلاف بھی کرتے ہیں۔

**اپرارکا Apararka**

وجیانیشورا سے کچھ بعد کا دوسرا شرح نویس اپرارکا ہے۔ اپرارکا کونکن کا ۱۱۴۰ء اور ۱۱۸۶ء کے درمیان پادشاہ تھا۔ اس کے خیالات متاکشرا سے بہت مشابہ ہیں اگرچہ وہ کہیں بھی اس کا نام نہیں ظاہر کرتا۔ اس کی شرح کشمیر میں سب سے زیادہ مستند ہے اور بعد کے خلاصہ نویسوں نے اس کا حوالہ نہایت احترام سے دیا ہے۔ راجکمار سروادھیکری Rajkumar Sarvadhikari نے اس کی شرح کے اس حصے کا ترجمہ کیا ہے جس میں سلسلۂ وراثت کا ذکر ہے[1]۔

**جنوبی ہند کی مستند کتابیں**

فک۔ جنوبی ہند کی ضمنی کتابوں میں سب سے بالاتر سمرتی چندریکا۔ Smriti Chandrika, دیا وبھاگا Daya-Vibhaga, سرسوتی ولاس Sarasvati Vilasa اور وبہواکرا نرنایا ہیں[2]۔ Devanda Bhatta دیوننڈ بھاٹ and Vyavahara Nirnaya نے سمرتی چندریکا اس وقت لکھی جب کہ دکن میں وجیانگر کے خاندان کی حکومت تھی۔ ڈاکٹر برنل اور ڈاکٹر جالی نے اسے تیرھویں صدی کے وسط کا تصنیف بتایا ہے۔ راجکمار سروادھیکری نے اس کے زمانے کو ایک صدی اور پیچھے ہٹا دیا ہے۔ کرشنا سامی آئر نے ۱۸۶۷ء میں اس کا ترجمہ کر کے شائع کیا اور یہی ایک ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر برنل یہ بیان کرتے ہیں کہ ڈاکٹر گولڈسٹکر نے اس کا ترجمہ کیا تھا اور صرف مطبع کو پہنچنا باقی رہ گیا تھا[3] لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھپنے نہ پایا۔ سرسوتی ولاس سولھویں صدی کی ابتدا میں لکھی گئی یا بقول مسٹر راجکمار سروادھیکری کے پرتاپ رودا دیوا نے اس کو چودھویں صدی کی ابتدا میں لکھا۔ موخر الذکر اوڑیسہ کا ایک پادشاہ تھا۔ پادری مسٹر فاوکس (Foulkes) نے اس کا ترجمہ کیا ہے[4]۔ دوسری دو کتابوں کے ترجمے کی وجہ سے ہم ڈاکٹر برنل کے

---

[1] سروادھیکری صفحہ ۳۲۶ ویسٹ اور بہلر صفحہ ۱۹ ڈاکٹر جالی کا لکچر ۱۲)

[2] دیکھیے کلکٹر مدورا بنام موتو راملنگا قبل ازیں فقرہ ۲۲ کے تحت حاشیہ (۲)۔

[3] دردواج پر دیباچہ

[4] Foulke کا سرسوتی ولاس پر دیباچہ۔

زیر بار احسان ہیں (Madlaviya) نے دیا۔ و یبھاگا لکھا۔ یہ مولف دھیانگر سلسلہ خاندان کے کئی بادشاہوں کا جنھوں نے چودھویں صدی کے آخری زمانے میں بادشاہت کی، وزیر اعظم یا مدار المہام تھا (Vyavahara - Nirnaya) کا لکھنے والا ورداراج (Varadaraja) تھا اس کا مدیر یہ کہتا ہے کہ "اس سے زیادہ اس کے متعلق کہنا ناممکن ہے کہ وہ تامل ملک کا رہنے والا تھا اور سولھویں صدی کے ختم یا سترھویں صدی کے آغاز تک موجود تھا"

**مغربی ہند** ف ۲۸۔ مغربی ہند میں متاکشرا کی کمی کو پورا کرنے والی کتابیں میوکھ ۲۹

اور ویرمترودیا ہے ہیں۔ ممالک مرہٹہ۔ شمالی کنارا اور رتناگری میں متاکشرا کی وقعت سب سے زیادہ ہے۔ گجرات اور بظاہر جزیرہ بمبئی میں بھی بصورت اختلاف آرا میوکھ زیادہ مستند ہے[۱]۔ احمد نگر۔ خاندیس اور پونہ میں میوکھ کی سند متاکشرا کے مقابلے میں مساوی درجہ رکھتی ہے مگر مرجح نہیں ہے[۲]۔ میوکھ کا ترجمہ اولا بورڈیل نے کیا اور بعد میں وی۔ین مانڈلک نے اس کا مولف نیلکنٹ ۱۶۰۰ء کا شخص تھا اور اس کے تالیفات ۱۷۰۰ء میں استعمال ہونے لگے۔ ویرمترودیا کا لکھنے والا امترامسرا (Mitra Misra) تھا اور یہ بھی مثل میوکھ کے بہت سے امور میں متاکشرا کی متابعت کرتا ہے۔ سترھویں صدی کے آغاز کا زمانہ اس کتاب کی تالیف کا زمانہ ہو سکتا ہے[۳]۔ گلاب چند رسرکار شاستری نے اس کا ترجمہ ۱۸۷۹ء میں کیا۔ اس کتاب کو صوبہ بنارس کے لئے سند سمجھنا بہتر ہے نہ کہ ممالک بمبئی کے لئے۔ مغربی ہند میں بھی میوکھ کے مقابلے میں اس کو بہت کم وقعت حاصل ہے[۴]۔ ڈاکٹر بہلر نے

---

[۱] ویسٹ اور بہلر صفحہ ۱۳ و ۱۴ و نیز دیکھئے فقرہ ۲۶ کے تحت مقدمہ کرشناجی بنام پاندرنگ قبل ازیں ف ۲۶ للو بھائی بنام مانکوربائی ۲ بمبئی صفحہ ۲۱۵۔ یا لکرشنا بنام لکسمن ۱۴ بمبئی ۶۰۹ جانکی بائی بنام سندر۔ یہی کہا جاتا ہے کہ شمالی کو نکن میں بھی میوکھ مرجح ہے سکھارام بنام سیتا بائی ۳ بمبئی ۳۵۳ جانکی بائی بنام سندرا ۱۴ بمبئی ۶۲۳۔

[۲] بھاگرتی بائی بنام کھانوجی راؤ ۱۱ بمبئی صفحہ ۲۸۵ صفحہ ۲۹۴۔

[۳] ویسٹ اور بہلر صفحہ ۱۲ و ۲۲۔

[۴] کلکٹر مدورا بنام موتو راما لنگا ورھنڈ وکرو بنام گنگا بائی ۳ بمبئی ۳۶۹

اپنے دیباچہ (یا مقدمہ) میں ان تالیفات کا ذکر کیا ہے جو مغربی ہند میں مستند ہیں لیکن چونکہ ان کا ترجمہ نہیں ہوا ہے اس لئے میں نے ان کا حوالہ نہیں دیا۔

**میتھلا**

**ف ۲۹** میتھلا (یا ترہت اور شمالی بہار) میں متاکشرا بھی سند ہے۔ اگرچہ اس ضلع کے پنڈت عادۃً دیواد چنتا منی Vivada Chintamani اور (Vyavahara) چنتامنی کا (جو واچسپتی مسرا کا تھا) Vachespati Misra حوالہ دینے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے قوانین "آج تک میتھلا کے لوگوں میں سب سے زیادہ واجب التعظیم ہیں"۔ رتناکرا اور
۳۰ دیواد چندر کا بھی میتھلا کے پنڈت حوالہ دیتے ہیں[1] دیواد چنتامنی کا زمانہ مسٹر کولبروک (جب کہ وہ ۱۷۹۶ء میں کتاب لکھ رہے تھے) دس یا بارہ پشت کا بیان کرتے ہیں۔ یعنی تقریباً پندرھویں صدی کے وسط میں دیواد چنتامنی لکھی گئی۔ پرسنو کمار ٹگور Prossonno Coomar Tagore نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ گلاب چندر سرکار شاستری نے رتناکرا کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وزیراعظم چندیسور ٹھاکر وزیراعظم دریسور ٹھاکر کے لڑکے نے رتناکرا کو مرتب کیا۔ اس نے اپنے سے لئے سرداران نیپال کے فاتح کا لقب اختیار کر لیا تھا اندرونی شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۱۳۱۴ء میں زندہ تھا۔ وہ یہ نہیں کہنا چاہتا کہ کسی بادشاہ کا وزیراعظم تھا میں دوسرے تالیفات کے صرف ناموں سے واقف ہوں۔

**تبنیت پر تصانیف یا رسالے**

**ف ۳۱** تبنیت پر دو خاص کتابیں دتکا چندریکا Dattaka Chandrika اور دتکا میمامسا Dattaka Mimamsa ہیں یہ دونوں کتابیں اسی مضمون کی دوسری کتابوں سے زیادہ مستند سمجھی جاتی ہیں کیونکہ شاید مسٹر سدرلینڈ کے ترجمے کی وجہ سے انگریز حکام اور مقننین کو ان کتابوں پر بہ آسانی دسترس حاصل تھا۔ مسٹر ڈبلیو تھ۔ میکناٹن ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ "قانون تبنیت کے مسائل میں دتکا میمامسا اور دتکا چندریکا کا تمام ہندوستان میں مساوی طور پر احترام کیا جاتا ہے اور جب ان میں اختلاف ہو تو بنگال اور جنوبی ہندوستان کے

[1] بحیثیت بنام راجندر ۲ مور حسبہ ۱۸۶۹ء ا کولبروک دیباچہ ۲ ڈائجسٹ صہ ۱۹ ۔

قانونی حلقے میں موخر الذکر کی پیروی کی جاتی ہے ۔ اور متھلا اور بنارس میں مقدم الذکر بہترین رہنما ہے[1] ۔ جوڈیشل کمیٹی نے اس بیان کو راماناد کے مقدمے میں قبول فرمایا[2] اور اس میں شک نہیں کہ اس کی وجہ سے ان کتابوں کی وقعت میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوگیا ۔ اس کے برخلاف وی ۔ این مانڈلک ممالک بمبئی کے لئے قطعی طور پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ "متکا میماسا سے لوگ اس ترجمے کی اشاعت کے سالہا سال بعد تک جو گورنمنٹ کے حکم اور مدد سے ہوا تھا اس کے اصل نسخے سے ناواقف تھے ۔ اور اب نرناسندھو Nirnaya Sindha ویرمترو دائے Viramitrodaya کوستوبھا Kaustubha ۔ دھرم سندھو Dharma Swdhio اور میوکھ سے لوگوں کی رہنمائی ہوتی ہے نہ کہ دتکا میماسا یا چندریکا سے[3] مسٹر ڈبلیو ۔ ایچ میکناٹن کو جنوبی ہند کے متعلق کوئی خاص علم نہ تھا ۲۱

[1] میکناٹن کا دیباچہ باب ۳۳ اور ص۶ ۔
[2] کلکٹر مدورا بنام موتو راما لنگا ۔ صدر کورٹ جلد ۱۰ سدرلینڈ پریوی کونسل ص۱۷ ۔ صدر کورٹ جلد ۱ بنگال لا رپورٹ ص۱ پی ۔ سی ونیز دیکھئے رنگما بنام اچاما مدراس ص۲۷ ۔
[3] دیباچہ مانڈلک ص۳ ۔ دیکھئے جلد ۹ الہ آباد کے ص۳۲۲ پر جسٹس محمود کے الفاظ ۔ ویسٹ اور بہلر اس مسئلے کے متعلق کہ مغربی ہند میں ان دونوں کا کیا درجہ ہونا چاہئے کہتے ہیں کہ گو وہ متاکشرا اور میوکھ کا ضمیمہ یا تتمہ تو ہیں لیکن ان کے اسناد کو اصل سمجھا جا سکتا ہے ۔ ص۳۸۷ بمبئی ہائیکورٹ کے ایک مقدمے میں جس کا فیصلہ بہ اجلاس کامل ہوا ججوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دتکا میماسا اور دتکا چندریکا کے اسناد اس عدالت میں سب سے بہتر اور اعلیٰ سمجھے گئے ہیں لہذا مسٹر مانڈلک کے استدلال کی سماعت نہیں ہو سکتی ورنہ عدالت کا رواج اس خصوص میں بدل جائے گا (وامن رگھوپتی بنام کرشناجی ۲ بمبئی ۲۵۹) یہ سوال کہ ان کتابوں کا کس طرح توازن کرنا چاہئے ۔ الہ آباد کے دو مقدمات میں اٹھایا گیا تھا (دیکھئے مقدمات بینی پرشاد بنام ہردے بی بی ۱۴ الہ آباد ۶۷ بھگوان سنگھ بنام بھگوان سنگھ 7.94 F.B. 17A) ان دونوں مقدمات میں ان تصانیف کو کم درجے کی سند قرار دیا گیا چیف جسٹس Edge نے مقدمہ موخر الذکر میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سند پنڈت بنارس میں قطعاً مستند نہیں ہے وسیع استدلال سے بحث کی ان دونوں مقدمات پر جوڈیشل کمیٹی نے بصیغہ مرافعہ غور کرکے اور ہر ایک میں یہ قرار دیا کہ اگرچہ ان کے ان توضیحات کو قبول کرنے میں (جو انھوں نے سمرتیوں سے اختلاف یا اضافہ کرنے کے

یہ ممکن ہے کہ ان کو اس میں بھی غلط فہمی ہوئی ہو کہ یہ کتابیں ملک مدراس میں مستند ہیں[1]
ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دتکا چندریکا جنوبی ہند میں مستند ہے غالباً ان کے یہ خیال کرنے سے
پیدا ہوا ہوگا کہ اس کا مولف دیوند بھٹ ہے جو جنوبی ہند کی بہترین کتاب
سمرتی چندریکا کا مصنف تھا۔ لیکن اس کو مشتبہ سمجھنے کے لئے قوی وجوہات نظر آتے ہیں۔
اصلی نسخے کی آخری بیت (سلوکا) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مصنف کا نام Kuvera
تھا لیکن چونکہ مصنف دتکا چندریکا نے خود کو سمرتی چندریکا کا بھی مصنف ظاہر کیا ہے
جو دیوند بھٹ کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے مسٹر سدرلینڈ نے اپنے
ترجمے میں اسی کا نام قائم کر دیا۔ وی۔ین مانڈلک یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سمرتی چندریکا کے
نام کی متعدد کتابیں تھیں اور ان کے مصنفین بھی مختلف تھے۔ یہ فرض کرنے کے لئے
کہ دتکا چندریکا اور دیوند بھٹ کی سمرتی چندریکا مختلف اشخاص کی لکھی ہوئی تھیں
اندرونی شہادت کافی قوی ہے۔ اور اس اثر کی جو دتکا چندریکا کو بنگال میں حاصل ہے
وضاحت صرف یہ فرض کرنے سے ہو سکتی ہے کہ ودی الحقیقت کو ویرا کی لکھی ہوئی
تھی جو بنگالی مصنف تھا[2]

نند پنڈت مصنف دتکا میماسا بنارسی خاندان کا رکن تھا۔ مسٹر وی۔ین
۳۲ مانڈلک یہ کہتے ہیں کہ اس کی نویں پشت کے اخلاف تا حال شمالی ہند میں موجود ہیں۔
لہذا اس کا زمانہ ڈھائی سو یا تین سو برس قبل کا ہوگا[3] دتکا چندریکا زیادہ قدیم ہے۔
چونکہ اس کے مصنف کے متعلق ہنوز شک ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کے زمانے کا یقین سے تعین کیا جا سکے[4]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ متعلق کئے ہیں) احتیاط لازم ہے لیکن دونوں کتابوں کو اس وقت تک سب سے زیادہ مستند سمجھنا چاہئے جب تک کہ وہ عملہ قانون میں داخل نہ ہو جائیں۔ دیکھو معاملہ موہن بنام ہرو صبل ل ۲۶۷ مرافعہ جات ہند ۱۲ و ۱۹۱

[1] دیکھئے مس صاحب کی Scientific Study صفحہ ۴ جس میں اس مسئلے پر ایک ہندو کی رائے دی گئی ہے۔

[2] وی ین مانڈلک کا دیباچہ صفحہ ۴۔ ڈاکٹر جالی اور ڈاکٹر بہلر اس رائے کی تائید کرتے ہیں بمقدم الذکر کہتے ہیں کہ مسٹر آور وہ بنگالی پنڈتوں کی رائے یہ ہے کہ کو ویرا خود فرضی نام ہے جالی لکچر صفحہ ۲۲۔

[3] دیباچہ وی۔ین مانڈلک صفحہ ۷۶ اور ۲۰۸۔

[4] جالی صاحب کا لکچر ۲۲۔ دیکھئے جسٹس مسوی کی تجویز جلد ۱۷ الہ آباد صفحہ ۳۱۳۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ

تبنیت کے احکام کا ایک مجموعہ موسوم بہ "دتکا شرومنی" (Dattaka Ciromoni) مسٹر بی۔سی ٹگور نے ۱۸۶۶ء میں شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ دتکا میماسا۔ دتکا چندریکا اور دوسری پانچ کتابوں پر جو تبنیت سے متعلق ہیں مبنی کیا گیا ہے ڈاکٹر جالی نے اس کتاب کے اہم ترین فقرات کا ترجمہ کر کے اپنے لکچروں کا ضمیمہ بنایا ہے۔

**اسناد بنگال**

**فا ۳۱**۔ بنگال میں نہ تو متاکشرا ہی سند ہے اور نہ وہ کتابیں جو اس کی پیروی کرتی ہیں۔ ہاں اگر اس صوبہ کے قانون اور دیگر حصص ہندوستان کی قانون میں مطابقت ہو تو ان کو سند سمجھا جا سکتا ہے۔ ان جملہ امور کے لئے جن میں وہ (دیا بھاگ اور متاکشرا) متفق نہ ہوں جموت وہان Jimuta Vahan کی تصنیف سند ہے اور اسی سے شروع کیا جانا چاہئے جس طرح دیگر مقامات کے لئے وجنا نیشورا ہے۔ اس کے زمانے کا اور خود اس کے متعلق بہت کم علم ہے بمسٹر کولبرک کی یہ رائے کہ سلسلۂ خاندان مغربی ہند کے سلاہرا cilahara کا بانی اور جموت وہان ایک ہی ہیں اب کسی صورت قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ خود سلہارا cilahara کے متعلق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ محض افسانوی شخص تھا۔ اس کی کتاب کے اکثر حصوں کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ متاکشرا کی تردید میں ہیں۔ راگھونندن (جو سولھویں صدی کی ابتدا میں زندہ تھا۔) نے اس کا نام بصراحت بتایا ہے اور اس کی متابعت بھی کرتا ہے چونکہ جموت وہان نے گوبند راج کی شرح سے اقتباس کیا ہے اور یہ شرح بارھویں صدی کی لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کا زمانہ تیرھویں صدی اور پندرھویں صدی کے مابین کا ہونا چاہئے[1] اس کے اسناد ہمیشہ غالب رہے ہوں گے کیونکہ اس کے خیالات کے متعلق اعتراض کرنے کی کوئی کوشش ظاہر نہیں ہوتی ہے بالبتہ خفیف امور کے بارے میں کہیں کہیں اعتراض ہوا ہے۔ اور اس کے وقت سے اب تک بنگال کی اعلیٰ قانونی کتابیں اس کی تصنیف کی محض شرحیں ہیں۔ مسٹر کولبرک نے (دیا بھاگ کے دیباچے میں)

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دتکا چندریکا کا مصنف پنڈت راگھمانی تھا جس کا انتقال ۱۸۱۱ء میں ہوا اور جو بھیرو گنج کا رہنے والا تھا۔ نیز دیکھو سدرلینڈ کا دیباچہ۔ اور بنگال کا مستند قانون از اسٹوک صفحہ ۵۲۶۔

[1] جالی لکچر ۲۲۔ سدرو دھیکری ۴۰۳۔

۳۳ اور جگناتھ نے اپنے ڈائجسٹ میں ان کتابوں کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے۔ رنگنا دھن کی دیا تتوا (Dayatatwa) کا ترجمہ گلاب چندر سرکار نے کیا ہے بسلک بنگال کی ایک اور دوسری کتاب سری کرشنا تر کالنکار کی دیاکرم ، Daya Krama سنگرا (Sangraha) ہے۔ اس سے میں اس لئے واقف ہوں کہ مسٹر ونچ wynch نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔ یہ کتاب بہت جدید ہے کیونکہ اس کا مصنف گذشتہ صدی کے ابتدائی زمانے میں تھا۔ اگرچہ جدید ہے لیکن اس کو بہت مستند سمجھا جاتا ہے۔ دیا بھاگ کے مخصوص برہمنی عقائد کو اس کتاب میں بہ وضاحت ظاہر کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر جالی کی رائے میں مسلک بنگال کی علٰحدگی حقیقی نہیں ہے بلکہ ظاہری اس علٰحدگی کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ کتابیں جن کا اقتباس دیا بھاگ نے کیا ہے (اور جو مسلک بنگال اور دوسرے مسالک کی درمیانی کڑیاں ہوں گی) تلف ہو گئی ہیں۔ بہت سے مسائل ان احکام سے منسوب ہو سکتے ہیں جن سے مٹاکشرا نے انکار کیا ہے اور ان میں کے چند وہی ہیں جو پچھلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں[1]

۳۲۔ اس حصہ مضمون کو ختم کرنے سے قبل چند الفاظ ان دو خلاصوں (Digests) کے لئے ضروری ہیں جو یورپ کے زیر اثر تیار ہوئے تھے۔ پہلا مطلب ولیوادرنوا ستیو Vivadarnava Setu سے ہے جس کی تالیف وارن ہیسٹنگس کی استدعا پر ہوئی تھی۔ اس کو مترجم کے نام سے موسوم کر کے عرف عام میں قوانین ہالہیڈ جنٹو Halhed's Gentoo Code کہتے ہیں۔ دوسری کتاب ویودبھنگرنوا Vivada Bhangarnava ہے جس کی تالیف جگناتھ ترکاپنچانن نے سر ولیم جونس کے کہنے سے کی۔ مسٹر کولبروک نے اس کا ترجمہ کیا جس کو جگناتھ یا کولبروک کا ڈائجسٹ کہتے ہیں۔ مقدم الذکر کتاب اپنی انگریزی شکل میں محض بیکار ہے۔ مسٹر ہالہیڈ Halhed نے اس کا ترجمہ اصلی سنسکرت سے نہیں کیا (کیونکہ وہ سنسکرت سے نابلد تھے) بلکہ ایک فارسی نسخے سے۔ اس نسخے سے متعلق سر ولیم جونس یہ لکھتے ہیں کہ "وہ اصلی سنسکرت کا ایک بے ربط (Loose) اور غیر دانشمندانہ (Injudicious) ہیڈ کا مجموعہ

[1] جالی لکچر ۲۵۔

خلاصہ ہے کیونکہ اس خلاصے میں کئی اہم فقرات ترک کئے گئے ہیں اور بہت سے غیر اہم فقرات اس فضول اور بیکار خیال کے تحت داخل کئے گئے ہیں کہ احکام واضح اور صاف ہو جائیں[1] جگناتھ کے ڈائجسٹ میں اس قسم کا کوئی سقم نہیں ہے کیونکہ اس کا ترجمہ ایک ایسے شخص نے کیا تھا جو نہ صرف سنسکرت زبان کا ایک عالم جید تھا بلکہ
۳۴ انگلستان نے آج تک ایسا بڑا شاستری مقنن پیدا ہی نہیں کیا لیکن قبل ازیں مسٹر کولبروک نے جگناتھ کی کتاب کے متعلق ناپسندیدگی کا ایما کیا ہے کیونکہ (الف) وہ سطحی تحقیقات سے پر ہے۔ اور (ب) مختلف مسالک کے مقننین کے ان آرا پر جن پر وہ خود متفق نہیں ہیں ایک ساتھ بحث کی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر نہیں کیا ہے کہ کونسی رائے کس مسلک میں مسلم ہے اور قابل قبول فی الواقعی کسی ایک رائے پر اس زمانے میں عمل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس خصوصیت **Feature** کی وجہ سے اس ڈائجسٹ پر یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ وہ کونسل **counsel** کے لئے بہترین قانونی کتاب ہے لیکن حاکم کے لئے بدترین[2] برخلاف اس کے سر جسٹس مٹر نے (جو بنگال کے قانونی حلقے میں بحیثیت وکیل کے نہایت بلند رتبہ رکھتے تھے) حال میں جگناتھ اور اس کی تالیف کی نہایت پر اثر الفاظ میں تعریف کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "میں دعوے کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ بنگال کے تین سربرآوردہ مصنفین (یعنی مصنف دیا بھاگ مصنف دیاتتوا اور مصنف دیا کرما سنگرہا) کو مستثنیٰ کرنے کے بعد جگناتھ اس مسلک کی حد تک ان تمام سے زیادہ مستند ہے جنھوں نے ہندو قانون پر کتابیں تصنیف کی ہیں عام اس سے کہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ خود مسٹر کولبروک اس سے خارج نہیں ہیں[3]" یقیناً میں یہ سمجھتا ہوں کہ جگناتھ کی کتاب اس عام ناپسندیدگی کی جو اس کے متعلق پھیلی ہوئی ہے ہرگز مستحق نہیں ہے۔ قدیم احکام کتب کے متعلق معلومات کے

---

[1] کولبروک کے ڈائجسٹ کا دیباچہ صفحہ ۱۱۔

[2] ڈائجسٹ کا دیباچہ صفحہ ۱۱۔ دیا بھاگ کا دیباچہ۔ اسٹرینج کے ہندو قانون کا دیباچہ صفحہ ۱ جلد ۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۱۰۶۔

[3] کری کولیتنی بنام موتی رام جلد ۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۵ صدر کورٹ جلد ۱۴ سدر لینڈ صفحہ ۳۹۴۔

ذخیرے کی حیثیت سے وہ بالکل انمول ہے۔ کیونکہ ان میں کے بہت سے کتب پر انگریز طالب علم کو کہیں بھی دسترس حاصل نہیں ہے۔ اس نے خود اپنی شرح میں متضاد نظریوں کی نہایت ہی تفصیل سے جانچ کی ہے۔ ہندو مصنفین کی یہ خصوصیت بالکل عام ہے لیکن چونکہ وہ عادۃً اپنے اساد کے نام ظاہر کر دیتے ہیں اس لئے پڑھنے والوں کو یہ معلوم کرنے کی زحمت اٹھانی نہیں پڑتی کہ وہ (اساد) کس مسلک سے متعلق ہیں۔ اس کی رائے پر عموماً بھروسا کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس مسلک کے خیالات بیان کرتا ہے۔

**مماسا**
**Mimamsa**

۳۳ Jaimini برہمانا یا اس حصۂ وید پر جو طریقۂ عبادت Ritual (یعنی وہ حصہ جس کا تعلق منتر سے ہے) سے متعلق ہے جیمنی کی مماسا ایک تنقیدی شرح ہے[1] اس میں روح (Soul) عقل Mind، اور مادہ Matter کے متعلق کسی قسم کی تحقیقات نہیں کی گئی ہے۔ البتہ طریقۂ عبادت (مندرجۂ وید) کے درست تاویلات کئے گئے ہیں۔ و نیز ان
۲۵ شبہات اور اختلافات کی توضیح کی گئی ہے جو ویدوں کے متعلق مختلف مسالک کے متضاد توضیحات کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کا یہ دعویٰ کہ وہ فلسفیانہ طرز کی کتاب ہے صرف طریقۂ تعبیر کی حد تک درست ہے کیونکہ عنوانات کی ترتیب میں اصول منطق کو ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ مسئلۂ زیر بحث سے کتاب کا آغاز۔ اس کے بعد کسی سوال کے متعلق بادی النظری اور غلط خیال (Purrapaksha) کا ذکر۔ اس کے بعد غلط نظریوں کی تردید (uttara paksha) اور سب سے آخر میں نتائج کا اخذ کرنا اس کو ثابت کرتا ہے[1] اس کا زمانہ معلوم نہیں ہے۔ لیکن وہ مثاکشرا سے قدیم تر ہونی چاہیئے کیونکہ وجنانیشورا نے اس کے فقرات کا اقتباس کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ ایک واجب التعظیم مصنف کے سوتر ہیں[2] اگرچہ اس کتاب کا

---

[1] انڈین ونز ڈم صفحہ ۱ مماسا Mimamsa کے لغوی معنے وید کے معانی کی تحقیق ہے جیمنی کی کتاب کو "پروا مماسا" (یعنی قدیم تر مماسا بھی کہتے ہیں تاکہ ویاس کی مماسا کو "اتر مماسا" یعنی بعد کی مماسا کہہ سکیں۔

[2] مثاکشرا جلد ا باب ۲ فقرہ ۸۔ جلد ا باب ۵ فقرہ ۱۱۔ جلد ا باب ۱ فقرہ ۳۶۔

اصل مقصد یہ تھا کہ ویدوں کو صاف صاف بیان کرے لیکن جیمنی کے بیان کئے ہوئے قواعد کو بعد کے مصنفین نے مشتبہ قانونی سوالات پر بحث کرنے کے لئے مستند سمجھا ہے[1]

**قواعد تعبیر** مسٹر سرومنی Siromani نے اپنی شرح دھرم شاستروں میں تعبیر کے چھبیس قواعد بیان کیے ہیں[2] ان میں سے کئی قواعد ایسے ہیں جنھیں کوئی وکیل بھی کسی قانون موضوعہ یا دستاویز کی تعبیر کے لئے اختیار کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ قواعد کہ (الف) اگر احکام بظاہر متضاد ہوں تو اس اختلاف کو ان احکام کے وسیع اور عالم گیر اطلاق سے منسوب کیا جانا چاہئے (یعنی یہ کہ چونکہ ان کا اطلاق ہر سلک میں ہوتا ہے اس لئے یہ تضاد پیدا ہوا)۔ یا (ب) ان کے متعلق یہ فرض کر لینا چاہیے کہ ایک عام قاعدہ ہے اور دوسرا خاص۔ یا (ج) شاذ صورت میں یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ معاملۂ زیر بحث کا کرنا یا نہ کرنا اختیاری ہے۔ ہندو مصنفین عموماً اختلاف آرا کا توازن کیا کرتے ہیں۔ اس ظاہری توازن کے متعلق وہ (جیمنی) کہتے ہیں کہ "اگر ایک ہی حکم کے ایک ہی کتاب میں مختلف تاویلات کئے گئے ہوں تو مصنف کی رائے میں مذکورالصدر طریقۂ تعبیر ہی درست ہے اور اس پر کاربند ہونا چاہئے"۔ "اگر کسی ایک حال مسئلے کے متعلق ایک ہی فقرے میں دو وجوہات پیش کئے گئے ہوں تو آخری وجہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مزید تائید (سدھک) (Sadhak) کے لئے دی گئی ہے اور آخری وجہ نامنظور کی جا سکتی ہے"۔ "جب کسی خاص قضیے کے ثابت کرنے کے لئے 6
کئی وجوہات پے در پے فقرات میں دیے گئے ہوں (جبکہ ہر وجہ کے قبل الفاظ "اور" "یا" دیے ہوئے ہوں) تو مصنف کی رائے میں وہ وجہ جو سب سے آخر میں دی ہوئی ہو منظور ہونی چاہیے"۔

---

[1] کولبروک کی Transactions of Royal Asiatic Society جلد ۱ صفحہ ۴۶۴ [illegible] کی تبنیت پر تصنیف صفحہ ۲۶ اس کا ذکر ہے۔ الہ آباد صفحہ ۳ پر آتا ہے ڈاکٹر بالنٹائن نے اس (۱۸۵۱ء) [illegible] کیا ہے۔ لیکن عملاً اس سے سوائے سنسکرت کے اہل الرائے کے اور کوئی مستفید نہیں ہو سکتا۔

[2] مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۵ء۔ صفحہ ۲۴۲ تا ۵۴۔

**جمینی کا قاعدہ۔**

**۴۷** جمینی کے قاعدے نے ایک مقدمے میں اپنی بڑی اہمیت اختیار کر لی وشت کی عبارت ذیل تعبیر طلب تھی" کوئی شخص نہ تو اکلوتے لڑکے کو دے سکتا ہے اور نہ لے سکتا ہے کیونکہ اس کا وجود اس لئے ضروری ہے کہ کریاکرم کے لئے اسلاف کے اولاد پیدا کرے" اس عبارت کے متعلق مسٹر مانڈلک (ص ۴۹۹) کہتے ہیں کہ "پروا ممامسا نے ایک قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ احکام جن کی تائید کے لئے وجوہات دیئے گئے ہوں ودھی (اقتناعی) (Vidhi) نہ سمجھے جانے چاہییں بلکہ محض ارتھا ودا arthe Vada (ہدایتی) جب کسی حکم کو ارتھاوادا یعنی ہدایتی سمجھا جائے تو خود بخود یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں تعمیل کرانے کی طاقت نہیں ہے" بنابریں چونکہ مقدمۂ زیر بحث میں اس حکم (عبارت) سے استدلال کیا گیا تھا اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ اس سند پر عمل کرنا لازمی نہیں ہے۔ یہ معاملہ بصیغۂ مرافعہ جوڈیشل کمیٹی کے فیصلے کے لئے پیش کیا گیا۔ اور جوڈیشل کمیٹی نے جمینی کے قاعدے کے متعلق یہ طے کیا "اگر وہ مدلل ہو تو وشت کے حکم کی حد تک قطعی اور مختتم ہے۔ کہیں وہ ایک گونہ تعجب خیز ہے اور جب تک کہ ہم تیوں سے اچھی واقفیت نہ ہو جائے اس وقت تک اس قاعدے کی صداقت کا اعتراف نہیں کیا جا سکتا۔ الہ آباد کے کسی سابقہ مقدمے میں اس قاعدے کو پیش نہیں کیا گیا بہر حال بطور مناسب یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص کو قطعی حکم دینے کا اختیار ہو اگر وہ قطعی حکم نہ دے بلکہ مذبذب الفاظ میں ایسا حکم اقتناعی دے جو وجوہات پر مبنی ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ سامعین کے اخلاقی پہلو سے مخاطب ہے نہ کہ اس فرض سے خطاب کر رہا ہے جو اس حکم کی تعمیل میں مضمر ہو"[1]

**قاعدۂ مذکور پر بحث**

اگر اس قاعدے کو اغراض تعبیر کے لئے ایسا اصول تسلیم کر لیا جائے جو جملہ دیگر اصولوں پر حاوی ہو تو اس کے اطلاق میں بہت وسعت پیدا ہو جائے گی۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ پہلے اس کی جانچ کی جائے کہ آیا اس طرح کا جدید اور خلل انداز عنصر اس میں داخل کر کے ان مشکلات میں اضافہ کیا جائے

---

[1] مینی پرتاو بنام ہردے بی بی ۱۴ ایم ص ۶۳-۱۰۶-۱۲۶ ادما موہن بنام ہردے بی بی ۲ مہر الفیصلجات ہند ص ۱۲۶ صدر کورٹ ۲۱ الہ آباد ص ۴۹۰ ۔

جیسا بالعموم ہندو قانون کے مباحث میں پیش آتے ہیں۔ اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس قاعدے کے مسلم ہونے کی شہادت خود اس میں موجود نہیں ہے جیسا کہ صرف ونحو کے قاعدے میں اس قسم کی شہادت ہوتی ہے۔ اور نہ یہ بتلایا جا سکتا ہے کہ رشیوں (Rishis) نے (جن کے الفاظ سے وہ قاعدہ متعلق ہے) اس کو کبھی بھی تسلیم کیا۔ یا جیمنی سے پہلے کسی نے بھی اس قاعدے کے وضع کرنے کا خیال کیا تھا۔ وہ قاعدہ محض اس کی شخصی سند پر باقی نہیں رہ سکتا بجز اس کے کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ عام مقبولیت نے اس کو قانون ملک کا جزو بنا دیا ہو۔ اس قاعدے کے متعلق ایک نمایاں واقعہ یہ ہے کہ حالیہ صدی میں کوئی سابقہ واقعہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ کسی پنڈت یا وکیل یا دیسی حاکم نے اس پر اعتماد کیا ہے اگرچہ کہ بہت سی ایسی صورتیں پیدا ہوئی ہوں گی جو اس نزاع کا تصفیہ کر سکتیں لہذا اس کا دارومدار دلائل منطق پر ہونا چاہئے اور اس میں اور قدیم حکما کے طرز میں ظاہری یکسانی بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی دنیاوی حاکم محض ایک قاعدہ قانون بیان کر دے تو اس کے بیان کو اسی قدر وقعت حاصل ہوگی جس قدر کہ اس کی سند مستحق ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ "یہ قانون ہے" اور اس کی وجہ بھی پیش کرے تو اس کے پیش کردہ وجوہات پر بحث ہوگی اور نامنظور بھی ہو سکیں گے۔ لیکن قدیم حکماء کے (جو یا تو خود دیوتا ہیں یا خدا کی زبان میں باتیں کرتے ہیں) ہر لفظ کا عام اس سے کہ وہ قاعدہ ہو یا وجہ مساوی اور یکساں طور پر احترام ہونا چاہئے۔ پھر بھی یہ ضروری ہے کہ ان الفاظ کا صحیح مفہوم دریافت کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آیا بولنے والا یہ چاہتا تھا کہ "حکم" دے یا "نصیحت" کرے لیکن یہ معلوم کرنا قطعی دشوار ہے کہ آیا ایسے ظاہری صریح حکم کی جس کی عدم تعمیل ناممکن ہے اس وجہ سے نوعیت بدلی جا سکتی ہے کہ اس حکم کے ذکر کے بعد بھی ایک وجہ دی ہوئی ہے جس کے خلاف دلائل پیش کرنا ناممکن ہے۔ آزمائش کے دوسرے جزو کے لئے یہ ضروری ہے کہ سمرتیوں کی کامل جانچ پڑتال کی جائے۔ چند مثالیں سامنے موجود ہیں جن سے یہ شبہ ظاہر ہوتا ہے کہ عملاً اس قاعدے کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ غالباً سب سے قدیم رشی ورہسپتی (Vrihaspati) تھا جس نے بیوہ کو شوہر کا وارث قرار دیا۔ اس کے حق وراثت کو ورہسپتی صاف اور

مثبت الفاظ میں بیان کرتا ہے اور اس بیان کے سلسلے میں وہ مطمئن ہو کر یہ وجہ پیش کرتا ہے کہ اس شخص کا آدھا جسم باقی رہتا ہے جس کی بی بی فوت نہ ہوئی ہو جب کہ مالک کا نصف جسم باقی ہو کوئی دوسرا اس کی جائداد کس طرح لے سکتا ہے[1]" علی ہذا منو بھی پسر دختر مامورہ (the son of an appointed daughter) کی حیثیت اور معمولی لڑکی سے لڑکے کی حیثیت کے لئے وجہ پیش کرتا ہے[2] میرے خیال میں کوئی بھی ان احکام کے حکمی ہونے میں شک نہیں کرتا۔ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ جب کوئی شارح ایسے
۳۸ حکم کا ذکر کرتا ہے جو با دلیل ہو تو وہ عموماً وجہ کو چھوڑ دیتا ہے مثلاً اکلوتے لڑکے کی تبنیت کے متعلق وشسٹ سے اقتباس کرنے میں اور بیوہ کی وراثت کا درہستی سے اقتباس کرتے وقت[3] یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شارح نے یہ خیال تک نہیں کیا کہ وجہ پیش کردہ سے حکم کالعدم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وجہ کے اظہار سے مقصد یہ تھا کہ امتناع کو تقویت ہو کیونکہ ایسا قاعدہ بیان کیا جا رہا تھا جو اس سے قبل کسی نے بیان نہیں کیا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ جیمنی کے اصول تعبیر کا اطلاق عام طور سے دیاوی قانون پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی یہ تھا کہ عبادت کے ان طریقوں کو جن کا ذکر ویدوں میں ہے صاف اور واضح کیا جائے۔

**مختلف مسالک قانون** — دو مسالک قانون

**ف ۳۵**۔ قانونی اختلاف آرا کے لئے دو ہندوستان کے ہر حصے میں دکھائی دیتا ہے) مسلک قانون کی اصطلاح کا استعمال پہلے پہل مسٹر کولبروک نے کیا[4] وہ یہ بتلاتے ہیں کہ ہندو مسلک میں اور انہیں سے کے مابین اصلی اختلاف آرا دکھائی دیتا ہے یعنی ایک وہ مسلک جو متاکشرا کا تابع ہے اور دوسرا وہ جو دیا بھاگ کی پیروی کرتا ہے۔ خود متقدم الذکر مسلک کے

---

[1] جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۴۵۵۔

[2] منو باب ۹ فقرات ۱۳۰، ۱۳۳ و ۱۳۹۔

[3] متاکشرا جلد ۱ باب ۲ صفحہ ۱۱۔ جلد ۲ باب ۲ صفحہ ۱۔

[4] اسٹرینج کا ہندو قانون صفحہ ۳۱۱ اس کے بعد یہ اصطلاحات کم و بیش استعمال ہوئے (دیکھئے [illegible] متقدمہ کلکٹر مدورا بنام موتو راما لنگا ۱۲ مور [illegible] ہند صفحہ ۴۳۶ صدر کورٹ جلد ۔ [illegible] صدر کورٹ انگلی لارپورٹ [illegible]

پیرو کے درمیان اگرچہ اختلاف آرا ہے لیکن اصولاً ایک ہی مسلک کے پیرو ہیں بلاشبہ شک نہیں کہ ہندوستان کے تمام پنڈت ان مصنفین کا حوالہ دینا بہتر سمجھتے ہیں جو بلحاظ زمانہ ان سے قریب تھے اور جن سے وہ خوب واقف تھے (دوسرے اقوام بھی مثلاً آئرلینڈ اور امریکہ کے قانون داں اسی طرح عام اصول قانون کے متعلق جہاں تک دستیاب ہو سکیں اپنے ہی اسناد کا حوالہ دیتے ہیں) اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہندوستان میں مسالک کی تعداد اور مقامی مصنفین کی تعداد برابر برابر ہے لیکن تقسیم در تقسیم اس حد پر پہنچ گئی ہے کہ اس کے لئے کوئی وجہ پیش کرنا ناممکن ہے۔ مثلاً مسٹر مورلے کا یہ فرمانا کہ مسالک یہ ہیں (۱) مسالک بنگال (۲) مسالک متھلا (۳) مسلک بنارس (۴) مسلک مہاراشٹر (۵) اور دراویڈا۔ اور موخر الذکر کی در تقسیم دراویڈا۔ کرناٹک اور آندھرا میں کرنا[۱] چنانچہ مدراس کی عالیہ عدالت اور جوڈیشل کمیٹی دونوں نے مسالک بنارس اور دراویڈا کو اسناد کے مقدمے میں امتیاز کیا ہے[۲]۔ اندھرا اور دراویڈا کا امتیاز بھی قریب قریب مسلم ہو گیا ہے[۳] ۲۹
برخلاف اس کے ڈاکٹر برنل اصطلاحات کرناٹک اور اندھرا کا مضحکہ کرتے ہیں اور یہ اعلان فرماتے ہیں کہ یہ اصطلاحات قطعاً کوئی معنی نہیں رکھتے۔ البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ علم لسانی کے لحاظ سے اصطلاح دراویڈی بامعنی ہے۔ اگرچہ قانونی مفہوم کچھ بھی نہیں عملاً وہ مسٹر کولبروک کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ متاکشرا اور دایابھاگ کا امتیاز ہی ایک ایسا ہے جو فی الحقیقت اہمیت رکھتا ہے[۴]

**اختلافات کے وجوہ**

**دفعہ ۳۶**۔ اس مضمون پر اچھی طرح بحث کرنے کیلئے میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ اولاً قانون کے ان اختلافات کی جانچ کی جائے جو

---

[۱] جلد اول مورلے کا ڈائجسٹ دیباچہ صفحہ ۲۲۲ راجکمار سرودادھیکاری نے صفحہ ۳۰۹ پر اس کی تائید کی ہے۔ راجکمار صفحہ ۳۲۳ پر یہ کہتے ہیں کہ قانونی سوالات میں اختلاف آرا کی وجہ گیارھویں صدی میں سری کرا Srikara کی تعلیم تھی۔

[۲] دیکھو مقدمہ راماناد بنام ... مدراس ہائی کورٹ صفحہ ... ۱۲ M. I. A. صفحہ ۳۹۷۔

[۳] نرسمل بنام بالارام چرلو جلد ۱ مدراس ہائی کورٹ صفحہ ۴۲۰۔

[۴] دیکھئے جسٹس محمود کی تجویز مقدمہ گنگا سہائے بنام لیکراج سنگھ ۹ الہ آباد صفحہ ۲۹۰ دیباچہ دورواج صفحہ ... View of H.L صفحہ ۲۱ نیز ... دیباچہ صفحہ ...۔

سنسکرت مصنفین میں اختلافات آرا ہونے سے پیدا ہوئے۔ ثانیاً ان اختلافات قانونی پر غور کیا جانے جن کے پیدا ہونے کا سبب یہ واقعہ تھا کہ ان کے (سنسکرت مصنفین کے) خیالات کو کسی نے تسلیم نہیں کیا یا اگر کیا بھی تو ایک حد تک۔ ان دونوں اقسام میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔ بصورت مقدم الذکر میں حقیقتہً مختلف مسالک ہیں موخرالذکر میں کوئی مسالک نہیں ہیں۔ میرے خیال میں بنگال اور بنارس کا اختلاف پہلے عنوان میں آتا ہے (یعنی سنسکرت مصنفین میں اختلاف آرا ہونے سے یہ مسالک پیدا ہوئے)۔ اور مقامی اختلافات مثلاً جو پنجاب، مغربی اور جنوبی ہند میں ہے) دوسرے عنوان کے تحت آتے ہیں۔ (یعنی اختلافات اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ سنسکرت مصنفین کے خیالات مقبول عام نہیں ہوئے بلکہ ایک حد تک تسلیم کئے گئے)۔

**دیابھاگ**

**دفعہ ۳۷**۔ ہر وہ شخص جو دیابھاگ اور متاکشرا کا مقابلہ کرے یہ دیکھ لیگا کہ دونوں تصانیف نہایت اہم ترین امور میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بالکل مختلف اصولوں کا جان بوجھ کر اطلاق کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان امور کی بحث مناسب اور موزوں محل پر اسی کتاب پر آیندہ آئے گی لیکن پھر بھی ان کا خلاصہ بالاجمال ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(الف) دیابھاگ نے تعین سلسلۂ وراثت کے لئے "مذہبی فائدے" کے اصول کو ایک ایسا معیار قرار دیا ہے کہ اس کی پابندی ناگزیر ہے اسی وجہ سے اس نے یک جدی کو بندھوں پر کوئی خاص ترجیح نہیں دی اور اپنے مخصوص اصول کے تحت بندھوں کو ترتیب دے کر ان کی تعداد بھی محدود کر دی ہے برخلاف اس کے دوسرے نظام قانون میں (متاکشرا میں) یک جدی کو خاص ترجیح ہے۔[1]

(ب) "پیدائشی حق" ملکیت سے دیابھاگ نے کلیتہً انکار کیا ہے اگرچہ

۴۰ خاندان مشترک کا نظام اسی مسئلے پر مبنی ہے۔ اس حق کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے وہ یہ کہتا ہے کہ جائداد کا قطعی مالک باپ ہے اور اس لئے اس کو اختیار ہے کہ اپنے منشاء کے موافق اس کو منتقل کرے۔ اور وہ بیٹے کے اس حق کو تسلیم کرنے سے

[1] دیکھئے باب ۱۱ آگے۔

انکار کرتا ہے کہ باپ کے حین حیات بیٹا تقسیم کرا سکتا ہے [1]۔

(ج) برادران اور دیگر ذیلی اراکین خاندان مشترک اپنے اپنے حصص پر منفرداً قابض سمجھے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حصص کو منتقل کریں اگرچہ تقسیم نہ ہوئی ہو [2]۔

(د) غیر منقسمہ خاندان میں بیوہ کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے حصے کی جبکہ وہ لاولد فوت ہوا ہو وارث ہو اور اپنے حق کی بناء پر تقسیم کرائے۔ اس قاعدے کا سبب یا تو اصول مذکورۂ بالا ہو سکتا ہے یا شاید خود بیوہ کے اس حق کی وجہ سے کیا گیا ہوگا [3]۔

**جواز امر واقع شدہ (Factum Valet.)**

امر واقع شدہ کے جواز کا مسئلہ ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا اطلاق ملک بنگال میں عام ہے لیکن ایسا سمجھنا غلطی ہے کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جمتو وہان اس مسئلے کو اس وقت استعمال کرتا ہے جب کہ کوئی دشواری پیش ہو۔ مثلاً اگر باپ صاف صاف الفاظ میں بلا اجازت فرزندان جائداد کے منتقل کرنے سے منع کیا گیا ہو اور جمتو وہان ایسے انتقال کے لیے کوئی عذر ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ تو وہ اس مسئلے کا اطلاق کر کے انتقال کو جائز بنا دیتا ہے [4] میں اس سے ناواقف ہوں کہ اس نے مسئلۂ مذکور کو کبھی اور بھی استعمال کیا ہے۔ بنگال کا کوئی مقنن اس قسم کے کسی حیلے (Subterfuge) کو قابل پذیرائی نہیں سمجھے گا مثلاً کسی بھائی کو جو ہنوز تقسیم کر کے علیحدہ نہ ہوا ہو یہ حق دینا کہ وہ اپنے خانگی مفاد کے لئے اپنے حصے سے زیادہ منتقل کرے۔ یا بیوہ کو اس کا مجاز کرنا کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر متبنیٰ لے۔ یا ایسی تبنیت کو جائز سمجھنا جو اپنائن Upanayana کے یا شادی کے بعد عمل میں آئی ہو۔ اصول مذکور الصدر کا اطلاق صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ قانونی حکم (legal precept) کی نوعیت پہلے سے بدل گئی ہو اور وہ

---

[1] دیکھئے فقرات ۲۴۸ و ۲۵۹ -

[2] دیکھو ف ۲۶۵ -

[3] دیکھو فقرات ۲۶۶ اور ۴۷۹ -

[4] دیابھاگ باب ۲ ف ۳۰ جالی لکچر ۱۱۳ -

محض اخلاقی ہدایت (moral suggestion) بن گیا ہو۔ ڈاکٹر ولسن یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہنود جمتو وہان اس مسئلے کا اطلاق صرف اس وقت کرتا ہے جب کہ اس کے خیال میں ایک شخص ایسا کام کر رہا ہے جس کا وہ قانوناً مجاز ہے اگرچیکہ اس حق کے اس طرح استعمال کرنے سے اخلاقی وجوب کی خلاف ورزی ہو [۵۱]۔

**مغربی ہند میں اناث**

**ف ۳۸**۔ امور مذکورالصدر کے متعلق ہندوستان کے باقیماندہ ممالک جمتو وہان اور اس کے اتباع کرنے والوں سے اختلاف کرنے میں متفق ہیں خود ان کے مابین اختلافات نقابلۃً بہت کم ہیں اور ۴١
نظر انداز کئے جا سکتے ہیں۔ اہم ترین اختلاف مغربی ہند اور دیگر ممالک میں (جو مثلاً کشنرا کے پیرو ہیں) عورتوں کے حق وراثت کے متعلق ہے۔ مثلاً بہن کی وراثت کا سوال۔ ممالک بمبئی میں بہن کا رتبہ بحیثیت وارث کے بہت بڑا ہے اگرچیکہ بنارس اور بنگال میں وہ محروم الارث ہے۔ وہیز دیگر عورتیں بھی وارث قرار دی گئی ہیں اگرچیکہ دوسرے مقامات میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے [۵۲]۔ تاریخ ہند کے پڑھنے سے ہر شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرہٹہ شہزادیوں کو عوام میں خاصی وقعت حاصل ہے۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کہ عورات باامانت صرف اس وقت وارث ہو سکتے ہیں جبکہ اس خصوص میں خاص احکام موجود ہوں مغربی ہند میں کبھی بھی قبول نہیں ہوا اگرچیکہ دوسرے اضلاع میں اس پر فی زمانا عمل ہوتا ہے اناث ان مقامات میں محض اس وجہ سے وارث ہوئی ہیں کہ ان قواعد کو بے اثر کر دیا جائے جو وراثت میں ان کو داخل کرنے کے حائل ہوتے ہیں۔ اناث کے معاملے میں تحریری قانون کبھی بھی قدیم رواج پر حاوی نہ ہو سکا [۵۳]۔

**قانون تبنیت**

**ف ۳۹**۔ امر دیگر جس کے متعلق بہت اختلاف ہے وہ قانون تبنیت ہے۔ مثلاً بیوہ کا یہ حق کہ وہ اپنے متوفی شوہر کے لئے

---

[۵۱] ڈاکٹر ولسن ورکس جلد پنجم صفحات ۳۲ و ۳۳۔ راؤ بہادر سنگھ سام کشوری ۲۵ ریکارڈ جات ہند ۶۹۔ صدر کورٹ جلد ۲۰ الہ آباد صفحہ ۲۸۵۔ اس مسئلے کے حدود اور معنی کی بحث فقرات ۱۵۵ اور ۱۵۶ میں کی گئی ہے۔

[۵۲] دھارمیوکھ باب چہارم فصل ۸ دفعہ ۱۹۔ ویسٹ اور بہلر صفحہ ۱۱۷/۱۲۲

[۵۳] دیکھئے آگے فقرات ۱۵۱ و ۲۹۵ و ۵۳۱۔

متبنیٰ سے لے متھلا میں بیوہ متبنیٰ لے سکتی ہے۔ بنگال اور بنارس میں وہ متبنیٰ لے سکتی ہے
بشرطیکہ اس کے شوہر نے اجازت دی ہو۔ جنوبی ہند اور پنجاب میں وہ سپنڈوں کے ۴۲
مشورہ سے بلا اجازت شوہر متبنیٰ لے سکتی ہے۔ مغربی ہند میں سپنڈوں سے مشورہ کرنا
ضروری نہیں ہے۔[۱] علیٰ ہذا خود اس کے متعلق اختلاف ہے جس کو متبنیٰ کیا جا رہا ہو۔ سنسکرت
مصنفین نے وہ جنہی اشخاص کو منع کیا ہے کہ نواسے یا ہمشیرزادے کو متبنیٰ نہ کریں۔ پنجاب میں
ایسی تبنیت جائز ہے۔ جنوبی ہند میں بھی اس قسم کی تبنیت عام ہے۔[۲] ان تمام صورتوں میں
غالباً ہم اس امر کا پتا لگا سکتے ہیں کہ اس کا وجود اس قدیم زمانے میں بھی تھا جب کہ تبنیت
کو کوئی مذہبی اہمیت حاصل نہیں ہوئی تھی اور ان قواعد سے آزاد تھا جو اس میں اس وقت
داخل ہوئے جب کہ اس کو مذہبی رسم قرار دیا گیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ نظریۂ مذکور الصدر
درست ہے کیونکہ پنجاب اور جنوبی ہند کے رواجات ان امور کے متعلق قریب قریب
یکساں ہیں۔ اس کا یقین ہے کہ کسی نے ایک دوسرے کے رواج کو اختیار نہیں کیا۔ یہ
بھی یقینی ہے کہ پنجاب میں تبنیت محض ایک دنیاوی انتظام ہے۔ علیٰ ہذا جنوبی ہندوستان کے
متعلق بھی اسی طرح خیال کرنے کے لئے بھی وجوہ قوی ہیں[۳] لیکن سب سے اہم چیز
ہماری موجودہ بحث کے لئے یہ ہے کہ ان اختلافات کی تائید نہ تو قدیم حکما کی
تالیفات سے ہوتی ہے اور نہ قدیم شارحین سے۔ یہ اختلافات پہلے پہل ان تصانیف
میں دکھائی دیتے ہیں جو قطعی جدید ہیں۔ یا ان رواجات میں نظر آتے ہیں جو تحریر میں ہونے کی
وجہ سے محفوظ ہیں۔ ان اختلافات کے متعلق یہ کہنا کہ مختلف ممالک کی وجہ سے
پیدا ہوئے علت اور معلول کے تعلق کو الٹ دینے کے مماثل ہے۔ اس کی مثال
ایسی ہی ہوگی کہ گیاول کینڈ (Gavelkind) (کنٹ میں ایک قسم کی حقیت اراضی جسے
قانون جائداد اصلی ۱۹۲۲ء **Law of Real Property 1922** نے اب متروک
قرار دیا ہے (Gavelkind) اور رواجات لندن کے لئے کنٹ اور مڈلسکس کے

---

۱ فقرہ ۱۱۲ ۔ آگے۔
۲ ف ۳۵ و ۳۶ ۔ آگے۔
۳ دیکھئے ف ۵۱ آگے۔

مختلف مسالک قائم کر دیے جائیں۔ خود ہندو مقننین واقعات کو بدلنے کے مجاز نہیں ہیں البتہ بعض وقت مقدس احکام کا مطلب اپنے حسب منشا اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ واقعات سے مطابقت ہو سکے[1]۔ لیکن مغربی ہند میں بالخصوص واقعات ایسے سخت ہیں کہ ان کو دوسرے نظریوں سے مطابق کرنا بہت دشوار ہے جیسے جیسے ہمارا مطالعہ (مختلف مسالک کی کتابوں کا بہ استثنائے کتب بنگال) زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں اس کا اطمینان ہوتا جاتا ہے کہ اصولاً سب مسلک ایک ہیں۔ البتہ مختلف اضلاع کے مقامی رواجات مختلف ہیں۔ مصنفین اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں سے چند رواجات کو اپنے وضع کردہ قواعد کے تحت لاسکیں۔ دوسرے رواجات کو ناامید ہو کر خاموشی سے ترک کر دیتے ہیں۔ جس کی کوئی وضاحت نہیں کر سکتے ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں[2]۔

**انگریز حکام عدالت کا اثر۔ فیصلہ جات عدالت**

ف ۴۰۔ ہماری عدالتوں کے ان فیصلہ جات کے متعلق بے رو رعایت بہت کچھ کہا جا چکا ہے جو قانون ملک پر صادر ہوئے ہیں عام ازینکہ حکام حکام انتظامی (civilian) تھے یا ماہران قانون یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان حکام نے مغربی مطالب قانونی کو ان مسئلوں میں شامل کر دیا جن پر ان کے ملاحظے میں بحث ہوئی تھی۔ اور یہ کہ قانون جس پر ان کے فیصلے مبنی ہوتے تھے اور قانون جو سنسکرت کے کتب قانونی میں پایا جاتا ہے ان کے اختلافات کو ان حکام کے اثر کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک یا دو خاص مواقع پر یہ صورت پیدا ہوئی تھی۔ لیکن وہ مواقع بہت ہی شاذ ہیں میرا یہ خیال ہے کہ ان کا اثر دوسری جانب صرف کیا گیا اور یہ کہ اس اثر نے ان مسائل کی پیروی کو باقی اور جاری رکھنے کے لئے پر جوش رجحان ظاہر کیا اگرچہ ان کے صرف الفاظ باقی تھے ۴۳
اور مطالب رفتہ رفتہ فوت ہو رہے تھے۔ اس کے سوا کچھ اور ہونا مشکل تھا۔ غالباً اس کو

[1] مثلاً بیوہ کے حق تبنیت کے متعلق کس طرح وشسٹ کے واحد حکم سے چار متضاد خیالات پیدا کئے گئے وغیرہ دیکھئے کلکٹر مدورا بنام موتو را مالنگا ۱۲ مورز انڈین اپیلس ص ۴۳۵ صدر کورٹ۔ سدر لینڈ بی سی ص ۱۷۔ صدر کورٹ اف بنگال لا رپورٹ پی سی ص ۱

[2] مثلاً بیوگان کا ازدواج مکرر جس کا رواج شمالی۔ مغربی اور جنوبی ہند میں ہے۔ دیکھئے ف ۹۲۰۔

فراموش کر دیا گیا ہے کہ ان تمام امور قانونی میں جو مابہ النزاع ہوتے تھے انگریز حکام ان پنڈتوں کے الفاظ کی محض ترجمانی کیا کرتے تھے جو عدالتوں سے وابستہ ہوتے تھے اور جن سے مشورہ کرنا ان پر واجب تھا[1] اگر اس زمانے کے (جبکہ کل مسائل قانونی کھلے سوالات سمجھے جاتے تھے) نظائر سرسری طور سے بھی جانچے جائیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شک پیدا ہونے کی صورت میں پنڈتوں سے ہمیشہ مشورہ کیا جاتا تھا اور ایک زمانۂ دراز تک ان کی رائے پر بلاچون وچرا عمل کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اگر فیصلہ جات ہندو قانون کے مطابق نہ ہوتے تھے تو قصور پنڈتوں کا تھا نہ کہ حکام کا۔ فطرۃً پنڈتوں کا میلان یہ ہوتا تھا کہ کتب قانون کے اسناد کو زیادہ اہمیت دیں۔ اور اسی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پنڈت ہمیشہ اپنی رائے کی تائید میں چند ایسے احکام کا اقتباس کرتے ہیں جن کو امر مابہ النزاع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا حکام کا رجحان اس جانب پنڈتوں کے میلان سے بھی زیادہ قوی تھا قطع نظر اس تعصب کے نو پنڈت ایسا ہندو ہوتا تھا جس کی زندگی ہندوؤں میں بسر ہوتی تھی۔ اور وہ ایسے قانون کے متعلق مشورہ دیا کرتا تھا جس کا وہ خود اپنی روزمرہ کی زندگی میں بشمول افراد خاندان اور بشمول دوست احباب تابع ہوتا تھا۔ اپنی رائے کے لئے سند پیدا کرنے کی فکر میں وہ اکثر مقدس احکام کے مفہوم کو بدل دیا کرتا تھا۔ بعض وقت اسی کی رائے درست ہوا کرتی تھی اگرچہ اصلی احکام سے نہ تو اس کی تائید ہوتی تھی اور نہ اصلی احکام کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ انگریز حاکم نے ایسی کھینچ تان کبھی نہیں کی۔ ہندو قانون کے مطابق ہندوؤں کے مابین فیصلہ کرنے کے لئے وہ حلف لیا کرتے تھے اور وہ اس کا عزم بالجزم کیا کرتے تھے کہ حسبہ کریں گے اگرچہ کہ اس کو ہندو قانون انوکھا اور غیر معقول نظر آتا ہو۔ ابتدا میں وہ پنڈتوں کے بتلائے ہوئے قانون کو بلاچون وچرا قبول کر لیا کرتا تھا اور جب تک ایسا ہوتا رہا غالباً زیادہ نقصان نہ پہنچا۔ لیکن علم کے

پنڈت

[1] دیکھئے قانون نشان ۱۱ بابت ۱۸۶۴ء اس قانون نے پنڈتوں کے اس نظام کو منسوخ کر دیا۔

زیادہ ہونے سے ذرائع کھل گئے اور وہ ان امور کی تحقیق کرنے لگے۔ پنڈتوں کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ وہ اپنی رائے کی تائید میں باب اور بیت کا حوالہ دیں۔ اور یہ بھی دیکھا گیا کہ ان کے صغریٰ و کبریٰ سے وہی نتائج اخذ نہیں ہو سکتے تھے۔ جو وہ خود اخذ کرتے تھے۔ نیز جب ان کے خیالات کا ایک ہی قسم کے امور کے متعلق مقابلہ کیا جاتا تھا تو ان میں یکسانیت نہیں پائی جاتی تھی۔ اور منطق کے قواعد اس کے مقتضی
۴۴ تھے کہ وہ سب ایک دوسرے سے مطابق ہوں۔ فتاوی اور اصلی احکام میں بعض مرتبہ ایسا اختلاف ہوتا تھا کہ دیکھنے والا بادی النظر میں یا تو اسے لاعلمی سے محمول کرتا تھا یا یہ سمجھتا تھا کہ اس خاص فتوے میں رشوت ستانی ہوئی ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ اسناد پر قانون حاوی ہو گیا تھا۔ دیسی حکام واقعاتی امور کو تسلیم کر سکتے تھے انگریز حکام ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ یا یہ کہتے تھے کہ "وہ قانون کی سالمیت (integrity) باقی رکھنے پر مجبور ہیں" (یہ اصطلاح ہمیشہ حکام نے استعمال کی ہے) بنگال میں اس کو بہت کم اہمیت دیجاتی تھی کیونکہ خود جمتو وہان نے قیود سے آزادی دیدی تھی۔ لیکن جنوبی ہند میں اس کو منظور کیا جا چکا تھا کہ ہندو قانون کے معاملات میں متاکشرا کا حکم آخری حکم تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی مسدود ہو گئی اور حالت یہ پیدا ہو گئی کہ کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی جب تک کہ وہ اس ذریعے سے نہیں آتی تھی جو ذریعہ کہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ بات ایسی تھی گویا کہ ایک جرمن شخص قانون انگلستان کا اطلاق فلیٹا۔ گلنویل اور برکٹن کے کتب خانوں سے مدد لیکر کرے اور لارڈ کوک پر اس کا اختتام کرے[1]

**وقعت رواج**

ف ۴۶ مغربی اور شمالی ہند میں تحریری اور غیر تحریری قانون میں ایسے نمایاں اختلاف تھے کہ نظر انداز نہیں کئے جا سکتے تھے بورڈیل کے نظائر میں بہت سے اہم مقدمات میں اسی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عدالت نے نہ صرف پنڈتوں کی رائے طلب کی بلکہ اصلی رواج کے معلوم کرنے کے لئے متعلق

[1] ۱۸۶۳ء میں میں نے اس فقرے کا خلاصہ ایک ہندوستانی رسالے میں لکھا تھا۔ میں نے اس واقعے کو اس لئے ظاہر کر دیا کہ مبادا یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے اس کو سر ہنری مین کی تجاعتہائے دیہی کے صفحہ ۴۶ سے اس کو لیا ہے اور اقبال نہیں کر رہا ہوں۔

فرقوں کے سربرآوردہ لوگوں کی شہادت بھی لی۔ مسٹر اسٹبل کا حسب الحکم سر کار عظمت مدار ہندو دو قوموں کے قوانین اور رواجات کا جمع کرنا اس غرض کے پورا کرنے کے لئے دوسرا قدم تھا جو اٹھایا گیا۔ صوبہ بمبئی کے ہندو قانون کی یہ خصوصیت بیان کی جاتی ہے کہ وہ مبہم ہے اور سخت نہیں ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہی چیز ایک بڑی حد تک دوسرے اضلاع میں بھی دکھائی دیتی بشرطیکہ عدالتیں اس کو معلوم کرنے کی زحمت گوارا کرتیں۔ ممالک شمالی مغربی اور پنجاب کی عدالتوں نے حال میں اس اصول پر عمل کیا ہے کہ کوئی چیز بطور مسلمہ کے قبول نہ کی جائے۔ اس طرح کار بند ہونے سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ تمام مذہبی اصول جو برہمنی قانون میں سب سے اونچے نظر آتے ہیں معدوم ہیں اگرچہ ان اضلاع کے موجودہ رواجات ان رواجات سے نمایاں طور پر مشابہ ہیں ۴۵
جن کا ذکر مثاکشرا اور اس کی ہم خیال کتابوں میں ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے رواجات خود ان امور میں اختلاف کرتے ہیں جن میں ان کے اختلافات کی توقع ہو سکتی تھی۔ [1]

---

[1] دیکھئے "رواجات پنجاب" صفحہ ۱۱ و ۸۰ شیو سنگھ رائے بنام مسماۃ دھکو ۔ شمالی مغربی ممالک جلد ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۷، صدر کورٹ جلد ۱ الہ آباد صفحہ ۶۸۸ چھوٹے لال بنام چنو لال جلد ۱۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵ صدر کورٹ ۴ کلکتہ صفحہ ۴۴۳۔

# باب سوم

## ہندو قانون کے ماخذ

۴۶ **رواج قابل پابندی** ف۴۲۔ میں نے یہ فرض کیا ہے کہ موجودہ قانون کا ایک بڑا حصہ ان قدیم رواجات پر مشتمل ہے جن کی کم و بیش اصلاح اور ترمیم آریہ یا برہمنی اثرات کے تحت ہوئی تھی۔ اگر میرا یہ خیال درست ہو تو لازماً یہ نتیجہ نکلے گا کہ ہر رواج ان اشخاص پر قابل پابندی ہوگا جن کا اس پر عمل کرنا ثابت ہوا ہو اگرچہ کہ وہ رواج قانون تحریری یعنی برہمنی قانون کے مطابق نہ ہو۔ خود ان مصنفین نے جنھوں نے برہمنی عقائد پر کتابیں لکھی ہیں اس کو نہایت پر زور الفاظ میں تسلیم کیا ہے منو کہتے ہیں کہ "قدیم رواج سب سے اچھا قانون ہے" اور یہ کہ "چونکہ مقدس حکما اچھی طرح واقف تھے کہ تمام قانون رواج پر مبنی ہے۔ اس لئے انھوں نے عمدہ رواجات کو جو قدیم سے چلے آرہے تھے اچھے عمل کی بنیاد سمجھ کر اختیار کر لیا" سلہ اور وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اس بادشاہ کا جو الہامی قانون سے واقف ہے یہ فرض ہے کہ مختلف جماعتوں کے خاص قوانین۔ اضلاع کے قوانین اور تجار کے رواجات اور چند خاص خاندانوں کے قواعد کی

سلہ منو باب ا ف ۱۰۸ و ۱۱۰۔

تحقیق کر کے ان کے قوانین کا تعین کرے[۱] اس پر کلو کا بھٹ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ " اگر وہ (یعنی قوانین) خدا کے قانون کے مغائر نہ ہوں ۔ خدا کے قانون سے بلا شبہ ان کا مقصد وید کے وہ احکام ہیں جن کی تعبیر برہمنوں نے کی ہے۔ لیکن منو کے خیال میں بھی وہ قیود نہیں تھے ۔ چنانچہ فوری بعد کے فقرات سے اس کی شہادت ملتی ہے" جن چیزوں پر اچھے لوگ اور نیک برہمنوں نے عمل کیا ہے اگر وہ مختلف ممالک ۔ یا اضلاع یا جماعتوں یا خاندانوں کے جائز رواجات کے متناقض نہ ہو تو اس کو قائم کر سکتے ہیں" [۲] علیٰ ہذا یاگنولکیا کہتے ہیں کہ " بادشاہ کو چاہیئے کہ نئے ممالک کے جو حاصل کئے گئے ہوں معاشرتی اور مذہبی رواجات کو محفوظ رکھے ۔ ونیز عدالتی نظام اور مختلف جماعتوں کو اسی حالت میں رکھے جو حاصل کرنے کے وقت تھی [۳] اور مِتاکشرا میں ایک اقتباس کیا گیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ رواجات بھی جن پر عمل کرنے کے لئے صراحتً مقدس احکام کے اسناد سے پے درپے نصیحت کی گئی ہو متروک ہو سکتے ہیں اور اگر عوام کے آرا کے مغائر ہو تو متروک ہونا بھی چاہیئے ۔ [۴]

**جدید قانون نے اس کو تسلیم کیا ہے**

**دفعہ ۴۳** مجلس وضع قوانین اور ہماری عدالتوں نے رواج کو ممکنہ طور پر اثر پذیر کیا ہے ۔ بمقدمۂ رامناد چنانچہ جوڈیشل کمیٹی نے فرمایا کہ ٤٧
ہند و قانون کے نظام میں رواج کو تحریری حکم قانون پر ترجیح ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا صریح ثبوت بہم پہنچایا جائے" [۵] اور وہ تمام حالیہ قوانین جن سے قانون کی تنظیم ہوتی ہے یہ حکم دیتے ہیں کہ رواج کا حوالہ ضروری ہے ۔

[۱] منو باب ۸ ف ۴۱ ۔ دیکھو برہسپتی بھی جس کا اقتباس ودھارمیوکھ باب ۱ فصل ۱ ف ۱۲ میں کیا گیا ہے ۔ نیز وسست اور دیگر اسناد جن کا اقتباس میاکس ملر نے قدیم ادب سنسکرت کے ص ۵۰ پر کیا ہے ۔
[۲] باب ۸ ف ۴۶ ۔ منو ۔
[۳] یاگنولکیا باب ۱ ص ۳۴۲ ۔
[۴] متاکشرا باب ۱ فصل ۳ ف ۷ ۔ دیکھو منڈلک کا دیباچہ ۴۳ ، ۴۸ ، راگھونندن باب ۱ ۔
[۵] کلکٹر مدورا بنام موتو رام لنگا جلد ۱۲ مور صاحب کے مرافعہ جات ہند ص ۴۳۶ صدر کورٹ جلد ۱ سدرلینڈ پی سی ص ۷۱ صدر کورٹ جلد ۱ بنگال لا رپورٹ ص ۱ ۔

بجز اس کے کہ وہ اصول انصاف ۔ نصفت اور ایمانداری کے خلاف ہو۔ باآنکہ اس کے بالعدم ہونے کے متعلق فی الواقعی اعلان ہوگیا ہو [1]۔

**مقامی رواج کا ذخیرہ ۴۷** ۔ اس کا بہت افسوس ہے کہ مقامی رواجات کے اصلی اسلہ کو جمع کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی اس عقیدے کو کہ ہندوستان کا قانون وہی تھا جو برہمنی عقائد سے اخذ کیا گیا تھا پنڈتوں اور حکام عدالت نے اس قدر ذہن نشین کیا کہ ان لوگوں نے بھی اس کو تسلیم کر لیا جو بہتر علم رکھتے تھے۔ مالگذاری کے حکام جن کو آئے دن لوگوں سے صحبت رہتی تھی اس سے واقف تھے کہ بہت سے قواعد جن کو عدالت قابل احترام سمجھتی تھی ایسے تھے جو کبھی بھی دیہات میں نہیں سنے گئے تھے لیکن محکمۂ عدالت تک ان خاص معلومات کی نہ تو کبھی رسائی ہوئی اور نہ ان کی وقعت کی گئی۔ اس سے قبل میں نے بطور استثنا مسٹر اسٹیل کے اس مجموعۂ رواجات کا ذکر کیا ہے جو دکن میں رائج ہیں۔ پنجاب اور اودھ میں قبائلی اور دیہی رواجات کے نہایت قیمتی اسلہ کو محکمۂ بندوبست نے جمع کیا ہے۔ ان کا تعلق وراثت اور انتقال جائداد سے ہے۔ ان اسلہ کے متعلق ایک قاعدہ یہ وضع کیا گیا ہے کہ ان کے اندراجات کے متعلق یہ قیاس کیا جانا چاہئے کہ وہ درست ہیں۔ اس طرح سے ان مسلوں کو ہمارے نظام عدالتی
سے ایک رشتہ پیدا ہوگیا [2]۔ پنجاب کے قانون کے بہت سے نہایت ہی دلچسپ ۴۸

[1] دیکھئے بمبئی کا قانون رجسٹری قانون نستان ۴ بابت ۱۸۲۷ء دفعہ ۲۶ قانون نستان ۲ بابت ۱۸۶۳ء دفعہ ۱۵ برما کا قانون ۱۷ بابت ۱۸۷۵ء دفعہ ۵ ممالک متوسط کا قانون ۲۰ ۱۸۷۵ء دفعہ ۵ مدراس کا قانون ۳ ۱۸۷۳ء دفعہ ۱۶ اودھ کا قانون ۱۸ ۱۸۷۶ء دفعہ ۳ پنجاب کا قانون ۴ ۱۸۷۲ء دفعہ ۱ نیز دیکھئے سدر بنام لچھمن سنگھ جلد ۱ الہ آباد صد ۶۱۳ ۔

[2] ان مسلوں کو واجب العرض اور رواج عام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے دیکھئے "رواجات پنجاب" صد ۱۹ قانون ۳۳ بابت ۱۸۷۱ء دفعہ ۱۶ قانون ۱۷ بابت ۱۸۷۶ء دفعہ ۱۰ مقدمہ لیکراج کنور بنام مہپال سنگھ جلد ۷ مرافعہ جات ہند صد ۶۳ صدر کورٹ جلد ۵ کلکتہ صد ۷۴۴۔ ہرنج بنام گمانی جلد ۲ الہ آباد صد ۲۹۲ اسری سنگھ بنام گنگا صد ۸ ٹھاکر نیپال بنام جے سنگھ 231 A. 147 صدر کورٹ جلد ۱۹ الہ آباد صد ۱ محمد امام بنام سردار حسین ۲۵ مرافعہ جات ہند صد ۱۶۱ صدر کورٹ ۲۶ کلکتہ صد ۸۱ برتی کنور بنام چندر ۳۶ مرافعہ جات ہند صد ۱۴۵ بمقدمہ امن پرشاد بنام گندھرپ سنگھ جلد ۱۴ مرافعہ جات ہند صد ۱۲۷

خصوصیات ایک کتاب میں (جس کا میں اکثر حوالہ دوں گا) دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کتاب حسب الحکم پنجاب گورنمنٹ تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور اس میں پنجاب کے کل رواجات اور وہ فیصلہ جات دیے ہوئے ہیں جو لاہور کے چیف کورٹ نے ان کے متعلق صادر کئے ہیں [1]۔ ان رواجات کی خاص دلچسپی اس واقعے سے پیدا ہوتی ہے جس کے متعلق ہم نے فقرۂ ۸ میں ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ برہمنی عقائد کو پنجاب میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔ لہذا اگر ہم ایسے رواج سے دوچار ہوں جو پنجاب اور سنسکرت قانون دونوں میں ہے تو یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ اس کی ابتدا لازماً برہمنی عقائد سے نہیں ہوئی [2]۔ دوسری نہایت دلچسپ تصنیف (جس کو میرے خیال میں مجھ سے پہلے کسی نے بھی نہیں دیکھا) موسوم بہ تھیسا ولمم ہے اس میں جفینا (جزیرۂ لنکا میں ایک مقام) کے تھیساولمم

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ جوڈیشل کمیٹی نے اودھ کے ایک عمل کے متعلق توجہ دلائی جس سے زمیندار اپنے خیالات کو واجب العرض میں داخل کرنے کا مجاز ہوتا تھا دراں حالیکہ واجب العرض رواجات کی سرکاری مسل ہوتی تھی نیز دیکھو ۱۲ الہ آباد صفحہ ۳۳۵۔ ۱۵ الہ آباد صفحہ ۱۵۲۔ واجب العرض جو عرصے تک مسل پر رہی ہو اور جس پر ان فریقین نے اعتراض نہ کیا ہو جن پر اس کا اثر پڑتا ہو رواج کی بادی النظری شہادت ہے اگرچہ کہ گاؤں کے کسی زمیندار نے دستخط نہ کی ہو۔ رستم علی بنام عباسی ۱۴ الہ آباد صفحہ ۴۰۷۔

[1] مسٹر چارلس بولنائے چیف کورٹ پنجاب کے جج اور ڈبلیو۔ ایچ۔ راٹنگن نے جو نوٹس پنجاب کے رواجی قانون پر لکھے ہیں وہ ان کو دیکھا جائے۔ لاہور ۱۸۶۹ء میں مختصراً اسے رواجات پنجاب کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ پنجاب کسٹمری لا مولفہ ٹی۔ سی۔ پیٹر سیو یلین۔ کلکتہ ۱۸۸۱ء۔

[2] مسٹر سی۔ ایل۔ ٹپر پنجاب کے متعلق کہتے ہیں کہ "پنجاب میں برہمنان رواجی قانون کے منبع نہیں ہیں۔ اس کا تعین کرنے کے لئے یا تو ہمیں قبیلے کی کونسل کو (اگر کوئی ہو) یا بزرگان قبیلہ کے پاس جانا چاہئے"۔ میرے خیال میں رواج سے قانون کی اصلاح نہیں ہوئی۔ برہمنی قانون نے کبھی کبھی اور اسلامی قانون نے اکثر رواج کی اصلاح کی ہے۔ پنجاب کسٹمری لا جلد ۲ صفحہ ۸۲ صفحہ ۸۶ مسٹر بیڈن پاول کہتے ہیں کہ "جو کچھ کہ قدیم آریہ قبیلوں نے پنجاب میں قائم کیا تھا اس کو برہمنی عقائد سے تعلق نہ تھا۔ پنجاب کے قبیلوں میں برہمنی عقائد کی قدیم یادگاریں نہیں ہیں۔ کتابی ہند و قانون سے لوگ ناواقف ہیں اور آج تک مختلف قسم کے مقامی رواجات رائج ہیں اگرچہ ان میں کے بعض ہندو تصورات کے بالکل خلاف ہیں" دیکھئے سندھ و صفحہ ۱۰۲ ہندوستانی دیہی جماعت ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۰۱۔

تامل باشندگان کے رواجات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ حسب الحکم ڈچ گورنمنٹ ۱۷۰۶ء میں تیار ہوا تھا۔ تیار کرنے کے بعد اس کو بارہ مڈلیروں (یعنی دیسی سربرآوردہ لوگ) کے سامنے پیش کرکے منظوری حاصل کی گئی جب انھوں نے اس کو پسند فرمایا تو اسے رائج کیا گیا اور اب وہ ان کے رواجات کی بہترین سند سمجھی جاتی ہے [1] اب ہم یہ جانتے ہیں کہ لنکا میں تامل قوم کے لوگ مسلسل طور پر آکر بستے رہے۔ ابتدائً فتوحات کی غرض سے آتے تھے اور بعد میں اغراض تجارت کے لئے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جنوب کے ڈراویڈا اقوام پر برہمنوں و آریوں کا بھی بہت ہی خفیف سا اثر تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک کہ انگریز عہدہ داروں نے برہمنوں سے مشورہ لینے کے طریقے کو رائج نہیں کیا ۵۲[2]

۵۳ لہٰذا ان رواجات کو جن کا ذکر تھیساولمم میں ہے ان تامل باشندگان جنوبی ہند کے رواجات کی پرزور شہادت سمجھ سکتے ہیں جو آج سے دو یا تین صدی قبل سے تھے۔ بلحاظ وقت و زمانہ یہ یقینی ہے کہ ان رواجات کا سلسلہ سنسکرت کتابوں تک نہیں قائم کیا جا سکتا تھا۔ تھیساولمم سے اخذ کئے ہوئے ہدایات کی تکمیل ان معلومات سے ہو سکتی ہے جو پانڈیچری کی عدالتوں کی مسلوں سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ پانڈیچری کے قدیم عدالتی حکام خوش قسمتی سے ہندو قانون سے نابلد تھے اس لئے وہ عادۃً ہندو قانون کے جملہ سوالات کا استصواب یا تو اس خاص فرقے کے سربرآوردہ لوگوں سے کرتے تھے یا ان لوگوں سے جن کے متعلق یہ شہرت عام ہوتی تھی کہ وہ خاص طور پر قوانین کا علم رکھتے ہیں۔ اس عمل کو ۱۷۶۹ء کے ایک قانون نے پسند کرکے تسلیم کیا اور ۱۸۲۷ء میں حکومت نے ہندی اصول قانون پر مشورہ دینے کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر کیا۔ اس کمیٹی کا یہ کام تھا کہ انتظامی اور عدالتی حکام کو ان امور میں مدد دے جن میں ہندوستانی قوانین اور رواجات معرض بحث میں ہوتے تھے۔ اس کمیٹی کے ۱۰ ارکان تھے۔ ان کا انتخاب ان کی حیثیت اور قوانین و رواجات علم کے لحاظ سے ہوتا تھا۔ بطور خاص اس انتخاب میں یہ امر ملحوظ رہتا تھا کہ ان کی مالی حیثیت بھی اچھی ہو تاکہ وہ رائے دینے میں آزاد رہیں اور رشوت وغیرہ کی ترغیب نہ ہو سکے لیان سارگ

---

[1] میرے پاس ۱۸۶۲ء کی اشاعت ہے اور اس میں انگریزی عدالت کے فیصلہ جات بھی ہیں۔ یہ کتاب مسٹر ایچ۔ یف۔ متی کشنا نے چھاپی تھی۔

[2] دیکھئے فقرہ ۶۔

میر مجلس عدالت پانڈیچری نے ان ذرائع سے دلچسپ اطلاعات حاصل کرکے ہمارے استفادے کے لئے پیش کی ہیں جو موجود ہیں ۔ لہ قدیم تر ہند و قانون کی حالت کے متعلق نہایت صاف شہادت نمبدری برہمنوں (مغربی ساحل صوبۂ مدراس کے) کے رواجات سے حاصل کی جاسکتی ہے ۔ روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پادشاہ پراسرام (Parasurama) نے جب انھیں ملیبار میں داخل کیا تو وہ منظم حالت میں تھے ۔ اور شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ بارہ یا پندرہ سو برس قبل وہاں بسے ہوں گے ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جس جماعت میں انھوں نے بود و باش اختیار کی تھی ان کا نظام حکومت قطعی دوسری قسم کا تھا ۔ لہذا یہ سمجھنے میں کوئی برائی نہیں ہے کہ وہ ہندو قانون جو اس زمانے کے نمبدریوں میں رائج ہے وہی ہے جو شرقی ہند کے برہمنوں میں اس وقت عام طور پر رائج تھا جب کہ یہ لوگ آکر ان میں شریک ہو گئے تھے اس کی نوعیت کے لحاظ سے اس قسم کا نتیجہ اخذ کرنا بالکل درست ہے ٢ہ ۱۸۹۱ئہ کے اعداد و شمار کی رپورٹ سے بھی بہت کچھ معلومات حاصل ہو سکتے ہیں ان معلومات سے اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے اس سے خود ظاہر ہے کہ اگر صرف زحمت گوارا کی جائے تو نہایت ہی بیش بہا مواد حاصل ہو سکتا ہے ۔ 50

نمبدری برہمناد

**رواجی قانون کے بہت سے اطلاق**

**دفعہ ۴۵** ۔ ہندوستان میں رواج کے متعلق چار قسم کے مختلف سوالات پیدا ہوتے ہیں ۔ اولاً ان اقوام کے متعلق جن پر ہندو قانون کا کبھی اطلاق ہوا ہی نہیں مثلاً پہاڑی قبیلے اور وہ جو ملیبار کا قانون

لہ {
Introduction to the study of Hindu Law
Theoritical Trealise of the Hindu Law 1897
Opinion of the Consultative Committee of Indian Juris prudence

٢ہ واسودیوان بنام وزیر ہند جلد ۱۱ مدراس صفحہ ۱۵۷ و ۱۶۰ و ۱۸۱ وشنو بنام اکما جلد ۴ مدراس ۴۹۶ ونیز دیکھئے مسٹر نلسن کا مدورا میانول اس میں جنوبی ہند کے موجودہ رواجات کا ایک دلچسپ تذکرہ ہے ۔ ونیز دیکھئے شمالی ارکاٹ میانول از مسٹر کاکس ۔ ونیز ملیبار میانول از مسٹر لوگان Logan جنوبی کنارا میانول از اسٹرک حصوبۂ مدراس کی تنظیم از ڈاکٹر میاکلین مدراس کے اعداد و شمار کی رپورٹ بابت ۱۸۸۱ئہ ڈاکٹر کارنش ۔

مارومکاتیم کی پیروی کرتے ہیں یا جو کنارا کے قانون الیاسنتان کے پیرو ہیں۔ ثانیاً رواج کا سوال ان کے متعلق پیدا ہوتا ہے جو عام طور پر ہندو قانون کی پیروی کرنے کا ادعا کرتے ہیں لیکن جو اس کی دینی ترقی کے قائل نہیں ہیں۔ ثالثاً ان کے متعلق بھی رواج کا سوال پیدا ہوتا ہے جو لفظاً ہندو قانون کی پیروی کرتے ہیں اور رابعاً وہ لوگ ہیں جو سابق میں ہندو قانون کے پابند تھے۔ لیکن جن پر اب اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

**وہ صورتیں جن میں مذہبی اصول نظرانداز کئے جاتے ہیں۔**

**دفعہ ۴۶**۔ مذکورالصدر صورتوں میں سے پہلی صورت کو ہماری تالیف سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ ساحل ملیبار کا مروجہ قانون بذاتِ خود دلچسپ ہے۔ دنیز ہندو قانون میں مخلوط ہو کر اس سے اس قدر مشابہ ہوگیا ہے کہ میں نے اس پر موجودہ کتاب میں بہ تفصیل بحث کی ہے: دوسری اور تیسری قسم میں امتیاز کرنا ضروری ہے کیونکہ ان دونوں میں بہ ظاہر مشابہت ہونے سے اندیشہ یہ ہے کہ کہیں غلط نتائج نہ نکالے جائیں خصوصاً ان صورتوں میں جب کہ وہ فی الحقیقت اختلاف کرتے ہیں جیسا کہ کلکتے کے ایک قدیم مقدمے میں بھی دشواری پیش آئی تھی۔ اس مقدمے میں ایک سکھ کی وراثت کا سوال پیش تھا (اس سوال سے دوسرا سوال سکھوں کی شادی کے جواز کا پیدا ہوا) عدالت نے عام الفاظ میں یہ قرار دیا کہ "چونکہ سکھ لوگ ہندوؤں کے ایک فرقے سے ہیں اس لئے ان پر ہندو قانون کا اطلاق ہوگا"[۱] پنجاب کے متعدد مقدمات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکھوں کا قانون ان ہی امور میں (مثلاً امور تبنیت وغیرہ) دھرم شاستر سے مختلف ہے جن میں اختلاف مذہب کی وجہ سے اختلاف رواج کی بھی توقع کی جا سکتی ہے اسی قسم کے اختلافات جاٹوں میں بھی پائے جاتے ہیں[۲] ونیز ان متعصب ہندوؤں میں بھی اختلافات دکھائی دیتے ہیں جو شمالی مغربی ہندوستان کے آخری حصے میں رہتے ہیں[۳]

۱۔ جگموہن بنام سامکار۔ بھگوان کور بنام بوز۔ ۳۰ مرافعہ جات ہند ۴۹ ۲ صدر کورٹ ۳۱ کلکتہ صفحہ ۱۱ میں اتباع کیا گیا۔

۲۔ جاٹ (سنسکرت یادو) ابتدائی اقوام کے اخلاف ہیں۔ دیکھئے میانگ کا قدیم ہندوستان۔ صفحہ ۶۲۔

۳۔ دیکھئے پنجاب کے رواجات۔ ونیز دیکھئے ملکھا دو بنام مرزا جہاں جلد ۱۰ امور انڈین اپیل صفحہ ۲۵ صدر کورٹ ۲ سدرلینڈ پی۔ سی ۵۵ ہ پنجاب کوڈ کے سبب قانون مقامی کا نظریہ کیونکر قائم ہوا اس مقدمے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

علیٰ ہٰذا جین فرقے کے لئے یہ مسلمہ ہو گیا ہے کہ وہ نہ تو ویدوں کو پرمیشورکرت مانتے ہیں اور نہ سرادھ یا کریا کرم کی رسم (جس کا کرنا سنسکرت قانون کے لحاظ سے مذہباً ضروری ہے) ادا کرتے ہیں اگرچہ کہ اصلاً وہ ہندو ہیں اور عام ہندو قانون کی جس پر تینں اعلیٰ اقوام عامل ہیں پیروی کرتے ہیں [1] اسی وجہ سے اس مذہبی عنصر سے جو اصول پیدا ہوتے ہیں ان کے وہ پابند نہیں ہیں اور بنا بریں بہت سے امور میں ان کے رواجات قطعاً مختلف ہیں [2] مجھے قوی اشتباہ ہے کہ جنوبی ہند کے بہت سے ڈراویڈا اقوام بھی اسی عنوان کے تحت آتے ہیں۔

**رواجات ڈراویڈا**

**ف۴۷**۔ جنوبی ہند (باستثنائے چند پہاڑی اور جنگلی اضلاع کے) کل کا کل ڈراویڈی قبیلوں سے پر ہے۔ یہ لحاظ قومیت و رنگ و زبان یہ لوگ آریوں سے مختلف ہیں۔ اس کے متعلق کچھ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ آریہ لوگ جنوب میں اولاً کب داخل ہوئے۔ غالباً عیسائی دور سے بہت قبل یہ ہوا تھا شہادت سے فی الواقعی صرف اس قدر معلومات حاصل ہوتے ہیں کہ اولاً جو آریہ لوگ دوامارہ گئے وہ جوگی تھے اور انھوں نے ہی اطراف کے اقوام کو متمدن کر کے زیادہ ۵۲

[1] تیو سنگھ بنام مسماۃ دکو جلد ۶ صوبہ جات شمالی مغربی صفحہ ۳۸۲ اس کی تصدیق ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۸۱ میں کی گئی۔ جلد ۱ الہ آباد صفحہ ۶۸۸ امبابائی بنام گوبند ۲۳ ب صفحہ ۲۵۷۔

[2] بھگوان داس بنام راج مل جلد ۱۰ بمبئی ہائی کورٹ صفحہ ۲۴۱ وہ مقدمات بھی دیکھئے جن میں یہ قرار دیا گیا کہ اختلاف رواج ثابت نہ ہو سکا مثلاً مقدمات ذیل۔ لالہ مہابیر بنام مسماۃ کندن ۴ صدر لعبند ۱۴۱ اسٹونمینی ورگا پرساد بنام مسماۃ کندن All صفحہ ۵۵۔ صدر کورٹ ۲۱ سدر لعبند صفحہ ۲۱۴ صدر کورٹ ۱۳ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۳۵ ستی بی بنام لکھن جلد ۲ الہ آباد صفحہ ۵۵ ماری دیوما بنام عتما جلد ۱۰ میسور صفحہ ۳۰۴ جین کے رواجات کے لئے دیکھئے بنام مندل ۲۰ کلکتہ صفحہ ۳۷۹۔ روپ چند بنام ممبو جلد ۳۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۹۴۔ جین لوگوں کا مذہب بدھ مذہب اور برہمنی عقائد سے مرکب ہے دیکھئے الفنسٹن کی تاریخ ہند صفحہ ۱۰۸ جنوبی کنارا کی تعمیرات جو جین لوگوں کے اثر سے ہوئے تھے اور نیپال کی تعمیرات میں بہت مشابہت ہے۔ جین لوگ ہندو دیوتاؤں کو مانتے ہیں مگر ویدوں کو نہیں مانتے۔ رنکراں کا سب سے بڑا دیوتا ہے ان کی مذہبی کتاب وہ ۴۴ سوتر ہیں جو مہاویر نے لکھے تھے نہ تو وہ برہمنوں کی عزت کرتے ہیں اور نہ انھیں

سوشر حملوں کا راستہ رفتہ رفتہ کھولا"[1] نہ تو انھوں نے فتح کیا اور نہ نوآبادیات کی غرض تھی۔ جنوبی ہند کو سالہا سال آریہ اقوام سے بیش ازیں تعلق نہیں رہا کہ وہ صرف آریہ (بہ الفاظ دیگر برہمن) کارکنان سلطنت کے اثر میں رہا" جنوبی ہند کی موجودہ آبادی میں صرف تین فی صد برہمن ہیں عملاً صرف وہی آریہ ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ چند ویش یا چھتری بھی ہوں لیکن ان کی تعداد قابل لحاظ نہیں ہے۔ موجودہ شودر میں سے کسی کو بھی آریہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ مشتبہ ہے کہ آیا آریہ شودر میں سے کوئی بھی جنوبی ہند کو آیا۔ اس زمانے میں شودر اس بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے جنھیں برہمنوں نے ذات سے باہر نہیں سمجھا بلکہ باوجود جنھیں نہ ہونے کے ذات والا تسلیم کیا ہے[2] بادی النظر میں کوئی شخص اس کی توقع نہیں کر سکتا کہ برہمنوں کے قوانین اور رواجات غیر اقوام میں مقبول ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ باؤشٹ صاحب (جو اٹھارویں صدی کی ابتدا میں مدورا میں رہتے تھے) یہ بیان کرتے ہیں کہ جن دیسیوں سے وہ واقف تھے ان کے پاس کوئی ایسے تحریرات نہ تھے جن میں ان کے قوانین مجتمع ہوتے۔ اور یہ کہ وہ پورے طور پر قدیم رواجات کے پابند تھے[3] ابے ڈوبے صاحب گذشتہ صدی کے آغاز میں میسور اور مدراس کے جنوبی مقامات کے متعلق لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ معدلت گستری (دیوانی اور فوجداری دونوں) کی تنظیم سے متعلق دو یا تین ہند و تصانیف موجود ہیں۔ اور وہ ان دھرم شاستروں میں سے متی شاستر اور منو شاستر کا ذکر کرتے ہیں جنھیں وہ بہترین سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کتابیں ہندوؤں کی بڑی تعداد کی سمجھ سے باہر ہیں اور یہ کہ ان کی نزاعات کا تصفیہ عقلی دلائل اور ان رواجات سے ہوتا ہے جو نسلاً بعد نسل باپ سے بیٹے تک پہنچے ہیں[4] مسٹر سورگ یہ بیان کرتے ہیں کہ پانڈیچری کی عدالت کے فیصلہ جات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تامل لوگ نہ صرف ان کتابوں سے نابلد تھے جو سنسکرت میں تھیں بلکہ سنسکرت اصطلاحات مثلاً برہم-

---

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کھانا دیتے ہیں۔ دیکھئے امداد و شمار ۱۸۹۱ء پنجاب رپورٹ باب ۱۹ صفحہ ۱۸۱ و ۱۸۲۔

[1] تنظیم مدراس جلد ا صفحہ ۱۱۴ از ڈاکٹر میاکلیں۔

[2] تنظیم مدراس جلد ا صفحہ ۳۳ صفحہ ۳۷۔ دیباچہ سورگ صفحہ ۴۶۔

[3] سورگ کے دیباچہ صفحہ ۸ پر اقتباس۔

[4] ڈوبے صفحہ ۱۶۰۔ صفحہ ۹۹۳۔

یا اسور شادی ۔ استری دھن ۔ سپند یا بندھو سے بھی ناواقف تھے ۔ صرف دو وقت
کنجیورم کے پنڈتوں سے استصواب کیا گیا تھا جب کہ فریقین مقدمات برہمن تھے[۱]
فی زماننا تمام جماعتیں جو مسلمان نہیں ہیں (حتیٰ اینکہ پہاڑی اقوام اور وہ اقوام جو جنگلوں ۵۳
میں رہتی ہیں) اپنے کو ہندو کہتی ہیں اور صرف برائے نام وید کے دیوتاؤں کی
اتباع کا ادعا بھی کرتی ہیں لیکن ایک بڑی تعداد حقیقۃً وہی دیوتاؤں کی پرستش کرتی
ہے ان دیوتاؤں کے پجاری برہمن نہیں ہوتے و نیز ان دیوتاؤں کو قربانیوں سے
جانوروں کا خون بہا کر خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ اس
قسم کی قربانیاں جن میں خون ریزی ہوتی ہے برہمنی عقائد کے خلاف ہے ۔
بھوت ۔ سانپوں اور حتیٰ اینکہ درختوں کی تعظیم بھی کی جاتی ہے ۔ برائی کی تلافی اور
اچھائی حاصل کرنے دونوں کے لئے عقیدہ ہے کہ اس قسم کا احترام اور پرستش
کام آتی ہے[۲] برہمن قانون کے ایک بنیادی اصول کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ
"دور و دراز کے اسلاف کا احترام او رعزت ڈراویڈی اقوام میں نہیں کی جاتی ۔ البتہ
حال کے فوت شدہ قرابتداروں کی کریا کرم اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ لوگ
زندہ اشخاص کو نقصان نہ پہنچا سکیں ۔ بہادروں اور بڑے لوگوں کی پرستش ڈراویڈی
لوگوں میں معدوم ہے ۔ ان کا عمل اس امید سے ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد انہیں
ثواب حاصل ہو اور نہ اس خوف سے کہ اس سزا سے بچیں جو مرنے کے بعد دی جائے گی"[۳]
"نیز برہمنی عقائد کا ایک نظریہ یہ ہے کہ دوزخ سے بچانے کے لئے ہر شخص کو
ایک لڑکا ہونا چاہئے ۔ لیکن عام طور پر یہ عقیدہ رائج نہیں ہے اور رسم و رواج کے
قومی میلان کو مذہبی جذبات سے اگر کوئی تعلق ہے بھی تو بہت ہی
کم ہے"[۴] ۔

---

[۱] سورگ کا دیباچہ صفحہ ۹ ۔
[۲] اعداد و شمار بابت ۱۹۰۱ء ۔ جلد ۱۳ صفحہ ۵۷۰ شمالی ارکاٹ میانول جلد ۱ صفحہ ۱۹۹ ۔ تنجیم مدراس ۰۷۰ ۔۸ ۔
[۳] میانول آف دی اڈمنسٹریشن آف مدراس جلد ۱ صفحہ ۷۱ ۔
[۴] اعداد و شمار بابت ۱۸۹۱ء جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۱ ۔

**مقامی قانون کا اطلاق اور اس کے متعلق نزاع**

**ف ۴۸**۔ ان لوگوں کے متعلق جو ہندو قانون کے پیرو ہونے کا ادعا کرتے ہیں رواج کا سوال دو اغراض کے پورا کرنے کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اولاً اس خیال سے کہ جس قانون کے وہ تابع ہونا چاہئے اس کے خاص اصول دریافت ہوسکیں۔ ثانیاً یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا مقام۔ یا قبیلے یا خاندان کی وجہ سے اس قانون کے کوئی مستثنیات بھی ہیں اور اگر ہیں تو وہ کس حد تک جائز سمجھے جا سکتے ہیں یعنی ان کے جواز کا تعین ہو۔ اگر ایک ہندو ہندوستان کے ایک خاص صوبے میں رہتا ہے تو بادی النظر میں یہ قیاس کیا جائے گا۔ (اور حسبہٗ قرار بھی دیا جاچکا ہے) کہ وہ دھرم شاستر کے ان خاص مسائل کا تابع ہے جو اس صوبے میں مسلم ہیں۔ مثلاً بنگال میں وہ دیابھاگ کا تابع ہوگا۔ شمالی بہار اور ترہت میں ویواد چنتامنی کا۔ گجرات میں میوکھ کا اور دوسرے مقامات میں عام مِتاکشرا کا [1]۔ لیکن یہ محض مقامی قانون نہیں ہے وہ ذاتی اور شخصی قانون ہوجاتا ہے
۵۴ اور اس خاندان کی حیثیت کا جو اس کا تابع ہے ایک جزبن جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی خاندان ایک صوبے سے ہجرت کرکے دوسرے میں رہ جائے جہاں قانون دوسرا ہو تو اپنا قانون ساتھ لے جاتا ہے [2]۔ اگر ایسا خاندان اس کا ادعا کرے کہ وہ ایسے مقامی رواج کا تابع ہوگیا ہے جو اس کے شخصی قانون سے مختلف ہے تو یہ امر صراحتاً ثابت کرنا پڑے گا کہ نیا رواج اختیار کرلیا گیا ہے۔ ہاں اگر ترک وطن کرکے بالکل نئے ملک میں سکونت پذیر ہوگئے ہوں اور یہ ثابت کیا جائے کہ اراکین خاندان کے عمل سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے قدیم ماحول سے قطع تعلق کرلیا ہے تو

[1] دیکھئے ۱۳ ، ۲۲۶ ، ۳۰۱ ام ہ ا ، بنام چندر ادابیا ۲۰ کلکتہ صفحہ ۴۰۹ آسام اور اڑیسہ بنگال کے قانون کے تابع سمجھے جاتے ہیں اور گنجم میں مدراس کا قانون دیکھئے تفصیل کے لئے ف ۱۱ ۔

[2] امبابائی بنام گوبند ۲۳ بمبئی صفحہ ۲۵۷ ستی ای بنام سباریا ۲۴ مدراس۔ ۶۵ پاربتی کماری بنام جگدیش چندر ۲۹ I. A., ۸۲ صدر کورٹ ۲۹ کلکتہ ۴۳۳ گوبند چندر بنام رادھا کرسٹو ۳۱ الہ آباد ۴۷۷۔ وہ قانون جس کے وہ تابع چلے گئے وہ نہ ہوگا جو سرو ستی اس کے اصلی وطن میں رائج ہو بلکہ وہ اس قانون کے تابع ہوں گے جو ان کے ترک وطن کے وقت تھا واسو دیون بنام وزیر ہند ۱۱ مدراس صفحہ ۱۵۷ اور ۱۲۲ کلا ایرشاد پانڈے بنام مہدپا چنر ۳۰ کلکتہ صفحہ ۲۰۶ ۔

فوراً یہ قیاس کیا جائے گا کہ اس خاندان نے ان کے قانون کو اختیار کر لیا ہے جن میں وہ بس گئے ہیں [1] لیکن اگر کوئی خاندان ایک حصۂ ہندوستان سے ۔ مثلاً اس جگہ سے جہاں متاکشرا یا میتھلا ہو ۔ بنگال چلا جائے تو محض اس واقعے کی وجہ سے کہ وہ بنگال میں رہ گیا ہے بنگال کے قانون کے تابع نہ ہوگا اور اس قاعدے کا اطلاق نہ صرف وراثت کے معاملات میں ہوگا بلکہ اراکین خاندان کے محض ذاتی تعلقات کے معاملات میں بھی ۔ اس لحاظ سے یہ قاعدہ ذیل کے ان اصولوں کا استثنا معلوم ہوتا ہے کہ (الف) معاملات متعلق بہ اراضی "قانون مقام وقوع" (Lex loci) کے تابع ہوں گے اور (ب) شخصی تعلقات کا تصفیہ حسب "قانون مقام سکونت" (Law of the domicil) ہوگا ۔ اسی قاعدے کا (جو اوپر بیان کیا گیا) اطلاق ایسے خاندان پر بھی ہوگا جس نے بوجہ رواج مقامی کوئی خاص رواج وراثت (یا کوئی اور مماثل رواج) حاصل کر لیا ہو اگرچہ حاصل کردہ رواج اصلی وطن کے رواج یا اس جگہ کے رواج کے خلاف ہو جہاں فی الحال سکونت ہے [2] وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں "قانون مقامی" (Lex loci) کوئی چیز نہیں ہے ۔ ہر شخص اس قانون کا تابع ہے جو اس کی ذاتی حیثیت کے لحاظ سے موزوں ہے [3] لیکن اگر کوئی ہندو غیر ملک میں اس ملک کے "قانون مقامی" کے مطابق ازدواج کا معاہدہ کرے تو
٥٥ ایسے معاہدے کے ناجائز ہونے کو عدالت ملک غیر محض اس بنا پر تسلیم نہیں کرے گی کہ ہندو قانون کے لحاظ سے وہ ازدواج نہیں ہو سکتا تھا ونیز یہ سوال ہنوز تصفیہ طلب ہے کہ آیا خود ہندوستان کی عدالتیں ایسے ازدواج کو ناجائز قرار دینے میں حق بجانب ہوں گی [4] ۔

---

[1] عبدالرحیم حاجی اسمٰیل متھو بنام حلیمہ بائی ۴۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۵ یہ مقدمہ میمنوں کا تھا جو مشرقی افریقہ میں (ممباسا) ساکن ہو گئے تھے ۔

[2] اشیپشی بنام راجندر 2 M.I.A., 132 بنجلتہ بنام کیلین ۴۳ سدرلینڈ ۹۵ سرندر ناتھ بنام مساۃ ہیرامونی M.I.A مانک چند بنام جگت سیٹھانی 17C. 518 -

[3] بدنسا رو تھر بنام فاطمہ بی ۲۶ مدراس لا جرنل صفحہ ۳۶۰ ۔

[4] چٹی بنام چٹی ۱۹۰۰ء انگلش لا رپورٹس پروبیٹ ڈویژن صفحہ ۶۷ ۔

**تبدیل قانون شخصی** ۴۹ - اگر کسی شخص کے متعلق بجز اس کے کچھ معلوم ہو کہ وہ فلاں مقام میں رہتا تھا تو یہ فرض کر لیا جائے گا کہ اس کا شخصی قانون ہی ایسا قانون ہے جو اس میں رائج ہے سکونت کا سوال اس مفہوم میں اہمیت رکھتا ہے۔ اگر معلومات اس سے زیادہ ہوں تو اس علم کی حد تک اس کے شخصی قانون کا تعین کرنا ضروری ہے بجز اس کے کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ اس نے اپنے اصلی قانون کو ترک کر کے اس جگہ کا قانون (جہاں ترک وطن کے بعد رہ گیا ہے) اپنے لئے پسند کر لیا ہے[1] بہ الفاظ دیگر جب ایک مرتبہ قانون کا اصلی اختلاف ثابت کر دیا جائے تو اس کے جاری رہنے کا قیاس پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنے قبضے کو ثابت کرنے کا باران پر ہوگا جو دعوے سے یہ بیان کریں کہ قانون سکونت نو سے چونکہ وہ مطابق ہے اس لئے وہ ساقط ہو گیا ہے[2] اس قیاس کی تردید کئی طرح سے کی جا سکتی ہے۔ اولاً یہ ثابت کرنے سے کہ اس خاندان نے جدید مقام کے (جس جگہ وہ خاندان رہ گیا ہے) مذہبی و معاشرتی رواجات کو اختیار کر لیا ہے یا ثانیاً یہ ثابت کرنے سے کہ اپنے اصلی طریقۂ عبادات کو باقی رکھنے کے باوجود جب کسی کے مرنے پر جائداد کے منتقل ہونے کا مسئلہ پیش ہوا تو بخوشی تمام اس طریقے (یا اس سلسلے کو) کو اختیار کر لیا جو اس ضلع کے مماثل قسم کے لوگوں میں رائج تھا[3]

**حکومت یا گورنمنٹ کا فعل** اس میں شک نہیں کہ محض یہ واقعہ کہ حکومت کے فعل سے ایک ضلع (جو ایک نظام قانون کے تابع ہو) دوسرے ایسے ضلع میں ملا دیا گیا ہے جس کا نظام متقدم الذکر سے بالکل الگ ہو۔ اس قسم کے قیاسات پیدا نہیں کر سکتا کہ دونوں اضلاع کے باشندوں نے

---

[1] ملونت راؤ بنام بابی راؤ - ۳۹ مدراس لا جرنل صفحہ ۱۶۶ (پی-سی) -

[2] سرہند رناتھ ۱۲ مور مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۱ - انبگال لا رپورٹ صفحہ ۲۶ - ۱۰ اسد لینڈ (پی سی) صفحہ ۲۵ - ابو غیسری بنام کشن ۴ ۰ المن رپورٹ صفحہ ۲۲۶ -

[3] راج چند بنام گوکل چند جلد ا صدر دیوانی صفحہ ۴۳ و ۵۹ چند ر دبنام نوبن سندر جلد ۲ سدر لینڈ صفحہ ۲۹۵ رام بر دمو بنام کامینی و سدر لینڈ صفحہ ۲۹۵ حسب تجویز عدالت بمقدمہ سرہند رناتھ بنام ہیرامنی ۱۲ مور صفحہ ۹۶ -

دوسرے کے رواجات کو اختیار کرلیا ہے [۱]۔

**جائز رواج کی شہادت**

۵۰۔ دوسرا سوال ایسے رواج کے جواز کا ہے جو عام ہندو قانون سے مختلف ہو۔ یہ سوال بالخصوص اس وقت اہمیت ۵۶
رکھتا ہے جب کہ اس پر ایسے لوگ عمل پیرا ہوں جو اس کا اقبال کرتے ہوں کہ وہ ہندو قانون کے تابع ہیں۔ رواجی قانون کے متعلق مسٹر آسٹن کا یہ نظریہ ہے کہ کسی رواج کو اس وقت تک قابل پابندی نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ وہ اقتدار اعلیٰ کے کسی فعل سے قانون نہ بن گیا ہو (عام ازیں کہ وہ فعل مجلس وضع قوانین کا ہو یا کسی عدالت کا) [۲] مقدمۂ نراسمل بنام بالارام چرلو مدراس ہائی کورٹ کا فیصلہ بھی اسی خیال کی طرف اشارہ کرتا ہے [۳] لیکن اب اس قسم کے خیال کو وقعت نہیں دی جا سکتی کیونکہ بادی النظر میں اس نظریے پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر رواج کو قانون نہ بنایا گیا ہو تو کسی رواج کو پہلے پہل عدالتی طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس رواج کے حق میں فیصلہ ہوگیا ہو تو یہ فرض کر لیا جائے گا کہ وہ پہلے سے قابل پابندی تھا۔ یہ خیال بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قانون اور رواج ایک دوسرے پر اثر ڈالتے ہیں۔ اگر ایک خاص طریۂ عمل کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ نہ صرف موزوں ہے بلکہ بلحاظ نوعیت اس پر کاربند رہنا واجب ہے تو اس کی پیروی سے عام برتاؤ سے یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر طرز عمل میں یکسانیت دکھائی دے تو لازماً یہ عقیدہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پر کاربند رہنا واجب ہے بااینکہ وہی بہتر اور موزوں ہے۔ جب ایک وجہ سے یا دونوں وجوہات سے رواج نے طرز زندگی کو بدل دیا ہو اور ایک فرقے کی کسی خاص جماعت کے معاملات میں ایک قسم کی باقاعدگی پیدا کر دی ہو تو قانوناً وہ رسم بن جاتا ہے اور رسم شخصی قانون کا ایک جز ہے۔ اس قسم کی رسم اس کی مستحق ہے کہ تسلیم کی جائے اور عدالتیں اس کی تعمیل کرائیں۔ بجز اس کے کہ وہ عوام کے لئے

---

[۱] پربتی سنگھ بنام کورٹ آف وارڈ ۲۳ سدر لینڈ ص ۲۷۲۔

[۲] آسٹن باب ۱۴۸۔ باب ۲۲۹۔

[۳] جلد ا مدراس ہائی کورٹ ص ۴۲۰ ص ۴۲۲ مقدمہ نراسمل بنام بالارام چرلو۔

مضر ثابت ہو یا اقتدار اعلیٰ کے کسی صریح قانون کے خلاف ہو۔[۱] بنابریں جب کہ
وراثت کے متعلق ایک خاص رواج پیش کیا گیا تو مدراس کی عالیہ عدالت نے فرمایا کہ
"قبل اس کے کہ رواج پیش کردہ کو عدالت تسلیم کر سکے اور اس کو قانونی قوت حاصل ہو
قانوناً یہ ضروری ہے کہ اس کا صاف اور صریح ثبوت پہنچایا جائے کہ اس رواج پر
عرصۂ دراز سے مسلسل عمل ہو رہا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ رواج عام رضامندی سے
کسی خاص خاندان۔ یا جماعت یا ضلع۔ یا سلک کا ایسا قاعدہ ہے جس کے سب تابع
ہیں۔ اور وہ سلسلۂ عمل جس پر رواج منحصر ہو مشتبہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ یقین کے ساتھ اس کو ۵۷
ثابت کرنا پڑتا ہے"[۲] اس فیصلے کی تصدیق بہ صیغۂ مرافعہ جوڈیشل کمیٹی نے کی اور
فرمایا کہ[۳] "حکام عالی مقام اس کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں کہ ان قدیم رواجات کو
جو ہندوستان کے خاص اضلاع اور خاندانوں میں پائے جاتے ہیں موثر کرنے کی
کوشش کرنا ضروری اور مناسب ہے۔ لیکن ان خاص رواجات کے لئے (جو عام
قانون وراثت سے مختلف ہوں) یہ لازمی ہے کہ وہ قدیم ہوں اور مسلسل۔ ونیز یہ بھی
ضروری ہے ان کو صاف اور غیر مبہم شہادت سے ثابت کیا جائے۔ صرف اسی قسم کی

---

[۱] مقدمہ ہوجہ اس مضمون پر مفصل بحث کی گئی ہے ہاورڈ بنام سیتنجی تاراچند بنام ریب رام جلد ۳ مدراس ہائیکورٹ ۵۰ باموجی بنام سدرا بائی جلد ۱۱ ب۔ ہج۔ سی ۲۴۹ ماتھورا بنام الیسو ۴ بمبئی ۵۴۵۔ دیکھئے شمبو بنام گاین جیند ۱۶ الہ آباد ۳۰۹۔

[۲] سوانتجا بنام متورا ما لنگا جلد ۴ مدراس ہائی کورٹ صفحہ ۱۶۰۔ یہ فیصلہ بہ صیغۂ مرافعہ بحال رکھا گیا دیکھئے سنبہ مینی راما لکشمی بنام سوانتھا ۱۴۔ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۵۷۰ (اس کو مقدمہ آرکوٹ کہتے ہیں) صدر کورٹ جلد ۲ بنگال لا رپوٹ صفحہ ۳۹۶۔ صدر کورٹ جلد ۷ اسد رلینڈ ۲۳۰ ۵ بمقدمہ شدھومی راؤ بنام نانیکی راؤ بمبئی نے اس کو پسند کیا۔ جلد ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ ۲۳۴ ونیز دیکھئے بھجنگ راؤ بنام مالوجی راؤ جلد ۵ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۶۱ چنال بنام ورواجلو جلد ۱۵ مدراس صفحہ ۳۰۷۔

[۳] جلد ۱۲ مورس کے مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۸۵ متعدد غلط فیصلہ جات سے اس خیال کی ابتدا ہوئی ہے کہ ایک ہی قسم کے مسلسل طرز عمل سے رواج کی تائید ہوتی ہے لیکن یہ خیال غلط ہے کہ بالخصوص جب کہ وہ فیصلہ جات بالآخر بحال نہ رکھے جائیں۔ دیکھئے مقدمہ تیا یو رجلد ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳۱ ونیز مقدمہ راما کنتا داس بنام شاشند ۴ کلکتہ صفحہ ۵۹۰۔

شہادت سے عدالتوں کو ان کے رائج ہونے کا یقین ہو سکتا ہے اور اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ وہ قدیم اور متحقق ہیں۔ اور ان ہی دو شرائط کی تکمیل پر ان کا قانوناً تسلیم کیا جانا منحصر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اس رواج کا ادعا کیا گیا کہ جنوبی ہند میں برہمنوں پر عند الضرورت یہ لازم ہے کہ ہمشیرہ زادے کو متبنیٰ لیں۔ (یعنی ہمشیرہ زادے کی موجودگی میں دوسرے کو متبنیٰ نہ لینا چاہئے) مدراس ہائیکورٹ نے یہ ہدایت فرمائی کہ اس ادعا کے متعلق تحقیقات کی جائے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ تجویز فرمائی کہ (الف) شہادت سے رواج کا تسلسل اور اس کی یکسانیت ثابت ہونی چاہئے۔ اور یہ بھی ثابت ہونا چاہئے کہ جن لوگوں نے اس رواج کی پیروی کی تھی ان کو اس کا یقین کامل تھا کہ ان کا عمل مطابق قانون ہے۔ اس یقین کو شہادت سے اخذ کرنا چاہئے۔ (ب) اس قسم کے افعال کی شہادت۔ ان افعال کے کئے جانے پر سکوت بالرضا۔ ان افعال کے متعلق عدالت کے فیصلہ جات یا پنچایتوں کے بھی تجربہ کار اور اشخاص مجاز کے اپنے اس خیال کے متعلق بیانات کہ افعال قانوناً درست اور جائز تھے۔ یہ تمام قابل ادخال شہادت ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ موخر الذکر قسم کی شہادت کی وقعت باوجود قابل ادخال ہونے کے کم ہو جائے گی اگر اس کی تائید رواج کی
۵۸ ان تمثیلات سے نہ ہو جو وقوع میں آئی تھیں۔[۱] سب سے آخری شرط یہ ہے کہ رواج پیش کردہ معین ہو تاکہ اس کا اطلاق صاف یقینی اور معقول ہو سکے[۲]۔

**رواج کا بار ثبوت**

دفعہ ۵۔ جب کوئی قبیلہ یا خاندان بلاشک وشبہ ہندو قانون کا تابع احکام ہو اور یہ ادعا کرے کہ اس قبیلے یا خاندان میں ہندو قانون کے مغائر ایک خاص رواج جاری ہے تو بے شک اس رواج کو ثابت کرنے کا بار

[۱] گوپالن بنام راگھو پاتین مدراس ہائیکورٹ جلد ۹ صفحہ ۲۵۰، ۲۵۴۔ دیکھئے جسٹس مارکبی کی تجویز بمقدمہ ہیرا ناتھ بنام بابو رام جلد ۹ بنگال لا رپورٹ ۲۷۴ صدر کورٹ جلد ۱۷ سدرلینڈ صفحہ ۳۱۶ کلکٹر مدورا بنام موتو رام لنگا جلد ۱۲ مور انڈین اپیلس صفحہ ۴۳۶۔ صدر کورٹ جلد ۱۰ سدرلینڈ پی۔ سی صفحہ ۱۷۔ صدر کورٹ جلد ۸ بنگال لا رپورٹ پی۔ سی صفحہ ۱ ہر پرشاد بنام شیو دیال جلد ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۸۵ صدر کورٹ جلد ۲۶ سدرلینڈ صفحہ ۵۵ وشنو بنام کرشنا جلد ۷ مدراس صفحہ ۳ ہر بنیہہ بنام سندل جلد ۲۶ کلکتہ صفحہ ۳۷۹۔

[۲] لچھمن بنام اکبر جلد ۱ الہ آباد صفحہ ۴۴۰ لالہ بنام ہیرا جلد ۲ الہ آباد صفحہ ۴۹۔

ان پر ہوگا جو اس قسم کا ادعا کریں [۱] مثلاً ایسا رواج جو تبنیت کا مانع ہو۔ یا متبنیٰ کو محروم الارث کرنے کا رواج۔ ثابت تو کیا جا سکتا ہے اگرچہ اس خاندان میں جو ہندو قانون کے تابع ہو اسکے ثابت کرنے کے لئے غالباً بہت ہی قوی شہادت کی ضرورت ہوگی [۲]۔ لیکن اگر وہ قبیلہ یا خاندان اصلاً غیر ہند و تھا اور ہند ورواجات کو صرف جزاً اختیار کر لیا تھا تو بار ثبوت منتقل ہو جائے گا۔ یعنی اس فریق پر بار ثبوت عائد ہوگا جس نے یہ ادعا کیا تھا کہ وہ خاص مسئلہ شخصی قانون کا جز بن گیا تھا۔ ٹیکنیٹور خاندان کے معاملے میں یہ صورت پیدا ہوئی تھی۔ یہ خاندان اصلاً ہند و نہیں تھا لیکن ہند ورواجات کو جزاً اختیار کر لیا تھا۔ جب وراثت کا سوال پیدا ہوا تو متبنیٰ نے جائداد کی وراثت کا دعوی کیا۔ جوڈیشل کمیٹی نے یہ تجویز فرمائی کہ بار ثبوت ان پر ہوگا جو تبنیت کے موید ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ منجملہ اور ہند ورواجات کے اس کو خاندان نے اختیار کر لیا تھا۔ اگر عام طور پر خاندان ہند و قانون کا تابع تھا تو دعویدار اس پر بھروسا کر سکتے ہیں اور تب رواج خاندان کے ثابت کرنے کا بار ان پر ہوگا جو اس کا ادعا کریں [۳]۔ اگر چند اشخاص اپنے کو ایک جماعت قرار دے لیں یا اپنا فرقہ بنا لیں اور اپنے لئے ازدواج کے چند اشکال مقرر کر لیں تو ان اشکال ازدواج کو محض اس وجہ سے ناجائز نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ ان سے مختلف ہیں جنھیں ہند و دھرم نے تسلیم کیا ہے [۴]۔

۱۵ - الف - اگر کوئی شخص پیدائشی ہند و ہو اور امور خورونوش و ادائے رسوم مذہبی میں ہند و عقیدے سے دور ہو جائے تو یہ واقعہ ایسا نہیں ہے جس سے وہ ہند و باقی نہ رہے۔
۵۹ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس خاندان سے جس میں وہ پیدا ہوا تھا کسی اور طرح خارج نہ کر دیا جائے [۵]۔

---

[۱] چندیکا بخش بنام موناکنور جلد ۲۹ مرافعہ جات ہند ص۷۰ -
[۲] جناتہ سنگھ بنام رام چرن جو مدار صدر دیوانی ۱۸۵۰ء ص۲۰ ہٹیل وندراون جکیس بنام منے لال ۱۶ بمبئی ص۵۴۷ -
[۳] فتند راوب بنام راجیشو رجلد ۱۲ مرافعہ جات ہند ص۱۲ - صدر کورٹ جلد ۱۲ کلکتہ ص۲۶۳ -
[۴] منوسامی بنام ییلاماتی ۳۶ م ص۳۴۲ -
[۵] بھگوان بنام جے۔ سی بوز ۱۳ کلکتہ ص۱۱ - - P.C

**معاہدے سے رواج پیدا نہیں ہو سکتا۔**

**دفعہ ۵۲۔** یہ ظاہر رہے کہ اگر چند اشخاص کے درمیان یہ معاہدہ ہو کہ اپنے لئے ایک خاص قاعدہ اختیار کر لیں گے تو محض اس معاہدے سے ایسا رواج پیدا نہیں ہو سکتا جس کی پیروی کرنا سب پر فرض ہو۔ اس سے بحث نہیں کہ خود فریقین پر اس معاہدے کا کیا اثر ہوا [1] نہ ایسا خاندانی رواج کبھی بھی قابل پابندی ہو سکتا ہے جب کہ وہ خاندان (جس سے اس رواج کا ملحق ہونا بیان کیا جائے) ایسا جدید ہو کہ رواج کی قدامت کا خیال ہی مشتبہ ہو جائے یا قائم نہ ہو سکے [2] دیگر اگر ایک خاندان کو دوسرے نے خرید لیا ہو تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ مقدم الذکر خاندان کا رواج (مثلاً یہ رواج کہ صرف بڑا بیٹا اور اس کی نسل وارث ہو) مشتری خاندان میں چلا جائے گا۔ بہ الفاظ دیگر ایسا رواج اراضی کے ساتھ ساتھ نہیں جاتا [3]

**تسلسل ضروری ہے**

**دفعہ ۵۳۔** کسی رواج کے جائز ہونے کے لئے تسلسل اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ قدامت ضروری ہے۔ اگر کوئی رواج مقامی وسعت کے ساتھ پھیلا ہوا ہو مگر تسلسل غائب ہو تو اس سے یہ ظاہر ہو گا کہ اس رواج کو حیات قانونی حاصل نہ تھی لیکن یہ تصور کرنا دشوار ہے کہ ایک رواج جو ایک مرتبہ اچھی طرح قائم ہو گیا ہو یکایک ختم ہو جائے گا۔ خاندانی رواج کی صورت دوسری ہے کیونکہ اس کے قائم کرنیوالے لوگ بہ لحاظ تعداد بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ایک مقدمے میں شہادت سے یہ ظاہر ہوا کہ اراکین خاندان نے تیس سال تک اپنے خاندان کو مشترک تصور کر کے عام قوانین وراثت کی اتباع کی اگرچہ ان کا مفاد اس میں

---

[1] مینا بائی بنام اوتارام جلد ۸ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۲۰۴ ۔ صدر کورٹ جلد ۲ سدر لینڈ پی سی صفحہ ۴ ابراہیم بنام ابراہیم جلد ۹ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۲۴۲ صدر کورٹ جلد ۱ سدر لینڈ پی سی صفحہ ۱ سروپی بنام کمہ رام جلد ۲ ممالک شمالی مغربی صفحہ ۲۲۷ ۔ بھاو فی بنام مہاراج سنگھ جلد ۳ الہ آباد صفحہ ۷۳۸ متو سامی بنام سلمینی ۳۳ مدراس صفحہ ۳۴۲

[2] امرت ناتھ بنام گوری ناتھ جلد ۱۳ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۵۴۳ و ۵۴۹ صدر کورٹ جلد ۱۵ سدر لینڈ پی سی صفحہ ۱۰ ۔

[3] گوپال داس بنام نروتم جلد ۷ صدر دیوانی ۔

تھا کہ وہ جائداد 'راج' کی نوعیت کی رہے۔ لہٰذا پریوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ اس جائداد کی ناقابل تقسیم خصوصیت زائل ہو گئی۔ چنانچہ حکام عالی مقام نے فرمایا کہ "ہم حکام عالی مقام کسی ایسے اصول یا سند سے واقف نہیں ہیں جس سے یہ قرار دیا جا سکے کہ کسی ایسی جائداد کا طریقۂ انتقال جو محض خاندانی رواج پر منحصر ہو قانوناً اس طرح ترک نہیں کیا جا سکتا کہ عام قانون وراثت کا اتباع لازمی ہو جائے۔ ایسے خاندانی رواجات ملکی رواجات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں کیونکہ "قانون مقامی کے قاعدے کے تحت ملکی رواجات کی پابندی ان سب پر واجب ہے جو اس ملک کے حدود مقامی کے اندر رہتے ہوں جہاں وہ رائج ہے۔ خاندانی رواجات کا یہ لازمہ ہے کہ وہ جاری ہوں۔ ان میں تبدیلی نہ ہوئی ہو اور ان کے متعلق یقین ہو۔ اور اگر ان کا ترک کیا جانا ثابت ہو جائے تو یہ قرار دیا جانا چاہئے کہ وہ زائل ہو گئے۔ اگر محض اتفاقاً بھی ترک رواج واقع ہو تو یہی صورت ہوگی اور اس وقت بھی جب کہ خاندان کے اتفاق آرا سے کوئی ترک رواج واقع ہوا ہو اس کے اثر میں کوئی کمی نہ ہو سکے گی۔ اگر قانون ایسے رواجات کو زندہ اور موثر کرنے کی کوشش کرے جو قطعی طور پر ترک کر دیئے گئے ہوں اور اس ترک پر عرصۂ دراز سے عمل بھی ہو رہا ہو۔ جیسا کہ موجودہ مقدمے میں۔ تو بڑی الجھنیں پیدا ہوں گی اور نالشات بڑھ جائیں گی"[1]۔

**محض ایک خاندان کا رواج**

۷۵۔ مذکورالصدر مقدمات سے ایک ایسے سوال کا تصفیہ ہو جاتا ہے جو اول کسی قدر مشتبہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ سوال یہ ہے کہ آیا کسی خاندان میں ایسا رواج ہو سکتا ہے جو ہمسایہ اضلاع کے عام قانون سے مختلف ہو۔[2] اس قسم کے خاندانی رواج کو ثابت کرنے کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ لیکن محض ایک خاندان کے لئے خصوصاً جب کہ وہ خاندان

---

[1] راج کشن بنام رام جائے ۱ کلکتہ ص۱۸۶ صدر کورٹ جلد ۱۹ سدرلینڈ ص... ابراہیم بنام ابراہیم جلد ۹ م... الف۔ مرانبہ ص۴۴۲ صدر کورٹ جلد ۱ سدرلینڈ پی سی ۱۔

[2] دیکھیے بسونت راؤ بنام منتیا جلد ۱ بمبئی ہائیکورٹ ضمیمہ ۴۲ دوسری اشاعت تاراچند بنام ریب رام جلد ۳ م... ک ص۵۵ مادھوراؤ بنام بالکرشنا ۴ بمبئی ہائیکورٹ ص۱۱۳۔

کوئی اہمیت نہ رکھتا ہوا مور ذیل کا ثابت کرنا بہت ہی مشکل ہوگا اولاً یہ کہ وہ رواج قدیم اور مسلسل ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ وہ رواج قانونی ضرورت کی وجہ سے پیدا ہو کر قابل پابندی ہوا نہ یہ کہ آپس کے تصفیے سے [1] اگر خاندان بہت ہی وسیع ہوا اور اس کے پشتہا پشت کے کاغذات کی تصدیق ہو سکتی ہو تو پھر کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ٹپرہ راج (Tipperah Raj) میں پے در پے یہ رواج ثابت کیا گیا ہے کہ راجہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ارکین خاندان میں سے ایک 'جوبراج' (چھوٹا راجہ) اور ایک 'بڑا ٹھاکر' نامزد کرے۔ یہ کہ راجہ کی وفات پر 'جوبراج' (Jobraj) گدی نشین ہوتا ہے اور 'بڑا ٹھاکر' جوبراج ہوجاتا ہے [2] علیٰ ہذا اتر ہٹ راج میں یہ رواج ہے کہ راجۂ وقت اپنے حین حیات گدی سے علیحدہ ہوکر یا تو اپنے بڑے بیٹے کو گدی نشین کر دیتا ہے یا سب سے قریب مرد وارث کو راج دے دیتا ہے [3] اکثر صورتوں میں اصول کلانی کے مطابق جاگیروں کا وراثۃً منتقل ہونا غالباً ان کی اس مفروضہ نوعیت پر کہ وہ ایک قسم کے راج ہیں مبنی کیا جاتا ہے۔ اور راج بہ لحاظ اپنی ترکیب کے ناقابل تقسیم ہے [4] لیکن محض خاندانی رواج کافی ہوگا بشرطیکہ وہ ثابت ہوجائے یہ ضروری نہیں ہے کہ جائداد راج کی قسم کی ہو [5] اکثر حکومت وقت کسی ناقابل تقسیم راج کو

[1] اس مضمون پر مقدمہ بھاؤ ناناجی بنام سندرابائی اچھی طرح بحث کی گئی ہے جلد ۱۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۲۶۹ اسمٰعیل بنام فدایت جلد ۳ الہ آباد صفحہ ۷۲۳۔

[2] نلکستو دیب بنام بیرچند رجلد ۱۲ مور زانڈین اپیلس صفحہ ۵۲۳ صدر کورٹ جلد ۱۲ سدرلینڈ پی۔ سی صفحہ ۲۱ صدر کورٹ جلد ۳ بنگال لا رپورٹ پی۔ سی صفحہ ۱۳۔

[3] گنیش بنام موہیشر جلد ۶ مور زانڈین اپیلس صفحہ ۱۶۴۔ دیکھئے مقدمہ پشت راج۔ گرندراین بنام اوننند جلد ۶ صدر دیوانی صفحہ ۲۸۲ صفحہ ۳۵۴۔ اننند بنام دیہراج جلد ۵ مور زانڈین اپیلس صفحہ ۸۲۔

[4] قابل تقسیم راج ہو تو سکتا ہے۔ دیکھئے گودھاری بنام کلال مور زانڈین اپیلس صفحہ ۳۴۴۔ صدر کورٹ ۶ سدرلینڈ صفحہ ۱۔

[5] روت ارجن بنام روت گھنشام 5 M. I. A پردھری چنتامن ۱۲ الہ آباد صفحہ ۲۶۳۔ برلاگدا ما لیکرجونا ۱۱ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۳۴ ۱۳ مدراس صفحہ ۴۰۶۔ ٹھاکر نٹوپال سنگھ ۲۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۶۔ گرد ہرواجیا ۲۰ ایضاً صفحہ ۲۳۶۔ لکشمی پتی ۱۶ ام صفحہ ۵۴۔ چندیکا بخش ۲۹ مرافعہ ہند صفحہ ۸۔

ضبط کر کے دوبارہ (غیر شخص کو یا اسی خاندان کے کسی رکن کو) عطا کرے تو یہ قیاس قایم ہوتا ہے
کہ جدید عطا میں وہ تمام لوازمات شامل ہیں جو ایک راج سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور راج کی
اہم ترین خصوصیت اولاً یہ ہے کہ وہ ناقابل تقسیم ہوتا ہے اور ثانیاً اس کا انتقال قاعدۂ
حق اکلانیت کی رو سے ہوتا ہے ۱؎ لیکن یہ قیاس اس وقت باقی نہیں رہ سکتا جب کہ
ضبطی کے بعد جدید عطا کے وقت خود عطا کے طرز سے یہ منشا ظاہر ہو کہ آیندہ کے لئے
وہ قابل تقسیم ہوگا ۲؎۔

**خلاف اخلاق رواجات**

ف ۵۵۔ وہ رواجات جو مخرب اخلاق ہوں یا جو مصلحت عامہ کے
متناقض ہوں نہ تو نافذ ہو سکتے ہیں اور نہ ان پر کاربند رہنے کی منظوری
دی جا سکتی ہے ۳؎ مثلاً زناکاری ناچنے اور گانے والی لڑکیوں کی
حد تک ہندو رواج نے زناکاری کو تسلیم کیا ہے اور اس کا احترام بھی کیا جاتا ہے چنانچہ
۶۲ فاحشہ عورت اور اس کے یار کے تعلقات کو قانون نے مثل دوسری قسم کے
معاہدات کے منظم کیا تھا ۴؎ خود ہندو نقطۂ خیال سے زناکاری مخرب اخلاق ہے
اور اس سے مرتکب فعل ذات میں بے عزت ہو جاتا ہے ۵؎ لیکن اس سے رشتہ داری
منقطع نہیں ہوتی اور نہ وراثت کے لئے کوئی نیا قاعدہ بنایا جا سکتا ہے یعنی اگر کوئی
عورت (جو گانے اور ناچنے کا پیشہ نہ کرتی ہو) بدکاری شروع کرے تو اس سے
مسئلۂ توریث پر اثر نہیں پڑتا ۶؎ یہ ظاہر ہے کہ کوئی انگریزی عدالت فعل زنا کو ایسا بدل تصور

---

۱؎ بیر پرتاب بنام مہاراجہ راجندر ۱۲ مور صفحہ ۱ محمد افضل خاں ۳۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹۰۔ ۳۰ ک صفحہ ۴۴۳ ستاواد و گنا تھا
۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۹۹۔ رام نندن سنگھ ۲۹ الہ آباد صفحہ ۱۷۰۔

۲؎ وینکٹ نرسما، مرافعہ جات ہند صفحہ ۳ میرانگی زمیندار ۱۰ ایضاً صفحہ ۴۹ مقدمہ راسناد ۲۴ م صفحہ ۶۲۶۔

۳؎ منو باب ۸ شلوک ۵۔ میاکس ملر۔ قدیم سنسکرت صفحہ ۵۔ دیکھئے قوانین متذکرۂ ف ۴۳۔

۴؎ دیبے صفحہ ۵۹۲۔ دیکھو ودلوچنتامن صفحہ ۱۰۱۔

۵؎ سیوا سنگھ بنام منال ۱۲ مدراس صفحہ ۲۷ تاراناتھ بنام نانا لکشمن ۱۴ بمبئی ۹۰ کملم بنام سدگوپاسامی جلد ۱
مدراس ۳۵۶۔ متوکنو بنام پراماسامی ۱۲ مدراس ۲۱۴۔

۶؎ مینکشی بنام مینانذی پانکمن ۳۸ م صفحہ ۱۱۴۳۔

نہیں کرے گی جس سے معاہدے کی تائید ہو سکے۔ چنانچہ بہ اتباع قانون انگریزی یہ تجاویز کی گئی ہیں کہ پیشہ ور عورت کے خلاف ذیل کے مقدمات کی سماعت نہیں ہو سکتی مثلاً مکان کے کرایہ وغیرہ کی نالش۔ یا ان اشیاء کی قیمت کے لئے جو اس کی اس غرض کے لئے صراحتاً دیے گئے ہوں کہ وہ اپنی تجارت کو جاری رکھ سکے [1]۔ برخلاف اس کے مجموعۂ تعزیرات ہند کے نافذ ہونے سے قبل ۱۸۶۱ء سے پہلے زناکاری کا کوئی پہلو خلاف قانون نہ تھا۔ اور عدالتوں نے ان کے رواجات متعلق بہ جائداد و سنیت کو تسلیم بھی کیا اور مخصوص قواعد وراثت کو خود ان کے مابین نافذ کیا [2]۔ دفعات ۳۷۲ اور ۳۷۳ مجموعۂ تعزیرات ہند نے پہلی مرتبہ ایسے افعال کو ناجائز قرار دیا۔ چنانچہ ان دفعات کے لحاظ سے اغراض زنا کے لئے سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی اور کسی کو بیچنا یا اس کو اپنے قبضے میں رکھنا جرم ہے۔ ۱۸۶۸ء میں ایک پگوڈا کی نائکن لڑکیوں نے اس حق کا ادعا کیا کہ نئی ناچنے اور گانے والی لڑکیاں اس وقت اس پیشے کو اختیار نہیں کر سکتیں جب تک کہ وہ پسند نہ کی جائیں مدراس ہائیکورٹ نے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اس فیصلے کے دو وجوہات تھے۔ اولاً یہ کہ عام اصول اخلاق کے لحاظ سے یہ فعل برا ہے اور ثانیاً یہ کہ اگر اس حق کو تسلیم کر لیا جائے تو نابالغوں کی تجارت کو فروغ ہوگا اور اس کو مجموعۂ تعزیرات نے قطعاً منع کیا ہے [3]۔ اسی سال پھر بھی اسی عدالت نے یہ تجویز فرمائی کہ اگر نائکن اپنے کام سے علیحدہ کر دی جائے تو اس کو قانوناً حق نالش حاصل ہوگا۔ سبب علیحدگی یہ بیان کیا گیا کہ مدعیہ نے ایسی لڑکی کو نائکن تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا جو اس حق کے خلاف شریک کر لی گئی تھی جس کا

---

[1] گوری ناتھ مکھوپادھیائے بنام ........ جلد ۱ سدرلینڈ صفحہ ۲۲۵ سصہ ہائیکورٹ جلد ۹ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ ۳۷ دیکھئے سنو بنام ہری رام۔ بنی منچرام بنام رجنیا اشاکر جلد ۲۲ بمبئی صفحہ ۱۳۳۔

[2] تاراسنی بنام موتی جلد ۷ صدر دیوانی صفحہ ۲۷۳-۳۲۵۔ شید ابنام سنتی دیا۔ پنکٹ چلم بنام وکٹا سامی مدراس دسمبر ۱۸۵۶ء صفحہ ۶۵۔ شلاکتد ابنام رتنا چلم جلد ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۵۶ نگمکشی بنام نگر تھم جلد ۵ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۶۱ نانی تارا نائکن بنام اشدر کھا ۹ بمبئی صفحہ ۵۷۳۔

[3] چنا اتیا بنام تیجرائے ۱ مدراس ۱۸ ۳۔

۶۳ ادعا مقدمہ سابق میں کیا گیا تھا۔ دونوں مقدمات اس طرح ایک دوسرے سے ممیز کئے گئے کہ مقدمۂ موخرالذکر میں مدعیہ نے یہ ادعا کیا تھا کہ اس کا عہدہ موروثی ہے اور اس سے اوقاف اور دیگر قسم کے رقمی فوائد متعلق تھے [۱] ۱۹۱۸ء میں مسٹر جسٹس ویسٹ نے ایک نہایت ہی مدلل فیصلے سے یہ تصفیہ فرمایا کہ نائکن کا کسی لڑکی کو تبنیت میں لینا عام اصول اخلاق اور مصلحت عامہ کے تحت ناجائز ہے اگرچیکہ ایسی تبنیت آئے دن ہوتی رہتی ہے اور اس کو تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔ یہ تجویز بالکل بے ضرورت تھی کیونکہ متبنیٰ لڑکی مدعیہ تھی اور یہ ثابت ہوا کہ حقیقی لڑکیاں موجود تھیں جو اس کے حق سے یوں بھی مانع ہوتیں [۲] وجوہات فیصلہ بمبئی کو مدراس کی عالیہ عدالت نے ایسے مقدمے کی سماعت کے وقت ناپسند فرمایا جس میں ایسی تبنیت کا جواز معرض بحث میں تھا اور یہ تجویز کی گئی کہ وہ جائز ہے خود بمبئی کی عدالت نے بعد کے ایک مقدمے میں سابقہ وجوہات فیصلہ کو کلیتہً اختیار نہیں کیا۔ اس مقدمے میں ایسے عطیے کے جواز کے متعلق تنازع تھا جو بگوڈا کے نائکنوں کے حق میں کیا گیا تھا [۳] مسٹر جسٹس متوسامی ایر نے مدراس جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۲ میں یہ تجویز فرمائی ہے کہ ایسی تبنیت ناجائز ہوگی جس کے لئے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جائے جو مجموعۂ تعزیرات کی رو سے جرم ہو۔ اس قاعدے کو مدراس کی عالیہ عدالت نے مسلسل فیصلہ جات میں اختیار کر لیا ہے۔ چنانچہ ذیل کی تجویز قابل غور ہے "ہم ایسے معاہدے کو منسوخ کر سکتے ہیں یا ایسے انتقال کو نافذ کرنے سے انکار کر سکتے ہیں جس کی اصلی اور فوری غرض یہ ہو کہ ایک لڑکی کم سنی میں برے افعال کی طرف اس طرح راغب ہو جائے کہ سن شعور کو پہنچنے پر اس کو ازدواجی زندگی اختیار کرنے کا موقع نہ رہے" اگر اس قسم کا نتیجہ پیدا کرنا منظور نہ تھا تو رواجات نافذ کئے جائیں گے بشرطیکہ ثابت ہوں [۴] اس قسم کا

---

[۱] کمالم بنام سداگوپا ۱ مدراس صفحہ ۳۵۶۔

[۲] متھورا نائکن بنام ایسو ۴ بمبئی ۵۴۵۔

[۳] ونکو بنام مہالنگا جلد ۱۱ مدراس صفحہ ۳۹۳۔ تارا نائکن بنام نانا ۱۴ بمبئی صفحہ ۹۰۔

[۴] پدماوتی جلد ۵ مدراس ہائیکورٹ ۴۱۵ (یکطرفہ فیصلہ) کرانٹی بنام رامنا ۱۲ مدراس ۲۷۳۔ سری نواس بنام اناسامی مدراس ۲۲۳۔ کماکشی بنام راما سامی چنی ۱۱ مدراس ۱۲۷۔ ہمری بنام جلد جلشی ۲۱ مدراس ۲۲۹۔ کراؤن بنام جیلی

ایک سوال پریوی کونسل کے سامنے پیش ہوا۔ بحث یہ تھی کہ ایسی عورتوں کے کیا حقوق ہوں گے جو خاندان میں اس لئے داخل کر لی گئی ہوں کہ ان سے زنا کیا جائے۔ اس مقدمے میں فریقین مسلمان تھے اور کمیٹی نے یہ تجویز فرمائی کہ رواجات ثابت شدہ اس فرقے کی مصلحت عامہ کے خلاف تھے کیونکہ احکام قرآنی کے لحاظ سے زن فاحشہ کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا ناجائز، ممنوع اور قابل سزا ہے۔ اس موضوع پر ہندوؤں کے نظریے پر سرسری نظر ڈالی گئی لیکن اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا [۱] ٦۴
جنوبی ہند میں نائکن اگر زناکاری کے لئے کسی لڑکی کو متبنی کرے تو ایسی تبنیت مصلحت عامہ کے خلاف ہونے کے سبب باطل ہے۔ اس لڑکی کو جو متبنیٰ کی گئی ہو نہ خاندان میں کوئی حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ و نیز ظاہر یہ ہوتا ہے کہ نہ تو ماں، جس نے متبنیٰ لیا تھا اور نہ وہ اشخاص جو اس کے ذریعے سے دعویدار ہوں تبنیت کو ناجائز ثابت کرنے سے منع کیے جا سکتے ہیں [۲]۔

**رواجات متعلق بہ ازدواج** بمبئی میں بہ لحاظ نظائر قاعدہ یہ ہے کہ اگر رواجاً کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر بلا اس کے مشورے کے دوسری شادی کرنے کی مجاز ہو تو وہ رواجات مخرب اخلاق ہونے کے سبب باطل ہیں [۳] اور اس پر شک ظاہر کیا گیا کہ آیا ایسا رواج جس سے عورت اپنے شوہر کے حین حیات اس کی مرضی سے دوسری شادی کرنے کی مجاز ہوتی ہو جائز ہو سکے گا [۴] اگر باہمی رضامندی سے اور پہلے ازدواج کے اخراجات ادا کرنے سے طلاق اور ازدواج ثانی رواجاً جائز ہو جاتا ہو تو مدراس کی عدالت عالیہ نے یہ تجویز فرمائی کہ ایسا رواج خلاف اخلاق

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ۶ بمبئی ہائیکورٹ ۶۰۔ منجا بنام شیشگری راؤ ۲۶ بمبئی ۴۹۱۔

[۱] گھسیٹا بنام امراؤ جان جلد ۲۰ مرافعہ جات ہند ۱۹۳۔ صدر کورٹ جلد ۱۲ کلکتہ صفحہ ۱۴۹۔

[۲] کما لکشمی بنام راما سوامی ۱۹ مدراس ۱۲۷۔

[۳] کراؤن بنام کرسن جلد ۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۱۷ و صفحہ ۱۲۴۔ و نیز دیکھئے کراؤن بنام منوہر جلد ۵ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۷۔ اجی بنام ہتی جلد ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۳۳۔ نارائن بنام لونگ جلد ۲ بمبئی صفحہ ۱۴۰۔

[۴] ٹھکور بنام امیا شنکر جلد ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ ۳۸۱۔

نہیں سمجھا جائے گا[1] ناٹروں میں جیسا کہ سب کو معلوم ہے ازدواجی تعلق سے یہ وجوب عائد نہیں ہوتا کہ عورت پاکدامن رہے وغیرہ مرد کو بھی کسی قسم کے حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ لیکن ایسی صورت میں قانون یہ تسلیم نہیں کر رہا ہے کہ ازدواجی تعلق پیدا ہی نہیں ہوتا[2] ایک مقدمے میں پریوی کونسل کے سامنے یہ رواج پیش کیا گیا کہ (مصلحت عامہ)
ہندوستان کے مغربی ساحل میں مذہبی ادارے کے امنا کو اس کی اجازت ہے کہ وہ امانت کو فروخت کر دیں۔ جوڈیشل کمیٹی نے یہ تجویز فرمائی کہ روئداد سے ایسا رواج ثابت نہیں ہے لیکن یہ بھی ظاہر فرمایا گیا کہ ہر صورت میں وہ (یعنی حکام کمیٹی) اس کو اس وجہ سے ناجائز قرار دیتے کہ ایسا رواج مصلحت عامہ کے مغائر تھا[3] چنانچہ ایسے اقرار کو جس سے ایک ہندو کو بہ عوض رقم کے زوجہ دلانے کا وعدہ کیا گیا ہو اسی وجہ سے ناجائز قرار دیا گیا۔ علیٰ ہذا اگر باپ کو بہ عوض اس کے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کرا دے گا روپیہ ادا کرنے کا اقرار کیا گیا ہو تو ایسا اقرار خلاف قانون ہونے کے سبب نافذ نہ ہو سکے گا۔ لیکن اگر روپیہ ادا کر دیا گیا تو اس کو واپس بھی نہیں پایا جا سکتا ہے[4]۔ ۶۵

**خاندانی رواج میں تغیر**

ف ۵۶ چوتھی قسم جس کا ذکر ف ۵۲ میں اس سے قبل کیا گیا اس وقت پیش آتی ہے جب کہ حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ اس قانون کا (جس کے سابق میں اہل خاندان تابع تھے) آیندہ کے لئے اطلاق نہ ہو سکے۔ ایک طرح سے کوئی جدید قانون جو ایسے خاندان کے طرز عمل کے لئے اختیار کر لیا گیا ہو اس خاندان کی حد تک رواج نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اس میں رواج کا ضروری عنصر یعنی یہ کہ وہ قدیم ہو نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے یہ ممکن ہے کہ

---

[1] سنکرالنگم چٹی بنام سبن چیٹی ۱۷ مدراس ۴۷۹۔
[2] دیکھئے گراکا بنام کراون ۹ مدراس ۴۷، ۳ ف ۱۰۱ ا ۱۰۱۔
[3] راجہ ورما بنام راوی درمو جلد ۴ مرافعہ جات ہند ۷۶۔ صدر کورٹ ۱ مدراس ۲۳۵۔
[4] ودھیانادھم بنام گنگاراز ۷ مدراس ۵۹۔ قانون نشان ۹ بابت ۱۸۷۲ء دفعہ ۲۸ وینکٹا کرشنیا بنام لکشمی نرائن 82 M 185

وہ قانون جو اختیار کر لیا گیا ہے بذات خود بہت ہی قدیم ہو ۔ صرف یہ سوال پیدا ہوگا کہ کس حد تک خاندان اس قانون کو اپنے لئے اختیار کر سکتا تھا ۔ ہم کو اس سے قبل معلوم ہو چکا ہے (ف۴۹) کہ اگر ایک خاندان ایک حصۂ ہندوستان سے دوسرے میں جا کر رہ جائے تو اس کو دو اختیارات ہیں ۔ یا تو اپنے اصلی وطن کے قانون کی پیروی کو باقی رکھے یا اس مقام کے قانون کو اختیار کر لے جہاں رہ گیا ہے ۔ ایسے خاندان پر جس نے اپنی حیثیت بدل دی ہو یہی قاعدے کا اطلاق ہوگا ۔ اگر نئی حیثیت سے یہ وجوب عائد ہوتا ہو کہ ایک خاص قسم کے نئے قانون کی پیروی کی جائے تو اس خاص قانون کی پابندی واجب ہے ۔ اگر پھر بھی کوئی ایسا وجوب عائد نہ ہوتا ہو تو خاندان کو آزادی حاصل ہے یعنی یہ کہ قدیم قانون کے اس حصے کی پیروی کو جاری رکھے جس سے تبدیل حیثیت پر کسی قسم کا متناقض اثر نہ پڑتا ہو ۔ یا ایسی جماعت کے رواجات کو اختیار کرے جس سے ربط و ضبط بڑھانے کی نئی حیثیت کے لحاظ سے اجازت ہو ۔

**مذہب اسلام میں داخل ہونا**

**ف۵۵** ۔ جب کوئی ہندو مذہب اسلام میں داخل ہو جائے تو قانوناً اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس نے ایک نئی طرز کی زندگی کو قبول کر لیا اس قسم کی زندگی ایسے مسلمہ قانون کے تابع ہوتی ہے جس کا نفاذ ہندوستان میں کرایا جاتا ہے ۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ جائداد جو اس کے قبضے میں تبدیل مذہب کے وقت تھی ان پر منتقل ہوگی جو بہ لحاظ ہندو قانون اس وقت اس کے پانے کے مجاز تھے ۔ لیکن وہ جائداد جو بعد میں حاصل کی جائے حسب شرع اسلام منتقل ہوگی[1] ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلا قاعدہ ان صورتوں تک محدود رہنا چاہئے جن میں دھرم شاستر کے لحاظ سے اس کے ورثا کو ایسا حق حاصل ہو گیا تھا جن کو وہ شکست نہیں دے سکتا تھا ۔ اگر وہ اپنے کسی قرابتدار کو معمولی انتقال یا وصیت سے محروم الارث کر سکتا تھا تو یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کیوں وہ نیا قانون اپنے لئے اختیار کر کے ان کو محروم نہ کر دے خصوصاً جب کہ اسے یہ علم ہو کہ نئے قانون سے سلسلۂ ورثا بالکل بدل جاتا ہے قضیۂ موخر الذکر کی البتہ پریوی کونسل نے اس مقدمے میں 66

[1] بو الابنام مھرم جلد ۱۰ مور انڈین اپیلس ص۳۷۵ ۔ جلد ۲ ڈبلیو میا کناٹن صد ۱۳۱ و ۱۳۲ ۔

تصدیق فرمائی جب کہ جس میں یہ بحث کی گئی تھی کہ ایک خاندان ہنود دھرم شاستر کا تابع تھا اگرچہ اس کو مذہب اسلام قبول کئے ہوئے کئی پشت ہو چکی تھیں چنانچہ حکام عالیہ لارڈ نے فرمایا کہ اس مقدمے میں اور ابراہیم بنام ابراہیم کے مقدمے میں فرق ہے یعنی اس میں فریقین ... عیسائی تھے اور ان کا کوئی قانون وراثت نہ تھا اور نہ کسی قانون میں اس کا ذکر تھا بلکہ اس قسم کا کوئی قانون موجود نہ تھا اس لئے کمپنی نے اس قانون کا اطلاق کیا جس سے وہ تابع رہنا چاہتے تھے۔ ان کا یہ منشا شہادت سے ثابت تھا لیکن ہندوستان کے تحریری قانون نے اس کو اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے کہ جانشینی اور وراثت کے معاملات میں ہندوؤں کا فیصلہ دھرم شاستر کے مطابق ہوگا اور مسلمانوں کا تصفیہ شرع اسلام سے۔ اور ابراہیم بنام ابراہیم کے مقدمے میں لارڈ کنگسڈاؤن نے اپنے فیصلے میں یہ بیان فرمایا کہ اس قاعدے کا اطلاق نہ صرف پیدائشی مسلمانوں اور ہندوؤں پر ہوگا بلکہ ان پر بھی جو مذہباً ایسے ہوں۔ مسٹر ڈبلیو میکناٹن نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے (اصول دھرم شاستر صفحات ۱۳۱ اور ۲۲۳) کہ اگر کوئی ہندو مسلمان مذہب اختیار کرے تو وہ جائداد جو تبدیل مذہب کے وقت اس کی ملک تھی اس کے مرنے پر ان ورثا کو ملے گی جو حسب قواعد دھرم شاستر وارث ہوں۔ مذکور الصدر دونوں مقدمات بھی انہی تصفیات پر مبنی ہوئے ہیں اور یہ دونوں مقدمات اس قاعدے کی بھی بہترین سند ہیں کہ بعد کی حاصل شدہ جائداد ان ورثا کو ملے گی جنھیں شرع اسلام نے وارث تسلیم کیا ہو۔ ان مقدمات سے البتہ قطعی طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ کب یا کس طرح مورث اعلیٰ نے جائداد حاصل کی تھی چنانچہ اس مقدمے میں جانشینی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی نزاع نہیں تھی جیسا کہ مقدمات مذکور الصدر میں جو کچھ اس کے پاس بروقت وفات تھا اس کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا کہ وہ ان پر منتقل ہو گیا جو مثل خود اس کے مسلمان تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے مابین وراثت کا تصفیہ شرع اسلام کے لحاظ سے ہونا چاہئے کوئی اور تصفیہ اصولاً غلط ہوگا۔ یہ سوال کہ آیا کوئی خاندان مسلمان مذہب اختیار کرنے کے باوجود اس کا مجاز ہے کہ کئی پشت تک

له جلد ۹ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۱۹۵ صدر کورٹ جلد ا سدرلینڈ پی سی صفحہ ۱ ۔

ہندو رواجات باقی رکھ کر ایک خاص رواجی قانون وراثت کے اطلاق کا ادعا کرے ایک ایسا سوال ہے کہ جس کے متعلق جہانتک کہ حکام عالیمقام واقف ہیں کبھی بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ اس مرافعے کے فیصلے کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے اس سوال کا ۶۷
تصفیہ قطعی ہی کیا جائے چنانچہ حکام عالیمقام ایسا فیصلہ کرنے سے احتراز کرتے ہیں البتہ ان کو (یعنی حکام عالیمقام) یہ رائے ظاہر کرنی چاہئے کہ اگر رواج کو عام احکام قانون پر حاوی کرنا منظور ہو (بشرطیکہ شرع اسلام اس طرح رواج کو اس پر حاوی ہونے کی اجازت دے) تو اس خاص رواج کا نہایت قوی ثبوت دیا جانا چاہئے نہ کہ اس قسم کا ثبوت جو مقدمۂ زیر بحث میں دیا گیا۔[۱]

**ہندو رواجات کو جاری رکھنا**

**۵۸**۔ اس مقدمے کے فیصلے کے لئے جو ان کے ملاحظے میں تھا جوڈیشل کمیٹی کے یہ اظہارات ضروری نہ تھے کیونکہ قطع نظر ان خیالات کے انھوں نے یہ قرار دیا کہ مدعی کا دعوی اس وقت بھی خارج ہونے کے قابل تھا جب کہ اصول دھرم شاستر کا اطلاق کیا جاتا۔ نہ انھوں نے قطعی طور پر یہ تصفیہ کرنے کا خیال ظاہر فرمایا کہ مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی ہندو اپنے قدیم ہندو رواجات پر کاربند نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ اس مضمون پر کوئی فیصلہ موجود نہ تھا اس لئے انھوں نے ایسے رواجات کو باقی رکھنے کے خلاف جزاً اظہار رائے فرمایا۔ تاہم بمبئی میں فرقۂ خوجہ کی حد تک اس امر کے متعلق (دوسرے طریقے سے) پے در پے فیصلہ جات صادر ہوئے ہیں۔ اس جماعت کے لوگ (خوجہ) اصلاً ہندو تھے لیکن چار سو برس قبل انھوں نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔ باوجود اسلام میں داخل ہونے کے ان لوگوں نے بہت سے ہندو رواجات کو اپنے لئے باقی رکھا مثلاً سلسلۂ وراثت کا رواج اگرچہ یہ سلسلہ اس سلسلے کے خلاف ہے۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں کیا گیا ہے۔

---

۱؎ جوالا بنام دھرم جلد ۱۰ مورز انڈین اپیلس ص ۵۱۱/۵۲۴۔ دیکھئے حکیم خاں بنام گول خاں جلد ۸ کلکتہ ص ۸۲۶۔
اس مقدمے میں عدالت نے روپ چند بنام لتو چودھری (جلد ۳ کلکتہ لاء رپورٹ ص ۹۷) کے فیصلے پر مدلل شک ظاہر کیا
مقدمہ مذکورالذکر میں یہ تجویز فرمائی گئی تھی کہ اگر ہندو ملک میں مسلمان بھی رہتے ہوں تو خاندان مشترک کا قیاس پیدا ہوگا۔
دیکھو فقرۂ آئندہ۔

اسی قسم کا دوسرا فرقہ کچی میمنوں کا ہے جن کی تاریخی حیثیت اور جن کے رواجات خوجوں سے مشابہ ہیں ۔ ۱۸۴۷ء میں بمبئی کی اعلیٰ عدالت ۔ (Supreme Court) کے سامنے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ آیا اس سلسلۂ وراثت کی تائید ہو سکتی ہے ؟ اور سرارسکن پری نے ایک مدلل فیصلے سے یہ قرار دیا کہ اس کی تائید ہو سکتی ہے ۔ ان کے اس فیصلے کا اتباع بمبئی کی اعلیٰ اور عالیہ دونوں عدالتوں کے اکثر مقدمات میں کیا گیا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لئے قطعی طور پر مسلم سمجھا جا سکتا ہے ۔[1] پھر بھی یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ ان فیصلہ جات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خوجوں نے اپنے لئے کل ہندو قانون کو اختیار کر لیا ہے ۔ اور یہ کہ کافی شہادت کے بغیر یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قانون
۶۸ تقسیم خاندان کے ان معنی میں پابند تھے کہ خاندان کی جائداد میں بیٹے کو اپنے باپ کے حین حیات حصہ پانے کا حق حاصل ہے ۔[2] اسی قسم کے فیصلہ جات گجرات کے سنی بوا ہیرا اور بروچ کے مولیسلم گیراسیا کے متعلق صادر ہوئے ہیں یہ دونوں قبیلے

---

[1] مقدمۂ خوجہ گنگ بائی بنام تھا ور جلد ۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱ ص ۴۳، لسبائی بمبئی ہائیکورٹ جلد ۵ صفحہ ۲۷۶ رحیم بائی ۲ ابمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۲۹۴ رحمت بائی بنام ہیر بائی ۳ بمبئی صفحہ ۳۴ صدرۃ النسا بنام مجید اجلد ۳ کلکتہ صفحہ ۶۹۴ حاجی اسمٰعیل کا وصیت نامہ جلد ۶ بمبئی صفحہ ۴۵۲ عائشہ بائی بنام حاجی طیب جلد ۹ بمبئی ۱۱۵ عبدالقادر بنام ٹرنر صفحہ ۱۵۸ محمد صدیق بنام حاجی احمد ۱۰ بمبئی صفحہ ۱ بمقدمۂ ہارون محمد ۱۴ بمبئی ۱۸۹ ۔

[2] احمد بھائی بنام قاسم بھائی ۱۳ بمبئی ۵۳۴ اس مقدمہ کے فیصلے سے صدر کورٹ جلد ۲ بمبئی ۲۸۰ کا فیصلہ منسوخ کیا گیا ۔ اس سوال پر کہ کس حد تک خوجوں اور میمنوں نے ہندو قانون کو اختیار کر لیا ہے ۔ بمبئی ہائیکورٹ میں کافی بحثیں ہو چکی ہیں مسٹر بیمن کے دو عالمانہ اور بسیط فیصلہ جات بطور خاص دیکھنے کے قابل ہیں (الف) جان محمد بنام دتو جعفر ۳۸ بمبئی صفحہ ۴۴۹ اور (ب) ایڈوکیٹ جنرل بمبئی بنام جبا بائی ۴۱ بمبئی صفحہ ۱۸۱ فاضل جج کے خیال میں یہ ثابت نہیں ہوا کہ خوجوں اور کچی میمنوں نے خاندان مشترکہ کے نظام کو اختیار کر لیا ہے ۔ اگرچہ یہ قاعدہ مسلم ہے محض جانشینی اور وراثت کے معاملات میں ان پر ہندو قانون کا اطلاق ہوتا ہے جسٹس ہیالکیڈ نے بمقدمۂ منگل داس بنام عبدالرزاق یہی رائے ظاہر فرمائی (۱۶ بمبئی لارپورٹ ۲۲۴) اگر اس کو صحیح سمجھا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد صدیق بنام حاجی احمد کا فیصلہ غلط تھا ۔ (جلد ۱۰ بمبئی صفحہ ۱) مجلس وضع قانون کے ملاحظے میں ایک بل (اس غرض) سے پیش ہے کہ شرع اسلام کو کچی میمنوں سے متعلق کیا جائے ۔

اصلاً اچھوت ہندو تھے جنھوں نے مذہب اسلام قبول کر لیا [۱] ان میں کے پہلے مقدمے میں (یعنی بائی بیجی بنام بائی سنتوک) جسٹس راناڈے نے یہ فرمایا کہ ان فیصلہ جات میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں ان کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے (الف) کہ اگرچیکہ شرع اسلام کے عام طور پر وہ سب تابع ہیں جنہوں نے اس مذہب کو اختیار کر لیا اور ہندو مذہب کو چھوڑ دیا تاہم (ب) اگر ان لوگوں کا یہ رواج ثابت ہو جائے کہ وہ ہندو قانون وراثت کے تابع ہیں تو مذکور الصدر عام قیاس قایم نہیں رہے گا [۲] (ج) یہ کہ اس رواج کو سختی کے ساتھ معاملات جانشینی اور وراثت تک محدود رکھنا چاہیئے۔ (د) اور یہ کہ اگر کسی ایسے خاص رواج کا وجود ظاہر کیا جائے جو ہندو قانون کے اس حصے کے خلاف ہو جس کا اطلاق ان فرقوں پر امور وراثت میں ہوتا ہو تو بار ثبوت اس فریق پر ہوگا جو اس خاص رواج کا ادعا کرے"۔ اگرچیکہ ان مقدمات کا مطلب غالباً یہ لیا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف کے مذہب میں داخل ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قرآن کے قانون دیوانی کی بھی پیروی کی جائے گی لیکن پھر بھی ایسی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں جن میں مذہب اور قانون جدا ہو ہی نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں پر یوی کونسل کی تجویز بالکل مناسب ہوگی اور اس شخص کو ۶۹
جس نے مذہب قبول کر لیا ہو ایسے رواج پر بھروسا کرنے سے محروم کیا جائے گا جو قانون کے خلاف ہو مثلاً ایک زوجگی (monogamy) عیسائی قانون کا نہایت اہم جز ہے لہذا کوئی مسلمان یا ہندو جو عیسائی ہو گیا ہو تبدیل مذہب کے بعد اپنی پہلی بی بی کے حین حیات دوسری شادی نہیں کر سکتا باوجودیکہ ہندوؤں یا مسلمانوں میں اس کے

[۱] بائی بیجی بنام بائی سنتوک جلد ۲۰ بمبئی صفحہ ۵۳ فتح سنگھ جی بنام ریوار ہری سنگھ جی جلد ۲ بمبئی صفحہ ۱۸۱ موخرالذکر میں لڑکے کے حق نفقہ کو تسلیم کیا گیا۔ دوسری مثالیں کوئمبتور کے لبوں کی ہیں۔ یہ لوگ بھی اصلاً ہندو تھے جنھوں نے مسلمان ہونے کے بعد بھی ہندو شخصی قانون کو باقی رکھا شیخ بنام محمد ۳۹ مدراس ۶۶۴ اور مغربی ساحل کے موپلا اگرچیکہ مذہباً مسلمان ہیں لیکن جنھوں نے مارومکاتیم قانون کے ایک بڑے حصے کو اپنے لئے اختیار کر لیا ہے۔ ہر مقدمے میں یہ سوال واقع ہوتا ہے کہ آیا ایک خاندان نے ایسا کیا ہے یا نہیں آسام بنام پتھوما ۲۲ مدراس ۴۹۴۔ پکریشی بنام کمیا شا ۳۴ مدراس ۳۰۵ لیکن دیکھئے کنہبی اما بنام کندی موتیئن ۲۷ مدراس صفحہ ۷۷۔

[۲] موسیٰ حاجی جونس تورانی بنام عبدالرحیم ۳۰ بمبئی ۱۹۷ حاجی سیو صدیق بنام علی محمد ۳۰ بمبئی ۲۷۰۔

خلاف رواج ہو اگر عیسائی ہونے کے بعد وہ ایک سے زیادہ بی بی رکھے تو اولاد جو دوسری بی بی سے ہو یقیناً غیر صحیح النسب ہوگی[1] اس کے تبدیل مذہب سے نہ تو ازدواج کے جواز پر اثر پڑ سکتا ہے جو اس واقعے سے قبل منعقد ہوئے ہوں اور نہ اس اولاد کے نسب پر کوئی اثر ہوتا ہے جو اس کے قبل پیدا ہوئی ہو — اگر عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد ایک سے زیادہ زوجگان باقی رہیں اور ان سے اولاد پیدا ہو تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی اولاد پر تبدیل مذہب کا کیا اثر ہوگا۔ یہ سوال اگرچہ نہایت ہی دلچسپ ہے لیکن تا حال پیدا نہیں ہوا[2] شرع اسلام تبنیت کو تسلیم نہیں کرتا لہٰذا قیاس یہ ہوگا اس ہندو نے جو مسلمان ہو گیا ہے اس قانون تبنیت کو ترک کر دیا ہے جو ہندو قانون اور رواج کے لحاظ سے مسلم ہے جن لوگوں کا یہ ادعا ہو کہ قانون تبنیت ترک نہیں کیا گیا ان کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باقی ہے[3]

**مقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم**

**دفعہ ۵۹**۔ مذکورالصدر قاعدے کے دوسرے جز کی بہترین تمثیل[4] مقدمہ ابراہیم بنام ابراہیم ہے جس کا ذکر قبل ازیں کیا گیا اس مقدمے[5] سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیسی عیسائی اگرچہ اصلاً ہندو تھے لیکن مختلف الجماعت۔ یعنی ان میں کے چند ایسے تھے جنھوں نے جزواً وکلاً ہندو رواجات اور ہندو معاشرت کو ترک نہیں کیا تھا اور دوسرے چند ایسے تھے جنھوں نے یورپ کے رواجات اور تمدن کو اختیار کر لیا تھا۔ انھیں عموماً مشرقی ہندی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا

---

[1] دیکھئے ہائیڈ بنام ہائیڈ لا رپورٹ جلد ۱ پی اینڈ ڈی صفحہ ۱۳۰۔ اسکنر بنام اورڈ جلد ۱۴ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۳۰۹ صفحہ ۳۲۴ صدر کورٹ جلد ۱۰ بنگال لا رپورٹ ۱۲۵۔ صدر کورٹ جلد ۱ صدر لینڈ صفحہ ۔

[2] تبدیل مذہب کے بعد دوسرے ازدواج کے جواز کے متعلق دیکھئے شہنشاہ بنام لازر جلد ۳۰ مدراس صفحہ ۵۵۰ شہنشاہ بنام انتھی جلد ۳۳ مدراس صفحہ ۳۷۱۔

[3] بائی اشبائی بنام بائی ہربائی ۳۵ بمبئی ۲۶۴۔

[4] دیکھو دفعہ ۵۶۔

[5] جلد ۹ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۱۹۵ صدر کورٹ جلد ۱ صدر لینڈ پروی کونسل صفحہ ۱۔ دیسی عیسائیوں کا تعلق اس زمانے میں قانون وراثت ہندو سے ہے سامی بنام وراسامی جلد ۲ مدراس صفحہ ۲۰۹ و نیز دیکھئے سرکائیس بنام پر دسونوی ۹۵ ۲ ۲۰۹ ۔

اور ان کی نسل مخلوط تھی۔ خاندان زیر بحث کا بانی اصلی ہندو نسل کا شخص تھا اور اس کا تعلق دیسی عیسائیوں کی ایسی جماعت سے تھا جنھوں نے دیسی رواجات کو ترک نہیں کیا تھا لیکن جیسے جیسے اس نے ترقی کی اور جائداد بھی جمع کی اس نے ارمپا کے رواجات اور لباس کو اختیار کر لیا۔ اس نے مشرقی ہندی عورت سے شادی کی اور مشرقی ہندی جماعت میں داخل کر لیا جا کر اس کا رکن بنا لیا گیا۔ اس کی وفات کے بعد سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا اس کی جائداد ۷۰
کو غیر منقسمہ ہندو خاندان مشترک کی جائداد تصور کر کے اصلی ہندو قانون کا اطلاق کرنا چاہئے یا اگر نہیں۔ تو کیا اس جائداد کو ایسے رواجی قانون کا تابع سمجھنا چاہئے جو ہندو قانون کے مماثل ہو۔ یا جو یورپ کے قانون کے مثل ہو۔ سوال مقدم الذکر فوراً نامنظور کیا گیا۔ حکام عالی مقام نے فرمایا[1] "یہ سوال شراکت کا ہے وراثت کا نہیں وراثت کا تصفیہ ہندو قانون یا کسی ایسے قانون سے ہو سکتا ہے جس کا تابع مورث رہا ہوگا لیکن معاملات شراکت کا تصفیہ ہندو قانون سے ہوگا کیونکہ وہ اسی کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔ یہاں اصطلاح شراکت کو حکام عالی مقام اس معنی میں استعمال کرتے ہیں کہ اس سے وہ حقوق اور وجوہات ظاہر ہوتے ہیں جو خاندان غیر منقسمہ کی (قانونی) حیثیت سے پیدا ہوتے ہیں[2]۔ اگر ہم اس مقدمے کو بحوالہ شراکت دیکھیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندو خاندان کے اس رکن کی کیا حیثیت ہوگی جس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہو؟ حکام عالی مقام یہ رائے قایم کرتے ہیں کہ ایسا شخص فوراً خاندان سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور خاندان اس کو ذات باہر سمجھتا ہے وہ رشتہ جس کی وجہ سے خاندان مجتمع تھا اس کی حد تک نہ صرف کمزور ہو جاتا ہے بلکہ ٹوٹ جاتا ہے۔ و نیز حکام عالی مقام کی یہ رائے کہ وہ وجوبات بھی باقی نہیں رہتے جو اس رشتے کے جز و لاینفک تھے۔ شراکت کو بذریعہ تقسیم ختم کر دیا جا سکتا ہے اور علیحدگی عمل میں آتی ہے۔ علیٰ ہذا اس کا اختتام جیسا کہ حکام عالی مقام خیال فرماتے ہیں اس علیحدگی سے بھی ہونا چاہئے جو ہندو قانون کی پیدا کی ہوئی ہو اور جسے دھرم شاستر تسلیم کرتا ہو۔ لہٰذا حکام عالی مقام

---

[1] جلد ۵ مورز انڈین اپیلس صفحہ ۱۳۱ صدر کورٹ جلد ۱ صدر نیوڈ پی بی صفحہ جان لکائی اور شیبر نیلم بونی سیانول جلد ۱۵ بمبئی صفحہ ۱۸۔
[2] یعنی لفظ شراکت ان حقوق اور وجوبات کو ظاہر کرتا ہے جو خاندان مشترک کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر کوئی ہندو مذہب عیسائی میں داخل ہو جائے تو اس پر ہندو قانون کی پابندی کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ وہ اس قانون کو جس کا وہ پابند تھا چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اس نے اپنے قدیم مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ یا اگر وہ مناسب سمجھے تو باوجود ترک مذہب کے قدیم قانون کا پابند رہ سکتا ہے۔ بعد ازاں حکام عالی مقام نے عیسائی جماعتوں کے مختلف رواجات اور اس واقعے پر کہ ابراہیم فی الحقیقت ایک جماعت سے دوسری میں منتقل ہو گیا تھا غور فرما کر اپنے فیصلے کو اس طرح جاری رکھا۔ ا۔ کہ حکام عالی مقام کو اس قاعدے کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ فریقین جائداد کے متعلق نیا قانون وضع کر کے ایسے شخص کی وراثت کا تعین کرنے کے مجاز نہیں ہیں جو بلا وصیت فوت ہو جائے۔ لیکن صرف اس سوال پر اس مقدمے کا فیصلہ منحصر نہیں ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ آیا (جب جائداد کے مختلف قوانین مختلف جماعتوں سے متعلق ہوں) یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ فریقین نے جائداد کے لئے اس جماعت کا قانون اختیار کر لیا ہے جس سے وہ ملحق ہیں؟ عام ازینکہ یہ سوال وراثت بلا وصیت کے متعلق پیدا ہو یا کسی اور صورت میں۔ اس خاص مقدمے میں حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا جائداد زیر بحث ہندو قانون شراکت کی تابع تھی؟ جہاں تک کہ حکام عالی مقام معلوم کر سکتے ہیں قانون نے ایسے شخص کو جس نے مذہب عیسائی اختیار کر لیا ہو دوسری جماعت میں شریک ہونے سے منع نہیں کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تبدیل جماعت سے سلسلۂ وراثت بھی بدل جاتا ہے اور دقتیں پیش آتی ہیں لیکن یہ دقتیں ان سے کم ہیں جو تبدیل سکونت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا استدلال عدم سہولت (Argumentum ab inconvenienti) ایسی تبدیلی کے جواز کے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر فی الحقیقت ایسی تبدیلی واقع ہو جائے تو اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کو قانوناً معدوم سمجھیں۔ حکام عالی مقام کی رائے میں میاں ابراہیم قانوناً مجاز تھا کہ اپنی جماعت سے علیحدہ ہو کر زوجہ کی جماعت عیسائیوں میں شریک ہو جائے اگرچہ وہ خود لڑکپن میں اصلاً اور واقعی طور پر دیسی عیسائی تھا اور جائداد کی حد تک ہندو قوانین اور رواجات کی پیروی کر رہا تھا۔ اس کے خاندان کا انتظام اور رہنے سہنے کا

---

سلہ ۹ مور صد ۲۴۲ صد ۲۴۴ جلد اسد رلینڈ بی سی صد ۶۔

طریقہ ہر لحاظ سے ایسا ہی تھا جیسا کہ ایک مشرقی ہندی خاندان کا ہونا چاہئے۔ ایسے خاندان میں غیر منقسمہ خاندان کا اتحاد (اسی معنی میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا) ہوتا ہی نہیں ہے[1]۔ ۱۸۶۵ء کے قانون وراثت ہند کے بعد سے تمام دیسی عیسائیوں کا تعلق اسی قانون سے ہو گیا ہے۔ چنانچہ بمقدمہ ٹلس بنام سلڈھانا (جلد ۱ مدراس ۶۹) مدراس کی عالیہ عدالت نے یہ ظاہر فرمایا کہ شراکت اور حق عود دھرم شاستر کی چیزیں ہیں اور انھیں قانون وراثت نے منسوخ کر دیا بجز ان حقوق کی حد تک جو اس سے قبل حاصل ہو چکے تھے۔ البتہ بمبئی کی عالیہ عدالت نے اس کے متعلق دوسرا خیال ظاہر فرمایا ہے[2]۔ مدراس ہائیکورٹ نے فیصلہ بمبئی پر غور کرنے کے بعد اپنی پہلی رائے کو بحال رکھا[3]۔

**یورپ کے لوگوں کی ناجائز اولاد**

**ف ۶۰** - اسی اصول پر جب کہ ایک یورپین کو دو ہندو عورتوں سے غیر صحیح النسب لڑکے تھے اور وہ تمام امور میں ہندو رواجات کے تابع تھے تو یہ قرار دیا گیا کہ وہ تمام اغراض کے لئے ۷۲
ہندو سمجھے جائیں اور ہندو قانون کے تابع رہیں" وہ ہندو خاندان متحد اس معمولی معنی میں نہیں تھے جس میں کہ ہندو مصنفین نے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ یعنی ایک ایسا خاندان جس کا باپ اپنی زندگی میں منتظم تھا اور لڑکے پیدائش سے ایک خام حقیت (اگرچہ تغیر پذیر) کی وجہ سے شریک پدر۔ لیکن وہ ایک عیسائی باپ اور مختلف ہندو ماؤں کے لڑکے تھے۔ اور انھوں نے استفادہ جائداد کے لئے مثل ہندو خاندان کے اپنے لئے ایک شراکت قائم کی"[4] اور یہ تجویز

---

[1] ایک ہندو جو عیسائی ہو گیا ہو دوبارہ ہندو دھرم میں داخل ہو سکتا ہے اور اپنے کمسن بچوں کے متعلق بھی بحیثیت ان کے ولی کے یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ بھی عود کر گئے ہیں خلا ہبنیت میں رہنے کے لئے۔ دیکھئے کسم کماری بنام ستیا رنگن۔ ۳۰ کلکتہ ۹۹۹۔

[2] فرانس گھوسال بنام گیابری گھوسال ۱۳ ب صفحہ ۲۵۔

[3] کہنی چھیکن بنام لیڈیا ۱۱ مدراس لاٹائمس صفحہ ۲۳۲ سنہ ۱۹۱۲ء۔

[4] منیا بائی بنام اوتورام جلد ۸ معدن انڈین اپیلس صفحہ ۴۲۰/۴۰۰ صدر کورٹ جلد ۲ سدر لینڈ پی سی صفحہ ۴۔

فرمائی گئی۔ ان کے ان حقوق کو جن سے وہ ایک دوسرے اور ماں کے بھی وارث ہوتے ہیں ہندو قانون سے جانچنا پاہیئے کیونکہ ہندو قانون ایسے حقوق کو تسلیم کرتا ہے انگریزی قانون سے نہیں جانچا جا سکتا کیونکہ وہ ان سے انکار کرتا ہے۔[1] اس کے برخلاف اس جماعت کی ایک کثیر تعداد جنھیں مشرقی ہندی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے (اور جن کا ذکر ابراہیم بنام ابراہیم میں بھی کیا گیا) وہ ہیں جن کے باپ تو یورپ کے باشندے تھے اور جن کی مائیں دیسی عورتیں یا نیچ ذات کی عورتیں تھیں۔ چونکہ ان کے پدران نے ان کا اقبال کیا اور نگہبانی کی اس لئے ان لڑکوں نے یورپ کی طرز زندگی کو اختیار کر لیا۔ یہ لوگ جیسا کہ اس کے قبل بیان کیا گیا یورپ کے قانون کے تابع ہوں گے۔

[1] جلد ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۹۶۔

# باب چہارم

## خاندانی تعلقات

### ازدواج اور ولدیت

**خاندان کے قانون میں بے قاعدگی یا غیر منظم قانون خاندان**

۶۱۔ دھرم شاستر کا کوئی حصہ اس قدر غیر منظم اور بے ترتیب نہیں ہے ۷۳
جتنا کہ وہ جو خاندانی تعلقات سے متعلق ہے۔ نہ صرف قدیم اور موجودہ نظامِ قانون (متعلق بہ خاندان) میں عدم تسلسل ہے بلکہ قدیم نظام کے مختلف اجزا اس خصوص میں صراحتاً ایک دوسرے سے متنازع نظر آتے ہیں مثلاً وراثت کا ایک قانون ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے جو یہ فرض کرتا ہے کہ چودہ نسلوں تک مسلسل طور پر اجداد ذکور کا سلسلہ قایم کرنا ممکن ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خاندان کا دوسرا قانون ایسا ہے جس میں شادی کے اکثر مسلمہ اشکال ایسے ہیں جن کے دوسرے نام یا تو بھگا لیجانا ہو سکتے ہیں یا "زنا بالجبر" یعنی ان کو بہتر نام سے موسوم کیا گیا ہے ورنہ وہ بھگا لیجانے یا

زنا بالجبر' کرنے کے قطعی مترادف ہیں۔ اور ایسے بارہ قسم کے لڑکوں کو 'پتر' تسلیم کیا گیا ہے جن میں سے اکثر کو ان کے باپ سے کوئی فطری تعلق نہیں ہوتا۔ میں اس سے ناواقف ہوں کہ کبھی بھی ان اختلافات میں ربط پیدا کرنے کی یا ان کے اسباب بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ تاہم اس قدر کنایتہً کہا جاتا ہے کہ اس نظام کے چند خصوصیات کی وجہ وہ طریقہ تھا جس سے ایک عورت متعدد شوہروں سے تعلق رکھ سکتی تھی جس کی نسبت یہ فرض کیا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں تمام عالم میں رائج تھا[1]۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس عمل کے وجود کو ثابت کرنے پر بھی ان واقعات کی تشفی بخش وضاحت نہیں ہوتی۔ مجھے اس میں بھی شک ہے کہ آیا متعدد شوہروں سے تعلق رکھنے کا رواج[2] ان اقوام میں جو نظام زیر بحث کے تابع تھیں کبھی بھی رائج تھا اگرچہ ان کے نزاعات کے تصفیے اسی نظام قانون سے ہوتے تھے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ طریقہ ان میں رائج ہو لیکن ان کی تاریخ کے بہت ہی ابتدائی زمانے میں۔ مگر یہ واقعہ بہت ہی غیر اہم ہوگا بشرطیکہ یہ فرض کرنے کی وجہ ہو کہ اس قانون ۴۷
کے قائم ہونے سے قبل جو قدیم سنسکرت تالیفات کے وقت امور خاندانی کے لئے نافذ تھا وہ اس سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ و نیز اگر اس کی وضاحت کی جا سکے کہ وہ قانون ایسے اصولوں پر مبنی تھا جس کو اس طریقے سے کوئی سروکار نہیں تھا جس میں

---

[1] دیکھئے (studies in Ancient History) مولفہ مسٹر میک لنان جنہوں نے اپنی کتاب میں ہر مقام پر ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۷۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ و نیز انھوں نے (Fortnightly Review) میں دو مضامین اس موضوع پر دیے تھے مئی اور جون ۱۸۷۷ء Patriarchal Theory by Mac Lennan, 1885

[2] تعدد شوہران سے میرا مطلب وہ نظام ہے جس میں ایک عورت وقت واحد میں کئی شوہروں کی جائز جائداد سمجھی جاتی ہے۔ جیسا کہ ٹوڈوں میں یا جس کے تحت وہ عورت جس کی جائز شادی ایک سے ہو چکی ہو مگر جسے یہ حق حاصل دیتا ہو کہ دوسروں کو اپنے حسب منشا خود سے لطف اندوز ہونے دے ایسے اس حق سے شوہر انکار نہیں کر سکتا۔ ایک حد تک ایسا نظام نائروں میں پایا جاتا ہے۔ بعض فحش و بدکاری کی صورتیں اس میں داخل نہیں ہیں۔ میں ان صورتوں کو بھی اس سے خارج رکھتا ہوں جن میں عورت کو اجازت ہے کہ خود کو ان اشخاص کے سامنے پیش کرے جنھیں نیم دیوتا ہونے کا دعویٰ ہے جیسا کہ بمبئی کے مہاراجوں میں شادی شدہ عورتیں بھی فحش کراتی ہیں مگر مذہبی رسم کے

متعدد شوہروں سے تعلق رکھنے کو جائز سمجھا جاتا تھا تو ہماری اس رائے کو زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اس رواج کے اثر سے بچے ہوئے تھے۔ تاہم مناسب یہ ہوگا کہ اصلی واقعات کی تحقیق کر کے وجوہاتِ بحث کو واضح کیا جائے۔

**غیر آریہ اقوام میں متعدد شوہروں کا رواج۔**

**ف ۶۲۔** ہندوستان کی غیر آریہ اقوام میں یہ طریقہ پہلے بھی تھا اور اب بھی موجود ہے۔ اس واقعے کے متعلق کسی کو شک نہیں ہے۔ پہاڑی قبیلوں میں جو غالباً اصلی اقوام ہیں یہ طریقہ خصوصیت کے ساتھ عام ہے۔ لیکن صحرائی باشندوں میں بھی یہ چیز وسعت سے پھیل گئی ہے[1] نائروں میں شادی کے بعد عورت اپنے ہی گھر میں رہتی ہے اور اپنی مرضی کے موافق متعدد سے آشنائی کرتی ہے[2] اودھ کے تہیر سے بڑی جماعتیں بنا کر تقریباً بلا کسی امتیاز کے ایک ساتھ رہتے ہیں اور اگر دو اشخاص کے متعلق یہ خیال بھی ہو کہ ان کی شادی ہو گئی ہے تو یہ رشتہ محض برائے نام ہوتا ہے"[3] مدورا کے مغربی کلانوں میں "اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک عورت کے دو یا چھ یا آٹھ یا دس شوہر ہوتے ہیں۔ یہ تمام سب کے سب کسی بچے کے جو اس عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہو مشترکاً اور منفرداً باپ سمجھے جاتے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب ایسے خاندان کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنے کو دس آٹھ یا چھ باپ (جو بھی صورت ہو) کا بچہ نہیں کہتے بلکہ آٹھ اور دو کا۔ یا چھ اور دو کا۔ یا چار اور دو باپ کا بچہ کہتے ہیں اس کی وجہ معلوم نہیں ہے"[4] مدورا میں "ایک عورت قانوناً کئی مردوں سے

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بطور فحش کے یہ مخلوط اشکال بھی اس سے مستثنیٰ ہیں دیکھو ڈوبے صفحہ ۶۰۱ میانول مدراس باب ا صفحہ ۱۰۶ کوچین کے اعداد و شمار ۱۸۹۱ء تالیفات ولسن باب ا صفحہ ۲۶۳۔

[1] سیوراج لاہول اور اسپٹی پنجاب میں یہ چیز اب تک موجود ہے دیکھئے پنجاب کے رواجی قانون جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ و ۱۹۱ یہاں مشترک شوہروں کے ہمیشہ بھائی ہوتے ہیں۔

[2] دیکھئے ف ۹۹ آگے۔

[3] دیکھئے لبک صاحب کی "ابتدا انسان" صفحہ ۱۳۷ جو ۱۸۷۰ء میں چھپی تھی اس کتاب میں انھوں نے کاٹے اور دالٹن صاحبان کی کتاب "ہندوستان کے لوگ" باب ۲ صفحہ ۸۵ سے اقتباس کیا ہے۔

[4] مدورا میانول حصہ ۲ صفحہ ۳۰

پے درپے شادی کرسکتی ہے البتہ دو شوہروں سے وقت واحد میں تعلق نہیں رکھ سکتی۔
اگر آشنا اسی کے ہم ذات ہوں تو وہ بلا روک ٹوک وقت واحد میں عنایت اور محبت کا
اظہار کرسکتی ہے"۔ (۱) تبت کی طرح نیلگری کے ٹوڈوں میں بھی زوجہ تمام بھائیوں کی ۷۵
جائداد ہوتی ہے اور ان کے مکانوں میں رہتی ہے (۲) اسی قسم کا رواج تیاروں (یا ملیبار
کے اور ٹرانکور کے وہ لوگ جو کھجور کی کاشت کرتے ہیں) اور کوچین کے نیچ ذات ملیالوں
میں بھی رائج ہے (۳) ساحل ملیبار کے منجم فرقے میں یہ رواج پہلے تھا لیکن اب تقریباً
مفقود ہوگیا ہے (۴) نیلگری کے بڈاگوں (Badagas) میں خاندان کے حدود کے
اندر زناکاری پر سخت نکتہ چینی نہیں کی جاتی۔ یہ رعایت اس میں شک نہیں اسی رواج کے
باقیات میں سے ہے"۔ (۵) مسٹر چند مینن ملیبار مسایچ رپورٹ کے صفحہ ۱۳۰ پر فرماتے
ہیں "ملیبار کے بخاروں اور لوہاروں میں متعدد شوہروں سے تعلق رکھنے کا رواج مثل ایک
ادارے کے موجود ہے۔ اور اس جماعت میں ہم روز دیکھتے ہیں کہ چار یا پانچ منتخب شدہ
شوہر اس قسم کی شادی کھلم کھلا کرتے ہیں۔ اور ایسی شادی میں تمام رسوم اس فرقے کے
قاعدے کے لحاظ سے نہایت تزک و احتشام سے ادا کئے جاتے ہیں"۔ ہمالیہ کی
وادیوں میں کئی شوہروں سے شادی کرنے کا طریقہ اپنے قدیم اور نہایت ہی سادہ رنگ
میں دکھائی دیتا ہے۔ بالخصوص ان مقامات میں جہاں اطراف کے اشیائے خوردنی کم یاب ہوں
ممالک شمالی مغربی کے بیہا اور برہمن قبیلوں میں یہ چیز دکھائی دیتی ہے۔ شمالی ہند کی
وادیوں میں بھی اس رواج کے علامات چند قبیلوں میں پائے جاتے ہیں (۶) پنجاب
میں اس قسم کے ازدواج کو لر کی ایک جماعت میں رائج ہیں اور ان ہی تک محدود ہیں

(۱) مدوراسیانول حصہ ۲ صفحہ ۳۲۴ ۔
(۲) بریک صاحب کی (Primitve Tribes) صفحہ ۱۰ ۔
(۳) دیکھو مدراس کی رپورٹ اعداد و شمار صفحہ ۱۲۲ ۔
(۴) کوچین کے اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۸۰ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء باب ۱۳ صفحہ ۲۷۲ ملیبار مسیانول جلد اصفحہ ۱۴۱ ۔
(۵) اعداد و شمار ۱۸۹۱ء باب ۱۳ صفحہ ۲۴۳ ۔
(۶) ۱۸۹۱ء کی اعداد و شمار جنرل رپورٹ صفحہ ۲۵۴ ۔

وراثت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر تین یا چار بھائیوں میں ایک ہی زوجہ ہو تو بڑا بھائی بڑے بیٹے کا اور چھوٹا بھائی چھوٹے بیٹے کا و نیز اسی ترتیب سے باپ سمجھا جاتا ہے قانون کا یہ قیاس قطعی ہے اگرچہ واقعات اس کے خلاف ہوں لاہول کے جوگیوں میں بھی یہ طریقہ رائج ہے اور وہ اس طرح کہ اول زدواجی زندگی بسر کرتے ہیں اگر کوئی شخص مہمت میں داخل ہو جائے تو ایسا شخص اپنے بڑے بھائی سے ملا جلتا رہتا ہے اور یہ بڑا بھائی گھر میں رہ کر جائداد کا انتظام کرتا ہے [illegible] آسام میں یہ پیشوں کی شادی ہے لیکن معدوم نہیں چھوٹیوں میں ایک عورت کئی بھائیوں (یا دیگر قریبی رشتہ داروں) کی زوجہ کی حیثیت سے خاندان میں داخل ہوتی ہے یہ عمل تا حال جاری ہے [illegible] کے تونیاروں میں بھائی - چچا - بھتیجے اور دوسرے قرابتداروں کی زوجکان مشترکہ ہوتی ہیں - اور ان کے مذہبی پیشوا ان کی مرضی کے خلاف انھیں مجبور کرتے ہیں کہ اس رواج کو قائم رکھا جائے - خاندان کے باپردہ باعصمت [illegible] ۴ [illegible] ادنیٰ ذاتوں میں شادی سے قبل لڑکی کو اجازت دی جاتی ہے کہ [illegible] پیدا کرے غالباً یہ عمل [illegible] آسام کے [illegible] شادی نہ ہونے تک [illegible] لڑکی [illegible] پاک [illegible] اگرچنانچہ وہ اپنی مرضی کے موافق آشنائی کر سکتی ہے - لیکن ایک مرتبہ شادی ہو جانے کے بعد [illegible] سلب کر لی جاتی ہے اور زنا کاری کے لئے سخت سزا دی جاتی ہے ۵ ۔ ۷۶

| | |
|---|---|
| آریہ اقوام میں کثرتِ زوج | دفعہ ۶۳ - [illegible] کثرت زوج کی رسم بھی نہایت ہی خراب شکل میں [illegible] کو [illegible] کرنا کہ وہ مختلف خاندان دو یا زیادہ اشخاص سے [illegible] (کسی [illegible]) آریہ |

ل ۱۸۹۱ء کی اعداد و شمار پنجاب رپورٹ صفحہ ۲۲۴ ـ
۲ ۱۸۹۱ء کی اعداد و شمار آسام رپورٹ صفحہ ۱۱۹ ـ
۳ ڈیلے صاحب کی جلدہ امیانول رپورٹ حصہ دوسرا صفحہ ۸۲
۴ سوتھ کنار امیانول جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ صفحہ ۱۸
۵ ۱۸۹۱ء کی اعداد و شمار آسام رپورٹ صفحہ ۱۱۰ ۔

ہندوؤں میں عام ہوسکتی تھی ۔ مسٹر میاکلن بیان فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے مغربی ساحل میں (ان قبیلوں کے مابین جو کثرتِ زوج کے طریقے پر عمل کرتے ہیں) قرابت داری اناث کے ذریعے ہوتی ہے لہذا اگر آریہ ہندو بھی اس کو جائز رکھتے تو ان میں بھی قرابتداری بذریعۂ اناث کا طریقہ لازماً پیدا ہوتا ۔[۱] آسام کے چند قبیلوں میں (کھسی اور گارو) (Khasis and Garos) وراثت عورتوں کے ذریعے سے ہوتی ہے ۔ ہر قبیلے کے کئی کئی خاندان ہوتے ہیں ۔ خاندان میں شادی نہیں کی جاسکتی ۔ اکثر صورتوں میں بچے اپنے باپ کے خاندان میں داخل ہوتے ہیں ۔ لیکن مذکورالصدر قبیلوں کے لوگ ان کے خاندان میں شریک ہوتے ہیں ۔ ماں اپنے لوگوں میں رہتی ہے نہ کہ شوہر کے خاندان میں ۔[۲] اس طریقے کو کثرت زوج کے نظام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اس کا رواج صرف بھوٹیوں (Bhutias) میں دکھائی دیتا ہے ۔[۳] آریہ ہندوؤں کے رواجات کی نہایت ہی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرابت بذریعۂ ذکور کی سخت پابندی کرتے ہیں یہ قاعدہ ان کے مذہبی نظام سے وابستہ ہے اگرچہ کہ اس پر مبنی نہ ہوا ہو ۔ ان کے مذہبی نظام کا پہلا اصول یہ تھا کہ بعید سے بعید مورث ذکور ہی کی پرستش کی جانی چاہئے ۔[۴] اس خیال سے لازماً اس قیاس کو تقویت ہوتی کہ ان اجداد کی نہایت یقین سے شناخت ہوسکتی ہے ۔ اسلاف اناث کی پرستش صرف ان کے شوہران فوت شدہ کے ساتھ کی جاتی تھی ۔ ہم کو اس کا بالکل یقین ہوسکتا ہے کہ یہ نظام نہایت ہی قدیم تھا کیونکہ یونانیوں اور روم کے لوگوں میں بالکل اسی قسم کا طریقہ عمل ۷۷

---

[۱] اسٹڈیس ان اینشنٹ ہسٹری Studies in Ancient History صفحہ ۱۲۴/۱۲۵ ۔ مسٹر میل بیچ ۔ مارکن نے مسٹر میاکلین کے اس نظریے پر اعتراض کیا ہے لیکن یہ اعتراض اس وقت متعلق ہوتا ہوا نظر نہیں آتا جب کہ اس کو محدود طریقے سے استعمال کیا جائے ۔

[۲] ۱۸۹۱ء اعداد و شمار آسام رپورٹ صفحہ ۱۱۹/۱۲۲ ۔

[۳] ۱۸۹۱ء اعداد و شمار آسام رپورٹ صفحہ ۱۱۹ ۔

[۴] منو ۲۰۳ تا ۹۱ و ۱۲۲ تا ۱۲۵ ۔ ۹ ، ۱۹۳ تا ۲۳ ۔ و ۲۸۲ تا ۲۸۴ اسپنسر کی سوشیالوجی Sociology باب ۱ صفحہ ۳۰۴ ۔ ضمیمہ ا لٹریچر قدیم سنسکرت صفحہ ۳۰۶ ۔ انڈین ورزڈم صفحہ ۲۵ ۔

دکھائی دیتا ہے ۔ یہ لوگ بھی اپنے مرے ہوئے قرابتداروں کے مذہبی رسومات
ادا کرتے تھے [1] ہم یقین سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان تینوں اقوام کا ( یونانیوں ۔
ہندوؤں اور رومیوں ) ایک ایسا رواج جو ان میں عام ہے ان اقوام کے ابتدائی
بانی میں بھی بہ زمانۂ سابق موجود تھا ۔ ( یہ تینوں اقوام ایک ہی نسل سے ہیں ) اس میں
شک نہیں کہ مسٹر میاکلین ایسے متعدد واقعات کا ذکر کرتے ہیں جس سے یونانیوں
میں قرابت بذریعۂ اناث کا پتا چلتا ہے ( بالخصوص تحقیقات مقدمۂ اوریسٹیس
Trial of Orestes میں ) لیکن ان واقعات کی جو صدائیں ہم تک پہنچی ہیں ان کو
قانونِ موجودہ کی آوازیں نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اس قانون کی صداؤں کی بازگشت جو
کبھی رائج تھا اور اب مفقود ہے [2] میں اس سے کسی طرح انکار نہیں کرتا کہ دوسری
قسم کا طریقہ کثرت زوج ( یعنی جو تبت میں رائج تھا ) آریہ ہندوؤں میں رائج تھا ۔
میرے خیال میں وہ طریقہ اس ابتدائی زمانے میں جس کی ہمارے پاس شہادت موجود
ہے بہت ہی شاذ ہو چکا ہے ۔ اور ان مقامات میں بھی پوری طور سے مذموم ہو چکا تھا
جہاں کہ وہ موجود تھا ۔ نیز قدیم دھرم شاستر کی ہر چیز کو اس کے حوالے کے بغیر واضح
کیا جا سکتا ہے ۔

**کثرت زوج کا رواج اور اس کی شہادت**

**۶۴** بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس موضوع پر واقعی شہادت کیا ہے ؛ جہاں تک میں واقف ہوں رگ وید کا وہ بھجن جو دو آسونوں Asvins کی مدح میں ہے سب سے قدیم چیز ہے جس سے کثرت زوج کے رواج کا پتا چلتا ہے

---

[1] دیکھو La cite Antique مولفۂ De Coulanges

[2] دیکھو Teulon کی La Mere صٹ ۔ آریائی اور سامی (Semilie) فانختین کے تحت مسٹر ڈکسٹین M. d' Eckstein) کے دلچسپ الفاظ میں ایک علم دوست انسان اکثر خود کو بنی نوع انسان کے اس گہوارے میں پاتا ہے جس میں دوسری نسلیں بھی زندگی گذار چکی ہیں اور ایسے قوانین کی تعمیل کرتی رہی ہیں جو عام طور سے رہے ہوں تو کم از کم بے حد وسعت رکھتے تھے ۔ ان کے تمدن مادری حق پر مبنی رہے ہیں ۔ نیز دیکھو ایضاً صٹا
جہاں کہیں آریہ مقیم ہوئے انھوں نے ایسے خاندان رائج کئے جو حق پدری کے تحت عامل تھے ۔"

اے آسو تو تمہارے نہایت خوبصورت گھوڑوں نے اس گاڑی کو سنبھالا جس کو تم نے عزت کی خاطر آراستہ کیا تھا کہ منزل تک پہنچے۔ اور وہ لڑکی جو تمہارا انعام تھی تمہارے پاس فرط محبت سے آئی۔ اور تمہارے شوہرپن کا یہ کہتے ہوئے اقبال کیا کہ تم ہمارے مالک ہو[1]

ظاہر ہے کہ اس سے رواج سیوسمورا سویمور (Svayamvara) کی شہادت فراہم ہوتی ہے۔ رسم یہ تھی کہ جب دو اشخاص لڑتے تھے تو ایک او نچے درجے کی دوشیزہ اپنے کو فاتح کا انعام قرار دیتی تھی اور ایسی صورت میں وہ متعدد لوگوں کی (جو اس سے ملوث ہونا چاہتے تھے) وقت واحد میں زوجہ بن جاتی تھی۔ دروپدی کا مشہور واقعہ لفظاً بہ لفظاً اس کے مطابق مہابھارت کے بیان کے لحاظ سے دروپدی کو پانچ پنڈوی شہزادوں میں سے ایک نے تیراندازی کے مقابلے میں جیت لیا تھا اور بعد میں وہ پانچوں کی بیوی بن گئی۔ میرے معلومات کی حد تک صرف یہی ایک واقعہ ہے جس میں ایک آریہ ہند وعورت کا کئی مردوں کی جائز اور مستقل بیوی ہونا نقل کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں جیسا کہ پروفیسر میاکس ملر بیان فرماتے ہیں[2] کہ یہ روایت بہت ایسی قوی ہوگئی کہ مصنفین نے باوجود اس کے کہ وہ برہمنی قانون کے خلاف تھی نقل کی۔ تاہم اس واقعے کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاملہ عوام کی رائے کے خلاف تھا۔ اور اس کو تسلیم کرنے کی وجہ نہایت ہی بعید روایت تھی نہ کہ موجودہ رواج چنانچہ میں مسٹر میکلین کے اس بیان کو یہاں نقل کرتا ہوں جو انھوں نے اس واقعے کے متعلق دیا ہے[3] "مولفین مہابھارت نے یہ بیان کیا ہے کہ دروپدی کے باپ کو شہزادگان کی اس تحریک پر کہ وہ اس کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں سخت حیرت و تعجب ہوا اس سے یہ کہلوایا جاتا ہے کہ تم جو قانون جانتے ہو نہیں چاہیے کہ ایسے ناجائز فعل کا ارتکاب کرو جو رواج اور وید کے خلاف ہے، جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اے بادشاہ قانون میں نزاکتیں ہیں۔ ہم اس کے راستوں سے واقف نہیں ہیں۔

دروپدی

---

[1] ویلیز نے تاریخ ہند صفحہ ۲۰۵ پر ذکر کیا ہے۔

[2] قدیم ادب سنسکرت صفحہ ۴۶۔

[3] Review مئی ۱۸۶۸ء صفحہ ۵۹۹۔

ہم اس راستے پر چلتے ہیں جس پر ہمارے اجداد نسلاً بعد نسل چلتے رہے ہیں" اس کے بعد ان کا ایک شاہزادہ گزشتہ کا ایک واقعہ پیش کرتا ہے۔ ایک قدیم روایت میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ بابتلاؤ گوتم کے خاندان کی وہ عورت جو بہ لحاظ اپنے اخلاق کے بے نظیر تھی) سات مرشدوں کے ساتھ رہتی تھی۔ اور رشی کی لڑکی ورکشی دس بھائیوں سے ہم بستر ہوئی تھی۔ اور یہ سب پراچتیش کہلاتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ ان کی ارواح توبہ کی وجہ سے پاک ہو گئی تھیں"۔ اب اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیش کردہ موروثی رواج معدوم ہو گیا تھا۔ وہ مخصوص واقعات جن پر استدلال کیا جا سکتا ہے یقیناً شادی سے متعلق نہ تھے بلکہ رشیوں کی نسل پر وری کے۔ رشیوں کو ایک طرح سے اس کی اجازت تھی کیونکہ وہ ازدواجی زندگی میں نہیں داخل ہو سکتے تھے اور بہ لحاظ روحانی بزرگی کے گناہ کا ارتکاب بھی ناممکن تھا[1] و نیز یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پنڈو کے شہزادے چھتری تھے چھتریوں کو عورتوں کے معاملات میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ آزادی حاصل ہے و نیز ان کے لئے خراب سے خراب شکل ازدواج بھی جائز تھی[2] لہٰذا جب انھوں نے قدیم اقوام کو فتح کیا اور ان میں اس طریقے کو رائج دیکھا تو فاتحین نے بھی نطرةً ان کی نقل کی بالکل اسی طرح جس طرح کہ انگریزی نائٹ پیل Pale کے اس طرف سکونت اختیار کرنے میں (Hibernis Hiberniores) بنا ہو گئے۔ اس کے برخلاف رامائن کی عبارت ذیل غور طلب ہے[3]۔ راکش دیکھتا ہے کہ راما اور اس کا بھائی سیتا زوجۂ راما کے ساتھ پھر رہے ہیں اس پر دیوزاد راکش کو غصہ آتا ہے اور وہ ان کو ایسے الفاظ میں مخاطب کرتا ہے جس سے اس کی حمیت اور غیرت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "اے چھوٹے قد والو تم کس لئے جوگیوں کے

---

[1] دیکھو اپستمبا باب ۲ فصل ۶ صہ ۱۳ فقرات ۸/۱۰ اور آگے ۲۵۔

[2] منو باب ۳ دفعہ ۲۶۔

[3] اس عبارت کو ویلر نے اپنی تاریخ ہندوستان کی جلد دوم صہ ۲۴۱ پر بیان کیا ہے مسٹر مری ین منڈلک صہ ۳۹ پر کہتے ہیں کہ اصلی عبارت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ دیوزاد نے بھائیوں کو مشترکہ زوجہ رکھنے پر مطعون کیا۔

لباس میں تیر و کمان و شمشیر سے مسلح ہو کر اپنی زوجہ کے ساتھ صحرائے وید کا میں آئے ہو تم دونوں جوگی ایک عورت کے ساتھ کیوں بسر کرتے ہو؟ اے بدکار اور عیاش لوگو تم کس لئے پرہیز گار حکماء کو تباہ و برباد کر رہے ہو؟ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ دیوزاد کو کثرت زوج کی رسم سے ایسی ہی نفرت تھی جیسے کہ دروپدی کے باپ کو۔

**ازدواجی رشتے کی کمزوری**

**۶۵۵**۔ مہابھارت کی دیگر عبارات سے جن کا حوالہ دیا جاتا ہے کثرت زوج کے رواج کا زیادہ پتا نہیں چلتا البتہ اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے کہ زن و مرد کے تعلقات میں نہ صرف بہت زیادہ خامیاں تھیں بلکہ عصمت اور عفت کا عنصر معدوم تھا۔ یہ کہا جاتا ہے "کہ سابق میں عورتیں مطلق العنان تھیں اور آزادی سے جہاں چاہے جا سکتی تھیں اگرچہ وہ ایک طفلانہ حرکت سے اپنے شوہروں کو چھوڑ دیا کرتی تھیں۔ لیکن پھر بھی ان پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہوتا تھا کیونکہ ابتدائی زمانے میں قاعدہ یہی تھا۔ اس زمانے میں بھی یہ قدیم رواج ان لوگوں کے لئے قانون ہے جو مثل معمولی حیوانات اور درندوں کے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ حیوانات کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ غصے اور شہوت سے مبرا ہوتے ہیں۔ اس رواج کی تائید کے لئے سند موجود ہے اور بڑے رشیوں نے اس پر عمل کیا ہے۔ چنانچہ شمالی کوروس میں تاحال یہ عمل باقی ہے" ڈاکٹر میور اس میں اس طرح اضافہ کرتے ہیں کہ "اس طرح کے عمل کو بہرحال سوئی تیکیتو (Svetaketu) نے موقوف کیا۔ سوئی تیکیتو کو ایک موقع پر جب کہ ایک برہمن اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر لے جا رہا تھا اور یہ خواہش ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے بہت غصہ آیا۔ اگرچہ اس کا باپ جس کے روبرو یہ واقعہ پیش آیا کہہ رہا تھا کہ اس کو غصے میں آنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ وہ رواج ایسے زمانے سے رائج تھا جس کی یاد اب تازہ نہیں ہے۔ لیکن سوئی تیکیتو اس عمل کو روا نہ رکھ سکا اور موجودہ قاعدہ وضع کیا۔ یہ کہ اگر زوجہ اور شوہر غیر سے اختلاط کی باتوں میں مشغول ہوں تو وہ اس وقت سے گناہ کے مرتکب ہونگے[1]

---

[1] میور۔ اے۔ یس۔ ٹی باب ۲۔ صفحہ ۴۵۸ اشاعت دوم۔ مسٹر میالکوس نے پہلی عبارت کو صفحہ ۱۷۳ دوسری عبارت بھی مہابھارت سے لکھی گئی ہے جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۳۹۲/۳۹۴۔

پنجاب کے گندھر برہمنوں سے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ" وہ اپنی بہنوں اور بہوؤں کی عصمت خراب کرتے ہیں اور اپنی بیویوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور دوسری چیزوں کی طرح ان کو رقم کے عوض کرایہ پر دیتے ہیں اور بیع بھی کرتے ہیں چونکہ ان کی بیبیاں غیروں کو دی جاتی ہیں اس لئے وہ سب شرم بھی ہوتی ہیں" یہ چیز خلاف امید نہیں ہے[1] بالکل اسی طرح جنوبی ہند کے کرآور لوگ روپیہ حاصل کرنے کے لئے اپنی زوجہ اور لڑکیوں کو بیع اور رہن کرتے ہیں اگرچہ ان میں کثرت زوج کا رواج نہیں ہے[2] بیشک جب سوسائٹی کی یہ حالت ہو تو عصمت اور عفت قطعی معدوم ہوگی۔ لیکن ان ہی عبارتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک زوجہ ایک ہی شوہر (کے تصرف میں) رہتی تھی اگرچہ شوہر کی خوشی سے اس کو حد درجہ آزادی حاصل ہوتی تھی[3]۔

**خاندان کے متعلق قدیم قانون**

**ف ۶۶** جب ہم کتب قانونی کو دیکھتے ہیں کہ تو اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ کوئی عورت وقت واحد میں ایک سے زیادہ تعلق نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بنوت اور ازدواج کو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ لڑکا اپنے باپ ہی سے پیدا ہوا ہو اور نہ یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے باپ کی زوجہ کے بطن سے ہو۔ خاندان کی اندرونی کیفیت کہ خود شجرۂ نسب بیکار ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ اور جائداد کا یہ نظام کہ جب تک نہایت سختی سے تعین نسب نہ ہو کوئی شخص اس کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ بہ الفاظ دیگر پورا نظام جائداد تعین نسب پر مبنی ہے۔ بحث یہ ہے کہ ان دونوں کی کس طرح تطبیق کی جائے

**فرزندی کے اصل**

میری رائے میں جواب محض یہ ہے کہ ہندو قانون میں لڑکا ہمیشہ مرد سے

---

[1] میور صاحب باب ۲ ص ۴۰۲ ص ۴۰۳ ۔

[2] مدراس کے اعداد و شمار کی رپورٹ ص ۱۶۷ ۔

[3] ڈاکٹر میور کی اس عبارت کے متعلق مسٹر ڈی۔ بن منڈلک کہتے ہیں کہ" اس پورے باب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کردس اس زمانے میں ایسے تھے جیسے کہ اب نائر ملیبار میں یعنی ایک آدمی کو اپنے باپ کا علم نہ تھا لیکن وہ اس کا اعتراف کرتے کہ یہ اور دوسری عبارتیں ایسے زمانے کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو ویدوں کے جمع ہونے کے قبل کا تھا کیونکہ قدیم ترین ویدوں میں بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی کا آئین اچھی طرح قائم ہو گیا تھا" ۲۹۷/۲۹۵۔

منسوب کیا جاتا تھا اور ہاں کا قانونی ایک مرد تھا۔ علاوہ ازیں دھرم شاستر کے لحاظ سے تعلق ولدیت کو وہ شخص منتقل کر سکتا ہے جس کے زیر حکومت لڑکا تھا یا خود لڑکا آزاد ہونے کے بعد اس کام کو کر سکتا ہے اگر میں اپنی اس رائے میں حق پر ہوں تو یہ نظریہ کہ لیورٹ (یہودیوں اور دیگر اقوام کی یہ رسم کہ متوفی کا بھائی یا دوسرا قرابتدار اس کی بیوہ سے شادی کرے، فی الحقیقت تعدد شوہران کی رسم کے باقیات سے ہے بے بنیاد ہو جائے گا۔

**بیٹوں کے مختلف اقسام**

ف ۶۷۔ مختلف اقسام کے بیٹے جنھیں قدیم مصنفین نے تسلیم کیا ہے حسب ذیل ہیں، — صحیح النسب لڑکا (اوراس Aurasa) مامور شدہ لڑکی کا لڑکا (پتری کا پتر) وہ لڑکا جو زوجہ سے جنا گیا ہو (کشتراج (kshetraja) لڑکا جو خفیہ طور سے پیدا ہوا ہو (گدہاج Gudhaja) کنواری عورت کا لڑکا (کنینا Kanina) حاملہ دلہن کا لڑکا (سہودھا Sahodha) ایسی عورت کا لڑکا جس کی دو مرتبہ شادی ہوئی ہو (پونربھاوا Paunarbhava) شودر عورت کا لڑکا (نشادا Nishada) یا جو رنڈی سے ہو (پرساوا Parasava) متبنیٰ لڑکا (دتکا Dattaka) لڑکا جو بنایا گیا ہو (کرتریم Kritrima) لڑکا جو خریدا گیا ہو (کرتیاک Kritaka) خارج کیا ہوا لڑکا یعنی جسے اس کے والدین نے چھوڑ دیا ہو (اپاودھا apaviddha) وہ لڑکا جو خود اپنے کو دوسرے کا بیٹا بنائے (سوائم دتکا Svayamdattaka) [۱] ان میں سے فوراً یہ دیکھا جائے گا کہ آخری پانچ فی الواقعی اپنے باپ کے بیٹے نہیں ہو سکتے اور بقیہ میں سے صرف پہلا اور آخری دو ہو سکتے ہیں۔ باقی سات میں سے کچھ تو ضرورۃً اور دوسرے غالباً ہرگز اسکے پیدا کئے ہوئے نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں ان میں سے اکثر اس کی زوجہ کے بطن سے بھی نہیں ہوتے ہیں۔ لہذا حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ کس طرح بیٹے سمجھے جانے لگے؟

---

[۱] بودھاین (باب ۲ فقرات ۱۴ (۳۰) گوتم باب ۲۸ فقرات ۳۲ اور ۳۳۔ وشسٹ باب ۱۷ ف ۱۲ تا ۳۹۔ وشنو باب ۱۵ ف ۱ تا ۲۷ نارد باب ۱۳ ف ۱۷ تا ۲۰ و ۴۵ تا ۴۷ منو باب ۹ ف ۱۲۷ تا ۱۴۰ و ۱۸۵ تا ۱۸۴۔ دیولا جلد ۳ ڈائجسٹ ص ۱۵۳ یاما۔ دیولا ص ۱۵۴ یاگنولکیا باب ۲ ف ۱۲۰ تا ۱۳۲۔ ساکشرا باب ۱ قدیم مصنفین میں اپستمبا ہی ایک ایسا ہے جو صرف صحیح النسب لڑکے کو تسلیم کرتا ہے باب ۲ فصل ۱۳۶ ف ۱ تا ۱۱۔

اس کا جواب اسی وقت تشفی بخش ہوگا جب کہ ہم یہ دریافت کریں کہ ہندوؤں میں (Paternity) کا کیا تصور ہے۔

**لڑکوں کی ضرورت**

**ف ۶۸** ۔ موجودہ زمانے میں متمول اشخاص کے لئے بچے ذریعۂ عیش و عشرت ہیں۔ اور غربا کے لئے ایک بوجھ۔ ازمنۂ قدیم میں اناث اولاد کی حیثیت وہی تھی لیکن اولاد ذکور کی بہت زیادہ قدر کی جاتی تھی ہر قبیلے کا وجود بالخصوص جب کہ اطراف میں دشمن ہوں اس کے ذکور کے توالد نسل پر منحصر رہیگا وہ شخص جس کو لڑکا نہ ہو غیر محفوظ ہے علالت اور ضعیفی میں اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ اور جب وہ اراضیات کی کاشت کے ناقابل ہو جاتا ہے تو اس کے اراضیات پر دوسرے قبضہ کر لیتے ہیں۔ آریوں میں بیٹے کا وجود نہ صرف اس دنیا میں ضروری سمجھا جاتا تھا بلکہ اس دنیا کے بعد بھی۔ اس کی خوشی دوسری دنیا میں اس پر منحصر سمجھی جاتی ہے کہ اس کا سلسلۂ اخلاف ذکور جاری رہے۔ تاکہ متوفی کی روح کو آرام پہنچانے کی غرض سے وقتاً فوقتاً چڑھاوے دیتے رہیں۔ اسی وجہ سے حکمائے سنسکرت کی تالیفات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس کے اولاد ذکور ہوں۔ اور ان تالیفات میں اس شخص پر نفرین ظاہر کی گئی ہے جو بلا بیٹے کے مرجائے[1] لہٰذا جب بیٹے کا ہونا اس قدر ناگزیر ہو ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ بیٹا حاصل کرنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کی جائے گی جو کچھ اس کے قبل تعلقات زن و مرد کے متعلق کہا گیا ہے اس سے اس کا یقین ہو جانے گا کہ اس تعلق کے پیدا کرنے میں کسی قسم کے جذبات کو دخل نہیں ہے۔

**ہندوؤں میں نظریۂ (ابوت)**

**ف ۶۹** ۔ بچے کی ملکیت کے متعلق منو میں اکثر مقامات پر بحث کی گئی ہے وہ کہتے ہیں " وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی مراد اولاد مالک کا لڑکا ہے۔ لیکن اس مالک کے موضوع پر وید میں اختلاف رائے کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ لقب اس کو دیتے ہیں جو فی الحقیقت اس بچے کا نگہبان ہو۔ اور دوسرے اشخاص اس کو مالک کہتے ہیں جو اس کی ماں کا زدواجی تعلق کی وجہ سے

[1] گوتس باب ۱۸ و آپاسٹمبا باب ۱۵ سے ۱۶ منو باب ۹ فقرات ۳۶ اور ۳۷ یا باب ۹ فقرہ ۴۵ ۔

قابض ہو" وہ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح دوسرے کی زمین میں بیج بونے سے اس کی پیداوار ہماری نہیں ہوتی۔ یا جس طرح ہماری گائے یا بھینس کا دوسرے کے بیل سے حاملہ ہونا اس دوسرے کو بچھڑے کا مستحق نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر عورت دوسرے سے حاملہ ہو تو جو بچہ ہوگا وہ ہمارا ہوگا۔ چنانچہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ "اسی طرح وہ لوگ جنھیں عورتوں پر ازدواجی ملکیت نہ ہو اور ان کھیتوں میں تخم ریزی کریں جو دوسروں کی ملک ہیں تو وہ شوہروں کے لئے پھل پیدا کرتے ہیں لیکن خود ان پھلوں کا پیدا کرنے والا ان سے مستفید نہیں ہوسکتا۔ بجز اس کے کہ مالکان تخم اور مالکان اراضیات میں خاص طور پر معاہدہ ہوا ہو۔ پھل مالک اراضی کا ہوگا کیونکہ جو چیز اس تخم کو اپنے میں لیتی ہے خود تخم سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن مالکان تخم اور اراضی اس دنیا میں اس کاشت کے مشترک مالک سمجھے جاسکتے ہیں بشرطیکہ بعوض تخم کے بطور خاص یہ معاہدہ ہوا ہو کہ وہ اس فصل کو آپس میں تقسیم کرلیں گے"۔ [1] یہ اختلافات غالباً اصلی احکام میں جن کا ذکر قدیم مولفین سوتر نے کیا ہے [2] چنانچہ وید کی ایک عبارت جس کا اقتباس کیا گیا ہے یہ ہے کہ ایک شوہر نے نہایت سادگی اور صفائی سے یہ کہا کہ وہ آیندہ اس کی اجازت نہیں دے گا کہ کوئی شخص اس کی زوجہ تک آسکے۔ کیونکہ اس کو یہ رائے دی گئی ہے کہ "یاما کی دنیا میں لڑکا اس کا ہوتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہو"۔ اس دنیا میں اس امر کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں ہے کہ وہ لڑکے جو دوسروں نے اس کی بیوی سے جنائے ہوں اسی کے ہوں گے۔

**نیوگ کی ابتداء** ف ک۔ اصول دھرم شاستر کے لحاظ سے ہر لڑکا اپنے ماں کے شوہر کی جائداد ہے عام ازینکہ صلب کسی اور کا ہو۔ اسی وجہ سے کشت راج (یعنی وہ لڑکا جو زوجہ سے جنایا گیا ہو) کا مرتبہ ذیلی لڑکوں کی فہرست میں اس قدر اعلیٰ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ مہابھارت اور وشنو پران میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ راجہ ساوڈس (Saudasa) نے کس طرح دشت کو اس پر راضی کیا کہ وہ اس کی زوجہ دمایانتی (Damayanti) سے بیٹا پیدا کرادے کیونکہ بادشاہ مذکور لاولد تھا

[1] منو باب ۹ ۳۲/۴۲ دفعات ۴۸ تا ۵۵ اور ۱۸۱ باب ۱ دفعہ ۔ نارد باب ۱۲ دفعہ ۵۸ تا ۶۰ وسشت صد ۱۰۳ دفعہ ۔

[2] اپستمبا ۱۳/۶/۲ اور نوٹ بودھاین ۲، ۲، ۲ دفعہ ۲۵ ۔ وشسٹ باب ۱۷ دفعہ ۶/۷ گوتم باب ۱۸ دفعہ ۔

علیٰ ہذا راجہ کلنگ بوڑھے رشی درگھاتماس Dirghatamas سے یہ استدعا کرتا ہے کہ اس کے لئے لڑکا پیدا کرا دے۔ اور پانڈو نے سنیاسی ہونے کے بعد اپنی بیوی کے ان لڑکوں کو جو اس نے غیروں سے جنے تھے اپنے لڑکے تسلیم کر لیے۔ ججابھارت کی اسی عبارت میں (جس میں اس کا ذکر ہے کہ کس طرح سویتکیتو (Svetaketu) نے زوج اور زوجہ کے ناموزوں اور نامناسب تعلقات کو ختم کیا) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر شوہر زوجہ کو دوسرے سے تعلقات پیدا کر کے اس کے لئے تخم پیدا کرنے کے لئے حکم دے اور زوجہ اس حکم کی تعمیل سے انکار کرے تو ہندو دھرم کے لحاظ سے وہ گناہ کی مرتکب سمجھی جائے گی[1] چنانچہ کتب قانونی میں اس کی اجازت صراحتًہ دی ہوئی ہے کہ اگر شوہر عنین ہو یا مخبوط الحواس یا لاعلاج مرض میں مبتلا ہو تو ایسے شخص کی زوجہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے بچہ پیدا کرایا جا سکتا ہے۔ اور وہ لڑکا جو اس طرح پیدا کرایا گیا ہو اس کا سمجھا جائے گا جو کسی نہ کسی وجہ سے معذور تھا[2] اس کا کہیں نہ ذکر ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی اشارہ ہے کہ ایسا شخص جو شوہر کے حین حیات بچہ پیدا کرانے کے لئے مامور کیا جائے اس کا قریبی یا کسی قسم کا رشتہ دار ہو[3] حقیقت امر تو یہ ہے کہ (مذکورالصدر صورتوں میں) جو شخص بچہ پیدا کرانے کے لئے بلایا جاتا تھا ہم ذات بھی نہیں ہوتا تھا جیسا کہ ہم گوتر مثلاً زوجہ کا مالک چھتری اور اس کا مددگار برہمن۔

اولاد جو بیوہ سے پیدا کرائی جائے | (ف) ایسے شخص کی بیوہ سے جو لاولد فوت ہوا ہو

[1] میور صاحب قدیم سنسکرت باب ۳ ۱۸ ۔ ۴۱۹ ۔ ولسن ورکس با ۳ ۲۱۰ ۔ میاکس ملر قدیم سنسکرت صد ۵۶ ۳ ڈائجسٹ صد ۲۵۲ ۔

[2] بودھاین باب ۲ ف ۱۱ ۔ منو باب ۹ فقرات ۱۶۲ ، ۱۶۷ و ۲۰۳ فقرہ ۱۶۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو اپنا پیدا کیا ہوا بچہ اور دوسرے کا پیدا کیا ہوا بچہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

[3] اپستمبا نیوگ کا سخت مخالف ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ شوہر کو نہ چاہئے کہ وہ اپنی زوجہ کو سوائے اپنے کسی اور کے حوالے کر کے خود کے لئے بچہ جنوائے۔ غالباً اس حکم کا تعلق اس اجازت سے ہے جو شوہر کے مرنے کے بعد بچہ جننے کے لئے دی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ محض پرانے رواج کی پابندی ہے

بچے پیدا کرنے کا طریقہ اس میں شک نہیں اسی رواج سے تعلق رکھتا ہے جس پر ابھی ابھی بحث کی گئی ہے[1]۔ کہ صورت موخر الذکر میں پہلے پہل ایک مفروضۂ قانونی داخل کیا گیا مقدم الذکر صورت میں شوہر کسی فرضی نسب کی وجہ سے باپ نہیں بنا بلکہ اس کے باپ بننے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بچے کی ماں کا مالک تھا۔ لیکن اس کی یہ مالکانہ حیثیت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی تھی بجز اس کے کہ کسی دوسرے مفروضے کے تحت وہ مرنے کے بعد بھی اس عورت کا مالک باقی رکھا جاتا[2]۔ لہذا (بجز اس کے کہ شوہر نے اپنی زندگی کے زمانے میں بہ صراحت ہدایات دیے ہوں) بیوہ سے بچہ پیدا کرانے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے جو اس کے فعل کے قریب قریب مشابہ ہو (یعنی ایسا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے)۔ جس سے ظاہر ہو کہ گویا خود اس نے بچہ پیدا کرایا ہے یا اگر اس کی جانب سے بچہ پیدا کرنے کا کام انجام دیا جا رہا ہو تو وہ طریقہ ایسا نہ ہونا چاہئے جو وہ خود پسند نہ کرتا۔ بنا بریں اس قسم کے تعلق پیدا کرانے کی یا کرنے کی اس وقت اجازت نہیں ہوتی تھی جب کہ بیوہ کو پہلے سے اولاد ہوتی تھی۔ اور نہ اس کی اجازت تھی کہ ایک سے زیادہ بچہ پیدا کرایا جائے۔ اگرچہ کسی وقت ایک سے زیادہ بچہ پیدا کرانے کے فعل کو قانوناً جائز سمجھا جاتا تھا[3]۔ بیوہ کو اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ من مانے ہر کسی سے تعلقات پیدا کرے۔ محض اپنی خواہش سے وہ ایسا کرنے کی مجاز نہ تھی۔ بچہ پیدا کرنے والا اولاً تو بھائی ہوتا تھا۔ بھائی نہ ہونے کی صورت میں نزدیک کا سپنڈ اس کام کو انجام دے سکتا تھا[4]۔ ان قیود کے دو وجوہ تھے ایک تو یہ کہ

---

[1] مسٹر میانکیس نے جس لیویرٹ کا حوالہ دیا ہے وہ یہی ہے مورث ریویو ۱۸۸۲ء دوسرے کی زوجہ سے بچہ جنانے کا عام رواج نیوگ کے نام سے موسوم تھا اور لیویرٹ اسی کی ایک خاص صورت ہے۔

[2] منو باب ۹ ف ۴۵۔ واسسٹی جلد ۳ ڈائجسٹ ۴۵۸۔

[3] منو باب ۹ ف ۵۸ تا ۶۳ فقرات ۱۴۳ تا ۱۴۷۔ نارد باب ۱۲ ف ۶۲ ف ۸۰ تا ۸۸۔ یاجنولکیہ جلد ۲ ڈائجسٹ ۴۴۸۔

[4] گوتم باب ۱۸ ف ۴ تا ۸۔ باب ۲ ف ۲۳۔ منو باب ۹ ف ۵۹۔ نارد باب ۱۲ ف ۸۰ تا ۸۸۔ یاگنولکیا باب ۲ ف ۱۲۸ منو نے بھائی یا کسی اور کی اجازت دی ہے۔ یاگنولکیا اولاً قرابتدار کی اجازت دیتا ہے اس کے بعد کسی دوسرے کی۔ کلوک بھٹ اپنی شرح میں الفاظ "یا کسی اور" کو سپنڈوں تک محدود کرتا ہے۔

مفروضہ نسب کو زیادہ اہمیت ہو۔ یا شاید اس کی غرض یہ ہو کہ بیوہ کو کوئی خاص ذاتی جذبات اور احساسات پیدا نہ ہوں۔ و بغیر کسی نہ کسی طرح کی اجازت ضروری تھی اگرچہ اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ کون اجازت دے سکتا تھا۔ مہابھارت کا ایک قصہ یہ ہے کہ دیاس نے اپنے بھائی کی دونوں بیواؤں سے متوفی کی ماں ستیاوتی کی استدعا پر بچے پیدا کرائے[۱] گوتم بہ اصرار یہ کہتا ہے کہ بیوہ کو چاہئے کہ اپنے گرو سے اجازت حاصل کرے۔ نارد کہتے ہیں کہ اس قسم کی اجازت یا تو بیوہ کے روحانی والدین دے سکتے ہیں یا اس کے دوسرے قرابتدار۔ منو صرف اجازت کا ذکر کرتا ہے جس پر کلکا بھٹ یہ اضافہ کرتا ہے کہ اجازت شوہر دے سکتا ہے یا معلم روحانی۔ یاگنولکیا معلم روحانی کی اجازت کو کافی سمجھتا ہے[۲] یہ ظاہر ہے کہ خود بھائی اس کام کو انجام نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کے پاس کسی قسم کا جواز نہ ہو۔

**نیوگ کو تعدد شوہران سے تعلق نہیں ہے**

دفعہ ۲۔ اگر میری یہ رائے صحیح ہو تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ لیوریٹ کی رسم (لاولد متوفی شوہر کے بھائی سے شادی کرنے کی رسم) جس قسم سے اگر یہ ہندوؤں میں رائج تھی تعدد شوہران کے رواج کے باقیات میں سے نہ تھی (یعنی لیوریٹ کا ماخذ تعدد شوہران کا رواج نہ تھا) لیور (Levir) اپنے بھائی کی بیوہ کو زوجہ نہیں بناتا تھا۔ وہ محض اپنے متوفی بھائی یا دوسرے کے لئے وہی کام کرتا تھا جس کا وہ ان کی زندگی میں مجاز کیا جاتا تھا۔ اور اس سے بیشک اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس طرح سے پیدا کرائے ہوئے بچے کس لئے متوفی سے منسوب ہوتے تھے اور پیدا کرانے والے سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ اگر رواج مذکور الصدر تعدد شوہران کے رواج کا یادگار ہوتا تو سب بچے کو اس شوہر سے نسبت دی جاتی جو اس کی شادی سے شوہر بنتا تھا اور زوجہ بھی اسی کی جانب منتقل کی جاتی۔ اس طرح کا عمل ہندوؤں کے لئے بھی غیر فطری

---

[۱] انڈین وزڈم صفحہ ۳۷۶۔

[۲] گوتم باب ۱۸۔ ف ۵۔ نارد باب ۱۲ ف ۸۰/۸۲ منو باب ۹ ف ۵۹۔ یاگنولکیا باب ۱ ف ۶۸۔

نہ ہوتا اور جیسا کہ ہم ابھی ابھی دیکھیں گے ایسا عمل ہوتا تھا[1]۔

لیکن یہ چیز ہندوؤں کے نیوگ سے قطعاً الگ ہے جن حالات کے سبب لیوریٹ Levirate کی ابتدا ہوئی اسی قسم کے واقعات پیش آنے سے وہ ہندوؤں میں بھی ہوئی۔ باہمی وفاداری۔ اور پاک دامنی کا تصور ازدواجی اتحاد میں داخل ہوتے ہی۔ زوجہ کو دوسرے مردوں سے بچہ پیدا کرانے کی اجازت دینے کا خیال نفرت انگیز ہوتا گیا۔ اور چونکہ وہ رواج مفقود ہوگیا اس لئے اس کام کے لیے بیوہ کو مجاز کرنے کا رواج بھی غائب ہوتا گیا۔ اگرچہ یہ مؤخر الذکر کچھ زیادہ مدت تک بہ نسبت مقدم الذکر کے باقی رہا ہو۔ ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس وقت جب کہ موجودہ منو کی تالیف ہو رہی تھی عورت اور مرد کے تعلقات میں ایک بڑی حد تک اصلاحیں شروع ہوگئی تھیں[2] اور ہم کو اس کے سمجھنے میں بھی کوئی دقت نہیں رہتی کہ واقعۂ ذیل کیسے وجود میں آیا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک ایسے عمل کے امتناع کے متعلق متنوں میں تحریف کی گئی جس عمل کو سابقہ متنوں نے منظور کیا تھا اور اسے منتظم بھی کیا تھا۔ تقسیم (خاندان) کے عام ہوتے ہی نیوگ سے بھی احتراز کیا جائے گا۔ جب تک خاندان کی تقسیم نہ ہو اس وقت تک بیوہ کا لڑکا صرف خورد و نوش کا بار خاندان پر ڈالے گا۔ لیکن ساتھ ساتھ اس کے دو ہاتھ بھی ہوں گے جس سے وہ خاندان کا ہاتھ بٹائے گا اور اپنے باپ کیلئے ضروری رسوم کے ادا کرنے کا فرض انجام دے گا۔ لیکن جونہی تقسیم کا طریقہ رائج ہو وہ حصہ پانے کا مجاز ہوگا اور اپنے والدین کی عام جانشینی کا مستحق ہوگا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں بیوہ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے ایسے لڑکے کی جانب سے اپنے متوفی شوہر کی جائداد کا انتظام کرے[3] فطری طور پر قرابتدار ایسے فعل کی اجازت نہ دیں گے جس سے ان کے حقوق کے پامال ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

**شوہر کے بھائی سے بیوہ کی شادی**

د۳۲۔ بیوہ کا اتفاقی اپنے متوفی شوہر کے بھائی سے شادی کرنا اور لیوریٹ بے شک بالکل ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ منو نے اس کی صرف اس واحد صورت میں

---

[1] دیکھئے د۳۳۔

[2] منو باب ۳ فقرات ۵۵ و ۶۲، باب ۹ فقرات ۱۰۱ و ۱۰۵۔

[3] منو باب ۹ ف۲۱۰۔ د۱۴۶ ف۱۹۰۔

اجازت دی ہے جب کہ بیوہ دوشیزہ ہو[1] یہ رواج ابتک ہندوستان کے اکثر ممالک میں موجود ہے۔ جنوبی ہند کے اوپیاروں (ایک دھنگر قوم) میں یہ رواج پایا جاتا ہے۔ ونیز جنوبی کنارا کے گوداس اور وزگاپٹم اور گنجم کے سوار اس میں بھی۔ اوڑیسہ میں یہ رسم پنجاب کے جاٹ خاندانوں برہمنوں اور راجپوتوں دونوں میں پائی جاتی ہے۔ ونیز وسطی ہند کے چند راجپوتوں میں بھی[2] پنجاب میں اس قسم کی شادیوں کو کم درجے کی سمجھا جاتا ہے اور اگر اولاد ہو تو اسے پورے حقوق وراثت حاصل نہیں ہوتے[3] بعض خاص صورتوں میں ممکن ہے کہ شوہر کے بھائی سے شادی کرنا تعدد شوہران کی رسم کی وجہ سے ہو لیکن میرے خیال میں ان کی نہایت ہی سلیس اور آسان طریقے سے توضیح کی جا سکتی ہے۔ اس رواج میں بذات خود کوئی چیز نہ تو خلاف فطرت ہے اور نہ فتنہ انگیز۔ جس طرح ایک مرد یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے شادی کرتا ہے اسی طرح ایک عورت دو بھائیوں سے ازدواجی تعلق پیدا کر سکتی ہے۔ اس قسم کا اتحاد برطانیۂ اعظم اور نوآبادیات میں بہت ہی عام ہے۔ متوفی زوجہ کی بہن سے شادی کرنا چھوٹی حیثیت کے لوگوں میں عام سمجھا جاتا ہے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سالی اپنی بہن کے زمانے میں عام طور پر خاندان کی ایک مستقل رکن ہو جاتی ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس سکونت کو جاری رکھتی ہے اس طرح وہ اپنی بہن کی جانشین ہو کر اس کے بچوں کی ماں اور شوہر کی زوجہ بن جاتی ہے۔ ہندو خاندان غیر منقسمہ میں بالکل اسی قسم کے واقعات سے برعکس نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے شوہر کے مرنے پر بیوہ اپنے جیٹھ یا دیور کے ساتھ اسی گھر میں رہے گی۔ اور وہ (یعنی جیٹھ یا دیور) متوفی بھائی کی جملہ جائداد پر قابض ہو گا۔ اس کا یہ قبضہ وارث کی حیثیت سے

---

[1] منو باب ۹ فقرات ۶۹ و ۷۰۔

[2] مدراس سنسس رپورٹ ۱۴۹۔ ساؤتھ کنارا مینوئل جلد ۱ صفحہ ۱۲۲۔ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۴/۲۵۶
پنجاب کسٹم صفحہ ۹۴ سر و دھیکری صفحہ ۲۸۵ ۔

[3] اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جنرل رپورٹ ۲۵۵۔

نہیں ہوتا بلکہ منیجر کی حیثیت سے کیونکہ وہ بزرگ خاندان ہوتا ہے [1] لہذا اس زمانے میں جب کہ اناث محض معمولی اشیاء سمجھی جاتی تھیں [2] فطری طور پر متوفی کے زوجگان کرتا کی ہوجائیں گی۔ اور کرتا کا یہ فرض تھا کہ ان کی پرورش کرتا۔ چنانچہ مسٹر میالکلین نے تاریخ اسکینڈی نیویا سے ذیل کی تمثیل اخذ فرمائی ہے" اب بارک (Bork) مارڈسا Mordissa کے ساتھ رہتا ہے۔ اور بھائی کے سامان کے ساتھ اس کی بیوہ کو لیکر زوجہ بناتا ہے۔ اس زمانے میں یہی طریقہ تھا اور زوجگان مثل دوسری چیزوں کے ارث میں آتی تھیں" فرق صرف اتنا تھا کہ ہند و ماردیسا (ہند و زوجہ) ہمیشہ ہند و بارک کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی تھی اور یہ کہ اس کے شوہر کی وفات پر موخر الذکر (بھائی) فطرۃً اس کا محافظ اور قانوناً اس کا ولی ہوجاتا تھا۔ حیرت یہ ہے کہ یہ طریقہ عالمگیر نہیں ہوا باوجودیکہ ایک کے عوض دوسرا شخص اس آسانی سے شوہر ہوجاتا تھا۔

**لڑکا جو خفیہ طور سے پیدا ہوا ہو**

ف ۱۲۷۔ وہی اصول یعنی لڑکا اس کا ہوتا ہے جو ماں کا مالک ہو دوسری صورتوں میں بھی زیادہ آسانی سے ثابت کیا جاسکتا ہے وشنو نے اس لڑکے کی جو راز میں پیدا ہوا ہو حسب ذیل تعریف کی ہے" وہ لڑکا جو گھر میں خفیہ طور سے پیدا ہوا ہو وہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ

---

[1] پنجاب کے چند قبائل میں یہ رواج ہے کہ بیوہ کو چاہئے کہ دیور سے شادی کرے نہ کہ جیٹھ سے۔ دیکھئے پنجاب کسٹمری لا جلد ۲ صفحہ ۹۴۔

[2] منو باب ۹ فقرہ ۲۱۹ اور گوتم باب ۲۸ فقرہ ۴۵ تقسیم کے وقت عورتوں کو معرض تقسیم میں نہ لانے کے احکام سے ایک ایسے وقت کا پتا ملتا ہے جب کہ عورتوں کو خاندان کی جائداد کا محض ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔ غالباً وہ تعجب خیز احکام کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی زوجہ یا بیوہ کو لے تو اس کے قرضوں کی ادائی کی ذمہ داری بھی اس پر ہوتی ہے اسی اصول پر مبنی ہوں گے (جلد اول ڈائجسٹ ۲۱۳ تا ۲۲۳ جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۴۷۶۔ نارد باب ۳ ف ۲۱ تا ۲۶ بیوکھ باب ۶ ف ۱۶ و ۱۷۔ ابنسہ باب ۱ صفحہ ۹۸ نیز دیکھئے ف ۳۲۷ آئندہ) بنابریں نارد باب ۳ فقرات ۲۳ و ۲۴ میں کہتا ہے "تمام چاروں جماعتوں میں زوجگان اور سامان ساتھ ساتھ جاتے ہیں جو شخص ایک کی زوجگان کو لیتا ہے وہ اس کی جائداد کو بھی پاتا ہے" زوجہ کو متوفی کی جائداد سمجھا جاتا ہے۔ آسام میں میری (Miri) جائداد کا وارث باپ کی زوجگان کو بھی اس کے ساتھ وراثت میں پاتا ہے البتہ اس کی حقیقی ماں اس سے

پیدا ہوا تھا[1] منو بھی علیٰ ہذا یہی کہتا ہے اور کلو کا بھٹ کی شرح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے لڑکے کی ماں شادی شدہ تو ہوتی ہے لیکن شوہر کی عدم موجودگی سے اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اس لڑکے کا واقعی طور پر باپ نہ تھا لیکن پھر بھی بچہ اسی کا ہو جاتا ہے[2] یعنی کنواری لڑکی کا لڑکا۔ اگر کنواری لڑکی حاملہ ہو اور شادی کرے اور بچہ اس کے باپ کے گھر میں پیدا ہو تو لڑکا شوہر کا ہوگا اور اس کی وراثت بھی پائیگا۔ اگر ایسی لڑکی شادی نہ کرے تو لڑکا نہ صرف اس کے باپ کا ہوتا ہے بلکہ اس کا وارث بھی ہوتا ہے جس کی ولایت میں وہ رہتی ہے[3]) لہذا" اگر ایک حاملہ نوجوان عورت شادی کرے تو اس کا وہ جنین جو از قسم ذکور ہو دولہا کا ہوگا عام ازیں کہ واقعۂ حمل کا علم ہو یا نہ ہو۔ اور ایسے لڑکے کو لڑکا جو دلہن کے ساتھ ملا ہو کہتے ہیں" (سہودھا)[4]۔

دوشیزہ

یا دلہن کا

**پانربھاؤ (Paunarbhava)** اس عورت کے لڑکے جس نے دو مرتبہ شادی کی ہو۔ اور بے وفا زوجگان کے لڑکوں کے متعلق نارد وہی قاعدہ بیان کرتا ہے[5]۔ ان کی اولاد کا تعلق پیدا کرنے والے سے ہوتا ہے بشرطیکہ وہ بہ عوض اس قیمت کے جو اس نے اس عورت کے شوہر کو دی تھی اس کی محافظت میں آ گئے ہوں۔ لیکن اس عورت کے بچے جو فروخت نہ کی گئی ہو اس کے شوہر کے ہوتے ہیں[6] بے شک اس عورت کے بچے جس نے واقعاً دوسری مرتبہ شادی کی ہو

یا ایسی عورت جس نے دو شادی کا

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ مستثنیٰ ہے گروں (Garos) میں دولہا شادی کے وقت عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی ساس پر عود کریگا۔

[1] وشنو باب ۱۵ فقرات ۱۳ و ۱۴۔

[2] منو باب ۹ فقرہ ۱۷۰۔ ویرمترودیا باب ۲ فصل ۲ ۔

[3] وشنو باب ۱۵ ف ۱۰ تا ۱۲۔ وشسٹ باب ۱۷ ف ۱۴۔ نارد باب ۱۳ ف ۱۷ تا ۱۸۔ ویرمترودیا ص ۱۱۳ پر کہتا ہے کہ بچے کا تعلق عورت کے باپ یا شوہر سے ہوتا ہے اگر پیدائش کے وقت اس کی شادی ہو چکی تھی تو شوہر کا ہوگا ورنہ باپ کا۔ نند پنڈت نے بھی وجیانتی میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ جالی صاحب ف ۱۔

[4] منو باب ۹ ف ۱۷۳۔ وشنو باب ۱۵ ف ۱۵ ف ۱۷۔ نارد باب ۱۳ ف ۱۔

[5] نارد باب ۱۲ ف ۵۸۔ پانربھاؤ کی تعریف وشنو میں دی ہوئی ہے دیکھو وشنو باب ۱۵ ف ۹۔ منو باب ۹ ف ۱۷۵۔ نارد باب ۱۲ ف ۴۶ تا ۴۹۔ وسشت باب ۱۷ ف ۱۳۔

بدرجۂ اتم دوسرے شوہر کے ہوں گے [1]

**داشتہ عورت کا لڑکا**

**دفعہ ۷۵۔** داشتہ کے بچے کے لئے بھی اسی قسم کے خیالات نظر آتے ہیں بعضوں نے ایسے بچے کو شودر کے بچے کے زمرے میں داخل کیا ہے [2] بعد کے قانون میں نہ کہ ابتدا ہی سے اعلیٰ فرقے کے مرد کا اتحاد شودر عورت کے ساتھ اس قدر قبیح سمجھا جاتا تھا کہ ایسی ماں کے لڑکے کو صرف نفقے کا حق حاصل ہوتا تھا اور وراثت سے محروم [3] اور اس لڑکے کی حیثیت بھی جو ایسے شخص کو داشتہ سے پیدا ہوتا تھا کچھ بہتر نہ تھی [4] لیکن شودر کا ایسا لڑکا جو داشتہ سے ہو بعض حالات میں ہمیشہ وارث ہونے کا مستحق ہوتا تھا۔ اس کے وارث ہونے کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ایسی عورت کا بچہ ہوتا جو قطعی طور پر پیدا کرانے والے کے قابو میں تھی منو نے ایسے لڑکے کا ذکر کیا ہے جو رذیل طبقے کے شخص کو خود اس کی لونڈی سے یا اس کے غلام کی لونڈی سے پیدا ہوا ہو [5] علیٰ ہذا نارد کہتا ہے کہ "اگر کسی شخص نے دوسرے کے گھر میں کسی عورت سے مباشرت کی ہو اور بچہ پیدا ہو تو بچہ اس کا نہیں ہے۔ اور علما نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی عورت ایک مرد سے غیر کے گھر میں مباشرت کرے تو یہ زنا ہے [6] کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ موخر الذکر صورت میں وہ عورت پوری طرح پر اس کے تسلط میں نہیں ہوتی۔ اس کے بچے اس شخص کے ہوں گے جو خود اس عورت کا مالک ہے۔

**پتری کا پتر**

**دفعہ ۷۶۔** ایسی لڑکی کا لڑکا جو بچہ جننے کے لئے مامور کی گئی ہو کسی قدر پیچیدہ ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے کو بھی اسی طرح

---

[1] کتیاین جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۳۶ ۔

[2] دیکھئے بودھاین باب ۲ صفحہ ۲ دفعہ ۲۱/۲۲ وشنو باب ۱۵ دفعہ ۲۷ نوٹ۔

[3] منو باب ۳ دفعہ ۱۳/۱۹ باب ۹ دفعہ ۱۷۸/۱۵۵ اور ۱۶۰ گوتم باب ۲۸ دفعہ ۳۹ دیول جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۱۳۵ یاگیولکیا باب ۲ دفعہ ۱۳۵

[4] متاکشرا باب ۱ صفحہ ۱۲ دفعہ ۲ ۔

[5] منو باب ۹ دفعہ ۱۷۹ ۔

[6] نارد باب ۱۲ دفعہ ۹۱ ۔

واضح کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کی شادی جائز طور پر اس کے شوہر سے ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اس کا لڑکا اس کے باپ کا ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کو (یعنی باپ کو) اولاد نرینہ نہ ہو۔ اس قسم سے اس بچے کو اپنی طرف منسوب کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ داماد کے ساتھ اس معاملے میں معاہدہ کیا جائے۔ باپ کا محض ایسا فعل کافی ہے جس سے اس کا ارادہ ظاہر ہوتا تھا۔ نہ تو مشورہ کرنا ضروری ہے۔ اور نہ اجازت حاصل کرنا۔ اسی وجہ سے گوتم اور منو میں اس سے متنبہ کیا گیا ہے کہ ایسی لڑکی سے شادی نہ کرو جس کے بھائی نہ ہوں کیونکہ احتمال یہ ہے کہ باپ اپنی لڑکی کے پہلے لڑکے کو لے لے گا[۱] چنانچہ وشسٹ نے وید کی ایک عبارت کا اقتباس کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "وہ لڑکی جس کو بھائی نہ ہو اپنے خاندان کے ذکور۔ باپ وغیرہ کے پاس واپس آجاتی ہے۔ اس طرح واپس ہونے پر وہ ان کا لڑکا بن جاتی ہے"[۲] لہذا لڑکی پر باپ کا تسلط اس حد تک باقی رہتا ہے کہ وہ اس کے لڑکے کو اگر چاہے تو اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔ یعنی اپنا لڑکا بنا سکتا ہے۔ علیٰ ہذا اسی قسم کا نتیجہ اس وقت پیدا ہوگا جب کہ بیاہ کے موقع پر صراحۃً یہ قرارداد ہو کہ باپ کا تسلط بیٹی پر باقی رہے گا[۳]۔

**نمبدری برہمن** ساحل ملیبار (مدراس) کے نمبدری برہمنوں میں "پتریکا پترا" کے رواج کے مشابہ ایک رواج تاحال رائج ہے۔ خیال یہ ہے کہ یہ لوگ بارہ سو یا پندرہ سو برس قبل مشرقی ہند سے آئے تھے۔ یہ کہ ان کا تمام قانون قدیم ہندو قانون کی قسم کا تھا۔ یہ نظام تقریباً اسی قسم کا تھا جس کا ذکر سوترا مصنفین نے کیا ہے[۴]۔ اگر نمبدری برہمن کو اولاد نرینہ نہ ہو تو وہ اپنی لڑکی کی شادی سروس ونیم طریقے سے کرسکتا ہے اس قسم کی شادی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو ایسا لڑکا تمام

---

[۱] گوتم باب ۲۸ و ۲۰/۱۹ منو باب ۹ صفحہ ۱۱۔

[۲] وشسٹ باب ۱۷ صفحہ ۱۲۔

[۳] بودھاین باب ۲ صفحہ ۱۲۔

[۴] دستاویزات بنام وزیر ہند جلد ۱۱ مدراس صفحہ ۱۵۷/۱۶۰۔

اغراض کے لئے اپنی ماں کے باپ کا لڑکا ہوتا ہے اور اس کی وراثت بھی پاتا ہے۔ اگر لڑکا نہ ہو یا ہو کر مرجائے تو اس کی جائداد شوہر کی نہیں ہوتی بلکہ اس کے باپ کے خاندان میں وہ کر تی ہے [۱] بجز اس کے کہ ازدواج کے وقت باضابطہ طور پر داماد کو وارث قرار دیا گیا ہو [۲]

**متبنیٰ لڑکا**

بقیہ لڑکے سب کے سب متبنیٰ ہیں اور یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ وہ اصلاً اپنے اصلی والدین کی جائداد ہیں۔ ان کے متعلق علیحدہ طور پر آئندہ باب میں مفصل بحث کی جائے گی۔ سردست اس تحقیق کے متعلق یہ کہدینا کافی ہے کہ ان دو صورتوں میں (یعنی وہ لڑکا جو دیا گیا ہو' دتک' اور وہ لڑکا جو خریدا گیا ہو' کرتک') لڑکا کمسن ہوتا تھا۔ اور اس حق کو جو اس پر حاصل ہوتا تھا صرف وہ شخص منتقل کر سکتا تھا جس کو اس پر تسلط حاصل ہوتا تھا۔ و نیز اس کو کوئی اور شخص نہیں دے سکتا تھا کر تما (یعنی وہ جو لڑکا بنایا گیا ہو) بالغ ہونے کے سبب اپنے کو خود دے سکتا تھا اور سوائم دتک یا ایا دہ (لڑکا جو اپنے کو دیدے۔ یا وہ لڑکا جو چھوڑ دیا گیا ہو) وہ لڑکے ہوتے تھے جنھیں یا تو ان کے والدین چھوڑ دیا کرتے تھے۔ یا ان کے ساتھ برا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ یا وہ انھیں کھو چکے ہوتے۔ چونکہ ان کے والدین کا تسلط ان پر ختم ہوجاتا تھا اس لئے وہ دوسروں کے بیٹے بن جاتے تھے [۳] سوائے دو کے [۴] بجز صحیح النسب (اورس) اور متبنیٰ (دتک) کے باقی تمام قسم کے

**بقیہ اقسام مفقود ہیں**

لڑکے ایک عرصے سے مفقود ہو گئے ہیں [۵] اس کا امکان ہے کہ

---

[۱] جلد ۱۱ مدراس صفحہ ۱۰۵/۱۶۲۔ کمارن بنام نارایں جلد ۹ مدراس صفحہ ۲۶۰ چینوتھا بنام پلا کز ہو جلد ۲۵ مدراس صفحہ ۲۶۲ ۶۶۴۔

[۲] دگرم صفحہ ۱۶۔

[۳] بودھائن ۲ و ۲۱ و ۱۹ و ۱۶ و ۱۴ و ۱۳ وشست باب ۱۷ صفحہ ۱۰/۲۰ دشنو ۱۵ و ۱۶ و ۲۷ منو باب ۹ صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۴ و نیز آگے دیکھئے صفحہ ۱۰۵ ملی ہذا رومامیں بھی دو قسم کی تبنیت تھی (adoptio) یعنی ایسے لڑکے کی تبنیت جو دوسرے کے تسلط میں ہوتا تھا۔ اور (adrogatio) یعنی ایسے شخص کی تبنیت جو مختار ہوتا تھا۔

[۴] در ہیتی جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۰۱ متیا بران جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۳۰۲/۲۰۸ اور کاجو سردہ صیکری کے صفحہ ۱۲۵ میں

اس قدیم رواج کے علامات دور دراز کے اضلاع میں تا حال باقی ہوں جگناتھ کہتے ہیں کہ اوڑیسہ کے چند لوگوں میں تا حال بھائی کی زوجہ سے بچے پیدا کرانے کا رواج باقی ہے۔ لیکن خود انھوں نے ایسی کارروائی کے جواز کے خلاف نہایت زور سے صراحۃً اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مسٹر کولبروک بیان فرماتے ہیں کہ خود ان کے زمانے میں اوڑیسہ میں بھائیوں کو اس غرض سے مامور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے متوفی بھائی۔ یا عنین بھائی۔ یا غیر حاضر بھائی کے لئے اولاد ذکور پیدا کرائیں۔ مسٹر سرودھیکری اس بیان کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ "اس موضوع پر جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اوڑیسہ کے اعلیٰ طبقات میں اس رواج کو اس شدت کے ساتھ ناپسند کیا جاتا ہے۔ اور اگر بہ فرضہ وہ رواج چھوٹی جماعتوں میں باقی بھی ہو تو اس کی موجودہ شکل عدالتی اور قانونی نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی" ونیز وہ یہ بھی کہتے ہیں ۹۲
کہ اوڑیسہ کی چند متمول اور شریف جماعتوں میں نیوگ کا رواج اس طرح باقی ہے کہ بڑے بھائی کی بیوہ سے باقاعدہ شادی کی جاتی ہے [۱] جس سبب سے کشتراج لڑکا ناپسند کیا جانے لگا لازماً دوسرے لڑکوں کے مفقود ہونے کا باعث بھی وہی چیز ہوئی جب از دواجی رشتے کے پیدا کرنے میں روز افزوں سختی ہونے لگی تو شوہر نے بھی ایسے بچے کو اپنا لڑکا تسلیم کرنے سے انکار کرنا شروع کیا جو اس کے صلب اور زوجہ کے بطن سے نہ ہو۔ یا بہر صورت جس کے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ اس طرح سے پیدا نہیں ہوا ہے (بہ الفاظ دیگر وہ صرف ایسے لڑکے کو اپنا کہنے لگا جو اس کا صلبی ہو اور زوجہ کے بطن سے ہو۔ اگر ذرا بھی شک ہوتا تھا کہ وہ اس طرح پیدا نہ ہوا ہے تو وہ انکار کر دیتا تھا) اس طرح لڑکوں کی فہرست سے کنتین

(بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ)۔ بیان ہوا ہے میو کہ ۱۷ و ۴۷ وتکمہ میمانسا باب ۱ ص ۶۳ یہ واقعہ کہ دیا بھاگ کی سی جدید کتاب میں اس کا ذکر ہے اس کی شہادت نہیں ہے کہ وہ اس زمانے میں مسلم تھے۔ دیکھئے ص ۱۵۔ سمرتی چندریکا باب ۱ ص ۵ جلد ۲ بورڈیل ص ۴۵۶ ونیز دیکھئے آگے ص ۱۰۵۔

[۱] جلد ۳ ڈائجسٹ ص ۲۰۶ و ۲۸۹ سرودھیکری ص ۵۲۸۔

گو دھاج اور سہودھا نکال دیئے گئے بجز اس کے کہ اس لڑکے کا (نطفہ) شادی کے قبل
قرار پایا۔ اور وہ شادی کے بعد پیدا ہوا ہو[۱] جب ازدواج ثانی ممنوع قرار دیا گیا تو
پانڈ بھاؤ کا بھی وہی نتیجہ ہوا[۲] لڑکی کو مامور کرنے کا رواج بھی رفتہ رفتہ مسدود
ہوتا جائے گا کیونکہ اس کے سوا باقی رہنے تک ایسی لڑکی کے لیے شوہر کا ملنا
دشوار ہوگا جس کا کوئی بھائی نہ ہو۔ نالبا لڑکی (غیر مامور شدہ) کے لڑکے کو وہ بڑا مرتبہ
اسی زمانے میں حاصل ہوا۔ جو اس کو اپنے ورثا کی فہرست میں حاصل ہے[۳] ملیبار کے
نمبدری برہمنوں میں ناموزند لڑکی کے لڑکے کو اب تک نانا کا وارث تسلیم کیا جاتا ہے
بشرطیکہ لڑکی کی شادی سردس ونیم شکل میں ہوئی ہو۔ اس قسم کی شادی میں الفاظ ذیل ادا
کئے جاتے ہیں میں تمہیں اس دختیرہ کو جس کو بھائی نہیں ہے جواہرات سے مزین کرکے
دیتا ہوں جو لڑکا اس کو پیدا ہو وہ میرا لڑکا ہوگا[۴] پانڈیچری میں کم از کم دو وقت اس کے
جواز کو تسلیم کیا گیا (۱۸۳۰ء) لیکن ۱۸۶۰ء میں عدالت دیوانی نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ رواج
نہایت ہی قدیم زمانے سے متروک ہے[۵] جوڈیشل کمیٹی نے ایک مقدمے میں یہ
شبہہ ظاہر فرمایا کہ آیا اس زمانے میں بھی ہندوستان کے متعصب مقامات میں اس قسم کا
۹۳ لڑکا پیدا نہیں کرایا جا سکتا[۶] تاہم اس قسم کے شبہے کی کوئی حقیقی وجہ معلوم کرنا ہماری رائے
میں خود مشتبہ ہے۔ مدراس کی عالیہ عدالت نے ایک حالیہ مقدمے میں یہ تجویز فرمائی ہے کہ
ایسا رواج متروک ہے اور اگر کوئی فریق اس کا ادعا کرے تو اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ

[۱] دیکھئے کلکتہ ترشا یلی بنام لکھا منی جلد ۱ الہ آباد صفحہ ۲۹۳ صدر کورٹ جلد ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۱۵ صدر کورٹ ۲ سدرلینڈ ۲۵۰۔
[۲] تاہم بنگال کے صدر کورٹ نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ مقامی رواج سے ایسا لڑکا وارث ہو سکتا ہے تا کہ برہمنان بنارس کی
خاص صورت میں رواج منعی کیا گیا یہ من سنگھ بنام چمن رائے جلد ۱ فیصلہ جات صدر دیوانی عدالت صفحہ ۲۵ صفحہ ۳۲۔
[۳] دیکھئے صفحہ ۱۹۔
[۴] کماون بنام نارائن ۹ مدراس صفحہ ۲۶۰ اسودیون بنام والیہ ہند ۱۱ مدراس ۱۵۰ و نیز دیکھئے ۱۵ مدراس صفحہ ۴۲۲۔
[۵] سورگ ہند ۱ صفحہ ۱۰۹۔
[۶] ٹھاکر جیب ناتھ سنگھ بنام کورٹ آف وارڈز ۱۴ الہ آباد ۳ ۱۶ جلد ۳ سدرلینڈ پی۔ سی ۹۸۔
صدر کورٹ ۱۵ بنگال لا رپورٹ ۱۹۰۔

وہ رواج تاحال باقی ہے [1] علیٰ ہذا جب مختلف ذات کے لوگوں میں شادی نہ ہوگی تو نشادھی ختم ہو جائے گا۔ صرف پانچ قسم کے متبنیٰ لڑکے باقی رہ جائیں گے۔ ان کو ہم نے آیندہ بحث کے لئے محفوظ رکھا ہے (ف ۱۰۴)

**شادی کے آٹھ اشکال یا طریقے**

**ف ۹۷**۔ مذکورالصدر بیانات سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ قدیم ہندو قانون میں فرزندی کسی طرح سے ازدواج پر مبنی نہیں تھی۔ اگر ہم ازدواج کے قانون پر غور کریں تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ قدیم زمانے میں ازدواج کا مطلب کچھ اور تھا اور اس زمانے میں کچھ اور ہے (یعنی اس کے مقاصد میں بہت فرق ہے) منوسمرتی اور یاگنولکیا نے آٹھ قسم کی شادی کا ذکر کیا ہے [2] برہم۔ دیو۔ ارش۔ پرجاپتی۔ اسور۔ گندھروا اور راکشس۔ آٹھویں اور سب سے خراب قسم پیشاچ ہے (جب) لڑکی کو صرف ایک لباس پہنا کر ایسے عالم وید کو دیا جائے جسے لڑکی کے باپ نے بلا کر احترام سے استقبال کیا ہو تو یہ طریقۂ تزویج برہم ہے۔ جب لڑکی کو اس کا باپ خوش نما پوشاک سے آراستہ کر کے ہوم کی رسم شروع ہونے کے بعد اس پجاری کو جو باپ کے لئے یگیہ کر رہا ہو عطا کرے تو اس رسم کو دیو کہتے ہیں۔ جب باپ دولہا سے ایک جوڑی یا دو جوڑی گائیں رسوم شاستر کے استعمال کے لئے لیکر اپنی لڑکی کو دیدے تو ایسی شادی کو ارش کہا جاتا ہے۔ جب عزت و احترام کے ساتھ باپ اپنی لڑکی کو صاف طور سے یہ کہکر دے کہ "خدا کرے ایسا ہو کہ تم دونوں ملکر اپنے فرائض مذہبی و اخلاقی ادا کیا کرو" تو اس قسم کی شادی کو پرجاپتی کہتے ہیں۔ جب دولہا لڑکی کے باپ اور یک جدی رشتہ داروں۔ اور خود لڑکی کو جس قدر کہ دولت وہ دے سکتا ہے دے کر دلہن کو اپنی خوشی سے لے لیتا ہے تو ایسی شادی کو اسور کہتے ہیں۔ ۹۴
کسی عورت اور مرد کا اپنی مرضی سے حظ نفس کے لئے تعلق پیدا کرنے کو گندھروا کہتے ہیں۔ اس شادی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں ہم آغوش ہوں اور فی الحقیقت اس کی وجہ

[1] وینکٹا نرسما نیام بنام سراینری وینکٹا ۱۴ مدراس صفحہ ۳۱۰۔

[2] منو باب ۳ فقرات ۲۰/۴۲۔ نارد باب ۱۲۔ ۳۹/۵۰۔ یاگنولک اچار فقرات ۵۸/۶۱ اپستمبا باب ۲ فصل ۱۱ و ۱۲۔ وشست باب ۱ ۲۸/۳۶۔ پرجاپتی اور پشاچ کو ترک۔

خواہشات شہوانی کی تکمیل ہوتی ہے۔ لڑکی کے رشتہ داروں اور دوستوں کو لڑائی میں قتل یا زخمی کرنے کے بعد اس کے مکان میں گھس کر لڑکی کو جبراً لیجانا جب وہ رو رہی اور مدد طلب کر رہی ہو "راکشس ازدواج" کہلاتا ہے۔ عاشق کا لڑکی سے پوشیدہ طور پر تعلق کرنا جب وہ سو رہی ہو یا نشے میں مست ہو یا اس کے دماغ میں کسی قسم کا نقصان ہو۔ آٹھویں اور ذلیل ترین قسم ازدواج ہے جسے 'پیشاچ' کہتے ہیں۔

**قانون کے مختلف زینے**

ف۸۔ ظاہر ہے کہ شادی کے یہ تمام اشکال ازدواجی تعلق کے مختلف نظریوں پر مبنی ہیں۔ ان کا تعلق سوسائٹی کے ارتقائی مدارج سے ہے۔ اور ان کی قدامت (ایک دوسرے کے مقابلے میں) اس سلسلے کے لحاظ سے نہیں ہے جس سلسلے میں کہ ان کا ذکر کیا گیا ہے بلکہ بالکل برعکس ہے۔ (یہ الفاظ دیگر یہ سمجھنا چاہئے کہ جس سلسلے میں ان کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہ لحاظ زمانہ بھی ٹھیک ہے۔ مثلاً پہلے گندھروا کا ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد راکشس اور پیشاچ کا حالانکہ پیشاچ قدیم ترین ہے اور علیٰ ہذا راکشس و گندھروا اس کے بعد) آخری تین اقسام سے ایسے زمانے کا اشارہ ملتا ہے جب کہ والدین کو اپنی لڑکیوں پر کسی قسم کے حقوق یا تو حاصل ہی نہ تھے یا اگر حاصل تھے بھی تو ان کا کوئی احترام نہیں کرتا تھا۔ اور مرد اپنے لئے جبر، فریب اور اغوا (Enticement) سے اپنے لئے زوجہ فراہم کر لیتے تھے۔ ان اقسام کو بمشکل شادی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تینوں اشکال بھی جہالت کے اختلاف ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

پیشاچ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وقتیہ شہوت کا رو رہوا (جیسا کہ اورنگوتانگ کرتا ہے) اور اس خواہش کی تکمیل ہوئی۔ ایسا فعل انسانی نہیں سمجھا جا سکتا تعلقات زناشوئی کا خیال پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس زمانے میں مرد اور عورت کے ہر قسم کے تعلق کو شادی کہا جاتا تھا۔ اگرچہ اب اس کو عارضی ازدواج بھی کہنا مبالغہ سمجھا جائے گا۔ قسم راکشس میں محض لڑکی کو پکڑ لینے سے شادی ہو جاتی ہے۔ مسٹر میالکین نے یہ تحقیق کی ہے کہ اس قسم کا تعلق قدیم زمانے میں اور مقامات دور دراز میں پیدا کیا جاتا تھا۔ ساتھ ساتھ انھوں نے یہ بھی تحقیق کی ہے کہ خاندان کے اندر شادی کرنے کی بھی ممانعت تھی۔ اس زمانے میں اس قسم کی شادی مینوں (وسطی ہند کا ایک ڈاکو قبیلہ) اور برار کے گونڈوں میں ہوتی ہے یہ کام محض برائے نام نہیں ہوتا بلکہ ایک حقیقی معاملے کے طور پر جس طرح سرقہ بالجبر کیا جاتا ہے

پشاچ۔

راکشس

اورگن اشکال ہو ۹۵

اسی طرح یہ بھی [1] راکشس اور گندھروا میں مشابہت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جنگجو قبائل کے لئے یہ دونوں اقسام جائز سمجھے جاتے تھے [2] ایک لحاظ سے قسم گندھروا بہ نسبت قسم راکشس کے زیادہ مہذب ہے کیونکہ قسم گندھروا سے ایک ایسی سوسائٹی کی حالت معلوم ہوتی ہے جس میں ان کے اتحاد سے قبل ایک مرد اور عورت کے درمیان میل جول (اگرچہ کہ راز میں) ممکن تھا۔ نیز ایسے تعلقات میں عورت کے میلان کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا۔ دونوں اشکال میں دوامی تعلق ہوتا ہے۔ اگرچہ کہ ان کی تعریفات میں یقیناً اس کا پتا نہیں چلتا کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی دوام کا عنصر لازمی اور ضروری تھا۔ بقیہ اشکال کل کے کل اس پر متفق ہیں کہ لڑکیوں پر والدین کا تسلط پوری طور سے تسلیم کیا جاتا تھا اور یہ کہ شادی اس معاملے کو کہتے تھے جس میں باپ اپنے اس تسلط کو باضابطہ طور پر شوہر کے حق میں منتقل کرتا تھا۔

## قسم اسور

**۸۱** قسم اسور سلسلۂ زمانہ کے لحاظ سے غالباً ان کے بعد رائج ہوئی جن کا ذکر پیش ازیں کیا گیا۔ اس قسم کو خریدی کی شادی بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہی وہ قسم ہے جسے سنسکرت کے مصنفین بہت ہی خراب سمجھتے ہیں [3] جب زوجگان کا سرقہ یا خفیہ طور سے حاصل کرنا ناممکن یا دشوار ہوگیا اور جب یہ بھی ضروری تھا کہ دوسرے قبیلے سے انھیں حاصل کریں (دیکھئے ف ۷۶ جہاں ایسی صورت کا ذکر کیا گیا ہے) تو صرف ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ انھیں خرید کر حاصل کیا جائے۔ اور اگر ایک ان بیاہی لڑکی خاندان کے لئے (بہ حیثیت ملازمہ کے یا بہ وجہ اس کے کہ اس کا امکان ہو کہ وہ اچھی زوجہ ہو سکتی ہے) قیمتی شئے ہو تو بلاشک وہی طریقہ رائج رہیگا اگرچہ کہ خاندان سے باہر اور قبیلے میں شادی جائز ہو جائے۔ بدرجۂ اتم اس وقت جبکہ مردوں اور عورتوں کی عام حالت کا لحاظ کرتے ہوئے زوجگان کی تلاش اور

[1] لائیل ایشیاٹک اسٹڈیز ص۲۳۳ (۱۶) وی ین منڈلک ص۴۱ (۲) پنجاب میں اس رواج کے جاری رہنے کے متعلق دیکھئے پنجاب کسٹمری لا باب ۲ ص۱۹ اور آسام سنس ۱۸۹۱ء آسام رپورٹ جلد ۱ ص۱۱۸ —

[2] منو باب ۳ ص۲۶

[3] منو باب ۳ ص۴۱

ان کا حاصل کرنا دشوار ہو۔ لیکن جب عورت اور مرد کے تعلقات میں پاکیزہ خیالات بڑھتے جائینگے تو شادی بذریعۂ بیع (اسور) مقبول نہیں رہے گی کیونکہ وہ پیشۂ زنا سے مشابہ ہے[1] بنا بریں منو کہتے ہیں "اس باپ کو جو قانون جانتا ہے نہ چاہئے کہ چھوٹے سے چھوٹا بھی عطیہ اپنی لڑکی کی شادی کے بدلے میں قبول کرے کیونکہ وہ شخص جو اس غرض کے لئے حرص اور طمع سے عطیہ لیتا ہے البتہ گویا کہ وہ اپنی اولاد کو بیع کر رہا ہے"[2] قسم ارش ایک پسندیدہ قسم ہے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ قسم اسور سے نکلی ہے۔ فرق یہ ہے کہ لڑکی کے لئے بجائے ایک بڑی رقم دینے کے (نہایت ہی خفیف یا) برائے نام کوئی چیز دی جاتی ہے[3] چونکہ قدیم قانون میں جائز اور قابل پابندی ازدواج بیع کی شکل میں ہوتا تھا اس لئے جیسا کہ ایستمبا کہتے ہیں ویدوں نے ضابطے کی پابندی کے لئے یہ انتظام کیا کہ لڑکی کو دینے کے قبل ایک معقول عطیہ لیا جائے (مثلاً ایک بیل یا سو گائیں) اگرچہ وہ عطیہ فوری بعد معطی کو واپس ہو جاتا ہو۔ یہ دوسرا طریقہ تھا جو بیع کی شکل کو باقی رکھنے کے لئے اختیار کیا گیا[4] بالآخر یہ دکھائی دیتا ہے کہ وہ تحائف جو وہ لیا کرتا تھا دلہن کے فائدے کے لئے قبول کئے جانے لگے اور اس کا جہیز بن گئے۔ منو کہتے ہیں "اگر روپیہ یا کچھ اور اشیا دوشیزگان کو دیے جائیں تو وہ بیع نہیں ہے بشرطیکہ دلہن کے قرابتداران تحائف کو اپنے استعمال کے لئے نہ لیں۔ وہ تحائف محض محبت سے اور اخلاقاً دلہن کو دیے جاتے ہیں"[5] اس قسم کے تحفے کو اس کا شلک

منو ارش ۹۶

[illegible]

[1] شمالی ملیبار کے تیاروں میں شادی کی رسم کے وقت ایک رقم دلہن کے کرتوان کو جسے دلہن کی کانم کہا جاتا ہے دی جاتی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دلہن کو ایک زمانے میں شل رہن کے تصور کیا جاتا ہے تاوقتیکہ کانم واپس دیا جاتا۔ ملیبار میرج رپورٹ صفحہ ۵۲۔

[2] منو باب ۳ ورس ۵۱ اور ۵۱ باب ۹ ورس ۹۸ ۔ اگر رولیا ماں کو قلیل رقم دیجائے تو وہ دلہن کی قیمت نہیں ہے (Authikesavulu V. Ramanuja) ۳۲ مدراس ۵۱۲ صفحہ ۵۱۷۔

[3] منو باب ۳ ورس ۲۹ یاگنولکیا باب ۱ ورس ۵۹

[4] ایستمبا باب ۲ باب ۶ ورس ۱۱ دیکھئے قانون روما (coemptio) اور جرمنی کا قانون Frankauf

[5] منو باب ۳ ورس ۵۴ Mayr's Das Indische صفحہ ۱۵۶ دیکھو مقدمۂ اشارناتھی بائی ۲ بمبئی صفحہ ۹ جسٹس میلکین نے

کہتے تھے اور وراثتاً ان تحائف کا انتقال ایک خاص سلسلے سے دلہن کے بھائیوں پر ہوتا تھا۔ یعنی وہ چیزیں اس کے اصلی خاندان میں عود کرتی تھیں نہ کہ اس کے اناث ورثا کو دی جاتی تھیں گو تم کے ایک ترجمے میں یہ بھی اجازت دی گئی ہے کہ اس لڑکی کے عین حیات شلک اس کے بھائیوں کو پہنچنی چاہیے بہرصورت شلک کو ایک ایسی چیز سمجھا جاتا تھا جس پر اس کے خاندان کو خاص حقوق حاصل ہوتے ہیں اس شئے کا ان کے حق میں واپس ہونے کا حق باقی رہتا تھا گو وہ اس پر قابض نہیں ہوتے تھے۔ غالباً یہی سبب تھا کہ جب ایک لڑکی بالغ ہونے کے بعد اپنے لئے خود شوہر انتخاب کرلیتی تھی وہ لہا اسپنے خسر کو شادی کا تحفہ نہیں دیتا تھا" کیونکہ اس نے اس کو ایسے وقت میں روک کر جب کہ وہ ماں ہوسکتی تھی اسپنے تسلط کو زائل کر دیا[1] لیکن اس کے برخلاف وہ بھی ان زیورات کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتی تھی جو اس کے خاندان سے ملے تھے کیونکہ حق عود اس طرح زائل ہوگیا تھا۔ اگر لڑکی شادی سے قبل مرجاتی تھی تو دولہا کے دیے ہوئے تحائف
۹۷ بعد منہائی اخراجات جو ہوئے ہوں اس کو واپس دے دیے جاتے تھے[2]۔

**معاوضے کا معدوم ہونا**

بقیہ اشکال میں معاوضہ معدوم ہوتا ہے۔

**۹۲ ث**۔ بقیہ تین اقسام (یعنی برہم (دیو اور پرجاپتی) اور انھیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا۔ اہم فرق یہ ہے کہ ایک طرف تو والدین اپنی خوشی سے سپرد کردیتے ہیں لیکن خود ان کو دوسری جانب سے کوئی چیز اس کے مبادلے میں نہیں ملتی۔ قسم دیو کے

بقیہ مضمون بابت صفحہ گذشتہ: بالکل اسی قسم کے رواج کا (Kirghiz Erbrecht) میں ہونا بیان کیا ہے دیکھو صفحہ ۶۶ (Compaigning on the Oxus)۔

[1] منو باب ۹ صفحہ ۹۳/۹۰ گوتم باب ۱۸ صفحہ ۲۰۔

[2] یاگنولکیا باب ۱ صفحہ ۱۴۶ مناکشرا باب ۲ صفحہ ۱۱۳۔

متعلق بہ صراحت یہ کہا گیا ہے کہ وہ پجاری یعنی برہمن کے لئے مخصوص اور مناسب ہے قسم برہم سے دولہا کے لئے منو کہتا ہے کہ "وید کا عالم ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اس کا بھی برہمن ہونا ضروری ہوا غالباً یہ اقسام برہمنوں کے لئے ہی شروع ہوئے تھے چونکہ شروع سے برہمنوں کا خاص احترام کیا جاتا تھا اس لئے جب مختلف فرقوں کے مابین ازدواج جائز قرار دیا گیا تو ایک برہمن کا (بسبب اس کے کہ وہ نہایت ہی قابل اور لائق ہوتے تھے) بلا معاوضہ قبول کیا جانا ایک فطری امر تھا۔ رفتہ رفتہ اس کو وسعت دی گئی اور اسی طرز عمل کو اس وقت بھی اختیار کیا گیا جب کہ ایک برہمن اپنی ہی ذات کی لڑکی سے شادی کر رہا ہو۔ جب ان اقسام کو برہمنوں نے عام طور سے (یعنی ہر جگہ) قبول کر لیا تو لازماً نیچے کے طبقے کے لوگ بھی اس کو بتدریج اختیار کر لئے ہوں گے۔ (جس طرح سینٹ جارج ہنودر اسکوئیر میں شادی کرنا وہ لوگ باعث فخر سمجھتے ہیں جن کے مکانات اس خوبصورت اور فیشن ایبل مقام میں نہ ہوں بالکل اسی طرح یہ بھی ہوا ہوگا) بادی النظر میں یہ قیاس جائز ہو سکتا ہے کہ خود اس کی تعریف کے لحاظ سے برہمی قسم کا ازدواج شودر کے لئے جائز نہیں ہے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ منو نے بھی آخری چار اقسام کو بقیہ تین ذات والوں کے لئے[1] مخصوص کیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے کہ برہم ازدواج ایک عرصے سے کسی خاص فرقے کی ملک باقی نہیں ہے) یعنی ہر فرقے والا اس شکل میں شادی کر سکتا ہے)۔ چنانچہ مدراس کی صدر عدالت نے مقدمہ سیورا ما بنام بھاگوں (مدراس دسمبر ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۴۲) یہ قرار دیا ہے کہ اگر شودر کی شادی میں دولہا کی جانب سے کوئی تحفہ نہ دیا جائے اور دلہن بلا اس کے دیدی جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ برہم قسم سے شادی ہوئی[2]

شکل برہم

[1] منو باب ۳ صفحہ ۲۲/۲۶۔

[2] سیوراما بنام بھاگوں۔ مدراس دسمبر ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۴۳۔

**صرف برہم اور اسور باقی ہیں**

**دفعہ ۸۳**۔ ازدواج کے ان تمام اقسام میں سے اس زمانے میں صرف یعنی برہم اور اسور دو رائج ہیں اور بقیہ متروک۔ پہلے چار اقسام کو منو نے پسندیدہ کہا ہے اور آخری چار کو
ناپسندیدہ۔ البتہ فوجی کو وہ گندھروا اور راکشس کی اجازت دیتے ہیں۔ ۹۸
نارد نے ہر ایک کے لئے راکشس ممنوع قرار دیا ہے۔ دونوں نے اسور اور پیشاچ کو قطعاً ممنوع کیا ہے[۱] نارد کے بہت بعد بھی ناپسندیدہ اقسام کا (یا چند کا) باقی رہنا استری دھن کے قواعد سے ثابت ہے چنانچہ جس عورت کی شادی اس طرح ہوئی ہو اس کی استری دھن کی وراثت کے قواعد خاص ہیں (دیکھو متاکشرا باب ۲ فصل ۲ دفعہ ۱۱) عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں جائز قسم صرف برہم ہے۔ شاید جیسا کہ مسٹر اسٹیل بیان کرتے ہیں اعلیٰ جماعتوں کی حد تک یہ بیان درست ہو[۲] لیکن اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ اسور ابتک رائج ہے۔ چنانچہ جنوبی ہند کے شودروں میں یہ قسم بہت ہی مرغوب ہے (گو زیادہ رائج نہ ہو)[۳] اس قسم کی شادی میں یہ ضروری ہے کہ باپ یا دوسرے قرابتدار جو لڑکی کی شادی کر دیتے ہیں مالی فائدہ اپنے لئے حاصل کریں[۴]۔ چنانچہ جب کہ دلہن کی قیمت (شلک) باپ کو محض اس لئے دی گئی کہ اس عورت کے پہلے شوہر کو دی جائے تو قرار دیا گیا کہ شادی اسور قسم کی

---

[۱] منو باب ۳ فقرات ۲۳ و ۲۴ و ۲۶ تا ۳۱۔ نارد باب ۱۲ فقرہ ۴۵۔
[۲] گبیلن باب ۱ صفحہ ۶۳۔ کولبروک کے مقالے ۱۸۵۸ء صفحہ ۱۲۲۔ اسٹیل صفحہ ۱۵۹ دی۔ بن منڈلک صفحہ ۳۰۱۔
[۳] (Authikesavulu V. Ramanuja) جلد ۳۲ مدراس صفحہ ۵۱۲ جلد ۱۹۰۹ ڈائجسٹ صفحہ ۱۰۶ جلد ۱ اسٹرینج ہند و لا صفحہ ۴۳ میں سابق ایڈوکیٹ جنرل اس بیان کو مدراس کی عدالتوں میں اسٹرینج انس بیرسٹر سے سنا ہے ہم مسٹر اس جنوبی ہند کی زبانوں اور رواجات سے خوب واقف تھے۔ اس بیان کو طبقۂ وکلا اور عدالت نے بھی قبول کر لیا ہے۔ جگناتھ نے یاگنولکیا سے ایک اقتباس یہ کیا ہے کہ قسم اسور تجارت پیشہ اور نیچ ذاتوں کے لئے مخصوص ہے۔ یہ بیان اسٹنزلر کے نسخے میں نہیں ہے۔ باب ۱ دفعہ ۶۱ کے بعد ہونا چاہئے تھا۔ مدراس ہائی کورٹ نے اس قسم کی شادی کو برہمنوں کے لئے بھی جائز قرار دیا ہے۔ دیکھئے وسوانادین بنام سمی ناوین جلد ۱۳ مدراس صفحہ ۸۳۔
[۴] چنی لال بنام سورج رام جلد ۳۳ بمبئی ۴۳۳۔

دیتھی [1] و نیز بمقدمہ بالدیو سنکر بنام جمنا کنور جب کہ والدین نے غیر مستحق شخص کو اپنی لڑکی
اس معاہدے سے دی کہ اس کے عوض دولہا انھیں نان و نفقہ دے تو قرار دیا گیا کہ
نان و نفقے کا معاہدہ خلاف مصلحت عامہ تھا اس لئے اس کو نافذ نہیں کرایا جاسکتا۔ البتہ
یہ تعجب ہے کہ خود ازدواج کے جواز پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا [2] اگر یہ عوض اس کے کہ
باپ اپنی لڑکی کو عقد نکاح میں دیگا۔ رقم دینے کا قرارداد ہو تو یہ رقم وصول نہیں کی جاسکتی
اور نہ وہ رقم واپس دلائی جاسکتی ہے جو شادی کرا دینے کے عوض دی گئی ہو اور عام
طور سے وہ معاہدات قانون ہند اور انگریزی دونوں کے لحاظ سے خلاف
99 مصلحت عامہ سمجھے جاتے ہیں جن کی غرض یہ ہو کہ دو اشخاص کے درمیان ازدواجی
تعلقات پیدا کرائے جائیں [3] آسام میں "بطور قاعدہ عورت کو ایک قسم کی جائداد
اس مفہوم میں سمجھا جاتا ہے کہ اس کو قیمت دے کر خرید اجاسکتا ہے یا اس سے ماں کے
گھر میں کام لیا جاسکتا ہے" صرف گرو (Gharos) اور (Khasis) کھاسیاں زوجہ
کو نہیں خرید لیتے ہیں [4] بریں ہمہ مدراس میں شودروں کے متعلق یہ قرار دیا گیا ہے کہ محض یہ

شغل کے متعلق قیاس

بیان کہ شادی ناپسندیدہ طریقے سے ہوئی ہے تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ قیاس اسکے
خلاف ہوگا جو لوگ اس پر کسی غرض سے استدلال کرتے ہوں انھیں چاہئے کہ اسے
ثابت کریں [5] بنگال کے متعلق بھی کلکتہ ہائی کورٹ نے اسی طرح تصفیہ فرمایا ہے
اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ جوڈیشل کمیٹی نے ترہت کے ایک مقدمے میں اس کو تسلیم بھی کرلیا
ہے [6] مغربی ہند کے ایک مقدمے میں شاستری نے یہ بیان دیا کہ گو امور ممنوع تھے
لیکن پھر بھی برہمن، اور دیگر لوگ رواجاً اس شکل میں شادی کرتے ہیں اور یہ کہ

---

[1] ہیرا بنام ہمی بہنا ۲۷ بمبئی صفحہ ۲۹۵۔
[2] ۲۳ الہ آباد ۴۹۵۔ بالدیو سنکر بنام جمنا کنور۔
[3] دلاورمی بنام حلیدس پولگیجی جلد ۳ بمبئی صفحہ ۱۲۔ دھولی داس بنام فلجیدر ۲ بمبئی ۶۵۸ و بنکٹا کرستنا بنام لکشمی نارائن ۳۲ مدراس صفحہ ۱۸۵
[4] اعداد و شمار ۱۹۰۱ء آسام رپورٹ صفحہ ۱ صفحہ ۱۱۷ صفحہ ۱۱۹۔
[5] چٹی بنام چٹی ۳۲ مدراس صفحہ ۱۲۵۔
[6] کیتی بنام کلاوسی مدراس دسمبر ۱۸۶۸ء ۲۰۱ جودوناتھ بنام بسنت کمار جلد ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۸۶/۲۸۷

اس فعل کے لئے کوئی شخص بھی ذات سے باہر نہیں کیا گیا [1] مسٹر سورگ یہ کہتے ہیں کہ تامل لوگوں میں اسور قسم ہی عام ہے اور یہ کہ برہمن جسے تحفۂ دوشیزہ (کنیا دان) کے نام سے موسوم کرتے ہیں قابل تعریف نہیں سمجھی جاتی۔ اس قسم کے متعلق نیز یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ داماد جس کی شادی اس طرح ہوا اپنے خسر کے خاندان کا متبنیٰ ہو کر اپنے اصلی خاندان کے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے [2] واقعہ تو یہ ہے کہ اگر دلہن بلا کسی عوض کے مل جائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دولہا خرید لیا گیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ
شکل گندھروا
گندھروا شادی کے جواز کا اعلان ۱۸۱۶ء میں صدر عدالت بنگال نے کیا۔ لیکن صرف چھتریوں کی حد تک۔ ونیز عدالت ضلع اور صدر عدالت دونوں نے ۱۸۵۰ء
۱۰۰ اور ۱۸۵۵ء تک بھی اس کو جائز سمجھا ہے [3] تاہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ قسم اس زمانے سے متعلق ہے جب کہ عقد نکاح میں استقلال کا خیال ہی معدوم تھا۔ گندھروا شادی کی تعریف سے خود ظاہر ہے کہ وہ زنا سے کسی طرح کم نہیں ہے یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ ایسا تعلق کس طرح اس زمانے میں ازدواج سمجھا جا سکتا ہے اور کیوں کر ازدواج کے وہ تمام نتائج ایسے تعلق سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ الہ آباد ہائیکورٹ نے بلا پس و پیش یہ تجویز فرمائی اس قسم کی شادی کی اولاد صحیح النسب نہیں سمجھی جا سکتی۔ یہ مقدمہ راجپوتوں کا تھا اور مدعی کا (جو ایسی شادی سے پیدا ہوا تھا) یہ ادعا تھا کہ وہ صحیح النسب ہے [4]

بقیہ حاشیہ مضمون صفحہ گذشتہ۔ صدر کورٹ جلد ۱۹ سدر لیشڈ ص ۲۶۳ جگناتھ پرشاد بنام رنجیت سنگھ ۲۵ کلکتہ ص ۳۵۴ مسماۃ ٹھاکر بنام رائے بالک رام ۱۱ مورز انڈین اپیلیں ۱۷۵ صدر کورٹ جلد ۱ سدر لیشڈ پی۔ سی ص ۳۔

[1] کیشو راؤ بنام نارو ۲ بورڈیل رپورٹ ص ۱۹۰ ص ۲۱۵ ص ۲۲۱۔ اور دیکھو نند لال بنام پیداس ا بورڈیل ص ۱۸ ص ۱۶ ص ۲۰ شکل ازدواج کے متعلق قیاس کے لئے جگناتھ بنام نارائن ۳۴ بمبئی ص ۵۵۳ چنی لال بنام سورج رام ۳۳ بمبئی ص ۴۳۳۔

[2] سورگس کا ہندو لا ۳۰/۳۳۔

[3] جھوچل بنام رانی بہادومن صدر دیوانی ۱۸۲۶ء ص ۳۳۰۔ جلد ۳ ڈائجسٹ ص ۱۰۶ جگ سروپ ۱۴ مور ص ۳۷۹۔

[4] بھاؤنی بنام مہاراج سنگھ ۳ الہ آباد ۷۳۸۔

مدراس ہائیکورٹ کے خیال میں گندھروا شادی صرف اس وقت جائز ہو سکتی ہے جبکہ وہ شادی کے مراسم کے ساتھ انجام دیجائے۔ مراسم شادی میں رسم ہوم یا آگ کے سامنے رسوم (سب سے زیادہ اہم ہے [۱۱] یہ ظاہر ہے کہ مراسم کی یہ کارروائی اس بے قاعدہ انتظام سے جس کا ذکر منو نے کیا ہے بالکل مختلف ہے۔ بعد کے مولفین نے اس کی کوشش کی ہے کہ زمانۂ حال کی منظم سوسائٹی قدیم رواجات کا احترام کرے۔ چنانچہ جن احکام کا حوالہ ہائیکورٹ کے فیصلے میں دیا گیا ہے وہ بلاشبہ اسی کوشش سے پیدا ہوئے ہیں (بہ الفاظ دیگر قدیم رواجات اور موجودہ سوسائٹی میں ایک قسم کی مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی) اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ازدواج کی یہ قسم ایک فرقے میں متروک ہے تو قدیم احکام کو ملحوظ رکھکر عدالت اس کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں ہے [۱۲]۔

اگر شادی کی رسم ادا ہوئی ہو تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ جائز ازدواج کے جملہ رسوم اور ضوابط کی پابندی کی گئی ہے [۱۳]۔ ازدواج ایک سنکار ہے اور جملہ دو جنمی لوگوں پر واجب۔ البتہ وہ لوگ شادی کرنے پر مجبور نہیں ہیں جنھوں نے دوامًا ایک برہماچاری کی زندگی اپنے لئے اختیار کر لی ہو یا کسی دوسری قسم سے تارک الدنیا ہو گئے ہوں۔ اور اس قاعدہ کا اطلاق بہ لحاظ نظائر شودروں پر بھی ہوتا ہے [۱۴]۔ اگرچہ کہ ازدواج ایک
۱۰۱ سنکار ہے لیکن وہ ایک معاہدہ بھی ہے [۱۵]۔ اگر تارک الدنیا اشخاص (مثلاً وہ جو سلسلۂ نہنگ کے ہیں) ازدواج کرنا چاہیں تو ان کا عقد تسلیم نہیں ہوگا اور ان کی اولاد

[۱۱] برنماون بنام رادھامنی ۲۱ مدراس ۲۶۷۔ نیز ۱۳ مور صفحہ ۵۰۶۔

[۱۲] موجی لال بنام چندر بتی کماری ۳۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۲۔ ۳۸ کلکتہ صفحہ ۷۰۰۔

[۱۳] وسواناد ھاسوامی بنام کاموال ۲۴ مدراس لاجرنل صفحہ ۲۷۱۔

[۱۴] جسٹس کرشنا سامی آئر نے اس موضوع پر بمقدمہ کمسوراما ستبری بنام ویراجرلو ۴۳ مدراس صفحہ ۲۲۴ مفصل بحث فرمائی ہے نیز دیکھئے گوپال کرشنا بنام وینکٹا نرسا ۳۷ مدراس صفحہ ۲۷۳ اجلاس کامل سبرمنیا اس اینگار بنام تہ ودنگدانتی نیگر ۴۸ مدراس صفحہ ۵۵۸۔

[۱۵] ٹنو سامی مدلیر بنام سیلامنی ۳۳ مدراس صفحہ ۳۴۲۔

غیر صحیح النسب سمجھی جائے گی[۱]

**لڑکی کو دینے کا اختیار**

دفعہ ۱۴۵۔ ان لوگوں کے متعلق جو لڑکی دینے کے مجاز ہیں نارد کہتا ہے کہ "باپ یا باپ کی رضامندی سے بھائی۔ یا دادا۔ ماموں یا دیگر رشتہ دار لڑکی کی شادی کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ماں بشرطیکہ وہ اس قابل ہو اگر وہ بھی نہ ہو تو باقی رشتہ دار لڑکی کی شادی کر دیں۔ اگر بہ فرضہ ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو لڑکی کو چاہیئے کہ پادشاہ سے درخواست کرے اور اجازت ملنے کے بعد وہ اپنے لئے شوہر پسند کر سکتی ہے"[۲] یاگنولکیا کے لحاظ سے شادی کی ولایت کا سلسلہ حسب ذیل ہے باپ۔ دادا۔ بھائی۔ عکولا اور ماں دیگر اغراض کے لئے سلسلۂ ولایت مختلف ہے[۳] چنانچہ وہاں باپ کے بعد ہی ماں ہے۔ اس اختلاف کی توضیح کے متعلق یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس سلسلۂ ولایت کو جو لڑکی کی شادی کر دینے کے متعلق بیان کیا گیا ہے لڑکی کو کسی اور طرح منتقل کرنے کے قانونی حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کون لوگ ایک لڑکی کو رسومات ازدواج ادا کر کے دے سکتے ہیں۔ عام طور پر یہ حق ولایت کے عام اختیار سے ملحق سمجھا جاتا ہے بجز اس کے کہ قانوناً وہ حق فطری ولی کے علاوہ کسی اور کو صراحۃً حاصل ہو گیا ہو۔ بہ مطابقت اس خیال کے مدراس ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ اگر ماں کو اپنی نابالغ لڑکی کی حضانت بطور جائز حاصل ہو تو ایسی صورت میں وہ اس کی بھی مجاز ہوتی ہے کہ اس کے لئے شوہر کا انتخاب کرے اور شادی کر دے نیز شادی کے جائز اخراجات جائداد خاندان مشترک سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس کا کوئی لحاظ نہ ہوگا کہ لڑکی کے دادا اور دوسرے قرابتداروں نے شادی کی رسم ادا کرنے سے (غلط یا نامناسب طور پر) انکار نہیں کیا تھا[۴]

---

[۱] رام کشور بنام جگناتھ پوری ۵۵ ۳ جلد ۱۱ الہ آباد لاجرنل صفحہ ۳۵، سیوری بنام دوارکا پرشاد ۱۱ الہ اباد لاجرنل صفحہ ۳۰۔

[۲] نارد باب ۱۲ ف ۲۰/۲۲۔ یاگنولکیا باب ۱ ف ۶۳۔ اس حکم کی تعبیر بمقدمہ بائی رام کوری بنام جمناداس جسٹس چندراورکر نے کی ہے، ۲۷ بمبئی صفحہ ۱۸۔

[۳] دیکھئے ف ۲۱۱۔

[۴] زنگانیکی بنام رام نوجا ۳۵ مدراس صفحہ ۲۸ و نیز دیکھئے بائی رام کوری بنام جمناداس ۲۷ بمبئی صفحہ ۱۸۔

۱۰۶ اگر باپ نے اپنی لڑکی اور زوجہ کو چھوڑ دیا ہو تو ماں اپنی لڑکی کو دینے کی مجاز ہوتی ہے[۱] لیکن بلاشک کسی اور صورت میں ایسا معاہدۂ ازدواج قابل پابندی جو باپ کے حین حیات اس کے مشورے کے بغیر منعقد ہوا ہو[۲] اور نانا کا حق سوتیلی ماں کے حق سے بہتر ہے[۳] اس فیصلے سے قبل بھی مدراس ہائیکورٹ نے (علیحدہ شدہ) چچا (یعنی ایسا چچا جو تقسیم کرکے جدا ہو گیا ہو) کو ماں کی رضامندی کے بغیر بھتیجی کی شادی کر دینے کی اجازت نہیں دی۔ انھوں نے اس کا اعتراف فرمایا کہ حکم مندرجۂ باب فقرہ ۶۳ بالکل تقسیم شدہ خاندان ہی تک محدود نہیں سمجھا جا سکتا لیکن اس خیال کا بھی اظہار فرمایا گیا کہ قرابتداران ذکور کو ماں پر ترجیح دینے کی غرض یہ تھی کہ اس کو وقتاً فوقتاً محض مشورہ حاصل ہو و نیز اس کی حفاظت کی جائے۔ کیونکہ ہندو نظام میں عورت ہمیشہ دوسروں کی حضانت میں رہتی ہے اور اس قسم کے مشورے ہمیشہ ضروری ہوتے ہیں۔ عملاً عورت کی یہ حالت اب قانوناً باقی نہیں ہے چنانچہ جب کہ ماں لڑکی کی ولیہ بھی تھی اور اس کی جائداد کی قابض بھی جس سے اس کی شادی کے اخراجات کی بجا آوری ہونی چاہیئے تھی تو عدالت نے ایک طرف تو ماں اور دوسری طرف قرابتداران ذکور کے مشورے کو ضروری سمجھا لیکن اگر ایک فریق ایک شخص کو منتخب کرے اور دوسرا بغیر وجہ معقول اس کو منظور نہ کرے تو عدالت غالباً مداخلت کرے گی کہ اس لڑکی کی شادی موزوں شوہر سے کی جائے[۴]۔ اگر ولی ایسی شادی کا باعث ہونے والا ہو جو بادی النظر میں لڑکی کیلئے مضر ہو تو عدالت کو مداخلت کرنے کا اختیار ہے بالخصوص اس وقت جبکہ اس کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہو کہ نیت بری ہے۔ اگر باپ خود ولی ہو تو ایسی مداخلت کی

---

[۱] ناری بنام سکرو جلد ۱۹ الٰہ آباد صفحہ ۱۵ خوشالیکنڈ بنام بائی مانی ۱۱ بمبئی صفحہ ۲۴۷ بائی رلیت بنام جے چند ۱۷ بلاس ۴۲۔

[۲] نانا بھائی بنام جنردھن ۱۲ بمبئی صفحہ ۱۱۰ گنکیا ستیا یا بنام دیوان ۷ میسور صفحہ ۳۳ نند لال بنام تاپی داس البورڈیل صفحہ ۱۴ صفحہ ۱۶۔

[۳] رام جسی بنام سیہ کنواری جلد ۷ سدرلینڈ ۳۲۱ - ۳ واکمن ریورٹ صفحہ ۲۱۹۔

[۴] ا ما سیوم بنام اتما ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۳۹ ۔ مسماۃ رولیت بنام مدکوجی ۲ بورڈیل صفحہ ۶۸ صفحہ ۳۹ ۔ کملا ہو بنام منی شنکر ایضاً صفحہ ۱۸۹ صفحہ ۲۴۔

صرف شاذ و نادر صورتوں میں اجازت ہوگی [۱]

**عدالت کی مداخلت**

ف ۵۔ مذکورالصدر قواعد اس وقت اہمیت رکھتے ہیں جبکہ شادی کی بنیاد معاہدہ ہو۔ اگر شخص غیر مجاز لڑکی کی شادی کردینے کی کوشش کرے تو ایسی کوشش اس شخص کی جانب سے باضابطہ طور پر درخواست ۱۰۳
پیش ہونے پر جو اس کا محق تھا کالعدم کردیجا سکے گی [۲] اگر فی الواقعی شادی مکمل ہوجائے تو دوسری قسم کا سوال پیدا ہوگا اس قسم کا ایک نہایت ہی اہم مقدمہ مدراس میں پیش ہوا تھا [۳] اس مقدمے میں ماں نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر شادی کی تکمیل کردی تھی۔ شادی کے رسومات ادا کرنے والے برہمن کو غلط باور کرایا گیا تھا کہ باپ کی رضامندی حاصل کیجا چکی ہے۔ بطور واقعہ یہ معلوم ہوا کہ ماں کا فعل نیک نیتی پر مبنی تھا۔ وہ فطری ولی کی حیثیت سے اور لڑکی کی بہبودی کے لئے اس کی کوشاں تھی کہ لڑکی کو اچھا اور موزوں شوہر ملے۔ باپ نے شادی کو مسترد کیا۔ شوہر نے اس امر کے استقرار کی نالش کی کہ ازدواج ناقابل استرداد تھا۔ عالیہ عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ عدالت نے فرمایا کہ "ذیل کے دو قواعد ایسے مسلم ہیں کہ معرض بحث میں آہی نہیں سکتے یعنی ۱۔ جب قانونی ولی لڑکی کو دیدے اور ازدواج کے رسوم حسبہ ادا ہوئے ہوں [۴] تو ایسا ازدواج ناقابل استرداد ہے اور ۲۔ جب لڑکی کو فریب یا جبر سے بہکا کر شادی کرائی گئی ہو اور فطری یا قانونی ولی کی جانب سے دی گئی ہو تو مذہبی رسم کی تکمیل سے فریب کا ارتکاب ہونے کے سبب وہ (شادی) جائز مذہبی رسم (سنسکار) نہیں سمجھی جائے گی [۵] تیسرا قاعدہ جو مقدمۂ زیر بحث کے لئے اہم ہے وہ یہ ہے کہ اگر لڑکی کی ماں نے (جبکہ تیہ

---

[۱] شری دھر بنام ہیرالال ۱۲ بمبئی ۴۸۰۔

[۲] حلدا بمبئی ۲۵۳۔

[۳] وینکٹاچلو بنام رنگاچیلو ۱۳ ، مدراس ۳۱۶۔

[۴] دیکھئے بردابن چندرا بنام چندرا کر بکر ۱۲ کلکتہ صفحہ ۱۴۰ شادی جو فی الواقعی ہوئی ہو اس کی واجبی انجام دہی کے قیاس کے متعلق مقدمۂ مذکور سند ہے۔

[۵] تجویز جسٹس نارمن بمقدمۂ ادبھوتا داسی بنام پیالمد چندر رائے ۱۶ بنگال لاریورٹ صفحہ ۲۵۴۔

فطری ولیہ کے لڑکی کی بہبودی کے لئے بغیر جبر یا فریب کے) لڑکی کی شادی کردی ہو اور رسومات شادی جیسے ادا ہوئی ہوں تو شادی منسوخ نہیں کی جا سکتی[1] اس رائے کی تائید دیگر اسناد سے ہو سکتی ہے[1] اور یہ رائے اصولاً بالکل ٹھیک ہے۔

**اشخاص جن کا انتخاب ہو سکتا ہے**

۸۶۔ فریقین ازدواج کا انتخاب ذیل کے دو قواعد کا تابع ہے (الف) یہ کہ ان کا انتخاب خاندان سے باہر ہونا چاہئے (ب) یہ کہ ان کا انتخاب اندرون ذات ہونا چاہئے ان میں کا پہلا قاعدہ
(جسے مسٹر میالکین (McLennan) کے نام سے موسوم کرتے ہیں) اس حیرت انگیز ۱۰۴
ممانعت کی صرف ایک خاص شکل ہے جس سے ایک ہی خاندان یا قبیلے کے اشخاص کے مابین شادی نہیں ہو سکتی۔ یہ امتناع دنیا کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے سنسکرت مولفین کی رائے میں ایسے دو اشخاص کے مابین شادی نہیں ہو سکتی جو بلحاظ قرابت ایکدوسرے کے سپنڈ ہوں اگر مورث مرد ہو تو یہ قرابت چھ نسلوں پر ختم ہوتی ہے اور اگر مورث عورت ہو تو منو اور پستمبھا نے اس ممانعت کو چھ نسلوں پر ختم کیا ہے۔ اس کے برخلاف گوتم وشنو۔ وشت سنکھا۔ نارد اور یاگنولکیا۔ نے چار نسل تک کے لوگوں کو سپنڈ کہا ہے[2]۔ مذکورالصدر مصنفین میں سے بعض نے اس مزید قاعدہ کا اضافہ کیا ہے کہ دولہا اور دلہن ایک ہی گوتر یا پرور (Pravara) کے نہ ہوں یعنی وہ ایک ہی خاندان کے نہ ہوں[3] مذکورالصدر قواعد کے لحاظ سے جب شمار کرنا منظور ہو تو شخص زیر بحث

---

[1] مدعو سہ دھن بنام جادو چند رحل ۳ سدرلینڈ ص ۱۹۴ خوشحال چند بنام بائی مانی ۱۱ بمبئی ۲۴۷ - غازی بنام سکرو ۱۹ آلہ آباد ص ۵۱۵ بائی دیوالی بنام موتی کرسن ۲۲ بمبئی ص ۵۰۹ - لچند کبیر بنام بھودیو۔ ایضاً ص ۲۱۲ بائی رکھیت بنام جے چند رلوال بلاسس رپورٹ ص ۲۴۳ ہرنرائن چند ر بنام چند ر کرموکر ۲ کاک ص ۱۴۰ -

[2] منو باب ۵ ۔ آپستمبھا II vii ص ۱۵/۱۶ گوتم باب ۴ ص ۵ ۔ وشنو باب ۲۴ ص ۹/۱۰ نارد باب ۱۲ ص ۷ یاگنولکیا باب ۱ ص ۵۲/۵۳ منڈلک ص ۳۱۱ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی عورت کی شادی امتناعی درجہ میں ہوئی ہو تو اگرچہ کہ وہ امر اس مباشرت یا اغراض مذہب کیلئے دولہا کی زوجہ نہیں ہوتی لیکن اس کی شادی دوسرے سے بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کی پرورش کا ذمہ اسی شوہر پر ہوتا ہے جس سے شادی ہوئی ہو۔ اجند ر بنام گوپال ۱۴ بمبئی ص ۶۲۸ -

[3] منڈلک ص ۵ پنجاب کے امتناعی رشتہ داروں کے لئے دیکھئے کسٹمری لا جلد ۲ ص ۱۲۰/۱۴۲ -

اس حساب میں داخل نہ ہوگا (یعنی حساب بلا شمول اس کے ہوگا) یعنی دلہن اور دولہا سے
شروع تو کیا جائے لیکن انھیں چھوڑ کر چھ یا چار درجے گنے جائیں۔ بالفاظ دیگر اگر
ان کی قرابت مورث سے بذریعۂ باپ کے ہو تو چھ پشتوں تک اور اگر ماں سے
ہو تو چار تک۔ اگر اس طرح حساب کرنے کے بعد بھی مورث تک نہ پہنچیں تو وہ پند
نہیں ہیں اور ایسے دو اشخاص کے مابین شادی ہو سکتی ہے [1] اس طرح حساب کرنے
سے دو ہزار ایک سو اکیس ممکنہ قرابتداروں سے شادی نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں متبنیٰ لڑکے
کے معاملے میں اس سے زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ ایسا لڑکا دو خاندانوں میں شادی
نہیں کر سکتا۔ ان الجھنوں کو شارحین کے اختلاف آرا نے زیادہ پیچیدہ کر دیا ہے۔
و نیز الجھنیں اس وقت بھی پیدا ہوتی ہیں جبکہ رشتہ داری کا شمار علاتی ماں سے شروع
کیا جاتا ہے [2] اگر رشتہ داری کے پیدا ہونے کا سبب محض ایک 'نسبت' ہو ۱۰۵
مثلاً زوجہ کی ہمشیر یا ہمشیر زادی سے قرابت کا پیدا ہونا۔ تو ایسے رشتہ داروں کے
مابین شادی نامناسب سمجھی جا سکتی ہے لیکن ناجائز نہیں۔ چنانچہ زوجہ کی بھانجی یا بہن
بھتیجی یا خالہ سے۔ یا سوتیلی ماں کی بہن یا بھتیجی سے یا چچا کی سالی سے شادی کی جا سکتی ہے [3]
مغربی اور جنوبی ہند کے بعض اضلاع اور خاندانوں میں رواجاً محرمات سے شادی کرنے کی
اجازت ہے۔ چنانچہ بعض مصنفین نے اس رواج کو جائز قرار دے کر قواعد مذکرۃ الصدر کی
سختی کو بے اثر کر دیا ہے۔ وہ مثلاً صراحتہً ان شادیوں کا ذکر کرتے ہیں جو پھپھی زاد بھائی اور
ماموں زاد بہن کے مابین ہوں۔ یا ماموں زاد بھائی اور پھپھی زاد بہن کے درمیان ہوں [4]
مسٹر دی۔ ین منڈلک کے بیان کے مطابق رواجاً اس کی اجازت ہو سکتی ہے کہ

---

[1] دی۔ ین منڈلک صفحہ ۳۴۷۔ ویسٹ اور بہلر دیکھئے بنرجی کا قانون ازدواج صفحہ ۶۲-۶۶ اور کھٹاچاری کا
دھرم شاستر صفحہ ۹۳۔

[2] دیکھئے دی ین منڈلک صفحہ ۳۰۲۔

[3] راگھو ندر راؤ بنام جے رام راؤ ۲۰ مدراس صفحہ ۲۸۳۔ رام کرشنا راؤ بنام سبا راؤ ۳۴ مدراس صفحہ ۵۳۰۔

[4] ان اسناد کو دیکھو جو مسٹر منڈلک نے صفحات ذیل پر دی ہیں۔ صفحہ ۴۰۳ صفحہ ۴۱۳
۴۱۶۔ ۴۲۳ و ۴۲۸

ایک شخص اپنی حقیقی بہن کی لڑکی سے شادی کرے اگرچہ کہ اس رواج کی تائید کسی صریح سند سے نہ ہوتی ہو۔ تاہم بمبئی ہائیکورٹ نے بھانجی سے شادی کرنے کو ازدواج یا محرمات (incestuous) قرار دیا ہے۔ اور مدراس ہائیکورٹ نے اس کا اظہار فرمایا ہے کہ رواجاً یہ عمل مستند نہیں ہے اگر چہ کہ (الف) شودروں کے قواعد ازدواج ایسے ہی سخت نہ ہوں جیسے کہ برہمنوں کے۔ اور باوجودیکہ (ب) بھائی کی لڑکی سے شادی کرنیکی مثالیں بطور واقعات موجود ہوں [1]

قواعد کا محدود اطلاق ۸۷۔ سنسکرت کے جن محدود اور سخت احکام کا اوپر حوالہ دیا گیا ان کا اطلاق صرف دو جنمی جماعتوں پر ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں بھی وہ وی ین منڈلک کہتے ہیں کہ چھتری اور ویش کا نہ تو گوتر ہوتا ہے اور نہ پرورا۔ اور یہ کہ ملک کے مختلف حصوں میں یہ ہزار ہا برہمن بھی اسی حالت میں ہیں۔ گوتر میں شادی کرنے کا امتناع شودروں میں یا تو رواج سے پیدا ہوا ہوگا یا اس وجہ سے کہ وہ قواعد خوشی سے (نہ کہ اس وجہ سے کہ ان قواعد میں کوئی اندرونی خوبی تھی) اختیار کر لئے گئے تھے [2] لیکن بالکل وہی قاعدہ (یعنی ایسی شادی کے خلاف جو ایک ہی خاندان کے اراکین کے مابین ہو) نیلگری کے کرمبوں۔ سنٹرل انڈیا کے نیاؤں۔ اوڑیسہ کے کندھوں۔ اور جنوبی ہند کی ڈراویدی اقوام میں بھی دیکھا گیا ہے [3] اکثر کنٹری اقوام فرقوں میں منقسم ہیں جنھیں بالی کہا جاتا ہے اور بالی کے ارکان آپس میں شادی نہیں
۱۰۶ کر سکتے [4] مدورا میں خود ساختہ دو جماعتیں تھیں ایک داہنے ہاتھ کی اور دوسری بائیں ہاتھ کی۔ قبیلۂ چکیلی (chakkili) کی عورتوں کا تعلق داہنے ہاتھ سے ہوتا تھا اور بائیں ہاتھ کا تعلق بائیں ہاتھ سے [5] بظاہر یہ اس زمانے کی یادگار جبکہ

---

[1] راسن گاؤڈا بنام سیجامی جس کا اقتباس مسٹر منڈلک نے صفحہ ۴۳ پر کیا ہے (Vythilinga) ۲م مدراس
[2] وی ین منڈلک صفحہ ۴۱۲/۴۳۱۔
[3] برکس صفحہ ۱۵ ہنٹر اوڑیسہ باب ۲۔ صفحہ ۱۸۔
[4] جنوبی کنارا مینوئل جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ و صفحہ ۱۶۰۔
[5] مدراس مینوئل حصہ دوم صفحہ ۔

جب کہ مرد کو دوسری قوم میں شادی کرنی ہوتی تھی چنانچہ مارور کے سردار Ahambadyan کی عورتوں سے شادی کرنے کے عادی ہیں اور جو اولاد ایسے ازدواج سے پیدا ہو تو مرد Ahambadyans سے اور عورت کو Maravers ماروروں سے شادی کرنا چاہئے[1] قاعدۂ انڈوگمی (ایک ہی قوم کے کسی خاص فرقے میں شادی کرنا) جو قاعدۂ مذکور کے بالکل خلاف ہے اسی ضلع کے دوسرے قبائل میں رائج ہے مثلاً کلانوں Kallans میں بہترین اور نہایت موزوں شادی وہ ہے جو پہلے کزن سے ہو (یعنی چچیری بہن سے۔ یا پھپی زاد سے وغیرہ) یعنی پھپی کی لڑکی سے۔ یا چچا کی لڑکی سے۔ اور اگر یہ نہ ہوں تو خود خالہ یا پھپی سے۔ یا بھانجی یا بھتیجی سے۔ ماروادوں میں بھائی کے بچوں کے مابین شادی کی اجازت ہے[2] جنوبی ہند کے فرقۂ کنگا Kongas میں ماموں کی لڑکی سے شادی کرنا اس قدر پسند ہے کہ بعض مرتبہ ایک طفل کی شادی ایسی لڑکی سے کردی جاتی ہے جو بہ لحاظ سن وسال اس سے دوہری عمر کی ہو کیونکہ وہ ماموں کی لڑکی ہوتی ہے[3] تامل لوگوں میں بھائی اور بہن کے بچوں کے مابین شادی ہوسکتی ہے لیکن نہ تو دو بھائیوں کے بچے۔ اور نہ دو بہنوں کے بچے آپس میں شادی کرسکتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں بعض غیر معلوم استدلال سے اس رشتہ داری کو زیادہ قریب کی سمجھا جاتا ہے[4] ملیبار کے پلاوالوں Pullavans (یعنی سقاؤں) میں بھائی اور بہن کے مابین شادی ہونا بیان کیا جاتا ہے[5] یہ کہا جاتا ہے کہ ڈراویڈین اقوام کے اکثر لوگوں میں باپ اپنے بیٹے کی بیوہ سے شادی کرتا ہے[6] ازمنۂ قدیم میں شہزادگان سکیا Sakya ونیز گسند ھر برہمنان اپنی حقیقی بہنوں سے شادی

---

[1] مدراس میانول حصہ دوم صفحہ ۲۲۔

[2] " " " صفحہ ۵۔

[3] اعداد وشمار ۱۸۹۱ء۔

[4] بیان سورگ۔ دیباچہ صفحہ ۱۰۔

[5] اعداد وشمار ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۶۲۔

[6] اڈمنسٹریشن آف مدراس میانول صفحہ ۱۰۶۔

کرتے تھے [۱] ایسے ازدواج فی الحقیقت ناجائز تھے کیونکہ 'محرمات' سے ہوتے تھے لیکن ان تمثیلات سے نظام قانون کے تنازع کی وضاحت ہوتی ہے۔

**زمانۂ قدیم میں مخلوط ازدواج جائز تھے**

۵۸۔ مختلف الذات اشخاص کے مابین شادی کی ممانعت بلحاظ وقت جدید تر ہے۔ ابتدا میں ایک ذات کے مردوں اور چھوٹے طبقوں کی عورتوں (حتیٰ اینکہ شودر ذات) میں ازدواج
۱۰۷ تسلیم کئے جاتے تھے [۲] اور ممکن ہے کہ اس سے آریوں اور اصلی اقوام (aborigines) کے رواجات کے مخلوط ہونے میں مدد ملی ہو۔ چنانچہ میں نے اس کے قبل اس طرف اشارہ کیا ہے [۳] یہ کہا جاتا ہے کہ ایسے (غیر مساوی) اتحاد کے لڑکوں کی حیثیت ان کی ماں کے لحاظ سے قائم ہوتی تھی اور ان کی وراثت کا تعین بھی اسی تناسب سے کیا جاتا تھا [۴] یہ قاعدہ بھی بظاہر ایک بدعت ہے بودھاین عام طور پر یہ قرار دیتا ہے کہ جب دو قسم کے لڑکوں میں جن میں کا ایک ہم ذات زوجہ سے ہو اور دوسرا کم درجے کی بیوی سے۔ مقابلہ ہو تو کم درجے کی زوجہ کے لڑکے کو بڑے لڑکے کا حصہ ملیگا بشرطیکہ اس کے عادات وخصائل اچھے ہوں [۵] تمام مصنفین شودر عورت اور چھتری یا ویش مرد کے درمیان شادی کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن برہمن مرد اور شودر عورت کے مابین شادی کے متعلق کافی نزاع ہے۔ سوتر مصنفین کے مابین ایسی شادی کے جواز کے متعلق کوئی جھگڑا نہیں معلوم ہوتا ہے البتہ اولاد کی

[۱] ویلر کی ہسٹری۔ دیباچہ۔ ص ۱۲۔

[۲] قدیم مصنفین میں ایک اپستمبا ہی ایسا ہے جو غیر مساوی شادیوں کو تسلیم نہیں کرتا (باب ۲ فصل ۶ و ۱۳، ۱ و ۳) یہ بھی یاد ہوگا کہ وہ دلی لڑکوں کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ میں اس اختلاف کی توضیح نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ کچھ عبارت چھوٹ گئی ہو۔

[۳] قدیم زمانے کے شودروں کو میں اصلی اقوام کے نمائندے سمجھتا ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس امر کے متعلق کافی نزاع ہے۔ دیکھو میور کے قدیم سنسکرت کے متن باب ۱ ص ۱۴۰، ص ۲۵۹/ص ۲۸۹، ص ۲۹۵ باب ۲ ص ۳۶۰ ص ۴۵۵ ص ۴۸۵۔

[۴] منو باب ۹ ف ۱۴۹/۱۵۳

[۵] بودھاین باب ۲ ف ۳ دیکھو گوتم باب ۲۸ ف ۳۵/۳۸۔

حیثیت کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض احکام اس کو اور بڑے درجے کے لڑکوں کو ایک ساتھ حصہ دار قرار دیتے ہیں۔ دیگر احکام اس کو صرف اس وقت وارث قرار دیتے ہیں جب کہ اعلیٰ درجے کے لڑکے موں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ جائداد کا ایک خفیف حصہ پا سکتا ہے۔ اور چند احکام ایسے ہیں جن سے وہ گذارے سے زیادہ نہیں پا سکتا[1] منو میں اس سے کہیں زیادہ نزاع ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ پیچیدگیاں زمانے کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئیں بعض احکام اس قسم کی شادی کو منع کرتے ہیں اور بعض اجازت دیتے ہیں لڑکا وارث ہوا اور دوسرے اس کی وراثت کے مانع ہوتے ہیں[2] لیکن غالباً اس قسم کی شادیوں کے مسلم ہونے کا قوی اور ممکن ثبوت خود منو نے دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اولاد جو ایسی شادی سے ہو سات پشتوں میں اعلیٰ ترین درجے تک پہنچ سکتی ہے[3] بہرحال ہمیشہ سے اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ۱۰۸
ایک شودر مرد اپنے سے زیادہ اونچے درجے کی عورت سے شادی نہیں کر سکتا[4] مخلوط شادیاں متروکات ۸۹ ۔ ایک عرصے سے مختلف الذات اشخاص کے مابین میں

شادی کا رواج متروک ہو گیا ہے[5] بلاشک اس کا باعث بھی اسی قسم کے خیالات تھے جن خیالات نے ہندی جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایسے بے شمار فرقے پیدا کر دیے جو نہ تو ایک دوسرے کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے سے شادی کرتے ہیں[6]

---

[1] بودھائن باب ۲ فصل ۲ فقرات ۱۶/۲۱، ۲۱ گوتم باب ۲۸ ف ۲۹ وشسٹ باب ۱۷ ف ۲۱ ف ۲۵۔

[2] مقابلہ کرو منو باب ۳ ف ۱۲/۱۹۔ باب ۹ فقرات ۱۴۹/۱۵۵ نارد باب ۱۲ فقرات ۴/۶ یاگنولک باب ۱ ف ۵۶ ف ۵۷۔ سمرتی چندریکا باب ۲ فصل ۲ فقرہ ۸۔

[3] منو باب ۱۰ ف ۶۴۔ دیکھئے ف ۴۲۔

[4] منو باب ۳ ف ۱۳۔ باب ۹ ف ۱۵۷۔

[5] اور بہت نارد یا پران جلد ۳ ڈائجسٹ ۱۴۱۔

[6] دیکھئے ملارام بنام تھاکر رام جلد ۹ سدرلینڈ صفحہ ۵۵۲ نارائن دھارا بنام راکھن جلد اکلکتہ صدر کو ۲۱۴

اس وقت یہ کہنا ناممکن ہے کہ مخلوط شادیاں کب معدوم ہوئیں یا کلیوگ کی اتباع میں متاکشرا نے ایسے ازدواج کو تسلیم کیا ہے اگرچہ کہ اس فقرے سے کہ "قانون کی منظوری سے ایسے واقعات پیش آتے ہیں" یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مفقود ہو رہے تھے[1] دیابھاگ سمرتی چندریکا۔ سرسوتی ویلاس۔ ویرمترودیا مادھویا اور وردراج نے ان کا ذکر کیا ہے اور کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا[2] لیکن (حالیہ مصنفین کی حد تک) ظن غالب یہ ہے کہ یہ بحث محض اس وجہ سے داخل کی گئی ہو کہ مضمون مکمل ہو جائے نہ اس وجہ سے کہ ایسا عمل فی الحقیقت رائج تھا۔ مجہول النسبی ایسی ناقابلیت نہیں ہے جو بذات خود مانع ازدواج ہو۔ اگر ایک یا دونوں فریق ازدواج مجہول النسب ہوں تو ازدواج جائز ہوگا بشرطیکہ ان کی ذات والوں نے ان کا ایک ہی ذات میں ہونا فی الواقعی تسلیم کر لیا ہو[3]

چند قدیم مقدمات میں یہ کہا گیا ہے کہ ایک ہی (اصلی) فرقے کے ذیلی فرقے (Sub-division of the same Caste) کے لوگوں میں (مثلاً برہمنوں اور شودروں کے ذیلی فرقوں میں) ازدواج ناجائز ہیں بجز اس کے کہ رواجاً ان کا جواز ثابت ہو[4] لیکن بعد کے فیصلے اس کے خلاف ہیں[5] مدراس کے ایک مقدمے میں یہ

---

بقیہ ضمیمہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ سدرلینڈ ۳۴۴ برعکس پانڈیا تلاور بنام پولی تلاور جلد ۱ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۷۸ تصدیق کی گئی جلد ۱۳ اور ۱۳ انڈین اپیلس صفحہ ۱۴۱ ۔ راما منی بنام کلنتی ۱۴ انڈین ۳۴۲۔۳۵۲ اپیا گوشین بنام بھولارام وعوبی ۵ کلکتہ صفحہ ۴۰ وتیر گنہ بنام گنگی ۲ بمبئی ۷ امتہ سامی بنام سیلامنی ۳۳ مدراس صفحہ ۳۴۲ مہنت ۱ بنام گنگو ۳۳ بمبئی ۶۹۳ یہ کل مقدمات ان شادیوں سے متعلق ہیں جو ایک فرقے کے ذیلی تقسیم کے لوگوں کے مابین ہو۔

[1] متاکشرا باب ۱ فصل ۸ ف ۲۔

[2] دیابھاگ باب ۹ ۔ سمرتی چندریکا باب ۲ ف ۹/۶ ۔ ورست صفحہ ۱۰۱ مادھویا ف ۴۰ وردراج صفحہ ۱۸ سرسوتی ویلاس صفحہ ۱۶۳/۱۶۷ ۔

[3] رام کماری جلد ۱۸ کلکتہ ۲۶۴ ۔

[4] ۱۸ رام بنام تھانم ۹ سدرلینڈ صفحہ ۵۵۲ نارائن دھار ابنام دھاکل ۱ کلکتہ ۱ ۔

[5] پانڈیا تلاور بنام پلی تلاور جلد ۱ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۷۸ ۱۳ اور صفحہ ۱۴۱ پر تصدیق کی گئی راما منی بنام کلانتی

تجویز فرمائی گئی کہ ایک شودر ہندو اور ایسی عیسائی عورت میں جو شادی کے وقت ہندو ۱۰۹
ہو گئی ہو شادی (بہ مطابق اس رواج کے جو شوہر کے فرقے میں ہو) جائز ہے۔ اور یہ
بھی قرار دیا کہ دونوں کو شودر سمجھنا چاہیئے و نیز یہ کہ شودروں کی مختلف جماعتوں
کے ارکان میں ازدواج جائز ہیں مزید براں عدالت نے یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ اگر کوئی
فرقہ ایک شادی کو جائز مان کر فریقین کو اس فرقے کے ارکان تسلیم کرلے تو ایسی
شادی بعد میں باطل نہیں قرار دی جاسکتی [۱] بمقدمہ بڈانسارو تھر بنام فاطمہ بی۔ اسی
عدالت نے یہ بھی قرار دیا کہ اگر کوئی ہندو عورت مسلمان ہوجائے اس کی شادی جو ہندو
شوہر سے ہوئی ہو فسخ نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ اگر بعد میں وہ عورت کسی دوسری شکل میں اس مسلمان سے
شادی کرے تو یہ شادی ہندو قانون اور شرع اسلام دونوں کے لحاظ سے قطعاً باطل
ہے [۲] انگلستان کی عدالت طلاق نے ہندو قانون کی عائد کی ہوئی ازدواجی ناقابلیت کو
تسلیم کرنے سے انکار کیا اور یہ تجویز فرمائی کہ اگر ایک ہندو مرد اور انگریز عورت میں معاہدۂ ازدواج
منعقد ہوگیا ہو تو ایسا ازدواج بالکل جائز ہے [۳] و نیز ۱۹۱۷ء میں یہ بھی فیصلہ فرمایا گیا کہ جب ایک مسلمان
ایک انگریز خاتون سے انگلستان میں شادی کرے تو اس کو اس قانون طلاق سے مستفید ہونیکی
اجازت نہیں دی جاسکتی جو اس کے مقام سکونت میں تسلیم کیا جاتا ہے [۴]

**جسمانی ودماغی قابلیت**

ف ۹۔ چونکہ شادی کی اہم اور اصلی غرض یہ ہے کہ اولاد ذکور
پیدا ہو اس لئے جہاں تک کہ دولہا کے انتخاب کا تعلق ہے
جسمانی قابلیت کا لحاظ ضروری ہے۔ لیکن ہندو قانون میں
عنین مرد کے ساتھ شادی قطعاً کالعدم نہیں ہے (جیسا کہ انگریزی قانون کے لحاظ سے [۵]) دماغی

---

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ۱۴ سودرلینڈ ۲۳ مدراس ۲۵ بماکوشین بنام بھولارام دبی ۱۸ کلکتہ صفحہ ۲ فقیر کند بنام گنگی ۲۲ بمبئی
۲۷۰ مہستوا بنام گنگو ۱۳۳۱ بمبئی ۲۹۳۔

[۱] متوسامی نڈیر بنام سلمین ۳۳ مدراس صفحہ ۳۴۲۔

[۲] ۲۲ مدراس لا جرنل صفحہ ۲۱ مقدمہ بڈانسارو تھر بنام فاطمہ بی۔

[۳] شٹی بنام شٹی ۱۹۰۹ء انگلش لا رپورٹ پروبیٹ ڈویژن صفحہ ۹۷۔

[۴] تاج بنام ہیاستہ مہتمم ازدواج یکطرفہ میرانورالدین جلد انگلس بنچ صفحہ ۹۳۳ ۱۹۱۷ء۔

[۵] مقابلہ کرو تارد با ۲۲ ۱۹۰۸ء۔ ہندو باب نقرات ۲۰۱ اور ۲۰۳ جالی یکرو۔ ۳۰۔ و نیز مقدمہ کنا بی بنام بربا

ناقابلیت کی بھی یہی حالت ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی عدالت مجنون یا مخبوط الحواس
سے شادی کرنے کے عہدے کو قابلِ پابندی نہیں سمجھے گی لیکن اگر شادی مکمل ہو جائے
تو قیاس یہ ہے کہ جائز ہوگی۔ حال میں پریوی کونسل کے سامنے یہ حجت پیش کی گئی تھی کہ
ایک ہندو شادی دولہا کے جنون کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہے۔ حکام عالی مقام نے
۱۱۰ یہ تجویز فرمائی کہ قطع نظر کسی مسئلۂ دھرم شاستر کے مقدمہ زیر بحث میں جس حد تک دماغی خلالت
کا انکشاف ہوا ہے وہ ایسے درجے کی نہیں ہے کہ شادی ناجائز ہو جائے۔
کیونکہ جنون کے مختلف مدارج ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس امر پر غور کرنے کی ضرورت نہ رہی
کہ آیا ایک ہندو شادی کی تنسیخ کے لئے یا اس کو باطل سمجھنے کے لئے
جنونِ کامل (ثابت ہونے پر) وجہ موجّہ ہو سکتا ہے [۱] مجنون یا مخبوط الحواس
وارث نہیں ہو سکتا لیکن اس کی اولاد کو ان کے حصے ملیں گے۔ [۲] ہندو شادی مذہبی
فرض کی انجام دہی ہے (سنسکار [۳]) معاہدہ نہیں [۴] لہٰذا رضامندی ضروری نہیں اور
اس کا نہ ہونا (عام ازیں کہ کم سنی کی وجہ سے یا کسی اور ناقابلیت کے سبب) کوئی اہمیت
نہیں رکھتا [۵]

ایک عجیب وغریب رواج ذیل کی اقوام میں جاری ہے۔ ۱۔ تناولی کے
اجودھیا ریڈی میں ۲۔ مدراس کے کاماؤں Kammas میں۔ یہ فرقہ ممالک مدراس میں
بہت پھیلا ہوا ہے اور ۳۔ ریڈیوں میں۔ کنڑی کاشتکاروں کا یہ ایک چھوٹا سا فرقہ
ہے۔ ان لوگوں میں ایک سن رسیدہ لڑکی کی محض ایک بچے سے شادی کر دینا عام بات ہے۔

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ جلد ا الہ آباد صفحہ ۵۳۹۔ معاہدہ سے دست بردار ہو جانے کے متعلق دیکھو آگے دفعہ ۔
[۱] موجی لال بنام چندر بتی کماری جلد ۳۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۲ = ۳۸ کلکتہ ۷۰۰ ۔
[۲] دیکھئے کونسل باب ۹ فقرہ ۴۷۔ نارد باب ۱۳ فقرہ ۲۱۔ منو باب ۹ فقرہ ۲۰۱ / ۲۰۳ ویسٹ اور بوہلر صفحہ ۹۰۔ دیبی چرن بنام راداچرن ۔
[۳] منو باب ۲ فقرہ ۶۶، ۶۷ باب ۳ ۲۰ / ۳۶
[۴] لیکن دیکھئے جسٹس سنکرنائر کی تجویز بمقدمہ متو سامی مڈلیر بنام ماسیلامنی ۳۳ مدراس صفحہ ۳۴۲ صفحہ ۳۵۵ ۔
[۵] جلد ۵ الہ آباد صفحہ ۵۱۳۔ ویسٹ اور بوہلر صفحہ ۹۰۔ ۲ مورلے ڈائجسٹ صفحہ ۹۹ ۔

شوہر کے بالغ ہونے تک زوجہ اپنے شوہر کے خاندان یا فرقے کے کسی ایک رکن کے ساتھ میل جول کر سکتی ہے اور اگر بچے پیدا ہوں تو انھیں شوہر کے جائز بچے تسلیم کیا جاتا ہے[1]

**کم سنی کی شادی**

ف ۱۹۱۔ تمام قدیم مصنفین بہ اصرار اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ بالغ ہونے سے قبل لڑکی کی شادی کر دینا چاہیئے۔ جو باپ ایسا نہ کرے وہ گناہ "قطع رحم" کا مرتکب ہوتا ہے یعنی وہ ان بچوں کی پیدائش میں حائل ہوتا ہے جو اس لڑکی سے پیدا ہو سکتے تھے۔ گوتم کے بیان کے مطابق اگر کوئی لڑکی شادی کے قابل ہونے کے باوجود تین ماہ تک یوں ہی رہے تو اس کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے لئے شوہر منتخب کر لے۔ منو، بودھاین اور وشسٹ یہ کہتے ہیں کہ وہ تین سال تک انتظار کرے۔ اگر وہ خود شوہر کا انتخاب کر لے تو وہ اپنے ساتھ ان زیورات کو نہیں لیجا سکتی جو اس کے باپ یا ماں یا بھائیوں نے ۱۱۱
دیے ہوں[2] جنوبی ہند کے برہمنوں اور اونچے و اوسط درجے کے لوگوں میں کم سن بچوں کی شادی کا رواج مسلم ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ رواج ان لوگوں میں ہے جو اپنے کو اصلی ہندو کہتے ہیں۔ نیچے کے فرقوں میں عام طور پر کم سنی کی شادی ضروری نہیں ہے[3] لیکن اس معاملے میں اعلیٰ فرقوں کی تتبع سال بہ سال ان لوگوں میں زیادہ پھیل رہی ہے پنجاب میں اس قسم کی شادیاں شاذ ہیں البتہ مشرقی اضلاع میں ایسا ہوتا ہے۔ دوسرے مقامات میں ایسی شادی جو بچوں کے مابین ہو محض ایک منگنی ہے جو مستر نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد مزید رسوم بالغ ہونے پر ادا کئے جاتے ہیں جنھیں مکلاوا کہا جاتا ہے[4]

[1] اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جلد ۱۳ صفحات ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹۔

[2] گوتم ۱۸ ف ۲۰/۲۳ وشسٹ باب ۱۷ ف ۶۷/۱۷۔ بودھاین باب ۴ ف ۱۴/۱۲ منو باب ۹ ف ۹۰ تا ۹۲۔ در بمبئی جلد ۲ ڈائجسٹ ص ۳۸۶۔

[3] اعداد و شمار ۱۸۹۱ء باب ۱۳ ص ۱۲۸ ص ۱۵۱ جنوبی کنارا مینول جلد ۱ ص ۱۴۳ ص ۱۵۱ ص ۱۶۰ ص ۱۶۶ ص ۱۶۷۔ ملیبار رسیارچ رپورٹ ص ۵۰ کوچین اعداد و شمار رپورٹ ۱۸۹۱ء فقرات ۱۰۰ و ۱۰۱۔ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جنرل رپورٹ ص ۲۶۴ دیکھو آگے ف ۹۴۔

[4] اعداد و شمار ۱۸۹۱ء پنجاب رپورٹ جلد ۱۹ ص ۲۲۱ ص ۲۲۵۔

شمالی مغربی ممالک میں چند فرقوں میں بعض مرتبہ بچوں کی منگنی ان کے پیدا ہونے سے قبل کر دی جاتی ہے لیکن یہ منگنی اس شرط کے تابع ہوتی ہے کہ ان میں کا ایک لڑکا ہو اور ایک لڑکی ؎۱ آسام میں عام طور پر بچوں کی شادی ممنوع ہے۔ ممکن ہے کہ چند اعلیٰ جماعتوں میں ایسا ہوتا ہو ؎۲ بعض مرتبہ باپ اپنے لڑکے کے لئے دوسرے شخص کو لڑکی پیدا ہوتے ہی بات چیت کرتا ہے۔ اور دونوں شادی شدہ متصور ہوتے ہیں۔ لیکن یہ انتظام منگنی سے زیادہ نہیں ہے۔ بلوغ سے قبل مباشرت کی اجازت نہیں ہے۔ اور حقیقی فریقین اگر چاہیں تو اس انتظام کو بحال رکھنے سے انکار کر سکتے ہیں جو ان کے والدین نے کیا تھا ؎۳ ممالک بنگال کے صرف مغربی نصف ملک میں (یعنی بہار اور مغربی بنگال) کمسن لڑکیوں کی شادی "ایک واجبی حد تک پائی جاتی ہے" بہ الفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈراویڈی قبائل کے ان لوگوں میں یہ طریقہ رائج نہیں جو بہ لحاظ معاشرت ہندو نہیں ہیں ؎۴ برہما میں اس قسم کی شادی رائج نہیں ہے ؎۵۔

**تعداد ازدواج** ف ۹۲۔ رشتہ ازدواج کے مناسب اثر کے متعلق بہ لحاظ اسکے کہ ہر دو فریق اس کے پابند ہوتے ہیں ہندو قانون میں قابل لحاظ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ابتداءً اس کے اثرات ظاہر ہے کہ ان رواجات کے مطابق ۱۱۲ تھے جو قبل زمانہ غیر آریہ اقوام میں موجود ہیں چنانچہ کھانڈوں میں جب تک کہ عورت اپنے شوہر سے وفاداری کا طرز رکھے شوہر اس کی اجازت کے بغیر نہ تو دوسری شادی کر سکتا ہے اور نہ داشتہ سے تعلقات پیدا کر سکتا ہے ؎۶ یہ قاعدہ احمد آباد کے بجنیوں اور ویدانگر کے ناگروں میں بھی رائج ہے ؎۷ اور تھیساولم کی شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لنکا کے تامل لوگوں میں بھی

---

؎۱ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صوبہ شمالی مغربی رپورٹ جلد ۱۶ صفحہ ۲۴۶۔

؎۲ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء آسام رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۱۸/۱۱۳۔

؎۳ بنگال رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۸۵۔ اعداد و شمار۔

؎۴ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جنرل رپورٹ صفحہ ۲۹۹۔

؎۵ ہنٹر کی اڑیسہ جلد ۲ صفحہ ۷۰۔

؎۶ ہیملٹن بنام ادتم ۲ بورڈیل صفحہ ۵۲۴ صفحہ ۵۷۲ وی۔ ین منڈلک ۳۰۶۔

یہ قاعدہ رائج ہے [1] پانڈیچری کی عدالتوں نے حسب مشورہ کنسلٹیٹیو کمیٹی ۱۸۹۳ء میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ کوئی شوہر پہلی زوجہ کی رضامندی کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ زوجۂ اول لاعلاج مرض میں مبتلا ہو یا اس سے اولاد نرینہ پیدا نہ ہوئی ہو۔ عقیم عورت کو آٹھ سال کے بعد بدل دیا جا سکتا ہے۔ اور وہ عورت جس کے بچے فوت ہو گئے ہوں اور وہ جس نے اناث بچے جنے ہوں گیارہ برس کے بعد بدل دی جا سکتی ہے۔ اگر ازدواج ثانی حسب شرائط مذکورالصدر منعقد نہ کیا گیا ہو تو زوجۂ اول کی درخواست پر اس کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ تنسیخ کے بعد نہ تو زوجۂ ثانی وارث ہو سکتی ہے اور نہ اس کے بچے [2] بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ جات منو اور دوسرے دیسی مصنفین کے اسناد پر و نیز رواج مروجہ پر مبنی کئے گئے تھے۔ یہ فیصلے ابے ڈبے کی رائے کے موافق ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اونچے طبقے کے لوگوں میں تعدد ازدواج کے متعلق رواداری سے کام لیا جاتا تھا اگرچہ خود ان لوگوں میں اس کو قانون اور رواج کی نہ صرف خلاف ورزی سمجھا جاتا تھا بلکہ قانون اس کی بدنامی کا باعث [3] منو کی ایک عبارت سے اس کا حوالہ ظاہر ہوتا ہے کسی زمانے میں مرد کو ازدواج ثانی کی اجازت تھی لیکن زوجۂ سابق کے مرنے کے بعد [4] دیگر چند احکام میں وہ خاص صورتیں بیان کی گئی ہیں جن میں شوہر بطور جائز دوسری زوجہ کر سکتا ہے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ (بجز اس کے کہ وجوہ ایسے ہوں) زوجۂ اول اس کی رضامندی کے خلاف نہیں ہٹائی جا سکتی [5] دوسری عبارتیں ۱۱۳

[1] فیصلہ اولم باب ۱۱ —
[2] سودگ کا ہندو لا صفحہ ۱۵ —
[3] ڈبے صفحہ ۲۱۰ —
[4] اس طرح پر مقدس آگ روشن کرنے اور اپنی زوجہ کے مراسم جنازہ ادا کرنے کے بعد جو اس سے پہلے فوت ہو گئی ہو وہ شادی کر سکتا ہے اور پھر آگ روشن کر سکتا ہے۔ منو باب ۵ ۱۶۸ اور دیکھئے باب ۹ ۱۰۱/۱۰۲ اور رگ وید برہم سلوچ فرسٹے میں ایک ہی عورت سے شادی کرنے کا حکم ہے۔ سونا لکشمی بنام وشنو پرشاد ۲۸ بمبئی صفحہ ۵۹۷ ۔
[5] منو باب ۹ ۸۰/۸۲ لیکن یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رواج اب تک دکن کے چند قوموں میں رائج معلوم ہوتا ہے دیکھئے ۳ — ۱۶۸ اور بنگال میں بھی۔ کالی چرن بنام دکھی ۵ کلکتہ ۶۹۲ —

(مثلاً منو باب ۳ فقرہ ۱۲ - باب ۹ فقرہ ۲۰۳ باب ۹ ص ۱۰ تا ۸۲) بلا روک ٹوک ایک سے زیادہ زوجگان کی اجازت دیتے ہیں - کسی قسم کے قیود عائد نہیں ہیں البتہ ازدواج اول کو ایک خاص بزرگی سے متصف کیا گیا ہے کیونکہ پہلی شادی محض شہوت پرستی کے خیال سے نہیں ہوتی بلکہ ادائے فرض کے خیال سے - زوجۂ اول کو دوسروں پر فوقیت اور ترجیح دی جاتی تھی اور اس کے بڑے لڑکے کو اپنے علاتی بھائیوں پر ... ظن غالب یہ ہے کہ زوجگان مابعد ابتداءً محض ایک اعلیٰ درجے کی داشتہ سمجھی جاتی تھیں گویا مثل ان لونڈیوں کے جو یہودیوں کے پاس ہوتی تھیں الحاصل اب برطانوی ہند کی عدالتوں میں یہ امر قطعاً فیصل ہو چکا ہے کہ زوجگان کی تعداد کے متعلق ایک ہندو پر کسی قسم کے قیود عائد نہیں ہیں - یہ کہ وہ زوجہ کی رضامندی کے بغیر دوبارہ شادی کر سکتا ہے - یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی قسم کا عذر قانونی پیش کرے - اس کی خواہش کافی ہے[۲] البتہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا - بجز اس کے کہ خاص رواج مقامی سے - نیز مقدمۂ ذیل میں یہ تجویز فرمائی گئی کہ عیسائی مذہب اختیار کرنے سے ازدواجی اتحاد خود بخود منقطع نہیں ہو سکتا اگرچہ کہ تبدیل مذہب کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ ایک شخص ذات سے خارج کر دیا جائے[۳]

**عورتوں کو سابق میں دوسری شادی کر لینے کی اجازت تھی**

**۹۳** - عورتوں کے ازدواج ثانی (طلاق کی وجہ سے یا بیوہ ہونے سے) کی ممانعت نہ تو ہندو قانون پر مبنی ہے اور نہ ہندو رواج پر۔ ڈاکٹر میر Dr. Mayr نے ویدوں کی ان عبارتوں کا اقتباس کیا ہے جو بیوگان کی دوسری شادی کو جائز قرار دیتے ہیں[۴] اور اناث ذیل کو قدیم مصنفین نے بہ صراحت اجازت دی ہے کہ دوسری مرتبہ شادی کر لیں

---

[۱] منو باب ۳ فقرہ ۱۲ و ۱۳ باب ۹ فقرہ ۱۲۲/۲۰۰/۱۲۵

[۲] دیا بھاگ باب ۹ فقرہ ۶ نوٹ ہسٹری ہندو لاء ... ص ۱۶۸ ہری بھائی بنام ... جلد ۱ بمبئی ص ۶۵/۵۹ ویرا سامی بنام باسامی جلد ۱ مدراس ہائیکورٹ ۳۷۵ -

[۳] اڈمنسٹریٹر جنرل بنام اننداچاری جلد ۹ مدراس ص ۴۶۶ - دیکھئے ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۶۶ء نیز یہ مقدمہ امیر بنام ... ۳۰ مدراس ص ۵۵ - امیر بنام انتھی ۳۳ مدراس ص ۳۴۲ -

[۴] میر ص ۱۸۱ دیکھئے قانون ۱۵ سنہ ۱۸۵۶ء -

(الف) عورتیں جنھوں نے بہ وجہ معقول شوہر کو چھوڑ دیا ہو (ب) عورتیں جنھیں شوہروں نے چھوڑ دیا ہو (ج) عورتیں جن کے شوہر مر گئے ہوں [1] دوسری جانب منو کے اسناد زیادہ قوی ہیں لیکن میرے خیال میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس خاص صورت میں (جیسا کہ متعدد اور صورتوں میں کیا گیا ہے) موجودہ عبارت میں یا تو کچھ بڑھایا گیا ہے یا کوئی چیز ترک کی گئی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ عبارت بھی مثل دوسری عبارتوں کے ۱۱۴
تحریف سے متاثر ہوئی ہے۔ منو اس کا اعلان کرتا ہے کہ صرف دوشیزہ سے شادی ہو سکتی ہے اور یہ کہ بیوہ دوبارہ شادی نہیں کر سکتی [2] البتہ اس نے ایسی لڑکی کو دوسری شادی کی اجازت دی ہے جس کا شوہر خلوت سے قبل مر گیا ہو۔ یہ ظاہر ہی ایک استثنائی صورت ہے جس میں اس نے اجازت دی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ متوفی دولہا کے بھائی سے شادی کرے [3] برخلاف اس کے دوسرے دو احکام نے بیوہ یا ایسی زوجہ کی جسے شوہر نے چھوڑ دیا ہو ازدواج ثانی کو تسلیم اور منظور کیا ہے [4] بہ ظاہر اس تضاد کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسی باب کے ابتدائی حصے میں عمداً اصلی حکم کا ایک جزو ترک کر دیا گیا ہے چنانچہ باب ۹ ؁۷۶ میں ایسی زوجہ کو جس کا شوہر کہیں اور رہتا ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اس کے لئے آٹھ یا چھ یا تین سال تک انتظار کرے مدت کا تعین بہ لحاظ اس وجہ کے ہو گا جس سبب سے اس نے ابتداءً گھر چھوڑا تھا اس کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا کہ اس مدت کے ختم پر کیا ہو گا۔ کلو کا بھٹ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ "اس مدت کے گزرنے پر اس کو چاہئے کہ اس کی تتبع کرے [5] اب اگر ہم اسی کے متعلق نارد کو دیکھیں (جس کے پاس منو کا قدیم تر نسخہ تھا) ہم اس کو یہ بیان

منو کے موجودہ متن میں غالباً کچھ نہ کچھ ترک ہو گیا ہے۔

[1] نارد باب ۱۲ ؁۹۷ ۱۰۱ ونیز دیکھئے ۱۸ اور ۱۹ اور ۲۴ و ۲۶ و ۴۳ و ۴۹ و ۶۲۔ دیوالا جلد ۲ ڈائجسٹ ۴۷۰ بودھاین باب ۲

[2] دشت باب ۱۷ ؁۷۳ کتیاین جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۳۶۔

[3] منو باب ۸ ؁۲۲۶ باب ۹ ؁۱۶۱/۱۶۳۔ دیکھئے اپستمبا۔ باب ۲ فصل ۲ ؁۲۔

[4] منو باب ۹ ؁۱۶۹ و ۱۷۰ ؁۲۴ دشت باب ۱۷ ؁۷۴ دوسرے انتخاب میں کوئی قید نہیں ہے۔

[5] منو باب ۵ ؁۱۵۵/۱۶۲۔

[6] یہ بہ ظاہر اس حکم پر مبنی ہے جو دشت سے منسوب کیا جاتا ہے باب ۱۷ ؁۶۵۔ یہ متن اسی قسم کا ہے۔

کرتے ہوئے پاتے ہیں کہ "پانچ صورتیں ہیں جن میں ایک عورت دوسرا شوہر کرسکتی ہے اس کا شوہر اول تلف ہوگیا ہو یا فطری موت سے مرگیا ہو یا دور و دراز مقام کو چلا گیا ہو۔ یا اگر وہ عنین ہو یا اپنی ذات کھو دی ہو" [۱] اس کے بعد نارد اس مدت کا ذکر کرتا ہے جس میں اس کو اپنے غیر حاضر شوہر کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور تمام عبارت کا مفہوم اور مطلب اس ہدایت سے واضح کیا گیا ہے کہ جب مدت گزر جائے تو وہ اپنے کو دوسرے شخص کے حوالے کرسکتی ہے [۲] اس کے پیچھے جانے کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا ہے کیونکہ اس قدر مدت کے بعد ایسا کرنا غالباً ناممکن ہوگا یا بے فائدہ۔ اگر اسی قسم کی کوئی عبارت منو کے فقرہ ۷۶ کے بعد ہوتی تو فقرات ۱۷۵ اور ۱۷۶ کا متن صاف ہوتا اور غیر متضاد۔ جب ازدواج ثانی کی اجازت نہ رہی تو یہ عبارتیں ترک کی گئیں اور بالکل دوسری قسم کی عبارتیں داخل کردی گئیں۔ اسی وجہ سے فقرات ۱۷۵ اور ۱۷۶ کے احکام بے معنی ہوگئے لیکن الفاظ "ان بیاہی عورت کا
۱۱۵ بیٹا" کی توضیح کرنے کے لئے رکھے گئے۔ یہ الفاظ ذیلی لڑکوں کی فہرست میں ظاہر ہو چکے ہیں۔ غالباً اس بارے میں رواج کی تبدیلی کا باعث برہمنی خیالات کا وہ اثر تھا جو مٹائے نہ مٹ سکا چنانچہ شادی ایک قسم کی سنسکار سمجھی جانے لگی۔ اسی قسم کے ایک مماثل سبب نے اس شادی کے جواز کے متعلق اختلاف آرا پیدا کردیا ہے جو طلاق کے بعد کی جائے۔ اس قسم کی شادیاں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ممالک میں رائج ہیں۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ مردوں کے ازدواج ثانی کا قانون عورتوں کے قانون سے بالکل مختلف کیوں ہے تو میں صرف ایک جواب دے سکتا ہوں اور وہ یہ کہ ہمیشہ سے مردوں نے اپنے حسب دلخواہ قانون سازی کی ہے۔

**دوسرے قبائل کے رواجات**

ف ۹۴۔ جب ہم اصلی اور ابتدائی اقوام کے رواجات کی (یا ان کے رواجات کی جو برہمنی عقائد کے زیر اثر نہ ہوں) جانچ کرتے ہیں تو ہم کو ایسا نظام دکھائی دیتا ہے جو نارد کے بیان کئے ہوئے نظام سے

---

[۱] دیکھئے قبل ازیں ف ۲۱ نارد کا دیباچہ۔

[۲] نارد باب ۱۲ ف ۹۷/۱۰۱ نیز دیکھئے ناد مذکورہ فقرہ ۹۲۔

لفظ بہ لفظ مشابہ ہے پنجاب کے جاٹوں میں نہ صرف بیوہ بلکہ وہ زوجہ بھی جو چھوڑ دی گئی ہو دوبارہ شادی کر سکتی ہے اور اس کو جائز زوجہ کے جملہ حقوق حاصل ہوسکتے ہیں۔ جنوبی کنارا کے لنگایتوں میں یہی قاعدہ ہے [1] مغربی ہند میں زوجہ یا بیوہ کا ازدواج ثانی (جسے مرہٹے 'پاٹ' کہتے ہیں اور گجراتی 'نترا') تمام نیچ ذاتوں میں جائز ہے۔ مسٹر اسٹیل نے یہ بیان کیا ہے کہ اشکال ذیل میں ایک زوجہ دوسری شادی کر سکتی ہے (الف) اگر شوہر عنین ثابت ہو یا (ب) فریقین ہمیشہ جھگڑتے رہے ہوں (ج) اگر شادی بے ضابطہ طور پر ہوئی تھی (د) اگر باہمی رضامندی سے شوہر زوجہ کے گلے کا زیور (یعنی لچھا) توڑ دے اور اس کو فارغخطی (طلاق نامہ) دے یا (ہ) اگر وہ بارہ سال تک ایسا غیر حاضر رہے کہ اس کی کوئی خبر نہ ملے۔ اگر اس کے بعد وہ واپس آجائے تو زوجہ کو اختیار ہے کہ جس شوہر کے ساتھ چاہے رہے۔ البتہ اس شخص کے اخراجات ازدواج کی تلافی کی جانی چاہیئے جس کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ بیوہ کا پاٹ (pat) زوجہ کے پاٹ سے زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے، لیکن پاٹ ازدواج اول کے بچے مساوی طور پر صحیح النسب ہوتے ہیں [2] بمبئی کی عدالتوں نے طلاق اور ازدواج ثانی کے حق کی متعدد مرتبہ تصدیق کی ہے [3] چنانچہ شمول کو جین وڑا وکور جنوبی ہند میں

ازدواج ثانی اور طلاق

[1] پنجاب کسٹمری لا جلد ۲ صد ۱۳۱-۱۷۴-۱۹۰ صد ۱۹۲-۱۹۳ پنجاب کسٹم صد ۹۵ اور سنگیا بنام یدربا جلد ۸ مدراس صد ۴۴۰۔

[2] اسٹیل ۲۶، ۱۵۹ و ۱۶۸ ولیسٹ اور بہلر ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۹۱ تا ۳۹۴ جن شادی کا ذکر صفحات ۱۱۲ و ۱۱۴، ۱۳۹ اور ۱۶۱ پر کیا گیا ہے وہ شاستریوں کے دیئے ہوئے ہیں اور شاستری ایسی دوسری شادی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ دیکھئے ہری بھائی بنام نتھو۔ جلد ۱ بورڈیل ۵۹، ۶۵۔ نوٹ۔

[3] طلاق کے متعلق دیکھئے کاسی رام بنام امبارام جلد ۱ بورڈیل ۳۸۰، ۴۲۹ کاسی دھولپ بنام رتن بائی ایضا ۴۱۰ و ۴۲۵۔ مہاشنکر بنام سماۃ اوتم جلد ۲ بورڈیل ۵۲۴، ۵۲۷۔ دیارام بنام بائی انبا۔ ٹیلاس صد ۳۶ سرکار بنام کرسن جلد ۲ بمبئی ہائیکورٹ ۱۲۴۔ سرکار بنام سبھو ا بمبئی ۳۴۷ گورنمنٹ بمبئی بنام گنگا ۴ بمبئی ۳۳۰۔ ملکہ معظمہ بنام اسی ۲ بمبئی ۱۲۶۔ بیوہ کی شادی کے متعلق دیکھئے ہرکیور بنام رتن بائی جلد ۱ بورڈیل ۴۳۱ و ۴۷۵۔ ترکیجی بنام سماۃ لاربا ۲ بورڈیل ۳۹۱، ۳۹۶ بائی تن بنام للتا سنو ہیلاس ۳۶

"بیوگان کا ازدواج ثانی آبادی کی ایک بڑی حد تک نہ تو مذہبی رواج سے ممنوع ہے اور نہ لحاظ رواج فرقہ۔ برہمنوں میں یہ ممانعت پائی جاتی ہے۔ و نیز ان فرقوں میں جو اپنی حیثیت کو برہمنی رواجات کا سختی سے اتباع کرکے اونچا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ ممانعت دراوڑی خیالات کے لئے انوکھی چیز ہے [1] ازدواج بیوگان اور طلاق نیچ ذات کے لوگوں میں مثلاً پلانی کے ولالنوں (Vellalans of the Planis) اور دل (بجز اس کے کہ عورتیں مصیبون ٹن کی ہوں) کلانوں۔ پلانوں۔ تالاب کھودنے والوں کمہاروں۔ حجاموں اور ڈھیڑ چماروں میں بہت عام ہے [2] علیٰ ہذا شمالی ارکاٹ جنوبی کنارا اور کوچن میں بھی [3] اس قسم کی اکثر صورتوں میں طلاق کے معنی اس سے زیادہ نہیں ہوتے تھے کہ ایک یا دوسرا فریق ازدواجی اتحاد سے دست بردار ہو جائے۔ یہ اتحاد شروع سے محض ایک اقرار ہوتا تھا کہ فریقین اس وقت تک ساتھ رہیں گے جب تک کہ وہ انتظام انھیں اچھا معلوم ہو [4] شمالی ارکاٹ کے ملیالیوں میں "زوجہ اپنی مرضی سے جائز شوہر کو چھوڑ سکتی ہے اور کسی دوسرے ہم ذات کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ لیکن اس کے تمام بچے اس کے شوہر کے سمجھے جاتے ہیں" [5] بعض بہتر جماعتوں میں (مثلاً تیلی جولاہے اور ایک خانہ بدوش

طلاق اور ازدواج بیوگان

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گزشتہ :- بائی شیو بنام رتن جی حصہ اول مارس ۳۰۳ بھائی بنام گوبند جلد ۱ بمبئی ۱۱۴۔

[1] اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۳ میسور اعداد و شمار ۱۸۷۱ء صفحہ ۷۱ بابت ۱۸۹۱ء جلد ۲۵ صفحہ ۲۲۶ صفحہ ۲۲۹۔

[2] مدراس مینوئل حصہ دوم صفحات ۳۲ و ۴۰ و ۵۸ کتما ناشیر بنام رودا سنگا تھوار ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۲۹۔ مروگئی بنام ویامکلی ۱ مدراس ۲۲۶ مدراس رپورٹ اعداد و شمار ۱۸۷۱ء ۱۵۹-۱۲۴ و ۱۷۱ اسٹرنگ ہندو لا صفحہ ۵ سنگرالنگم چیٹی بنام سبن چیٹی ۱۷ مدراس صفحہ ۴۷۹۔

[3] شمالی ارکاٹ مینوئل جلد ۱ ۲۰۴۔ و ۲۲۷ و ۲۲۹ و ۲۳۰ جنوبی کنارا مینوئل جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ ۱۵۹ - ۱۶۱ و ۱۶۲ و ۱۶۶ و ۱۶۹ و ۱۶۹ و ۱۷۰ و ۱۷۱ کوچن اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۸۰۔

[4] اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جلد ۱۲ و ۲۰۲ و ۲۱۰ و ۲۳۹ و ۲۴۳ و ۲۴۵ و ۲۵۴ و ۳۰۴ ارکاٹ مینوئل جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ ۲۴۶ و ۲۵۰۔

[5] شمالی ارکاٹ مینوئل صفحہ ۲۱۳۔

جماعت جیسے بھاٹ ، ابہ کہتے ہیں اور جو اپنے کو چھتری سمجھتے ہیں ، چند مقامات میں طلاق رائج ہے اور دوسروں میں نہیں ہے ؎۱ برہمنوں اور چھتریوں میں اس کا رواج بالکل نہیں ہے ۔ و نیز شودروں کی بہتر جماعتوں میں بھی مثلاً چرواہوں ، کومٹیوں اور متصدیوں یا اہل حرفت کی پانچ جماعتوں میں ۔ یہ لوگ اپنے کو برہمنوں کے برابر سمجھتے ہیں ، و جیسو پہنتے ہیں ؎۲ علی مذا بنگال ہائیکورٹ نے ناموں شودروں میں ازدواج بیوگان سے جواز کو تسلیم کیا ہے ؎۳ طلاق اور ازدواج بیوگان کا رواج غالباً اسی حد تک رائج ہے جس حد تک کہ مختلف فرقوں نے برہمنوں کے عادات و اطوار کی تتبع کی ہے تھیسا ولم (Thesawalem) ازدواج بیوگان کو رواج کی بات سمجھتے ہیں ؎۴ اور ہم بطور مناسب یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ابتداءً تمام دراوڑی اقوام میں یوں ہی تھا ۔ ۱۸۹۱ء کی اعداد و شمار کی رپورٹ (مدراس) کے مصنف نے یہی رائے ظاہر کی ہے ۔ وہ ایسی ساٹھ ذاتوں کی فہرست دیتے ہیں جن میں کی ایک میں بھی (جہاں تک وہ معلوم کر سکے ہیں) بیوگان کا ازدواج ثانی ممنوع نہیں ہے ۔ برخلاف اس کے وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس برہمنی نظام ازدواج کو (جس میں یہ ضروری ہے کہ ہر لڑکی کی شادی قبل بلوغ ہو) جس میں بیوگان کی شادی ممنوع ہے اور ازدواجی رشتے کو صرف زوجہ کی زناکاری پر قطع کیا جا سکتا ہے ، تیلنگو اور دوسری چند ذاتوں نے کلیتہً اختیار کر لیا ہے اور شاید ہی کوئی فرقہ یا قبیلہ ایسا ہو جس میں اس کا اثر ایک حد تک نہ پایا جائے ۔ اعداد و شمار کو جانچنے کے بعد وہ یہ کہتا ہے کہ " ہم غالباً بہت زیادہ غلطی پر نہ ہوں گے اگر ہم فرض کر لیں کہ تقریباً ساٹھ فی صد لوگ بیوگان کی شادی کے رواج پر عامل ہیں اور انھیں اجازت بھی ہے " ؎۵

---

؎۱ مدراس رپورٹ اعداد و شمار ۱۴۱ و ۱۴۳ و ۱۵۵ ،

؎۲ شمالی ارکاٹ مینانول جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ جنوبی کنارا مینانول جلد صفحہ ۱۳۵ و ۱۲۶ و ۱۶۱ ۔ کوچن اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۸۱ ۔ ٹراونکور سنس ۱۸۹۱ء صفحہ ۶۸۵ سر گرگ ہند و لاکیس ۱۸۶۹ء مدراس اعداد و شمار رپورٹ ۱۳۶ و ۱۴۰ و ۱۴۳ و ۱۴۹ و ۱۶۵ و ۱۶۲

؎۳ ہری چرن نام سنے چند ۔ انکلکتہ ۱۳۸ ۔

؎۴ تھیسا ولم باب ۱ فقرہ ۔

؎۵ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۰ / ۱۵۱ جنرل رپورٹ صفحہ ۲۴۲ ۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان ہی وجوہ کی بنا پر یہی قاعدہ شمالی ہند میں بھی رائج ہے۔ صوبہ شمالی مغربی کے ہندوؤں میں صرف اعلیٰ ذاتوں کے مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ہے۔[1] بنگال کے جنوبی مشرقی اور مغربی صوبجات میں بیوہ کی شادی کا رواج نہ تو برہمنوں میں ہے اور نہ ان لوگوں میں جو ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہار میں بنیوں کے بعض ذیلی فرقوں نے ازدواج بیوہ کے رواج کو اختیار کر لیا ہے۔ مغربی بنگال کے دراویڈی قبائل نے عام ازینکہ ان میں ہندو دین آ گیا ہو یا نہیں بیوہ کی شادی کو اختیار کر لیا ہے۔ بہار کے شمالی حصوں، اڑیسہ اور چھوٹا ناگپور میں اس کا رواج عام ہے۔ البتہ برہمنوں، کائستھوں، بنیوں اور راجپوتوں میں نہیں ہے۔ دار جلنگ کے قبائل میں بھی یہ رواج عالمگیر ہے۔[2] آسام کی چند اعلیٰ ذاتوں کے سوا باقی سب میں ایسی شادیاں رائج ہیں۔ اگرچہ یہ دیکھا جا رہا ہے کہ برہمنی خیالات ایسی شادیوں کی مقبولیت کے مانع ہو رہے ہیں۔ اور اس کے تقدس اور جواز کے متعلق عام رائے خراب ہوتی جا رہی ہے۔[3] برہماؤں میں دونوں فریق کو مساوی طور پر طلاق کا حق حاصل ہے اور بہ ظاہر اس کی تحریک اکثر اوقات زوجہ کی جانب سے ہوتی ہے نہ کہ شوہر کی۔[4]

منگنی

ف ۹۵۔ شادی کو منگنی سے مخلوط کر کے پیچیدگی نہ پیدا کی جانی چاہیے ایک تو مکمل معاملہ ہوتا ہے دوسرا صرف ایک معاہدہ۔ منو کہتے ہیں نہ تو قدما نے اور نہ حال کے اچھے لوگوں نے کبھی بھی ایک دوشیزہ کی ایک سے وعدہ کرنے کے بعد دوسرے سے شادی کر دی ہے۔[5] لیکن نارد یا گنولکیا دونوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک خواستگار کی منگنی کو منسوخ کرے

منگنی

قابل استرداد منگنی

---

[1] اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صوبہ شمالی مغربی جلد ۱۶ ص ۲۲۹۔

[2] ۱۸۹۱ء بنگال رپورٹ جلد ۳ ص ۱۸۶ و ۱۹۱ و ۲۰۰ و ۲۰۳۔

[3] کدومی بنام جو سٹے رام ۳ کلکتہ ص ۳۰۵۔ ۱۸۹۱ء آسام رپورٹ جلد ۱۔ ۳ و ۱۱۴ و ۱۱۵ و ۱۱۸ مقدمۂ مذکور الصدر جب واپس کیا گیا تو یہ تجویز فرمائی گئی کہ طلاق کا رواج ثابت نہیں ہے۔

[4] ۱۸۹۱ء جنرل رپورٹ ص ۲۶۹۔

[5] منو باب ۹ سطر ۹۹۔

نقض معاہدہ

بشرطیکہ دوسرا شوہر اس سے بہتر پیش ہو۔ اور اگر چند مخصوص نقائص ظاہر ہوں تو ہر فریق کو اس سے دست بردار ہونے کا حق حاصل ہے[۱] نارد یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا وجہ معقول کے اپنے معاہدے سے گریز کرے تو اس کو خود اس کی مرضی کے خلاف اسی لڑکی سے شادی کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حالیہ فیصلہ جات نے اس کا تصفیہ فرما دیا ہے کہ معاہدۂ ازدواج کی تعلیم مختص نہیں ہو سکتی اور یہ کہ اگر کوئی چارۂ کار حاصل ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ کہ ہرجے کی نالش کیا جائے[۲] یہ بھی اس وقت ممکن ہے جب کہ معاہدے کے فریقین بالغ و عاقل ہوں۔ اگر شادی کا معاہدہ نابالغان کی جانب سے منعقد کیا جائے۔ اور دلہن کے والدین کو شادی کے وقت کچھ رقم دینے کا اقرار کیا جائے تو عدالتوں کا رجحان یہ ہے کہ ایسے اقرارات کو خلاف مصلحت عامہ قرار دیں۔ لیکن وہ رقم جس کی ادائی کا وعدہ دلہن سے ہو اس کی تملیک سمجھی جائے گی اور شادی نہ ہونے کی صورت میں واپس دلائی جا سکے گی۔ عام طور پر کوئی ایسا معاہدہ نافذ نہیں کیا جا سکتا جس سے اشخاص ثالث کو (عام ازیں کہ وہ دلہن کے اولیاء ہوں یا اجنبی) شادی کرا دینے میں رقمی دلچسپی ہو[۳] اس میں شک نہیں کہ کوئی ایسا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا جب کہ معاہدے کے

---

[۱] نارد باب ۱۲ ف ۳۰/۳۸۔ یاگنولکیا باب ۱ ف ۶۵/۶۶۔ دشت جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۴۸۷/۴۹۰۔ کتیایا ۱ ۴۹۔ شاکشر جلد ۲ باب ۲ ف ۲۷۔

[۲] نارد باب ۱۲ ف ۳۵ امد بنام بگنداس ۶ بمبئی ہائیکورٹ مقدمات مشرقی صفحہ ۱۲۲۔ نوت بنام سمالدکنور جلد ۵ ین۔ ڈبلیو۔ پی صفحہ ۱۰۲۔ بمقدمہ گنپت نارائن سنگھ جلد ۱ کلکتہ صفحہ ۷۴۔ کری بکا بنام کری باسن ۳ میسور صفحہ ۱۵۱۔ جسٹس جیمن نے جو رائے بمقدمہ بھیجی واسونجی بنام نرسی دھیجی ظاہر فرمائی ہے وہ اساد مذکور الصدر کے مغائر ہے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ باب ۲ شاکشر کے غلط معنی لیے گئے۔ ۳۹ بمبئی ۶۸۲ و ۷۱۴۔

[۳] پتمبر تونسی بنام جگیون ہنسراو ۱۳ بمبئی ۱۲۱۔ دیو راین بنام متورامن ۲۷ مدراس ۳۹۳ منجی تھاکرسی بنام گوستی وکنور ۱۱ بمبئی صفحہ ۴۱۲ پرشوتم داس بنام پرشوتم داس ۲۱ بمبئی ۲۳ اور رام چند سن بنام اندیتو سن۔ ۱ کلکتہ ۴۰۵۔ یہ فیصلہ اس اصول کے خلاف ہے اور آیندہ کے لئے وہ بمنزلہ قانون نہ ہوگا۔

پورا نہ ہونے کا سبب خود فریقین کا غافلانہ طرز عمل ہو[۵۱] غالباً ذیل کی دو چیزوں میں اختیار کرنا ہی اصل دشواری ہے یعنی (الف) منگنی جو شادی کرنے کا صرف ایک وعدہ ہے۔ اور وفاداری کا عہد (Pledging of Troth) جو خود شادی کا ایک جزو ہے۔ بعض مرتبہ ان دونوں کو ایک ہی نام دیا جاتا ہے۔ مقدم الذکر قسم کی منگنی بعض وقت بڑے رسومات سے انجام دی جاتی ہے۔ لیکن اس سے اس کی نوعیت نہیں بدلتی۔ علیٰ ہذا خود شادی کے وقت متعدد رسومات ادا کئے جاتے ہیں اور بہت سے مقدس احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس معاملے کو موثر کرنے والی چیز دلہا اور دلہن کا سات قدم (سپتاپدی) چلنا ہے۔ آخری قدم کی تکمیل پر واقعی طور پر شادی کا انعقاد متصور ہوتا ہے[۵۲] اس وقت تک وہ نامکمل اور قابل استرداد ہے بنابریں یہ کارروائی بھی قطعی ضروری نہیں ہے۔ وہ ایک ضابطہ ہے جس پر عمل کرنے سے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ ثابت کیا جائے کہ اس خاص فرقے یا ضلع کے رواج کے لحاظ سے شادی کی تکمیل کسی اور طریقے سے ہوتی ہے تو اس طریقے پر عمل کرنا کافی ہے بشرطیکہ نیت یہ ہو کہ ازدواجی اتحاد مکمل ہو جائے[۵۳] بعض فرقوں میں ایک رواج یہ ہے کہ شادی کی تکمیل فی الواقعی ہونے کے بعد اور ہم بستر ہونے سے قبل ایک مزید رسم ادا ہو۔ اور اگر وہ شخص جس نے پہلی رسم کی تکمیل کی ہو دوسری رسم کے ادا کرنے سے انکار کرے تو لڑکی بطور

سپتاپدی

[۵۱] دیوی وباسالنگم بنام الاتر تی مدراس ۱۸۶ صفحہ ۲۷۴۔

[۵۲] منو باب ۹ صفحہ ۲۲۷۔ نارد باب ۱۲ صفحہ ۲۔ یا ماجلد ۲ ڈائجسٹ ۸۰۳ ورمت باب ۲ صفحہ ۲ کولبروک کے مقالے صفحہ ۱۲۹ ان مقدمات کو بھی دیکھئے جن کا ذکر اس کے قبل ہوا۔ برہمن شادی کے رسومات کے لئے دیکھئے ویکنتم بنام کالی پرام ۲۶ مدراس ۴۹۷۔

[۵۳] منو باب ۳ صفحہ ۳۵۔ دیکھئے منو کی جلد ۲ مورز ڈائجسٹ ۴۵۔ گتھارام بنام موتیا کوجین ۴ انگال لا رپورٹ ۲۹۸۔ صدر کورٹ ۲۳ سہ رلینڈ صفحہ ۱۰۹۔ کالی چرن بنام دکھی ۵ کلکتہ ۶۹۲ منہ لک ۴۰۴ ہری چرن بنام نی چند ۱۰ کلکتہ ۱۳۰۔ منو سامی بنام سلامنی ۳۳ مدراس ۳۴۲ جب شادی کا واقعہ ثابت ہو جائے تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ تمام ضروری رسومات ادا کئے گئے بجز اس کے کہ شہادت اس کے خلاف ہو بندابن چند رانا بنام چندرا کرمہ کر ۱۲ کلکتہ ۱۴۰ موجی لال بنام چندیتی کماری ۳۸ مرافعہ جات ہند ۱۲۲۔

جائز دوسری شادی کرسکتی ہے [1] بمبئی میں ایک یہ رواج کہ محض چھوٹے بچوں کی تمام رسومات سے شادی کردینی چاہیئے ثابت کیا گیا اور عدالت نے اس کو جائز بھی قرار دیا۔ لیکن یہ کہ ایسی شادی اسی طرح موثر نہ سمجھی جانی چاہیئے بجز اس کے کہ وہ چند شرائط جن کے متعلق اس وقت قرار داد ہوئی تھی دونوں جانب سے پورے ہو چکے ہوں [2] لیکن ایسی شادی کا قانونی نتیجہ یہ ہوگا کہ بار دیگر رسوم ادا ہونے تک (یا شرط ماقبل کی تکمیل تک) وہ شادی نہ تو قابل پابندی ہوگی اور نہ مکمل۔ اس قسم کا کوئی رواج نہ ہونے کی صورت میں شادی مکمل ہوگی اگرچہ خلوت نہ ہوئی ہو۔ و نیز باوجودیکہ ایک فریق کے عیسائی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے دوسرے نے وجوبات ازدواج سے دست برداری کی ہو [3]

بے قاعدہ شادیاں مسئلہ (جواز امر واقع شدہ) **دفعہ ۹۶**۔ جو شادی فی الواقعی انجام دی گئی ہو اور درست طریقے سے وہ جائز ہے اور قابل پابندی۔ گو اس سے قبل کسی اور سے شادی کا اقرار ہوا تھا اور شادی مابعد سے اس سابقہ اقرار کی خلاف ورزی ہوئی [4] یا اگرچہ شادی مابعد ان اشخاص کی رضامندی کے بغیر انجام دیجائے جن کی رضامندی حاصل کی جانی چاہیئے تھی [5] کیونکہ یہ ایک ایسی صورت ہے جس میں ضرورۃً مسئلہ ذیل کا اطلاق ہوتا ہے "جو نہ ہونا چاہیئے تھا لیکن جب ہوگیا جائز ہوگا" (Factum valet quod fieri non debuit) جب ایک مرتبہ شادی مکمل ہوجاے اور ایک فریق دوسرے کے ساتھ رہنے سے انکار کرے تو مقصد معاہدے کی تعمیل مختص کا باقی نہیں رہتا بلکہ حقوق زناشوئی کے واپس پانے کا۔ ایک عرصے سے یہ طے ہے کہ ہندوؤں کے مابین ایسی نالش ہوسکتی ہے (کس طرح نفاذ ہوتا ہے۔) لیکن نظائر میں نزاع تھی کہ ایسی ڈگری کی تعمیل کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے [6] اب

[1] بوچھند بنام جنوکی ۲۵ ویکلی رپورٹ صہ ۳۰۶ ۔
[2] بائی اگری بنام پٹیل پرشوتم ۱۷ بمبئی ۴۰۰ ۔
[3] اڈمنسٹریٹر جنرل بنام انند چاری ۹ مدراس ۴۶۶ ۔
[4] خوشحال بنام بھگوان موتی جلد ا بورڈیل ۱۳۰ و ۱۵۵ ۔
[5] بائی رلیت بنام جے چند بلاس ۴۳ جلد امارس رپورٹ صہ ۱۸۱ و نیز دیکھئے فقرہ ۸۵ قبل ازیں۔
[6] دیکھئے گھا رام بنام موہنیا کوشن ۱۸ بنگال لا رپورٹ صہ ۲۹۰۔ صدر کورٹ ۲۳ سدرلینڈ صہ ۱۷۹ ۔

ضابطۂ دیوانی (قانون نشان ۵ بابت ۱۹۰۸ء) کے آرڈر ۲۱ قاعدۂ ۳۲ اور قاعدۂ ۳۳ سے اس امر کا تصفیہ ہمیشہ کے لئے ہوگیا ہے۔ قواعد مذکورالصدر یہ بھی کہتے ہیں کہ (ڈگری صادر کرنے کے یا اس کے بعد کسی وقت بھی) عدالت یہ حکم دے سکے گی کہ قید میں رکھ کر ڈگری کی تعمیل نہ ہونی چاہیئے [۱] ہر وہ شخص جو زوجہ کو اپنے شوہر کے چھوڑنے میں۔ یا بلا وجہ معقول اس سے الگ رہنے میں مدد دے [۲] اور بہ دلائل قوی تر۔ ہر وہ شخص جو اس کے ساتھ مجرمانہ تعلقات پیدا کرکے اسے گھر سے پھسلا لیجائے۔ ہرجے کی نالش کا مستوجب ہوگا [۳] ظاہر ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کا ولی جائز ہے۔ اور بہ اس وجہ شادی کی تکمیل کے بعد سے وہ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کا مجاز ہے اگرچہ وہ کمسن ہو۔ لیکن اس قسم کا حق اس وقت معدوم ہوتا ہے جبکہ رواجاً یا بہ وجہ قرارداد زوجہ کا بلوغ کے ظاہر ہونے تک اپنے والدین کے ساتھ

---

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ گنگندرونندنی بنام ہری داس ۵ کلکتہ ص ۵۰۔ پالمنڈو بنام مانکی ۳ الہ آباد ص ۵۰۱۔ امجی بنام رکما بائی۔ ابمبئی ص ۳۔ بندہ بنام کومیلا ۱۲ الہ آباد ص ۱۲۶۔ کیشا لال بنام بائی پروتی ۱۸ بمبئی ص ۳۲۷ اس مقدمے میں بھی یہ تجویز فرمائی گئی کہ اس عدالت میں مقدمے کی سماعت ہوگی جس کے حدود سماعت میں شوہر رہتا ہو ملیتا گر بنام ائی سورج ۱۸ بمبئی صفحہ ۱۰۲۔ ایسے مقدمے کی شہادت کے متعلق دیکھئے ہر یامنی کالی کمتا ۲۸ کلکتہ ۳۷۔

(۱) ان احکام کے تحت قانون انگلستان کے عدالت ہر اس واقعہ کا لحاظ کرے گی جس سے زوجہ کا اعتراض معقول ثابت ہو۔ اور بہ لحاظ ان اعتراضات کے شوہر پر مناسب شرائط کی پابندی عائد کی جائیگی۔ گنگی بنام شیو نارائن ۱۸ الہ آباد ۹۰ ایسے مقدمے میں یہ عذرداری درست نہیں ہے کہ فریق قصوروار بہ علالت یا کسی اور وجہ سے مباشرت کے قابل نہیں ہے۔ البتہ اگر مستغیث اس طرح ناقابل ہو اور یہ ناقابلیت دوامی ہو اور لاعلاج قسم کی تو بادی النظر میں دادرسی کے عطا کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ بر تو تم داس بنام بائی حالی ۲۱ بمبئی ص ۶۱۔

[۲] وجہ معقول کے لئے دیکھو دلارکنور بنام دوارکنا تھ۔ ۳۴ کلکتہ صفحہ ۱۰۱۔ بہادر بنام راجونت ۲۷ A ۹۶۔

[۳] رومابائی بنام نارائن جلد ۱ بمبئی ص ۱۶۴۔ لنگا بنام گوجیا ۱ میسور ۱۴۲۔ ہرجے کے تعین کے متعلق دیکھو سبطا بنام دودا ۱۲ میسور ۴۵ بہ اتباع کلی بنام کلی ۳ بنگال لا رپورٹ (ابتدائی) ۶۲۔

رہنا ضروری ہو[1] یا اس کے بعد بھی کسی قبیلے میں۔ ایسا رواج نہ تو مخرب اخلاق ہے اور نہ خلاف مصلحت عامہ (لنکا لانگ بنام پنگو، ی ۲۲ کلکتہ لاجرنل صد ۹۲) ایک مقدمے میں جو مسلمانوں کے درمیان تھا عالیہ عدالت الہ آباد نے یہ تجویز فرمائی کہ عدالت دیوانی اس امر کی ڈگری دے سکتی ہے کہ زوجیت کا جھوٹا ادعا کرنے والا ایسا ادعا نہ کرے[2] اور خاموش رہے۔

**ملیباری شادیاں**

**۹۷**۔ ہندوستان کے مغربی ساحل میں مرد اور عورت کے جائز (بلکہ جائز شدہ) تعلقات اس طرح خاندانی جائداد کے نظام پر منحصر ہیں کہ ایک کو جانچنا ناممکن ہے الا اس کے کہ دوسرے کو اونا اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اس نظام میں مرکزی اصول یہ ہے کہ نسل کا سلسلہ ہمیشہ اناث سے شروع کرکے ایسے مورث تک پہنچایا جانا چاہئے جو عورت ہو (کنارا میں اس نظام کو الیاسنتان کہتے ہیں اور ان اضلاع میں جو اور بھی جنوب میں ہیں ماروماکاتیم[3]) ماروماکاتیم خاندان کے تصور میں شوہر اور زوجہ یا باپ اور بچے کا تعلق بہ نفسہ داخل نہیں ہے[4] ہر مرد جو خاندان میں پیدا ہوا ہو ایک ایسی حیثیت حاصل کرتا ہے جو اس کی ذات سے متعلق ہوتی ہے یعنی وہ تاردو کا رکن ہوتا ہے اور اس کی جائداد کا حقدار۔ لیکن وہ کبھی بھی بانی سلسلۂ توریث نہیں ہو سکتا۔ خاندان کا بقا اناث ارکان پر منحصر ہوتا ہے۔ وہ شخص جسے اس کالڑ کا ہونے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کالڑ کا نہیں ہوتا بلکہ اس کی بہن کا۔ ایسا لڑکا حقیقۃً خاندان کے لئے غیر ہوتا ہے۔

**ماروماکاتیم کی افسانوی ابتدا**

ایسے نظام کی (جس میں پدریت کا کوئی لحاظ نہ ہوتا ہو) ابتدا یا تو رواجِ تعددِ شوہران سے ہوئی ہوگی یا اس وجہ سے کہ

---

[1] کاتیاران بنام مساۃ گندھینی ۲۳ ویکلی رپورٹر ۱۷۸ ۔ سنتوش رام بنام گیرا نیکتک (ایضاً) ۲۲ ۔ مقدمۂ دھوبند رگوش، ۸ کلکتہ ۲۹ سرجامنی بنام کالی کنتا ۲ کلکتہ ص ۲۳ ۔ ٹیکیٹ المومنی بنام سنتباکر ۲۸ کلکتہ ۱۷ ۔ دوگا بنام ویرا گھو ۲۴ مداس ص ۲۴۴ مقابلہ کرو

[2] میر عصمت علی بنام محمود النسا ۲۰ الہ آباد ۹۶ - Suit for Jactitation of marriage -

[3] ہر اصطلاح کے ایک ہی معنی ہیں یعنی نسل بہن کے لڑکے یا بھانجے سے۔

[4] ملیبار میریج کمیشن رپورٹ صد ۲۹ ۔

مرد اور عورت کے تعلقات میں قطعی آزادی تھی۔ ماروکایتم اور الیاسنتان دونوں نظام قوانین سے ایک اساطیری ذریعہ منسوب کیا گیا ہے۔ مقدم الذکر کی نسبت سری پراسورام سے دی جاتی ہے۔ اسے وشنو کا ایک اوتار سمجھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے فوق العادۃ قوتوں کے استعمال سے وہ زمین سمندر سے واپس لے لی جو اب مغربی گھاٹوں اور خود اس کے درمیان واقع ہے۔ یہ کہ اسی نے اس زمین کو جزو برہمنوں اور جزو چھوٹے درجے کی اقوام سے آباد کیا اور یہ کہ اسی نے ان کی خواہشات اور ضروریات کے بہم پہنچانے میں مدد کی۔[۱] نمبدری پوجاریوں کا موجودہ طرز تعلیم۔ اور ماروسکایتم خاندانوں میں سماجی مہ برآوردہ لوگوں کے عقائد ورواجات (Kerala Mahatmyam) سے اخذ کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب پراسورام Parasu Rama کی تلقین وتعلیم کا مجموعہ سمجھی جاتی ہے۔ "اس میں یہ بیان کیا گیا ہے پراسورام نے کس طرح عورتوں پر (جو برہمن فرقے کی نہ تھیں) اپنے اس حکم کا اظہار کیا کہ برہمنوں کی خواہشات کی تکمیل کرنی چاہئے۔ یہ تاکید کرتے ہوئے کہ عصمت کو بالائے طاق رکھ کر سینوں سے کپڑے کو ہٹا دو اعلان کیا کہ غیر منظم طور پر تین یا چار مردوں سے شتر کا تعلق رکھنے سے دامن پر گناہ کا چھوٹے سے چھوٹا دھبہ بھی نہیں لگتا"[۲] شیخ ضیاءالدین (جنھوں نے سولھویں صدی کے تقریباً وسط میں لکھا ہے) اور ہاملٹن اپنی کتاب المسمی بہ "نیوا کاؤنٹس آف دی ایسٹ انڈیز" ہیں۔ ہر ایک یہ کہتا ہے کہ نائر عورتیں ایک سے زیادہ شوہروں سے مباشرت کرتی ہیں۔ ہاملٹن کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ بارہ مردوں سے یہ عورتیں تعلق رکھتی ہیں اور آپس کے باہمی انتظام سے اوقات کی تقسیم کرتی ہیں[۳]۔

---

[۱] ملیبار میانول از لوگن (تین جلدوں میں) ص ۱۲۱ اعداد وشمار ٹراونکور ۱۸۹۱ء ص ۱۷۸۔

[۲] ملیبار میانول رپورٹ صفحہ ۱ Kerala Mahalmyam کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قدیم نہیں بلکہ تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ایک نمبدری برہمن نے اس کو لکھا ہے۔ ایضاً ص ۲۔

[۳] ملیبار میانول جلد ا ص ۱۳۶ کوچین اعداد وشمار رپورٹ ۱۹۰۱ء ص ۱۷۷۔

**الیاسنتان**

یہ کہا جاتا ہے کہ اس نظام کو بھٹل پانڈے Bhutala Pandya نے ۷۳ سنہ بعد مسیح میں جنوبی کنارا میں رائج کیا۔ اس کو دیووں (یا شیاطین) کے بادشاہ کنڈوڈار Kundodara کی قربانی کے لئے گھیر لیا گیا تھا۔ جب کنڈوڈار نے دوسری قربانی کا مطالبہ کیا تو اس کے چچا نے جو بادشاہ وقت تھا انکار کیا۔ اس پر کنڈوڈار نے شہزادے کو مجبور کیا کہ وہ اپنی پادشاہت اپنے بھتیجے کو دے اپنے لڑکے کو نہ دے اور اس مثال کو بھٹل پانڈے نے اپنی رعایا کے لئے لازم کر دیا[1]۔

**مارومکاتیم کی پیروی کونسی جماعتیں کرتی ہیں**

۹۵۔ مارومکاتیم نظام کی جملہ نائر پیروی کرتے ہیں[2] البتہ پالگھاٹ کے متادیار لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ شمالی ملیبار کے تیانوں اور مکھاوانوں کا بڑا حصہ اور جنوبی ملیبار اور وائناد میں انہیں فرقوں کی ایک قلیل تعداد بھی اسی نظام کی پیرو ہے[3] ٹراونکور کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسی قاعدے کا اتباع کرتا ہے اس قاعدے کو سلمانوں اور سہدیوں کے چند خاندانوں نے اختیار کر لیا ہے و نیز امبالا واسیوں نے بھی۔ یہ موخر الذکر فرقہ ٹراونکور سے مخصوص ہے۔ اس فرقے میں ایسے برہمن بھی شامل ہیں جو ایک نہ ایک وجہ سے اپنی ذات سے باہر ہو گئے ہیں[4]۔

**الیاسنتان**

جنوبی کنارا میں الیاسنتان قانون کی پیروی کل ٹولو مالکان اراضی۔ کاشتکاران اور دو فرقے کرتے ہیں جن کا پیشہ مزدوری ہے۔ و نیز موپلا بھی۔ یہ لوگ ان عربوں کے اخلاف ہیں جو وہاں بس گئے تھے اور جنھوں نے زمیندار جماعت کی عورتوں سے تعلقات پیدا کر کے رائج الوقت قاعدۂ وراثت کو اختیار کر لیا تھا[5]۔ بانٹ کی اکثریت بھی اس قانون کی تابع ہے۔ یہ ایک فوجی جماعت ہے

[1] ملیبار مینوول رپورٹ صفحہ ۱۰۵۔ اس فسانے کو جنوبی کنارا کے مینوول جلد ا صفحہ ۱۲۱ میں دوسرے طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔
[2] نائروں کی ابتدا اور ان کی قدیم حیثیت کے متعلق دیکھئے مدراس سنسس ۱۸۹۱ء جلد ۱۳ صفحہ ۲۲۲ مدراس مینوول جلد ۱ و ۲ صفحہ ۱۳۱۔
[3] ملیبار مینوول جلد ا صفحہ ۱۳۴ ۱۵۴۔ ملیبار میرج رپورٹ صفحہ ۵۔
[4] ٹراونکور سنسس رپورٹ ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۵۳ اور ۲۴۳، کوچین ۱۷۶۔
[5] ساؤتھ کنارا مینوول جلد ا صفحہ ۱۳۵۔

اور نائروں سے مشابہ ہے۔[1]

**مکاتیم** مکاتیم نظام کی پیروی تمام بہ ہمن کرتے ہیں بجز ان چند مستثنیات کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ونیز ملیبالیوں کی ادنےٰ جماعت۔ دہقانی اور پہاڑی قبائل بھی اس قانون کے پیرو ہیں۔[2]

**نائر شادیاں** **۹۹**۔ نائروں میں تعدد شوہران کا رواج (بدایں شکل کہ ایک عورت کا متعدد مردوں کو جن میں کا ہر ایک یہ ادعا کرتا ہو کہ وہ اس کا شوہر ہے تسلیم کرنا) اب مفقود معلوم ہوتا ہے۔ بطور باقیات کے اگر رائج بھی ہے تو ضلع کے کوئنوں اور کھنڈروں میں۔[3] یہ امر بھی واضح معلوم ہوتا ہے کہ بہر طور بہتر طبقوں میں نائر شادی میں ایک قسم کا دوام شروع ہو گیا ہے بایں سبب اس کی شکل قابل پابندی معاہدے کی ہو رہی ہے۔ "شمالی ملیبار کے گواہوں کے بیان کے مطابق قاعدہ یہ ہے کہ ایک مرد اور عورت کا اتحاد زندگی تک باقی رہتا ہے۔ زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ طلاق کے متعلق یا تو کبھی سنا ہی نہیں جاتا یا اگر ہے بھی تو بہت ہی شاذ۔ ذی عزت لوگ تعدد ازدواج سے منہ پھیر لیتے ہیں۔" جنوبی ملیبار کے بڑے حصے میں بھی یہی قاعدہ رائج نظر آتا ہے۔[4] پھر بھی یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ نائر شادی سے ان قیود کے متعلق جو اس سے فریقین پر عائد ہوتے ہیں کس قسم کا قانونی تعلق پیدا ہوتا ہے؟ ونیز اس سے وہ اشخاص ثالث جو فریقین کے تعلقات میں مخل ہوں کس حد تک قانوناً متاثر ہو سکتے ہیں؟ اس کے جواب کے لئے مختلف اقسام شادی کو جانچنا پڑیگا

---

[1] سوتھ کنارا مینوئل جلد ۱ صفحہ ۱۵۸۔

[2] ملیبار مینوئل جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ کوچن رپورٹ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۸۱ ٹراونکور رپورٹ اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۵۳ ، ، تا ۲ ، ، محض اس واقعے سے کہ ملیبار کی ایک جماعت میں لڑکوں کا نظام وراثت رائج ہے لازمی طور پر یہ استنباط نہیں کیا جا سکتا کہ اس جماعت میں کل ہندو قانون وراثت جاری ہے۔

[3] ملیبار میرج رپورٹ صفحہ ۱۰۳ دیکھئے رامن منین بنام رامن منین ۲۲ مدراس صفحہ ۳ ، پی۔ سی۔

[4] ملیبار میرج رپورٹ صفحہ ۳۶ کوچن میں بھی اسی قسم کا تغیر دیکھا جا رہا ہے۔ دیکھو کوچن کی رپورٹ اعداد و شمار بابت ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۰۸ ۔

جن میں کے چند کو حقیقی شادی کہا جاتا ہے اور دوسروں کو نیم ازدواج[1]

**شادی اختیاری ہے** شادی کرنے یا نہ کرنے کے متعلق عورتوں اور مردوں دونوں کو آزادی حاصل ہے ہندو قانون کا یہ قاعدہ کہ عورتوں کے لئے شادی ناگزیر ہے نہ تو منبدری برہمنوں میں اور نہ نائروں میں اور تیاروں میں وجوبی اثر رکھتا ہے[2]

**تلی کیتو کلیانم Tali Kettu-Kalyanam** نائروں کے رسومات شادی میں صرف رسم "تلی کیتو کلیانم" (یا تلی باندھکر شادی کرنا) ہی ایک ایسی رسم ہے جو ایک حد تک شادی کے رسومات سے مشابہ ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہر نائر لڑکی کی شادی کے لئے ناگزیر ہے۔ اس رسم کو قبل بلوغ ادا کرنا چاہئے۔ عام طور پر تقریباً گیارہ سال کے سن پر اس کی تکمیل کی جاتی ہے۔ دولہا (مناولن) ایک لڑکا ہوتا ہے جس کا جنم پتر (Horoscope) لڑکی کے لئے مناسب ہوتا ہے۔ یہ رسومات چار دن تک ہوتے رہتے ہیں۔ جس میں واقعی شادی کا ڈراما کیا جاتا ہے حتیٰ اس کہ فرضی مباشرت بھی کی جاتی ہے۔ اس کا اختتام اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک کپڑا پھاڑ کر اس کے ٹکڑے لڑکے اور لڑکی کو دیے جاتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ طلاق ہوگئی۔ تمام چیزیں اس کے بعد ختم ہوجاتی ہیں۔ فریقین جدا ہو جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ کبھی بھی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں اس رسم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کو ازدواجی حیثیت دی جائے کیونکہ اس کے بغیر وہ معاہدۂ ازدواج میں شامل نہیں ہوسکتی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ رسم ادا نہ ہو تو ذات سے خارج کئے جانے کا خطرہ رہتا ہے[3] یہ کہ یہ رسم محض ایک اداکاری ہے

---

[1] دیکھو ملیبار میرج رپورٹ صہ ۱۲۔ ملیالم اصطلاحات بابت ازدواج کا اطلاق مارو مکاتیم ہندو اس اتحاد مرد اور عورت پر نہیں کرتے جو ان کے مابین ہوتا ہے۔ اس واقعے کے سبب دشواری پیدا ہوتی ہے۔

[2] ملیبار میرج رپورٹ صہ ۵۷۔

[3] ملیبار میرج رپورٹ ۱۳ و ۴۴ و ۵۴ و ۹۰ و ۱۰۱۔ ملیبار میانول جلد ا صہ ۱۳۴ کوچن سٹیٹ ۱۸۹۰ء صہ ۶۱۔ ٹراونکوٹ مدراس جلد ۱۳ صہ ۲۲۵۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس رسم کا مقصد یہ ہے کہ لڑکی کو خداؤں سے برات دلائی جائے

خود اس واقعہ سے ثابت ہے کہ ایک ہی مناولن (manavalam) ایک ہی وقت میں متعدد لڑکیوں کو تلی باندھ سکتا ہے تاکہ ہر ایک کے مرنے میں تخفیف ہو جب بے حد کفایت مد نظر ہو تو مناولن کی جانب سے بیکار کر دی جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ لڑکی کی ماں مٹی کا ایک پتلا بنا کر اسے پھولوں سے مزین کرتی ہے اور اس پتلے کے حضور میں لڑکی کو تلی باندھ دیتی ہے [1]

**سمبھندھم (Sambhand-ham)**

فٹ۱ تلی کیتوکلیانم اور دوسرے متعدد اشکال ازدواج رجو ایک عام نام سمبھندھم کے تحت آتے ہیں) میں فرق یہ ہے کہ سمبھندھم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے رشتہ قائم ہو۔ اور مقدم الذکر کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ چونکہ یہ حال یہ ہوتی ہے اس لئے ان اشخاص کی سختی سے وضاحت کر دی گئی ہے جو اس قسم کے تعلق میں داخل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ نائر مردوں اور دوسرے فرقوں کے ارکان کے مابین (مثلاً تیاروں میں) ہر قسم کے تعلقات زناشوئی قطعاً ممنوع ہیں۔ اس امتناع کی خلاف ورزی کی سزا ذات سے خارج کیا جانا ہے۔ مرد ایسی نائر عورت سے میل جول کر سکتا ہے جو خود اس کی ذات سے ادنےٰ اور تحت کی ذات کی ہو۔ نائر عورت اپنی ذات سے اونچی ذات کے مردوں سے میل جول کر سکتی ہے لیکن اپنے سے نیچے کی ذات کے مردوں سے ایسا نہیں کر سکتی اور نہ ان مردوں سے تعلقات پیدا کر سکتی ہے جو خود اس کی ذات سے ادنےٰ اور تحت کی ذات کے ہوں [2] اس قاعدے کے آخری جزو سے وہ نائر عورتیں جو تعلقۂ کوچین اور اس کے نواح میں رہتی ہیں مستثنیٰ ہیں۔ اب رہی رشتہ داری کی وہ حد بندی جس کے اندر ایک شخص شادی نہیں کر سکتا جنوبی ملیبار میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے

---

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کیونکہ وہ ہر دو شیزہ لڑکی کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں ملیبار میریج رپورٹ ۱۹/۱۸

[1] ملیبار میریج رپورٹ ۱۹، ۴۰۲، ۵۴۰ شمالی ملیبار نہ کہ جنوبی ملیبار کے تیاروں میں تلی کیتو کلیانم رائج ہے۔ اور اس رسم کے بعد فی الواقعی شادی کر دی جاتی ہے جسے منگلم کہتے ہیں۔ مدراس سنسس ۱۸۹۱ء جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۸۔

[2] ملیبار میریج رپورٹ ۵، ۵۵۔

یہ حد خود کا حلقہ دتارو ڈ ہے۔ تارو ڈ کے مفہوم میں وہ تمام ارکان داخل ہیں جن کا سلسلۂ نسب (صرف بہ ذریعۂ عورت) ایک عورت مورث سے جا ملتا ہو۔ شمالی ملیبار میں یہ حد قدرے وسیع ہے۔ چنانچہ ایک ہی الم (Illom) کے جملہ ارکان اس میں داخل ہیں۔ کئی تارو ڈوں کا ایک الم ہوتا ہے۔ الم میں نہ تو حقیت مشترک ہوتی ہے اور نہ چھوت چھات ایک ہوتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ان سب کا سلسلہ ایک ہی مورث اعلیٰ سے خواہ کتنا ہی بعید ہو جا ملے [1]

**رسومات**

ملیبار میرج رپورٹ سمبھندھم کے اجزا کے متعلق کہتی ہے کہ "اکثر ذی عزت گواہوں سے یہ کہتے ہیں کہ کسی قسم کی مذہبی یا دنیاوی رسم کو سمبھندھم سے وابستہ نہ کرنا چاہئے اور یہ کہ اکثر صورتوں میں لڑکی اور اس کے ولی کی صرف رضامندی ہی ضروری خیال کی گئی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقی واقعہ ہے کہ حالیہ رواج (بالخصوص شمالی ملیبار میں) کا یہ میلان ہے کہ مباشرت اول کے وقت کم وبیش لیکن وسیع اور شاندار مراسم ادا ہوں" سمبھندھم کے مختلف اقسام کے معمولی رسومات اس کے بعد بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں سب سے زیادہ مقدس اور مرغوب رسم "پوڈامری" ہے۔ ان کے متعلق کمشنر فرماتے ہیں کہ "پوڈامری رسم کا ضروری جزو یہ ہے کہ دولہا کی جانب سے دلہن کو پارچہ عطا کیا جائے۔ اور سمبھندھم کی کسی اور قسم کیلئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی قسم کا ضابطہ اس کے لئے اہمیت رکھتا ہے"[2]

**کیا وہ ایک جائز شادی ہے**

سمبھندھم کے قانونی نتائج کے حوالے سے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ نمبودری برہمن اور نائر عورت کے مابین تعلقات جائز کے لئے بارہا بالکل وہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کے متعلق بہ اصرار اور دعوے سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے شادی کا انعقاد نہیں ہوتا۔ یہ کہ وہ نائر عورت معزز خاندانوں میں بھی ذات سے باہر نہیں کی جاتی جو کسی طریقے سے شادی نہ ہونے کے باوجود بھی ایک معقول درجے کے نائر مرد سے میل جول کرتی ہے یہ کہ نمبودری

---

[1] مدراس ۱۸۹۱ء C جلد ۱۴ صفحہ ۲۲۶۔

[2] ملیبار میرج رپورٹ ۲۱/۲۲-۹۸۔

برہمنوں کے مذہبی احکام (نمبدری برہمن نائروں کے مرشد اور پوجاری ہوتے ہیں) عورتوں کی عصمت وعفت کی فی الواقعی خدمت کرتے ہیں۔ یہ کہ ازدواج میں کسی قسم کا مذہبی عنصر داخل نہیں ہے۔ اور یہ کہ طلاق کے حق نے عملاً یہ قوت طاقی ہے کہ ہر فریق اتحاد اس کو جب چاہے ختم کردے۔ اور دوسرے فریق کو کسی قسم کا چارہ کار حاصل نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ جماعتوں میں رفتہ رفتہ یہ حق صرف اس وقت استعمال کیا جارہا ہے جب کہ وجوہ معقول اور مناسب ہوں [1] چنانچہ ملیبار کمیشن بابت قانون ازدواج نے ان صغریٰ و کبریٰ سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا "کہ مارومکاتیم میں نہ تو اس کے قبل شادی کا آئین تھا اور نہ اب ہے" جن لوگوں نے کوچن اور ٹراونکور کے نظام عمل کی جانچ کی ہے وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں [2] یہ نظریہ اس مسلمہ واقعے کے مغائر نہیں ہے کہ ایسے اتحاد سخت سے سخت نظام میں مثل ازدواج کے دائمی ہورہے ہیں۔ یہ کہ ان کی نگہداشت نہایت ہی حاسدانہ انداز سے کی جاتی ہے اور یہ کہ ان کے تعلق کا انتقام وحشیانہ طریقے سے لیا جاتا ہے [3] یہ الفاظ دیگر حسد اور انتقام صرف اس اتحاد تک محدود نہیں ہیں جو قانوناً قابل پابندی ہیں۔

| | |
|---|---|
| **ف ۱۰۱**۔ ان اشخاص کے تعلقات زن و مرد میں جو الیا سنتان | **الیاسنتان شادیاں** |

[1] ملیبار رپورٹ بابت ازدواج ص ۲۶/۲۷ اور ص ۵۸/۶۴۔ مدراس اعداد و شمار جلد ۱۲ ص ۲۲۸۔ اگر کسی عورت کا شوہر مرگیا ہو یا اگر وہ علیحدہ کردی گئی ہو تو وہ پھر شادی کرسکتی ہے۔ کوئی چیز مانع نہیں۔ دیکھئے ٹراونکور اعداد و شمار ۱۸۹۱ء ص ۷۷۔ یم۔ یم رپورٹ ص ۵۔ اگر کوئی بچہ سمبھندم ازدواج کے دوران میں پیدا ہو تو ایسے بچے کو باپ کا قیاس کیا جاتا ہے تاکہ اس کے خلاف تحت دفعہ (۴۸۸) ضابطۂ فوجداری بابت ۱۸۹۱ء نفقے کا حکم نافذ ہوسکے۔ دیکھئے ونکٹا کرتن پتر بنام چاکنی ۲۲ مدراس ص ۲۴۶۔

[2] یم یم رپورٹ ص ۲۷ کوچن ۱ ف ۱۷ ٹراونکور C ص ۴۲۔

[3] ملیبار مینول ص ۱۳۶ یم یم رپورٹ ص ۱۰۲۔ شمالی ملیبار کی نائر عورتیں اس شخص کے تاروہ میں رہتی ہیں جس سے مباشرت ہوتی ہے۔ اس سکونت کے دوران میں وہ عورتیں اور ان کے بچے دونوں کی پرورش ہونے کے تاروہ کے مدے سے ہوتی ہے۔ پرونی بنام کمارن ۲۸ مدراس ص ۳۴۳۔

قانون کے تابع ہیں۔ بہ نسبت مارومکاتیم جماعتوں کے۔ بادی النظر میں کم درجے کی
آزادی کے علامات پائے جاتے ہیں۔ بے عصمتی کے متعلق پراسورام کی افسانوی
تعلیم ان کے مذہب کا جزو نہیں ہے برہمنوں کی تواریخ یہ بیان کرتی ہیں کہ وہ
برہمنان بہکا دیئے گئے تھے جنھیں پراسورام نے داخل کیا تھا اور یہ کہ برہمنوں کا
پہلا قیام آٹھویں صدی میں شمالی کنارا کے جین بادشاہ کدمبا کے حکم سے عمل میں آیا۔
داخل ہونے کے بعد انھوں نے اس ملک کی عورتوں کے متعلق اپنے لئے
وہی حیثیت نہیں جتلائی جیسے نائروں نے نمبدریوں کے متعلق تسلیم کرلیا تھا۔[11] ۱۲۸
جنوبی اضلاع کی فرضی شادی سے کنارا میں بانٹ (Bants) تک ناواقف تھے
اگرچہ وہ نائروں سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ حقیقی ازدواج کی جانب پہلا قدم
منگنی ہوتا تھا اور شادی کے بعد ہی شوہر کے مکان میں مباشرت ہوتی تھی[12]
مسٹر یم بنگیرا (منگلور کے منصف ضلع اور ملیبار میرج کمیشن کے رکن) کہتے ہیں کہ
وہ سوسائٹی جس سے فریقین کا تعلق ہوتا ہے شادی کو مقدس قرار دیتی ہے اور
مسٹر اسٹرک سیول سرونٹ (سابقہ کلکٹر اور مجسٹریٹ ضلع) نے کمیشن کے
سامنے حسب ذیل رپورٹ پیش کی "میں نے تیرہ[13] سال جنوبی کنارا میں قیام کیا
اور اس زمانے میں جو رائے میں نے قائم کی وہ یہ ہے کہ اعلیٰ جماعتوں میں
لوگ عورتیں جو الیا سنتان قواعد کے تابع ہیں اپنی ضرب المثل وفاداری کے لئے
مشہور و معروف ہیں۔ اور یہ کہ نیچ جماعتیں بھی شادی کے رشتے کو بہ نسبت
ان کے پڑوسیوں کے جو دوسرے قوانین کی تابع ہیں زیادہ سبک تصور
نہیں کرتی ہیں" برایں ہمہ یہ صاف ظاہر ہے کہ ازدواجی جکڑبندی کی سختیاں
اور اس سے بچنے کے لئے طلاق کی سہولت دونوں ایسے امور ہیں جن کا تعلق
زیادہ تر اعلیٰ قسم کے جذبات سے ہے نہ کہ وجوب قطعی سے مرد اور عورت
دونوں کو طلاق دینے کا برابری کا حق حاصل ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ عموماً طلاق کے لئے

[11] جنوبی کنارا امپانول جلد ۱ ص ۱۳۶ ۱۴۲ و نیز دیکھئے اسی کتاب کے صفحات ۵۴ اور ۱۵۶ بانٹوں کے متعلق۔
[12] سوتھ کنارا امپانول جلد ۱ ص ۱۶۰ یم۔یم رپورٹ ص ۱۰۷ ص ۱۰۹۔

معقول وجوہ ہونا چاہییں۔ مثلاً زنا۔ زوجہ کا نافرمان بردار ہونا۔ اور شوہر کی ظلم و زیادتی۔ "لیکن ادنیٰ جماعتوں میں بلا وجہ معقول یا شوہر یا زوجہ کی محض خواہش اور مرضی پر۔ طلاق کو نافذ کرنا شاذ نہیں ہے۔ بر این ہم اس قسم کے طرزِ عمل کو سوسائٹی کراہت سے دیکھتی ہے"[لہ] یہی وہ رائے تھی جس پر عالیہ عدالت نے دو مقدمات میں عمل فرمایا۔ چنانچہ یہ فیصلہ فرمایا گیا کہ الیاسنتان قانون میں شوہر اور زوجہ کے تعلقات سے اس طرح کا ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوتا کہ یا تو اس کو نافذ کیا جا سکے یا اسکی
۱۲ حفاظت ہو سکے[عہ] الیاسنتان اقوام نائروں یا تیاروں سے شادی نہیں کرتیں۔ اور قواعد انولوما (Anuloma) اور پراتی لوما (pratiloma) پر (جو اعلیٰ درجے کے مردوں کو ادنیٰ درجے کی عورتوں سے سمبھندھم میں داخل ہونے کا مجاز کرتے ہیں) عمل کرنا ان لوگوں میں رائج نہیں ہے۔ ایک ہی بالی یا گوتر کے لوگ بھی آپس میں ازدواجی اتحاد قائم نہیں کر سکتے اور ایسے رشتہ داروں کے مابین مباشرت بھی ایک ایسا فعل ہے جس سے ذات باہر ہونا لازمی ہو جاتا ہے[سے]

**ازدواج بیوگان** بیوگان کو شادی کرنے کی اجازت ہے لیکن عام طور پر یہ رعایت جوان بیوگان تک محدود ہے۔ جنھیں پہلے شوہروں سے اولاد ہو چکی ہو وہ عموماً دوبارہ شادی نہیں کرتیں۔ کسی صورت میں بھی بیوہ کسی سے شادی نہیں کر سکتی مگر یہ کہ وہ رنڈوا ہو۔ چونکہ بتدریج ہندو رواجات کی اتباع کی جانب میلان زیادہ ہوتا جا رہا ہے اس لئے دوامی بیوگی کو زیادہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے[سے]

لہ۔ ملیبار برج رپورٹ صفحہ ۱۰۹/۱۰۱/۱۱۰ سوتھ کنارا مینول جلد ۱ صفحہ ۱۴۲۔

عہ۔ کدری ننیامم نونگا ۴ مدراس ہائیکورٹ ۹۹ اکور گانام کراؤن ۶ مدراس صفحہ ۱۴۸۔ مدراس کی مجلس وضع قوانین نے قانون نشان ۴ بابت ۱۸۹۶ء نافذ کیا ہے تاکہ مارومکاتیم یا الیاسنتان قانون کے اتباع کرنے والے ایک ایسے طریقِ شادی کو اختیار کریں جو قانوناً قابل پابندی سمجھا جائے۔

سے یم۔ یم رپورٹ ۷۰، ۷۵ و ۱۰۶ سوتھ کنارا صفحہ ۱۴۳ صفحہ ۱۶۱ مینول جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ سن ۱۶۰۔

سے یم۔ یم رپورٹ ۷۵ و ۱۰۰ جنوبی کنارا مینول ۱ و ۱۴۳ و ۱۶۰۔

**نمبدری شادیاں**

**دفعہ ۱۰۲**۔ نمبدری برہمن (بہ استثنائے شاذ) مہاکشترا اور مارومکاتیم قانون کا اتباع کرتے ہیں[1] جن میں معمولی اصول کے لحاظ سے باپ سے بیٹے کو وراثت پہنچتی ہے ان کے نظام ازدواج کی خصوصیت یہ ہے کہ صرف بڑا لڑکا شادی کرسکتا ہے[2] لیکن اس قاعدے کا ضمیمہ یہ رواج ہے کہ دوسرے ارکان نائر عورتوں سے تعلقات پیدا کریں۔ رسومات ازدواج نائرین ادا کرکے ایسے ارکان کی عزت زیادہ کی جاتی ہے۔ لیکن ان رسومات سے کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہوسکتی۔ کوویلوگاموں میں (قدیم فرماں رواؤں کے خاندان (Kovilogams) کی عورتیں قبل بلوغ ایک رسم کی انجام دہی میں شریک ہوتی ہیں جو تلی کیتوکلیانم کی قسم کی ہوتی ہے ہر وقت عورت جو ایسا کرنا چاہے اس مرد سے میل جول کرسکتی ہے جو تلی باندھتا ہے اگر نہیں تو وہ نمبدری برہمن سے بلاکسی مزید رسوم کے شادی کرسکتی ہے۔ اس کے بعد اس کو یہ آزادی حاصل ہے کہ جب چاہے اس کو چھوڑدے اور اپنے کرنادان یا محافظ کی رضامندی سے دوسرے نمبدری کو اس کی جگہ دیدے۔ کوویلوگام کا موقتی بڑا راجہ محافظ ہوتا ہے" بہرصورت ایک نمبدری کی پرورش خود اس کے خاندان میں ہوتی ہے اور اس کے بچے اپنی ماں کے خاندان میں شامل ہوتے رہیں[3]۔ ۱۳۰

**بالغ عورتوں کی شادی**

اس انتظام سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نمبدری عورتوں کو اپنے لئے شوہر تلاش کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ بنابریں ہندو قانون کا یہ قاعدہ کہ ہر لڑکی کی شادی قبل بلوغ ہونی چاہیے ان میں

---

[1] دیکھئے وشنو نمبدری بنام اکما ۲۲ مدراس ۲۹۶۔

[2] کیرالاانشارم Kerala Anacharam کے ۶۴ قاعدوں میں کا یہ انسٹھواں[59] قاعدہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان قواعد کو شنکراچاریا نے ۸۲۵ء میں رائج کیا۔ دیکھئے ملبار مینول صفحہ ۱۵۵ اس قانون کی خصوصیات پر جو نمبدری برہمنوں سے متعلق ہے بمقدمہ واسودیول بنام وندیر ہند بحث فرمائی گئی تھی جلد ۱۱ مدراس صفحہ ۱۵۷۔

[3] یم یم رپورٹ ۴۴ و ۵۳ کوچین اعداد و شمار ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۷۵ ٹراونکور اعداد و شمار ۱۸۹۱ء ۶۱۳۔

رائج نہیں ہے۔ وہ کسی سن میں بھی شادی کر سکتی ہیں اور اکثر ان کی شادی ہوتی ہی نہیں ان کے لئے جوان بیاہی مرجائیں قاعدہ یہ ہے کہ ان کی لاش نہیں جلائی جاسکتی۔ جب تک کہ رسم شادی ادا نہ ہو۔ یہ رسم اسبے دبے Abbe' Dabois کے زمانے میں حقیقت کی حد تک پہنچا دی گئی تھی۔ لیکن اس زمانے میں یہ رسم اس حد تک باقی رہ گئی ہے کہ جب نعش کو جلانے کے لئے لکڑیوں کے انبار پر رکھتے ہیں تو اس وقت اس نعش کے گلے میں تلی (Tali) باندھ دی جاتی ہے[1]۔

ان نمبدری برہمنوں کی محدود جماعت میں جو مارومکاتیم نظام قانون کی اتباع کرتے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ شادی "کو ان مذہبی رسومات سے متبرک کیا جاتا ہے جو ہندوستان میں ہر برہمن کی شادی میں انجام دی جاتی ہیں۔ رسومات ہوم منترا اور سپتاپدی کی سختی اور پابندی سے ادا ہوتی ہیں[2]"

برہمنی ازدواج میں عام ازینکہ نمبدری کے ہوں یا دوسروں کے بیوگان کا ازدواج قطعی ممنوع ہے[3]۔ بجز اس کے کہ ذات سے خارج کئے گئے ہوں نہ تو شوہر طلاق دے سکتا ہے اور نہ زوجہ[4]۔

---

[1] یم۔ یم رپورٹ ۸ و ۵۷ ملیبار میانول ۱۲۷ و بے صدا کوچن اعداد و شمار ۱۸۹۱ء ص ۱۲۵۔

[2] یم۔ یم رپورٹ ص ۱۰۳۔

[3] یم۔ یم رپورٹ ص ۵ ص ۱۰۳ ٹراونکور اعداد و شمار ۱۸۹۱ء ص ۶۸۵ کوچن ص ۱۸۱۔

[4] ٹراونکور ص ۶۸۳ ملیبار میانول ص ۱۲۵۔

# باب پنجم

## خاندان کے تعلقات

## تبنیت

**قدیم تصنیفات میں اس مضمون پر کم توجہ کی گئی ہے**

فقرہ ۱۳۱۔ ہندو قانون پر انگریزی تصانیف میں جو حصہ ضرورۃً تبنیت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اور قدیم قانونی کتابوں میں جس قدر جگہ اس مضمون کو دی گئی ہے۔ ۱۳۱
ان دونوں میں تعجب خیز نا مناسبت ہے۔ ایک شخص تمام کتابیں (از ابتدائے مولفین سونتر اس تا دیا بھاگ) بغیر یہ معلوم کرنے کے پڑھ جاتا ہے کہ تبنیت کو ہندو نظام قانون میں کوئی اہمیت بھی ہے۔ اگر وہ دو مقالے نہ ہوتے جن کا ترجمہ مسٹر سدرلینڈ (Sutherland) نے کیا ہے تو اس کی تصدیق کی جا سکتی کہ انگریز اس واقعے سے کبھی واقف ہی نہیں ہو سکتے مسٹر جگناتھ کے ڈائجسٹ میں بھی اس مضمون کو صرف بتیس صفحات دیے گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قانون تبنیت (جو اس زمانے میں مروج ہے) محض ایک جدید چیز ہے اگرچہ کہ اس کا ماخذ چند قدیم کتابیں یا احکام ہیں۔ براہ راست اس کے لئے کوئی سند نہیں ہے اسناد کے معدوم ہونے کی وجہ سے قانون تبنیت میں بڑی حد تک باریکیاں اور تنزاکتیں

پیدا ہو گئی ہیں اس اثر کی وجہ سے جو ہر تبنیت جائداد کے انتقال (بذریعۂ وراثت) پر ڈالتی ہے ہر مقدمہ کا جس کے متعلق نزاع ہو سکتی ہے۔ عدالت میں لایا جانا ضروری ہے۔ نئے اور نادر قواعد معلوم اور وضع کئے جاتے ہیں۔ عام اس سے کہ اس عمل سے روحانی فوائد کا حاصل ہونا فرض کر لیا جاتا ہے لیکن پھر بھی اس میں شبہہ ہے کہ آیا کبھی بھی یہ سنا جا سکتا ہے کہ ایک متبنیٰ لڑکا وارث نہیں ہوا مفلسوں کو بھی ارواح ہوتے ہیں کہ نجات پائیں لیکن وہ متبنیٰ لینے کے عادی نہیں ہیں۔

## لڑکوں کی اہمیت

۱۰۴۔ میں نے اس کے قبل (ف ۶۸) ان فوائد کا ذکر کر دیا ہے جو تمام قدیم اقوام پُتر سے حاصل کیا کرتی تھیں۔ اور اولاد نرینہ کی اس مخصوص ضرورت کا بھی ذکر ہو چکا ہے جس کی وجہ سے آریوں کا مذہبی نظام انھیں پُتر کے حاصل کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس کمی کو قدیم ہندو قانون نے بدرجۂ اتم پورا کیا چنانچہ اس نے ایسے بارہ لڑکے بتلا دیئے جن میں کے سب اولاد جائز کی عدم موجودگی میں اس قابل
۱۳۲ تھے کہ کریا کرم کر سکیں[1]۔ مذہبی اغراض کے لئے پُتر کا پُتر اور حقیقی پُتر دونوں بھی بحیثیت فوائد بالکل مساوی معلوم ہوتے ہیں[2]۔ اور جب کئی بھائیوں میں سے ایک کو لڑکا ہوتا تھا تو یہ تمام بھائیوں کا پُتر سمجھا جاتا تھا چنانچہ کلوکا بھٹ یہ اضافہ کرتا ہے کہ "لہذا اگر ایسا برادر زادہ وارث ہو سکتا ہو تو چچاؤں کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ کسی اور لڑکے کو متبنیٰ کریں"۔ چندیسورا اور دیگر شارحین نے بھی یہی نظریہ قائم کیا ہے[3]۔ لہذا اس سے ثابت ہے کہ قدیم زمانے میں پانچ قسم کے متبنیٰ لڑکوں کو بالکل ثانوی اہمیت حاصل رہی ہو گی۔ آپستمبا بصراحت یہ بیان کرتا ہے کہ "لڑکے کو دینا یا قبول کرنا

۱؎ منو باب ۹ ف ۱۸۰۔ اس فقرے کا فقرہ ۱۶۱ سے مقابلہ کیجئے جس کے متعلق کلوکا بھٹ کی توضیح یہ ہے کہ وہ تحریف ہے۔ یہ تحریف اس وقت کی گئی جب کہ ذیلی لڑکے متروک ہو گئے تھے۔ ورہسپتی دتکا چندریکا باب ۵۔

۲؎ وشنو باب ۱۵ ف ۴۷ منو باب ۹ ف ۱۲۷ تا ۱۳۹۔

۳؎ وشسٹ باب ۱۷ ف ۸۔ وشنو باب ۱۵ ف ۴۲ منو ف ۱۸۲ جلد ۳ ڈائجسٹ ف ۲۶۲ دتکا چندریکا باب ۱ ف ۲۱۔

اور بچے کو خریدنے یا فروخت کرنے کا حق مسلم نہیں ہے۔[1] اور کتیاین ایام مصیبت میں لڑکے کو دے دینے کی۔ یا بیع کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن بس اسی حد تک۔[2] سلسلۂ پسران میں جو درجہ متبنٰی لڑکوں کو حاصل تھا اس سے خود ظاہر ہے کہ ان کی وقعت کس درجہ کم تھی۔ اس نقشے کو دیکھنے سے جو ف۶۸ کے ساتھ دیا گیا ہے یہ ظاہر ہوگا کہ ان چودہ اسناد میں سے جن کا اقتباس کیا گیا ہے صرف پانچ نے دتک جیسے لڑکے کو پہلے چھ میں رکھا ہے محض ترتیب کی خاطر ایسا نہیں کیا گیا ہے کیونکہ ان سب نے بلا استثنا پہلے چھ کو وراثت کے حقوق دیئے ہیں۔ بقیہ چھ کو اس قسم کے حقوق دینے سے انکار کیا گیا ہے۔ ان پانچ میں کا ایک اس میں شک نہیں کہ منو ہے جو اس طرح متبنٰی لڑکے کا طرفدار رہے۔ لیکن یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آیا اس بارے میں کوئی تبدیلی تو اس کے متن میں نہیں ہوئی؟ یاگنولکیا اور نارد (جو منو کے بعد کے ہیں) دونوں نے متبنٰی کو آخری چھ میں رکھا ہے۔ نارد صراحتہً یہ کہتا ہے کہ اس نے منو پر اپنی تالیف کو مبنی کیا ہے۔ اگر ان حوالوں کو جانچا جائے جو اسٹنزلر کی یاگنولکیا میں حاشیے پر دیئے ہوئے ہیں تو یہ ثابت ہوگا کہ یاگنولکیا نے بھی یہی کیا۔ نقشۂ مذکورہ سے یہ واضح ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ متفق ہیں۔ خود منو سے جس طرح وہ اب باقی ہے ان میں کا کوئی ایک اس قدر متفق نہیں۔ جب کہ ان کے پاس وہی متن تھا جو اب ہمارے پاس ہے تو اس کی وضاحت میں دشواری پیدا ہوتی ہے کہ کیوں انھوں نے ایسی اعلیٰ سند سے اختلاف کیا۔ بہرصورت محض اس واقعے سے کہ ایسے مسئلے میں رائے کے اختلافات موجود تھے یہ ثابت ہو سکے گا کہ اس کو کسی قسم کی بڑی وقعت حاصل نہیں ہوتی تھی۔

## طریقۂ تبنیت میں کمی اور ان طریقوں کی تعداد

۱۲۳ ف۱۰۱۔ جب اعانتی لڑکوں کی تعداد میں کمی ہونی شروع

---

[1] ایپستمبا II ۱۳ VI ۱۱۔

[2] دیکھا میا مسا باب ف۲ ۳۵ متاکشرا باب ف۱۰۔ اس فقرے کا تعلق لڑکے کے دینے والے سے ہے نہ کہ لینے والے سے۔ اپارر کانے برعکس رائے قائم کی ہے۔

ہوئی (جیسے ان کے اسباب فقرہ ۸۷ میں بیان کیے ہیں) تو فطری طور پر متبنیٰ لڑکوں کی اہمیت بڑھتی گئی کیونکہ صرف وہی باقی رہ گئے تھے۔ برادر زادے کی موجودگی میں بھی نام روشن کرنے اور بقائے نسل کے لئے تبنیت ضروری ہوگی۔ اگرچہ بھائی کا لڑکا اپنے چچا کے لئے ضروری روحانی برکات حاصل کر سکتا ہو[1]۔ جیسے جیسے تقسیم کا طریقہ اور مکسوبات ذاتی عام ہوتے گئے ویسے ویسے موخر الذکر قسم کی اشیا کی فطرۃً زیادہ خواہش ہونے لگی۔ لیکن جب ہم تبنیت کے اقسام میں وہی کمی دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے[2]۔ غالباً اس کی توضیح دو واقعات سے ہوسکتی ہے۔ ایک تو برہمنوں کے اثر کی روز افزوں ترقی اور دوسرے وہ وقعت جو اس اثر کی وجہ سے مذہبی اصول کو دی گئی۔ اگر تبنیت کی اصلی غرض یہ تھی کہ سالانہ سرادھ سے مورثوں کی ارواح کو خوش کیا جائے تو یہ بھی ضروری تھا کہ ارواح کو ایک طرح سے اس دھوکے میں رکھا جائے کہ سرادھ کرنے والا حقیقۃً ان کے اخلاف میں سے تھا حتی الامکان اس کا مثل حقیقی لڑکے کے نظر آنا ضروری تھا اور یقیناً نہ ایک ایسا جو اس کا لڑکا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ بنا بریں وہ قواعد پیدا ہوئے جو Caunaka کے اس قول سے کہ "پتر کا عکس ہونا چاہیے" تراشے گئے تھے[3]۔

---

[1] دتک چندر یکا باب ۱ فقرہ ۲۲۔ دیوستھالی رین مولہ اشنا اچرن سرکار صفحہ ۴۳۳

[2] ان عام اسناد کے علاوہ جن کا ذکر فقرہ ۸۰ میں کیا گیا ہے کرتیا قسم کے متروک ہونے کے متعلق دیکھیے جلد ۱ اسٹرینج کا ہندو لا صفحہ ۱۳۔ دینیز جلد ۱ نوٹس آف کیس مدراس ۱۸۱۶ء صفحہ ۲۔ ایتان کشو سام بمقابلہ تشخیندر جلد ۱۳ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ صفحہ ۳۲ سدر کورٹ جلد ۱ سدر لینڈ صفحہ ۱۴۸ سوایم درن کے متعلق مقدمہ سبھی اپا بنام شیولنگا۔ الجبی ہائیکورٹ ۱۲۶۵ قسم پالک پتر کے لئے کالی چند بنام شیب چند ۲ سدر لینڈ صفحہ ۱۸۱۔ اگر مقامی رواج اجازت دے تو دوسرے اقسام بھی جائز ہوسکتے ہیں جیسا کہ کرتیا کا گونتالیوں میں رائج ہونا بیان کیا جاتا ہے جلد ۱ مکناٹن صفحہ ۱۰۱۔

[3] دتک میماسا باب ۵ فقرہ ۱۵۔ یہ ممکن ہے کہ یہ استعارہ بذات خود ایک غلطی ہو۔ ڈاکٹر بہلر نے اس بیت کا اس طرح ترجمہ کیا ہے "اس کو چاہیے کہ اس بچہ کو منتخب کرے جو (اب) لینے والے کے لڑکے سے مشابہ ہوتا ہے یعنی جو سابقہ رسم دین اولین سے لڑکے کا مشابہ نظر آنے لگتا ہے۔" دیکھیے بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کا جرنل بابت ۱۸۶۶ء فقرہ کانک سمرتی۔ دتک میماسا کے ترجمے کا مسٹر گوپال چندر سرکار نے اپنی کتاب تبنیت میں صفحہ ۳۰۰ پر اتباع کیا ہے اور مسٹر منڈلک نے میوکھ کے ترجمہ کے صفحہ ۴۵ پر۔ میوکھ میں یہ تمام عبارت دی ہوئی ہے اور جسٹس نرجی نے اس کو ڈاکٹر بہلر پر ترجیح دی۔ دیکھو جلد ۱۷ الہ آباد صفحہ ۲۴۲ چیف جسٹس ایج (Edge) نے مختلف رائے ظاہر فرمائی۔ دیکھو ایضاً صفحہ ۲۹۶۔

وہ ایسا شخص ہونا چاہیے تھا جس کی ماں سے متبنیٰ گیرندہ شادی کر سکتا ہو اس کا ہمذات ہونا ضروری تھا۔ اس کا اس قدر کمسن ہونا ضروری تھا کہ اس کے تمام رسوم متبنیٰ گیرندہ کے خاندان میں ادا ہو سکتے۔ یہ ضروری تھا کہ اس کا تعلق اس کے اصلی خاندان سے
قطعی طور پر منقطع ہو جائے اور اس طرح نئے خاندان کا مکمل طور پر جزو ہو جانا ضروری ۱۲۴
تھا کہ اس کے حدود میں وہ شادی نہ کر سکے۔ خاندان میں داخل ہوتے وقت ایسا معلوم ہونا چاہیے کہ محبت اور حقیقی رضامندی سے داخل ہو رہا ہے۔ اس میں کسی قسم کا تجارتی عنصر نہ ہونا چاہیے۔ ان قیود نے دوسرے اقسام تبنیت کو خارج کر دیا اور صرف "دتک" نافذ رہا۔

**دنیاوی مقاصد کا اثر**

**ف ۱۰۶**۔ یہ فرض نہ کر لینا چاہیے کہ تبنیت کی وجہ تحریک مذہبی نے کبھی بھی دنیاوی مقاصد کو علیحدہ رکھا یعنے تبنیت کے مقاصد مذہبی اور دنیاوی ساتھ ساتھ تھے) نظریۂ روحانی کا شاستریوں پر جنھوں نے قواعد بنائے کافی اثر تھا۔ ظن غالب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کی پیروی کی وہ عام طور پر کسی اور مطمح نظر سے ناواقف تھے۔ ان کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ وارث حاصل کر لیں تاکہ اس پر خاندانی محبت (جو ہندوؤں میں بڑی شدت سے ہے) صرف ہو سکے۔ خود سنسکرت مولفین نے اس قاعدے کی معقولیت کو تسلیم کیا تھا[۱]۔ بودھاین نے تبنیت کے لئے جن رسوم کا ذکر کیا ہے ان میں متبنیٰ گیرندہ اس بچے کو ان الفاظ سے لیتا ہے کہ "میں تجھ کو مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لئے لیتا ہوں" "میں تجھ کو اس لئے لیتا ہوں کہ میرے اجداد کی نسل جاری رہے"[۲]۔ ایک قول (جسے بعضوں نے منو سے منسوب کیا ہے) یہ کہتا ہے کہ "اس شخص کو

---

[۱] آگے ف ۱۳۵ پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس قاعدے کا آغاز اور اس کی وسعت بہت زیادہ مشتبہ ہے۔

[۲] ڈاکٹر بہلر نے پوری عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔ دیکھو ان کا مضمون Caunaka پر جو بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اور بودھاین پر ان کی اشاعت میں۔

جس کے کوئی بیٹا نہ ہو چاہیئے کہ بہ عجلت تمام کسی قسم کا بھی بیٹا متبنیٰ لے تاکہ پنڈ پانی دے۔ اور مقدس رسوم مذہبی ادا کرے اور اس کا نام روشن کرے"[1] اور مصنف دتک چندریکا اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ "نام روشن کرنے اور بقائے نسل"[2] کے لئے ایک لڑکا متبنیٰ کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیئے اگرچہ روحانی اور مذہبی ضرورت معدوم ہو۔[3] فی الواقع جو قدیم ترین واقعات تبنیت ہندو قصص میں پائے جاتے ہیں وہ لڑکیوں کی تبنیت کے ہیں۔[4] نیلسن (باب ۷) یہ بتلاتے ہیں کہ جنوبی ہند کی تامل اقوام میں اس قسم کی تبنیت کا رواج تھا۔ اس زمانے میں بھیل جبراً لڑکیوں کو زوجہ بنانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد قانونی شہرت کی خاطر جس سے حبشیوں کو بہت دلچسپی ہوتی ہے) ایک خاندان میں انھیں متبنیٰ کرتے ہیں تاکہ ان کی شادی دوسرے خاندان میں کر سکیں۔[5] کریتریم (Kritrima) طریقہ تبنیت کو مذہبی خیالات سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور کلیتہً غیر برہمنی ہے۔ یہ قسم تاحال میتھلا میں نافذ ہے اور اکثر تفصیلات میں اس قسم سے بہت مشابہ ہے جفینا (Jaffina) میں رائج ہے۔ ہم ان قبائل میں بھی اس قسم کی تبنیت کو رائج پاتے ہیں جو برہمنی عقائد کے زیر اثر نہیں ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ان میں وہ قواعد نافذ نہیں ہیں جو مذہبی قسالوں سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ سنسکرت کے ایک نکتہ سنج (Purist) عالم نے فی الواقع یہ قرار دیا ہے کہ شودر متبنیٰ نہیں لے سکتے کیونکہ وہ اصلی مذہبی رسوم ادا کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔[6] امر واقعہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے متبنیٰ لیتے رہے ہیں۔ البتہ وہ ان قیود سے صراحتہً آزاد کئے گئے ہیں جن کی پابندی اعلیٰ طبقوں کے اشخاص پر عائد ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ بہن یا لڑکی کے لڑکے کو متبنیٰ کر سکتے ہیں

اقوام با
۱۳۵

[1] دتک چندریکا باب ۹۔ جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۹۔
[2] دتک چندریکا باب ۱ دفعہ ۲۲۔
[3] دیکھو دتک میما سا باب ۱ دفعہ ۳۰ تا ۳۸۔
[4] لائل صاحب کی ایشیاٹک اسٹڈیز صفحہ ۱۶۳ "غیر برہمن اقوام میں تبنیت"۔
[5] ودیپیتی جس کا ذکر دتک میماسا میں کیا گیا ہے باب ۱ دفعہ ۲۶۔

بلکہ حکم یہ ہے کہ وہ ایسا کریں۔ اگرچہ دو سروں کے لئے وہ (یعنے بہن یا لڑکی کا لڑکا)
ممنوع ہے۔ اور وہ کسی عمر کے شخص کو حتیٰ کہ متاہل کو اپنا بیٹا بنا سکتے ہیں[1]۔ بہ الفاظ دیگر
وہ ایسے اشخاص کو متبنیٰ کرتے تھے جن کا یہ ادعا نہیں ہوتا تھا کہ وہ مذہباً بھی اس قابل
ہیں بلکہ جو تمام دوسرے اغراض کے لئے بدرجۂ اتم موزوں ہوتے تھے چنانچہ پنجاب کے
جاٹوں۔ سکھوں اور حتےٰ کہ مسلمانوں میں بھی تبنیت اسی طرح عام ہے جس طرح کہ
ہندوستان کے دوسرے حصوں میں۔ لیکن ان میں غرض یہ ہوتی ہے کہ محض وارث
بنائیں۔ "بعید از قیاس دوسری پیدائش کا مذہبی تصور اس معاملے (تبنیت) میں
داخل نہیں کیا گیا ہے"۔ کسی قسم کے مذہبی رسومات ادا نہیں ہوتے۔ نہ تو اکلوتے
لڑکے کو۔ نہ بہن یا لڑکی کے لڑکے کو متبنیٰ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور نہ سن کے متعلق
کوئی حد بندی کی گئی ہے۔ پھر بھی حالیہ رجحان یہ ہے کہ ان برہمنی قواعد کو داخل کریں۔
مسٹر جسٹس کیمبل نے جو توضیح فرمائی ہے وہ بہت دلچسپ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
کس طرح یہ طریقہ رائج ہوا۔ سکھوں کے زمانے میں کسی جماعت اشخاص میں بھی
ایک نئے لڑکے کا داخلہ غالباً اطمینان بخش نظر سے دیکھا جاتا تھا کیونکہ اس وقت زمین کی
قیمت اور نوجوانوں کی اہمیت زیادہ تھی۔ لیکن ہمارے باقاعدہ بند و بست کے
زمانے تک زمین کی اصلی قیمت ظاہر ہو چکی تھی۔ اور برادری کے لوگ فطرۃً ایسے
موقع کے منتظر رہتے تھے کہ لاوارث شریک کی اراضی آپس میں تقسیم کر لیں نہ کہ
اس آمدنی میں جو اس وقت تک بہت زیادہ ہونے لگی تھی حصہ پانے کے لئے ایک
زائد شخص کو داخل کر لیں۔ بنا بریں ہر قبیلے کا اصل حصہ یہ چاہتا تھا کہ وہ چیز
رواج میں داخل ہو جائے جس کو وہ چاہتے تھے کہ رواج بنے۔ اور عام خواہش آئندہ
کے لئے بلا چون و چرا داخل کر لی جاتی تھی الا یہ کہ کچھ لوگ اپنی حقیت کی بنا پر
۱۳۶ مخالفت کریں"[2]۔ جین منحرفین (یعنے جو اس وقت جین مذہب سے منحرف ہیں) اور
تلبدا کولی Talabda Koli (مغربی ہند کا ایک فرقہ) میں بھی تبنیت رائج ہے

[1] ۔ دیکھئے آگے فقرۂ ۱۳۶ و ۱۴۱۔
[2] ۔ پنجاب کسٹمس صـ۷۸ تا ۸۳۔

لیکن کسی قسم کی مذہبی اہمیت اس سے منسوب نہیں ہے[۱]۔ برایں ہم بربنائے فیصلۂ ذیل اب یہ امر مسلم ہے کہ جین مذہب کے لوگوں نے کل ہندو قانون اختیار کر لیا ہے اس لئے قانون تبنیت کے قواعد کا بھی ان پر اطلاق ہوگا۔ اگرچہ ان قواعد کا انحصار ایسے اصولوں پر ہے جو ان کے عقائد کے لئے بالکل نئے ہیں۔ یہ اطلاق اس شرط کا تابع ہے کہ اس کے خلاف کسی قسم کے رواج کا ثبوت نہ ہو[۲]۔ گنجام کے اوریا راجگان میں جو چھتری ہیں کریا کرم کے رسوم ہمیشہ وہ برہمن ادا کرتا ہے جو خاندان سے دائماً ملحق ہوتا ہے اس کو پتر برہمن کہا جاتا ہے[۳]۔ پھر بھی جیسا کہ توقع کی جا سکتی ہے یہ راجگان جب کہ قدیم جاگیرداری (feudahty) کو باقی رکھنا ضروری ہو تو ہمیشہ متبنیٰ لیتے ہیں۔ جفنیا میں تامل لوگ لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو متبنیٰ کر سکتے ہیں۔ اور خاندان میں از سر نو پیدا ہونے کا تصور اس قدر کم ہے کہ متبنیٰ لڑکا متبنیٰ گیرندہ والدین کی حقیقی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ و نیز جب ایک لڑکا بھی متبنیٰ کیا جائے اور لڑکی بھی تو ان دونوں میں ازدواجی تعلق ہو سکتا ہے[۴]۔ معاملۂ تبنیت کا امر دنیاوی ہونا بہت زیادہ اچھی طرح سے ثابت ہے کیونکہ اس کی اہم شرط یہ ہے کہ متبنیٰ گیرندہ اپنے ورثا کی رضامندی حاصل کرے اگر وہ راضی نہ ہوں تو ان کے حقوق وراثت پر

---

[۱]۔ شیو سنگھ بنام دالکھو۔ جلد ۶ ممالک شمالی مغربی صفحہ ۳۸۲ و صفحہ ۳۹۲۔ جلد ۵ مرافعہ جات ہند ۸۷ صدر کورٹ جلد ۱ الہ آباد صفحہ ۶۸۸ بھالا نہانا بنام پربھو ۲ بمبئی صفحہ ۶۷۔

[۲]۔ امواہنام مہد کنڈ ۱۲۲۱ بمبئی صفحہ ۱۱۶ صفحہ ۴۲۲۔

[۳]۔ یہ رواج اکثر ان مقدمات میں ثابت کیا گیا ہے جن میں میں کونسل تھا مثلاً سیر گڈھ کی وراثت کے مقدمے میں اور تعلقہ جینیا کیمڈی کے مقدمے میں (تمیرازو بنام بیتینا ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۱۔ رگنادہ بنام بروز وکشنو رجلد ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۴ صدر کورٹ ۱ مدراس ۷۹۔ صدر کورٹ ۲۵ سدر لینڈ ۲۹۱) لیکن کسی رپورٹ میں بھی اس رواج پر توجہ نہیں کی گئی۔ شہادت میں اس کو پورے طور سے پیش کیا گیا تھا جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۹ مدراس میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔

[۴]۔ تھیسا ولم باب ۴ ف ۴۔

کوئی اثر نہیں پڑتا[1]۔ میرے اس خیال کی تائید میں جس کا اظہار میں نے اس کے قبل (ف۱۰۰ میں) کیا ہے یہ واقعات بہت زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں یعنے (الف) یہ کہ برہمنی اصول کے لحاظ سے بھی محض اس غرض سے متبنیٰ نہیں لیا جاتا کہ روحانی فوائد حاصل ہوں۔ اور (ب) یہ کہ غیر آریا قبائل یا ان لوگوں کا جب سوال پیش ہو جنھوں نے اصلی ہندو مذہب سے انحراف کیا ہو تو اس کے اطلاق میں نہایت ہی ممکنہ احتیاط سے
کام لیا جانا چاہیے[2]۔ پریوی کونسل نے ایک حالیہ مقدمے میں دنیاوی اور مذہبی ۱۳۰
وجہ تحریک تبنیت کے امتیاز کو تسلیم فرمایا ہے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کس مقصد کو فوقیت دی گئی تھی موصی کی وصیت بہ تفصیل جانچی گئی[3]۔

**قدیم کتابیں**

ف۱۰۱۔ کل قانون تبنیت (سنسکرت) دو کتابوں اور ایک استعارے سے اخذ کیا گیا ہے۔ استعارہ (اگر وہ خود غلط ترجمہ نہ ہو) کو تکا کا ہے اور وہ یہ کہ جس لڑکے کو متبنیٰ کیا جا رہا ہو وہ "اصلی لڑکے کا مشابہ" ہونا چاہیے (ف۱۰۰ حاشیہ ۱) اور کتابیں منو اور ودشسٹ کی ہیں۔

منو باب ۹ ف۱۶۸ میں کہتا ہے کہ "وہ جسے اس کا باپ یا ماں دوسرے کی

---

۱۔ ایضاً۔ ف۱ و ۵ و ۶ دیکھو آگے ف۱۲۹۔

۲۔ جب ایک خاندان (جو اصلاً غیر ہندو ہو) جزواً نہ کہ کلیتہً ہندو مذہب اختیار کرلے تو اس کا بار ثبوت کہ ہندو قانون کا یہ جزو خاندانی رواج میں شامل کر لیا گیا ہے ان پر ہوگا جو تبنیت کو پیش کریں اور جب کوئی اصلی ہندو خاندان مسلمان ہو جائے تو بار ثبوت ان پر ہوگا جو تبنیت کو یہ بتلانے کے لئے پیش کریں کہ خاندان میں ہندو قانون تبنیت کا اتباع ہنوز باقی ہے دیکھو بائی ماشر بائی بنام بائی ہیرا بائی ۳۰ بمبئی ص۲۶۴ رواج مانع تبنیت کے ثابت کرنے کا امکان ہے اگرچہ خاندان ہندو قانون کا تابع ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کا ایک منفی رواج قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ فقدر راؤ بنام راجندر داس جلد ۱۲ مرافعہ جات ہند ص۲۔ صدر کورٹ ۱۱ کلکتہ ص۴۶۳۔

۳۔ وینکٹ نرسما اپاراؤ بنام پرتھاسرتی اپاراؤ جلد ۴۱ مرافعہ جات ہند ص۱۹۹ صدر کورٹ ۳۶ مدراس۔

فرزندی میں دے بشرطیکہ معطی لہ لاولد ہو اگر اسی ذات کا ہو اور محبت سے دیا جائے تو دیا ہوا لڑکا سمجھا جاتا ہے۔ اس بیٹے کی تکمیل آب ریزی سے ہوتی ہے۔"

وسشت باب ۱۵ و آیات ۱۸ میں کہتا ہے کہ "جس طرح کہ نتیجہ اس کے سبب سے نکلتا ہے اسی طرح ایک لڑکا جو منی اور خون سے بنا ہوا اپنے باپ اور ماں سے پیدا ہوتا ہے والدین کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کر دیں یا چھوڑ دیں۔ لیکن کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ اپنے اکلوتے لڑکے کو دے دے یا اکلوتے کو قبول کرے کیونکہ اسلاف کے سرادھ کے لئے نسل بڑھانے کے لئے اس کو رہنا چاہیے۔ اور نہ کوئی عورت اپنے مالک کی رضامندی کے بغیر لڑکے کو دے سکتی ہے یا لے سکتی ہے۔ جو کوئی لڑکے کو متبنی کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ اپنے اقربا کو جمع کرے۔ بادشاہ کی خدمت میں اطلاعی عرضداشت روانہ کرے۔ مکان سکونتی کے مرکزی حصے میں ویدی منتروں سے آگ کی پوجا کرے اور تب ایک ایسے لڑکے کو فرزندی میں لے جو اس کا رشتہ دار قریب ہو۔ یا اگر کوئی ایسا نہ ہو تو ایک دور کے رشتہ دار کو بھی لے سکتا ہے۔ لیکن اگر شک پیدا ہو تو وہ رشتہ دار بعید کو شودر تصور کر سکتا ہے ذات کا معلوم کیا جانا ضروری ہے کیونکہ ایک لڑکے کے توسط سے متبنی گیرندہ متعدد اسلاف کو نجات دلا سکتا ہے۔"

یہ دونوں احکام صرف دتک قسم سے متعلق ہیں۔ کرتریم کے متعلق جو میتھلا میں رائج ہے اور کہیں نہیں من بعد بحث کی جائے گی۔ ان دو احکام سے جو بظاہر بہت ہی مختصر ہیں قانون کا ایک مجموعہ تیار ہوا ہے جس پر حسب ذیل عنوان میں بحث ہو سکے گی۔ ۱۳۸

لہ۔ جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۴۲ لو دھاین کے گریا سر کی عبارت لفظ بہ لفظ تقریباً یہی ہے (اس کا ترجمہ ڈاکٹر بہلر نے کیا ہے دیکھو ستونک سمرتی پر ان کا مضمون جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا تھا) لیکن اس میں ذات کی رشتہ داری کے متعلق کوئی حدبندی نہیں ہے۔ تبنیت پر شونک کی عبارت بھی دیکھئے جو ودھا میوکھ کے باب چہارم میں بھی دی گئی ہے۔ اس عبارت کا ترجمہ بھی مذکور الصدر مضمون میں کیا گیا ہے۔

اول۔ کون متبنیٰ لے سکتا ہے۔ دوم۔ کون تبنیت میں دے سکتا ہے۔ (ف ۱۳۲)۔ سوم۔ کس کو متبنیٰ کیا جا سکتا ہے (ف ۱۳۵)۔ چہارم۔ ضروری رسومات تبنیت (ف ۱۵۱)۔ پنجم۔ تبنیت کا ثبوت (ف ۱۵۷)۔ ششم۔ نتائج یا اثر تبنیت (ف ۱۶۴)۔

**متبنیٰ گیرندہ لاولد ہو**

۱۰۸ اول۔ کون متبنیٰ لے سکتا ہے۔ ہر شخص خود متبنیٰ لے سکتا ہے یا اس کی جانب سے اس کی بیوہ اس کام کو انجام دے سکتی ہے لیکن ہر صورت میں شرط ماقبل یہ ہے کہ تبنیت کے وقت وہ لاولد ہو[1]۔ یہاں اولاد کا مفہوم اسی وسیع معنیٰ میں لیا گیا ہے جو ہندو قانون میں اس اصطلاح کے لئے مخصوص ہے یعنے بہ سلسلۂ ذکور اور بہ خط مستقیم تین پشت کے اخلاف اس میں داخل ہیں۔ بنابریں اگر کسی کا بیٹا۔ پوتا یا پروتا فی الواقع بقید حیات ہو (عام ازیں کہ وہ فطری ہو یا متبنیٰ۔ (مقدمۂ بھگندا اد گندا بنام بابو بالا بکاری ۳۴ بمبئی ۶۲۷) تو وہ متبنیٰ نہیں لے سکتا کیونکہ ان میں کا ہر شخص اس کا وارث ہے اور اس قابل ہوتا ہے کہ اس کے رسوم تجہیز و تکفین (کریا کرم) نہایت ہی موثر طریقے سے ادا کرے[2]۔ لیکن پروتے کے بیٹے یا نواسے کی موجودگی تبنیت کی مانع نہیں ہے[3]۔

**وقت واحد میں صرف ایک لڑکا** زمانۂ سابق میں اولاد کا وجود بھی جو اب مرگئے ہوں مانع تبنیت نہیں ہے[4]۔ اس مضمون پر بحث کرتے وقت پران (Purana) کی ایک حکایت کی سند سے نند پنڈت یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ حقیقی لڑکے کے سِن حیات بھی تبنیت جائز ہو سکتی ہے

---

[1] ۔ روما اور یونان میں بھی تبنیت کے متعلق یہی قاعدہ رائج تھا۔ حیرت یہ ہے کہ قدیم ترین واقعۂ تبنیت رگ وید میں بیان ہوا ہے کہ وسوامترا نے Visvamitra سناہسپا (Sunahsepa) کو متبنیٰ کیا اگرچہ اس کے اس وقت سو لڑکے زندہ تھے۔ وی۔ این منڈلک صفحہ ۴۵۵

[2] ۔ دتک میماسا باب ۱ ف ۳ دتک چندریکا باب ۱ ف ۱۔

[3] ۔ سرلیف۔ میاکناٹن صفحہ ۱۴۹ جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۶۶ نوٹ۔

[4] ۔ کنگھادتک میماسا باب ۱ ف ۲ دتک چندریکا باب ۱ ف ۲۔

بشرطیکہ یہ کام اس کی رضامندی سے انجام دیا جائے۔ اور بنگال میں اس قسم کی تبنیت کے جواز کو بحال رکھا گیا ہے۔ و نیز دو پے در پے تبنیتوں میں سے آخری کو جو پہلے متبنیٰ لڑکے کے حین حیات متبنیٰ کیا گیا ہو جائز قرار دیا ہے[1] لیکن اس کے برخلاف یہ قاعدہ اب قائم ہو گیا ہے۔ اور یہ تصفیہ ہو گیا ہے کہ وقت واحد میں ایک شخص کو دو متبنیٰ لڑکے نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ جتنی دفعہ چاہے متبنیٰ لے سکتا ہے بشرطیکہ ہر دوسری تبنیت کے وقت وہ لاولد ہو۔[2]

۱۳۹ اسی اصول کے لحاظ سے دو یا زیادہ لڑکوں کی ایک ساتھ تبنیت کل کی حد تک ناجائز ہے[3] اور جب ایک تبنیت اس وجہ سے ناجائز ہو کہ ایک وقت میں ایک لڑکا حقیقی یا متبنیٰ موجود ہے تو موخرالذکر کی وفات سے وہ معاملہ جائز نہیں ہو سکتا جو شروع سے قطعاً باطل تھا۔[4] مسٹر سدرلینڈ نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے (اور مسٹر میاکناٹن متفق ہیں) کہ اگر حقیقی یا متبنیٰ لڑکا ذات باہر ہونے کی وجہ سے کریاکرم نہ کر سکتا ہو تو تبنیت جائز ہو گی۔ اور بیان یہ کیا جاتا ہے کہ اس قسم کا عمل بمبئی میں رائج ہے۔[5] لیکن ایکٹ ۲۱ بابت ۱۸۵۰ء کی رو سے کوئی لڑکا جو ذات میں نہ ہو کسی قسم کے قانونی حق سے محروم نہیں ہوتا۔ لہذا کوئی متبنیٰ (ان حقوق کی بنا پر جو

---

[1] مسماۃ سلوکنا بنام رام دولال جلد ا صدر دیوانی ۳۲۳ (۳۴۳) گاوری پرشاد بنام مسماۃ جمالا جلد ۲ صدر دیوانی ۱۳۶ (۱۷۴) اسٹیل ص ۴۵ ص ۱۸۳۔

[2] رنگما بنام اچما ۴ مورز انڈین اپیلس صدر کورٹ ۶ سدرلینڈ پریوی کونسل ص ۷۵ موہیش نارائن بنام ترکنا تھ ۲۰ مرافعہ جات ہند ص ۳۰۔ صدر کورٹ ۲۰ کلکتہ ۴۸۷ لیکن کوئی تبنیت اس وجہ سے ناجائز نہیں ہو سکتی کہ ایک معاہدۂ سابق کے خلاف دوسرا شخص متبنیٰ کیا گیا جلد ۲ اسٹرینج کا ہندو قانون ص ۱۱۵۔

[3] اکھی چندر بنام کلا پر باجی ۲ مرافعہ جات ہند ص ۱۹۵۔ صدر کورٹ ۱۲ کلکتہ ص ۴۰۶ درگا سندری بنام سرندر کیشو ۱۲ کلکتہ ص ۶۸۹۔ سرندر کیشو بنام درگا سندری ۱۹ مرافعہ جات ہند ص ۱۰۸۔ صدر کورٹ ۱۹ کلکتہ ص ۵۱۳۔

[4] ماسو بنام باسو مدراس دسمبر ۱۸۵۶ء ص ۲۰۔

[5] جلد ۲ ڈبلیو۔ میاکناٹن ص ۲۰۰۔ اسٹیل ۴۲ و ۱۸۱۔

تبنیت سے پیدا ہوئے ہوں) اس وجہ سے کہ حقیقی لڑکا ذات باہر ہوگیا ہے اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ اگر اس قسم کا سوال پیدا بھی ہو تو اس کا امکان ہے کہ عدالتیں ایسی تبنیت کو تسلیم کرنے سے انکار کریں گی جس سے کسی قسم کے حقوق دیوانی عطا نہیں ہوئے ہوں۔ تاہم یہ سوال اس وقت اہم ہو جائے گا جبکہ حقیقی لڑکا لاولد فوت ہو جائے۔

## غیر متاہل یا زن مردہ

ف ۱۰۹۔ یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ ان بیاہا یا زن مردہ کی جانب سے تبنیت ناجائز ہوگی۔ یا تو اس لئے کہ ایسا شخص گرہست (قابض مکان یا متاہل (Grihastha) کے سلسلے میں نہیں ہوتا۔ یا اس لئے کہ حق تبنیت کی صرف اس وقت اجازت ہے جبکہ صحیح طریقے سے اولاد پیدا کرانے کی کوشش میں ناکامی ہوئی ہو لیکن اب برطانوی ہند میں یہ امر منفصلہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مذکورالصدر صورتوں میں سے کسی ایک میں بھی تبنیت جائز ہوگی[1]۔ پانڈیچری میں کنوارا برہمن متبنیٰ کرنے کے لئے
۱۴۰ ناقابل سمجھا جاتا ہے[2]۔ ایک مقدمے میں مدراس کے صدر کورٹ نے یہ قرار دیا کہ وہ تبنیت جو متبنیٰ گیرندہ کی زوجہ کے ایام حمل میں انتربدیر ہوئی ہو خلاف قانون ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ اس کو بعد میں لڑکا پیدا ہوا (جس کے متعلق یہ نہیں معلوم کہ آیا فی الواقعی اس عورت کو لڑکا پیدا ہوا بھی) بلکہ اس لئے کہ "اختیار تبنیت کے لئے فی نفسہٖ یہ ضروری ہے کہ متبنیٰ لینے والا فریق مایوس ہونا چاہیے کہ اس کو

---

[1] سدرلینڈ کا خلاصہ قانون تبنیت صـ۶۶۴ و صـ۲ جلد ۳ ڈائجسٹ صـ۲۵۲ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صـ۹۶۔ ڈبلیو میاک صـ۱۷۵۔ گنپا بنام سنکپا۔ بمبئی سلکٹ رپورٹس صدر دیوانی عدالت صـ۳۰۲۔ ناگپا بنام سبا شاستری ۲ مدراس ہائیکورٹ ۳۶۷ چندر اسکھار ود بنام برہمانا ۴ مدراس ہائیکورٹ صـ۲۷۔ گوپال اننت بنام نارائن گنیش ۱۲ بمبئی ۳۲۹۔ و نیز رائے جسٹس محمود ۱۲ الہ آباد ۳۵۲۔

[2] سورگ صاحب کا ہندو قانون صـ۱۲۱۔ ہندوستانی اصول قانون کے متعلق کمیٹی ممبران کے آرا۔ یہ کمیٹی پانڈیچری میں ہوئی تھی صـ۳۴۵۔

اولاد نہ ہوگی[۱]۔ اس اصول کو اگر معقول مان لیا جائے تو کوئی شخص کبھی بھی متبنیٰ نہ لے سکے گا۔ یہاں تک کہ وہ بہت بوڑھا ہو جائے یا یہاں تک کہ وہ بستر مرگ پر ہو۔ و نیز یہ اصول ان قواعد کے متناقض ہے جن سے ایسے لڑکے کی حفاظت کی گئی ہے جو بعد تبنیت پیدا ہو (ف ۱۲۱) چنانچہ بعد کے ایک مقدمے میں (سنہ ۱۸۹۱ئ) جب کہ تبنیت اس وجہ سے ناجائز قرار دی گئی تھی کہ اس وقت زوجہ حمل سے تھی اور شوہر اس سے واقف تھا عدالت نے اس فیصلے کی جانچ کرنے کے بعد اس کو منسوخ فرمایا۔ اور تجویز فرمائی کہ تبنیت جائز ہے۔ انھوں نے یہ ظاہر فرمایا کہ اس قاعدے کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ تبنیت ذیل کی دو صورتوں میں معرض التوا میں رہے گی۔ ایک تو متبنیٰ گیرندہ کی زوجہ کے ایام حمل میں۔ اور دوسرے اس کے متوفیٰ بیٹوں یا پوتوں کی زوجگان کے ایام حمل میں۔ کیونکہ اولاد کا وجود (لفظ اولاد کے وسیع ترین مفہوم کے لحاظ سے) تبنیت کا مانع ہے[۲]۔

## محروم الارث اشخاص کی جانب سے تبنیت

ف ۱۱۱ جب کوئی شخص کسی قسم کی ناقابلیت ذاتی (مثلاً اندھا پن۔ عنین پن یا عدم رجولیت۔ جذام وغیرہ) کی وجہ سے محروم الارث ہو جائے اور لڑکا متبنیٰ لے تو ایسے لڑکے کو خود اس کے حقوق سے بہتر حقوق حاصل نہیں ہوتے لہٰذا اس کو صرف نفقے کا حق حاصل ہوگا[۳]۔ مسٹر سدرلینڈ نے یہ رائے قائم کی تھی کہ تبنیت فی نفسہ جائز ہوگی۔ بہ ایں معنے کہ ایسی صورت میں بے شک متبنیٰ اپنے متبنیٰ گیرندہ باپ کی مکسوبہ جائداد یا

---

۱۔ نرائنا بنام وبداچالا۔ مدراس دسمبر سنہ ۱۸۶۰ئ صفحہ ۹۷۔ اسٹیل صفحہ ۴۳۔

۲۔ ناگا بھاشانم بنام سنی شما ۳ مدراس صفحہ ۱۸۱ ہنمنت رام چندر بنام بھیماچاری ۱۲ بمبئی صفحہ ۱۰۵ دولت رام بنام رام لال ۲۹ الہ آباد صفحہ ۳۱۰۔

۳۔ ونک چندر لکاما ۶ ۱۹ سیواجینم برابنام پراسکتی مدراس دسمبر سنہ ۱۸۵۷ئ صفحہ ۲۱۰ پانڈیچری کے رواج اس ناقابلیت کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ سورگ صاحب کا ہندو قانون صفحہ ۱۲۰ و صفحہ ۲۷۵ 
پنجاب میں ایک اندھا عنین یا لنگڑا متبنیٰ کر سکتا ہے اگرچہ برہمن اس شخص کو یہ حق عطا نہیں کرتے جو ہمیشہ سے عنین رہا ہو۔ پنجاب کسٹمری لا جلد ۲ صفحہ ۱۵۴۔

ذاتی جائداد کا وارث ہوگا[1]۔ اس کے برخلاف ان دو مقدمات میں (جن کو مسٹر میاکناٹن نے پسند کرتے ہوئے بیان کیا ہے) بنگال کے پنڈتوں نے یہ فتویٰ دیا کہ متبنیٰ لینے کے لئے جذامی کی قابلیت کا انحصار اس پر ہے کہ ضروری کفارہ دے یعنے وہ کفارہ ادا کردے تو تبنیت جائز ہو جاتی ہے جب وہ پراسچت نہ کرے تو جب بیماری ایسی ہو کہ پراسچت کے قابل نہ ہو تو تبنیت ناجائز ہے[2]۔ اس رائے کے قائم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ پراسچت کے بغیر وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ ضروری مذہبی رسوم ادا کرے۔ چنانچہ بنگال کی عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ وہ تبنیت ناجائز ہے جس کو بیوہ نے جو داشتہ کی زندگی بسر کر رہی ہو انجام دیا ہو۔ کیونکہ اس طرح کی زندگی سے وہ مذہبی رسوم میں شریک ہونے کے قابل نہیں رہتی[3]۔ بمبئی میں یہ حجت کی گئی کہ بیوہ نے جو تبنیت مکمل کی تھی ناجائز ہے کیونکہ اس نے بھدرا (سر منڈانے کی رسم (tonsure)) نہیں کیا تھا لہذا وہ ناپاک تھی (دیکھئے شدہ نہ تھی) شہادت سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نے بطور کفارہ کے چند چیزیں دی تھیں جس کا شاستریوں نے (جبکہ ان سے قبل تبنیت مشورہ کیا گیا تھا) کافی ہونا بیان کیا تھا۔ عدالت نے ان کی رائے پر بحث کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعد کے ایک مقدمے میں عدالت نے اس رکاوٹ کو محض ایک معاملہ رسم مذہبی تصور کیا جو تبنیت کا جزو لازمی نہیں ہے یہ ملحوظ رہے کہ پراسچت کی تکمیل اس مقدمے میں ثابت نہیں کی گئی تھی[4]۔ بہ اجلاس پریوی کونسل ایک مقدمے میں یہ استدلال کیا گیا (اور معلوم ہوتا ہے کہ فرض بھی

---

۱۔ سدرلینڈ کا خلاصہ قانون تبنیت صفحہ ۲۲۳ و صفحہ ۱۷۶۔

۲۔ (Expiation) پراسچت یعنے صدقہ یا کفارہ۔ جلد ۲ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۱۸۲ متاکشرا باب ۲ دفعہ ۱ ف ۱۱۔ مہنت بھگوان بنام مہنت رگھونندن جلد ۲۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۹۴۔ صدر کورٹ ۲۲ کلکتہ صفحہ ۸۴۳۔

۳۔ سیام لال بنام سودامنی ۵ بی۔ ایل۔ آر صفحہ ۳۶۲۔

۴۔ راؤجی ویناییکر بنام لکشمی بائی ۱۱ بمبئی صفحہ ۳۸۱ و صفحہ ۳۹۲ لکشمی بائی بنام رامچندر ۲۲ بمبئی صفحہ ۵۹۰۔ ڈبلیو۔ بی صفحہ ۹۹۸۔

کر لیا گیا) کہ تبنیت ناجائز ہوگی اگر اس کی تکمیل بھی اس زمانے میں کی جائے جب کہ متبنیٰ گیرندہ ہنوز اشوچ کی حالت میں ہو[1]۔ اس مسئلے کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا گیا کیونکہ جن واقعات سے وہ ثابت ہو سکتا تھا (raised) وہ خود غیر صحیح ثابت ہوئے۔ جب ایسی صورت پیدا ہو تو اس کا تعین قبل از قبل کرنا پڑے گا کہ کونسے مذہبی رسوم تبنیت کے لئے ضروری ہیں اور کن اشخاص کو ان میں شریک ہونا چاہیے؟[2] یہی وہ امتیاز تھا جس پر دو مقدمات کے فیصلے مبنی کئے گئے۔ چنانچہ ان میں کے ایک میں ایک شودر جدامی متبنیٰ لینے کا مجاز قرار دیا گیا چونکہ شودروں میں تبنیت کے لئے کسی قسم کے مذہبی رسوم ضروری نہیں ہیں[3]۔ دوسرے مقدمے میں واقعات یہ تھے کہ ایک ہندو باپ نے جو مذہب اسلام میں داخل ہوگیا تھا اپنے لڑکے کو (جو ہندو تھا) تبنیت میں دیا۔ اس مقدمے میں باپ نے اپنے اس اختیار کی بنا پر جو ولی کی حیثیت سے حاصل تھا تبنیت میں دینے کے حق کو استعمال کیا لیکن سپرد کرنے کی رسم کو اس لڑکے کے چچا کے تفویض کیا۔ ۱۴۲
عدالت نے شبہہ ظاہر کیا کہ آیا یہ اس وقت بھی ہو سکتا تھا جب کہ فریقین برہمن ہوتے کیونکہ دت ہوم کی انجام دہی ضروری ہوتی[4]۔ بمبئی کی عدالت عالیہ نے قاعدۂ ذیل کو مثل قانون کے قرار دیا ہے کہ جب مذہبی رسوم ضروری جزو نہ ہوں تو ان کا ترک اس تبنیت کے جواز پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ اور یہ کہ ایسی ناقابلیت جیسے کہ اشوچ (جو صرف مذہبی رسوم کے حسن سے متعلق ہیں) تبنیت کے

---

[1] Pollution لفظی معنے ناپاکی، نجاست۔ استوچ یعنے کریاکرم کا زمانہ۔ رام لنگا بنام سداشیو ۹ مورز مرافعہ جات ہند صـ۵۰۶۔ صدر کورٹ اسدر لینڈ پریوی کونسل صـ۲۵۔

[2] اس کے متعلق دیکھئے دفعہ ۱۵۲ و دفعہ ۱۵۳ اور وراثت سے محروم ہونے کے وجوہ باب ۱۹ میں بیان کئے گئے ہیں۔

[3] سرنندموہن بنام سرومونی ۸ ۲ ک صـ۱۷۱۔

[4] شام سنگھ بنام سانتا بائی ۲۵ بمبئی صـ۵۵۱۔

جواز کے لئے غیر اہم ہے۔[1]

## نابالغ کی جانب سے تبنیت

۱۱۱۔ متبنیٰ کرنے یا تبنیت کا مجاز کرنے کے لیے نابالغ کی قابلیت کے متعلق قانون میں یکسوئی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ کورٹ آف وارڈس سے متعلق جملہ قوانین میں یہ ممانعت درج ہے کہ کورٹ کی رضامندی کے بغیر ناقابل زمیندار متبنیٰ نہیں لے سکتا۔[2] یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ ان احکام کا اطلاق بالکل نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ کورٹ آف وارڈز نے فی الواقعی قبضہ کرلیا ہو۔ لیکن جب ان کا اطلاق فی الواقعی ہوگا تو وہ احکام (مساوی طور پر) تبنیت کا مجاز کرنے کو بھی منع کریں گے اور یہ کہ ان احکام کی خلاف ورزی میں جو تبنیت انجام دی جائے وہ قطعاً ناجائز ہے۔[3] ہندوؤں کے لیے اب نابالغی کی مدت

---

لہ۔ سرمینی لکشمی بلی بنام ادت پرتاب سنگھ جلد ۲ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۴۹۹۔ و نیز دیکھئے اسنیا موہن بنام نرد موہن جلد ۲ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۹۰۔

سے بنگال ریگولیشن نشان ۱۰ بابت ۱۷۹۳ء دفعہ ۲۳ نشان ۵۲ بابت ۱۸۰۳ء دفعہ ۳ (شمالی مغربی ممالک) مدراس ریگولیشن نشان ۵ بابت ۱۸۰۴ء دفعہ ۲۵ ایکٹ ۳۵ بابت ۱۸۵۸ء دفعہ ۱۷۔ ایکٹ ۴ ۱۸۷۰ء دفعہ ۴۔ ایکٹ ۹ ۱۸۷۹ء دفعہ ۶۱۔ اس آخری قانون میں یہ بھی ممانعت ہے کہ مجاز بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سے۔ جمونا بنام باماسندری ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۷۲۔ اک صفحہ ۲۸۹ سیلکنٹہ بنام انند موئی صدر دیوانی ۱۸۵۵ء صفحہ ۲۱۸۔ انند موئی بنام شیب چندر ۹ مور صفحہ ۲۸۷۔ ۲ سدرلینڈ (پی سی) صفحہ ۱۹۔ لیکن دیکھو تجویز جسٹس پانٹیفکس بمقدمہ بینی پرشاد بنام منشی سید ۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۹۲ و صفحہ ۱۹۸۔ تجویز فرمائی گئی ہے کہ بمبئی کے قانون ۲۰ بابت ۱۸۶۴ء دفعہ ۶ ضمن ۲ کے مماثل احکام کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جبکہ حکومت اور اس شخص کے مابین کوئی سوال پیدا ہو جو متبنیٰ ہونے کا مدعی ہو۔ شخص ثالث تبنیت کو ناجائز کرنے کی غرض سے ان احکام سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ واسودیو ننت بنام رام کرشنا ۲ بمبئی صفحہ ۵۲۹۔

(۱۸) سال کے ختم ہونے تک باقی رہتی ہے۔ (از روئے انڈین میجارٹی ایکٹ نشان ۹ بابت ۱۸۷۳ء دفعہ ۳) بجز اس کے کہ کسی عدالت انصاف نے اس نابالغ کے لئے ولی کا تقرر کیا ہو یا جب کہ نابالغ کورٹ آف وارڈز کی زیر نگرانی ہو۔ ان صورتوں میں اکیس سال کے ختم ہونے تک یہ مدت باقی رہتی ہے۔ بمبئی اور بنگال میں تاہم یہ قرار دیا گیا ہے کہ نابالغ کی مکمل کی ہوئی تبنیت اور متبنّیٰ لینے کے لئے اس کی دی ہوئی اجازت۔ دونوں بھی جائز ہیں بشرطیکہ وہ سن تمیز کو پہنچ چکا ہو معلوم
۱۴۳ یہ ہوتا ہے کہ جوڈیشل کمیٹی نے بھی اس رائے کو پسند فرما لیا ہے۔ مسٹر جسٹس مٹر نے فرمایا ''نابالغ کا انجام دیا ہوا ہر فعل لازماً باطل نہیں ہے۔ صرف ان افعال پر اعتراض ہو سکتا ہے جو اس کے حقوق کے لئے مضر ہوں اور بالغ ہونے کے بعد وہ ان کی تعمیل سے انکار بھی کر سکتا ہے۔ لیکن ایک لاولد ہندو کے لئے تبنیت کا کسی قسم سے مضر ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اور چونکہ دھرم شاستر کے لحاظ سے نابالغ (جو سن شعور کو پہنچ گیا ہو) اپنی نجات کے لئے مذہبی رسوم ادا کرنے کا نہ صرف مجاز ہے بلکہ اس کا فرض ہے لہذا ہم اس تبنیت کو محض اس وجہ سے ناجائز نہیں قرار دے سکتے کہ متبنّیٰ گیرندہ باپ قانوناً کمسن تھا۔''[1]

**سنِ شعور**

اس فیصلے میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ ایک ہندو کس وقت سنِ شعور کو پہنچتا ہے۔ آیا مدت مقرر ہے یا آیا اس کا انحصار ہر فرد کی انفرادی قابلیت پر ہوتا ہے۔ عام طور پر ہندو کتب قانونی میں اصطلاحات ''سنِ شعور'' اور ''بلوغ'' ایک دوسرے کے بدلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یعنے وہ مترادف ہیں۔ اس وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہر مدت (مذکورالصدر) سولھویں سال کے اختتام پر ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن مزید براں ایک اور ذیلی تقسیم

[1] راجندر و نارائن بنام سردا جلد ۵ اسد لینڈ صفحہ ۵۴۸۔ ٹپل وند راؤن جیکشن بنام مانی لال ۵ اببئی صفحہ ۶۰۵۔ جمونا بنام با ماسندریائے جلد ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۹۳ صدر کورٹ ۱ کلکتہ صفحہ ۲۸۹۔ مسماۃ پیاری بنام مسماۃ ہربنسی ۱۹ اسد رلینڈ صفحہ ۱۲۷ دیکھو اسٹیفادرین کے صفحہ ۷۷ پر اختلاف آرائیاں کئے گئے ہیں۔

بیان کی گئی ہے جو حسب ذیل ہے۔ (الف) شیر خوارگی جو تھے سال کے ختم تک (ب) طفولیت (boyhood) نویں سال کے ختم تک (ج) نابالغی (adolescence) کشوراوستا) پندرھویں سال کے ختم تک. جگناتھ صاحب کے بیان کے مطابق اس امتیاز کا تعلق توبہ. کفارے وغیرہ سے ہے. و نیز انھوں نے ایک رائے یہ بھی ظاہر کی ہے کہ قانونی قابلیت کی مدت کا تعین کرنے میں اس درجے کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے جو ایک نوجوان نے معاملہ فہمی میں حاصل کی ہو اور اس کے بعد اس کی قابلیت کا تعین کرنا بہتر ہوگا[1]۔ مسٹر جسٹس مٹر کا ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ تبنیت جائز ہوگی اگر اس کی تکمیل ایسے لڑکے نے کی ہو جو بہ لحاظ سن دس اور سولہ سال کے مابین ہو بشرطیکہ یہ ثابت ہو کہ وہ اپنے فعل کی ماہیت کو اچھی طرح سمجھنے کے قابل تھا[2]۔ مدراس کی عدالت عالیہ نے (اپنے بالکل حال کے فیصلے میں) جسٹس مٹر کی رائے کو اختیار کر لیا ہے یعنے یہ کہ نابالغ کی سمجھ اور فہم میں کافی پختگی ہونی چاہیے تاکہ وہ اپنے فعل کی ماہیت کو اچھی طرح سمجھ سکے[3]۔ کلکتے کے مقدمے کا فیصلہ فی الواقع اس اختیار ۱۴۴ کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو نابالغ نے تبنیت کے لئے دیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایسی تبنیت کا مجاز نہیں کر سکتا تھا جو وہ خود انجام نہ دے سکتا۔ یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس قاعدے کا الٹا مستنبط ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایک فعل جو ہو جائے جائز ہو سکتا ہے اگرچہ دوسرے کو اس کا مجاز کرنا ناجائز ہو۔ اگر کوئی تبنیت اس وقت ناجائز تھی جب کہ وہ انجام دی گئی ہو تو اس سوال پر بحث ہو چکی ہے کہ

[1] جلد ۱ ڈائجسٹ صفحہ ۲۹۱ تا صفحہ ۲۹۳ جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۱۱۵ تا صفحہ ۱۱۷۔ قرضوں کے متعلق مثاکشرا جسکا ذکر دیو ہو سنتھا درپن نے صفحہ ۲۶ پر کیا ہے۔

[2] میجارٹی ایکٹ (نشان ۹ بابت ۱۸۷۵ء) سے اس سوال کا تصفیہ نہیں ہوتا کیونکہ دفعہ ۲ میں یہ حکم ہے کہ اس قانون سے کوئی شخص معاملۂ تبنیت میں موثر نہیں ہو سکتا۔

[3] ستی راجو بنام وینکٹ ساہی - ۴۰ مدراس صفحہ ۹۲۵ جسٹس سداسیوا ائر نے اس مقدمے میں مزید براں یہ ظاہر فرمایا کہ کسی صورت میں بھی ہندو قانون سولھویں سال کے ختم سے قبل جائز طور پر متبنیٰ لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

آیا اس کی من بعد تصدیق اس کو جائز کرے گی۔ مدراس کی عدالت عالیہ کے ایک اجلاس نے یہ خیال کیا کہ ہاں ایسا ہوگا اور دوسرے نے یہ کہ نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اد اً کہنا پڑتا ہے کہ فیصلۂ موخر الذکر درست ہے[1]۔ اگر کوئی شخص فاتر العقل کے زمانے میں متبنیٰ لے تو ایسی تبنیت ناجائز ہے۔ لیکن یہ واقعہ کہ وہ سابق میں عدالت سے مجنون قرار دیا گیا تھا (تحت ایکٹ نشان ۳۵ بابت ۱۸۵۸ء) یہ ثابت کرنے کے لائق قطعی نہیں ہے کہ وہ متبنیٰ لینے کے قابل نہ تھا۔ شہادت سے اس کی تردید کی جاسکتی ہے[2]۔

**تبنیت اور زوجہ**

ف ۱۱۲ چونکہ تبنیت بالکلیہ شوہر اور اس کے مفاد کے لیے انجام دی جاتی ہے اس لئے وہ مجاز ہے کہ اپنی زوجہ کی مرضی کے بغیر اس کو انجام دے اور باوجود اس کی مخالفت کے[3] اسی وجہ سے وہ کسی اور کے لئے متبنیٰ نہیں لے سکتی۔ مگر اپنے شوہر کے لئے[4]۔ تبنیت جو زوجہ نے اپنے لئے انجام دی ہو (بہ استثنائے قسم کرتریم کے جہاں اس کی اجازت نہ ہو) کلیتہً ناجائز ہوگی[5]۔ اور نہ وہ اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر اس کے حین حیات متبنیٰ لے سکتی ہے[6]۔ شوہر کی وفات کے بعد متبنیٰ لینے کے لئے (عام ازیں کہ شوہر نے مجاز کیا تھا یا نہیں) اس کی قابلیت کے

**تبنیت اور بیوہ**

مسئلے سے چار مختلف خیالات پیدا ہوئے ہیں ان میں کی ہر رائے اس صوبے میں

---

[1] سری راجہ وینکٹ نرسما اپاراؤ بنام سری رنگیا اپاراؤ ۲۹ مدراس بر صـ ۴۳۷ و صـ ۴۴۶۔ ستی راجو بنام وینکٹ سامی ۴۰ مدراس صـ ۹۲۵۔
[2] شیشما بنام پدمنابھاراؤ ۴۰ مدراس صـ ۶۶۰۔ بسیا بنام شدرامیا ۴۳ بمبئی صـ ۴۸۱۔
[3] دتک میماسا باب ۱ ف ۲۲۔ رنگما بنام اچما ۹ مورز صـ ۲۔ صدر کورٹ ۷ سدر لینڈ صـ ۵۔
[4] بٹولال بنام پربتی کنور الہ آباد ۷، ۳ صـ ۳۵۹۔
[5] چودھری پدم بنام کنور اودے ۱۲ مورز صـ ۳۵۶۔ صدر کورٹ ۱۲ سدرلینڈ پریوی کونسل صـ ۱۔ صدر کورٹ ۲ بنگال لارپورٹ پریوی کونسل صـ ۱۰۱ فرقۂ رقاصہ کی عورتیں متبنیٰ لے سکتی ہیں۔ لیکن یہ اجازت بالکل جدا اصول پر مبنی ہے دیکھئے آگے ف ۱۹۹۔
[6] دتک میماسا باب ۱ ف ۲۴۔

مثل قانون کے ہے جہاں وہ رائج ہے۔ "تمام مسالک وششت کے اس حکم کو مستند تسلیم

میتھلا

کرتے ہیں جو کہتا ہے! ورنہ کسی عورت کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے مالک کی اجازت کے بغیر لڑکا دے یا لے (ف۱) لیکن مسلک میتھلا بظاہر اس کا یہ مطلب لیتا ہے کہ بر وقت تبنیت شوہر کو رضامندی دینا چاہیے اور لہذا یہ کہ قسم دتک کے

بنگال

مطابق بیوہ کسی طرح بھی ایک لڑکے کو تبنیت میں نہیں لے سکتی[۱]۔ مسلک بنگال نے اس حکم کی یہ تعبیر کی ہے کہ شوہر کے حین حیات ہی اجازت حاصل کی جانی چاہیے لیکن اس کی وفات کے بعد بھی یہ اجازت کارآمد ہو سکتی ہے[۲]۔ لیکن بیو کھ کو سیتوبھا (Kaustubha)

مرہٹہ

اور دیگر تصانیف (جن کی مرہٹہ میں پیروی کی جاتی ہے) اس حکم کی حسب ذیل الفاظ میں توضیح کرتے ہیں۔ "یہ کہ اس کا تعلق اس تبنیت سے ہے جو شوہر کے حین حیات مکمل کی جائے، اور اس کا مطلب یہ نہ لیا جانا چاہیے کہ بیوہ کا اختیار اس کام کے کرنے میں محدود کر دیا گیا ہے۔ جیسے عام قانون اس کے شوہر کی روح کے لئے مفید بتلاتا ہے[۳]" مغربی ساحل کے نمبدری برہمنوں نے بھی

جنوبی

اس حکم کی یہی تاویل کی (ف۴) اور نتیجہ بھی وہی نکالا ہے[۴] جو تھی اور بین بین رائے وہ تھی جو جوڈیشل کمیٹی نے اس مقدمے میں قائم کی جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے یعنے یہ کہ جنوبی ہند میں شوہر کی رضامندی کی تکمیل سپنڈوں کی رضامندی سے ہو سکتی ہے۔

بنارس

اجازت شوہر کی ضرورت کے متعلق مسالک بنارس ہیں (جس طرح وہ شمالی ہند میں

---

[۱] دتک میماسا باب ف۱۶۔ دیوا چنتامنی ص۲۴۔ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن ص۹۵ و ص۱۰۰ جے رام بنام مسن دھمی ۵ صدر دیوانی ص۳۔

[۲] جلد ا ڈبلیو میاکناٹن ص۹۱ و ص۱۰۰ ۲ ڈبلیو میاکناٹن ۱۷۵ و ۱۸۲ و ۱۸۳۔ جانکی دیبا بنام سو داشیو جلد ا صدر دیوانی ۹۱ (۱۲۲) مسماۃ تارامونی بنام دیو نارائن ۳ صدر دیوانی۔

[۳] کلکٹر مدورا بنام موتو رام لنگا ۱۲ مور ذراقعہ جات ہند ص۴۳۵۔ صدر کورٹ ابنگال لا رپورٹ پی سی ص۱ صدر کورٹ۔ اسد رلینڈ پی سی ص۱۷ وی۔ین منڈلک ص۴۶۳۔

[۴] جلد ۱۱ مدراس ص۱۶۷ و ۱۷۸ و ۱۸۰ جین لوگوں کے مختلف فرقوں میں بھی اس قسم کے رواج کا وجود ثابت ہوا اور حسب فیصلہ کیا گیا ہرنب بنام مندیل جلد ۲۷ کلکتہ ص۳۷۹۔

رائج ہے) بنگال کا ہی نظریہ رائج معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اس مسئلے کے متعلق یک گونہ زیادہ اختلاف رائے رائج ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وا منرو د یا جو اس صوبے میں مستند ہے رشتہ داروں کی رضامندی کو کافی سمجھتا ہے[ئ]

نتیجہ | نتیجہ یہ ہے کہ میتھلا میں جب بیوہ کے اختیار تبنیت کا سوال ہو تو کسی قسم کی رضامندی کافی نہیں ہے۔ بہ الفاظ دیگر بیوہ متبنیٰ کر ہی نہیں سکتی۔ **مغربی ہند** میں رضامندی بے ضرورت ہے۔ بنگال اور **بنارس** میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ جنوبی ہند میں شوہر یا سپنڈوں کی رضامندی کافی ہے۔ مغربی اور جنوبی ہند کے متعلق مزید بحث کی ضرورت ہے۔ لیکن ان کو جانچنے سے قبل
۱۴۶ مناسب یہ ہوگا کہ ان دیگر امور کی بحث ختم کر دی جائے جن کا تعلق بیوہ کے اختیار تبنیت سے ہے مگر جن پر قانون کلیۃً متفق ہے۔

## اجازت کی نوعیت یا نوعیت اختیار

وفعہ ۱۱۳۔ اختیار دینے کے لیے کسی خاص ضابطے پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تحریر میں یا الفاظ[لے] یا وصیت[ئ] سے اختیار دیا جا سکتا ہے۔ وہ مشروط بھی ہو سکتا ہے۔ یعنے یہ اختیار کہ ایک

---

لے۔ ورمن باب ۲ فصل ۲ وش جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صـ۹۱ و صـ۱۰۰ جلد ۲ ڈبلیو میاکناٹن صـ۱۸۹۔ شیتشر بنام دلراج جلد ۲ صدر دیوانی صـ۱۶۹ و صـ۲۱۶ بھیمن بنام کمار جلد ۲ نیاپ کے مقدمات پریوی کونسل صـ۲۳ چودھری پدم سنگھ بنام اودے سنگھ ۱۲ مورز صـ۳۵۰ و نیز صـ۲۴ صدر کورٹ ۲ مدراس ہائیکورٹ صـ۲۱۶ (عدالت تحت) جلد ۱۲ اسٹرینج ہندو لا صـ۹۲۔ تلسی رام بنام بہاری لال ۱۲ الہ آباد (اجلاس کامل صـ۳۲۸ جس میں یہ بھی قرار دیا گیا کہ اصول جواز امر واقع شدہ سے عدم اجازت کا علاج نہیں ہو سکتا۔ لالہ پربھو لال بنام میلنی ۱۴ ک صـ۴۰۱ و صـ۴۱۵۔

ئے۔ فتوی امدراس دسمبر ۱۸۰۴ سندری کماری بنام گدادھر مورز صـ۶۴۔ صدر کورٹ ۴ سدر لینڈ پی۔ سی صـ۱۱۶۔

ئے۔ سرودا بنام تنکوری جلد ا کلکتہ رپورٹس ہائیکورٹ اجلاس ابتدائی صـ۲۲۳ ۱۸۶۴ و ۱۸۶۵ء۔

خاص واقعے کے وقوع پر متبنیٰ لیا جائے اس قرارداد سے کہ جو تبنیت واقعے کے وقوع پر انجام دی جائے جائز ہوگی۔ مثلاً بیوہ کو اختیار تبنیت دینا مگر اس شرط سے کہ وہ اس اختیار کو اس وقت استعمال کر سکتی ہے جب اس کے اور زندہ لڑکے کے مابین نااتفاقی ہو۔ یہ ناجائز ہوگا کیونکہ خود باپ اپنے پسر کے حین حیات متبنیٰ نہیں لے سکتا[1]۔ برخلاف اس کے زندہ لڑکے کے مرنے پر متبنیٰ کرنے کا اختیار جائز ہوگا، اور علیٰ ہذا یہ اختیار کہ یکے بعد دیگرے کئی لڑکے متبنیٰ کئے جائیں بشرطیکہ ایک متبنیٰ نہ کیا جائے جب تک کہ دوسرا فوت نہ ہو[2]۔

## لفظ بہ لفظ پابندی کی جانی چاہیے

ف ۱۱۔ اختیار تبنیت کی سختی سے پابندی کی جانی چاہیے[3] اور نہ اس میں کوئی ردوبدل کی جا سکتی ہے اور نہ کسی قسم سے اس کو وسعت دی جا سکتی ہے[4]۔ اگر بیوہ کو یہ ہدایت دی گئی ہو کہ وہ ایک خاص لڑکے کو متبنیٰ کرے تو وہ دوسرے کو متبنیٰ نہیں کر سکتی اگرچہ کہ وہ [illegible] جا سکتا ہو۔ کلکتے کی عدالت عالیہ کے مطابق [illegible] ایک تبنیت کو انجام دے [illegible]

---

۱ مسماۃ سلوکن بنام رامدولال جلد اصدر دیوانی ۳۴ و ۳۴ کولی لال بنام چندر ۱۹ سدرلینڈ صفحہ ۱۲ مقدمہ پریوی کونسل۔

۲ شام چندر بنام نارائنی ۲ صدر دیوانی صفحہ ۲۰۹ و صفحہ ۲۷۹ بعد [illegible] ۲۷ ۲ صدر کورٹ ۳ سدرلینڈ پی۔ سی صفحہ ۱ جمونا بنام [illegible] مدراس صدر کورٹ اک صفحہ ۲۸۹ ونکی بنام ونکٹ رام [illegible] صفحہ ۱۔ صدر کورٹ امدراس صفحہ ۱۷۴۔ صدر کورٹ ۲۶ سدرلینڈ صفحہ ۱۔

۳ کالنے پلی سریا نارائن بنام بوچا وینکٹ رامنا ۳۳ مرافعہ ہند صفحہ ۱۰۶ صفحہ ۳۸۲۔

۴ اگرچہ جس فعل کی انجام دہی کی اجازت دی گئی ہو ناجائز ہو مثلاً یہ کہ دو بیوگان ایک ساتھ دو لڑکوں کو متبنیٰ لیں بسرندر کیشو بنام درگا سندری ۱۹ کلکتہ صفحہ ۵۱۳۔

وہ دوسری مرتبہ متبنیٰ نہیں لے سکتی اگرچہ پہلا متبنیٰ لڑکا معدوم ہو جائے[۱]۔ لیکن اسی عدالت نے ایک حالیہ مقدمے میں یہ قرار دیا ہے کہ اگر وصیت میں "لڑکا متبنیٰ کرنے کے لئے" اختیار دیا گیا ہو اور وصیت میں کوئی خاص الفاظ نہ ہوں جس سے وہ اختیار ایک ہی تبنیت تک محدود سمجھا جائے تو بیوہ مجاز ہوگی کہ دوسرا لڑکا متبنیٰ لے بشرطیکہ پہلا متبنیٰ لڑکا ایام طفولیت ہی میں فوت ہو گیا ہو[۲]۔ پریوی کونسل نے یہ تجویز کی ہے کہ جب موصی کے الفاظ سے یہ منشا ظاہر ہو (یا مستنبط ہو) کہ اس کی نمایندگی کے لئے لڑکا ضروری ہے تو حتی الامکان اس منشا کو اثر پذیر کرنا چاہیے[۳]۔ یہ سوال کہ آیا اس قسم کا منشا مستنبط کیا جا سکتا ہے تعبیر کا ہے اور ہر مقدمے کے مخصوص واقعات پر اس کا انحصار ہے قیاس تو اس کے موافق ہے[۴]۔ مدراس میں اختیار منجانب شوہر کی کمی کی تکمیل سپنڈوں کی رضامندی سے ہوتی ہے۔ بنابراں جب کہ شوہر نے بیوہ کو متبنیٰ لینے کا اختیار دیا تھا اور بیوہ نے حسبہ متبنیٰ لیا اور متبنیٰ لڑکے کی وفات پر اس نے دوسرا متبنیٰ سپنڈوں کی رضامندی سے لیا تھا تو قرار دیا گیا کہ بعد کی تبنیت بھی جائز تھی۔ البتہ صورت دگرگوں ہوتی اگر تبنیت مکرر کے متعلق شوہر نے منع کیا ہوتا[۵]، اور اسی لئے یہ تصفیہ فرمایا گیا کہ بیوہ کو یہ ہدایت کہ ایک زندہ لڑکے کی موجودگی میں متبنیٰ لے اس کو اس لڑکے کے مرنے پر متبنیٰ لینے کا مجاز نہیں کرتی (کیونکہ شوہر کی اصلی ہدایت ہی ناجائز ہے اور اس پر

---

[۱] - چودھری پدم بنام کنور اودے ۱۲ مور صاحب صفحہ ۳۵۶۔ صدر کورٹ ۱۲ اسدر لینڈ پی سی صفحہ ۱ جلد ایف ۔ یم صفحہ ۱۵۶ و صفحہ ۱۷۵ جلد ا ڈبلیو یم صفحہ ۸۹ ۔ پرمانند بنام اوماکنتہ ۳ صدر دیوانی صفحہ ۲۱۵ و صفحہ ۲۴۱ ۔ گورناتھ بنام ارنا پورنا صدر دیوانی ۱۸۶۲ء صفحہ ۳۳۲۔

[۲] - جگوت پرشاد بنام مواری لال ۵ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۲۲۳۔

[۳] - سریانا راین بنام ونکٹ رامنا ۲۹ مدراس صفحہ ۳۸۲۔ صدر کورٹ ۳۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۴۵۔ و نیز دیکھئے دھرم کمار بنام بلونت سنگھ ۳۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۲ ۔ ۳۴ الہ آباد صفحہ ۳۹۸ ۔

[۴] - سندیگی لنگیا بنام سندیگی سدا ۳۲ مدراس لا جرنل ۷۔ لکشمی بائی بنام راجاجی ۲۲ بمبئی صفحہ ۹۹۶ ۔

[۵] - پرسارا بھاتر بنام سندیگی سدا ۲ مدراس صفحہ ۲۰۲ ۔

عمل نہیں ہو سکتا[1]۔ لیکن اگر ہدایت یہ ہو کہ یا تو ایک زندہ لڑکے کی موجودگی میں متبنیٰ لیا جائے یا اس کی وفات پر تو یہ اجازت کلیتہً خراب نہیں ہے بلکہ اس کو بعد وفات اس کے استعمال کیا جا سکتا ہے[2]۔ جب تبنیت کا اختیار دیا جاتا ہے تو عام طور پر کسی ایک کی تبنیت جائز ہو گی بشرطیکہ خاندان میں اس کا داخل ہونا خلاف قانون نہ ہو[3]۔ موصی کی یہ ہدایت کہ اس کی بیوہ لڑکا متبنیٰ تو لے مگر "منتظم کے نیک مشورے اور رائے سے" (جسے اس نے ایک طرح کا ایجنٹ مقرر کیا تھا) محض ہدایت قرار دی گئی اور یہ کہ وہ تبنیت جائز ہے جو بلا اس کے مشورے کے انجام دی گئی ہو[4]۔ برخلاف اس کے اس اختیار کے متعلق جو ایک موصی نے زوجہ اور مہتممان ترکہ کو دیا تھا کہ متبنیٰ لیں (اور موخر الذکر کی حد تک وہ ناقص تھا) یہ قرار دیا گیا کہ بیوہ بھی اس اختیار کو عمل میں نہیں لا سکتی تھی کیونکہ کل اختیار شے واحد تھا اور ناقابلِ تقسیم[5]۔

۱۴۸ **مقدمۂ آیا پلے** ایک مقدمے میں (جس کا فیصلہ مدراس میں ہوا) شوہر نے اپنی وصیت میں بیوہ کو بہ الفاظ ذیل مجاز کیا: "اگر آیا پلے کو اس کے موجودہ لڑکے کے علاوہ ایک لڑکا پیدا ہو تو تمہیں چاہیے کہ اس کو میری نسل کے لئے رکھو" موصی کی وفات پر آیا پلے کو دوسرا لڑکا نہ تھا بریں اساس اشٹرینج نے یہ فیصلہ فرمایا کہ بیوہ ایک غیر معین مدت تک انتظار کرنے کے لئے مجبور نہ تھی اور اسی وجہ سے انھوں نے دوسرے لڑکے کی تبنیت کو جو بیوہ نے انجام دی تھی جائز قرار دیا[6]۔

---

[1]۔ جے چند راؤ بنام بھائی رب صدر دیوانی ۱۸۴۹ء ص ۱۴۱۔
[2]۔ گوبند سوہا بنام رامیش چندر بسہا ۲۴ کلکتہ ص ۴۷۹۔
[3]۔ جلد ا مدراس کے فیصلہ جات صدر کورٹ ۱۸۰۵ء تا ۱۸۴۷ء ص ۱۰۔
[4]۔ سر سدر نندن بنام سلج کانتہ ۱۸ کلکتہ ص ۳۳۵۔
[5]۔ امرتو لال دت بنام سرنا موی ۲۴ کلکتہ ص ۵۸۹۔ ۲۵ کلکتہ ص ۶۶۲ جلد ۲۷ مرافعہ جات ہند ص ۱۲۸۔ ۲۷ کلکتہ ص ۹۹۶۔
[6]۔ ویرابرمل بنام نارائن پلے جلد ۱ نوٹس آف کیسس ص ۹۱۔

سر فرانسس میکناٹن نے کنسیڈریشن آن ہندو لا (Considerations on Hindu Law)
کے صفحہ ۱۰۰ پر اس فیصلے پر بہت زور سے مکمل بحث کی ہے۔ وہ یہ استدلال
پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے محض فرمایا کہ اس کے وقت کوئی متبنی نہیں کیا جاسکتا تھا مگر
یہ کہ آیا بیٹا یا لڑکا۔ یہ کہ بیوہ اس وقت تک انتظار کرنے پر مجبور تھی یہاں تک کہ
نابالغ کے مرنے یا اولاد ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا اور اس کے بعد وہ اختیار
ختم ہوجاتا تھا کیونکہ جس مقصد کے لئے وہ اختیار استعمال ہوسکتا تھا وہ معدوم تھا۔
ہمارا خیال ہے کہ مسٹر جسٹس رینچ نے اس دستاویز کے تجزیے سے دو خواہشات کا ظاہر
ہونا بیان فرمایا۔ اصلی خواہش یہ کہ اس کی مابعد کی بیوہ متبنی کرے اور اس کے
ساتھ ساتھ یہ ضمنی خواہش کہ وہ لڑکا آیا بیٹے کے صلب کا ہو۔ بمبئی کے فیصلوں نے بھی
اس کی تفسیر کی تائید کی ہے۔ "عام طور پر شوہر تبنیت کا اختیار دیتے وقت
اس لڑکے کی جسے وہ لینا چاہتا ہے تخصیص کردیتا ہے۔ اگر وہ لڑکا مرجائے یا اس کے
والدین دینے سے انکار کریں تو کم از کم بمبئی میں وہ اجازت دوسرے بچے کی تبنیت کے لئے
کافی تصور کی جاسکتی ہے۔ بجز اس کے کہ اس نے فی الحقیقت یہ کہا ہو کہ اس قسم کا بچہ
اور دوسرا نہیں"۔ قیاس یہ ہے کہ وہ تبنیت چاہتا تھا اور تخصیص سے محض ترجیح ظاہر
ہوتی ہے[1]۔"

**جب اختیار تبنیت استعمال کے قابل نہیں رہتا**

دفعہ ۱۱۵ چند مقدمات میں پریوی کونسل نے حق تبنیت کے متعلق مزید قید عائد کی ہے۔ ان مقدمات نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ بیوہ اپنے متوفی شوہر کے لئے اس وقت متبنی نہیں لے سکتی جب کہ اس کا ایک لڑکا ہوا اور جو لڑکا اپنی جائداد کا وارث [illegible] ہو۔ بھوبن موئی بنام رام کشور آچارجی[2] کا مقدمہ پہلا ہے جس میں یہ مسئلہ پیدا ہوا تھا۔ واقعات: گور کشور کے انتقال اس کے پسماندگان میں ایک لڑکا مسمی

---

[1] گنیش بائی بنام راجہ جی ۲۲ بمبئی صفحہ ۴۹۶۔ ویسٹ اور بہلر صفحہ ۸۶۲۔

[2] ۱۰ جلد مور صفحہ ۲۷۹ صدر کورٹ ۳ سدرلینڈ پریوی کونسل صفحہ ۱۵ دیکھئے دفعہ ۱۸۵ جہاں اس مقدمہ کا حوالہ دوسرے مسئلہ کے لئے دیا ہوا ہے۔

بھوانی اور ایک بیوہ مسماۃ چندرابولی تھے بیوہ کو اس نے صراحۃً مجاز کیا تھا کہ اگر لڑکا فوت ہو جائے تو متبنیٰ لے۔ بھوانی نے شادی کی، بالغ ہوا اور ایک بیوہ چھوڑی لیکن اولاد نہ تھی۔ چندرابولی نے ایک لڑکے کو متبنیٰ کیا جس کا نام رام کشور تھا۔ اس نے بھوانی کی بیوہ پر جائداد کی واپسی کے لئے نالش کی۔ ۱۴۹
پریوی کونسل نے یہ تجویز فرمائی کہ من بعد تبنیت سے وہ اس جائداد سے محروم نہیں ہو سکتی جو حاصل ہو چکی تھی۔ لارڈ ڈنگنسڈون نے مزید بیاں یہ بھی فرمایا کہ "وہ اختیار اس وقت ناقابل تعمیل تھا جبکہ چندرابولی نے اس کے استعمال کا ادعا کیا"۔ حکام عالی مقام نے اس کا اعتراف فرمایا کہ بے شک گورکشور نے وقت کا تعین نہیں کیا تھا کہ کس وقت تک بیوہ اس اجازت کو عملی جامہ پہنا سکتی تھی، لیکن یہ بھی فرمایا کہ " یہ کھلی بات ہے کہ کسی نہ کسی قسم کی حد تک معین کی جانی چاہیے۔ یہ بھی اچھی طرح ہو سکتا تھا کہ بھوانی فوت ہو جائے اور اس کے ایک لڑکا صلبی یا متبنیٰ ہوا اور یہ لڑکا خود ایک لڑکا چھوڑ کر فوت ہوا اور یہ کہ ایسا لڑکا چندرابولی کے حین حیات بالغ ہو جائے۔ بہ مشکل یہ منشا ہو سکتا تھا کہ پے در پے متعدد ورثا کے معدوم ہونے کے بعد قابض آخر کے پردادا کے لئے متبنیٰ کیا جائے۔ جبکہ لڑکے کے روحانی مقاصد ان کی وسیع ترین تعبیر کے لحاظ سے پورے ہو چکے ہیں۔ لیکن منشا جو کچھ بھی ہو بحث یہ ہے کہ آیا قانون اس کو موثر ہونے دے گا؟ بلا شک ہم یہ سمجھتے کہ حکام ماتحت کی یہ رائے تھی کہ بھوانی کشور نے ایک لڑکا چھوڑا ہوتا، یا اگر اس کی زوجہ نے اس جائز اختیار کے تحت جو اس کو دیا گیا تھا اس کے لئے بطور جائز متبنیٰ لیا ہوتا، تو اس صورت میں جو اختیار تبنیت چندرابولی کو دیا گیا تھا ختم ہو جاتا۔ لیکن یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ ایسے نتیجے کے لئے جس کا اطلاق مساوی طور پر مقدمہ زیر بحث پر نہیں ہو سکتا کس قسم کے وجوہ منسوب ہو سکتے ہیں"۔ بھوانی کی بیوہ اور چندرابولی دونوں کے مرنے کے بعد وہی سوال پیدا ہوا۔ رام کشور اس جائداد پر قابض ہو گیا جو گورکشور اور بھوانی نے چھوڑی تھی۔ اس کی واپسی کے لئے ایک دور کے رشتہ دار نے اس پر نالش کی۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ وہ اس پر قابض رہنے کا

مجاز تھا بشرطیکہ اس کی تبنیت جائز قرار پائے، اور بنگال کی عدالت عالیہ نے اس کے حق میں فیصلہ فرمایا۔[۱] انھوں نے اخر فیصلہ پریوی کونسل کو اس طرح محدود کیا کہ اس مقدمے کے مدعی کو اس جائداد میں جس کا وہ وعوید ار تھا کوئی حق نہ تھا۔ جب وقت آیا تو اس فیصلے کو بھی جو ڈیشل کمیٹی نے منسوخ فرمایا۔[۲] چنانچہ انھوں نے فرمایا "نئے وارث کو بیوہ کی جگہ قائم کرنے کا سوال ہی اس میں شک نہیں ۵۰
تصفیہ طلب تھا۔ اور اس طرح قائم کرنے کی اجازت ممکن ہے نہ دی جاتی۔ عدالتہائے تحت نے فیصلے کے متعلق یہ رائے قائم کی کہ دیگر کل اغراض کے لئے تبنیت کو جائز قرار دیا گیا تھا مگر حکام عالی مقام یہ خیال نہیں کر سکتے کہ حقیقۃً یہی منشا تھا۔ صحیح فیصلہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ بھوانی کی بیوہ کو جائداد کے حاصل ہوتے ہی اختیار تبنیت ختم ہو گیا تھا اور ناقابل نفاذ۔ اور اگر یہ مسئلہ بلاکسی سابق فیصلے کے ان کے ملاحظے میں آیا ہوتا تو وہ بھی وہ رائے قائم کرتے۔" بعد کے ایک مقدمے میں جو مدراس کا تھا۔[۳] ان دونوں مقدمات پر غور مکرر اور اتباع کیا گیا۔ واقعات بالکل مشابہ تھے بہ استثنا اس کے کہ بیوہ نے اپنے شوہر کے سپندوں کی اس اجازت پر عمل کیا جو حقیقی لڑکے کی وفات کے بعد لیکن اس کی بیوہ (لڑکے کی بیوہ) کے حین حیات دی گئی تھی۔ اس لڑکے کی بیوہ کے انتقال پر طرفی رشتہ داران بعید نے نالش کی اور عدالت سے یہ اعلان حاصل کیا کہ تبنیت کلیتہً ناجائز تھی اور یہ کہ وہ تبنیت ان کے حقوق عود میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ بے شک یہ دلائل قوی تر اس مسئلے کا اطلاق بمبئی میں بیوہ کی اس تبنیت پر بھی ہوگا جو وہ بہ ذات خود اپنے شوہر کے لئے کر سکتی ہے۔[۴] اس واقعے سے کہ

---

سلہ۔ پدو کماری بنام جگت کشور ۵ کلکتہ صفحہ ۶۱۵۔

سلہ۔ پدما کماری بنام کورٹ آف وارڈس جلد ۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲۹۔

سلہ۔ تھیا مل بنام وینکٹ۔ ۱م ۱۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۶۷۔ ۱۰ مدراس صفحہ ۲۰۵۔ تاراچرن بنام سریش چندر ۱۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۶۶۔ ۱۷ کلکتہ صفحہ ۱۲۳۔

سلہ۔ رام جی بنام گرامی ۶ بمبئی صفحہ ۴۹۸۔ ایشورا گوسن بنام گونند گنیش ۹ بمبئی صفحہ ۹۴۔ ڈبلیو اور بی صفحہ ۸۷۸ تا صفحہ ۸۹۰۔

بیوہ کو یکے بعد دیگرے متبنیٰ لینے کا مجاز کیا گیا تھا کوئی فرق نہیں ہوتا یہ اختیار پہلے متبنیٰ لڑکے کی وفات پر ختم ہو جائے گا جبکہ وہ بیوہ چھوڑے جس کو فوراً وہ جائداد حاصل ہو جاتی ہے۔[1]

## قاعدۂ مذکور پر مزید بحث

**ف ۱۱۶**۔ اس مسئلے کے اطلاق کے متعلق بمبئی اور بنگال کے مقدمات مابعد میں غور کیا گیا ان مقدمات کے واقعات اس میں شک نہیں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ پہلا مقدمہ بنگال کا تھا۔[2] اس مقدمے کے واقعات یہ تھے کہ شوہر نے اپنی بیوہ کو یہ اختیار دیا تھا کہ یکے بعد دیگرے پانچ لڑکوں کو متبنیٰ کرے۔ اس نے کرسٹو چرن کو متبنیٰ کیا جو تبنیت کے بارہ سال بعد فوت ہو گیا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے دوسرے لڑکے کو متبنیٰ کیا۔ شوہر کے یک طرفی رشتہ دار نے یہ نزاع پیدا کی کہ اس لڑکے کو شوہر کی جائداد کا وارث ہونے کا حق نہ تھا۔ بہ اجلاس عدالت عالیہ صرف یہ مسئلہ اٹھایا گیا کہ بھوبن موہی کے فیصلے[3] سے بیوہ کا اختیار تبنیت ثانی ناقابلِ نفاذ تھا۔ وجہ یہ پیش کی گئی کہ متوفیٰ کی روح کو فائدہ پہنچانے کے لئے جن اعمال کی انجام دہی ضروری تھی اس حد تک کرسٹو چرن کافی مدت تک زندہ رہا اور یہ فرض کر لینا چاہیے کہ اس نے تمام رسومات کو فی الواقعی انجام دیا۔ عدالت عالیہ نے یہ تجویز فرمائی کہ تبنیت ثانی جائز تھی۔ چنانچہ حکام نے فرمایا کہ "ایک متبنیٰ لڑکے کا کافی سن بلوغ کو پہنچ کر شاستروں کی حسب ہدایت مذہبی خدمات بجا لانے سے روحانی فوائد کا کل کام ختم نہیں ہو جاتا جو ایک لڑکا اپنے متوفیٰ باپ کی روح کو عطا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان خدمات کو چند مقررہ اوقات پر دہرانے کے لئے تاکید اکید کی گئی ہے اور ہر دوسرے

---

[1] امولیا چرن بنام کالی داس ۳۲ کلکتہ صفحہ ۸۶۱۔
[2] رام سندر بنام سربنی داس ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۲۱۔
[3] قبل ازیں۔ صفحہ ۱۱۵۔

موقع پر ان کو انجام دینے سے متوفی باپ کی روح کو تازہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔" بھوبن موی کے مقدمے کے متعلق انھوں نے اپنی یہ رائے بیان فرمائی کہ پریوی کونسل کی تجویز کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ اختیار تمام دیگر اغراض کے لئے بھی ناقابل نفاذ تھا۔ بلکہ صرف اس غرض کے لئے کہ بھوانی کشور کی بیوہ اپنے حقوق ملکیت سے محروم نہ ہو۔ جوڈیشل کمیٹی کے جدید ترین فیصلوں کے بعد یہ رائے آیندہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن وہ مقدمہ جو عدالت عالیہ کے ملاحظے میں تھا (مقدمہ[1] رام سندر) ان تین مقدمات سے (پدم کماری بنام کورٹ آف وارڈز۔ ٹھاکر بنام ونکٹ رام اور تاراچرن بنام سریش چندر) جن میں بھوبن موی کے مقدمے کی پیروی اور توضیح کی گئی[2] یوں مختلف تھا کہ رسٹوچرن کی وفات پر جائداد کا سوائے بیوہ کے کوئی وارث نہ تھا اور اس نے بطور جائز اختیار تبنیت کو استعمال کیا اس لحاظ سے یہ مقدمہ ان چار مقدمات کی اچھی طرح ہمسری کر سکتا ہے جن پر اس سے قبل بحث ہو چکی۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ وہ لارڈ ڈگلس ڈون کے صریح الفاظ کے تحت آتا ہے جب انھوں نے یہ فرمایا کہ[3] "اگر جے ائی کشور ان بیاہا فوت ہوتا تو اس کی ماں چندرا ولی دیبیا اس کی وارث ہوتی اور تبنیت کا سوال مختلف وجوہ پر قائم ہوتا۔ اختیار تبنیت کو استعمال کرنے سے وہ جائداد سے کسی کو محروم نہ کرتی بلکہ خود کو۔ اور اس سے یہ مقدمہ معمولی قاعدے کے تحت آتا" ان الفاظ کو جوڈیشل کمیٹی نے ایک مثل مقدمے میں اختیار کیا تھا، اور عالیہ عدالت بمبئی نے اس تجویز پر عمل کیا جب کہ ایک لڑکے کی وفات پر اس کی ماں بہ حیثیت وارث اس کی قائم مقام ہوئی، اور متبنٰی لیا و نیز اس کی ساس نے بھی۔ ساس کی انجام دی ہوئی

---

[1] ۸ و ۱۴۲ اور ۱۶ امرافعہ جات ہند ص ۲۲۹ ص ۶۷ اور ص ۱۲۶ علی الترتیب۔

[2] جلد ۱۰ امور ساعت کے مرافعہ جاتہ ہند ص ۳۱۱۔

[3] و لاکی ڈیکٹ بنام ونکٹ رام جلد ۱ مرافعہ جات ہند ص ۱ دبہ ص ۹ و دیکھئے ویرابھائی بنام بائی ہیرابہ جلد ۳۰ مرافعہ جات ہند ص ۴۳۲۔ صدر کورٹ ۲ بمبئی ص ۴۹۲

تبنیت ناجائز قرار دی گئی کیونکہ اس سے ماں کا حق چھین لیا جاتا۔ ماں کی مکمل کی ہوئی تبنیت جائز تسلیم کی گئی کیونکہ کسی کا حق نہیں لے لیا گیا بلکہ وہ خود محروم ہوئی[۱]۔ پریوی کونسل کے ان فیصلوں سے متعدد معیاروں کا جس سے کسی تبنیت کے جواز کا تعین کیا جانا چاہیئے اشارہ ملتا ہے۔ جو کچھ ان فیصلوں سے تصفیہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ جب ایک لڑکا (حقیقی یا متبنیٰ) اپنی بیوہ چھوڑ کر فوت ہو تو اس کی ماں کا اختیار تبنیت (اپنے شوہر کے لئے) ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان بیاہا فوت ہوا اور اس کی ماں براہ راست اس کی وارث ہو تو وہ اس اختیار کو نافذ کر سکتی ہے۔ بھائی (جو مشترک ہو) یا ایسے بھائی کے لڑکے کو جائداد کے پہنچنے کے امکان سے[۲] اختیار تبنیت ختم نہیں ہوتا۔ (بہ الفاظِ دیگر جب مثاکشرا خاندان کا رکن بیوہ کو اختیار تبنیت دے کر فوت ہو اور بیوہ حسبہٗ متبنیٰ لے، یا مدراس اور بمبئی میں مشترک شرکا کی رضامندی سے متبنیٰ لے تو بہ مجرد اس تبنیت کے مشترکہ حقیت متبنیٰ کو حاصل ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بروقت تبنیت خاندان ہنوز مشترک ہو۔ دیکھو ہیرا لال بنام پیارے لال سنہ ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد صفحہ ۵۳۸)۔ ہندوستان کی عدالتوں نے خلاف فطرت ایسے عام اصول کے وضع کرنے کی کوشش نہیں کی ہے جو تمام اشکال پر حاوی ہو سکے بہ الفاظ دیگر ان کی یہ کوشش فطری ہے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا تاریخ تبنیت کے وقت بیوہ کا اختیار ہنوز قائم تھا؟ اس کے تعین سے جواب حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آیا تبنیت کا جب وہ مکمل کی گئی یہ اثر تو نہ تھا کہ مالک آخر کے اس وارث کو (جو متبنیٰ کرنے والی بیوہ نہ ہو بلکہ کوئی اور) جس کو جائداد وراثتہً[۳] حاصل ہو چکی تھی محروم کیا جائے۔

---

[۱]۔ گردیا بنام گرمال اپا ۱۹ بمبئی صفحہ ۳۳۱۔ بییا بنام اپنا ۲۳ بمبئی صفحہ ۳۴۴ صفحہ ۳۳۱ ونکیا بنام جیوا جی ۲۵ بمبئی صفحہ ۳۰۶ و نیز دیکھو جمنا بائی بنام رائے چند ۷ بمبئی صفحہ ۲۲۵۔ راؤجی وناتک راؤ بنام لکشمی بائی ۱۱ بمبئی صفحہ ۳۸۱ صفحہ ۳۹۷

[۲]۔ بجو ہرکشن داس بنام منکوری بائی ۴۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۰۱ صدر کورٹ ۱۳۱ بمبئی صفحہ ۲۷۳۔

اگر ایسا ہوا ہو تو یہ قرار دیا گیا کہ اختیار تنسیخ ختم ہو گیا[1] جیسے ہی جائداد شوہر یا لڑکے (حقیقی یا متبنیٰ) کے وارث کو جو خود بیوہ کے سوا کوئی اور ہو وراثۃً حاصل ہو جائے۔ تو حسب تجویز مقدمات ذیل بیوہ کا اختیار تنسیخ دوامًا زائل ہو جائے گا، اور اس کے بعد ایسے وارث کے مرنے سے بھی اس اختیار کی تجدید نہیں ہو سکتی اگر چیکہ خود بیوہ جائداد کی وارث ہوا اور تنسیخ سے کسی کی جائداد نہ چھینی جا رہی ہو بلکہ خود اس کی جب[2] شوہر (جس کے لئے متبنیٰ کیا جائے) غیر منقسم خاندان کا رکن رہا ہو اور اس کے مرنے پر جائداد قاعدہ شرکت کے لحاظ سے رکن یا ارکان پسماندہ (بشمولیکہ یہ پسماندہ لڑکے کے سوا کوئی اور ہو) پر منتقل ہو تب بھی اختیار باقی رہے گا۔ اور اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ آخری پسماندہ رکن فوت ہو۔ اور دوسرے وارث کو جائداد حسب قاعدہ وراثت حاصل ہو جائے۔ ان دو صورتوں میں یعنی وراثۃً جائداد حاصل ہونے اور عود کرنے میں معنًا امتیاز پیدا ہو گیا ہے اور ہندوستان کے اکثر فیصلے اسی امتیاز پر مبنی ہیں[3] بر ایں ہم جوڈیشل کمیٹی کے دو فیصلوں کے مدنظر[4] یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا یہ امتیاز

---

[1] ۔ ص۱۸۸ تا ص۱۹۵ میں جن مقدمات پر بحث کی گئی ہے ان کو دیکھا جائے۔

[2] ۔ کرشنا راؤ بنام سنکر راؤ ۱۷ بمبئی ص۱۶۴۔ رام کرشنا بنام شام راؤ ۲۶ بمبئی ص۵۲۶ بہ اجلاس کامل مانیکیا مالا بنام نند اکمار ۳۳ کلکتہ ص۱۳۰۶۔ اڈوے بنام ندامرتی ۳۳ مدراس ص۲۲۸

[3] ۔ مثلاً انتما بنام سبو بالی ریڈی ۸ مدراس ہائیکورٹ ص۱۰۱ اور دیگر مقدمات جن کا ذکر ص۱۸۸ کے نوٹ K میں کیا گیا ہے۔

[4] ۔ مدن موہن بنام پرشوتم جلد ۵۴ مرافعہ جات ہند ص۱۵۶۔ صدر کورٹ ۱۴ مدراس ص۵۵۸۔ پرتاب سنگھ شیو سنگھ بنام اگر سنگجی رائے سنگجی ۴۶ مرافعہ جات ہند ص۹۔ ۳۴ بمبئی ص۸۰۷ کلکتے کی عدالت نے ان مقدمات کو کمد پدمو بنام راسیش چندر سہا میں (۴۶ کلکتہ ص۷۴۹) ممیز کرنے کی کوشش کی ہے لیکن [illegible] گئی ہے کہ وجوہات مستحکم نہیں ہیں۔

قائم بھی رہ سکتا ہے۔ ظاہر بظاہر من بعد صرف یہ مسئلہ رہ جائے گا کہ آیا اختیار تبنیت باقی ہے یا ان واقعات کی وجہ سے جو عطائے اختیار کے بعد پیدا ہوئے ختم ہو گیا۔ اگر اختیار رہنوز باقی ہے تو جائداد کے حاصل ہونے یا پہنچنے کا سوال (بذریعہ وراثت یا قاعدہ عودی سے) کوئی وقعت نہیں رکھتا حقیقی امر یہ ہے (اگر ہم کو اجازت ہو کہ پریوی کونسل کے الفاظ استعمال کریں) اس قسم کی تحصیل (vesting) عارضی قسم کی ہو سکے گی تاکہ ملکیت کو التوا سے روکا جائے۔ ونیز یہ سمجھا جائے گا کہ وہ محض مشروط ہے اور یہ کہ تبنیت سے اگر نزدیک تر وارث دفعۃً پیدا ہو (emergence) تو وہ تحقیق باطل ہو جائے گی۔

یہ صحیح ہے کہ اختیار تبنیت کے استعمال کے لئے کسی قسم کی مدت کا تعین نہیں ہے، اور نہ قانون میں کوئی قاعدہ ہے جس سے پے در پے تبنیت کے لئے بیوہ کا حق محدود کیا جائے۔ ایسا نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ خود شرائط اختیار سے ایسی حدبندی نہ پائی جائے[1] اس قاعدے کے اساس کو قدیم کتابوں میں تلاش نہ کرنا چاہیے کیونکہ ان میں ایسے قیود کے علامات معدوم ہیں۔ بلکہ ان موقتی اور مناسب فیصلوں میں جن کی رہنمائی میں ہماری عدالتیں اس لئے رہی ہیں کہ محصلہ حقیتوں (Vested titles) کا مسئلہ انھیں بار بار زحمت نہ دے۔ عدالت بمبئی کے اجلاس کامل نے محدود قاعدے کو یہ بیان کیا ہے کہ جب ایک ہندو کے فوت ہونے پر اس کی ایک بیوہ اور ایک لڑکا ہو۔ اور اس لڑکے کی وفات پر ایک لڑکا حقیقی یا متبنی ہو۔ یا کوئی لڑکا ہی نہ ہو بلکہ اس کی بیوہ اس لیے ہو کہ وہ بذریعۂ تبنیت سلسلۂ نسل کو جاری رکھے تو متقدم الذکر بیوہ کا اختیار تبنیت کل ہو جاتا ہے اور ہرگز ہرگز اس کی تجدید نہیں ہو سکتی[2]۔ جو اصول اس طرح ظاہر کیا گیا اس کو بورڈ نے صراحتہً پسند فرمایا اور وہ بارہ

---

[1] ۔کنا بلی سریاتارائن بنام پوجا وینکٹ را ئنا ۳۳ مرافعہ جات ہند ۱۲۵ ۲۹ مدراس ۳۸۲۔

[2] ۔رام کرشنا بنام شام راؤ ۲۶ بمبئی ۵۲۶ ۔ ۵۳۲۔

اس کو اس طرح بیان کیا گیا جس سے ممکن ہے من بعد دشوار یاں پیدا ہوں[1]۔ اڈیکنڈا نا قابل تقسیم جائداد کا مالک ۱۸۶۸ء میں فوت ہوا۔ اس کے پسماندگان میں اس کی بیوہ کندن دیوی اور اس کا مشترک بھائی رگھوناتھن تھا وفات سے قبل اس نے اپنی بیوہ کو جو اس وقت حاملہ تھی متبنیٰ لینے کا اختیار دیا بشرطیکہ جو بچہ پیدا ہو وہ لڑکی ہو۔ اڈیکنڈا کے مرنے پر رگھوناتھن زمین داری کا وارث ہوا۔ بیوہ کو لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے ۱۸۷۰ء میں ایک لڑکا مسمی بہ بروجو کشور متبنیٰ لیا اس لڑکے نے رگھوناتھن سے جائداد لے لی ۱۹۰۶ء[2] میں بروجو کا انتقال ہوا بیوہ تھی لڑکا نہ تھا۔ ۱۹۰۷ء میں کندن دیوی نے اس وقت دوسرا متبنیٰ لینا چاہا جب کہ اس درمیان میں جائداد رگھوناتھن کے لڑکے کو اور اس کے بعد پوتے کو حاصل ہوچکی تھی)۔ پریوی کونسل نے قرار دیا کہ کندن کا اختیار ختم ہوگیا تھا کیونکہ بروجو کشور مرگیا تھا اور تا وقت انتقال اس کو پوری قانونی قابلیت حاصل ہوچکی تھی کہ وہ اپنے سلسلے کو حقیقی لڑکے کی پیدائش سے جاری رکھ سکتا تھا یا اپنی بیوہ کو اپنے لئے متبنیٰ لینے کا اختیار دے کر بھی وہ اس کام کو انجام دے سکتا تھا۔ حکام عالی مقام نے آگے یہ بھی فرمایا کہ بروجو کی بیوہ کو اختیار حاصل نہ ہونے کی صورت میں بھی "ان کی یہ خواہش نہ تھی کہ ان کی تجویز کا یہ مفہوم لیا جائے کہ بروجو کی قائم مقامی اور اس کی وفات سلسلۂ نسل کو جاری رکھنے کے پوری قانونی قابلیت کو پہنچنے کے بعد بذات خود کافی نہ تھے کہ اس محدود اصول کو نافذ کریں، اور اس طرح اڈیکنڈا کی بیوہ کے اختیار کو جو آخری مالک کی بیوہ نہ تھی ختم کرنے کہ وہ اس کے لئے لڑکا متبنیٰ نہیں لے سکتی"۔ چونکہ بروجو نے واقعی ایک بیوہ چھوڑی اس لئے یہ الفاظ اس میں شک نہیں اظہار رائے ہے[3]۔ ان الفاظ سے ان اشاروں اور کنایوں کا ارتقا ظاہر ہوتا ہے جو بھوبن موئی کے مقدمے میں

---

[1] مقدمۂ مدن موہن دیکھو (۱) اوپر۔
[2] راگھوناد ھابنام بروجو کشور جلد ۳ مرافعہ جات ہند ص ۱۵۴۔ مدراس ص ۶۹۔
[3] ۱۰ امور ص ۲۷۹

کئے گئے تھے لیکن یہ تجویز ایسے پُر زور الفاظ میں ہے کہ حکام عالی مقام کی صحیح رائے کا پتا چلانے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

## تبنیت منجانب جدہ متوفی

بنگال عدالت عالیہ کے مقدمہ مابعد لارڈ کنگس ڈون کی تجویز پر مبنی تھا[1]۔ اس مقدمے میں جگت سیٹھ کا انتقال ۱۸۶۵ء میں ہوا۔ اس کے پسماندگان میں ایک متبنیٰ لڑکا گوپال چند تھا اور ایک بیوہ پران کماری تھی۔ ۱۸۶۸ء میں گوپال چند فوت ہوا اور اس کے ایک لڑکا گوپی چند تھا، اور وہ ان بیاہا اور لاولد فوت ہوا۔ اس کی وفات پر پران کماری نے جو اس کی وارث تھی جبن مل کو متبنیٰ کیا۔ مدعی (گوپی چند کا ایک رشتہ دار بعید) نے اس امر کے استقرار کی نالش کی کہ پران کماری کے مرنے پر وہ وارث ہونے کا مستحق ہے اور یہ کہ جبن مل کی تبنیت ناجائز تھی۔ عدالت عالیہ کا یہ تسلیم کرنا ظاہر ہوتا ہے کہ تبنیت ناجائز ہوسکتی تھی اگر اس کی بنیاد جگت سیٹھ کا دیا ہوا اختیار ہوتی۔ بہر حال اس مقدمے کے فریقین جین تھے اور جین قانون سے شوہر سے اختیار حاصل کرنے کے بغیر بھی بیوہ متبنیٰ کرسکتی ہے[2]۔ قرار دیا گیا کہ پدما کماری دیبی بنام کورٹ آف وارڈز[3] اور اس میں بھی یہی وجہ امتیاز تھی اور اسی وجہ سے وہ لارڈ کنگس ڈون کی تجویز کے تحت آگیا جس کا اقتباس اوپر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ فرض کرلینا دشوار ہے کہ وہ ایسے امور بھی انجام دے سکتی تھی جن کا خود اس کا شوہر اسے مجاز نہیں کرسکتا تھا اگرچہ ایک جین بیوہ شوہر کی اجازت کے بغیر متبنیٰ لے سکتی ہے۔

مدراس اور بمبئی دونوں میں بیوہ متبنیٰ لینے کی مجاز نہیں رہتی جب کہ اس کا امتناع منجانب شوہر ثابت کیا جائے یا مستنبط ہو[4]۔ کیا اس کی حالت اس وقت بھی

---

[1] مانک چند بنام جگت سیٹھانی ۱۷ کلکتہ صفحہ ۵۱۸ بر صفحہ ۵۳۶

[2] دیکھو آگے دفعہ ۱۳۱۔

[3] جلد ۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲۹۔

[4] جلد ۱۲ مور صاحب مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۴۳ و نیز آگے دفعہ ۱۲۲ اور صفحہ ۱۰۳۔

نہیں ہو سکتی ہے جب کہ قانون اس کو خود اس کے شوہر کی ہدایات سے اگر وہ دی گئی ہوں متبنیٰ عامل ہونے سے منع کر سکتا ہو۔[۱]

**تبنیت اور نابالغ**

۱۷۱۔ ایک بیوہ جسے شوہر نے بطور جائز مجاز کیا ہو زمانۂ نابالغی میں بھی متبنیٰ لے سکتی ہے کیونکہ وہ فعل شوہر کا ہے اور وہ محض ایک ذریعہ ہے۔[۲]

میرے خیال میں اس صورت میں بھی اس قاعدے کا اطلاق ہوگا جب کہ سپنڈوں کی اجازت ضروری ہو اور وہ اجازت حسبہٗ دی جائے۔ زمانۂ سابق مغربی ہند میں یہ قاعدہ اس طرح بیان کیا گیا تھا کہ وہ بیوہ متبنیٰ نہیں لے سکتی جو بالغ نہ ہوئی ہو۔[۳] میں اس اختلاف کی یہ وجہ فرض کرتا ہوں کہ وہاں چونکہ تبنیت بیوہ کا فعل ہے اس لئے نہ تو اجازت کی ضرورت ہے اور نہ رضامندی کی۔ اب یہ امر تصفیہ شدہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود نابالغ ہونے کے بیوہ ان کی عمر ایسی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے فعل کی ماہیت کو سمجھ سکے اگرچہ وہ محض اپنے شوہر کے ہدایات کی تعمیل کر رہی ہو۔ یا ذمہ دار اور بالغ رشتہ داروں کے مشورے سے اس کی تائید ہوئی ہو۔[۴]

**بے عصمت بیوہ اور تبنیت**

بے عصمت بیوہ شوہر کی اجازت سے بھی متبنیٰ نہیں لے سکتی۔ کیونکہ اس کی اوباش زندگی سے اس پر ذلت عائد ہوتی ہے جس سے وہ ضروری رسوم تبنیت انجام دینے کے قابل نہیں رہتی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی عدم قابلیت پرایچت (کفارہ)

---

۱۔ کرشنا راؤ بنام شنکر راؤ ۱۷ بمبئی صفحہ ۱۶۴۔

۲۔ جلد ۲ ڈبلیو۔ میاکناٹن صفحہ ۱۸۰ دی۔ ورین صفحہ ۶۹۔ مینداکنی بنام ادینا تھ ۱۸ کلکتہ صفحہ ۶۹۔

۳۔ اسٹیل صفحہ ۴۸۔ ویسٹ اور بہلر صفحہ ۸۹۔

۴۔ رنگیناکما بنام الورسیٹی ۱۳ مدراس صفحہ ۲۱۴۔ سنی راجو بنام وینکٹ سامی ۳۰ مدراس صفحہ ۹۲۵۔ بسپا بنام سدرامیا ۴۳ بمبئی صفحہ ۴۸۱۔

کے لئے مناسب جوگ (توبہ۔ تزکیۂ نفس) کرنے سے دور ہو سکتی ہے[1]۔ لیکن ایام حمل میں جوگ نہیں کئے جا سکتے لہذا وضع حمل کے بعد تک بے عصمت بیوہ کے لئے متبنیٰ لینے کا امکان نہیں ہے[2]۔ تبنیت کے ایک مقدمے میں جو ویش بیوہ نے اپنے شوہر کی اجازت سے انجام دی تھی عالیہ عدالت مدراس نے بظاہر یہ تجویز فرمائی کہ تبنیت خراب تھی۔ اگرچہ اس امر کا تصفیہ ضروری نہ تھا کیونکہ وہ تبنیت اس وقت مکمل کی گئی جب کہ میت ہنوز گھر میں تھی اور لہذا بیوہ حالت اشوچ (pollution) میں[3] تھی۔ آیا یہی وجہ ناقابلیت شودروں سے بھی متعلق ہو سکتی ہے اس مسئلے پر منحصر ہے کہ آیا ان کے لئے کچھ بھی مذہبی رسوم ضروری ہیں[4]۔

## متعدد بیوگان

ف ۱۱۸۔ جب متعدد بیوگان ہوں اگر ان میں سے ایک کو متبنیٰ کو لینے کا خاص اختیار دیا گیا ہو تو اس میں شک نہیں کہ وہ دوسروں کے ایما کے بغیر اس پر عمل کر سکتی ہے اور میرا یہ قیاس ہے کہ اس پر عمل کرنے کی صرف وہی مجاز ہے[5]۔

---

[1] ۔ پراسچت کفارے کے لئے انگریزی لفظ Expiation ہے اور penance کے لئے جوگ یا توبہ۔ یا تزکیۂ نفس (از مترجم)۔

[2] ۔ تھکو بنام روا جلد ۲ بورڈ یل صـ۴۲۶ ۴۵۶ (۸۸ ہم) سیا ملال بنام سوداسنی ۵ بنگال لا رپورٹ صـ۳۶۲ اس فیصلے کو جسٹس مٹر نے کری کولبنیتی بنام منی رام میں پسند فرمایا ۱۳ بنگال لا رپورٹ صـ۱۴ صدر کورٹ ۱۹ سدر لینڈ صـ۳۶۷ جوگ سے بے عصمتی کے نتائج کو رفع کرنے کے امکان کے متعلق دیکھو تجویز جسٹس مٹر ۱۳ بنگال لا رپورٹ صـ۳۹۔

[3] ۔ رنگا نائکم بنام الورسٹی ۱۳ ام صـ۲۲۲۔

[4] ۔ دیکھو آگے ف ۱۵۱۔ بمبئی میں بے عصمت شودر بیوہ متبنیٰ لے سکتی ہے۔ بسونت بنام ملبا سنہ ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی صـ۴۵۹۔

[5] ۔ جلد ۲ اسٹرینج ہندو لا صـ۹۱۔

اگر بیوگان کو منفرداً اختیار دیا گیا ہو اور بڑی بیوہ متبنیٰ لینے سے انکار کرے تو چھوٹی بیوہ بڑی کی رضامندی کے بغیر بھی متبنیٰ لے سکتی ہے[1]۔ بمبئی میں جب متعدد بیوگان ہوں تو بڑی بیوہ چھوٹی کی رضامندی کے بغیر بھی متبنیٰ لینے کا حق رکھتی ہے لیکن چھوٹی بیوہ بڑی کی رضامندی کے بغیر متبنیٰ نہیں لے سکتی بجز اس کے کہ (الف) موخر الذکر اوباش زندگی بسر کر رہی ہو جس کی وجہ سے بالکل غیر مجاز ہو جاتی ہے[2]۔ یا (ب) چھوٹی نے اپنے شوہر سے اس بارے میں مرجح حق حاصل کیا ہو[3]۔ اس فیصلے کا اتباع کلکتہ اور مدراس کی عالیہ عدالتوں نے کیا ہے[4]۔ بر ایں ہم اس قاعدے کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ دونوں بیوگان اپنے شوہر کے ورثا کی حیثیت سے قابض ہوں جیون راؤ نے دو بیوائیں لکشمی بائی اور کاشی بائی کے بطن کا ایک لڑکا اپنی وفات پر چھوڑا۔ لڑکے کی وفات پر کاشی بائی بہ حیثیت ماں کے وارث ہوئی۔ لکشمی بائی نے کاشی بائی کی رضامندی کے بغیر اپنے شوہر کے لئے ایک لڑکا متبنیٰ کیا۔ قرار دیا گیا کہ تبنیت ناجائز تھی اور ضمناً یہ تجویز کی گئی کہ رضامندی حاصل کرنے سے بھی وہ تبنیت جائز نہیں ہو سکتی[5]۔ جب چھوٹی بیوہ بڑی بیوہ کے حین حیات اور

---

[1] مدا کنی بنام اودی ناتھ ۱۸ کلکتہ ص۶۹۔ بڑی کو اس میں شک نہیں مرجح حق ہے دیکھو بجائے بنام رنجت ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ص۶۹۴۔ رنجت لال بنام بجائے کرشن ۳۹ کلکتہ ص۵۸۲۔

[2] اسٹیل ۴۸ و ۱۸۷ ویسٹ اور بہلر ۴ و ۸۷۴، ۸۹۳ رکھما بائی بنام رادھا بائی ۵ بمبئی عالیہ عدالت ص۱۸۱۔

[3] بسیا بنام سدرا میا ۳۴ بمبئی ص۴۸۱۔

[4] دیکھو اوپر ۳۹ کلکتہ و نیز نارائن سوامی بنام منگامل ۲۸ م ص۵۱۲ نیز دیکھئے منتوسامی بنام پلا ورنل ۱۹۲۲ء ۴۵ مدراس ص۲۶۶ سپندونگی رضامندی کافی نہیں۔

[5] انندی بائی بنام کاشی بائی ۲۸ بمبئی ص۴۶۱۔ دیکھو آگے ف۱۹۵۔ بہ الفاظ دیگر یہ تجویز کی گئی کہ اگر چھوٹی بیوہ اپنے لڑکے کی وارث ہوئی ہو تو بڑی بیوہ متبنیٰ نہیں لے سکتی۔

بلا اس کی رضامندی کے متبنیٰ لے تو سپینڈوں کی رضامندی سے جنوبی ہند میں وہ تبنیت جائز نہیں ہو جاتی۔[1] جب وصیت سے مشترکاً دو بیوگان کو متبنیٰ لینے کے لئے صراحتہً اختیار دیا گیا ہو تو پریوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ اس اختیار کو صرف بالاشتراک استعمال کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ پسماندہ بیوہ کو اختیار نہ تھا کہ متبنیٰ لے۔ اس کو تعبیر کا مسئلہ تصور کیا گیا تھا اور یہ کہ مشترک اختیار کا صحیح اثر بھی ہونا چاہیے۔ حکام عالی مقام نے اس وسیع مسئلے پر اظہار رائے کرنے سے انکار کیا کہ آیا مشترک اختیار تبنیت جو دو بیوگان کو دیا گیا ہو کسی صورت میں بھی ہندو قانون میں جائز ہے۔[2]

**صرف بیوہ ہی شوہر کے لئے متبنیٰ لے سکتی ہے۔**

**۱۱۹** - یہ امر تعجب خیز ہے کہ گو شوہر کا حق مسلم ہے کہ وہ اپنی بیوہ کو اختیار تبنیت تفویض کر سکتا ہے لیکن کسی اور کو وہ اپنا حق تفویض نہیں کر سکتا، اور نہ کسی اور کو مثلاً اہتمام ترکہ کو اس کے ساتھ مثل مشترک متبنیٰ گیرندگان کے شریک کر سکتا ہے۔[3] (جلد ۲، کلکتے میں یہ تصفیہ فرمایا گیا کہ اگر موصی اپنی بیوہ بہو کو متبنیٰ لینے کی ہدایت

---

[1] راجہ وینکٹپا نارائن بہادر بنام رنگراؤ ۲۹ مدراس صـ۴۳۷ اس میں مقدمہ کاکرلا چکیا بنام کار پرلا اپیا ۲۸ مدراس لا جرنل صـ۳۰۱ کی تصدیق ہوئی۔

[2] وینکٹ نرسما اپاراؤ بنام پرتھاسراتی اپاراؤ ۴۱ مرافعہ جات ہند صـ۵۱ لچھمی پرشاد بنام مسماۃ پاربتی جلد ۴۲ الہ آباد صـ۲۶۶ و نیز دیکھو سرادا پرشاد بنام راما پتی، کلکتہ ویکلی نوٹس صـ۳۱۹ ۱۹۲۴ء میں مدراس ہائیکورٹ نے اسی عنوان کے تحت یہ تجویز فرمائی کہ مشترک اختیار کی صورت میں لڑکا بڑی بیوہ کا متصور ہوگا کیونکہ حق ترجیح اسی کو حاصل ہے چھوٹی بیوہ ایسے لڑکے کی علاتی ماں سمجھی جائے گی۔ یہ فیصلہ جیسا کہ کہا جاتا ہے ہندو قانون کی "بر" (Genins) اور کم از کم جنوبی ہند کے عوام الناس کے رواج اور مافی الضمیر پر مبنی ہے۔ تروونگلم بنام بچیا ۴۵ مدراس صـ۲۷۳۔ (از مترجم)۔

[3] امرتو لال بنام صرنو بائی ۲۵ کلکتہ صـ۶۶۲، ۲۷ مرافعہ جات ہند صـ۱۲۸۔ ۲۷ کلکتہ صـ۹۹۶ میں مقدمہ مقدم الذکر کے فیصلے کی تصدیق کی گئی۔

کرے تو ایسی تبنیت بیٹے کے لئے اچھی ہوگی نہ کہ وصی کے لئے) ان صورتوں میں جب کہ سپنڈوں کی رضامندی سے شوہر کے عطائے اختیار کی تکمیل ہوتی ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ رضامندی حاصل کی جائے اور اس پر عمل بھی ہو جب اختیار نہ دیا گیا ہو یا ضروری نہ ہو تو صرف بیوہ ہی اس فعل کو انجام دے سکتی ہے۔[1] (سپنڈوں کی رضامندی کے متعلق حالیہ نظائر یہ ہیں کہ اگر رضامندی دینے کے بعد لیکن تبنیت سے قبل سپنڈ مر جائے تو تبنیت کے جواز پر چنداں اثر نہیں پڑتا۔[2] بھگوان داس کے فیصلے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ بیوہ نہ صرف شوہر کی محض ایجنٹ سمجھی جاتی ہے بلکہ اس کا نصف زندہ حصہ[3] اور لہذا وہ اپنے اختیار تمیزی سے کام لیتی ہے جس کو نہ تو کوئی اور مکمل کر سکتا ہے اور نہ اس پر قابو پا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسی اصول کی وجہ سے صریح اختیار یا ہدایات بھی جو شوہر نے

**بیوہ کا صوابدید قطعی ہے۔**

اپنی بیوہ کو اس لئے دی ہوں کہ متبنیٰ لے۔ (تمام قانونی اغراض کے لئے) قطعاً معدوم ہوتی ہے تا اینکہ اس کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اس کو اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا بجز اس کے کہ اور تا اینکہ وہ خود اس پر عمل کرنا چاہے۔[4] اگر وہ اپنی رضا و رغبت سے اس کام کو انجام نہ دے بلکہ جسمانی یا

[1] بھگوان داس بنام راجمل ابمبی ہائیکورٹ ص ۱۴۴ جلد ۲ اسٹرینج ہند و لا ص ۹۴۔ لیف یم ص ۲۰۲ ویرا پرمل بنام نارائن پلے جلد ۱ N. C. ص ۱۰۳۔
[2] انا پرنما بنام اپیا ۱۹۲۹ء ۵۲ مدراس ص ۶۲۰ اسی مقدمے میں یہ تصفیہ فرمایا گیا کہ لڑکا اپنی ماں کو وصیت سے رضامندی دے سکتا ہے اور اس رضامندی کی بنا پر جو تبنیت اس کے مرنے کے بعد کی جائے جائز ہوگی عام ازیں کہ مرنے کے بعد بیٹے کو جائداد میں حق نہ ہو یا اینکہ تبنیت کے وقت دوسرے سپنڈ زندہ ہوں۔ (از مترجم)۔
[3] دیکھو جلد ۲ ڈائجسٹ ص ۴۵۸ دراسپتی
[4] دیاسوی بنام رسبی پری صدر دیوانی بابت ۱۸۵۲ء ص ۱۰۱۳۔ بامن داس بنام مسماۃ تارینی ۷ مور ص ۱۹۔ راما سندری بنام سدو بنی ۲ کلکتہ ص ۲۸۰ متھرا لال بنام کندن لال ۲۸ الہ آباد ص ۴۸۸ ۳۴۳ مرافعہ ہند ص ۵۵۔

اخلاقی جبر کی وجہ سے تو تبنیت ناجائز ہے[1]۔ عالیہ عدالت مدراس نے یہ تجویز فرمائی ہے کہ جو تبنیت جبر سے ہو وہ برایں ہمہ بذات خود باطل نہیں ہے بلکہ صرف ممکن الانفساخ اور اگر متبنیٰ گیرندہ ماں سن بعد اس کو مصدق کرے اور اس کو مثل جائز تبنیت کے باقی اور قائم رکھنے کی کوشش کرے تو ایسی تبنیت اچھی ہوگی[2]۔ ایک مقدمے میں ایک تبنیت اس وجہ سے ناجائز قرار دی گئی کہ بیوہ متبنیٰ لیتے وقت اس قانونی نتیجے سے ناواقف تھی کہ وہ جائداد کی ملکیت سے محروم ہو جائے گی۔ عدالت اس اختیار کو اس حد تک بھی تسلیم نہ کرے گی کہ اس کے جواز کا استقرار ہو سکے[3]۔ جب تک کہ وہ انجام نہ دے اس کی حالت ایسی ہوگی جیسا کہ اس وقت ہوتی جب اختیار نہ دیا گیا ہوتا۔ اگر وہ لڑکے کی عدم موجودگی میں اپنی شوہر کے جائداد کی وارث ہوئی ہو تو وہ اس وقت تک وارث رہے گی جب تک کہ وہ خود نہ چاہے کہ اس حیثیت سے تنزل ہو اور وہ اپنے حق کی بنا پر قابض ہوتی ہے نہ کسی ایسے لڑکے کی امین کی حیثیت سے جو بعد میں متبنیٰ ہونے والا ہو[4]۔ اگر وہ وارث نہیں ہے تو جائداد کے انتظام میں دخیل ہونے کے لئے یا ان اشخاص کو قابو میں رکھنے کے لیے، وہ اس حق سے زیادہ کا ادعا نہیں کر سکتی جو اس کو اختیار تبنیت حاصل نہ ہونے کی صورت میں حاصل ہوتا۔ اس کو نتیجہ خیز کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس پر عامل ہو[5]۔ اگر شوہر ایک خاص لڑکا متبنیٰ لینے کی ہدایت کرے۔

---

[1] رنگانیا کما بنام الورسینی ۱۳ مدراس ص ۲۱۴ ص ۲۲۰۔

[2] ونکٹ نرسما بنام رنگیا ۲۰ مدراس ص ۴۳۷ ص ۴۴۴ نیز دیکھیے ستی راجو بنام ونکٹ سامی ۴۰ مدراس ص ۹۲۵ ص ۹۲۰ ۱۹۱۷ء

[3] ابابائی بنام بالا، بمبئی ہائیکورٹ ضمیمہ دا۔

[4] مسماۃ پیاری بنام مسماۃ ہربنسی ۱۹ سدرلینڈ ص ۱۲۷۔ سریمتی راجکماری بنام نوبوگمار جلد ۱ بولنائے کلکتہ سپریم کورٹ ص ۱۳۷ (بابت ۱۸۵۶ء ۔ ۵۹) سوستری کے افائر بابت ۱۸۶۹ء ص ۲۳ نوٹ بنام مسماۃ تارنی ۷ مور ص ۱۶۹۔

[5] مقدمہ ۔۔۔ بنام مسماۃ تارنی ۷ مور ص ۱۶۹ جس میں بیاستا شاما سمدر دیوانی ۱۸۴۸ء ص ۴۶۲ کو فسخ کیا گیا۔

[6] مسماۃ سیدرا بنام گوکلا نتھ، صدر دیوانی ۱۸۴۳ ص ۱۶۶۔

یا ایک خاص باپ کے لڑکے کی۔ تو وہ ان شرائط کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں ہے جو موخرالذکر عائد کرنے کی کوشش کریں[1]۔ ایک مسئلہ پیدا تو ہوا ہے لیکن اس کا تصفیہ نہیں ہوا کہ آیا وہ بیوہ جسے اختیار تبنیت دیا گیا ہو متبنّٰی نہ لینے کا اپنے کو پابند کر سکتی ہے۔ ایسی تبنیت کے لئے عدالت نے درمیانی حکم امتناعی صادر کرنے سے انکار کیا لیکن بس وہ معاملہ اسی حد پر ختم ہو گیا[2]۔ اگر ایسی صورت دوبارہ پیدا ہو تو بیوہ کے اختیار کی نوعیت پر غور کرنے میں اس سے فیصلے پر اثر پڑے گا۔ یہ کہ آیا اس کو شوہر نے متبنّٰی لینے کے لئے صراحۃً مجاز کیا تھا، یا صرف اپنے صوابدید پر ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ یا آیا اس کا شوہر اس امر کے متعلق بالکل خاموش تھا اور اس کا اختیار سپنڈوں کی رضامندی سے پیدا ہوا۔ یا اگر معاملہ مغربی ساحل کا ہو تو خود اس کے مختارانہ اختیار سے، اور نہ وقت کے

**وقت غیر محدود**

متعلق کسی قسم کی حد بندی کی گئی ہے جس کے اندر بیوہ اس اختیار پر عمل کر سکتی ہے جو اس کو دیا گیا ہو[3]۔ بنگال کے ایک مقدمے میں اس تبنیت کی تائید کی گئی جو پندرہ سال بعد وفات شوہر انجام دی گئی تھی، اور بمبئی کے مقدمات میں بیس، پچیس، باون اور ساٹھ سال بھی ہوئی ہے[4]۔

---

[1]۔ شامادا ہو بنام دوار کاداس ۱۲ بمبئی صفحہ ۲۰۲۔

[2]۔ اسنر پرشوتم بنام رتنا بائی ۱۲ بمبئی صفحہ ۵۲۔

[3]۔ بیت۔ میاکناشن صفحہ ۵ جلد ا نوٹس آف نظائر صفحہ ۱۱۱۔ رام کشن بنام مسماۃ اسنر یمتی جلد ۳ صدر دیوانی صفحہ ۳۶۔ صفحہ ۴۸۹۔ صفحہ ۴۹۳۔

[4]۔ جلد ۲ مورڈ ڈائجسٹ صفحہ ۱۸ بھاسکر بنام نرو رگھوناتھ بمبئی کے منتخب فیصلہ جات عدالت صدر دیوانی صفحہ ۲۴۔ برج بھو کنجی بنام گوکلت سا دجی جلد ا بورڈیل صفحہ ۱۸۱۔ صفحہ ۲۰۲ نمبلکر بنام جیونت راؤ ۴ بمبئی ہائیکورٹ اپیل جرنل صفحہ ۱۹۱۔ گر یو وا بنام بھیمی رگھوناتھ ۹ بمبئی صفحہ ۵۸۔ دیکھئے دکھینا بنام راش بہاری ۶ سدر لینڈ صفحہ ۲۲۱ جس میں یہ تحریک کی گئی تھی کہ بیوہ اس اختیار کو بارہ سال بعد نافذ نہیں کر سکتی۔ (و نیز دیکھئے مدراس اور بمبئی کے دو حالیہ مقدمات مدن موہن بنام پرشوتم ۴۱ مدراس ۵۹۔ پرتاپ سنگھ بنام اگر سنگجی ۴۳ بمبئی صفحہ ۷۷۸۔ ۴۶ مراخذ ہند صفحہ ۹۷ (از مترجم)۔

**شوہر کی جانب سے اختیار کا معدوم ہونا**

ف ۱۲۰ اس اختیار کے جو شوہر نے متبنیٰ لینے کے لئے دیا ہو نتائج کو دیکھنے کے بعد اب اس طریقے کو جانچنا باقی ہے جس میں عند الضرورت اس اختیار کی کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صورت صرف جنوبی اور مغربی ہند میں پیدا ہو سکتی ہے یا شمالی ہند کے چند مقامات میں (فقرات ۱۲۱ ، ۱۲۱ ، ۱۲۳) مدراس میں ہمیشہ سے رائے کا یہ توازن رہا ہے کہ اجازت من جانب شوہر نہ ہونے پر سپنڈوں کی اجازت کافی ہے۔ رامناد زمیں داری کے مقدمے میں اس مسئلے کی یکسوئی پریوی کونسل کے فیصلے سے نہایت وضاحت سے ہوئی اور بعد کے متعدد مقدمات میں بھی جو اسی فیصلے پر مبنی تھے۔

**مقدمۂ رامناد**

ف ۱۲۱۔ رامناد کے مقدمے میں[1] مابہ النزاع تبنیت ایک بیوہ کی کمل کی ہوئی تھی جو اپنے متوفی شوہر کی وارث کی حیثیت سے ایک زمیں داری پر قابض تھی۔ یہ زمیں داری اس کی مکسوبہ جائداد تھی۔ تبنیت کی تکمیل مرد قابض آخر کے متعدد سپنڈوں کے اتفاق آرا سے ہوئی۔ یقیناً یہ سپنڈ اس جملہ تعداد کی جو اس وقت زندہ تھے اکثریت تھی۔ اگرچہ حقیقتاً جملہ مجموعۂ سپنڈ انھیں پر مشتمل نہ تھا۔ لہٰذا صرف یہ مسئلہ تصفیہ طلب تھا کہ آیا جنوبی ہند میں سپنڈوں کے اتفاق آرا کی کوئی مقدار بھی اس تبنیت کو جائز کر سکتی تھی جو بیوہ نے بلا رضامندی شوہر انجام دی ہو؟ مدراس عالیہ عدالت نے تمام اسناد کی مکمل جانچ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایسی تبنیت جائز تھی۔ انھوں نے بہت زیادہ اس نظریے پر اعتماد کیا کہ قانون تبنیت کی بنیاد اور اس کا ارتقا

**عالیہ عدالت**

بھائی یا سپنڈ سے فی الواقعی بچہ پیدا کرانے کا قدیم اصول تھا۔ اس تشبیہ سے استدلال کرتے ہوئے انھوں نے فیصلے کو یہ کہتے ہوئے جاری رکھا[2] کہ

---

[1] کلکٹر مدورا بنام متو رام لنگا ۱۲ مور ز مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۹۷ جلد ۱ بنگال لا رپورٹ پی۔ سی صفحہ ۱ و ۱ سدر لینڈ پی۔ سی صفحہ ۱ (و نیز منو سامی بنام پلا ورت لال ۱۹۲۲ء ۴۵ مدراس صفحہ ۳۶۳ از مترجم)۔

[2] جلد ۲ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۲۳۲ میں لے اس طرح قبل ازیں اشارہ کیا ہے کہ دونوں چیزیں فطرتاً ایک دوسرے سے الگ ہیں ۱۲

اُس قاعدے کی وجہ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ فرضہ رضامندی کا لزوم اخلاقی ہدایت سے زیادہ بھی ہوتب بھی کسی ایک سپنڈ کی رضامندی منجملہ ان سب کے کافی ہے۔ اور ہرگز یہ نہ بھولنا چاہیے کہ تمام ہندو مصنفین ہیں (جیسے کہ ان مصنفین کی کتابوں میں جو کسی موضوعہ قانون کے نظام کو بہ وضاحت بیان کرتے ہیں) جو اس کے مدعی ہوتے ہیں کہ ان کے تصانیف الہٰی الہام پر مبنی ہیں یا اخلاقی اور قانونی تصورات پیچیدہ طور پر مخلوط ہیں۔ برایں ہم اگر ایک خیالی نہ کہ مستحکم تشبیہ سے سپنڈوں کو ایک ایسا قانونی شخص (Juridical person) سمجھا جائے جن کو شوہر کا کل اختیار حاصل ہو جاتا ہے تب بھی ہر منفرد رکن کی رضامندی کو ضروری سمجھنا معقول اصول قانون کے بالکل برعکس ہوگا۔ برخلاف اس کے اکثر ارکان کی رضامندی کو کسی ایک معاملے میں جو بظاہر اس مقصد کے متائز نہ ہو جس کے لئے وہ مجموعۂ اشخاص پیدا کیا گیا تھا کل جماعت کی مرضی سمجھنا چاہیے"۔

**۱۲۲** جوڈیشل کمیٹی نے اصلی اسناد اور نظائر کی بنا پر اس فیصلے کی تصدیق کی البتہ دتک قسم کی تبنیوں اور اس متروک عمل میں (جس سے متوفی شوہر کے لئے بیوہ سے ناجائز مقاربت کر کے بچے پیدا کئے جاتے تھے) مفروضہ مشابہت کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے فیصلے کو یوں جاری رکھا:[1]

**جوڈیشل کمیٹی**

"بہرحال اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ قدیم مقالوں میں اس نظریے کو بیان کیا گیا ہے، اور حتیٰ ایں کہ مسٹر کولبروک نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ اگرچہ یکہ ایک گونہ مبہم طریقے سے اس ابہام سے بعض مرتبہ اس کو عملاً متعلق کرنے میں قابل لحاظ دشواریاں اور زحمتیں ہونے کا امکان ہے۔ پہلا سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے قرابت دار ہیں جن کی رضامندی سے متوفی شوہر کی مثبت اجازت کی کمی پوری ہو سکتی ہے۔ جب شوہر کا خاندان ہندو خاندان کی اعتدالی حالت میں ہو

**غیر منقسم جائداد**

یعنے غیر منقسم۔ تو وہ سوال مقابلتہً آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔

---

[1] جلد ۱۲ مور تز انڈین اپیلیں صہ۴۴۳۔ صدر کورٹ جلد ۱ بنگال لا رپورٹ (پی سی) صہ۱ صدر کورٹ جلد ۱۰ اسد لینڈ (پی سی) صہ۱۔ لیکن دیکھیے وینکٹ کرشنا بنام آنا پرانما ۲۳ مدراس صہ۴۸۶، صہ۴۹۳، صہ۴۹۸ اور نارائن سامی بنام منگمل ۲۸ مدراس صہ۳۱۵، صہ۳۱۹۔

ایسی صورت میں بیوہ کو متنازعہ جائداد میں اس کے شوہر کے حصے میں کوئی حقیت حاصل نہیں ہوتی بجز حق نفقہ و پرورش کے۔ تمام ممالک میں جو اس نزاعی اختیار تبنیت کو تسلیم کرتے ہیں یہی قانون ہے، اور اگر شوہر کا باپ زندہ ہو تو بہ حیثیت بزرگ خاندان اور بیوہ کے ولی کے محض اپنی مرضی سے تبنیت کی اجازت کا مجاز ہو سکتا ہے تاہم اگر باپ نہ ہو تو تمام بھائیوں کی رضامندی غالباً ضروری ہو گی کیونکہ وہ تبنیت نہ ہونے کی صورت میں شوہر کا حصہ پائیں گے اور بیوہ کو اس کی اجازت دینا کہ وہ ان کی مرضی کے خلاف نیا شریک داخل کرے خلاف انصاف ہوگا۔ بہرحال جیسا کہ موجودہ

**تقسیم شدہ یا علیحدہ جائداد**

صورت میں بیوہ نے اپنے شوہر کی علیحدہ جائداد وراثتہً حاصل کی ہو تو قاعدہ وضع کرنے میں مزید دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ جب فی الواقعی شوہر نے متبنیٰ لینے کا اختیار نہ دیا ہو تو اس کا استعمال صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس کی بنیاد حسب تفہیم اہل ہنود اس مذہبی فرض کی انجام دہی میں ہو جس سے کہ غفلت کی گئی حکام متعلقہ کا خیال ہے کہ یہ کہنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہر رشتہ دار کی رضامندی چاہیے وہ کتنا ہی بعید ہو ضروری ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ داروں کی رضامندی کی ضرورت اس وجہ سے لاحق ہوئی کہ اناث کے متعلق یہ قیاس ہے کہ وہ بطور خود کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہوتیں نہ ایں کہ ان تمام کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت تھی جن کا ممکنہ اور قابل عود ۱۶۴
حق جائداد میں تبنیت سے زائل ہوتا ہو۔ ایسی صورت میں لہذا حکام عالی مقام یہ خیال کرتے ہیں کہ خسر کی رضامندی جیسے قانون فطری ولی اور قابل وقعت محافظ بتلاتا ہے کافی ہو گی[1]۔ اس صورت کے لئے جب کہ خسر موجود نہ ہو کسی اٹل قاعدے کا وضع کرنا آسان نہیں ہے۔ ہر ایسے مقدمے کا انحصار خاندان کے حالات پر ہونا چاہیے۔ جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ رشتہ داروں کی رضامندی کی ایسی شہادت ہونی چاہیے جو اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہو سکے کہ بیوہ نے اس فعل کو بطور جائز اور نیک نیتی سے مذہبی فرض کی انجام دہی میں کیا ہے اور نہ وہ فعل بے قاعدہ تھا اور نہ اس کے کرنے میں نیت خراب تھی۔ اس مقدمے میں کسی تنقیح سے یہ سوال پیدا

---

لہ۔ علیٰ ہذا بمبئی میں یہی تجویز کی گئی جب کہ یہ صورت وٹھوبا بنام بابو ۱۵ بمبئی صـ۱۱ میں پیدا ہوئی۔

ہوتا ہے کہ رضامندی خریدی گئی تھی نہ کہ نیک نیتی سے حاصل کی گئی تھی۔ متبنیٰ لڑکے کے حقوق کو کسی غیر مجاز انتقال سے نقصان نہیں پہنچتا ہے جو بیوہ نے قبل تبنیت انجام دیے ہوں اور اگرچہ رضامندی حاصل کرنے کے لئے ناجائز طور پر تحائف کے دینے سے تبنیت کی عدم ضرورت کی زوردار شہادت ہوسکتی ہو لیکن وہ عطیے بذاتِ خود تبنیت کے جواز کی بیخ کنی نہیں کرسکتے۔

**صریح یا معنوی امتناع**

"ونیز حکام عالی مقام کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ رشتہ دارشوہر کی رضامندی سے بیوہ کے اختیار تبنیت کے متعلق اسناد زیادہ تراس مفروضے پر مبنی ہیں کہ جب کبھی اس نے منع کیا ہو تو اس کی رضامندی معناً مستنبط ہو جاسکتی ہے۔ بنابراں یہ اختیار مستنبط نہیں کیا جاسکتا جب کہ اس نے صراحتہً ممانعت ظاہر کی ہو۔ یا (صورتہائے ذیل میں) بہ وجہ معقول ممانعت اخذ کی جاسکتی ہو۔ (مثلاً) اس کے جائداد کے دے دینے سے۔ یا کسی ایسے شخص کے بہ خط مستقیم موجود ہونے سے جو کل مذہبی فرائض کے انجام دینے کا بہ درجۂ اتم مجاز ہو۔ یا خاندان کے دیگر حالات سے جو ورثا کی محرومی کے لئے عذر نہ ہوسکیں جب کہ مذہبی وجوب کے تحت ایک لڑکا اس لئے متبنیٰ کیا جائے کہ مذہبی رسوم کی کمی کو یا تو پورا کرے یا خود انھیں ادا کرے"[له]

له۔ رامناد کے مقدمے میں جو تجویز کی گئی پنجاب میں بالکل یہی رواج ہے۔ وہاں تبنیت کو محض یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ جائداد کے انتقال کا یا اس میں حق پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ وہ یا تو شوہر کی اجازت سے متبنیٰ لے سکتی ہے یا اس کے رشتہ داروں کی رضامندی سے لیکن کسی صورت میں صریح ممانعت کے مقابلے میں متبنیٰ نہیں لے سکتی۔ پنجاب کے رواج ص۴۳ نیز دیکھیے مقدمات ذیل:۔
(دسواسندر بنام سوماسندرما ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس ص۸۴۶ جلد ۵۹ نظائر ہند ص۹۰۱ تجویز کی گئی کہ نواسے کی رضامندی غیر ضروری ہے ویرابنام بالاسوریا ۱۹۱۸ء جلد ۴۱ مراضعات ہند ص۲۶۵ رشتہ داراں بعد کی رضامندی کے وجوہ تحریک بد ہوسکتے ہیں متوسامی بنام پلاورت لال ۱۹۲۲ء ۴۵ مدراس ص۳۶۳ محض اس واقعے سے کہ زوجہ اور شوہر علٰحدہ رہتے تھے امتناع مستنبط نہیں کیا جاسکتا جلد ۳۴ مدراس ص۱۵ میں تجویز کی گئی کہ نزدیک ترین سپند کی رضامندی حاصل کرنی چاہیے ۱۹۲۶ء میں مقدمہ کمیرسنگھ بنام وزیر جلد ۴۹ مدراس ص۱۵۲ یہ تجویز ہوئی کہ یک جدی وارثان موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوہ نزدیک ترین سپند ہو مثلاً پھوپی زاد بھائی کی رضامندی سے متبنیٰ لے سکتی ہے (از مترجم)۔

**مقدمۂ رامناد کا نظریہ ناقابل توسیع ہے**

۱۶۳ ف ۲۲۳۔ اس میں شک نہیں کہ من بعد جب کبھی تبنیت کے یہ واقعات پیش آئے کہ بیوہ نے اپنے شوہر کی بلا صریح اجازت کے ایسا کیا تو اس کی کوشش کی گئی کہ یا تو اس مقدمے کو مذکورالصدر تجویز کے تحت لائیں یا اس سے خارج رکھیں۔ میں نے بہ صیغۂ واحد لفظ تجویز عمداً اس لئے کہا ہے کہ واقعتاً صرف ایک امر کا تصفیہ کیا گیا اور وہ یہ کہ اکثر سپنڈوں کی رضامندی کافی ہے۔

خسر کے لئے بھی عالیہ عدالت بمبئی نے یہ قرار دیا ہے کہ اگر وہ زندہ ہو تو موثر رضامندی دینے کا مجاز ہے۔ ایسی رضامندی کو اس کے مرنے کے بعد قابل نفاذ نہیں تصور کیا جا سکتا[1]۔ علی ہذا متوفی سپنڈ کی رضامندی جو سابق میں حاصل کی گئی ہو تبنیت کو جائز کرنے کے لئے موثر نہ ہوگی جس کو ان اشخاص نے پسند نہ کیا ہو جو بر وقت تبنیت نزدیک تر سپنڈ ہیں[2]۔ اگر کوئی بیوہ سپنڈوں کی رضامندی کے بغیر متبنیٰ لے تو من بعد حاصل کی ہوئی رضامندی تبنیت کو جائز نہیں کر سکتی[3]۔

مدراس کے ایک مقدمے میں (جو رامناد مقدمے کے فیصلے کے فوری بعد پیش ہوا تھا) اس کی کوشش کی گئی کہ اس نظریے کو کسی نہ کسی طرح وسعت دے کر یہ قرار دیا جائے کہ سپنڈوں کی رضامندی قطعاً غیر ضروری تھی، اور یہ کہ بیوہ خود اپنے اختیارات کی بنا پر متبنیٰ لے سکتی تھی۔ لیکن عدالت نے قانون کو اس سے آگے لے جانے سے انکار کیا جو اس

---

[1] لکشمی بائی بنام وشنو واسدیو ۲۹ بمبئی صفحہ ۴۱۰۔ اس کے قبل ۱۸۸۲ء میں برہم جی بنام گھاموکا فیصلہ ہوا تھا۔ اس فیصلے کی اسی عدالت نے ۱۹۲۵ء میں تصدیق کی ایشور داد و بنام گاجابائی۔ ۵ بمبئی صفحہ ۳۶۸ اجلاس کامل جس میں یہ تصفیہ کیا گیا کہ ۱۸۸۲ء کا فیصلہ یادو بنام نامدیو (۱۹۲۱ء ۴۹ کلکتہ صفحہ ۱) سے منسوخ نہیں ہوا۔ مقدمۂ یادو میں پریوی کونسل نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ بمبئی کے مرہٹہ حصوں میں اور گجرات میں اگر شوہر نے صراحتاً منع نہ کیا ہو تو ہر صورت میں بیوہ قرابتداروں کی رضامندی کے بغیر متبنیٰ لے سکتی ہے ان خیالات کو ایشور داد و کے مقدمے میں تجویز قرار دیا گیا۔
ونیز دیکھئے بالا انا بنام اکو بائی ۱۹۲۶ء۔ ۵ بمبئی صفحہ ۲۶۷۔ از مترجم۔

[2] رامی بنام سبا رائر ۲۶ مدراس صفحہ ۱۲۵۔

[3] مداسامی پلے بنام چنا گوندن ۴۴ مدراس لا جرنل صفحہ ۲۵۵۔

فیصلے میں بیان کیا گیا تھا جس میں شوہر کے سپنڈوں میں سے اکثر کی رضامندی موجود تھی کہ تبنیت اس کی جانب سے مکمل کی جائے۔"

**مقدمۂ ٹراونکور**

۱۶۳۔ دوسرا مقدمہ ٹراونکور کی عدالتوں میں پیش ہوا، جہاں بیوہ نے اپنے شوہر کے مشترک بھائی کی رضامندی کے بغیر البتہ علیحدہ شدہ بھائیوں کی رضامندی سے تبنیت مکمل کی۔ عدالت نے فیصلہ جات عالیہ عدالت اور پریوی کونسل بمقدمۂ رامناد کا توازن کرنے کے بعد اجازت کے کافی ہونے کے خلاف فیصلہ فرمایا۔

**بزرگ خاندان راضی ہونا چاہیے**

چیف جج نے اولاً یہ بیان کیا کہ ہندو قانون میں عورت کلیۃً حالت حضانت میں رہتی ہے۔ باپ کی حضانت سے گزر کر شوہر کے زیر نگرانی آتی ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد

۱۶۴ بزرگ خاندان کے تحت۔ اتنا بیان کرکے یہ ظاہر فرمایا کہ خسر کے نہ ہونے کی صورت میں پسماندگان میں بڑا بھائی لازماً بزرگ ہونا چاہیے۔ انھوں نے فرمایا کہ "تب مجھ پر یہ امر واضح ہے کہ جس رشتہ دار کی رضامندی کی قانون نے اس فعل کے لئے ضرورت ظاہر کی ہے وہ ایسا ہوگا جو اس کی بیوگی کے زمانے میں اس کی پرورش کا ذمہ دار ہوگا اور اس کی اولاد اناث کے اخراجات ازدواج برداشت کرے گا علیحدہ شدہ رشتہ دار کی صورت مختلف ہوگی کیونکہ کوئی خاص شخص اس صورت میں اس پر قابو رکھنے کا مدعی نہیں ہو سکتا یا نہ اس کی پرورش کا بار کسی پر عائد ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ بوجہ اشتراک خاندان فطری اور قابل وقعت محافظ حسب احکام شاستر پسماندہ بھائی ہے۔ یا اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کا سب سے بڑا اس امر کی تصدیق مجھ کو ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ بیوہ کی پرورش کی و دیگر فرائض خاندان کی انجام دہی کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ نہ تو مشورہ دینے کا حق ہے اور نہ یہ حق ہے کہ بیوہ کے فعل پر ایسے اہم معاملے میں قابو رکھا جائے۔ جب کہ اس فعل سے ایک اجنبی شخص خاندان کی جائداد کا

---

لہ۔ ارنداوی بنام کپال ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۲۳۔ اور پرامسرا بنام رنگرامیہ ۲ مدراس صفحہ ۲۰۶۔ وینکٹ کرشنا بنام انا پرنا ۲۳ مدراس صفحہ ۴۸۶۔

باب پنجم

مدعی ہوتے ہوئے خاندان میں داخل ہو رہا ہو۔"[1] یہ دیکھا جائے گا کہ اس استدلال کو پریوی کونسل نے پسند کیا اور ذیل کے مقدمے میں اس کی پیروی بھی کی۔

**مقدمہ برہام پور**

**دفعہ ۱۲۵**۔ دوسرا مقدمہ اسی قسم کا تھا جس کی توقع جوڈیشل کمیٹی نے اپنے اس اظہار رائے میں ظاہر کی تھی جس کا اقتباس اوپر کیا گیا، اور وہ بالکل اسی طرح کا تھا جس نوع کا مقدمہ ٹراونکور تھا۔ خاندان مشترک حالت میں تھا اور خسر کی رضامندی معدوم[2] تھی۔ اس میں زمیں دار چیناکمڑی کے انتقال پر اس کی ایک زوجہ تھی۔ ایک بھائی اور ایک بعید غیر منقسم سپنڈ جو پداکمڑی کا زمیں دار تھا۔ اس کے سوا کوئی اور سپنڈ نہ تھے۔ متوفی اور اس کا بھائی مشترک تھے۔ لہٰذا اگر متبنیٰ نہ لیا جاتا تو بھائی وارث ہوتا۔ بیوہ نے پداکمڑی کے زمیں دار کے لڑکے کو متبنیٰ لیا اور اس کا اعتراف ہے کہ یہ کام بھائی کی رضامندی کے بغیر کیا گیا۔ بیوہ نے اس کا ادعا کیا کہ وہ شوہر کی طرف سے تحریراً مجاز کی گئی ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر کیا کہ اس اختیار کے بغیر بھی وہ متبنیٰ لے سکتی تھی کیونکہ رامناد کے فیصلے کے مفہوم میں اس نے کافی طور پر سپنڈوں کی رضامندی حاصل کر لی تھی۔ عدالتِ ماتحت نے ان دونوں امور کے متعلق اس کے برخلاف تجویز کی۔

**عدالت عالیہ**

۱۲۵ بہ صیغۂ مرافعہ عدالت عالیہ یہ خیال کرنے پر مائل تھی کہ اختیار ثابت ہے۔ لیکن عدالت تحت کے فیصلے کو یہ وجہ قرار دے کر منسوخ فرمایا کہ پداکمڑی زمیں دار کی رضامندی (جیسا کہ لڑکا دینے سے ظاہر ہے) کافی تھی۔ عدالت نے جلد ۷ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۰۱ میں یہ قرار دیا اور یہ ضروری تھا کہ اس طرح قرار دیا جائے (۱) کہ ایک سپنڈ کی رضامندی کافی تھی (۲) حقوق جائداد کے لحاظ سے متوفی سے قربت قطعی مسئلے سے باہر تھی۔ اس خاص مقدمے میں رضامندی ظاہر کرنے والا سپنڈ نہ صرف نزدیک ترین سپنڈ نہ تھا بلکہ کسی طرح سے فوری بعد کا

---

[1] ۔ راماسوامی این بنام بھاگتی امل جلد ۸ مدراس جرنل صفحہ ۵۸۔

[2] ۔ راگھونادھا بنام بروزوکشور ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۴۔ جلد ۱ مدراس صفحہ ۶۹۔ ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۲۹۱۔ ونیز دیکھئے پیرالال بنام پیاری لال ۱۹۲۹ء جلد ۵۱ الہ آباد صفحہ ۱۱۱۔

باب پنجم

وارث نہ تھا کیونکہ علیحدہ ہونے کے سبب سے وہ بیوہ کے بعد تک وارث ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

جوڈیشل کمیٹی

ف ۱۲۶ جوڈیشل کمیٹی نے سماعت مرافعہ پر یہ قرار دیا کہ تحریری اجازت ثابت کی گئی ہے لہٰذا قانونی سوال پر غور کرنا بے ضرورت تھا لیکن یہ بھی رائے ظاہر کی گئی کہ جن نظریوں کا اظہار عدالت عالیہ نے کیا وہ معقول نہ تھے۔ اس کے بعد انھوں نے اس سے اپنا اختلاف ظاہر فرمایا[1]۔

اولاً انھوں نے اپنی رائے کو مکرر بیان کیا کہ بیوہ سے لڑکا پیدا کرانے کے رواج سے جو قیاسات (Speculation) اخذ کئے گئے ہیں (جس پر جسٹس ہالووے نے دوبارہ اپنی رائے کو مبنی کیا تھا) عدالتی فیصلے کی بنیاد کے لئے ناقابل ادخال تھے۔ انھوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ اس رواج کی تشبیہ سے ان نتائج کی تائید نہیں ہوتی جو اس سے اخذ کئے گئے۔ "اکثر کتابیں ماموریٔ شدہ رشتہ دار کا ذکر کرتی ہیں۔ کس کے مامور شدہ؟ اگر ہم ٹلکچک سے اس طرف جائیں اور خیالات کو جولانی دے کر دیکھیں کہ اس وقت کیا ہوا۔ تو ہمارے پاس یہ فرض کرنے کے لئے معقول وجوہ نہ ہو سکیں گے کہ یہ ہندو بیوہ جو اپنے متوفی شوہر کے لئے تخم پیدا کرانے کی متمنی ہوتی تھی ہمیشہ اس قدر آزاد ہوتی تھی کہ کسی ایک سپنڈ کو باوجود بعد کے اپنے صوابدید پر ہم بستری کے لئے مدعو کرتی تھی[2]، اور یہ کہ اس کی رضامندی خود اس کے فعل کی کافی اجازت تھی"۔

"بہرحال مثبت اجازت جیسی ازیں کوئی چیز قائم نہیں کرتی کہ حسب قانون مدراس ایک بیوہ جس کے پاس اس کے شوہر کی اجازت نہ ہو اس کے لئے جائز طور پر متبنیٰ لے سکتی ہے اگر رشتہ داروں نے اجازت دی ہو۔ مدراس کا قانون اس خصوص میں بنگال کے سخت تر قانون اور بمبئی کے وسیع تر قانون کے بین بین ہے۔ اگر اس مسئلے کا فیصلہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی جو اس مقدمے میں نہیں ہے تو

---

[1] جلد ۳ مرافعہ جات ہند مدہ ۱۹ صہ ۱۹۲

[2] گوتم نے بصراحت اعلان کیا ہے کہ "لڑکا جو بیوہ سے دوسرے بعید رشتہ دار نے پیدا کرایا ہو جب کہ شوہر کا بھائی زندہ تھا وراثت سے خارج ہے"۔ باب ۲۸ ف ۲۳۔ دیکھو ف سابق۔

باب پنجم

حکام عالی مقام اس اصول سے اختلاف کرنے پر راغب نہ ہوں گے جس کو مقدمۂ

**غیر شریک رشتہ دار کی دی ہوئی اجازت کافی نہیں**

ٹراونکور میں تسلیم کیا گیا۔ یعنے یہ کہ غیر منقسم خاندان کی ۱۶۶
صورت میں اس ضروری اجازت کو خاندان ہی میں حاصل کرنا چاہیے مشترک اور غیر منقسم خاندان ہندو سوسائٹی کی اعتدالی حالت ہے۔ ایک غیر منقسم خاندان معمولاً نہ صرف جائداد میں مشترک ہوتا ہے بلکہ خورد و نوش اور عبادت میں بھی۔ لہٰذا نہ صرف جائداد مشترکہ کے کل کاروبار بلکہ جو کچھ ان کے باہم خورد و نوش (Commensality) اور مذہبی فرائض کی انجام دہی سے متعلق ہے ان سب کا انتظام اس کے ارکان کو کرنا چاہیے یا نہیں تو منتظم خاندان (کرتا) جسے انھوں نے صراحتہً یا کنایتہً انتظام تفویض کیا ہو۔ ہندو زوجہ شادی ہونے ہی اس خاندان میں منتقل ہو کر اس کی رکن ہو جاتی ہے۔ بہ حیثیت بیوہ کے اس کو اپنے نفقے کا دعویٰ اس خاندان پر ہوتا ہے۔ قانون کے سخت ترین تصور میں اس کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اسی ہی خاندان میں بسر کرے۔ ظن غالب یہ ہے کہ وہ اسی خاندان کے ارکان میں سے اپنے ان مشیروں اور محافظین کی تلاش کرے جن کی قانون نے اس کے لئے ضرورت ظاہر کی ہے۔ اس نتیجے کے خلاف کہ ایسی غرض کے لئے جواب زیر غور ہے وہ اپنی مرضی سے اس غیر منقسم خاندان سے باہر جا کر اپنے شوہر کے بعید اور علیٰحدہ رشتہ دار سے ضروری اجازت حاصل کر سکتی ہے وجوہ مذکور الصدر بہت قوی معلوم ہوتے ہیں[1]۔

**صوابدید کا استعمال**

موجودہ مقدمے میں ایسی رضامندی کے ناکافی ہونے کے خلاف مزید وجہ ہے۔ سب اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ شوہر کے کسی نہ کسی

[1] جس سے خاندان کی کل شاخیں متوفی شوہر اور خود ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہو گئی ہوں تو مدراس کی عدالت عالیہ نے یہ تجویز کی ہے کہ نیک نیتی سے جو رضامندی تقسیم شدہ رکن سے حاصل کی گئی ہو کافی ہے جب کہ دوسروں نے برے اور ناجائز ارادے سے رضامندی دینے سے احتراز کیا ہو۔ ویراسارا بنام رنگراجہ ۲ مدراس صفحہ ۲۰۲ البتہ بیوہ کو چاہیے کہ ہر سپنڈ سے رضامندی کے لئے درخواست کرے اور یہ علم کہ وہ انکار کرے گا اس کو اس وجوب سے بری الذمہ نہیں کرتا۔ سبرامینم بنام ونکما ۲۶ مدراس صفحہ ۶۲۷۔

ششم

رشتہ دار کی رضامندی ضروری ہے کسی کام کی اجازت دینے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ صوابدید کا استعمال بھی حاصل ہوتا ہے کہ آیا وہ فعل کیا جانا چاہیئے یا نہیں موجودہ مقدمے میں ایسی صوابدید کا استعمال ظاہر نہیں ہے جو کچھ ہم کو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مہادیوی نے یہ ظاہر کرکے کہ اس کے پاس شوہر کی تحریری اجازت متبنٰی لینے کے لئے موجود ہے پداکمڑی کے راجہ سے درخواست کی کہ وہ اپنا لڑکا تبنیت میں دے اور وہ ایک ایسا لڑکا حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی کسی چیز سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ راجہ نے یہ خیال بھی کیا تھا کہ وہ متبنٰی لینے کی اجازت دے رہا تھا جس کی بیوہ کو اس کے شوہر کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں ضرورت ہوئی"۔

۱۶۷ وہ خیالات جن کا ابھی اقتباس کیا گیا بیوہ کے اس عذر کرنے میں دشواری کا باعث ہوتے ہیں۔ اولاً۔ کہ اس کے پاس متبنٰی لینے کے لئے اس کے شوہر کی صریح اجازت موجود تھی ثانیاً۔ کہ اگر اس کے پاس اجازت نہ بھی تھی تو اس کمی کی تکمیل رشتہ داروں کی اجازت سے ہوگئی تھی چنانچہ بعد کے ایک مقدمے میں جس کا فیصلہ جوڈیشل کمیٹی نے کیا[1] تبنیت اس بنا پر منسوخ کی گئی کہ منتظم رکن خاندان کی رضامندی (جو اور طرح سے کافی ہوسکتی تھی) بیوہ نے یہ ظاہر کرکے حاصل کی کہ اس نے اپنے متوفی شوہر سے اجازت حاصل کرلی تھی۔ اس قسم کا اختیار فی الواقعی نہیں دیا گیا تھا۔ اس مقدمے میں جوڈیشل کمیٹی نے یہ ظاہر کیا کہ بیوہ یہ کہنے کی مجاز نہ تھی کہ اس نے اپنے متوفی شوہر کے بھائی کی رضامندی کی خواہش نہیں کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ انکار کرے گا۔ اور اس کے متعلق اب بورڈ نے ایک بعد کے مقدمے میں صراحۃً فیصلہ کیا ہے[2]۔ اس مقدمے میں حکام عالی مقام نے فیصلہ جات کے نتائج کو یکجا کرکے ان کو مسلمات (Propositions) قرار دیا ہے کہ غیر منقسم خاندان کی صورت میں

**خلاصہ** | بیوہ کو چاہیے کہ ضروری اجازت خاندان کے اندر حاصل کرے۔

[1] کرونبھدی بنام رسا ما نیر جلد ۷ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۷۳۔ صدر کورٹ ۲ مدراس صفحہ ۲ وسکٹ لکشما بنام نرسیاہ مدراس صفحہ ۲۴۵ و جونا لگدا سبر امنیم ۳۰ مدراس صفحہ ۵ ۳۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲۔

[2] دبرابا سوا امرتو بنام بالا سریا پرا سالارا ؤ جلد ۴۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶۵ صدر کورٹ ۴۱ مدراس صفحہ ۹۹۔

باب پنجم

بیوہ کو چاہیے کہ وہ اسی خاندان کے ارکان میں سے اپنے مشیر اور محافظین کی تلاش کرے۔ جن کی قانون نے اس کے لئے ضرورت ظاہر کی ہے، اور یہ کہ وہ من مانے غیر منقسم خاندان سے باہر جاکر اپنے شوہر کے بعید اور علیحدہ شدہ رشتہ داروں سے ضروری اجازت حاصل نہیں کر سکتی۔ جب بیوہ کی غیر منقسم خاندان میں یہ حالت ہو تو اس پر کونسے قیود عائد ہوتے ہیں اگر اس کا شوہر اپنے رشتہ داروں سے علیحدگی کی حالت میں فوت ہوا ہو یا تقسیم سے اس کی غیر مختارانہ شخصیت adhin پر اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ اس کو مختارانہ حیثیت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اس جائداد کے سلسلۂ وراثت کو بدل دے جس پر وہ اپنے شوہر کی بیوہ کی حیثیت سے قابض ہوتی ہے۔ وہ پھر بھی اپنے شوہر کے نزدیک ترین سپنڈوں کے مشورے اور محافظت کے لئے محتاج ہوتی ہے۔ یہ لوگ اس کے شوہر سے خون کے تعلق کی وجہ سے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ یا بہ زبان ہندو مقننین جسمانی اجزا کے اشتراک کی وجہ سے۔ اگر متوفی کا باپ اس وقت تک زندہ ہو تو ۱۶۸
وہ اس کا فطری ولی اور ذی وقعت محافظ باقی رہتا ہے۔ مزید براں اس کو جائداد کی حفاظت کرنے میں براہ راست دلچسپی ہے۔ کیونکہ اگر وہ (بیوہ بہو) مر جائے اور اس کے پسماندوں میں لڑکی نہ ہو۔ یا متوفی شوہر کی ماں نہ ہو تو اس کو خود عود کا حق حاصل ہے۔ لہذا اس تبنیت کے جواز کے لئے جو بیوہ اپنے شوہر کے لئے انجام دے اس کی (خسر) اجازت بدرجۂ اتم ضروری ہے۔ اگر باپ نہ ہو تو علیحدہ شدہ برادران خون کے تعلق کی وجہ سے بہ لحاظ اس کے کہ وہ نزدیک ترین سپنڈ ہوتے ہیں اس کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔ وہ اس کے فطری اولیا، اور اس کے حقوق کے محافظین بن جاتے ہیں۔ وراثت کی حفاظت کے لئے بھی انھیں حق حاصل ہوتا ہے۔ بنا براں باپ کے نہ ہونے کی صورت میں منقسم بھائیوں کی رضامندی جواز تبنیت (بیوہ) کے لئے مساوی طور پر ضروری ہے۔ اگر اکثریت راضی ہو اور ایک انکار کرے تو اس کے اعتراض سے اغماض کیا جا سکتا ہے۔ لیکن رضامندی کے عدم کی (یا اس صورت میں جب صرف ایک ہی ہو تو اس کی رضامندی کے عدم کی) تکمیل ایسے رشتہ داران بعید کی رضامندی اور اجازت دینے سے

باب پنجم

جن کا تعلق بہت ہی دور کا ہو نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ بیوہ کی بھلائی کے لئے یا متوفی کے فوائد روحانی کے لئے یا جائداد کی حفاظت کے لئے۔ ان کی دلچسپی خفیف قسم کی ہوتی ہے۔ دنیز اس کا زیادہ امکان ہے کہ ان کی رضامندی برے اثرات کے تحت حاصل کی گئی ہو۔ اس کے یہ معنے نہ لئے جانے چاہئیں کہ نزدیک کے سپنڈ کی رضامندی جو اس امر کے متعلق درست فیصلہ کرنے کے ناقابل ہے (مثلاً ایک نابالغ یا مجنون) یا تو کافی ہے یا ضروری۔ نہ اس سے یہ رائے خارج ہوتی ہے کہ جب ایک نزدیک کے رشتہ دار کے متعلق یہ ثابت ہو کہ اس کی اس کام کے لئے وجوہ تحریک خراب یا حاسدانہ تھے تو اس کے متفق نہ ہونے کا کوئی لحاظ نہ کیا جانا چاہیے" اور نہ اس سے وہ صورتیں ملحوظ ہیں جن میں نزدیک ترین سپنڈ اتفاقاً اس وقت کسی دور و دراز مقام میں ہو اور بغیر بڑی مشکل کے یہ ناممکن ہو کہ اس کی رضامندی حاصل کی جائے۔ یا جب کہ وہ سزا یافتہ ہو یا قید کی مدت بھگت رہا ہو۔ جس رضامندی کی ضرورت بتلائی گئی ہے اس سے مراد ان نجیدی قریب ترین رشتہ داروں کی معتدبہ کثرت کی رضامندی ہے جو اس قابل ہیں کہ اس امر کے متعلق ایک عاقلانہ اور نیک نیتی سے رائے قائم کر سکیں[1]"

مقدمۂ گنتور

ف ۱۲۷۔ برہام پور کے مقدمے کے بعد ایک مقدمے میں کوئی بھی یہ خیال کر سکتا تھا کہ ہر چیز اس قدر موافق ہے کہ تبنیت کا جواز خارج از بحث ہے۔ خاندان کی تقسیم ہو چکی تھی۔ تمام سپنڈوں نے رضامندی دی تھی اور قابض جائداد اشخاص کو کوئی بھی حقیت نہیں تھی۔ لیکن عالیہ عدالت نے بوجہ ذیل تبنیت کو منسوخ فرمایا "یہ کہ بیوہ نے ایسی رضامندی کو ثابت نہیں کیا جس سے (اگر ان الفاظ کا اقتباس کیا جائے جو پریوی کونسل نے مقدمۂ رامناد کے فیصلے میں استعمال کئے تھے) یہ قائم ہوسکتا کہ بیوہ نے "مذہبی فرائض کی صحیح اور نیک نیت انجام دہی میں اس کام کو کیا تھا" ۱۶۹

تبنیت کے لئے مذہبی وجہ تحریک

اور یہ کہ بیوہ نے اپنے شوہر کے لئے جائز طور پر

[1] اودو سوملی کرشنیا بنام اودوسوملی لکشمی پتی جلد ۷ سہ ماہی جات ہند ۱۹ ۳م مدراس ۱۵؁ پی۔ سی۔

اور نیک نیتی سے مذہبی فرائض انجام دینے کے لئے کوئی بیقراری یا خواہش ظاہر نہیں کی بہ ظاہر اس کی یہ غرض تھی کہ خود کی وفات تک جائداد پر قابض رہے اور اس کے بعد مدعی کے سلسلے میں اس کو جاری رکھے۔ یہ فیصلہ مرافعے میں منسوخ کیا گیا۔ پریوی کونسل نے اس کی وضاحت کرنے کے بعد کہ واقعات مقدمہ سے عدالت عالیہ نے اس استنباط کو ثابت نہیں کیا جو ان سے اخذ کئے گئے تھے۔ یوں فرمایا:-

**جوڈیشل کمیٹی**

پس جب ایسا ہے تو عدالت عالیہ کے لئے مقدمہ رامناد کے فیصلے کی ایک خاص عبارت کا اطلاق کرنے کے لئے کوئی دلیل بھی ہے؟ عبارت ذیل مسئلہ شاہد ایسی واضح نہیں ہے جیسے کہ وہ ہوسکتی تھی۔ بہر حال قرابت داروں کی عطا کی ہوئی اجازت پر جو ضروری تھی کمیٹی غور کر رہی تھی۔ مسئلہ بحث طلب (Vexata quaestio) پر غور کرنے کے بعد جو اس مقدمے میں پیدا ہی نہیں ہوتا\ یہ کہ آیا جائداد خاندان مشترک کی صورت میں ایسی تبنیت ایک یا ایک سے زائد سپنڈوں کی رضامندی سے ہوسکتی ہے؟\ انھوں نے اس پر غور فرمایا کہ ذاتی جائداد کی صورت میں کس قسم کی رضامندی ضروری ہوگی اور یہ بیان کرنے کے بعد کہ خسر کی رضامندی غالباً کافی ہوگی انھوں (عدالت عالیہ) نے کہا اس صورت کے لئے جب کہ خسر موجود نہ ہو کسی اٹل قاعدے کا وضع کرنا آسان نہیں ہے۔ ہر ایسی صورت کا انحصار خاندان کے حالات پر ہوگا جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ سپنڈوں کی رضامندی کی ایسی شہادت ہونی چاہیے جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ بیوہ نے اس کام کو بطور جائز اور نیک نیتی سے ایک مذہبی فرض کی انجام دہی میں کیا ہے' اور یہ کہ نہ تو وہ تلون سے کیا گیا اور نہ بدنیتی سے۔ اس مقدمے میں کسی تنقیح سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رضامندی خریدی گئی تھی اور نیک نیتی سے حاصل نہیں کی گئی (گویا شہادت مطلوبہ کا تعلق بیوہ کی بری نیت سے نہیں ہے) حکام عالی مقام یہ خیال کرتے ہیں کہ ان مقدمات تبنیت پر غور کرتے وقت ان خاص وجوہ تحریک کے نازک مسائل کو جو بیوہ کے ذہن پر اثر ڈال رہے ہوں داخل کرنا پر از خطر
۱۷۰ ہوگا، اور یہ کہ اس کمیٹی نے مقدمہ سابق میں جو کچھ کہنا چاہا وہ یہ تھا کہ سپنڈوں کی رضامندی کا ایسا ثبوت ہونا چاہیے جس سے اس استنباط کی تائید ہوسکے کہ

باب پنجم

تبنیت بیوہ کی تکمیل کی ہوئی تھی، اور یہ کہ بیوہ نے اس کام کو نہ تو تلون سے، نہ بدنیتی سے، اور نہ اس خیال سے انجام دیا کہ اس یا اُس سپنڈ کی حقیت کو شکست ہو۔ بلکہ بذریعۂ تبنیت متوفی شوہر کے لیے وارث قائم کرنے کی ضرورت پڑا اور وہ بھی مناسب مشورۂ خاندان کے غور کے بعد۔ اگر ایسا ہی ہو تو یہ قیاس کرنے کے لئے وجہ موجود ہے کہ موجودہ مقدمے میں بیوہ اور سپنڈوں دونوں نے اس پر لحاظ مناسب کیا، اور حکام عالی مقام یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسے مقدمے میں یہ قیاس قائم کیا جانا چاہیے کہ اس نے ایسی مناسب وجہ تحریک پر عمل کیا جو ایک ہندو عورت کی ترغیب کا باعث ہونی چاہیے، اور یہ کہ بہرصورت یہ قیاس لازماً قائم کیا جانا چاہیے تا ایں کہ اس کے خلاف ثابت ہو۔"[۱۱۶]

## وجہ تحریک پر بحث

ف ۱۲۸۔ اب بھی یہ سوال صاف نہیں معلوم ہوتا کہ آیا حکام عالی مقام کی یہ رائے ہے کہ وہ وجہ تحریک جو بیوہ کے ذہن کو تبنیت کے وقت متاثر کرتی ہے، اس کے جواز پر اثر ڈال سکتی ہے۔ بالخصوص جب کہ اس نے ضروری مقدار میں رضامندی حاصل بھی کی۔ یعنے آیا وہ شہادت قابل ادخال ہو گی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بیوہ نے ان مذہبی فوائد سے اغماض کیا جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تبنیت سے جدی ہو کر شوہر کو مستفید کرتے ہیں۔ یا ایں کہ وہ تبنیت کے ایسے اثر کے متعلق معتقد نہ تھی، اور یہ کہ تبنیت سے اس کی حقیقی غرض اور صرف یہ غرض تھی کہ اس کی وقعت اور حیثیت میں اضافہ ہو، اور یہ کہ اپنے مرحوم شوہر کی جائداد رشتہ داران بعید پر منتقل نہ ہو سکے۔ جو بھی نتائج مذکورالصدر عبارتوں سے اس کے خلاف اخذ ہوں ان کا احترام کرتے ہوئے مجھ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوڈیشل کمیٹی یہ قرار دینا نہیں چاہتی تھی کہ اس قسم کی شہادت اہم ہو گی یا قابلِ ادخال۔ ان تمام

[۱۱۶]۔ ولنکی بنام وینکٹ رام جلد ۴ مرافعہ جات ہند ص ۱۳۱؛ جلد ۱ مدراس ص ۱۷۴؛ ۲۶ سدرلینڈ ص ۲۱۔ اس مقدمے میں ایک شوہر لڑکا چھوڑ کر فوت ہوا تھا۔ فیصلے نے یہ قرار دیا کہ جس طرح ایک لڑکا نہ ہونے کی صورت میں سپنڈ اجازت دے سکتے تھے اسی طرح وہ اس وقت بھی مجاز تھے جب کہ لڑکا مر جاتا۔

فیصلوں کا بادی النظر میں یہ نتیجہ اخذ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مثل ایک عدالتی فیصلے کے
تبنیت کے فعل کو درست سمجھنے کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ سپنڈوں کی رضامندی
ضروری ہے۔ سپنڈ سے مشورہ کرنے کی غرض یہ ہے کہ خاندان کے مفاد میں مجوزہ ۱۷۱
تبنیت کی ضرورت پر آزادانہ رائے حاصل کی جائے۔ بنابراں اگر وہ ناجائز وجوہ تحریک
کے جو اس کی ذات سے متعلق ہوں زیر اثر ہو تو اس کی رضامندی سے تبنیت جائز نہیں
ہو سکتی اور نہ اس کے انکار سے وہ ناجائز ہو سکتی ہے۔ بدرجۂ اتم اگر یہ ثابت ہو کہ
اس کا تصفیہ فریب یا رشوت سے حاصل کیا گیا[1] عدالت عالیہ مدراس نے ایک تبنیت کو
اس بنا پر منسوخ کیا کہ سپنڈوں کی رضامندی جو جواز تبنیت کے لئے ضروری تھی قیمتی بدل
کے عوض حاصل کی گئی[2] فیصلۂ عدالت پر فریقین مقدمہ کے منشا کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ بیوہ پر
اثر ڈالنے والے وجوہ طفلانہ ہو سکتے ہیں یا حاسدانہ بھی لیکن جو کچھ خاندان تصفیہ کرتا ہے وہ
اس کے فعل کی مناسبت کے متعلق نہ کہ وجوہ کی موزونیت کے متعلق چنانچہ پریوی کونسل نے
مدراس کے ایک مقدمے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ واقعہ کہ بیوہ نے اکلوتے لڑکے کو متبنیٰ لیا اس کے
جواز پر موثر نہیں ہے کیونکہ اولاً تو وہ خلاف قانون نہیں ہے اور ثانیاً اس نے
سپنڈوں کی ضروری رضامندی حاصل کی تھی۔ گو ایسی تبنیت خلاف مذہب اور

**تبنیت جو باعث گناہ ہو**

پر از گناہ تھی۔ اس رضامندی سے اس کو ایک ایسی قوت
حاصل ہوئی تھی جو اس کے شوہر کے اختیار کے ہم پلہ تھی[3]۔
اس کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مقدمات جن میں تبنیت
اس وجہ سے ناکام ہوتی ہے کہ متبنیٰ لینے کا اختیار نہ تھا ان سے الگ ہیں جن میں ایک
شخص مجاز عطا کرتا ہے۔ یا قبول کرتا ہے مگر قابل اعتراض وجوہ تحریک کے تحت۔ گو وہ
دینے یا قبول کرنے کے لیے پوری طرح مجاز ہو۔ مقدمۂ مابعد میں یہ ظاہر کیا گیا کہ

---

[1] ۔ وینکٹ لکشما بنام نرسیاہ مدراس ص۵۴۵ وینکیا بنام سبرامینم ۴۳ مرافعہ جات ہند ص۲۲۔ ۳۰ مدراس ص۵۰ وینکٹ رام راجو بنام بیما ۲۷ مدراس لاجرنل ص۲۳۵۔

[2] ۔ وناکوٹی امل بنام بالاسندرا مدلیر ۲۲ مدراس ص۱۹۔

[3] ۔ بالاسوگرو لنگا سوامی بنام پی رام لکشما ۲۶ مرافعہ جات ہند ص۱۱۳۔ ۲۲ مدراس ص۳۹۸۔

ضمیمہ

جس معاہدے کے تحت تبنیت مکمل کی گئی وہ ناجائز ہو سکتا ہے لیکن بر ایں ہم خود تبنیت جائز تھی۔[1]

بمبئی میں جہاں بیوہ اپنے صوابدید پر کوئی کام انجام دیتی ہے کچھ عرصے تک یہ قاعدہ تھا کہ اس کا ثبوت کہ تبنیت کی تکمیل میں اس کے عمل کا منشا اچھا نہ تھا
۱۷۲ اس تبنیت کو ناجائز کر دے گا۔ تاہم عدالتیں اس کے افعال اور وجوہ تحریک کی جانبدارانہ تاویل کرنے میں اس قدر فیاض ہو گئیں کہ بظاہر کوئی ایسا مقدمہ پیدا نہیں ہوا جس میں تبنیت ایسی وجہ کے لئے منسوخ کی گئی ہو۔[2] کل مسئلے کا ۱۸۹۸ء میں اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا۔ اس وقت یہ تصفیہ فرمایا گیا کہ اس کے مقاصد پر ہر قسم کی بحث غیر متعلق ہے کیونکہ تبنیت سے اس کے شوہر کو وہ تمام مذہبی فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ متمنی ہو سکتا تھا۔[3]

**کیا تبنیت کے لئے مذہبی تحریک ضروری ہے**

دفعہ ۱۲۹ جیسا کہ توقع کی جا سکتی تھی ہندو مقدمہ بازوں کی ذکاوت (ingenuity) پھر اس جانب مبذول ہوئی کہ سپنڈوں کی رضامندی کو ناجائز قرار دیا جائے بنا بر اں ایک تبنیت جو بیوہ نے منتظم رکن کی رضامندی سے مکمل کی تھی ان کے مابین اس بنا پر منسوخ کی گئی کہ اس نے رضامندی تو دی تھی مگر ذاتی مفاد کی وجہ سے۔ اگرچہ اس غیر منقسم خاندان کا صرف یہی ایک بالغ سپنڈ تھا۔[4] لیکن جب رضامندی جائز ہو اور نیک نیتی سے دی گئی ہو تو اس پر اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے دینے میں

---

[1] مروگپا بنام ناگپا ۲۹ مدراس ص ۱۶۱۔ و نیز دیکھئے دسواسندر راؤ بنام سوماسندر راؤ ۴۳ مدراس ص ۸۰۲۔

[2] وتھو با بنام باپو ۱۵ بمبئی ص ۱۱۰۔ بھیل وندرائون جیکسن بنام مانی لال ۱۵ بمبئی ص ۵۶۵ مہابلیشور بنام درگا بائی ۲۲ بمبئی ص ۱۹۹ بھیوا بنام سگوا ۲۲ بمبئی ص ۲۰۲۔

[3] رام چندر بھاگون بنام ملگی نانا بھائی ۲۲ بمبئی ص ۵۵۸۔

[4] کرونِدھی بنام رتنامائیر جلد ۷ مرافعہ جات ہند ص ۵۷۳ صدر کورٹ ۲ مدراس ص ۲۰۲ اس کے خلاف ثبوت معدوم ہونے کی صورت میں یہ قیاس کیا جائے گا کہ اکثر بت نے رضامندی نیک نیتی سے دی تھی۔ وینکٹ کرشنما بنام انا پرنما ۲۳ مدراس ص ۴۸۶۔

مذہبی مقاصد نہیں تھے[1] میں نے قبل ازیں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ برہمنوں کے نظریوں کے لحاظ سے بھی صرف مذہبی وجوہ ہی باعث تبنیت نہیں ہوتے تھے۔ اور یہ کہ تمام غیر آریا اقوام میں اور ان فرقوں میں جو آریوں کے ایک طرح سے مخالفین ہوتے تھے مذہبی اغراض کو امر تبنیت سے قطعاً کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا[2] لیکن مزید براں جب ایک مذہبی فعل اور نتائج دیوانی بطور جزو لاینفک ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ فعل مذہبی یا دیوانی نتائج کے خیال سے اچھی طرح انجام
۱۷۳ دیا جائے۔ نہ صرف ایسا ہوگا بلکہ اگر وہ فعل فی الواقعی مکمل ہو چکا ہو تو دیوانی نتائج لازماً پیدا ہونا چاہییں ان نتائج کو فاعل کی غرض یا وجہ تحریک فعل سے تعلق نہ ہوگا۔ ہر ہندو کے لئے شادی اسی طرح کا فرض (سنسکار) ہے جیسے کہ تبنیت۔ یہ بحث نہیں کی جاسکتی کہ ایک ازدواج کے جواز (یا اس کے کوئی قانونی نتائج) پر کسی ایک فریق معاملہ کے وجوہ تحریک کا کچھ بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ جب ٹسٹ اور کارپوریشنس کے ایکٹس ('Test and Corporations Acts) نے ہر خدمت کے امیدوار کے لئے اصطباغ (Sacrament) لازم قرار دیا تو اس کی تحقیق کرنے کی نہ تو اجازت تھی اور نہ اہم کہ آیا اس شخص کے پیش نظر روحانی فوائد تھے یا دنیوی۔ عالیہ عدالت مدراس نے

---

[1] ویراسوا راجو بنام بالاسریا پرساد راؤ جلد ۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶۵ ۱۳ مدراس صفحہ ۹۹۔

[2] دیکھئے سابقہ صفحہ ۱۰۶ فقرہ ۱۱۶ میں نے قبل ازیں فقرہ ۱۱۶ میں یہ بیان کیا ہے کہ شمالی لنکا کے تامل باشندوں میں خود شوہر بیوہ جب وہ متبنیٰ لینا چاہتا تو لازم تھا کہ اپنے ورثا کی رضامندی حاصل کرے اور راضی ہونے والے اشخاص اپنی انگلیوں کو زعفران کے پانی میں ڈبوتے تھے جس سے ان کی رضامندی ظاہر ہوتی تھی۔ اگر رضامندی نہ دی جاتی تو مخالف فریقین کے حقوق وراثت پر اثر نہیں پڑتا تھا (دیکھئے تھیسا ولم باب ۱ دفعہ ۲)۔ غالباً جنوبی ہند میں ابتدائی قانون یہی تھا اگرچہ یہ برہمنی نظریۂ تبنیت (یعنے تبنیت ایک فرض ہے نہ کہ محض حق) کے داخل ہونے کے بعد وہ معدوم ہو گیا ہوگا۔ لیکن تبنیت منجانب بیوہ کے لئے سپنڈوں کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت اور اس رضامندی کے کافی ہونے کے مسائل قدیم قانون کی یادگاریں ہو سکتی ہیں اگر ایسا ہو تو یہ خیال کرنے کے لئے کہ تبنیت سے یا رشتہ داروں کی صاف ...ے سے مذہبی مقاصد کو کوئی واسطہ نہ تھا ایک مزید سبب ہو سکے گا۔ نمبدری برہمنوں کے متعلق دیکھئے جلد ۱۱ مدراس صفحہ ۱۵۷۔

مقدمۂ سرینواس بنام رنگاسوامی (۳۰ مدراس سنہ ۴۵) یہ تجویز فرمائی ہے کہ اگر ایک سپنڈ رضامندی دیتے وقت یہ معاہدہ کرکے اپنے کو صرف نقصان سے محفوظ کرے کہ متبنیٰ لڑکا اس جائداد مشترکہ میں حصے کا دعویٰ نہ کرے جو اس کے قبضے میں ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ رضامندی کی وجہ تحریک نادرست تھی یا خراب۔ اگر ایک سپنڈ نے رضامندی دے دی ہو تو وہ من مانے قبل اس کے کہ بیوہ نے اس پر عمل کیا ہو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔[1]

**مغربی ہند**

**ف ۱۳۰** مغربی ہند میں بیوہ کا اختیار تبنیت جنوبی ہند سے بھی زیادہ ہے۔ میوکھ و نرنسنت کے اسی حکم کی تشریح کرتے ہوئے۔ اس سے جیسا کہ قبل ازیں ف۱۱۲ میں بیان کیا گیا بالکل برعکس نتیجہ بمقابلۂ اس نتیجے کے جو نند پنڈت نے اخذ کیا ہے اخذ کرتا ہے۔ موخرالذکر یہ استنباط کرتا ہے کہ بیوہ کبھی متبنیٰ لے ہی نہیں سکتی کیونکہ وہ اپنے شوہر کی رضامندی حاصل کر ہی نہیں سکتی۔ مقدم الذکر (میوکھ) کا یہ استنباط ہے کہ اس امتناع کا اطلاق صرف شادی شدہ عورتوں پر ہوسکتا ہے کیونکہ صرف وہی ایسی رضامندی حاصل کرسکتی ہیں۔[2] تمام اسناد کو جمع کرکے بمبئی ہائیکورٹ کے اکثر مقدمات میں ان پر غائر نظر ڈالی گئی جن کا نتیجہ حسب ذیل ہے:۔

اولاً یہ کہ مرہٹہ ملک اور گجرات میں بیوہ جو اپنے شوہر کی جائداد کی وارث (تنہا یا بالاشتراک) ہوئی ہو شوہر کی اجازت کے بغیر اور شوہر کے اقربا کی۔ یا اس فرقے کی۔ یا اقتدار اعلیٰ کی رضامندی کے بغیر اپنے متوفی شوہر کے لئے لڑکا متبنیٰ ۱۷۴
کرسکتی ہے بشرطیکہ ”وہ اس نے اس کام کو جائز طور پر اور نیک نیتی سے مذہبی غرض کی

---

[1] سرباناراین بنام رام (۲۱ مدراس سنہ ۳۰۴)۔

[2] دھارمیوکھ باب ۴ فصل ۵ ف ۱۱ ڈاکٹر بہلر یہ کہتے ہیں کہ اس رائے کی تائید میں مرہٹہ مصنفین کا اصلی استدلال شونک (Caunaka) کے ایک حکم کی عبارت ہے جہاں انھوں نے یہ پڑھا کہ ”وہ ایک عورت جو لاولد ہے یا جس کے لڑکے فوت ہوگئے ہوں“ (متبنیٰ لے سکتی ہے) اگرچہ ”ایک مرد“ تھا۔ اس طرح پڑھنے کی غلطی اس واقعے سے ثابت ہے کہ بعد کے اشلوک (۱۳ و ۱۴) میں متبنیٰ کو بصیغۂ تذکیر مخاطب کیا گیا ہے۔ دیکھئے شونک سمرتی پر وہ مضمون جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل بابت سنہ ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا ہے۔

تمیل میں انجام دیا ہو، اور نہ کہ تلون سے یا بدنیتی سے[1]" یہ الفاظ پریوی کونسل کی تجویز سے (مقدمہ راماناد) لئے گئے ہیں اور اس طرح ایک شرط اضافہ کی گئی۔ ثانیاً یہ کہ جب شوہر نے صراحتاً یا ضروری اشارے سے یعنے معناً[2] تبنیت کو منع کیا ہو۔ یا جب اس کی حیثیت بیوگی ختم ہوگئی ہو مثلاً از دواج ثانی[3] سے تو وہ مجاز نہیں رہتی۔ مقدمہ مابعد میں تاہم یہ تصفیہ کیا گیا ہے کہ از دواج ثانی سے تبنیت میں دینے کا حق بیوہ سے لے نہیں لیا جاتا۔ یعنے وہ اس حق سے محروم نہیں ہوتی[4]۔ ثالثاً یہ کہ وہ اپنے شوہر کے حین حیات بلا اس کی رضامندی کے متبنیٰ نہیں کرسکتی[5]۔ رابعاً یہ کہ وہ بیوہ جس کو جائداد حاصل نہ ہوئی ہو اور جس کا شوہر وفات کے وقت علٰحدہ نہ تھا اس کی صریح اجازت کے بغیر (یا خسر یا اس کے شوہر کے غیر منقسم شرکا کی رضامندی کے بغیر) اپنے شوہر کے لئے لڑکا متبنیٰ کرنے کی مجاز نہیں ہے[6]۔ عدالت عالیہ بمبئی نے مزید تحریک یہ کی ہے کہ

---

[1] - راکھما بائی بنام رادھابائی ۵ بمبئی ہائیکورٹ (مقدمات مرافعہ کا جرنل) صـ۱۸۱ بھگوان داس بنام راجمل - ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صـ۲۵۷ - راجی بنام گھامو ۲ بمبئی صـ۴۹۸ دنکر سیتا رام بنام گنیش شیورام ۶ بمبئی صـ۵۰۵ گروا بنام بھیماجی رگھوناتھ ۹ بمبئی صـ۵۸ اس قسم کی بدنیتی کا بار ثبوت بہت شدت سے اس پر ہوتا ہے جو اس کا ادعا کرے ہٹیل وندراؤن کشن بنام ہٹیل مانی لال ۱۵ بمبئی صـ۵۶۵ اور اب اس کی وجہ تحریک کی اہمیت سے انکار کیا جاتا ہے۔ دیکھو صـ۱۲۸ فٹ نوٹ۔

[2] - بایابائی بنام بالا وینکٹیش ۷ بمبئی عالیہ عدالت ضمیمہ گوپال بنام وشنو ۲۳ بمبئی صـ۲۵۰ صـ۲۵۶ دیگر صـ۴۸۹ صـ۴۹۵ تا صـ۴۹۷۔

[3] - ملگاڈو دیراگاڈو ابنام باباجی ونتو ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی صـ۱۳۸۔

[4] - پنچپا بنام سنگمبا سو ۱۹۰۲ء ۲۴ بمبئی صـ۸۹۔

[5] - نیلی بائی بنام مہادیو ۲۲ بمبئی صـ۱۰۷۔

[6] - نارائن بنام نانا منوہر ۷ بمبئی عالیہ عدالت صـ۱۵۳۔

جب بیوہ کے فعل تبنیت سے ایک شخص ثالث اس جائداد سے محروم ہوتا ہو جو اس کو حاصل ہو چکی ہو تو ایسے شخص کی رضامندی کا حاصل کیا جانا بھی ضروری ہے[1] (اس تجویز کے متعلق اختلاف آرا ہے۔ دامن بنام ونکاجی ۵ سہ بمبئی صفحہ ۸۲۹ یعنے یہ کہ اگر رضامندی دے دی جائے تو ایسا شخص حاصل شدہ جائداد سے محروم ہو جاتا ہے سوائے حالیہ عدالت بمبئی کے کوئی اور عدالت اس رائے کو مناسب نہیں سمجھتی۔ چنانچہ بمقدمۂ اڈووی بنام ندا مرتی ۳۲ مدراس صفحہ ۲۲۸ اور بمقدمۂ بہادر سنگھ بنام موہر سنگھ ۲۴ الہ آباد صفحہ ۹۴ اس رائے سے صراحۃً اختلاف کیا گیا) اس مضمون پر ہم بعد تبنیت کے نتائج کے تحت غور کیا جائے گا[2]۔ خاصۃً یہ کہ بیوہ کی انجام دی ہوئی تبنیت (جو بہ لحاظ امور دیگر جائز ہو) اس واقعے سے ناجائز نہیں ہوجاتی کہ شوہر جس کے لئے اس نے متبنیٰ لیا نابالغ تھا[3]۔

صفحہ ۱۷۵

## شوہر کی رضامندی کا قیاس

قواعد مذکور الصدر کے قاعدۂ دوم کے تحت چیف جسٹس سر مائیکل وسٹراپ نے بمقدمۂ لکشمپا بنام رامپا[4] یہ تجویز فرمائی کہ جب بیوہ کی انجام دی ہوئی تبنیت جائز تو ہو مگر باعث گناہ (مثلاً اکلوتے لڑکے کی تبنیت) تو شوہر کی رضامندی فرض نہیں کی جا سکتی اور لہذا تبنیت ناجائز ہوگی۔ مدراس کے ایک حالیہ مقدمے میں اس فیصلے پر بھروسا کر کے بحث کی گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ بیوہ کو شوہر نے صراحۃً مجاز نہیں کیا تھا اور اس نے شوہر کے سپنڈوں کی رضامندی سے اکلوتے لڑکے کو متبنیٰ لیا۔ جوڈیشل کمیٹی نے فرمایا "ہم بمبئی کے فیصلے کی مکرر تجویز نہیں کر رہے ہیں۔ مدراس میں یہ امر مسلمہ ہے کہ بیوہ کا اختیارِ تبنیت کم از کم سپنڈوں کے اتفاق آرا

---

[1] راجمی بنام گھاموونکر بنام گنیش ۶ بمبئی صفحہ ۴۹۸۔ ۱۸۷۹ء ۴ بمبئی ۵۰۰۔ بچو بنام مانکوری بائی ۳۱ بمبئی صفحہ ۳۷۳۔

[2] روپ چند بنام رکھما بائی ۸ بمبئی ہائیکورٹ (مرافعہ) صفحہ ۱۱۴۔ گوپال بالکرشنا بنام وشنو ۲۳ بمبئی صفحہ ۲۵۰۔

[3] دیکھئے فقرہ ۱۸۴۔

[4] پٹیل وندراؤن جیکیس بنام پٹیل مانی لال ۱۵ بمبئی صفحہ ۵۶۵۔

کے ساتھ جہاں اس کی ضرورت لاحق ہو شوہر کے اختیار کے مساوی ہے بجز اس کے کہ شوہر نے صراحتاً منع کیا ہو۔ یقیناً یہ قاعدہ نہایت ہی واضح ہے اور حکام عالی مقام اس کو اصول کے مطابق سمجھتے ہیں، جو امتیاز کہ جسٹس جیف جسٹس وسٹراب نے پیدا کیا وہ بہت ہی نئے قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ و نیز ان کے بیش رو میا تھیو ساسی کے نظریے سے بالکل مختلف۔ اس مسلک قانون میں جو مروجہ بمبئی ہو ممکن ہے کہ کسی خاص قسم کی خصوصیت ہو اگرچہ حکام عالی مقام کے ملاحظے میں وہ امتیاز پیش نہیں کیا گیا۔ لیکن اگر ایسا ہو بھی تو اس کا اطلاق مدراس کے فریقین پر نہیں ہوتا"[1]

**جین**

وا۱۳ جین فرقے میں بے پسر بیوہ کو اسی قسم کا اختیار تبنیت حاصل ہے جیسا کہ اس کے شوہر کو اگر وہ اس کو استعمال کرتا تھا۔ نہ تو خود شوہر کی منظوری ضروری ہے اور نہ کسی اور شخص کی[2] عدالت نے اس فرقے کے متعلق فرمایا: "فوت شدہ لوگوں کے متعلق ان کا طرز عمل برہمنی عقائد کے ہندوؤں سے مختلف ہے۔ میت کے جلانے یا دفن کرنے کے بعد کے تمام رسومات کو وہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لڑکے کی پیدائش کو وہ کسی طرح سے مورث کی آیندہ حالت پر موثر نہیں سمجھتے، اور اسی وجہ سے ان میں تبنیت محض ایک دنیاوی انتظام ہے اور اس سے کوئی روحانی اغراض وابستہ نہیں"[3] پنجاب میں بظاہر رواج مختلف معلوم ہوتا ہے۔ پنجاب ص ۱۷۶

گڑگاؤں میں بیوہ بلا رضامندی احدے متبنیٰ لے سکتی ہے اگر وہ اپنے شوہر کے یکجدی رشتہ داروں میں سے لڑکے کا انتخاب کرے۔ وہ ایسے یکجدی رشتہ داروں کی رضامندی کے بغیر کسی اور کو متبنیٰ نہیں لے سکتی۔ رہتک اور دوسرے اضلاع میں

[1] ۔ ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ ص ۳۶۴۔
[2] ۔ بالاسوگورو گو لنگا سوامی بنام بی لکشیا ۲۶ مرافعہ جات ہند ص ۱۲۸ ۔ ۲۲ مدراس ص ۴۰۰۔
[3] ۔ گوبند ناتھ رائے بنام گلال چند ۵ صدر دیوانی ص ۲۷۶ ۳۱۳ ۔ شیو سنگھ بنام دکھو ۶ شمالی مغربی ممالک ص ۳۸۲ ۔ ۵ مرافعہ جات ہند ص ۸۷ جلد ۱ الہ آباد ص ۶۸۸ لکھمی چند بنام گتو بائی ۸ الہ آباد ص ۳۱۹ مانک چند بنام جگت ستانی ۱۷ کلکتہ ص ۵۱۸ ہربنہ بنام مادل ۲۷ کلکتہ ص ۳۷۹ اشرفی کنور بنام برج چند ۳۰ الہ آباد ص ۱۹۷۔

شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ تین مقدمات میں عدالتہائے پنجاب نے بیوہ کی انجام دی ہوئی تبنیت کو منسوخ فرمایا کیونکہ اجازت شوہر معدوم تھی۔ ان میں کے دو مقدمات لاہور اور دہلی سے آئے تھے تیسرا مقدمہ کہاں شروع ہوا اس کا کوئی نشان نہیں ملا[1]۔ مدراس میں عالیہ عدالت نے یہ قرار دیا ہے کہ جین بیوہ کا یہ حق کہ وہ شوہر کی بلا اجازت متبنٰی لے سکتی ہے مثل دیگر رواج خاص کے ثابت کیا جانا چاہیے[3]۔

**صرف والدین دے سکتے ہیں تبنیت میں کون دیسکتا ہے**

وفعہ ۱۳۲۔ چونکہ فعل تبنیت سے متبنٰی لڑکا اپنے حقیقی خاندان سے علیحدہ ہو کر متبنٰی گیرندہ خاندان میں لازماً منتقل ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کی آیندہ زندگی پر اہم اور ناقابل استرداد اثر پڑتا ہے اور چونکہ رسم تبنیت تقریباً ہمیشہ اس وقت ادا ہوتی ہے جب کہ متبنٰی بہت ہی کمسن ہونے کے باعث خود کا صوابدید استعمال کرنے کے قابل نہیں ہوتا لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ صرف وہ لوگ اس کو تبنیت میں دینے کے مجاز ہیں جن کو اس بچے پر تسلط حاصل ہو۔ وشنت[4] کے مطابق والدین لڑکا دے سکتے ہیں لیکن ایک عورت اپنے خاوند کی رضامندی کے بغیر نہیں دے سکتی۔ منو کہتا ہے[5]: "وہ جس کو اس کا باپ یا اس کی ماں (اپنے شوہر کی رضامندی سے) دوسرے کو دے۔ وغیرہ۔ دیا ہوا لڑکا خیال کیا جاتا ہے۔" قوسین کے الفاظ کلوک بھٹ کی شرح کے ہیں۔ وشنت کے الفاظ کے مختلف توضیحات پیش کئے گئے ہیں[6]۔ بعض کہتے ہیں

**زوجہ کی رضامندی**

کہ زوجہ کی رضامندی قطعاً ضروری ہے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اگر زوجہ راضی نہ ہو تو متبنٰی لڑکا اپنی حقیقی ماں کا لڑکا باقی

---

۱۔ دیکھئے شیو سنگھ بنام دکھو ۵ مرافعجات ہند ص۸۷ و نیز دہن راج بنام سونی بائی ۱۹۲۵ء جلد ۵۲ مرافعجات ہند ص۲۳۱۔ ص۲۴۲۔

۲۔ پنجاب کسٹمری لا جلد ۲ ص۱۵۴ ص۱۴۸ ص۲۰۵ جلد ۳ ص۸۷ ص۸۹ ص۹۰۔

۳۔ پیرماما نی بنام کرشنا سامی ۱۲ مدراس ص۱۸۲ و نیز گنپا بنام ابرمات ۱۹۲۷ء ۵۰ مدراس ص۲۲۸۔

۴۔ وشنت باب ۱۵ ف ۲ و ف ۳ ڈ ص۲۱۲۔

۵۔ منو باب ۹ ص۱۶۸۔

رہتا ہے اور اس کی کریا کرم کرتا ہے۔ دیگر یہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ والدین میں سے کوئی ایک دینے کا مجاز ہے لیکن یہ کہ زوجہ اس اختیار کو اپنے شوہر کے حین حیات صرف اس کی رضامندی سے استعمال کر سکتی ہے۔ فی الحال یہ آخری توضیح ہی مقبولہ ہے اب اس کی بالکل یکسوئی ہو چکی ہے کہ صرف باپ کو پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو تبنیت میں دے دے۔ ۱۷۷ف
زوجہ کی رضامندی کے بغیر بھی وہ ایسا کر سکتا ہے اگرچہ عموماً ایسی رضامندی چاہی اور حاصل کی جاتی ہے[۱]۔ زوجہ اس وقت اپنے لڑکے کو بلا رضامندی شوہر نہیں دے سکتی جب کہ اس کا شوہر زندہ ہے اور رضامندی دینے کے قابل۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ ایسا کر سکتی ہے یا جب کہ وہ دواماً غیر حاضر ہو مثلاً جب کہ وہ ہجرت کر گیا ہو۔ یا جب کہ وہ کسی مذہبی سلسلے میں داخل ہو گیا ہو۔ یا جب وہ فاتر العقل ہو گیا ہو[۲]۔ بشرطیکہ وہ اپنے لڑکے کو دے دینے کا قانوناً مجاز تھا اور اس کے تبنیت میں دیے جانے کے متعلق صراحتہً منع نہ کیا ہو[۳] لیکن یہ مقدمہ بی بی دیال بنام ہرہور سنگھ (جلد ۴ صدر دیوانی صفحہ ۳۲۰) جو بنگال کا مقدمہ تھا پنڈتوں نے یہ فتویٰ دیا اور حسبہٗ قرار بھی دیا گیا کہ اگر بیوہ نے اپنے اکلوتے لڑکے کو مثل دوامُشائن (دو باپ کا لڑکا) کے اپنے مرحوم شوہر کی صریح رضامندی کے بغیر دیا ہو تو وہ تبنیت ناجائز ہے۔ رپورٹ سے تاہم یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا وجہ فیصلہ یہ تھی کہ وہ لڑکا اکلوتا تھا۔ یا یہ کہ تبنیت

---

[۱] جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۵۴ صفحہ ۲۵۷ صفحہ ۲۶۱ میوکھ باب ۵ اسٹیل صفحہ ۴۵ صفحہ ۱۸۳۔

[۲] دتک میمانسا باب ۴ دفعہ ۱۳ تا ۱۷ باب ۵ دفعہ ۱۴۔ ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۴۴ الک منجاری بنام فقیر چند ۵ صدر دیوانی صفحہ ۳۵۶ صفحہ ۴۱۸ جنگو رگھوناتھ بنام جونا کی ۱۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۹۹ متاکشرا باب ۱ دفعہ ۹۔

[۳] دتک میمانسا باب ۴ دفعہ ۱۱ تا ۱۲ دتک چندریکا باب ۱ دفعہ ۳۱ تا ۳۲ متاکشرا باب ۱ دفعہ ۹۔ اردناچلم بنام اپاسامی امدراس صفحہ ۱۵۴ ہردوہندری بنام چندرمونی نظایر مرافعہ عدالت بنگال سنہ ۱۸۶۹ء صفحہ ۹۳۵ رنگو بائی بنام بھاگرتی بائی ۲ بمبئی صفحہ ۳۷۷۔ مطسابائی بنام دتھو ۱۷ بمبئی ہائیکورٹ ضمیمہ ۲۶۔ جگیش چندر بنام سرتیا کلی ۳ کلکتہ صفحہ ۹۶۵۔

اس وجہ سے خراب سمجھی گئی کہ وہ کافی رضامندی کے بغیر دے دیا گیا تھا۔ بمبئی میں
صراحۃً تجویز کی گئی ہے کہ قطع نظر اس کے کہ آیا باپ کا اپنے اکلوتے لڑکے کو تبنیت میں
دینا جائز ہے یا ناجائز وہ فعل بذات خود ایسا بیجا ہے کہ بغیر شوہر کی صریح منظوری
کے بیوہ کے متعلق یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایسے لڑکے کو دینے کی مجاز تھی[۵]۔
عالیہ عدالت کی بظاہر یہ رائے تھی کہ جب بیوہ اپنے لڑکے کو دیتی ہے تو اس کا
استعمال اختیار مختارانہ نہیں ہوتا بلکہ مفوضہ۔ اور یہ کہ ایسا اختیار باطل ہوسکتا
ہے جب وہ اس طریقے سے استعمال کیا جائے جس کے متعلق یہ فرض کیا جاسکتا ہو کہ
شوہر اس کو ناپسند کرتا۔ کوئی اور قرابتدار لڑکے کو دے نہیں سکتا مگر یہ کہ باپ یا
۱۷۸ ماں مثلاً ایک علاقی ماں اپنے علاقی لڑکے کو نہیں دے سکتی[۲]۔ کوئی بھائی اپنے
بھائی کو نہیں دے سکتا[۳]۔ والدین اپنے
اختیار کو دوسرے کے تفویض نہیں کرسکتے مثلاً لڑکے کو کہ وہ ان کی وفات کے بعد
اپنے بھائی کو تبنیت میں دے دے کیونکہ وہ فعل مکمل ہونے کے وقت ایسا ہونا
چاہیے کہ گویا والدین کی منظوری سے ہوا۔ بہ الفاظ دیگر تبنیت کی قوت نافذ الامر
والدین ہیں[۵]۔ لہذا بالغ یتیم متبنیٰ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نہ تو وہ اپنے آپ کو دے سکتا ہے
اور نہ اسے کوئی شخص جسے اختیار دیا گیا ہو دے سکتا ہے[۶]۔ لیکن جو کچھ قانون منظوری

---

[۱] ۔ نارائن سامی بنام کپوسامی ۱۱ مدراس صفحہ ۴۳۔ گرولنگا سامی بنام رام لکشما ۱۸ مدراس صفحہ ۵۳ صفحہ ۵۸ تصدیق کی گئی ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۳ ۔ ۲۲ مدراس صفحہ ۱۹۸ (راجہ مکند دیب بنام سری جگناتھ سنہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ صفحہ ۴۶۹ ۔ مترجم)۔

[۲] لکشمپا بنام رامپا ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۳۶۴ سوما شکر ابنام سبدراجی ۶ بمبئی صفحہ ۵۲۴۔ پھر بھی اس فیصلے کے متعلق فیصلہ پریوی کونسل مندرجہ ف ۱۳۰ 130 دیکھا جائے۔ [۳] ۔ پاپا بنام اپا راؤ ۱۶ مدراس صفحہ ۳۸۴۔

[۴] مسماۃ تارا مونی بنام دیو نارائن جلد ۳ صدر دیوانی صفحہ ۳۸۷ صفحہ ۵۱۶ متوسامی بنام لچھمی دوما۔ مدراس دیسیشن سنہ ۱۸۵۲ء صفحہ ۹۷ ۔ یف میکناٹن صفحہ ۲۲۳ ویرا بیرل بنام جے نارائن پلے جلد ۱ نوٹس نظائر صفحہ ۹۱۔

[۵] کلکٹر سورت بنام دھرسنگجی ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۲۳۵۔

[۶] یسیٹی اپا بنام شیو لنگپا ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۲۶۸ (لیکن یہ ایک فعل تفویض کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں صوابدید کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی دیکھئے تمام سنگھ بنام سنتا بائی ۲۵ بمبئی صفحہ ۵۵۱ ۔ از مترجم)۔

دینے سے احتراز کرتا ہے وہ یہ کہ شخص مجاز تبنیت میں دینے کے صوابدید کو غیر مجاز کے تفویض نہیں کرسکتا بہ ایں سبب کہ یہ صوابدید قطعاً شخص مجاز کا ہوتا ہے۔ جب شخص مجاز کی جانب سے ضروری منظوری دی گئی ہو تو اس منظوری کو عملاً پورا کرنے کا فعل جسمانی دوسرے کے تفویض کیا جاسکتا ہے[1]۔

**حقیقی والدین کے عائد کئے ہوئے شرائط**

دفعہ ۱۳۳۔ جو شخص ایک لڑکے کو تبنیت میں دینے کا مجاز ہو وہ اپنی رضامندی کو چند شرائط کی تکمیل پر حصر کرسکتا ہے۔ اور یہ قرار دیا گیا ہے کہ جب ان شرائط کی تکمیل نہ کی جائے تو تبنیت ناجائز ہے۔ مثلاً جب کہ ایک باپ نے خط کے ذریعے اپنے لڑکے کو بہ ایں شرط تبنیت میں دینے کا مجاز کیا کہ فریق متبنیٰ گیرندہ اولاً سرکار برطانیہ کی رضامندی حاصل کرے۔ چونکہ تبنیت ایسی رضامندی کے بغیر مکمل کی گئی اس لئے اس کو ناجائز قرار دیا گیا اگرچہ وہ رضامندی کسی اور طرح سے ضروری نہیں تھی[2]۔

**منظوری گورنمنٹ**

دفعہ ۱۳۴۔ مالگذاری کے بورڈ کی رضامندی ضروری ہے جب کہ ایسا شخص متبنیٰ لے رہا ہو جس کی جائداد فی الواقع کورٹ آف وارڈز کے زیر انتظام ہو[3]۔ کسی زمانے میں

صـ۹ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انعام داروں زمینداروں اور جاگیرداروں کے لئے گورنمنٹ کی رضامندی ضروری ہے کیونکہ ان اشخاص کی جائدادیں ان کے لاوارث مرنے کی صورت میں گورنمنٹ کے قبضے میں آتی ہیں۔ لارڈ ڈلہوزی کے زمانے میں اس اصول پر اکثر و بیشتر عمل ہوا ہے۔ اگرچہ ایسی صورتوں میں

---

[1] سبا لوامل بنام اماکوٹی ۲ مدراس ہائیکورٹ صـ ۱۳۹۔ ملوتت راؤ بنام بابا بائی ۶ بمبئی ہائیکورٹ صـ ۱۲۳۔ ابتدائی مقدمات فنبر۔ ۷ بمبئی ہائیکورٹ صـ ۲۶۔ ویتھی لنگم بنام نٹیسن ۲۷ مدراس صـ ۵۲۹ کپوسامی ریڈی بنام ونکٹ لکشمی امل ۱ مدراس لاٹائمس ۲۳۲۔

[2] ویجارنگم بنام لکشمن ۸ بمبئی ہائیکورٹ (مقدمات ابتدائی) صـ ۲۴۴۔ وینکٹ بنام سبدرا ۷ مدراس صـ ۵۴۹ سبارئیر بنام سبامل ۲۱ مدراس صـ ۴۹۷ شنام سنگھ ۲۵ بمبئی صـ ۵۵۳۔

[3] رنگو بائی بنام بھاگیرتی بائی ۲ بمبئی صـ ۳۷۷۔ بال گنگا دھر تلک بنام سرینواس ۴۲ مرافوعات ہند صـ ۱۳۵۔

اقتدار اعلیٰ کی منظوری حاصل ہونے پر نذر بھی دی جاتی تھی۔ لیکن یہ امر بالکل واضح اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ منظوری ایک استحقاقی امر خیال کی جاتی تھی۔ خود تبنیت کے جواز کے لیئے ایسی منظوری شرط ماقبل نہیں ہوتی تھی گو بعض صورتوں میں دیسی حکومت متبنیٰ لڑکے کو وارث ہونے کی اجازت دینے سے بطور ناجائز انکار کرتی تھی[1]۔

**کس کو تبنیت میں لیا جاسکتا ہے قیود کی ابتدا کیونکر ہوئی**

ف ۱۳۵ اس شخص کے انتخاب میں جو متبنیٰ کیا جاسکتا ہے جو قیود ہیں ان کی ابتدا برہمنوں سے ہوئی ہے۔ اور وہ اس نظریے پر مبنی معلوم ہوتے ہیں کہ مفروضہ بنوت جہاں تک ممکن ہوسکے پوری ہو کیونکہ غرض تبنیت یہ تھی کہ متوفی اسلاف کے مذہبی رسوم ادا ہوسکیں (ف ۱۰۵)۔ لہذا اولاً قریب ترین مرد سپنڈ کو منتخب کرنا چاہیے۔ بشرطیکہ وہ اور طرح سے بھی موزوں ہو۔ اور اگر ممکن

**قریب ترین سپنڈ**

ہو تو برادرزادے کو متبنیٰ کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ قانون کے تصور میں وہ یوں بھی اپنے چچا کا لڑکا سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس طرح کا قریبی سپنڈ دستیاب نہ ہو تو پھر ایک دور کے سپنڈ کو لیا جاسکتا ہے۔ یا اگر کوئی ایسا بھی نہ ہو تو ایسے خاندان کے لڑکے کو جس کا روحانی رہنما اور متبنیٰ کرنے والے خاندان کا روحانی رہنما ایک ہی ہو۔ شدروں کے لیئے اسی ذات کا کوئی رکن[2] غالباً

---

[1] دیکھیئے ف ۱۱۱۔

[2] اسٹیل صفحہ ۱۸۳۔ بھاسکر بچاجی بنام نرو رگوناتھ بمبئی سلکٹ رپورٹ صفحہ ۲۴۔ رامچندر بنام ناناجی ۷ بمبئی ہائیکورٹ (مقدمات مرافعہ) صفحہ ۲۶۔ نرہر گوبند بنام نارین ۱ بمبئی صفحہ ۶۰۔ رنگو بائی بنام بھاگیرتی بائی ۲ بمبئی صفحہ ۳۷۷۔ بل صاحب کی امپائر ان انڈیا صفحہ ۱۲۷۔ بل صاحب کی انڈین پالیسی صفحہ ۱۔ سر سی جاکسن صاحب کی ونڈیکیشن آف لارڈ ڈلہوزی صفحہ ۹۔ دیکھو بالاجی رام چند بنام دت رامچندر ۷ بمبئی صفحہ ۵۔ لارڈ کیننگ کے اعلان سے جاگیرداروں کا حق تبنیت اب مسلمہ ہے۔

اس قاعدے کو اسی جذبے سے زیادہ تقویت حاصل ہوئی کہ نزدیک کا قرابت دار ملتے ہوئے اجنبی شخص کو خاندان میں داخل کرنے سے ارکان کے حق میں ناانصافی ہوتی ہے۔ ابتدائً معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک مثبت حکم تھا نہ بعد وہ محض سفارشی یا ہدایتی ہو گیا۔ اب یہ امر قطعی ہے کہ غیر شخص کی تبنیت جائز ہے اگرچہ قریبی رشتہ دار جو اور لحاظ بھی موزوں ہوں موجود ہوں[2]۔ ثانیاً کوئی ایسا لڑکا متبنٰی نہیں کیا جا سکتا جس کی ماں سے متبنٰی گیرندہ جائز طور پر شادی نہیں کر سکتا تھا۔ اس قاعدے کی ابتدا اور اس کے واجب التعمیل ہونے کے متعلق مسٹر وی ین منڈلک نے عالمانہ رنگ میں اور نہایت زور سے تبصرہ فرمایا ہے[3]۔ لیکن حالیہ نظائر نے اس قاعدے کو نواسے۔ بھانجے اور خالہ زاد بھائی تک محدود کر دیا ہے[4]۔ بہرحال اس قاعدے کا اطلاق شودروں پر نہیں ہوتا[5]۔ تین بڑی ذاتوں کے متعلق بھی یہ قرار

**ایسا جس کی ماں سے شادی ہو سکتی تھی**

---

[1] دتک میمانسا باب ۲۔ ۲۰ و ۲۸ و ۲۹ و ۶۷ و ۴۷ و ۶۶ و ۸۰ دتک چندریکا باب ۱۔ ۲۰ و باب ۲۔ ۱۱ و متاکشرا باب ۱ فصل ۲ نفقرات ۱۳ و ۱۴ و ۳۶۔ میوکھا باب ۴۔ ۹ و ۱۲ و ۱۹

[2] جلد ۱ ڈبلیو میکناٹن صفحہ ۶۸ جلد ۲ اسٹرینج کا دھرم شاستر صفحہ ۹۵ صفحہ ۱۰۲ گوکلانند بنام اوما دی ۵ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۴۰۶ صدر کورٹ ۲۳ صدر دیوانی صفحہ ۳۴۲ ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۰ ۳ کلکتہ صفحہ ۵۸۷ و باباجی بنام بھاگرتی بائی ۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۸ ورم داگو بنام رام کرشن۔ ۱ بمبئی صفحہ ۸ مقدمہ ادمن دت بنام کنیا سنگھ جلد ۳ صدر دیوانی صفحہ ۱۴۴ صفحہ ۱۹۲ کرتم تبنیت کا تھا اور نظایر مذکورہ الصدر سے اس مقدمے کا فیصلہ بحال نہیں رہا۔

[3] دتک میمانسا باب ۵ ف ۲۰ منگشی بنام رامنا د ۱۱ مدراس صفحہ ۴۹۔

[4] صفحہ ۱۴۷ ۴۹۵ صفحہ ۲۱۵۔ ڈاکٹر جالی بھی کہتے ہیں کہ "قدیم اسناد کو اچھی طرح غور سے جانچنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سنسکرت کے مقالوں میں اس قسم کے قاعدے کے وضع کرنے کی کوئی سند نہیں ہے اگر ہے بھی تو بہت ہی کم" لکچر صفحہ ۱۶۳۔ مدراس کی حالیہ عدالت نے اس قاعدے کی مسٹر منڈلک کے استدلال کو جانچنے کے بعد مکرر تصدیق فرمائی اور پریوی کونسل نے بھی دیکھو ۱۱ مدراس۔ و نیز بھگوان سنگھ ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۳ ۔ ۲۱ الہ آباد صفحہ ۴۱۲۔

[5] سراؤ بنام رادھا سنہ ۱۹۲۸ء ۵۲ بمبئی صفحہ ۴۹۷۔

دیا گیا ہے کہ رواجاً ایسی تبنیت جائز ہوسکتی ہے[1] (از مترجم) وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ "دتک چندریکا۔ دتک میمانسا۔ سمسکار کوشتبہ۔ دھرم سندھوا ور دتک نرنائی میں یہ امتناع موجود رہے"۔ ان تصانیف کے مصنفین نے اپنے آراء کو اولاً شونک کے متن پر مبنی کیا ہے۔ یعنے اس پر کہ متبنیٰ لڑکے میں حقیقی لڑکے کا عکس نظر آنا چاہیئے۔ اس پر وہ اپنا یہ حاشیہ لکھتے ہیں[2] کہ "یعنے نیوگ وغیرہ سے متبنیٰ گیرندہ سے پیدا ہونے کی قابلیت رکھتا ہو"۔ بہ الفاظ دیگر وہ ایسا لڑکا ہونا چاہیئے جو متبنیٰ گیرندہ سے پیدا ہوسکتا تھا۔ مسٹر وی۔ این۔ مانڈلک نے اس شرح پر بہت سے اعتراضات پیش کئے ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے قبل ازیں فقرہ ١٠٥ کے نوٹ میں ظاہر کیا ہے یہ ممکن ہے کہ ابتداءً اس حکم کا کچھ اور مطلب ہوگا۔ تاہم اصلاحیاں دتک چندریکا وغیرہ (جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) ایک ایسے حکم پر بھروسا کرتے ہیں جو شونک ورد ھا گوتم اور نارد سے یہ چند اشکال منسوب کئے جاتے ہیں اس حکم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بھانجے اور نواسے کو شودر متبنیٰ کرسکتے ہیں لیکن تین اعلیٰ ذات کے لوگ ایسا نہیں کرسکتے۔ و نیز شاکل (Cakala) کی وہ عبارت جس میں صاف طور سے "نواسے۔ بھانجے اور خالہ زاد بھائی" کو دو جنمی اشخاص میں سے کوئی بھی متبنیٰ لینے سے منع کیا گیا ہے[3]۔ مقدم الذکر حکم کے متعلق مسٹر مانڈلک یہ استدلال کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "شودروں کو چاہیئے کہ نواسے یا بھانجے کو متبنیٰ لیں۔ چند مقامات میں بھانجے تین جماعتوں میں جو برہمنا سے شروع ہوتی ہیں متبنیٰ
١٨١ نہیں کیا جاتا"۔ وہ بتلاتے ہیں کہ اگر صحیح ترجمہ ہو تو میوکھ اس حکم کی تعبیر سے یہ معنیٰ اخذ کرتا ہے کہ شودروں کو چاہیئے کہ صرف (یا اولاً) نواسے یا بھانجے کو متبنیٰ لیں۔ نہ کہ اس کے یہ معنے ہیں کہ ایسی تبنیت برہمنوں کے لئے ممنوع ہے۔

[1] ۔ بائی ناتی بنام چنی لال ٢٢ بمبئی صفحہ ٩٧٣ صفحہ ٩٧٦۔

[2] ۔ دتک میمانسا باب ۵ دفعہ ١٥ تا ١٧۔ دتک چندریکا باب ٢ دفعہ ١٧۔ میں دوسرے اسناد کا حوالہ دینے سے قاصر ہوں لیکن مسٹر مانڈلک کہتے ہیں کہ وہ بھی انھی احکام پر مبنی ہیں صفحہ ٤٨٩۔

[3] ۔ دتک میمانسا باب ٢ صفحہ ٣٢ و ٧٤ و ١٠٧۔ دتک چندریکا باب ١ دفعہ ١٧۔

دویت نرنا ئے (Davaita Nirnaya) اور نرنا ئے سندھو (Nirnaya Sindhu) بھی اس رائے کے مؤید ہیں[1]۔ شاکل کے متن کے متعلق وہ یہ تصفیہ کرتے ہیں کہ رواج اور متضاد اسناد کے مقابلے میں اس کی سند کو کوئی وزن نہیں دیا جا سکتا۔ پھر بھی یہ بات ہنوز باقی رہ جاتی ہے کہ وہ پانچ خلاصے جن کا حوالہ اوپر دیا گیا واضح اور مثبت الفاظ میں قاعدہ بیان کرتے ہیں۔ جو قاعدہ اس طرح وضع کیا گیا اس کو مسٹر سدرلینڈ۔ دونوں میاکناٹن اور دونوں اسٹرینج صاحبین بیان فرماتے ہیں[2]۔ اور اس کے دو جنمی اشخاص تک محدود ہونے کی تصدیق ہندوستان کے کل مقامات میں زبردست سلسلۂ اسناد سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اسناد ذیل نواسے یا بھانجے یا خالہ زاد بھائی کی تبنیت کو ممنوع قرار دیتے ہیں[3]۔ بہ اجلاس کامل عالیہ عدالت الہ آباد نے یہ قرار دیا کہ ان صوبہ جات میں جو بنارس قانون کے پیرو ہیں دتک میمانسا مستند نہیں ہے۔ اور یہ کہ اگر ایسی تبنیتوں کے متعلق کوئی ممانعت دتک میمانسا اور دتک چندریکا سے قبل کی کتابوں میں نہ پائی جائے تو ایسی تبنیتیں جائز ہیں۔ برایں ہم جوڈیشل کمیٹی نے اس فیصلے کو منسوخ فرمایا۔ یہ وہ فیصلہ تھا جس سے

---

[1] ۔ دو ہارمیوکھ باب ۴ فصل ۵ ف ۱۰۱۹۔ منڈلک ف ۵۳، ۵۶۔

[2] ۔ سدرلینڈ کا خلاصہ صفحہ ۶۶۴۔ ایف۔ میاکناٹن صفحہ ۱۵۱ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۶۷ جلد ا اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۸۳ لیس۔ ایم۔ ف ۸۴۔

[3] ۔ بائی گنگا بنام بائی شیوکنور بمبئی سلکٹ رپورٹ صفحہ ۷۳۔ نروسمل بنام بالارام چیرلو جلد ا مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۴۲۰۔ جیوانی بنام جیو ۲ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۴۶۲۔ گوپالن بنام رگھوپتین ۷ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۲۵۰۔ رام لنگا بنام سداسیو ۹ مور مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۰۶۔ صدر کورٹ جلد ا سدرلینڈ (پی۔ سی) صفحہ ۲۵۔ اس میں فریقین کو دِش لکھا گیا ہے۔ اگرچہ وہ حقیقۃً شودر تھے۔ کوراشنکو بنام بائی منی ۲ مورڈ ڈائجسٹ صفحہ ۲۲۔ گوپال نرہر بنام ہنمنت ۳ بمبئی صفحہ ۲۷۳۔ اس مقدمے میں جملہ اسناد کی جانچ ہوئی بھاگرتی بائی بنام رادھو بائی ۳ بمبئی صفحہ ۲۹۸۔ پاربتی بنام سندر ۸ الہ آباد صفحہ ۱۔ ۱۲ الہ آباد صفحہ ۵۱۔

قطعی طور پر اس جماعت (یعنے نواسے بھانجے وغیرہ) کی تبنیت ان تمام صورتوں میں ناجائز قرار دی گئی ہے جن میں عام ہندو قانون کا اطلاق ہوتا ہے اور جن میں کوئی رواج اس کے مقابلے میں ہم وقعت ثابت نہ ہو[۱]۔ اسی وجہ سے بھائی۔ یا علاتی بھائی۔ یا چچا۔ یا ماموں کو متبنیٰ لینا ناجائز ہے[۲]۔ عالیہ عدالت بمبئی نے مسلسل اور بلا تضاد یہ قرار دیا ہے کہ نند پنڈت کے خیالات ان امور میں ہدایتی ہیں نہ کہ تاکیدی جب کہ ان کی تائید سمرتی کے مصنفین کے کسی حکم سے نہ ہوتی ہو۔ صہ ۱۸۲
بنا براں اس عدالت نے ماموں زاد بھائی[۳]۔ پھپی زاد بھائی۔ علاتی بھائی[۴]۔ اور چچا زاد بھائی[۵] کی تبنیت کو قانوناً جائز تصور کیا ہے عالیہ عدالت بمبئی نے اس قاعدے کے اطلاق کو اس طرح محدود کیا ہے کہ کوئی ایسا شخص متبنیٰ نہیں کیا جا سکتا جس کی ماں سے متبنیٰ گیرندہ قانوناً شادی نہیں کر سکتا تھا سے مراد تین اشخاص ہیں یعنے نواسہ۔ بھانجہ اور خالہ زاد بھائی[۶]۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ خود متبنیٰ گیرندہ بہ وجہ تبنیت اپنے حقیقی خاندان سے

---

۱ہ۔ بھگوان سنگھ بنام بھگوان سنگھ ۲۱ الہ آباد صہ ۴۱۲۔ ۲۶ امرافعہ جات ہند صہ ۱۵۳۔ دل بائی بنام ہیر بائی ۳۴ بمبئی صہ ۴۹۱۔

۲ہ۔ دتک میماسا باب ۵ و ۱۷۔ رنجیت سنگھ بنام اہیا ۲ صدر دیوانی صہ ۲۲۵۔ صہ ۳۱۵۔ متوسامی بنام پچھی دوا ۱ فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۲ء صہ ۹۶۔ سری رالو بنام رامیا ۲ مدراس صہ ۱۵۔ لکشمی بنام رام ناداا مدراس ۲۹ مدراس میں چچا کے لڑکے کی تبنیت منظور کی گئی اس کی وجہ بہ ظاہر یہ تھی کہ ایسی تبنیت رواجاً منظور تھی ویریا بنام ہنمتا ۱۴ مدراس صہ ۴۵۹۔

۳ہ۔ یا ناداا بنام لکشمن بھیراس ۳۶ بمبئی صہ ۵۳۳۔

۴ہ۔ رام کرشنا بنام جمناجی ۱۵ بمبئی لا رپورٹ صہ ۸۲۴۔

۵ہ۔ گنجانن بالکرشنا بنام کاشی ناتھ نارائن ۳۹ بمبئی صہ ۴۱۰۔

۶ہ۔ ملیاپارپا بنام گنگو ا ۳۳ بمبئی صہ ۲۰۹۔

۷ہ۔ ۳۶ بمبئی ۵۳۳ مقدمۂ یامنوا بنام لکشمن۔

علیحدہ ہوگیا ہے کیونکہ تبنیت سے خونی رشتے کے حدود زائل نہیں ہوتے اس رشتے کا عمل نافذ رہے گا اور مثل سابق کے ممنوعہ رشتہ داروں کے مابین شادی نہ ہو سکے گی[۱] (بہ الفاظ دیگر محرمات جوں کے توں رہیں گے) بلا شک اس قاعدے کا یہ مفہوم لیا جانا چاہیئے کہ صرف ان عورتوں کے لڑکے تبنیت میں نہیں لئے جا سکتے جن کی ابتدائی اور اصلی رشتہ داری متبنیٰ گیرندہ سے اس طرح کی تھی کہ وہ اس کی زوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ کوئی شخص قانوناً اپنے بھائی کی یا بھانجے کی زوجہ سے شادی نہیں کرسکتا لیکن تبنیت کے لئے بھائی کا یا بھانجے کا لڑکا سب سے زیادہ مناسب ہے[۲] زوجہ کے بھائی یا اس کے لڑکے کو متبنیٰ کیا جا سکتا ہے[۳] اور علیٰ ہذا سالی کا لڑکا بھی[۴] یا خالہ زاد بہن کا بیٹا بھی[۵]

## قواعد عام نہیں ہیں

۱۳۶ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس قاعدے کی ابتدا بھی برہمنی عقائد سے ہوئی جن مستند مولفین اور مصنفین نے اس قاعدے کو اعلیٰ ذاتوں سے متعلق کیا وہی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ لڑکی یا بہن کے لڑکے کو شودر متبنیٰ لے سکتا ہے[۶] میوکھ تو یہ بھی کہتا ہے کہ ان کے لئے ایسا ہی شخص تبنیت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے[۷] ص ۱۸۳

---

[۱] موتھا بنام اپن فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۸ء صفحہ ۱۱۷۔

[۲] مورن بائی بنام بوجائے سدر ریٹ نمبر ۱۲۲۔

[۳] کرشنگر بنام ونم لے فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۶ء صفحہ ۲۱۳۔ رنگا نائیکم بنام نامی شیویا فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۵ء صفحہ ۹۴ رودے بھدر بنام واشنکر ۲ بورڈیل صفحہ ۶۶۲ صفحہ ۱۲۳ سری راملو بنام رامیا ۳ مدراس صفحہ ۱۵۔ بائی تانی بنام چنی لال ۲۲ بمبئی صفحہ ۹۷۳۔

[۴] بائی گنگا بنام بائی شیوکنور بمبئی سلکٹ رپورٹ صفحہ ۲۳ صفحہ ۲۶۔

[۵] وینکٹ بنام سبھد و ۷ مدراس صفحہ ۵۴۹۔

[۶] بنگال کے کایستھ شودر ہیں اور انھیں ایسی تبنیت کی اجازت ہے راجکمار لال بنام دسیسور دیال ۱۰ کلکتہ صفحہ ۶۸۸ و نیز دیکھئے ۵۲ بمبئی صفحہ ۴۹۷۔

[۷] دو ہار میوکھ باب ۴ فصل ۵ ف ۱۰۔۱۱۔

تبنیت کے انتخاب کے لئے ایسا ہی شخص فطری طور پر بہت مناسب ہے۔ خالہ زاد بھائی بھی شودروں میں متبنیٰ کیا جا سکتا ہے[۱]۔ پنجاب کے جاٹوں میں ایسی تبنیتیں بہت ہی عام ہیں۔ اور یہ لاپروائی برہمنوں اور بڑے شہروں کے متعصب ہندو (مثلاً دہلی کے ہندوؤں میں) باشندوں میں بھی پھیل گئی ہے[۲]۔ جین لوگوں میں بھی ان کی اجازت ہے[۳]۔ اور جنوبی ہند کے برہمنوں میں بھی بلاشک اس قسم کی تبنیت بہت ہی عام ہے۔ ۱۸۷۳ء میں یہ فیصلہ فرمایا گیا کہ اس عمل کو قانونی رواج کی وقعت اور زور حاصل نہیں ہے[۴]۔ لیکن ۱۸۸۱ء میں بربنائے تحقیقات جدید عالیہ عدالت نے اعلان فرمایا کہ جنوبی ہند میں ایسی تبنیت برہمنوں میں جائز ہے۔ ملیبار کے نمبودری برہمنوں میں بھی اسی قسم کے عمل کو قانونی منظوری حاصل ہو گئی ہے[۵]۔ شمالی مغربی صوبہ جات کے ان اشخاص میں جو دوجنمی نہیں ہیں علاتی بھائی کی تبنیت جائز ہے[۶]۔ (پھندو بنام جنگی ناتھ

---

۱۔ چناناگیا بنام پدناگیا ۱ مدراس صـ۶۲۔

۲۔ پنجاب کسٹم صـ۸۳ و ۷۹۔ پنجاب کسٹمری لا جلد ۲ اور ۳ صـ۱۵۴ صـ۲۰۵ صـ۱۷۱۔ روپ نارائن بنام گوپال ۶ مرافعہ جات ہند صـ۱۰۳۔

۳۔ شیو سنگھ بنام مسماۃ دکھو ۶ این۔ ڈبلیو۔ پی صـ۳۸۲۔ ۵ مرافعہ جات ہند صـ۸۷ جلد ۱ الہ آباد صـ۶۸۸ حسن علی بنام ناگمل الہ آباد ۱ الہ آباد صـ۲۸۸ لکھی چند بنام رتو بائی ۸ الہ آباد صـ۳۱۹۔

۴۔ گوپالیا بنام راگھو پٹایان ۷ مدراس ہائیکورٹ صـ۲۵۰ جلد ۲ اسٹرینج ہندو لا صـ۱۰۱۔ جلد ۱ گبیلن صـ۸۹۔ نلسن صاحب کی ریو آف دی ہندو لا صـ۹۔

۵۔ وویدینا دبنام اپو ۹ مدراس صـ۴۴۔ وشنو بنام کرشنن ۷ مدراس صـ۳۔ ۱۱ مدراس صـ۵۵۔ ایپابنام ونگو ۱۵ مدراس لا جرنل صـ۲۱۱۔ برادرزادے کے لڑکے کی تبنیت ہتجد ناتھ بنام کویری بائی ۳۴ بمبئی لا رپورٹ صـ۱۴۰۔ و نیز دیکھو سوراتھا سنگا بنام گنگا سنگا ۳۴ مدراس صـ۲۶۷ جس میں پسر برادرزادی کی تبنیت جنوبی کنارا کے راجپوتوں میں رواجاً جائز ہونے کے سبب برقرار رکھی گئی۔

۶۔ پھندو بنام جنگی ناتھ۔

۱۵ الہ آباد ص۳۲۷) اور بورا برہمنوں میں بھانجہ بھی متبنیٰ کیا جا سکتا ہے[1] (چین سکھرام بنام پارتی ۲۴ الہ آباد ص۵۳) پانڈیچری میں ایک عام اصول کی طرح یہ قاعدہ مسلم نہیں ہے۔ لڑکی کے یا بہن کے لڑکے کو یا اپنی زوجہ کے کسی رشتہ دار کو متبنیٰ کیا جا سکتا ہے لیکن خود اپنے بھائی کو متبنیٰ نہیں لیا جا سکتا۔[2] مغربی ہند میں بھی ایسی تبنیت کی اجازت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دکن میں چھوٹا بھائی متبنیٰ کیا جا سکتا ہے۔ چچاؤں یا ماموؤں کی تبنیت اگرچہ ممنوع ہے لیکن اس امتناع کے لئے کوئی اور وجہ پیش کی جاتی ہے[3] ابتداءً پوربیا کرمی فرقے کے لوگ دوجنمی میں شمار نہیں کئے جاتے تھے لیکن اس فرقے کے ارکان نے یہ تصفیہ کیا کہ وہ رسم زنار بندی (اپنایَن) کو ضرور اختیار کریں گے اور اس کے بعد انھوں نے خود کے چھتری ہونے کا اعلان کیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ ممنوعہ رشتہ داری میں تبنیت ناجائز تھی۔ عالیہ عدالت الہ آباد نے تبنیت کو بحال رکھا۔[4] ص۱۸۴

**سالے کا بیٹا اور اس قاعدے کی وسعت**

ف۱۳۷ اننت ہنڈرٹ نے اس قاعدے کو ایک انوکھی وسعت دی ہے۔ وردھ گوتم کے ایک حکم کا جو حسب ذیل ہے وہ اقتباس کرتے: "تین اعلیٰ قبائل میں بہن کا لڑکا کہیں بھی مثل لڑکے کے بیان نہیں کیا گیا ہے"۔ اور کہتے ہیں کہ لفظ ہمشیرزادہ میں برادرزادہ بھی شامل ہے لیکن چونکہ برادرزادہ نہ صرف ممنوع نہیں ہے بلکہ صراحۃً تبنیت میں لینے کی تاکید کی گئی ہے اس لئے وہ حیرت انگیز نتیجہ اخذ

---

[1] چین سکھرام بنام پارتی۔

[2] چیف جسٹس لیان سرگ کا دھرم شاستر نمبر۱۳ انڈین جور سپروڈنس کمیٹی ص۳۷۔

[3] اسٹیل ص۲۳۔ مہیوبٹ راؤ بنام گوئند راؤ ۲ بورڈیل ص۸۵۔ طپا پاریا بنام گنگوا ۱۳ بمبئی ص۲۰۹۔ منڈلک ص۴۷۴۔ ص۴۹۵۔ ڈبلیو اوربی ص۱۹۱۲ و ۹۱۳۔

[4] جیون لال بنام کلومل ۲۸ الہ آباد۔

کرتے ہیں کہ برادر زادے کو بہن متبنیٰ نہ لینا چاہئے۔ اس رائے پر شمالی مغربی صوبہ جات میں
عمل کیا گیا[1] چنانچہ بہ مقدمۂ سماۃ بٹا بنام لچھمن سنگھ عدالت نے بیوہ کی انجام
دی ہوئی تبنیت کو اس لئے منسوخ فرمایا کہ اس نے خود اپنے بھائی کے لڑکے کو
تبنیت کے لئے منتخب کیا اگرچہ اس کا وہ فعل اس کے شوہر کے دیئے ہوئے
اختیار پر مبنی تھا[2] لیکن اس کو (فیصلے کو) عالیہ عدالت نے نامنظور کیا۔ اور
اب اس کے خلاف پریوی کونسل نے مختتم طور پر یہ اعلان فرمایا ہے کہ اس کی
تائید نہ تو کسی کے حکم سے ہوتی ہے اور نہ اس پر عملاً عمل کیا جاتا ہے[2] معلوم
یہ ہوتا ہے کہ اسی اصول پر اس مقدمے کا فیصلہ بھی مبنی کیا گیا جس کی رپورٹ میں
سر ہیف میاکناٹن نے مبسوط بحث کی ہے[3] اس مقدمے میں واقعہ یہ تھا کہ
ایک شخص کی وفات پر اس کی تین بیوائیں تھیں اور انھیں یہ اختیار تھا کہ
متبنیٰ لیں۔ چونکہ وہ متفق نہ ہوسکیں اس لئے گرو سے استصواب کیا گیا اور اس نے
اس لڑکے کے لئے فتویٰ دیا جو زوجۂ ثانی کا چچا زاد تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ
اٹھا کہ آیا اس لڑکے کو زوجۂ ثانی تبنیت میں حاصل کرسکتی تھی۔ حجت یہ کی گئی کہ
یہ ناممکن تھا کیونکہ وہ خود اپنے چچا سے اس لڑکے کی ماں نہیں ہوسکتی تھی بجز
اس کے کہ زنا کیا جاتا۔ پنڈتوں نے اختلاف کیا اور فیصلہ دیا ہی نہیں گیا۔ زوجۂ ثانی
نے بڑی بیوہ کے حق میں دست برداری کی۔ تاہم سر ہیف میاکناٹن بلاپس وپیش صـ ۱۸۵
اس اعتراض کے موافق اعلان کرتے ہیں۔ اس کے باوجود نہایت تعظیم کے ساتھ
میں (اپنی یہ رائے پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا) یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے یہ معنے
ہیں کہ ہندو نظریۂ تبنیت میں ایک اور ایسا مفروضہ داخل کیا جائے
جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اصلی اور حقیقی مفروضہ یہ ہے کہ متبنیٰ گیرندہ

له ۔ سماۃ بٹا بنام لچھمن سنگھ ۔ ین ڈبلیو ۔ پی صـ ۱۱۱ ۔ دتک میماسا باب ۱ ف ۳۳ و ۳۴ ۔
سله ۲ جے سنگھ پال بنام بیجے پال سنگھ ۲۷ الہ آباد صـ ۴۱۷ ۔ پنولال بنام پربتی کنور ۴۲
مرافعہ جات ہند صـ ۱۵۵ ۔ ۳۷ الہ آباد صـ ۳۵۹ پریوی کونسل ۔
سله ۳ دیگمبری بنام تارا مونی بیف ۔ میاکناٹن صـ ۱۷ ضمیمہ ۱ ۔

باپ نے اس کی حقیقی ماں سے اس کو جنا یا حقیقی لڑکا نہ صرف محض اس خاص ماں کا لڑکا ہوتا ہے جس سے کہ وہ پیدا ہوا تھا بلکہ تمام زوجگان کا۔ اور مصنفین ونکا میماسا اور دتکا چندریکا کی یہی رائے معلوم ہوتی ہے کہ متعدد زوجگان ہونے پر بھی تبنیت سے وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے[1] اس مفروضے کو اس طرح وسعت دینا دشوار ہے کہ وہ سب سے جنا یا گیا ہو۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ ہندو قانون تبنیت کے معاملے میں زوجہ کا خیال ہی نہیں کرتا۔ اس کے اور متبنیٰ کے درمیان بعد تبنیت رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن توازن اسناد اور استدلال اس رائے کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کہ متبنیٰ کئے جانے والے لڑکے کے انتخاب میں زوجہ کی قرابت کس طرح موثر ہوسکتی ہے[2]۔ پریوی کونسل نے اب ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس رشتہ داری کا تبنیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا[3]۔

(جدید از جانب مترجم)

(اس قاعدے کا تعلق ازدواج سے قبل کی رشتہ داری سے ہے۔ وہ اس مفروضے پر مبنی ہے کہ متبنیٰ گیرندہ باپ نے اس کی حقیقی ماں سے اس کو جنا یا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ وہ ایسی ہونی چاہیے جو قانوناً اس کی زوجہ ہوسکتی تھی۔ اس قاعدے کی خلاف ورزی میں جو تبنیت انجام دی جائے اس کو امر واقع شدہ کے اطلاق سے جائز نہیں کیا جاسکتا[4]۔ لیکن یہ ممانعت صرف نواسے۔ بھانجے اور

---

[1] منو باب ۹ دفعہ ۱۸۲۔ دتک میماسا باب ۲ دفعہ ۱۹۔ دتک چندریکا باب ۱ دفعہ ۳۲ اور چنانچہ پنڈتوں نے اس مقدمے میں بیان کیا۔ بھٹ میاکاشن ضمیمہ ۱۱۔

[2] مدراس کی عالیہ عدالت نے اس نظریے کو پسند فرمایا سری راملو بنام رامیا ۳ مدراس ص ۱۵ راگوندرا راؤ بنام جے رام راؤ ۲۰ مدراس ص ۲۸۳۔ اور بمبئی میں بائی ناتی بنام چنی لال ۲۲ بمبئی ص ۹۷۳۔ اور الہ آباد میں ۲۷ الہ آباد ص ۱۴۱۔ مقدمۂ جے سنگھ پال سنگھ بنام بیجی پال سنگھ۔

[3] چتو لال بنام پاربتی کنور۔ ایضاً۔

[4] ولسا بائی بنام ہیرا بائی۔ خالہ زاد بھائی۔ ایشوری پرشاد بنام رائے ہری پرشاد ۱۹۲۶ء ۶ پٹنہ ص ۵۰۶۔

خالہ زاد تک محدود کردی گئی ہے اور بارہا یہ فیصلہ فرمایا گیا ہے کہ دوسرے رشتہ داروں کو اس سے تعلق نہیں۔ چنانچہ حالیہ نظائر ذیل سے باپ کا پھوپھی زاد وغیرہ[1] اور خود کا پھوپھی زاد وغیرہ[2]۔ اور داماد[3] متبنیٰ کئے جا سکتے ہیں۔ پٹنے کے مقدمہ راجندر پرشاد بنام گوپال پرشاد سنہ ۱۹۲۸ء پٹنہ صفحہ ۲۴۵ میں واقعہ یہ تھا کہ بیوہ کو اس کے شوہر نے اپنے علاتی بھائی کو متبنیٰ لینے کا مجاز کیا تھا اور یہ اختیار بھی دیا تھا کہ اگر احکام شاستر سے علاتی بھائی کو متبنیٰ کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو تو دوسرے کو لے۔ تجویز فرمائی گئی کہ دتک میماسا شاستروں میں داخل ہے اور چونکہ دتک میماسا نے علاتی بھائی کی تبنیت کو منع کیا ہے اس لئے بیوہ اس کو متبنیٰ نہ لینے میں حق بجانب تھی اگرچہ عدالتی اور قانونی فیصلوں سے علاتی بھائی کو متبنیٰ کیا جا سکتا ہے۔ بیوہ کے اختیارات تبنیت نہ تو اس کے شوہر سے بڑھ کر ہیں اور نہ گھٹے ہوئے۔ یعنی جن کو وہ متبنیٰ کر سکتا تھا یہ بھی متبنیٰ کر سکتی ہے اور علیٰ ہذا نہ کرنے کے متعلق بھی مماثل قسم کے اختیارات ہیں[4]۔ رواج اس قاعدے کے خلاف رواجاً تبنیت جائز ہو سکتی ہے۔ چنانچہ نواسہ یا بھانجہ جنوبی ملک مرہٹہ کے برہمنوں میں متبنیٰ کیا جا سکتا ہے[5]۔ اور نواسے کو مدراس کے برہمن متبنیٰ لے سکتے ہیں[6] اور امرتسر کے کھتریوں میں بھی[7]۔

**ہم ذات ہونا**

**۱۳۸** متبنیٰ لڑکا اور متبنیٰ گیرندہ باپ ہم ذات ہونا چاہئے۔ یعنی ایک برہمن ایک چھتری کو متبنیٰ نہیں کر سکتا یا

---

[1] ملپا بنام گنگو سنہ ۱۹۱۹ء ۴۳ بمبئی صفحہ ۲۰۹۔

[2] رام کرشنا بنام چیناجی سنہ ۱۹۱۳ء ۱۵ بمبئی لا رپورٹ صفحہ ۲۲۴۔

[3] ستیا بائی بنام پاروتی بائی سنہ ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی صفحہ ۵۲۔ ونیز دیکھئے فقرہ ۱۳۵ کا فٹ نوٹ نمبر ۴ وغیرہ۔

[4] شری پد بنام وٹھل سنہ ۱۹۲۵ء ۴۹ بمبئی صفحہ ۶۱۵۔

[5] ۹ مدراس صفحہ ۴۴ لالہ رپ بنام گوپال ۶ ۳ کلکتہ صفحہ ۶۱۔

[6] وسواسندر بنام سوماسندرا سنہ ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس صفحہ ۸۷۶۔

[7] پرمانند بنام شیبو چرن سنہ ۱۹۲۱ء ۲ لاہور صفحہ ۶۹۔

بر عکس اس کے[1] لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ذیلی تقسیم کے لحاظ سے بھی ہم ذات ہو[2]
غالباً یہ قاعدہ قدیم رواج کی ایک بدعت ہے کیونکہ منو کے الفاظ "ہم درجہ حیثیت ہو"
کی تعبیر کرنے میں میدھا تیتھی (Medhatithi) اور دوسروں نے ان کا
یہ مطلب لیا ہے کہ اس میں عمدہ اور موزوں صفات ہوں اگرچہ جماعت
مختلف ہو[3] (سر ولیمس جونس نے ان الفاظ کا ترجمہ "ہم جماعت ہو" کیا ہے)
منو کے زمانے میں ایک شخص مختلف جماعتوں کی زوجگان سے شادی کر سکتا تھا۔
اور ایسی کل زوجگان کے لڑکے صحیح النسب ہوتے تھے۔ ایک ساتھ وارث ہوتے
تھے۔ اگرچہ حصص کا تناسب مختلف ہوتا تھا[4] ایسے لڑکوں میں کا ہر ایک اپنے باپ کی
کریا کرم انجام دینے کا لازماً مجاز ہوتا تھا اگرچہ ایصال ثواب کی مقدار میں فرق
ہوتا ہو۔ لہذا اگر ایک شخص ایسی عورت کے لڑکے کو متبنیٰ نہ کر سکتا تھا جس سے
اس کی شادی ہو سکتی تھی تو یہ امر نہایت ہی حیرت انگیز ہوتا۔ بودھاین
(Baudhayana) ذات کے متعلق کچھ کہتا ہی نہیں اور وشسٹ محض
یہ کہتا ہے کہ "ذات معلوم ہونی چاہئے" (ف۱) ترجیح کا تعین کرنے کے لئے
یہ چیز بالکل فطری ہے۔ دیگر مصنفین (یعنے کتیائن۔ شونک۔ یاگنولکیا اور
یاسک جو ایسے کی تبنیت کو منع کرتے ہیں جو بہ لحاظ جماعت برابری کا نہ ہو)
اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایسی تبنیتیں ہوتی ہی رہتی ہیں اور اس کے
نتیجہ خیز ہونے کو بھی مانتے ہیں کیونکہ اس سے بقائے نسل ہوتی ہے اگرچہ
اغراض کریا کرم کے لئے موثر نہ ہو۔ وہ لہذا یہ اعلان کرتے ہیں کہ ایسا لڑکا

---

[1] ایک پابند دھرم ہندو سدھرم برہمو سماج کے رکن کے لڑکے کو متبنیٰ کر سکتا ہے۔
کسم کماری بنام ستین رنجن۔ ۳۰ کلکتہ ص ۹۹۹۔

[2] شب دیو بنام رام پرشاد ۱۹۲۴ء۔ ۴۶ الہ آباد ص ۶۳۷۔

[3] منو باب ۹ ف ۱۲۸۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۲ ف ۹۔ میوکھ باب ۵ فصل ۵ ف ۲۔ دتک میماسا
باب ۲ ف ۲۳ تا ۲۴۔ چندریکا باب ۱ ف ۱۲ تا ۱۶۔

[4] منو باب ۹ ف ۱۴۸ تا ۱۵۲۔

نفقہ پانے کا مجاز ہے۔[1] اسی سے میرا یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ ان کا ایسے لڑکے کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ عملاً اپنے اصلی خاندان سے علٰحدہ ہو جاتا تھا۔ لہٰذا ظن غالب یہ ہے کہ مخلوط ازدواج کے جائز سمجھے جانے تک پنچ ذات کے لڑکوں کی تبنیت بھی جائز تھی۔[2] جب مقدم الذکر مفقود ہو گیا تو موخر الذکر بھی ختم ہو گیا۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اس زمانے میں اگر ایک برہمن چھتری کو متبنیٰ لے تو ایسی تبنیت محض کالعدم ہے اور اس سے نہ تو وہ لڑکا اپنے اصلی خاندان سے جدا ہوگا اور نہ اس کو متبنیٰ گیرندہ کے خاندان میں کوئی حق پیدا ہوگا۔ ایسی صورت اب تک پیدا تو نہیں ہوئی اور اس کا یقین ہے کہ ایسا ہوگا بھی نہیں۔

**عدم قابلیت جو ذات سے متعلق ہو یعنے ذاتی عدم قابلیت**

ف ۱۳۹ چونکہ اصلی اور خاص وجہ متبنیٰ لینے کی یہ ہوتی ہے کہ میت کے کریا کرم انجام پا سکیں اس لئے اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنی ذاتی ناقابلیت کی وجہ سے کریا کرم کرنے کے قابل نہ ہو متبنیٰ کئے جانے کے لئے بھی لائق نہ ہوگا۔ معدودے قانون پر لکھنے والوں نے اس مسئلے کے متعلق کچھ کہا ہی نہیں۔ غالباً یہ خیال ان کے
ص ۱۸۷ ذہن میں آیا ہی نہ ہوگا کہ ایسی تبنیت ہو بھی سکتی ہے۔ چونکہ ایسا شخص اگر متبنیٰ کیا بھی جائے تو وہ متبنیٰ گیرندہ کی جائداد کا وارث ہونے کے بھی ناقابل رہتا ہے اور اس طرح وہ نہ تو اس کا نام جاری رکھ سکتا ہے نہ اس کی نسل لہٰذا ہر مقصد جس کی تکمیل کے لئے تبنیت کی جاتی ہے۔ زائل ہو جائے گا۔

**سن کی قید**

ف ۱۴۰ تبنیت کے لئے انتخاب پسر میں مزید قید سن و سال اور

لہ۔ نیز دیکھئے دائے کرم سنگرہ باب ۴ ف ۲۴،۲۳۔ جونارد کا اقتباس کرتا ہے۔

ٹہ۔ شمالی لنکا میں یہ صورت اب تک باقی ہے۔ متبنیٰ کئے جانے کے بعد وہ متبنیٰ گیرندہ کے فرقے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اگر عورت متبنیٰ لے تو وہ اپنے حقیقی باپ کی ذات میں ہی رہتا ہے۔ تھیساولم باب ۲ ف ۔

ٹہ۔ سدرلینڈ کا خلاصہ ص ۶۶۵۔ شام چرن سرکار ص ۴۲۵ ص ۵۲۳۔

اصلی خاندان میں ان رسوم سے پیدا ہوتی ہے جو تبنیت سے قبل انجام دیے جا چکے ہوں[1]۔ اس مسئلے پر سب سے بہتر سند کالکا پران (Kalikapurana) کی وہ عبارت ہے جس پر نند پنڈت نے بھروسا اور اعتماد کیا ہے۔ مگر مصنف دتک چندریکا۔ نیلکنٹھ اور دوسرے وں نے اس عبارت کو تحریف خیال کیا ہے۔ اور جس کے متعلق یہ مسلمہ ہے کہ اس کتاب کے دوسرے نسخوں میں موجود نہیں ہے اس عبارت میں قطعاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی ایسا لڑکا متبنیٰ نہ کیا جانا چاہیے جس کی عمر پانچ سال سے متجاوز ہو گئی ہو۔ یا جس کی رسم بھدری اصلی خاندان میں ادا ہو چکی ہو۔ اس عبارت کی دتک میماسا میں ایک بسیط شرح کی گئی ہے اور اس کے نتائج حسب ذیل ہیں :-

**دتک میماسا** اولاً یہ قید کہ سن پانچ سال سے متجاوز نہ ہو قطعی ہے۔ ثانیاً یہ کہ ایسے کو تبنیت میں نہ لینا چاہیے جس کی بھدری ہو چکی ہو کیونکہ وہ ابتدا ہی سے دو باپ کا لڑکا (دوامشائن) ہو جائیگا۔

لیکن ثالثاً یہ کہ اگر کوئی اور نہ مل سکتا ہو تو ایسا لڑکا متبنیٰ کیا جا سکتا ہے جس کی بھدری ہو چکی ہو۔ تاہم ایسی صورت میں رسم پتر یشٹی (یا اولاد ذکور کی رسم ہوم (Putreshti) ادا کر کے سابقہ رسوم کو فسخ کرنا چاہیے۔ بھدری سے قبل کے دوسرے رسوم غیر اہم ہیں۔ البتہ اپنا ئن کی انجام دہی سے تبنیت

---

[1] مردوں کے آٹھ رسوم کے متعلق دیکھو کولبروکس کا نوٹ دتک میماسا پر باب ۴ ف ۲۳-۳۴ ڈائجسٹ ف ۱۴۱۔ ان میں کی پانچویں رسم بھدری ہے۔ اور اپنا ئن یا جنیو پہنانے کی رسم آٹھویں ہے۔ مقدم الذکر کی تکمیل پیدائش کے دوسرے یا تیسرے سال بعد ہوتی ہے! ور موخر الذکر برہمنوں میں حمل کے آٹھویں سال لیکن اس کی تکمیل جلد سے جلد پانچویں سال اور دیر سے دیر سولھویں سال بھی کی جا سکتی ہے۔ چھتریوں کے لیے اپنائن کی اصلی مدت گیارہ سال ہے اور ویش کی بارہ سال لیکن اس کو بائیسویں اور چوبیسویں سال تک علی الترتیب ملتوی کیا جا سکتا ہے شودروں کے لیے سوائے ازدواج کے اور کوئی رسم نہیں ہے۔

[2] دتک میماسا باب ۴ ف ۱۳ دتک چندریکا باب ۱ ف ۲۵ بیو کھ باب ۴ فصل ۵ ف ۲۰ متاکشرا باب ۱ فصل ۲ ف ۱۳ نوٹ جالی ف ۱۶۱۔

مابعد قطعاً ممنوع ہو جاتی ہے[1]۔

**جگناتھ** معلوم یہ ہوتا ہے کہ جگناتھ اس حکم کے لفظ لفظ کو واجب التعظیم سمجھتے ہیں۔ اور روہ اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ بعدری مکرر انجام دی جا سکتی ہے۔ لہذا وہ اس تبنیت کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ بعدری یا پانچویں سال کے بعد انجام دی جائے[2]۔

**دتک چندریکا** برخلاف اس کے مصنف دتک چیندریکا کا کا پیران کے متن کو صحیح ماننے سے انکار کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ صحیح اور حقیقی بھی ہو تو وہ اس کی توضیح میں اس کا امکان ظاہر کرتا ہے کہ بار دوم متبنیٰ گیرندہ خاندان میں بعدری انجام دی جا سکتی ہے۔ جس نتیجے پر وہ پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ سن کا سوال اس مدت کے تعین کے لئے اہم ہے جس وقت کہ اپنائن ادا کی جا سکتی ہے۔ تین اعلیٰ ذات کے لوگوں کی حد تک اگر یہ رسم متبنیٰ گیرندہ کے خاندان میں ادا ہو سکے (اور شودروں کی صورت میں اگر یہ رسم از دواج نئے خاندان میں ادا ہو سکتی ہو) تو کسی خاص وقت کی قید نہیں ہے (بہ الفاظ دیگر اس کی عمر اگر وہ دوجنمی ہے تو ایسی ہونی چاہیے کہ اپنائن نئے خاندان میں ادا ہو۔ اور اگر وہ شودر ہے تو شادی نئے خاندان میں ہونا چاہیے[3])۔

مسٹر ڈبلیو میاکناٹن کی یہ رائے ہے کہ دتک میماسا اور دتک چندریکا کے

---

[1] دتک میماسا ۳۰ تا ۳۲ جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن صـ۷۳۔ دتک میماسا کی شرح سدرلینڈ صـ۵۳ یہ کہتی ہے کہ الفاظ۔ پانچ سال کا لڑکا کے معنے چھ سال سے کم سمجھنا غلطی ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ ایسا لڑکا جس کی پیدائش کا پانچواں سال نہ گزر گیا ہو۔ جسٹس محمود بمقدمہ گنگا سہائے بنام لیکراج سنگھ ۹ الہ آباد صـ۳۱۰۔

[2] جلد ۳ ڈائجسٹ ۱۴۸-۹ ۲۴۹ تا ۲۵۱-۲۶۳۔ و نیز دیکھو بیف میاکناٹن ۱۳۹ تا ۱۴۲-۱۹۴۔

[3] دتک چندریکا باب ۲ ف۲۰ تا ف۲۳۔ جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن صـ۷۳۔

وضع کئے ہوئے قواعد کی پیروی ان صوبہ جات میں ہونی چاہئے جہاں وہ علی الترتیب مسلم ہوں۔ یعنے دتک میماسا بنارس میں۔ اور دتک چندریکا بنگال اور جنوبی ہند میں[1] قبل ازیں (فقرہ ۳۰) جو کچھ دتک چندریکا کے تصنیف کرنے والے کے متعلق بیان کیا گیا اس کی سند کو جنوبی ہند سے بطور خاص منسوب کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ شدید اور مخالفانہ تنقید کے بعد بنارس کے لئے دتک میماسا کی سند کو پریوی کونسل نے تسلیم کیا ہے کیونکہ عرصۂ دراز سے وہ اس صوبے میں مقبول ہے۔ اس لئے وہ بذات خود مستند ہے[2]۔

## قانون بنارس

**۱۴۱** اس مسئلے کے متعلق قانون بنارس کے تحت صرف عدالتہائے صوبہ جات شمالی۔ مغربی نے فیصلے صادر کئے ہیں۔ ان میں کا پہلا ۱۸۶۸ء کا ہے[3]۔ جب کہ یہ قرار دیا کہ حسب احکام دتک میماسا صرف اس بچے کی تبنیت جائز ہے جس کی عمر چھ سال سے کم ہو۔ اس مقدمے میں عدالت نے دتک میماسا اور کالکا پران کے اسناد کو جن پر کہ وہ قاعدہ مبنی ہے قبول فرمایا۔ لیکن اس شرح کے سبب جو مسٹر سدرلینڈ نے اس قاعدے پر لکھی ہے اس کے مفہوم کے متعلق ۱۸۹ غلط فہمی ہوئی[4] ۱۸۸۶ء میں یہ مسئلہ دوبارہ پیدا ہوا اور مسٹر جسٹس محمود نے اس کی نہایت ہی عالمانہ جانچ کی[5]۔ نتائج جو معزالیہ نے اخذ کئے حسب ذیل الفاظ میں بیان کئے گئے "میں یہ قرار دیتا ہوں کہ کالکا پران کی عبارت

---

[1] جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۔
[2] بھگوان سنگھ بنام بھگوان سنگھ ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۳۔ صدر کورٹ ۲۱ الہ آباد صفحہ ۴۱۲۔
[3] ٹھاکر امراؤ سنگھ بنام ٹھکرانی مہتاب کنور۔ عالیہ عدالت صوبہ جات شمالی۔ مغربی کی رپورٹ ۱۸۶۸ء صفحہ ۱۰۳۔ دیکھئے تجویز جسٹس محمود جلد ۹، الہ آباد صفحہ ۳۱۴۔
[4] دیکھئے فقرہ ۱۴۰ کا نوٹ ۲۔
[5] گنگا سہائے بنام لیکھراج سنگھ ۹، الہ آباد صفحہ ۲۵۳۔ ۳۱۶ تا ۳۲۵۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ جانکی پرشاد بنام ناتھو ۳۵، الہ آباد صفحہ ۲۶۳۔

جس پر تبنیت کے لئے پانچ سال کی حد کلیتہً مبنی کی گئی ہے حقیقی ثابت نہ ہوگی۔ یہ کہ اگر اس کو حقیقی تسلیم بھی کیا جائے تب بھی جو تعبیر کہ نند پنڈت نے اپنی دتک میما مسا میں اختیار کی ہے اس کا عالمگیر اطلاق ثابت نہیں کیا گیا۔ یہ کہ وہ تاویل صرف ان برہمنوں تک محدود ہو سکتی ہے جو پوجاری ہونے والے ہوں۔ یہ کہ اس تاویل سے دتک میما مسا اور دتک چندریکا بالکل متفق ہو جائیں گے۔ یہ کہ دیگر مستند مصنفین نے اس عبارت کی دوسری ظنی تاویلات کو بھی اختیار کیا ہے۔ یہ کہ اس مسئلے کے اغراض کے لئے ان اسناد سے استصواب کیا جانا چاہیئے۔ اور چونکہ ان اساتذہ نے اس معاملے کو اس رنگ میں دیکھا ہے اس لئے مدعی کی تبنیت کو محض اس واحد سبب پر منسوخ کرنا احتیاط کے خلاف ہوگا کہ وہ اس وقت پانچ سال سے زائد سن کا تھا۔" اس کے بعد وہ اپنی اس رائے کا اظہار فرماتے ہیں کہ دوجنمی جماعتوں کے متعلق سن اس وقت کے تعین کے لئے اہم ہے جس وقت کہ اپنائن ادا کی جا سکتی ہے۔ اور یہ کہ اس کی تکمیل ہی جائز تبنیت کے لئے آخری حد ہے۔ شودروں میں شادی تک اثر پذیر تبنیت مکمل کی جا سکتی ہے۔

**بنگال**

۱۴۲ف۔ بنگال اور جنوبی ہند کے فیصلے اس نظریے کے موافق ہیں جو دتک چندریکا میں بیان کیا گیا ہے۔ بنگال کے چند قدیم مقدمات میں پنڈتوں کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ اگر اصلی خاندان میں بھدری ہو چکی تھی (اور حقیقی باپ کے نام سے)، تو اس کے بعد کی تبنیت ناجائز ہوگی۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ خیال ظاہر کرتے
وقت انھوں نے اس سے بھی اتفاق کیا کہ پانچ سال کی عمر ایسی قطعی صنہ ۱۹۰
حد نہ تھی کہ اس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا[1]۔ ۱۸۴۳ء میں برایں ہم صدر کورٹ کے

[1] کرت نارائن بنام مسماۃ بھونیسری جلد ا صدر دیوانی ص ۱۲۱ ص ۲۱۳۔ (اس فیصلے سے جو توضیح ملحق کی گئی ہے اس کے لئے دیکھئے جلد ا ڈبلیو میا کناٹن) جلد ۲ ڈبلیو میا کناٹن ص ۱۸۰ مسماۃ دولابھ بنام منو۔ صدر دیوانی صنہ ص ۷۔

پنڈت نے بجواب مسئلہ سن وسال جواب دیا "تین اعلیٰ قبائل یعنے برہمن ۔ چھتری اور ویش کے لئے مقررہ مدت تبنیت ان کو جنیو پہنانے سے قبل کی ہے ۔ اور شودروں کے لئے شادی ہونے سے قبل"[1] بعد کے متعدد مقدمات میں اس رائے کی تصدیق کی گئی اور اب اس کو شبہے سے خالی سمجھا جا سکتا ہے[2] ۔ (حالیہ فیصلہ جات سے اب یہ طے ہے کہ بنگال ۔ بہار ۔ اوڑیسہ اور بنارس میں اُپنائن سے قبل یعنے قبل اس کے کہ لڑکے کو جنیو پہنایا جائے تبنیت مکمل کی جانی چاہیئے[3] ۔ اس واقعے سے تبنیت کے جواز پر اثر نہیں پڑ سکتا کہ خود متبنیٰ گیرندہ سے متبنیٰ سن میں بڑا ہے)[4] ۔ از مترجم

**مدراس** پنڈتوں اور عدالت دونوں نے بار بار وہی قاعدہ بیان کیا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا مسٹر الس (Ellis) نے

---

[1] ۔ بلب کانتھ بنام کشن پریہ ۲ صدر دیوانی صـ۲۱۹ صـ۲ ۔

[2] ۔ تنرادئی بنام بھولاناتھ صدر دیوانی ۱۸۵۳ء صـ۵۵۳ رام کشور بنام بھوبن صدر دیوانی ۱۸۵۹ء صـ۲۲۹ صـ۲۳۱ ۔ نظر ثانی میں تصدیق کی گئی صدر دیوانی ۱۸۶۰ء حصہ اول پریوی کونسل میں ایک دوسرے مسئلے کی وجہ سے منسوخ کیا گیا بھوبن بائی بنام رام کشور جس میں برایں ہم اس تجویز کے متعلق کہ سن کی وجہ سے تبنیت جائز تھی کوئی حجت نہیں کی گئی جلد ۱۰ امور کے مرافعہ جات ہند صـ۲۷۹ صدر کورٹ ۳ سدر لینڈ پریوی کونسل صـ۱۵ ۔

[3] ۔ ۹ الہ آباد صـ۲۵۳ صـ۲۲۸ سری راجہ مکند دیب بنام سری جگناتھ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ صـ۴۶۹ چندر کشور بنام بھشیشور ۱۹۲۶ء ۵ پٹنہ صـ۷۷۷ ۔

[4] ۔ دیکھو پٹنہ والا مقدمہ ۔

[5] جلد ۱ اسٹرینج کا ہندو لا صـ۸۲ صـ۸۹ جلد ۲ صـ۹۸ صـ۱۰۱ بونو ونریا رگھوند ستوتی عرت اتا سوامی بنام سیوا گھی نا چیہ جلد ۱ فیصلہ جات مدراس صـ۲۶ پریوی کونسل نے اس فیصلے کی ۲۰ اپریل ۱۸۴۵ء میں تصدیق فرمائی چنی کولم پرسنا بنام چنی کولم مدو جلد ۱ فیصلہ جات مدراس صـ۲۰۶ سری نواسین بنام شیشل فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۹ء صـ۱۱۱ ۔ ویرا پرمل بنام نارائن پلے جلد ۱ نوٹس آف کیسس صـ۱۳۳ وتھیلنگا بنام دیا تھل ۶ مدراس صـ۴۳ یجو وا ئن بنام سبا ین ۱۳ مدراس صـ۱۲۸ علیٰ ہذا الہ آباد میں بھی جھنکا پرشاد بنام نتھو ۳۵ الہ آباد صـ۲۶۳

یہ بھی خیال ظاہر فرمایا ہے کہ اپنائن کے بعد بھی تبنیت جائز ہوسکتی ہے۔ اگر متبنیٰ کئے جانے والا شخص اور متبنیٰ گیرندہ ایک ہی گوتر کے ہوں۔ وہ اپنی رائے اس پر مبنی کرتے ہیں کہ جب گوتر مختلف ہو تو اپنائن رکاوٹ ہوگی کیونکہ اس سے (اپنائن) وہ شخص صراحتہً اپنے اصلی خاندان میں قائم ہوجاتا ہے اور اس سے رسم دت ہوم کا ادا کیا جانا ناممکن ہوتا ہے[1] لیکن جب ایک ہی گوتر ہو دت ہوم کی رسم تبنیت کے لئے ضروری نہیں اگرچہ مناسب ہے۔ برہمنوں کے ایک مقدمے میں مرادنکور کی عدالت نے اس نظریے کو قبول کیا۔ اس میں قبل تبنیت اپنائن ادا کی جاچکی تھی۔ لیکن عدالت نے اس اعتراض کو غیر ضروری قرار دیا کیونکہ متبنیٰ کیا ہوا شخص متبنیٰ گیرندہ کا برادرزادہ تھا[2] عالیہ عدالت مدراس نے اسناد کی کامل تحقیقات کے بعد اور مقامی رواج کی شہادت لے کر اس فیصلے کا اتباع فرمایا[3]۔ اس کے بعد کے مقدمے میں یہ واقعہ کہ جو شخص متبنیٰ کیا گیا وہ چہل سالہ غیر متاہل تھا (اور
ص ۱۹۱ جو اپنے باپ کی جائداد کا وارث ہوچکا تھا) تبنیت کے لئے اس کا قابل اعتراض ہونا قرار نہیں دیا گیا۔ یعنے یہ اعتراض انسی تبنیت کے جواز کے لئے جائز نہ تھا[4] یم گیلبن کا یہ بیان کہ پانڈیچری میں رواجاً اپنائن کے بعد تبنیت ہوسکتی ہے۔
از مترجم برہمنوں کے متعلق صحیح نہیں معلوم ہوتا[5] بالاجمال مدراس میں اب سن کے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ اگر متبنیٰ اور متبنیٰ گیرندہ ہم گوتر ہوں تو اپنائن کے بعد لیکن شادی سے قبل

---

[1] ۔ دت ہوم کی رسم کے لئے دیکھو فقرہ ۱۵۱۔

[2] ۔ جلد ۲، اسٹرینج کا دھرم شاستر ص ۱۰۲۔ راما سوامی این بنام بھاگتی امل ۸ مدراس جورسٹ ۱۸۶۶ء تا ۱۸۶۷ء ص ۵۸۔

[3] ۔ ویرارگاوا بنام راما لنگا جلد ۹ مدراس ص ۱۴۸ جس سے ونکٹا سیا بنام ونیکٹ چرلو ۳ مدراس عالیہ عدالت ص ۲۸ منسوخ ہوا۔

[4] ۔ پاپا بنام اپاراؤ ۱۶ مدراس ص ۳۸۴ ص ۳۹۶۔

[5] ۔ جلد ۱ گیلبن ص ۹۲۔ سرگ ہندولا ص ۱۳۲۔

تبنیت میں لیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے فٹ نوٹ (۴) ۱۳ مدراس صـ۱۲۸ ۔ و نیز ۱۹۲۵ء میں بمقدمہ لنگیا بنام چنگلا مل یہ قرار دیا گیا کہ شودروں میں بھی متاہل شخص کو تبنیت میں نہیں لیا جا سکتا ۴۸ مدراس صـ۴۰۷)۔

**عمر کی قید عام نہیں ہے**

۴۲۳ سن و سال کی یہ قید ان مقامات اور ان لوگوں میں نہیں ہے جو اس برہمنی مفروضے سے ناواقف ہیں کہ تبنیت سے ولدیت بدل جاتی ہے۔ پنجاب میں چنانچہ عمر کے متعلق کوئی قید نہیں ہے[۱]۔ جین لوگوں میں یہ مدت تیتیں سال تک بڑھا دی گئی ہے اور جسٹس پالو و سے کے بیان سے ان میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے[۲]۔ جب کہ ایک مقدمے کے فریقین اگروالا جین تھے (جن کا تعلق دو جینی فرقوں سے ہے اور جو معمولی ہندو قانون کے متبع ہیں) ایک یہ رواج کہ جین لوگوں میں تبنیت مذہبی رسم نہیں ہے اور نہ تو قانون کے تحت اور نہ رواجاً عمر یا شادی کی ان میں کوئی قید ہے"۔ عالیہ عدالت الہ آباد پر اس کا وجود ثابت ہوا جوڈیشل کمیٹی نے اس فیصلے کی تصدیق ان الفاظ کے ازدیاد کے ساتھ فرمائی کہ چونکہ شہادت جین آبادی کے مرکزوں تک محدود تھی اس لئے وہ فیصلہ غیر اطمینان بخش نظیر ہوگا اگر کسی آیندہ موقع پر اس رواج کے متعلق جس کا ادعا کیا گیا تھا پوری پوری شہادت پیش ہو سکے[۳] اگروالا جین قوم کے لوگ اس کے معتقد نہیں ہیں کہ اس قسم کا لڑکا بھی باپ کو روحانی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ لہذا ان کے پاس تبنیت محض ایک دنیوی چیز ہے[۴]۔ سردگی فرقے کے

ازسہم

[۱]۔ پنجاب کسٹم صـ۸۲ ۔

[۲]۔ رتبہ کرن بنام سوجن جلد ۹ مدراس جورسٹ صـ۲۱ محولہ شیو سنگھ بنام دگو۔ گوبند ناتھ بنام گلال چند ۵ صدر دیوانی صـ۲۷۶ صـ۳۲۲۔ و نیز دیکھئے شیو کنور بائی بنام جیو راج ۱۹۲۰ء مدراس ویکلی نوٹس صـ۶۲۷ ۔ پی ۔ سی ۔

[۳]۔ روپ چند بنام جمبو پرشاد ۷، ۳ مرافعہ جات ہند صـ۹۳۔ ۳۲، الہ آباد صـ۲۴۷۔

[۴]۔ دھنراج بنام سونی بائی ۱۹۲۵ء ۲۵ مرافعہ جات ہند صـ۱۳ صـ۲۴۳ (یہ مقدمہ امراوتی کا تھا)۔

اگروالے بنیوں میں لاولد بیوہ متبنّٰی لینے کی بذاتِ خود مجاز ہے[1]۔ مدراس میں ایسا کوئی رواج نہیں ہے[2]۔ شمالی ہند و قانون کے جین لوگوں میں بھی جین بیوہ ایک متبنّٰی کے مرنے پر دوسرا متبنّٰی لے سکتی ہے[3]۔ مقدمہ روپ چند کے بعد ۱۹۲۰ء میں پریوی کونسل نے یہ تجویز فرمائی کہ ستامبری فرقۂ جین میں تبنیت کے وقت متبنّٰی کئے جانے والا بالغ اور متاہل ہو سکتا ہے[4]۔ علیٰ ہذا عدالت الٰہ آباد نے یہ قرار دیا ہے کہ متاہل شخص جائز طور پر متبنّٰی کیا جا سکتا ہے[5]۔ مقدمہ دھنراج بنام سونی بائی اس مضمون پر نہایت ہی حالیہ مقدمہ ہے اور حکام عالی مقام پریوی کونسل نے اس مقدمے میں یہ تجویز فرمائی کہ سردگی فرقے کے اگروالے بنیوں میں تبنیت کی انتہائی عمر ۲۲ سال ہے۔

علیٰ ہذا مغربی ہند میں مصنف میوکھ کہتا ہے :- "اور میرے باپ نے کہا ہے کہ ایک متاہل مرد جس کو لڑکا بھی پیدا ہو گیا ہو متبنّٰی ہو سکتا ہے[6]۔" اس تحریر کی وجہ سے سورت صدر عدالت کے پنڈتوں نے یہ رپورٹ کی کہ "اس قاعدے کا تعلق کہ پانچ سال سے کم کا بچہ متبنّٰی کیا جانا چاہیے ان صورتوں سے ہے جب کہ کوئی رشتہ داری نہ ہو۔ لیکن جب ایک رشتہ دار متبنّٰی کیا جا رہا ہو تو اس کے سن بلوغ کو پہنچنے سے کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی۔ یا اس کے متاہل اور عیال دار ہونے سے بشرطیکہ اس میں عام قابلیت ہو اور متبنّٰی لینے والا

---

۱۔ اشرفی بنام روپ چند ۳۰ الٰہ آباد صفحہ ۱۹۷۔
۲۔ گپنا بنام ایرماشی ۱۹۲۲ء ۵ مدراس صفحہ ۲۲۰۔
۳۔ ۱۰ الٰہ آباد صفحہ ۳۱۹۔
۴۔ شیوکرا بائی بنام جیو راج ۲۵ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۲۷۳۔
۵۔ منوہر لال بنام بنارسی داس ۲۹ الٰہ آباد صفحہ ۴۹۵۔
۶۔ میوکھ باب ۴ فصل ۵ صفحہ ۱۹ اس کا باپ شنکر بھٹ تھا۔ ودیت نرنی جو دکن میں بطورِ خاص مستند ہے اسی کی تصنیف ہے۔ ناتھاجی بنام ہری ۸ بمبئی ہائی کورٹ صفحہ ۱ (مرافعے کے نظائر)۔

اس سے محبت کرتا ہو[1]۔ چنانچہ مسٹر اسٹیل کہتے ہیں کہ "پونہ کے شاستری اس کو نہیں مانتے کہ مونج اور شادی سے قبل تبنیت ہونی چاہیئے" اور صاحب موصوف تبنیت کی موزوں اور مناسب عمر کے متعلق متعدد توجیہیں کرتے ہیں جن کا سلسلہ پانچ سال سے پچاس سال تک بتلاتے ہیں اور وہ اپنے بیان کو یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ "عمر کے متعلق کوئی قید نہیں ہے۔ متبنیٰ گیرندہ سے خود متبنیٰ زیادہ کا نہ ہونا چاہیئے[2]" اگر سن کے اختلاف کے قاعدے کو کوئی قوت نافذہ حاصل بھی ہو تو کسی صورت میں بھی اس کا اطلاق متبنیٰ گیرندہ بیوہ اور متبنیٰ کے درمیان میں نہیں ہوتا[3]۔ ان اسناد میں سے کوئی بھی متبنیٰ کیئے جانے والے شخص کے فرقے کے متعلق کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ سورت کے مقدمے میں فریقین برہمن معلوم ہوتے ہیں۔ یا کم از کم چھتری۔ عالیہ عدالت بمبئی نے جن چند مقدمات میں متاہل شخص کی تبنیت کو جائز قرار دیا ان میں اگرچہ فریقین شودر تھے لیکن فیصلے کی وجہ یہ واقعہ نہ تھا[4]۔ کسی قدر شک ظاہر کرنے کے بعد عالیہ مقدمات نے اب اس کا تصفیہ کر دیا ہے کہ متاہل برہمن قانوناً متبنیٰ کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ اس معاملے کے جائز ہونے کے لیئے اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ آیا وہ (متبنیٰ) اور متبنیٰ گیرندہ مختلف گوتر کے ہیں یا ایک ہی گوتر کے[5]۔ (بمبئی کے ممالک میں کسی سن پر بھی متبنیٰ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ عـ ۱۹۲

[1] ۔ برج بھوکن جی بنام گوکلت ساؤجی ابور ڈیل صـ۱۹ صـ۲۱۷ ۔

[2] ۔ اسٹیل ۴۴ و ۱۸۲ ۔ وی ۔ این ۔ منڈلک صـ۴ ۔ جلد ا ڈبلیو میا کناٹن صـ۷ ۔ روایں بھی صورت حال یہی تھی ۔

[3] ۔ گوپال بالکرشنا بنام وشنو رگھوناتھ ۲۴ بمبئی صـ۴۵۴ تـ۲۵۱ (ترمیم از مترجم۔ دیکھئے اصل صـ۱۹۲ پر نوٹ ھہ۔

[4] ۔ راجو حملکر بنام جیونت راؤ جلد ۳ بمبئی عالیہ عدالت (نظائر مرافعہ) صـ۱۹۱ ۔ ناتھاجی بنام ہری ۸ بمبئی عالیہ عدالت (نظائر مرافعہ) صـ۶۷ ۔

[5] ۔ سداشیو بنام ہری منیشور ۱۱ بمبئی عالیہ عدالت صـ۱۹ لکشمیا بنام رامیا ۱۲ بمبئی عالیہ عدالت صـ۳۶۴ دھرم دایو بنام رام کرشنا ۱۰ بمبئی صـ۸۰ ۔

متبنیٰ گیرندہ سے وہ بہ لحاظِ سن وسال بڑا ہو اور اگرچہ اس کی شادی ہو چکی ہو اور اس کے بچے ہوں)[1] ایک سوال اس سلسلے میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متاہل مرد متبنیٰ کیا جاسکتا ہو تو آیا اس کی زوجہ اور وہ لڑکا جو تبنیت سے قبل اس کو پیدا ہوا ہو وہ بھی متبنیٰ گیرندہ خاندان کے ارکان ہو جائیں گے۔ عالیہ عدالت بمبئی نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ صرف وہ شخص اپنے گوتر سے جدا ہو جاتا ہے جو متبنیٰ کیا گیا۔ لیکن یہ کہ اس کا لڑکا نہ تو اصلی خاندان کی رکنیت سے محروم ہوتا ہے اور نہ اس میں اس کا حق زائل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کا اعتراف فرمایا گیا کہ زوجہ شوہر کی پیروی کرے گی۔[2] لڑکا جس کا حمل قبل تبنیت قرار پایا ہو اور تبنیت کے بعد پیدا ہو تو وہ متبنیٰ گیرندہ خاندان کا ہوگا۔[3]

**اکلوتا لڑکا اولاد اکبر**

**دفعہ ۱۴۴۔** اکلوتے لڑکے کی تبنیت کا امتناع دشت۔ بودھاین اور شونک کے متن پر مبنی ہے (دفعہ ۱۱)۔ "اکلوتے لڑکے کو نہ تو کوئی دے اور نہ لے۔ کیونکہ اس کو اپنے مورث کے کریاکرم کے لئے باقی رہنا چاہیئے۔"[4] علیٰ ہذا شونک کہتا ہے کہ "کوئی شخص جس کو اکلوتا لڑکا ہو اس کو عطا نہیں کر سکتا۔" اس جملے سے نند پنڈت قبول کرنے کی ممانعت بھی اخذ کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ نسل کو مفقود کرنے کے جرم کے (جسے وشسٹ فعل بد قرار دیا ہے) دینے اور لینے والے دونوں مرتکب ص ۱۹۳

---

[1] بالا باجی بنام بھادو ۱۹۲۲ء ۴۶ بمبئی ص ۲۸۷۔ گوپال بنام وشنو ۲۳ بمبئی ص ۲۵۰ بھی دیکھا جائے۔ نمبدری برہمنوں میں (دفعہ ۱۱۲) متاہل شخص کو متبنیٰ کرنے کا اختیار صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ تبنیت کرتم شکل میں ہو۔ ۱۱ مدراس ص ۱۷۶۔

[2] کلگو واتو اپیا بنام سومیا تمنگو (۱۹۳۱) ۳۳ بمبئی ص ۶۶۹۔ کیونکہ شاستروں کے لحاظ سے شوہر اور زوجہ ایک ہی جسم کے ہوتے ہیں (دیند)۔

[3] اڈوی بنام فقیر پا ۱۹۱۸ء ۴۲ بمبئی ص ۵۴۳۔

[4] علیٰ ہذا رومابین بھی اکلوتا لڑکا متبنیٰ نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ اس سے مذہبی غرض زائل ہو جاتی تھی۔

**فرزند اکبر**

ہوتے ہیں[1]۔ چند مستند مصنفین نے اس امتناع کو وسعت دے کر اس کو فرزند اکبر سے بھی متعلق کیا ہے۔ کیونکہ جو کارہائے ثواب وہ انجام دے سکتا ہے ان کو بطور خاص باپ کے حق میں صرف کرنا چاہیئے[2]۔ و نیز دو لڑکوں میں کے ایک کی تبنیت کو بھی ممنوع سمجھتے ہیں کیونکہ ایسے فعل سے باپ کے پاس صرف ایک رہ جائے گا اور اس طرح وہ ممکن ہے کہ لاولد رہ جائے۔ لیکن یہ مسلمہ ہے کہ یہ آخری حکم بطور نیک مشورے کے ہے (یعنے ایسا نہ کرنا بہتر ہے) نہ کہ تاکیدی[3]۔ اور اسی قسم کا فیصلہ فرزند اکبر کی تبنیت کے متعلق کیا گیا ہے[4]۔ ہندو قواعد تعبیر کے مطابق ان احکام کو کس قدر وقعت دی جانی چاہیئے؟ اس کے متعلق وی۔ین۔ منڈلک نے طویل بحث کی ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ وہ محض سفارشی ہیں نہ کہ امتناعی۔ اور یہ کہ ان کی خلاف ورزی سے صرف مرتکب پر اثر پڑتا ہے۔ لیکن اس سے جواز رسم واپس نہیں لیا جاتا (یعنے اس سے تبنیت کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا)[5] (اکلوتا لڑکا تبنیت میں دیا بھی جا سکتا ہے اور لیا بھی۔ اسی عنوان کے تحت

---

[1] دتک میماسا باب ۲ و ۱ تا ۶ دتک چندریکا باب ۱ ۲۷ و ۲۸۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۲ و ۱۱ میوکھ باب ۴ فصل ۵ و ۹ و ۱۲ وی۔ین منڈلک صفحہ ۵۰۲۔

[2] متاکشرا باب ۱ فصل ۲ و ۱۳ مجموعہ منو باب ۹ و ۱۰۶۔ ورمت باب ۲ فصل ۲ و ۸ سمرسوتی ولاس و ۳۶۸ و ۳۶۹۔ ۲/۶ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۱۰۱۔

[3] میاکناٹن صفحہ ۱۸۲۔ میوکھ باب ۴ فصل ۵ و ۴۔ پرمال نائکن بنام پوچی امل فیصلہ جات مدراس صفحہ ۲۳۴ سنہ ۱۸۵۱ء۔

[4] دتک میماسا باب ۴ و ۴ جلد ۱، اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۸۵ جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۶۷۔

[5] جانکی بنام گوپال ۲ کلکتہ صفحہ ۳۶۵ معدقہ جلد ۱۰ امرا قوجات ہند صفحہ ۳۲۔ ۹ کلکتہ صفحہ ۶۶۔ کاشی بائی بنام ٹاٹیا، بمبئی صفحہ ۲۲۱ جمنا بائی بنام رائے چند صفحہ ۲۲۵۔

[6] منڈلک ۴۹۲ تا ۵۰۸ جن میں وہ از منہ وید سے اکلوتے لڑکوں کی تبنیت کے واقعات بیان کرتے ہیں۔

مسئلۂ جواز امر مانع شدہ پر ایک مختصر بحث بیجا نہ ہوگی۔ اس مسئلے کا موجد مصنف دیا بھاگ ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ "ایک سو احکام بھی کسی واقعے کو بدل نہیں سکتے۔" اب یہ مسئلہ متفقہ طور پر مانا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ایک کام ہوجائے تو وہ واقعہ بحال رہے گا اگرچہ کہ متعدد احکام ہدایتی کے خلاف وہ کام ہوا ہو۔ قانون رومامیں یہ مقولہ مسلمہ ہے کہ "جو نہ کیا جانا تھا جائز ہے جب ہوجائے" (The doctrine of Factum Valet) اس کا اطلاق تاکیدی احکام کی خلاف ورزی پر نہ ہوگا۔ مثلاً ازدواج کے لئے ولی کی رضامندی کا قاعدہ۔ یا اکلوتے لڑکے کی تبنیت کا امتناع۔ یا رشتہ دار کا بمقابلۂ غیر کے انتخاب احکام ہدایتی ہیں۔ جب احکام اس نوع کے ہوں تو مسئلۂ جواز امر واقع شدہ کا اطلاق ہوسکے گا۔ لیکن دینے یا لینے کی قابلیت کے احکام یا متبنیٰ بننے کی قابلیت کا حکم تاکیدی ہے[1]۔

**دوباپ کا لڑکا یعنی دوامشائن**

ف ۱۴۵۔ بادی النظر میں یہ امر ہر جگہ مسلم ہے کہ جب ایک لڑکا بطور دوامشائن کے یعنے دو باپ کے بیٹے کے لیا جائے تو اکلوتے لڑکے کی تبنیت قابل اعتراض نہیں رہتی۔ یہ کام یا تو صراحتہً بذریعۂ معاہدہ ہوسکتا ہے کہ اصلی خاندان سے اس کی قرابت جاری رہے گی[2]۔ یا معناً اس واقعے سے ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کے اکلوتے لڑکے کو متبنیٰ کر لیا ہو۔ ایسی صورت میں دہری قربتداری کو قدیم اسناد بلا کسی خاص معاہدے کے قایم شدہ تصور کرتے ہوئے نظر آتے ہیں[3]۔ بمبئی میں بہ شکل دوامشائن

---

[1] گرولنگا سامی ۲۲ مدراس ص ۳۹۸۔ کرشنا بنام پراسمتری ۲۵ بمبئی ص ۵۳۷۔

[2] جلد ۲ ڈبلیو میاکناٹن ص ۱۹۲ جلد ۱، اسٹرینج ہندو لا ص ۸۶۔ فتاوی جلد ۲ نیا پید کے نظائر پریوی کونسل سنہ ۱۸۳۱ء تا سنہ ۱۸۳۶ء ص ۲۰۶۔ شمشیر بنام دل راج ۲ صدر دیوانی ص ۱۸۹ ص ۲۱۶۔ جائے مونی بنام سبو سندری ولٹن ص ۷۵۔ پھارے لال بنام شبلال ۲۶ الہ آباد ص ۴۷۲۔

[3] دتک میاماسا باب ۶ دفعہ ۳۷-۳۸ باب ۵ دفعہ ۳۴ تا ۳۶ - ۴۷ و ۴۹۔ دتک چندریکا باب ۲ دفعہ ۲۷ | ۲۸ یا ۳۔

لڑکے کو تبنیت میں دینے یا لینے کے نہ صرف بھائی مجاز ہیں بلکہ ان کی بیوگان بھی[۱]۔ یہ نظریہ بلا کسی خاص معاہدے کے ایسا ہو سکتا ہے۔ عدالت بمبئی کے ایک عالمانہ فیصلے میں نامنظور کیا گیا۔ اس عدالت نے یہ قرار دیا کہ بھائی کے لڑکے کو متبنیٰ کرنے کی صورت میں بھی صریح قرار داد ثابت کی جانی چاہئے[۲]۔ قیاس یہ ہے کہ تبنیت معمولی شکل میں انجام دی گئی یہ بتلانے کے لئے کہ وہ دوامشیائن طریقے کی تھی صریح معاہدہ اس خصوص میں ثابت کیا جانا چاہئے[۳]۔

**اکلوتا لڑکا** اکلوتے لڑکے کی تبنیت کے جواز کے مسئلے سے غیر معمولی مباحث پیدا ہوئے ہیں۔ اس مسئلے پر گزشتہ صدی کے آغاز سے مسلسل متضاد فیصلوں میں کافی غور کیا گیا اور اس صدی کے آخری سال میں جوڈیشل کمیٹی کے ایک مختتم فیصلے سے اس کی یکسوئی ہوئی[۴]۔

**بنگال** صدر اور عالیہ عدالت بنگال کے فیصلے یکساں طور پر ایسی تبنیت کے خلاف تھے اس زمانے کی عادت کے مطابق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۵؎ باب ۵ و ۳۲۔ جلد ۱، اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۸۶ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۔ اسٹیل صفحہ ۴۵ صفحہ ۱۸۳۔ سرو دھیکری صفحہ ۵۳۵۔ پرمال ناگن بنام یونی امل فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۱ء صفحہ ۲۳۴۔ گوکلانند بنام وما دائے ۵ ابنگال لا رپورٹ صفحہ ۴۱۔ صدر کورٹ ۲۴ سدرلینڈ صفحہ ۲۴۔ نلمادھب بنام بشمبر ۱۳ مورصاحب کے مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۰۱۔ ۱۲ سدرلینڈ پی۔ سی صفحہ ۲۹۔ چناگوندن بنام کماراجلد ا مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۵۴۔ امادی بنام گوکلانند ۵ مرافعہ جات ہند ۲ ۴۔ ۳ کلکتہ صفحہ ۵۸۷۔ میوکھ باب ۴ فصل ۵ و ۲۱ ۲۲۔

۱؎۔ کرشنا بنام پرمیشری ۲۵ بمبئی صفحہ ۵۳۷۔

۲؎۔ لکشمی پتی راؤ بنام وینکٹیش ۴۱ بمبئی صفحہ ۳۱۵۔

۳؎۔ بکراڈ تاجی بنام بھیم راؤ گرد راؤ ۴۲ بمبئی صفحہ ۲۷۷۔

۴؎۔ اس کتاب کی گزشتہ اشاعت میں اس بحث کے متعلق کل قانون کو بہ تفصیل بیان کیا گیا تھا۔ اب اس کے متعلق صرف تاریخی حیثیت سے دلچسپی باقی ہے طبع پنجم ۱۳۲ تا ۱۳۸۔

قدیم مقدمات پنڈتوں کے فتاوی پر فیصل کئے گئے لیکن عالیہ عدالت کے دو مقدمات مابعد میں کل مضمون پر مکمل بحث کی گئی۔ ان دو میں کے پہلے میں اس عالم اور بزرگ ہندو مقنن مسٹر جسٹس دوارکا ناتھ متر نے[1] ۱۸۶۲ء تک

**مدراس**

مدراس کے کسی مقدمے میں یہ مسئلہ براہ راست پیدا نہیں ہوا۔ ۱۸۰۱ء سے یہ سوال مختلف مقدمات میں ضمناً پیدا ہوا ہے۔ اور اس وقت جب کہ سر تامس اسٹرینج ہندو قانون پر اپنی تصنیف کے متعلق مواد جمع کر رہے تھے انھوں نے مسٹر کولبروک اور مسٹر ایلیس سے مشورہ کیا اور مدراس کے پنڈتوں کے مختلف فتاوی اس مضمون پر ان کے سامنے پیش کئے۔ مسٹر کولبروک نے یہ رائے قائم کی کہ ایسی تبنیت ناجائز تھی۔ مدراس کے ایک سیویلین مسٹر ایلیس اور پنڈتوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ایسی تبنیت ممنوع تھی لیکن یہ کہ اگر مکمل ہو جائے تو نتیجہ خیز ہوگی۔[2] خود سر تامس اسٹرینج کی بھی رائے تھی چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب وینز فیصلے میں بھی اس کا اظہار فرمایا۔[3] ۱۸۶۲ء میں بصیغۂ مرافعہ عالیہ عدالت مدراس نے صراحتہً فیصلے میں حسبۂ تجویز کی۔[4] فیصلہ قابل اطمینان نہ تھا۔ چیف جسٹس نے منفصلہ مقدمات پر تجویز کرنے کا ادعا کیا اور اس کے لیے انھوں نے متعدد قدیم مقدمات مدراس سے جن میں اس امر کا فیصلہ قطعاً تصفیہ نہیں ہوا تھا استصواب لیا۔ و نیز انھوں نے بنگال کے ایک ایسے مقدمے کا حوالہ دیا جس کا فیصلہ بالکل اس کے برعکس تھا جو انھوں نے خیال فرمایا تھا۔ تاہم معلوم

۱۹۵

[1] نندرام بنام کاشی پانڈے ۳ صدر دیوانی صـ۲۳۲ صـ۳۱ ۴ صدر دیوانی صـ۷ صـ۵۹ دیبی دیال بنام ہر ہور سنگھ ۴ صدر دیوانی صـ۳۲۰ صـ۳۲۷۔ اپیندرلال بنام رانی پراسنا مائی (بنگال لا رپورٹ دفاتر مرافعہ) صـ۲۲۱ صدر کورٹ۔ اسدر لینڈ صـ۳۴۷ مانک چندر بنام بھگوتی ۳ کلکتہ صـ۴۴۳۔

[2] ۲، ۱ اسٹرینج ہندو لا صـ۸۳ صـ۸۸ صـ۱۰۵ صـ۱۰۶ صـ۱۰۷۔

[3] ویرا پرمل بنام نارائن پلے جلد ۱ نوٹس آف کیسس صـ۹ صـ۱۲۵ جلد ۱، اسٹرینج ہندو لا صـ۸۶۔

[4] چیناگوندن بنام کماراگوندن جلد ۱ مدراس عالیہ عدالت صـ۵۴۔

یہ ہوتا ہے کہ اس فیصلے کو قطعی طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ اور بعد کے دو مقدمات میں اس کی اسی طرح اور بلا استدلال مزید پیروی بھی کی گئی۔ ان میں کا آخری مقدمہ بصیغۂ مرافعہ پریوی کونسل کے ملاحظے میں پیش ہوا[1]

**الہ آباد**

الہ آباد میں اس مسئلے کی تاریخی کیفیت بہت ہی مختصر ہے ۱۸۶۹ء میں یہ مقدمہ اجلاس کامل کے ملاحظے میں آیا۔ بنگال اور مدراس کے مختلف نظریوں پر غور کیا گیا اور موخر الذکر کی رائے کو ترجیح دی گئی۔ فطرۃً اس سے یہ بحث اس حصۂ ہندوستان میں ختم ہو سکتی تھی لیکن بوجہ اس کے کہ جسٹس اسٹریٹ اور جسٹس محمود نے شبہہ ظاہر فرمایا وہی مسئلہ بعد کے ایک مقدمے میں بار دوم اجلاس کامل کے استصواب کے لئے پیش ہوا چیف جسٹس ایج (Edge) اور جسٹس ناکس نے اس کی نہایت ہی عالمانہ اور مختتم جانچ فرمائی اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عدالت نے اپنی پہلی رائے کا اتباع کیا۔ آخری مقدمہ بصیغۂ مرافعہ پریوی کونسل کے ملاحظے میں آیا۔ مدراس کے اور اس مقدمے کی سماعت علٰحدہ علٰحدہ ہوئی تاہم دونوں کی واحد فیصلے میں تصدیق کی گئی[2]۔

**بمبئی**

بمبئی میں واقعات کی افتاد بہت زیادہ مختلف تھی۔ جہاں تک
196 میں واقف ہوں قدیم ترین مقدمہ جس میں اس امر پر بحث کی گئی وہ تھا جو ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا۔ اس مقدمے میں فرزند اکبر کی تبنیت کا جواز مایہ النزاع تھا۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ حقیقی باپ نے اپنے دونوں لڑکوں کو دے دیا تھا اور شاستریوں سے سوال کیا گیا تھا کہ آیا یہ جائز تھا۔ انھوں نے یہ رائے دی کہ دینے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے نہ کہ لینے والا۔ اور یہ کہ جب ہو جائے تو تبنیت جائز تھی[3]۔ عالیہ عدالت بمبئی نے

---

[1] نارائن سامی بنام کپو سامی ۱۱ مدراس صفحہ ۴۳۔ یہری بالا سوگرو لنگا سامی بنام راما لکشما ۲۲ مدراس صفحہ ۳۹۸۔

[2] ہنومان بنام چیرا بائی ۲، الہ آباد اجلاس کامل صفحہ ۱۶۴۔ اجنی پرشاد بنام ہردے بی بی ۱۴، الہ آباد اجلاس کامل صفحہ ۲ جس کو بمقدمۂ مرادھا موہن بنام ہردے بی بی بحال رکھا گیا ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۳۔

[3] ہیبت راؤ بنام گوئند راؤ ۲ بور ڈیل صفحہ ۸۶ صفحہ ۸۶۔

اس نظریے کی اتباع متعدد مقدمات ہیں جن میں اکلوتے لڑکے کی تبنیت مابہ النزاع تھی کی۔ اور مسٹر وی۔ین۔ منڈلک یہ بیان کرتے ہیں کہ فیصلہ جات کا یہی سلسلہ صدر عدالت کے ان مقدمات میں رہا ہے جن کی رپورٹ نہیں کی گئی[1]۔ سر ریم وسٹراپ کے زیر اثر ۱۸۷۵ء میں اس روش میں تبدیلی واقع ہوئی۔ ان کے ملاحظے میں مقدمہ یہ تھا کہ آیا بیوہ کا اکلوتے لڑکے کو تبنیت میں دینا جائز تھا یا ناجائز۔ صرف اس مسئلے کا تصفیہ ضروری تھا کہ آیا شوہر کی جانب سے عطائے اختیار کا قیاس ہو سکتا تھا۔ اس امر پر کل قانون مع جملہ نظائر کی بہ تفصیل جانچ کی گئی اور جس نتیجے پر صاحب موصوف پہنچے وہ یہ تھا کہ اکلوتے لڑکے کا دینا یا لینا اس قدر بیجا تھا کہ شوہر کی رضامندی کا قیاس قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ تاہم میر مجلس نے اس تبنیت کے جواز کے خلاف نہایت پر زور الفاظ میں اظہار رائے فرمایا گو انھوں نے اس کا اعتراف فرمایا کہ ایسی تبنیتوں کو قدیم صدر عدالت نے جائز تسلیم کیا تھا[2]۔ لنگایتوں کے ایک مقدمے میں (جس کی رپورٹ نہیں ہوئی ہے) اس رائے کا اتباع کیا گیا۔ جب کہ تحت قانون نشان ۲۷ بابت ۱۸۶۰ء صداقت نامۂ وراثت کی درخواست کی گئی تو قبل عطائے صداقت نامہ ایسی تبنیت کے جواز کا فیصلہ ضروری تھا۔ اجلاس کامل سے جس کے صدر نشین سر ریم وسٹراپ تھے استصواب کیا گیا اور تبنیت ناجائز قرار دی گئی[3]۔

---

[1] مہلسا بائی بنام وٹوبا ۷ بمبئی نظائر مرافعہ ضمیمہ ۲۶ راجہ نمبلکر بنام جے ونت راؤ ۴ بمبئی عالیہ عدالت نظائر مرافعہ صفحہ ۱۹۱۔ رنگو بائی بنام بھاگرتی بائی ۲ بمبئی صفحہ ۳۷۹۔ منڈلک صفحہ ۵۰۔

[2] لکشمپا بنام رامپا ۱۲ بمبئی عالیہ عدالت اشاعت دوم صفحہ ۳۶۴۔ اگرچہ یہ فیصلہ ۱۸۷۵ء کا ہے لیکن اس کی رپورٹ ۱۸۷۸ء تک نہیں ہوئی تھی۔ اس کی پیروی بمقدمۂ کاشی بائی بنام ٹاٹیا کی گئی ۷ بمبئی صفحہ ۲۲۱۔ اس کے متعلق فی الحقیقت کس امر کا تصفیہ کیا گیا دیکھئے بی۔ گرو لنگا سامی بنام بی۔ لکشمپا ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۳۔ ۲۲ مدراس صفحہ ۴۹۸ اور ف ۱۳ قبل از یں۔

[3] رام چند بنام وٹھوبا دیسٹ اور بہلر صفحہ ۱۲۹۔

بالآخر ۱۸۸۹ء میں جبکہ فریقین میں باضابطہ نالش ہوئی تو اجلاس کامل نے فیصلۂ
مقدمۂ لنگایت کو ان پر واجب التعمیل تصور فرمایا اور قرار دیا گیا کہ اکلوتے لڑکے ۱۹۷
کی تبنیت قطعاً ناجائز ہے[1]

## پریوی کونسل کے فیصلے

ف ۱۴۷۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایسی صورت جو متواتر پیش آتی ہے اور جس کے متعلق کامل ایک صدی میں ایسے مختلف نظریے بیان کئے گئے ہوں پریوی کونسل کے فیصلے کے لئے ۱۸۸۹ء تک پیش نہ آئی ہو۔ اور پیش آتی بھی ہے تو اس طرح کہ ایک ساتھ دو مقدمے ایک مدراس اور دوسرا الہ آباد سے اس وقت ملاحظے میں آتا ہے۔ ہر ایک مقدمے پر علیحدہ علیحدہ بحثیں ہوئیں۔ اس عدالت میں جس نے مدراس کے مقدمے کی سماعت کی لارڈ ہرشل کا اور لارڈ واٹسن (الہ آباد سے) کا محض اس سماعت کے لئے اضافہ کیا گیا تھا۔ اور اس کا یقین ہے کہ جانبین نے بحث کے وقت ہر ممکنہ مواد پیش کیا۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ جواز تبنیت کی تصدیق کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ فیصلہ ایسا تھا جس میں یقیناً مقدمے کی کسی دشواری کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور ہر امر پر غور کامل کیا گیا۔ کیونکہ اولاً جسٹس دوارکا ناتھ متر کی تجویز (ان کے فیصلے ۱۸۶۸ء میں) سے دو بدو ہوئی۔ "مضمون تبنیت خود ہندو مذہب کا جزو لاینفک ہے اور مذہبی و قانونی اختاامات کا کل امتیاز اس سے متعلق نہیں ہوسکتا" انھوں نے یہ ظاہر

---

[1] وامن رگھوپتی بنام کرشناجی اجلاس کامل ۱۴ بمبئی صفحہ ۲۴۹ جس کی پیروی بمقدمۂ رائے چندر بنام بائی منصور ۱۹ بمبئی صفحہ ۶۵۱۔

[2] بالاسو گرو لنگا سامی بنام بی لکشمیا۔ رادھاموہن بنام ہردئے بی بی ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۳ ۲۲ مدراس صفحہ ۳۹۸۔

[3] جلد ۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۲۱ و نیز دیکھئے راجندر و نارائن بنام سرو داسندری ۱۵ ویکلی رپورٹر صفحہ ۵۴۸ اس مقدمے میں اسی جج نے زیادہ پرزور الفاظ میں انھیں نظریوں کو بیان کیا۔

فرمایا کہ احکام تبنیت کے مختلف مواقع پر ایک خاص قسم کے افعال کے متعلق صریح اور صاف ہدایات یا امتناعات مذہبی دے دیے ہوں۔ اس سے واضح ہے کہ امتیاز مقبولہ ہے۔ یہ کہ بعض اسی قسم کے مقدمات میں اس جانب کنایہ بھی نہیں کیا گیا کہ اس حکم کی تعمیل قانوناً واجب ہے۔ اور یہ کہ دوسری صورتوں میں اس جانب متوجہ کرنے کے باوجود اس کو نظر انداز کیا گیا۔ انھوں نے وشسٹ اور شونک کے دو احکام محکم (leading texts) کو جانچا اور یہ رائے ظاہر کی کہ ان حکما میں کا ایک بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اکلوتے لڑکے کی تبنیت قطعاً باطل رہنا چاہیئے۔ یہ بھی ظاہر فرمایا گیا کہ مسٹر کولبروک نے متاکشرا جلد ا و ۲ کے فقرات ۱۰ ، ۱۱ و ۱۲ کے ترجمے میں الفاظ "نہ چاہیئے" (should not) ان دو امتناعات کے متعلق استعمال کیا ہے جو یقیناً محض سفارشی ہیں۔ اور الفاظ "ہرگز نہ چاہیئے" (must not) اکلوتے لڑکے کی تبنیت کی ممانعت کے متعلق۔ اگرچہ الفاظ ہم معنے تھے اور وجوب یا ہدایت کو مساوی طور پر ظاہر کرنے کے قابل۔ اس سے سر ریم ویسٹراپ کا فیصلہ (۱۸۷۵ء) کمزور ہوگیا کیونکہ انھوں نے متاکشرا کے صریح الفاظ اور زبان پر اعتماد کیا و نیز بظاہر اس سے سر ڈبلیو۔ مارکبی بھی اپنے ۱۸۷۷ء کے فیصلے میں متاثر ہوئے[1]۔ نیز انھوں نے اس قسم کی تبنیت کے اس مسلمہ رواج پر اعتماد کیا جو ہندوستان کے اکثر مقامات میں کثرت سے پھیلا ہوا تھا۔ اور اس واقعے پر کہ اگر پابند دھرم ہندو ایسی تبنیت انجام دیتے ہیں تو ان کے فرقے کے بزرگ کسی قسم کی سماجی سزا ان پر عائد نہیں کرتے اس استدلال کے متعلق کہ ایک طویل سلسلۂ فیصلہ جات میں مخل ہونا احتیاط کے خلاف ہے انھوں نے بالآخر یہ فرمایا کہ "مگر حکام عالی مقام کی اب کیفیت یہ ہے کہ وہ ایک یا دوسری قسم کی عدالتوں سے اختلاف کرنے پر مجبور ہیں۔ اور جہاں تک کہ یہ خوف ہو کہ مخل ہونے سے (فیصلہ جات میں) ۱۹۸

[1] مانک چند بنام بھگوبتی ۳ کلکتہ ص ۴۴۳۔

مسئلۂ زیر بحث متاثر ہوسکتا ہے۔ اگر حقیقۃً اس مداخلت سے مسئلے کے متاثر
ونے کا کسی طرح امکان بھی ہو۔ تو اس قانون کے حق میں مداخلت کرنا بہتر
دگا جس نے انتخاب کو آزادی دی ہو۔ لوگوں کو یہ معلوم کرنے سے تشویش ہوسکتی
ہے کہ وہ ایک ایسے اختیار سے محروم کر دیے گئے جس کے متعلق ان کا یہ عقیدہ
ھا کہ وہ (اختیار) ان کو حاصل ہے۔ اور وہ اس کو استعمال کرنے کے متمنی
وسکتے ہیں لیکن ان کو یہ کہنے سے بہ مشکل تشویش ہوسکتی ہے کہ ان کو ایک ایسا
ختیار حاصل ہے جس کے حاصل ہونے کا ان کو شبہہ بھی نہ تھا۔ اور یہ کہ اس کو
ستعمال کرنا ضروری نہیں بجز اس کے کہ وہ چاہیں"۔ اس فیصلے کی پیروی من بعد
راث کے ایک مقدمے میں کی گئی۔ یہ یاد رہے کہ اس فیصلے کا ادعا یہ نہ تھا کہ
بئی کے مقدمات میں اس کا اتباع کیا جائے اور گجرات جیسا کہ ہم کو معلوم ہے
ب ایسا مقام ہے جہاں میوکھ بہ نسبت متاکشرا کے زیادہ مستند ہے[1]۔

**تضاد رواج کے سبب پر بحث**

ف ۱۴۸۔ یہ کل فیصلہ ان لوگوں سے مخاطب ہے جو ہندو دھرم کے
پابند ہیں اور جو قدیم قانون کے ہر صریح حکم کی اطاعت
کرنے کے لئے بیقرار ہوتے ہیں و نیز وہ اس کے
معلوم کرنے کے لیے بے چینی سے متمنی ہوتے ہیں کہ
ن میں مثبت حکم کونسا ہے اور اخلاقی مشورہ کونسا ہے حکام عالی مقام نے
س امر کی تحقیق نہیں (اور اس کی تحقیق کی ضرورت بھی نہ تھی) کی کہ
بطور امر واقعہ کے یہ کس طرح واقع ہوا کہ بڑے بڑے اضلاع اور بڑے بڑے
رقوں میں یہ اور اسی قسم کی اور عبارتیں (سنسکرت کی قانونی کتابوں میں)
طعاً واجب التعمیل سمجھی جاتی ہیں۔ اور اس کے برخلاف دوسرے
بڑے اضلاع اور جماعتوں میں ان کو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کوئی
ند و مقنن ان احکام کی مذہبی اور اخلاقی وقعت کا منکر نہیں ہے۔ قطع نظر
س کے کہ ان کی قانونی اہمیت کچھ ہی ہو اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک قسم کے ۱۹۹

[1] دواس چمن لال بنام دواس رامچندر ۲۰ بمبئی ص ۲۷۳۔

ہندوان کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور دوسرے ان سے روگردانی کرتے ہیں اس کا جواب دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ نہ اس وجہ سے اس کا تعلق ہندو قانون سے ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس کا تعلق ہندو رواجات سے ہے۔ و نیز وہ اس لئے بھی دلچسپ ہے کہ اس سے ان نظریوں کی مزید تائید ہوتی ہے جن کا ذکر اس کتاب کے باب اول میں کیا گیا۔ ہندوؤں کی ایک جماعت کے لئے ہندو پن ایک مذہب و مسلک ہے جو کل کا کل ان پر واجب التعمیل ہے چند دوسرے ایسے ہیں جن کے لئے وہ محض دنیاوی شرط ہے جس کے کچھ حصے کو وہ اختیار کرتے ہیں اور کچھ اپنے حسب دل خواہ منظور نہیں کرتے۔

بنگال کے حکام اور پنڈت اتفاق آرائیں قطعاً متحد ہیں۔ یہ اتفاق اس میں شک نہیں کہ صرف سپریم کورٹ (اعلیٰ عدالت بنگال) کے یک گونہ غیر مطمئن فیصلے سے ٹوٹا تو ہے[1]۔ یہ اتفاق اس واقعے کا فطری نتیجہ ہے کہ بنگال میں ہندو قانون (بہ مقابلۂ ہندو رواج کے) ایک ایسا اصول ہے جس کا اتباع روز مرہ کی زندگی میں ہوتا ہے صرف بنگال ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں ایسے شخص کے وارث کا تعین جو بلا وصیت فوت ہوا ہو ان مذہبی فوائد کو معلوم کرکے ہوتا ہے جو وہ شخص متوفی کی روح کو پہنچا سکتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مسٹر جسٹس دوارکا ناتھ متر نے اپنے اس بیان میں غلطی کی ہو جس پر جوڈیشل کمیٹی نے تنقید فرمائی لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ وہ بالکل مخلص تھے۔ و نیز ان کے الفاظ میں بنگال کے تعلیم یافتہ ہندوؤں کے خیالات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے بالکل قابل نہ تھے کہ مختلف احکام کی اتباع کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ الفاظ اور احکام ایک ہی قسم کی الہامی زبان سے ادا ہوئے ہوں۔ یا یہ کہ وہ فعل جو تمام تر ایک مقدس قول کی سند پر مبنی ہو اس طرح انجام دینے کے بعد کس طرح جائز رہ سکتا ہے جس طریقے کو کہنے والے نے گناہ بتلایا ہو۔ بنگال کے مقننین میں جگنا تھ ہی ایک ایسا شخص ہے جس نے

---

[1] جو میمی بنام سبو سندری فلشن صـ۷

ایسی رائے قائم کی ہے[۵]

تاہم جب ہم مدراس کی جانب جاتے ہیں تو کیفیت بالکل برعکس پائی
جاتی ہے۔ پنڈت جو تمام برہمن تھے یہ کہنے میں متحد ہیں کہ ایسی تبنیت ممنوع ہے۔
لیکن تقریباً وہ سب بلا استثنیٰ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اگر مکمل ہو جائے تو
جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس واقعے سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے کہ
ایسی تبنیتیں ان کے گرد و اطراف رائج تھیں۔ مثل دیگر متعدد رواجات کے
جو حکماء کی تعلیم کے خلاف تھے یہ رواج بھی اس واقعے کی وجہ سے مقبول
ہوا کہ ڈراویڈی اقوام نے ہندو قانون کو اختیار تو کیا لیکن ان عقائد کے
قطع نظر جو خود ہندو قانون کے شیوع کا باعث تھے۔ بالخصوص وہ خیالات
معدوم ہیں جن پر تبنیت کا نظریۂ مذہبی مبنی ہے۔ "جہنم کا خوف اور بہشت کی ۲۰۰
امید پران (Puranic) کے عقائد میں نظر آتے ہیں۔ لیکن برہمنوں اور
چند اعلیٰ تر فرقوں کے ماسوا یہ نظریہ بہت کم رائج ہے۔ اور ان جماعتوں میں
بھی ان کے مذہب کا مجموعۂ اخلاق معلوم تو ہے مگر مبہم طریقے سے اور
اس کا بہت زیادہ اثر نہیں ہے۔" برہمنی عقائد کا یہ ایک جزو ہے کہ ہر مرد کو
ایک پتر ہونا چاہیئے کہ اس کو دوزخ سے نجات دلائے۔ لیکن اس عقیدے کو
عوام الناس میں بہت ہی کم اشاعت حاصل ہے۔" دور کے اسلاف کی
اطاعت کرنا ڈراویڈی اقوام میں رائج نہیں ہے اگرچہ حال کے فوت شدہ
رشتہ داروں کے مراسم اس نیت سے ادا کئے جاتے ہیں کہ وہ واپس
ہو کر زندہ لوگوں کو مضرت نہ پہنچائیں۔"[۶] پانڈیچری کی عدالت ایسی تبنیت کو

۵۔ جلد ۳ ڈائجسٹ ص۲۴۲۔

۶۔ مردم شماری سنہ ۱۸۹۱ء جلد ۵ ص۶۳ ص۱۲۸۔ مدراس اڈمنسٹریشن کے میانول ص۳ سنہ ۱۸۸۵ء میں پانڈیچری کی عدالت نے کنسلٹیٹیو کمیٹی سے استصواب کیا جس کے جواب میں عقیدۂ ذیل بیان کیا گیا۔ "اگر لوگوں نے اس دنیا میں نیکیاں کی ہوں اور کارہائے ثواب انجام دیے ہوں تو ان کاموں کے لحاظ سے دوسری دنیا میں ان کی ارواح کو (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

اس اصیح وجہ پر منظور کرتی ہے کہ وہ عام رواج کے مطابق ہے گو سنسکرت قانون کے وہ مغائر ہے[۱]۔ مغربی ہند میں جس حد تک کہ میوکھ مسلم ہے یہ ظاہر ہے کہ جب ایک متاہل شخص جس کے ایک لڑکا بھی پیدا ہو گیا ہو متبنی لڑکا بن سکتا ہے تو برہمنی نظریے کو کوئی قوت نافذہ حاصل نہیں ہو سکتی[۲]۔ جس وقت کہ اکلوتے لڑکے کی تبنیت وشسست کے قاعدے سے جانچی جاتی تھی اس وقت بمبئی کی عدالتیں عادۃً اس کی اجازت دیتی تھیں۔ اور مسٹر منڈلک کہتے ہیں "یہ آئے دن کے عمل اور لوگوں کے رواجات کے مطابق ہے[۳]"۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ بمبئی کا پہلا مستند فیصلہ کہ ایسی تبنیتیں جائز ہیں ایسے مقدمے میں صادر ہوا جس میں فریقین لنگایت تھے۔ یہ وہ فرقہ ہے جو برہمنی عقائد کے خلاف ایک مذہبی تحریک سے پیدا ہوا[۴]۔ جب اسی قسم کا مقدمہ من بعد اسی فرقے کے ارکان کے مابین ایک باضابطہ نالش میں پیدا ہوا تو قطعی طور پر یہ ثابت کیا گیا کہ مقامی رواج سے ایسی تبنیتیں جائز نہیں۔ اور اسی وجہ سے تبنیت کی تائید کی گئی[۵]۔ ۲۰۱

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) چار مدارج ثواب میں سے ایک حاصل ہوگا۔ (الف) سلوکم دینے خدا کے ساتھ ہونا)۔ (ب) سمیپم (خدا کے قریب ہونا)۔ سروپم (خدا کے مثل ہونا)۔ سیوجیم (خدا میں مل جانا)۔ پاپی کی روح چوپائے یا پرندے کے جسم میں منتقل ہوتی ہے۔ اس کا انحصار جرم کی شدت پر ہوتا ہے۔ اور جب وہ اپنی غلطیوں کا کفارہ ادا کر چکتی ہے تو پھر وہ ایک انسانی جسم میں زندہ ہوتی ہے۔ آیندہ زندگی کے متعلق ہر فرقہ اور ہر جماعت کے ہندو کا یہی عقیدہ ہے۔" سورگ کمیٹی رپورٹ صفحہ ۳۸۸ و ۴۰ ۔

[۱] سورگ ہندو لا صفحہ ۱۳۱ کمیٹی صفحہ ۳۷۶۔

[۲] میوکھ باب۴ فصل ۵ و ۱۹ ۔

[۳] منڈلک صفحہ ۵۰۔

[۴] مردم شماری ۱۸۹۱ء جلد ۲۵ ۔ صفحہ ۲۳۸۔

[۵] بسا وا بنام لنگنگو د ۱۹ ا بمبئی صفحہ ۴۲۸ ۔

الہ آباد کے اہم مقدمہ بینی پرشاد بنام ہردے بی بی میں جسٹس (Edge) اپنی تاویل کی تائید (جو انھوں نے سنسکرت کے اسناد سے کی تھی) میں یہ استفسار کرتے ہیں کہ یہ کس طرح ہوا کہ اگر ایسی تبنیتیں پر از گناہ تھیں تو وہ اشخاص جنھوں نے اس میں حصہ لیا تھا ذات باہر کیوں نہ کئے گئے" بالخصوص جب کہ ان کا تعلق ایسے فرقے سے ہے جس کے ارکان اسی طرح اپنے فرقے کو چمٹے ہوئے رہتے ہیں جس طرح کہ بنارس کے اگروال بنیئے تاکہ ان کا فرقہ جملہ بد ذاتوں سے دور رہے[1] "کسی شخص کو یہ سوال کرنے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوا کہ ان لوگوں کا حقیقی عقیدہ کیا تھا۔ اب یہ امر یقینی ہے کہ اگروال بنیئے جین لوگوں سے شروع ہوئے[2]۔ اور جین فرقے کے لوگ سرادھ یا مرنے والوں کے لئے مذہبی رسوم ادا نہیں کرتے۔ اور ہم اس سے واقف ہیں کہ مذہبی نظریۂ تبنیت اسی سرادھ کے صحیح طور پر انجام دینے پر مبنی ہے[3]۔ لہٰذا اگر متنازعین مقدمہ جین تھے تو وہ یقیناً ایسے فعل کے لئے ذات باہر نہ کئے جائیں گے جو جین کے نقطۂ نظر سے گناہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یا کسی اخلاقی صفت کے قابل یہ کہنا ناممکن ہے کہ آیا وہ جین تھے یا نہیں۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ عدالت کی توجہ اس واقعاتی مسئلے کی جانب مبذول نہ ہوئی جس کا جواب اگر ایک جانب دیا جاتا تو پوری بحث قطعی غیر متعلق ہو جاتی۔

**ایک ہی لڑکے کو دو اشخاص متبنٰی نہیں کر سکتے**

ف ۱۴۹۔ ایک ہی لڑکے کو دو اشخاص متبنٰی نہیں لے سکتے اگرچہ اشخاص متبنٰی گیرندہ بھائی ہوں۔ مصنف دتک میمانسا نے تاہم اس کا خیال ظاہر کیا ہے کہ دو بھائی مشترکاً تیسرے بھائی کے لڑکے کو متبنٰی کر سکتے ہیں تاکہ وہ دوامشائن یا دونوں کا لڑکا ہو۔ مسٹر ڈبلیو میا کناٹن

[1] بینی پرشاد بنام ہردے بی بی ۱۴ الہ آباد صفحہ ۶۷۔

[2] مسٹر شرنگ کی کتاب "ہندوؤں کے فرقے" صفحہ ۲۸۵۔

[3] بھگوان داس بنام راجمل۔ ۱۰ بمبئی عالیہ عدالت صفحہ ۲۴۱، صفحہ ۲۵۲، صفحہ ۲۵۳۔

ایسی کارروائی کے جواز کے خلاف نہایت ہی پرزور الفاظ میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں[۱]۔ ایسی صورت میں دونوں کی تبنیتیں ناجائز ہیں[۲]۔

**رسوم تبنیت**

دفعہ ۱۵۰۔ وشسست نے تبنیت کے ضروری اصول حسب ذیل بیان کیے ہیں:۔

جو شخص متبنی کرنے والا ہو اس کو چاہئے کہ رشتہ دار قریب ۲۰۲

ایسی قرابتدار کے رشتہ دار قریب کو لے۔ اپنے رشتہ داروں کو جمع کرکے اپنے ارادے سے بادشاہ کو مطلع کرے اور اپنے مکان کے حصۂ وسطی میں مقدس الفاظ کے ساتھ رسم ہوم ادا کرے[۳]۔ شونک اور بودھائن نے مکمل رسم بیان کی ہے جو فی الحقیقت مذکورۂ بالا وسیع تر شکل میں ہے جن عبارتوں میں ان کا ذکر ہے ان کو مصنفین دھرم شاستر کے مولفین اس مضمون کی بہترین سند سمجھتے ہیں اور ان کا حوالہ بھی اسی حیثیت سے دیا جاتا ہے[۴]۔ ان میں سے لڑکے کے دینے اور لینے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بودھائن کہتے ہیں:۔ "بعد ادائے رسوم جن کی ابتدا گنہوتر پر (on the alter) لکیریں کرنے سے ہوتی ہے اور جن کا اختتام پانی کے ظرف رکھنے سے تو اس کو چاہئے کہ لڑکا دینے والے کے قریب جائے اور اس سے ان الفاظ میں استدعا کرے "آپ اپنا پتر مجھ کو دیجئے"۔ دوسرا جواب دے "میں اس کو دے دیتا ہوں"۔ وہ تب اس کو ان الفاظ میں کہ میں تمہیں اپنے فرائض مذہبی کی انجام دہی کے لئے لیتا ہوں۔ میں تمھیں

[۱] دتک میمانسا باب فقرہ ۔ باب فقرہ تا ۔ جلد ۱ بلیو میاکناٹن ص جب ایک بھائی ایک لڑکے کو متبنی کرے تو اسی لڑکے کو دوسرا بھائی متبنی نہیں کرسکتا۔ تما بنام سدما ہم بیسور ص۔

[۲] اجکمار بنام بسیسور جلد ۱۰ کلکتہ ص ۶۸۸ ۔ ۷ ۔ ۹ ۔ از مترجم

[۳] وشسست باب ۱۵ ف ۶ متاکشرا باب فصل ۲ ف ۱۳ ۔

[۴] بودھائن باب ص میوکھ باب فصل ۵ وش ف ۲۶ تا ۴۲ ۔ دتک میمانسا باب ف ۴۲ ۔ دتک چندرکا باب ویز دیکھئے جلد ۲، اسٹرینج کا ہندو لا ۲۱ ۔ اسٹیل ص ۴۵ ۔

لیتا ہوں کہ میرے اسلاف کا سلسلۂ نسل جاری رہے، قبول کرتا ہے[۱]"۔ شارحین نے لفظ 'بادشاہ' کو جوان احکام میں واقع ہوا ہے شہر یا دیہہ کے سردار یا حاکم کا ہم معنیٰ قرار دیا ہے۔ برایں ہم وہ اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ حکّام اطلاع اور اقربا کا بلایا جانا جواز تبنیت کے لئے قانوناً ضروری نہیں ہے۔ ان کا محض یہ منشا ہے کہ اس فعل کو مزید شہرت دی جائے اور مسئلۂ وراثت میں شک نہ پیدا ہو"[۲]۔

**حکام کو اطلاع دہی**

**عطا اور اس کا قبول**

دفعہ ۱۵۱۔ دینا اور لینا قطعاً ضروری ہیں اور اس رسم کا عملی (یا تکمیلی) جزو بھی ہے۔ کیونکہ وہ اس رسم کا وہ جزو ہے جس سے لڑکا ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے[۳]۔ مقدمۂ ذیل میں اس حصۂ رسم کو ایسی بیوہ نے انجام دیا جو ہنوز پندرہ سال کی تھی اور اسی وقت اس کے شوہر کا انتقال ہوا تھا۔ تبنیت پر یہ اعتراض کیا گیا کہ بیوہ نے اندرونی کمرے میں رہ کر ہوم اور مذہبی رسم کے دوسرے اجزا کی تکمیل ایک قرابتدار کے تفویض کی۔ قرار دیا گیا کہ یہ اعتراض قابل سماعت نہیں ہے[۴]۔ و نیز جیسا کہ اس کے قبل سمجھا گیا دینے کا جسمانی فعل بھی علیٰ ہذا وہ شخص تفویض کر سکتا ہے جو خود اس فعل کو انجام دینے کا مجاز ہو (عطا اور قبول کی رسم نہ صرف دوجنمی لوگوں کے لئے ضروری ہے بلکہ شودروں کے لئے بھی[۵]۔ تبنیت کے

۲۰۳ ازمترجم

---

[۱]۔ یودھائن باب ۲ دفعہ ۵ تا ۹ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا جرنل ۱۸۸۶ء مضمون شونک سمرتی۔
[۲]۔ بسدلینڈ سنیاسیس ۲۲۷ و ۲۷۵ ۶ جلد نوٹس آف کیس ص ۱۱ گورنمنٹ کی رضامندی کے متعلق دفعہ ۱۳۴۔
[۳]۔ مہاشیو پاشیوشی ناتھ بنام سرمتی کرشنا جلد ۷ مرافعہ جات ہند ص ۲۵۔ ۶ کلکتہ۔ ص ۳۸۱۔
بنگا ینکا بنام الورسٹی ۱۳ مدراس ص ۲۱۴۔
[۴]۔ لکشمی بائی بنام رامچندر ۲۲ بمبئی ص ۵۹۰۔
[۵]۔ دفعہ ۱۳۲ حاشیہ جس پر مقدمۂ بچارنگم کا ذکر ہے۔
[۶]۔ بالک رام بنام نتن مل ۱۹۳۰ء ۱۱ لاہور ص ۵۰۳۔

رسوم میں یہ رسم ناگزیر ہے۔ محض رضامندی کا اظہار یا دستاویز تبنیت کا اجرا تبنیت جائز کے لئے کافی نہیں ہے۔ فی الواقع حوالگی ہونی چاہئے۔ تبنیت میں دینے کے حق کو تفویض نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ باپ یا ماں جسمانی فعل عطا کو دوسرے کے تفویض کر سکتے ہیں۔[۱] بعض اسناد کے لحاظ سے کوئی اور چیز ایسی ضروری نہیں ہے کہ اس کی کمی سے تبنیت قطعاً ناجائز ہو جائے۔ خود دت ہوم بھی رسوم میں محض امر غیر ضروری قرار دیا گیا ہے۔[۲]

**دت ہوم** اگرچہ دو جنمی اشخاص کے لئے یہ رسم اہم ترین ہے اس مسئلے پر تاہم اسناد متضاد ہیں۔ دتک میماسا وششت اور شونک کے مقرر کردہ رسوم کا ذکر کرنے کے بعد (جن میں دت ہوم شامل ہے) کہتا ہے کہ "لہذا ان پانچوں لڑکوں کا پدری تعلق تبنیت سے شروع ہوتا ہے بشرطیکہ وششت یا شونک کے بتلائی ہوئی اشکال میں رسوم ادا ہوئی ہوں۔ نہ کہ اور طرح"[۳] اور وہ اس باب کو جو طریقۂ تبنیت سے متعلق ہے یہ کہتے ہوئے ختم کرتا ہے کہ "لہذا یہ امر مسلمہ ہے کہ متبنیٰ لڑکوں کا پدری تعلق صرف (صحیح) رسوم کے ادا کرنے سے پیدا ہوتا ہے عطیہ۔ قبول اور دت ہوم وغیرہ میں سے اگر ایک بھی رہ جائے تو پدری تعلق بھی پیدا نہیں ہوتا۔"[۴] علیٰ ہذا دتک چندریکا ان رسوم کا ذکر کرنے کے بعد جو بودھائن نے تتری وید (Taittiri Veda) کے پیروان کے لئے بیان کیا ہے۔ اور جس میں دت ہوم بھی شامل ہے۔ کہتا ہے کہ

---

۱۔ شام سنگھ بنام سنتا بائی ۲۵ بمبئی صفحہ ۵۵۱۔

۲۔ ویرا پرمل بنام نارائن پلے جلد ۱ نوٹس آف کیسس صفحہ ۹۱ صفحہ ۱۱۷ جلد ۱ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۹۵ جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۲۴ صفحہ ۲۴۸ سنگما بنام وینکٹ چرلو سہ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۶۵ ستراگن بنام سبترا جلد ۲ نظائر پریوی کونسل ۱۸۳۱ء تا ۱۸۳۶ء صفحہ ۲۹ جلد ۲ ڈبلیو میکناٹن صفحہ ۱۹۹ جلد ۱ گبن صفحہ ۹۳۔ دیکھئے ان دیسی اسناد کو جن کو جالی صاحب نے صفحہ ۱۵۹ پر بیان کیا ہے۔

۳۔ دتک میماسا باب ۵ صفحہ ۵۰۔

۴۔ دتک میماسا باب ۵ صفحہ ۵۶۔

"اس صورت میں جب کہ اس طریقے پر عمل نہ کیا جائے جس کا ذکر کیا گیا تو یہ استقرار کیا جائے گا کہ متبنیٰ لڑکا اپنے ازدواج کے لئے کافی روپیہ پانے کا مجاز ہے"[1] مدراس کے ایک پنڈت کہتے ہیں کہ برہمنوں کے لئے دت ہوم ضروری ہے لیکن دوسری جماعتوں کے لئے نہیں اور کولبروک داہیں صاحبین اس کی رائے کا صحیح ہونا بیان کرتے ہیں[2]۔ اسٹیل صاحب بھی یوں ہی کہتے ہیں۔ "شودر لوگ ان رسوم کو ادا نہیں کر سکتے جن میں وید کے منتروں کی ضرورت ہے"[3] دت ہوم کو اگر ان عبارتوں کے معیار سے جانچا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ رسم ان جماعتوں کے لئے ضروری ہے جن کے لئے وہ مقرر کی گئی تھی۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ شودروں کے لئے یہ رسم نہ تھی۔

ازمترجم (دت ہوم اور حالیہ نظائر:۔ جب متبنیٰ لڑکا اسی گوتر کا ہو تو دوجنمی اشخاص کے لئے دت ہوم ضروری نہیں ہے[4]۔ دوسری صورتوں میں اس کے لزوم کے متعلق متضاد خیالات ہیں۔ بمقدمہ سنگما بنام وینکٹ چرلو۔ عالیہ عدالت مدراس نے ۱۸۶۸ء میں یہ تجویز فرمائی کہ نہ تو دت ہوم اور نہ کوئی دوسری رسم برہمنوں میں بھی ضروری نہ تھی۔ ۱۸۸۳ء میں اس فیصلے کی پیروی ایسے مقدمے میں کی گئی جس میں فریقین کھتری تھے۔ اور ۱۸۹۲ء میں جبکہ فریقین نمبدری برہمن تھے۔ اس تجویز پر تاہم اسی عدالت نے بمقدمہ سباریہ بنام سبامل شک ظاہر فرمایا[5]۔ بمقدمہ اتمارام بنام مادھوراؤ عالیہ عدالت الہ آباد نے

---

[1] دتک چندریکا باب ۲ وفعہ ۱۶ وفعہ ۱۷ باب ۶ وفعہ ۳ ۲ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۱۹۸۔

[2] ۱، ۲ سٹرینج ہندو لا صفحہ ۸۷ تا ۸۸۔

[3] اسٹیل صفحہ ۴۶۔

[4] بال گنگا دھر تلک بنام سرینواس ۱۹۱۵ء ۳۹ بمبئی صفحہ ۴۴۱۔ وداولی بنام منگما ۲۷ مدراس صفحہ ۵۳۸ صفحہ ۵۳۹۔

[5] ۱۸۶۸ء ۴ بمبئی مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۶۵۔ چندرامل بنام مکتامل ۱۸۸۳ء ۶ مدراس صفحہ ۲۰ شنکرن بنام کسادن ۱۸۹۲ء ۱۵ مدراس صفحہ ۶۔ سباریہ بنام سبامل ۱۸۹۸ء ۲۱ مدراس صفحہ ۴۹۷۔

سنہ ۱۸۸۴ء میں دکنی برہمنوں کے مابین یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر نواسہ یا برادر زادہ متبنٰی ہو رہا ہو تو محض دینا اور لینا کافی ہے[1]۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں عالیہ عدالت بمبئی نے بمقدمۂ گوبند پرشاد بنام رندا بائی دت ہوم کو لازمی قرار دیا[2] جوڈیشل کمیٹی نے اگرچہ قطعی رائے ظاہر نہیں فرمائی لیکن رجحان دت ہوم کے لزوم کی طرف ہے[3]۔ دت ہوم کی رسم کسی وقت بھی ادا کی جا سکتی ہے متبنٰی گیرندہ کے مرنے کے بعد بھی اس کو ادا کیا جا سکتا ہے[4]۔ دت ہوم ایک طریقۂ قربانی ہے جس میں گھی جلایا جاتا ہے)۔

**شودروں کے لیے کوئی مذہبی رسم ضروری نہیں ہے**

۲۰۴ و ۱۵۲۔ متعدد متضاد فیصلوں کے بعد اب اس کی یکسوئی ہو چکی ہے کہ شودروں کے لئے بہر صورت کسی قسم کی مذہبی رسم ضروری نہیں ہے۔ یہ سوال کہ آیا اس کا اطلاق بہتر جماعتوں کے لئے بھی ہنوز غیر منفصلہ معلوم ہوتا ہے سنہ ۱۸۳۲ء میں جوڈیشل کمیٹی نے فرمایا:۔ "اگرچہ نہ تو تحریری اقبال اور نہ کسی قسم کی مذہبی رسوم کی انجام دہی تبنیتوں کے جواز کے لئے ضروری ہے لیکن بالعموم ایسے اقبالات دیے جاتے ہیں اور ایسی رسوم بھی انجام دی جاتی ہیں و نیز تمام ذی وقعت اور ممیز خاندانوں میں جیسے کہ زمیں داروں یا متمول برہمنوں کے ان اوقات کی اطلاع دی جاتی ہے جب کہ تبنیت انجام دی جانے والی ہو۔ اس طرح جب کبھی انھیں ترک کیا جائے تو عدالت پر لازم ہے کہ اس شہادت کو جو تبنیت کی تائید میں پیش کی گئی ہو بہت زیادہ شبہے کی نظر سے دیکھے[5]"۔

---

[1] ۔ ۶۔ الہ آباد صـ ۲۷۶۔ [2] ۔ ۴۹ بمبئی صـ ۱۵ قنوجی برہمن۔

[3] ۔ ۳۹ بمبئی صـ ۴۴۱۔

[4] ۔ سیتارامما بنام سریانارائن سنہ ۱۹۲۶ء ۴۹ مدراس صـ ۹۲۹۔

[5] ۔ سوتر دگن بنام سبترا جلد ۲ بیاپ کے نظائر پریوی کونسل ۱۸۳۲ء سنہ ۱۸۳۶ء صـ ۲۸۰ صـ ۲۹۰۔ صدر عدالت میں سبترا بنام سوتھرگن ۲ صدر دیوانی صـ ۲۱ صـ ۲۶۔

جو رپورٹ اس مقدمے کی بنگال میں کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریقین برہمن تھے۔ اس کا اعتراف کیا گیا تھا کہ مذہبی رسوم ادا نہیں ہوئے تھے۔ لیکن صدر عدالت اور پریوی کونسل دونوں میں ان کے عدم کو محض امر شہادتی تصور کیا گیا نہ کہ ایک ایسی چیز جو فی نفسہ تبنیت کو ناجائز کر دے۔ دونوں عدالتوں پر بطور امر واقعہ کے یہ چیز ثابت ہوئی کہ تبنیت ہوئی ہی نہ تھی۔[1] بہت بعد کے ایک مقدمے میں جو پریوی کونسل کے ملاحظے میں آیا ایک شودر تبنیت کے متعلق تھا۔ عالیہ عدالت بنگال (۔۔۔) کو کہا یا ایک شودر مذہبی رسومات کی انجام دہی کے بغیر متبنیٰ کیا جا سکتا تھا یا نہیں ایک کھلا سوال تصور کیا (یعنے یہ کہ دت ہوم وغیرہ کے بغیر) بہ صیغۂ مرافعہ جوڈیشل کمیٹی نے فرمایا: "بمقدمۂ استریمتی جیمنی بنام استریمتی شب سندری اعلیٰ عدالت کلکتہ نے یہ تجویز کی تھی کہ بجز اس کے شادی کی صورت ہو شودروں میں کوئی مذہبی رسم ضروری نہیں ہے۔" حکام عالی مقام نے اس مقدمے کو جس نظر سے دیکھا اس میں نہ تو وہ امر پیدا ہوا اور نہ اس کے متعلق فیصلہ فرمایا گیا۔ دوبارہ

**شودروں کے بارے میں**

جب یہ سوال بنگال میں شودروں کے مابین پیدا ہوا تو عالیہ عدالت نے بحوالۂ عبارت دتک نرنی (Datteka Nirnava) یہ فیصلہ کیا کہ شودروں کے مابین بھی تبنیت کے لئے دت ہوم کی تکمیل ضروری ہے۔ اور چونکہ اس خاص مقدمے میں ایسی رسم ادا نہیں ہوئی اس لئے تبنیت کو ناجائز قرار دیا گیا۔[2] بعد کے ایک مقدمے میں جو شودروں ہی کے مابین تھا۔ عدالت نے ۳۰۵

[1] ہری نارائن متر بنام سریمتی جلد ا بنگال لا رپورٹ (پی سی) صفحہ ا صفحہ ۱۸۷ صدر کورٹ ۱۹ اسدرلینڈ صفحہ ۱۳۳ صدر کورٹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۴۹۔ ہائیکورٹ ۲ بنگال لا رپورٹ (نظر مرافعہ) صفحہ ۲۷۹۔ ا سدرلینڈ صفحہ ۱۹۶۔

[2] جس عبارت کی سند پر یہ فیصلہ ہوا اس کا اقتباس دوست درپن نے کیا ہے۔ دیکھئے بھیرب ناتھ بنام مہیش چندر ۴ بنگال لا رپورٹ (مرافعہ) صفحہ ۱۶۲ صدر کورٹ سدرلینڈ صفحہ ۱۶۸ جس کا ذکر سیام لال بنام سدامتی ۵ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۶۶ میں کیا گیا ہے اور اس کو بحال بھی رکھا گیا۔

اس فیصلے کو خاص واقعات پر مبنی ہونا تصور کیا۔ اگر[ا] اس کا یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اوران دونوں مقدمات میں مزید احتیاط اس بنا پر پیدا کیا گیا کہ "موجودہ مقدمے میں متبنٰی لڑکا برادر زادہ ہے۔ اسی خاندان کا ایک رکن جس کے متعلق محض دینا اور لینا تبنیت کو جائز کرنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے"۔ بالآخر اجلاس کامل سے اس مسئلے کے متعلق صراحتہً استصواب کیا گیا۔ اس وقت یہ ثابت ہوا کہ دتک نرنی (Dattaka Nirnays) کی عبارت (جس پر سابق میں یہ سمجھنے کے لیے بھروسا کیا گیا تھا کہ اس سے شودروں میں دت ہوم کا لزوم ثابت ہوتا ہے) اپنے مفہوم میں بالکل برعکس ثابت ہوئی کیونکہ عبارت کا ایک اہم جزو چھوڑ دیا گیا تھا۔ بنا براں عدالت نے اس استفسار کا یہ جواب دیا کہ:۔ "بنگال میں شودروں کے مابین[۲] دینے اور لینے کے علاوہ تبنیت کے لئے کوئی رسوم ضروری نہیں ہیں"[۳]۔

**اعلیٰ جماعتوں کی تبنیت**

ف ۱۵۳ - یہ سوال کہ آیا تین اعلیٰ جماعتوں کے لیے بھی یہی قاعدہ صادق آئے گا اس میں شک نہیں کہ سوال دیگر ہے۔ مدراس میں صراحتہً یہ تصفیہ کیا گیا ہے کہ برہمنوں میں بھی دت ہوم (یا دیگر مذہبی رسم)

---

[ا] - نتیا نند بنام کشنا دیال ۷ بنگال لا رپورٹ صہ صدر کورٹ ۵ اسدرلینڈ صہ ۳۰ آخری مسئلے کے متعلق جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ف ۱۴۲ -

[۲] - بنگال میں لفظ شودر کا یستھ پر بھی حاوی ہے۔ استیا موہن بنام نرود موہن ۲۰ کلکتہ ویکلی نوٹس صہ ۹۰۱ -

[۳] - بہاری لال بنام اندرامتی ۱۳ بنگال لا رپورٹ صہ ۴۰۱ صدر کورٹ ۲۱ سدرلینڈ صہ ۲۸۵ جس کو پریوی کونسل نے جلد ۷ مرافعہ جات ہند صہ ۲۴ میں بحال رکھا۔ ۵ کلکتہ صہ ۷۷۰ دیاموئی بنام راس بہاری صدر دیوانی ۱۸۵۲ء صہ ۱۰۰۱ پرکاش چندر بنام دھنموتی صدر دیوانی ۱۸۵۳ء صہ ۹۶ اور بنام رام سامی ۲ فیصلہ جات مدراس صہ ۶۷ - تھنگک تھی بنام رام مدالی ۵ مدراس صہ ۳۵۸ -

بے ضرورت ہے[1]۔ نیا آپ صاحب کے اس مقدمے میں بھی (جس کا ذکر سابقہ فقرے میں کیا گیا) یقیناً یہی قاعدہ معناً پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ فیصلہ نہیں ہوا۔ ونیز جگنا تھ کی بھی رائے یہی ہے[2]۔ مدراس کے مقدمے کی تجویز بعد کے فیصلے میں جبکہ فریقین چھتری تھے[3]۔ بحال رکھی گئی اور مکرر نمبدری برہمن کی تبنیت میں بھی[4]۔ دوسرے مقدمات میں جبکہ فریقین برہمن تھے اسی عدالت نے اس تجویز کی ۲۰۶
سند پر شبہہ ظاہر فرمایا۔ لیکن تبنیت کو اس وجہ سے بحال رکھا کہ دت ہوم مکمل شدہ تھی۔ اگرچہ دینے اور لینے کے پانچ سال گزرنے کے بعد[5] جیساکہ ان مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے دینے اور لینے کی تکمیل ان میں اس حوالے کے ساتھ کی گئی تھی کہ بعد میں باضابطہ تبنیت عمل میں آئے گی۔ جب یہ تبنیت عمل میں آئی تو دت ہوم بھی حسبہٗ انجام دی گئی تھی۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر بلا تکمیل دت ہوم (یا بلا اس ارادے کے کہ وہ مکمل کی جائے گی) تبنیت ہوجاتی تو کیا فیصلہ وہی ہوتا جواب ہوا۔ ونیز یہ کہ رسم کا انضافہ بغرض احتیاط مزید (pro majori Cautelâ) مدت مدید کے بعد کیا گیا۔ ۱۸۸۴ء میں ایک ایسا مقدمہ پیدا ہوا جس میں ایک برہمن نے اپنے ہی گوتر کے لڑکے کو بلا ہوم کے متبنیٰ کیا۔ بادی النظر میں عدالت نے سنگما بنام وینکٹ چرلو کو بہت ہی کم وزن دیا۔ کیونکہ یہ ظاہر فرمایا گیا کہ (الف) اس کے ہر پہلو پر استدلال نہیں کیا گیا اور یہ کہ (ب) جگنا تھ جس کا ذکر کیا گیا جنوبی ہند میں مستند نہیں تھا۔ بنا برآں انھوں نے اس مقدمے میں تبنیت کو جائز قرار

[1] ۔ سنگما بنام وینکٹ چرلو ۴ مدراس عالیہ عدالت ص ۱۲۵۔ ۱۔ اسٹرینج ہندو لا ص ۹۶
۲، اسٹرینج ہندو لا ص ۱۳۱ ۔

[2] ۔ ۳ ڈائجسٹ ص ۲۴۴ ۲۴۵ ۔

[3] ۔ چندر مالا بنام مکتامالا ۶ مدراس ص ۲۰ ۔

[4] ۔ شنکرن بنام کساون ۱۵ مدراس ص ۶ ۔

[5] ۔ وینکٹ بنام سبدرا ۷ مدراس ص ۵۴۸ سبریہ بنام سبامل ۲۱ مدراس ص ۴۹۷ ۔

دیا کیونکہ فریقین ایک ہی گوتر کے تھے (اس فیصلہ) وجہ مسٹر ایلس کی وہ سند تھی
جو انھوں نے سرتامس اسٹرینج کی دھرم شاستر جلد دوم صہ ۱۵۵ میں بیان
کیا ہے) یہ اور بعد کے مقدمۂ رنگ نائکم بنام الورسٹی[۱] دونوں میں ججوں نے
جو ڈیشل کمیٹی کے قول (Dictum) پر بھروسا فرمایا۔ یہ قول بمقدمۂ
مہاشوئی شوشینا تھ بنام سریمتی کرشن واقع ہوا ہے[۲] جہاں حکام عالی مقام
فرماتے ہیں:۔ ”جو کچھ اس مقدمے میں تصفیہ فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ
دینے اور لینے کے شودروں میں تبنیت کے لئے کوئی مذہبی رسوم ضروری
نہیں ہیں تبنیت میں دینے اور لینے کا طریقہ مثل ہندو قانون اور رواج کے
تاحال جاری ہے اور یہ امر بھی بالکلیہ واضح ہے کہ دو جنمی لوگوں میں ایسی تبنیت
بذریعۂ دستاویز نہیں ہو سکتی کیونکہ چند مذہبی رسوم بالخصوص دت ہوم
ان کے لئے ضروری ہیں۔“ اسی وجہ سے بنگال کے دو مقدموں میں پنڈتوں نے
۲۰۷ یہ قرار دیا کہ تین اعلیٰ جماعتوں[۳] میں تبنیت کے لئے دت ہوم ضروری ہے
اور من بعد جسٹس مٹر نے بھی اس قسم کا اظہار فرمایا[۴] شاید یہ بھی فرض کر لیا
گیا تھا کہ بمبئی کے مقدمے میں عام قاعدہ یہی تھا۔ وہاں برادرزادے کی
تبنیت میں دت ہوم کی رسم ترک کی گئی تھی۔ باوجود اس کے پنڈتوں نے
یاما (Yama) کے حکم خاص کے تحت تبنیت کو جائز قرار دیا۔
صراحتًہ اس کی ضرورت نہیں بتلائی گئی ہے کہ دت ہوم اور دیگر رسوم

---

لہ۔ گوندا ئر بنام وراسامی ۱۱ مدراس صہ ۵۔
۲ہ۔ ۱۳ ام صہ ۲۱۴ صہ ۲۱۹۔
۳ہ۔ جلد ۷ مرافعہ جات ہند صہ ۲۵۰ صہ ۲۵۶۔
۴ہ۔ النک منجری بنام فقیر چند ۵ صدر دیوانی صہ ۳۵۶ صہ ۴۱۸۔ بلوبکنت بنام کشن پریا
۲ صدر دیوانی صہ ۲۱۹ صہ ۲۲۰۔
۵ہ۔ لچھمن بنام موہن ۱۲ سدرلینڈ صہ ۱۷۹ و نیز دیکھئے ٹھاکر امراؤ بنام ٹھاکری۔ شمالی
مغربی صوبہ جات عالیہ عدالت ۱۸۶۸ء صہ ۱۰۳۔

نواسے یا برادر زادے کے متبنیٰ لینے وقت ادا کئے جانے چاہییں کیونکہ ان صورتوں میں اس کی تکمیل صرف زبانی لفظ سے ہوتی ہے[1]

الہ آباد میں جب کہ ایسی ہی صورت دکنی برہمنوں کے درمیان پیدا ہوئی تھی تو عدالت کے بعض ارکان کا یہ قرار دینے کا رجحان ظاہر ہوا کہ کوئی مذہبی رسوم ضروری نہیں تھیں۔ تاہم فیصلہ اس تجویز پر محدود کیا گیا کہ جب نواسہ یا برادر زادہ متبنیٰ کیا جائے تو عطا او راس کا قبول ہی کافی ہے[2]

پانڈیچری کی عدالتوں نے بار بار یہ تجویز کی ہے کہ دت ہوم اور دیگر مختلف مذہبی رسوم جواز تبنیت کے لیے ضروری ہیں۔ تاہم یہ۔ سورگ ان جماعتوں پر اس قاعدے کے اطلاق کے لیے شبہ ظاہر کرتے ہیں جن کے متعلق یہ ثابت ہو کہ انھوں نے مذہبی عقائد کی حد تک برہمنی قانون کو اختیار نہیں کیا ہے[3]

جہاں تک کہ ان متضاد فیصلوں کو ایک دوسرے کے مطابق کرنا

---

[1] ہیوبت راؤ بنام گوبند راؤ ۲ بورڈیل صفحہ ۵، صفحہ ۸۷، صفحہ ۴۹۳ اسٹیل صفحہ ۴۵۔ یہ ان اسناد کے مطابق ہے جن کا ذکر جالی نے صفحہ ۱۵۹ پر کیا ہے۔ دیکھیے ویسٹ اور بہلر صفحہ ۹۹۹۔ بقدمۂ راؤجی دنائک راؤ بنام لکشمی بائی (۱۱ بمبئی صفحہ ۳۸۱ صفحہ ۲۹۳) عدالت نے اس مسئلے کا تصفیہ کرنے کے بغیر شدت سے اس رائے کا اظہار کیا کہ برہمنوں میں دت ہوم ضروری ہے۔ بعد کے ایک مقدمے میں عالیہ عدالت بمبئی نے ان اسناد کی پیروی کی جن کا حوالہ اس نوٹ کے ابتدائی حصے میں دیا گیا۔ ولوبھائی بنام گوبند ۲۴ بمبئی صفحہ ۲۱۸۔

[2] اتمارام بنام مادھو راؤ ۲، الہ آباد صفحہ ۲۷۶۔ نواسے کی تبنیت بذاتِ خود ایک الگ چیز ہے۔ اور اس کا انحصار فیصلہ جات ہند پر یہ متابعت مس یاما ہونا چاہیے۔ بال گنگادھر تلک بنام سرینواس پنڈت ۴۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۳۵ میں جو ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہی گوتر کے ارکان سے متعلق محض ایک واقعہ ہے جو غلط فہمی پر مبنی ہے نواسہ ظاہر ہے کہ اسی گوتر کا رکن نہیں ہو سکتا جیسا کہ باپ۔

[3] ہندولا صفحہ ۱۳۳ مولفہ سورگ کمیٹی کی رپورٹ صفحہ ۱۱ صفحہ ۱۷ صفحہ ۳۷۴۔

ممکن ہے۔ وہ اس نتیجے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ دو جنمی جماعتوں میں دت ہوم ضروری ہے۔ الّا یہ کہ متبنیٰ گیرندہ اور خود متبنیٰ لڑکا ہم گوتر ہوں۔ بایں ہمہ اس کے کہ اس کے خلاف کوئی رواج ثابت کیا جا سکے۔ پریوی کونسل نے اب تمام ہندوستان کے لئے قطعاً یہ قرار دیا ہے کہ جب وہ لڑکا جو متبنیٰ کیا جانے والا ہو اور متبنیٰ گیرندہ باپ کا تعلق ایک ہی گوتر سے ہو تو تبنیت کے قانونی جواز کے لئے دت ہوم ضروری نہیں ہے[1]۔ ۲۰۸
(اسناد پر پوری طرح غور کرنے کے بعد عالیہ عدالت کلکتہ بھی سابق میں اسی نتیجے پر پہنچی تھی[2]) اس لحاظ سے پترلیشٹ جگ (putrishta Jag) کی رسم اور دت ہوم کی ایک ہی حیثیت ہو جاتی ہے[3]۔

**عمداً ترک رسوم**

۱۵۴۔ ہر صورت میں یہ واضح ہے کہ اگر رسوم بالارادہ ترک کی گئی ہوں کہ اس خیال سے تبنیت کو قطعاً نامکمل چھوڑ دیا جائے۔ یا اگر بہ وجہ وفات یا کسی اور وجہ سے اس رسم کو مکمل نہ کیا جائے جس کو ادا کرنا چاہتے تھے تو حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی اگرچہ ان رسوم کو ترک کیا ہو جنھیں قانوناً اور بطور جائز ترک کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ ایسی صورت میں باہمی رضامندی جو ہر جائز اور مکمل تبنیت کے لئے ضروری ہے پوری ہوتی ہی نہیں[4]۔ لہٰذا تبنیت بذریعۂ وصیت اگر افعال ضروری کی تکمیل کے بغیر ہو تو بہ حیثیت تبنیت کے وہ ناجائز ہوگی۔ اگر وصیت سے تبنیت کی جائے اور جس شخص کو متبنیٰ کیا جانے والا ہو اس کے حق میں عطا یا وصیت

---

[1] بی۔ جی۔ تلک بنام سری نواس پنڈت ۴۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۳۵۔ ۳۹ بمبئی صفحہ ۴۴۱۔ ۲۰ کلکتہ۔
[2] رنگی بنام لکشمی بیچارتی ۲۰ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۱۹۔ ترمیم از مترجم۔
[3] شیو لتن رے بنام بھرگن رے ۲ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۴۸۱۔
[4] جلد ۲ ڈبلیو سیاکناٹن صفحہ ۱۹۷ الیشر چند بنام ہشی ہری صدر دیوانی ۱۸۵۲ء صفحہ ۱۰۔ بانی پرشاد بنام منشی سید ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۱۹۲۔ ۲۴ بمبئی صفحہ ۲۲۲۔

کی جائے تو اس کا جواز ذیل کے سوال پر منحصر ہوگا۔ یہ کہ آیا وہ عطا اس کے حق میں اس لئے کی گئی تھی کہ اس کو متبنیٰ لڑکے کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ یا یہ کہ وہ عطا غیر مشروط تھی یعنے ایسے شخص کے حق میں جو نامزد کیا گیا ہو (persona designata) اور ان صورتوں میں بھی جب کہ دینا اور لینا کافی ہے فی الواقع عطا اور قبول ہونا چاہئے۔ محض علامتی انتقال تبادلۂ دستاویزات سے کافی نہ ہوگا۔[۱]

**پنجاب**

۲۰۹ پنجاب اور جین لوگوں میں کسی قسم کی رسوم ضروری نہیں ہیں۔ معاملہ تبنیت خالصتاً ایک امر معاہداتی ہے۔[۲] علی ہذا برما کے قانون میں بھی۔[۳] شمالی لنکا کے مڈیروں میں متبنیٰ لینے والا شخص آب زعفران پیتا ہے اور صرف یہی رسم وہاں ادا کی جاتی ہے۔[۴]

**جواز امر واقع شدہ**
**Doctrine of Factum Valet**

ف ۱۵۵۔ اکثر مقدمات میں جن پر قبل ازیں بحث کی گئی اس اصول پر کہ جو نہ ہونا چاہئے تھا جب ہو جائے جائز ہے (Factum Valet qoud fieri non debuit) تبنیت کی تائید کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان مقدمات میں اس امر کا اعتراف کیا جانا ضروری تھا کہ تبنیت واقع شدہ قدیم اسناد کے مقرر

---

۱۔ سورگ کا ہندو لا صفحہ ۱۳۵۔ نیز دیکھئے سورگ کمیٹی کی رپورٹ صفحہ ۱۷۱۔ اور آگے فقرات ۱۸۰ اور ۱۸۲۔

۲۔ سری نارائن مٹر بنام سریمتی کشن ۱۱ بنگال لاء رپورٹ صفحہ ۲۷۹۔ ۱۱ سدر لینڈ صفحہ ۱۹۶۔ مہاشوی شوشی ناتھ بنام سریمتی کرشنا، مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۵۔ ۵ کلکتہ صفحہ ۳۸۱۔

۳۔ رواجات پنجاب صفحہ ۸۶ جلد ۳ قانون رواج پنجاب صفحہ ۹۲ لکھی چند بنام گتو بائی ۸ الہ آباد صفحہ ۳۱۹۔

۴۔ مایوٹ بنام مامی ۱۴ ۳ کلکتہ صفحہ ۹۷۸۔

۵۔ تھیسا ولم باب ۲۔

کئے ہوئے قاعدے کی خلاف ورزی تھا۔ پریوی کونسل نے اس قاعدے کے وجود کی تصدیق دیگر اضلاع کے لئے (علاوہ بنگال کے) صراحۃً کی ہے۔[1] بمبئی اور الہ آباد کے متعدد مقامات میں ان حدود پر کافی بحث کی گئی ہے جن کے اندر اندر اس قاعدے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مقدم الذکر ملک (بمبئی) میں اس قاعدے کے متعلق یہ کہا گیا ہے :- "یہ کہ اس کا صحیح اطلاق ان صورتوں تک محدود رہنا چاہئے جن میں دینے اور لینے کے لئے اختیار (جواز) معدوم نہ ہو اور نہ تبنیت کے لئے تکملا نہ ممانعت ہو۔ ان صورتوں میں جب کہ احکام شاستر محض ہدایتی ہوں اور تاکیدی نہ ہوں۔ یا جب کہ ان سے خاص اشخاص کی جانب یہ اشارہ ظاہر ہوتا ہو کہ تبنیت کے لئے وہ دوسروں سے زیادہ بہتر ہیں اس قانونی مقولے کا صحیح اطلاق ہو سکتا ہے اور زیادہ مفید ہے اگر اخلاقی حکم یا ترجیح ہدایتی نظر انداز کی جائے۔"[2]

الہ آباد کے مقدمہ گنگا سہائے بنام لیکراج سنگھ میں[3] جسٹس محمود نے سابقہ فیصلوں پر نظر ثانی کی اور فرمایا :- "اس میں شک نہیں کہ تبنیت کے متعلق کئی سوالات ہوتے ہیں۔ مثلاً سوالات ضابطہ رسوم۔ انتخاب میں ترجیح۔ و نیز دیگر امور جو اخلاقی اور مذہبی تحریک کی قسم کے ہوتے ہیں۔ عام الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ننوان میں ان امور کا ذکر ہدایتی شکل میں کیا گیا ہے۔ ان امور کا تعلق غالباً یہ کہہ سکتا ہوں کہ "طریق عمل" (modus operandi) تبنیت سے ہوتا ہے۔ ایسے امور جن سے نفس تبنیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مسئلہ ہر واقع شدہ کا بلا شک تمام اصول انصاف، نصفت اور نیک نیتی کی

---

[1] امادی بنام گوکلانند ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۲۔ سدر کورٹ ۳ کلکتہ صفحہ ۲۰۱

[2] بکستبا بنام رامو ۱۲ بمبئی عالیہ عدالت صفحہ ۳۹۵۔ اس فیصلے کو پسند کیا گیا اور تقلید بھی کی گئی دیکھئے ۳ بمبئی صفحہ ۲۹۳ - ۱۰ بمبئی صفحہ ۸۲ اور جوڈیشل کمیٹی نے بھی اس کو بحال رکھا جلد ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۴۴ جس میں کہا گیا کہ : "سچ تو یہ ہے کہ اس مقولے کے دو حصے زندگی کے دو شعبوں سے متعلق ہیں۔"

[3] ۹ الہ آباد صفحہ ۲۵۳ صفحہ ۲۹۶ صفحہ ۲۹۷۔

بنا پر اطلاق ہوگا۔ اور ایسی صورت میں خود ہندو قانون کے کسی حکم کا لحاظ نظر انداز ہو سکے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ قواعد کا ایسا مجموعہ ہو سکتا ہے جس کے متن کے صریح ٢١٠
الفاظ تحکمانہ امر تاکیدی یا امتناع سمجھے جائیں اس طرح کہ نفس معاملہ پر اثر پڑے۔ اگرچہ وہی حکم دوسرے نظام قوانین میں ایک امر ضابطہ سمجھا جاتا ہو۔ "ہندو قانون میں تبنیت کی نوعیت عطا کی ہوتی ہے۔ مسائل ضابطہ کے علاوہ اس کے عناصر تین اصلی امور پر مشتمل ہوتے ہیں۔ دینے کی قابلیت۔ لینے کی استطاعت اور یہ حیثیت کہ وہ متبنیٰ ہونے کے قابل ہے۔ مجھ کو یہی امور اس معاملے کے جواز کے لئے ضروری معلوم ہوتے ہیں اور اس طرح وہ مسئلہ امر واقع شدہ کے دائرے کے باہر ہے۔" اور علیٰ ہذا ایک مقدمے میں جب کہ جوڈیشل کمیٹی ۱۸۹ [illegible] لڑکے کی تبنیت کے متعلق اس مسئلے کے اطلاق پر غور کر رہی تھی حکام عالی مقام نے فرمایا:- "کسی نظام قانون میں قانونی وجوب کے دائرے کو مذہبی یا اخلاقی وجوب کے ساتھ ساتھ نہیں رکھتا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی اپنے طرز عمل سے (یا اپنی جائداد منتقل کرنے میں) صریح اور صاف احکام فرض کی خلاف ورزی کرے۔ اور پھر بھی اپنے قانونی حقوق کے اندر رہے۔ ہندو حکما نے بے شک و شبہہ اس امتیاز کو اسی طرح صاف طور پر دیکھا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ لہذا ان احکام کی جو ہماری زندگی کی رہنمائی کے لئے دیے گئے ہیں اسی امتیاز کے حوالے سے تاویل کی جانی چاہیئے۔ اگر کوئی معاملہ مذہبی یا دوسری وجوہ سے قانوناً کالعدم اور باطل قرار دیا گیا ہو تو وہ ایسا ہی ہوگا۔ اور اگر اس کو مطعون کیا گیا ہو جس سے اس کا باطل ہونا لازماً مستنبط ہوتا ہو تو یہ اعلان ہونا چاہیئے کہ یہی قانون ہے لیکن محض یہ واقعہ کہ کتابوں میں (مثلاً سمرتیوں میں) اس معاملے پر مخالفانہ تنقید کی گئی ہے لازماً اس کو کالعدم ثابت نہیں کرتا اس سے سوال ذیل پیدا ہوتا ہے کہ کس قسم کی ملامت مقصود ہے؟"[1]

**ان قواعد کا اطلاق** ف ۱۵۶۔ ان قواعد کے تحت اصول امر واقع شدہ کا

---

[1] بالاسوگرو لنگا سامی بنام بی۔ رام لکشما ۲۲ مرافعہ جات ہند ص ۱۳۹۔

صورتہائے ذیل میں بے اثر ہونا قرار دیا گیا ہے (الف) جب کہ ایسی ماں نے لڑکے کو دیا یا لیا ہو جس کے پاس ضروری اجازت نہ تھی[1] یا (ب) جب کہ جس لڑکے کو متبنیٰ لیا گیا ہو ایسی ماں سے ہو جس کی شادی متبنیٰ گیرندہ باپ سے
مترجم نہیں ہو سکتی تھی[2] (حالیہ نظائر نے اس قاعدے کی وسعت کو محدود کر دیا ہے چنانچہ اب صرف نواسہ۔ بھانجا۔ اور خالہ زاد بھائی متبنیٰ نہیں کیا جا سکتا اسی نظیر سے یہ بھی طے پایا کہ شودر اس قاعدے کے بالکل پابند نہیں ہیں۔[3]
۲۱۱ دوسری تین جماعتوں میں بھی رواجاً ایسی تبنیت جائز ہو سکتی ہے) سوائے والدین کے اور کوئی شخص لڑکے کو تبنیت میں نہیں دے سکتا اور لہٰذا ایسا لڑکا جو یتیم و یسیر ہو تبنیت میں نہیں دیا جا سکتا۔ نہ تو وہ خود
مترجم اپنے کو دے سکتا ہے اور نہ کوئی اس کو دے سکتا ہے[5] (البتہ رواجاً ایسے لڑکے کی تبنیت جائز ہو سکتی ہے)[6] اور چنانچہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایسے لڑکے کی تبنیت ناجائز ہے اگرچہ اس کے بڑے بھائی نے تبنیت میں دے دیا ہو۔ اور یہ کہ مسئلۂ امر واقع شدہ کی مدد اس کی تائید میں بے سود ہوگی۔[7] مقدمات ذیل میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ جب مرجح رشتہ دار کو نظر انداز کر کے ایک

---

۱۔ رنگا بائی بنام بھاگرتی بائی ۲ بمبئی ص۳۷۷۔ نارائن بابجی بنام نانا منوہر ۷ بمبئی عالیہ عدالت مرافعہ ص۱۵۳۔
۲۔ گوپال سر ہر بنام ہنمنت گنیش ۳ بمبئی ص۲۷۳۔
۳۔ سبا راؤ بنام رادھا ۱۹۲۸ء ۲ ۵ بمبئی ص۴۹۰۔ از مترجم۔
۴۔ ۲۲ بمبئی ص۴۰۳ ۱۹۷ ۹ مدراس ص۴۳ و نیز چین سکھ رام بنام پاربتی ۱۴ الہ آباد ص۵۳ از مترجم۔
۵۔ ویتھی لنگم بنام نیسا ۳۷ مدراس ص۵۲۹۔
۶۔ رام کیشور بنام جے نارائن ۱۹۲۱ء ۴۹ کلکتہ ص۱۲۰۔ پرشوتم بنام دینچند ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ص۷۵۴ (مقدمہ اور اسٹیٹ مابین جین) سکبر بنام منگیسر ۱۹۲۰ء ۴۹ الہ آباد ص۳۰۲ (مقدمہ گوالیار) مترجم۔
۷۔ بھیشتی ایاین باس لنگیا بنام شیو لنگیا بن بالیپا ۱ بمبئی عالیہ عدالت ص۲۶۸ ماریا بنام رام لکشمی ۴۴ مدراس ص۲۶۔

غیر شخص کے لڑکے کو متبنیٰ کیا گیا ہو[1] یا جب وتک میماسا کی مقرر کردہ حد عمر متجاوز ہو گئی ہو[2] تو تبنیت جائز ہو گی۔

برخلاف اس کے اصول مذکور الصدر سے اس صورت میں کوئی مدد نہیں ملتی جب کہ ایک ہی مسئلے پر مختلف نظریے قائم کرنے کا امکان ہو۔ یہ کہ آیا وہ خاص ہدایت ایسی تاکیدی ہے یا نہیں کہ نفس تبنیت پر اس کا اثر پڑے۔ مثلاً عدالتوں کا یہ اختلاف کہ آیا اکلوتے لڑکے کی تبنیت پر مسئلۂ امر دانستہ شدہ کا اطلاق ہوگا یا نہیں۔ اس پر نہ صرف مختلف عدالتوں نے بلکہ ایک ہی عدالت نے بہ اوقات مختلف اختلاف کیا ہے[3] یا اعلیٰ جماعتوں کے رکن کی تبنیت کے متعلق جب کہ مقررہ مذہبی رسوم ترک کی گئی ہوں[4] اس میں شک نہیں کہ بالکل مختلف امور کا لحاظ اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب کہ متضاد رواج کی وجہ سے صریح امتناع بے کار ہو گیا ہو۔ ظن غالب یہ ہے کہ کوئی عدالت ایک متاہل برہمن کی تبنیت کو جائز قرار نہ دے گی۔ الّا یہ کہ وہ اسناد میوکھ کے تابع ہو اور ان رواجات کے بھی جنھیں میوکھ نے تسلیم کیا ہے[5]

| | |
|---|---|
| شہادت تبنیت | ف ۱۵۷ تبنیت ثابت کرنے کے لیے کسی خاص قسم کی شہادت ضروری نہیں ہے۔ جو اس پر بھروسا کرتے ہوں انھیں چاہیے کہ مثل اور واقعات کے اس کو ثابت |
| قیاس تبنیت | |

---

[1] ۔ امادی بنام گوکلا نند ۵ مرافعہ جات ہند ص ۴۱۔ ۳ کلکتہ ص ۵۸۷۔

[2] ۔ گنگا سہائے بنام لیکراج سنگھ ۹ الہ آباد ص ۲۵۳۔

[3] ۔ دیکھو فقرہ ۱۴۴ تا ۱۴۸۔

[4] ۔ دیکھو فقرہ ۱۵۳۔

[5] ۔ دھرم داگو بنام رام کرشنا چمناجی ۱۰ بمبئی ص ۸۰۔ دیکھئے بالا بائی بنام مادھو۔ سنہ ۱۹۲۴ء ۴۸ بمبئی ص ۳۸۷۔

کریں عام ازیں کہ وہ مدعیان ہوں یا مدعی علیہم ایک لحاظ سے ان کی حالت بہتر ہے یعنے ان خاص نظریوں کی وجہ سے جو ہندوؤں میں رائج ہیں۔ ظن غالب یہ ہے کہ ایک لاولد ہندو والا زماً متبنّیٰ لینا چاہتا ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ضعیف ہو یا علیل تو اس ظن کو اور تقویت ہوتی ہے۔ اگر اس کی کوئی جائداد ہو
٢١٢ جو اس کے بعد رہے گی تو ضرور یہ قیاس ہوگا کہ وہ اس کے لئے ایک فطری وارث کا متمنی ہے۔ اور اگر خاندان میں یک جہتی نہ ہو تو وہ شخص جو اور طرح سے اس کا وارث ہوسکتا ہے ایک ایسا شخص (بظن غالب) سمجھا جائے گا جس کا وارث ہونا وہ پسند نہیں کرتا۔

ان مقامات میں جہاں مِتاکشرا قانون رائج ہے اس مزید واقعے سے کہ اس کی بیوہ (اگر بغرضہ اس نے چھوڑی ہو) ایک طرفی رشتہ دار یا ایک بعید رشتہ دار رکن خاندان کے زیر پرورش ہوگی ایک جدید صورت پیدا ہوگی۔ لہذا اگر اس کو اپنی زوجہ سے انس تھا تو فطرتاً اس کی یہ خواہش ہوگی کہ وہ ایک متبنّیٰ لڑکے کی ماں اور ولیہ کی حیثیت سے بہتر حالت میں رہے[۲]۔ علیٰ ہذا اگر واقعات برعکس ہوں یعنی مثلاً متبنّیٰ گیرندہ باپ کی کمسنی۔ یا زوجہ سے اولاد ہونے کا ظن غالب۔ یا اور اسی قسم کے واقعات سے واقعہ تبنیت کے خلاف قیاس

---

[۱] تارینی چرن بنام سرو و سندری ۳ بنگال لا رپورٹ (مرافعہ) ص ۱۴۶ ۱۱ سدرلینڈ ص ۴۶۸۔ ہردیال ناگ بنام رائی کرسٹو ۴ سدرلینڈ ص ۱۰۷۔

[۲] جلد ا ہائیڈ ص ۲۴۹۔ ہراجن بنام متھرا ناتھ ۴ مور کے مرافعہ جات ہند ص ۴۱۴۔ ۷ سدرلینڈ پی۔سی ص ۷۱ جس میں پریوی کونسل نے ماتحت عدالتوں کے فیصلہ جات کو جو تبنیت کے خلاف تھے منسوخ کیا۔ سندر کاری بنام گداد ھر ۴ مور ص ۶۴۔ ۴ سدرلینڈ (پی۔سی) ص ۱۱۶۔ رگھو نادھ بنام برو زو کشور ۳ مرافعہ جات ہند ص ۱۷۷ ا مدراس ص ۶۹۔ ۲۵ سدرلینڈ ص ۲۹۱ تبنیت کے موافق قیاس اور اس کے نفاذ کے متعلق دیکھو تجویز مسٹر صاحب بمقدمہ راجندر و نارائن بنام سرود ۱۵ سدرلینڈ ص ۵۴۸۔ ہرمن چل سنگھ بنام کمار گنیشم ۲ نایپ ص ۱۴۰۔

**تحریر**

ہوگا[۱]۔ تحریر ضروری نہیں اگرچہ اس میں شک نہیں کہ تبنیت مبالمادہ یا بڑی حیثیت ہونے کی صورت میں تحریر نہ ہونے سے سخت جانچ پڑتال کی ضرورت لاحق ہوگی۔ اور حقیقی واقعہ کی پر زور شہادت درکار ہوگی[۲] تو ہر صورت میں یہ ضروری ہے کہ واقعہ تبنیت کی صریح شہادت پیش کی جائے۔ جب تبنیت کو مدت مدید گزر گئی ہو اور جب ارکان خاندان نے عام کاروبار میں اس لڑکے کے ساتھ مثل متبنیٰ کے برتاؤ کیا ہو تو ہر طرح سے یہ قیاس کیا جائے گا کہ ہر وہ واقعہ پیش آچکا ہے جو ان حالات کے پیدا ہونے کے لئے ضروری تھا جن کے متعلق ثبوت دیا گیا یا جن کو تسلیم کیا گیا کہ وہ موجود تھے[۳]۔

**اثر امر فیصل شدہ**

دفعہ ۱۸۵۔ یہ تجویز کی گئی ہے کہ اگر ایک نالش میں تبنیت مابہ النزاع ہو اور فیصلہ تبنیت کے حق میں صادر ہو تو ایسا فیصلہ واقعہ تبنیت کی بادی النظر شہادت ہے۔ اور اس فیصلے کو ان لوگوں کے خلاف بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو فریق مقدمہ نہ تھے۔ ونیز ۲۱۳

---

[۱] ساپتری بنام ستو رگھن ۲ صدر دیوانی ص ۲۱ ص ۲۶۔ جلد ۲ نیاپ کے مقدمات پریوی کونسل ص ۳۱ میں تصدیق کی گئی۔

[۲] جلد ۲ نیاپ ص ۲۹۔ اندی کدارن بنام اردنا چلم فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۶ء ص ۵۳ دواکر راؤ بنام چندن لال ۴ کلکتہ ص ۲۰۱ پی۔سی۔

[۳] مہ پرکاش چندر بنام دھن مونی صدر دیوانی بنگال ۱۸۵۳ء ص ۹۲۔ نتیانند بنام کرشنا دیال۔ بنگال لا رپورٹ ص ۱۔ ۱۵ سدرلینڈ ص ۳۰ راجندر ناتھ بنام جگندر ناتھ ۱۴ مور ص ۶۷۔ ۱۵ سدرلینڈ پی۔سی ص ۴۱۔ ہردیال بنام رائے کرسٹو ۲۴ سدرلینڈ ص ۱۰۷۔ سبو بیوا بنام لوتا گھن ۱۱ سدرلینڈ ص ۳۸۰ ۲ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ ۱۵۔ دیاس چمن لال بنام دیاس رامچندر ۲۴ بمبئی ص ۳۶۷۔ لال اچل رام بنام کاظم حسین ۳۲ مرافعہ جات ہند ص ۱۱۳ ص ۱۲۱۔ ۲۷ الہ آباد ص ۲۷۱۔

[۴] سینا رام بنام جگو بندو ۲ سدرلینڈ ص ۱۶۸۔

یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ ایک متبنیٰ لڑکے کی حیثیت کے متعلق عدالت مجاز کا باضابطہ فیصلہ۔ فیصلۂ بالتعمیم (Judgment in rem) ہے۔ جس کی پابندی سب پر واجب ہے اور جو تمام دنیا کے مقابلے میں مختتم ہے۔ بجز اس کے کہ فریب یا سازش ثابت کی جاسکے۔ اور اسی نوع کا سرسری فیصلہ بھی (اگرچہ مختتم نہیں) ان واقعات کی بادی النظری شہادت ہے جن کے متعلق تجویز کی گئی فریق مخالف پر اس کی تردید کا بار عائد کرنے کے لئے ایسا سرسری فیصلہ کافی ہوتا ہے[1]۔ لیکن یہ نظریہ اب منسوخ ہے۔ مدراس کے ایک مقدمے میں مسٹر جسٹس ہالوے نے عدالتہائے ہند کے ان فیصلہ جات کی قطعیت کو اچھی طرح جانچا جو مسائل حیثیت ذاتی کے متعلق صادر ہوئے ہیں۔ اس مقدمے میں ایک تقسیم کی ڈگری پر مثل ایک فیصلۂ بالتعمیم کے استدلال کیا گیا تھا[2] اور اس کے بعد اسی مسئلے پر بنگال کے ایک مقدمے میں بھی جس میں مسئلۂ منفصلہ (۳ سدرلینڈ صلا) کے متعلق اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا۔ ایک وارث، عودی نے بیوہ کے خلاف (بہ حیثیت وارث) اس کے مکمل کئے ہوئے انتقالات کی تنسیخ اور اپنے حق عود کے استقرار کی نالش کی اور عدالت نے شہادت سے یہ معلوم کیا کہ اس کا شوہر متبنیٰ کیا گیا تھا لہذا یہ کہ بیوہ کے بعد مدعی وارث ہے۔ تجویز فرمائی گئی کہ یہ تجویز ایسے شخص کے خلاف مختتم ہے جو اس مقدمے کا فریق نہ تھا لیکن جس نے من بعد تبنیت سے انکار کیا ہو۔ چیف جسٹس پیکاک نے جسٹس ہالوے صاحب کے فیصلے کے حوالے سے فرمایا میں بالکلیہ ان کے اس نتیجے سے متفق ہوں جو انھوں نے اخذ کیا یعنے

**فیصلہ بالتعمیم نہیں ہے**

---

[1] کستومنی بنام کلکٹر مرشدآباد صدر دیوانی بنگالہ ۱۸۵۹ء صفحہ ۵۵۵۔ راجکرسوبنام کستوری ۳ سدرلینڈ صلا۔

[2] بیرکلما بنام اناکل ۲ مدراس عالیہ عدالت ص۲۷۶۔ ونیز دیکھئے گوپالن بنام رگھوپتی ابن ۳ مدراس عالیہ عدالت ص۲۱۷۔

عدالت مجاز کا یہ فیصلہ کہ ایک ہندو خاندان مشترک اور تقسیم شدہ نہیں ہے۔ یا مسئلۂ صحیح النسبی۔ تبنیت۔ جائداد کے قابل تقسیم ہونے کے متعلق۔ ایک خاص خاندان میں قاعدۂ وراثت پر۔ یا اسی قسم کے کسی اور مسئلے کے متعلق ایسی نالش میں جو مابین فریقین ہو (یا اگر بہتر طریقے سے کہا جائے تو ایک بالتخصیص نالش میں) فیصلہ بالتعمیم نہیں ہے۔ یہ الفاظ دیگر اس کی پابندی پر غیر از فریق مجبور نہیں ہے۔ گویا ان اشخاص پر اس کی پابندی عائد نہیں ہوتی جو نہ تو مقدمے کے فریقین تھے اور نہ اس میں کسی اور طرح سے شریک۔ میں مزید برآں یہ کہوں گا کہ ایسے مقدمے کی ڈگری اشخاص غیر کے خلاف شہادت میں قطعاً ۲۱۴
قابل ادخال نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیے"[1]

## بطور شہادت اہم ہے

وہ کارروائی جس میں ڈگری صادر ہوئی بہت اہم ہوسکتی ہے گو خود ڈگری نہ تو قطعی ہو اور نہ بطور شہادت قابل ادخال۔ مثلاً جب خود تبنیت کے مکمل ہونے کے متعلق نزاع ہو تو یہ ثابت کرنا نہایت ہی اہم ہوگا کہ اس شخص نے جو متبنیٰ لڑکا ہونے کا دعویدار ہے اپنی مالکانہ حقیت (یا مرافق متعلق بہ جائداد) کو پیش کیا تھا۔ یہ کہ ایسی صورت اس وقت پیش آئی تھی جب کہ اس نے عدالت مالگذاری یا فوجداری میں اس جائداد کے متعلق نالش یا کارروائی رجوع کی تھی یا جب کہ وہ ان عدالتوں میں بہ حیثیت مدعی علیہ جواب دہی کر رہا تھا۔ ان امور کا ثابت کرنا ایسا ہی اہم ہوگا جیسا کہ ان کا نہ ثابت کیا جانا فریق مخالف کو تقویت بخشے گا۔ اور اگر یہ ثابت کیا جائے کہ اس کی

[1] کنیا بنام رادھا چرن ۷ سدر لینڈ صفحہ ۳۳۸ صدر کورٹ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ جلد صفحہ ۶۶۲ اس کی پیروی جگندادب بنام قندر و ۱۴ مور صفحہ ۳۶۷ میں کی گئی۔ صدر کورٹ ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۴۴ ۱۴ سدر لینڈ صفحہ ۲۴ کتم ناچیر بنام راجہ شیوگنگا ۹ مور صفحہ ۵۳۹ ۲ سدر لینڈ (پی سی) صفحہ ۳۱ جمنا داس بنام با ماسندری ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲ صفحہ ۸۴ اکلکتہ صفحہ ۲۸۹۔ اب ایسی ڈگری تحت دفعہ ۱۳ قانون شہادت ہند (قانون شہادت آصفیہ دفعہ ۰۰۰۰) حدود مندرجۂ دفعہ تک قابل ادخال ہوگی۔

حقیقت کے منکر ان معاملات سے بخوبی واقف تھے یا یہ کہ ان میں شریک تھے تو بدرجۂ اتم وہ شہادت اس کو فائدہ دے گی۔

**امتداد زمانہ**

دفعہ ۱۵۹۔ امتداد زمانہ دو طرح موثر ہو سکتا ہے۔ اولاً تبنیت کے وقوع کو ظنی تقویت ہوتی ہے۔ ثانیاً اس کو منسوخ کرانے کی کوشش میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تبنیت جائز تھی۔ صورت ثانی میں وہ ان نتائج کے حائل ہوتا ہے جو لازماً اس کے ناجائز قرار دینے سے پیدا ہوتے۔

**بطور شہادت**

اولاً یہ ظاہر ہے کہ جب اس تبنیت کو جو پیش کی گئی ہو ایک مدت مدید گزر جائے اور خاندان کے لوگ۔ اور وہ لوگ جن سے خاندان کے ارکان کا میل جول ہو اس تبنیت کو جائز اور تو ائم تصور کرتے رہے ہوں تو یہ چیز بذات خود ان اشخاص کی رائے کی جو واقعات سے واقف ہوں قوی شہادت ہے کہ تبنیت جائز کا ہر ضروری جزو پورا کیا گیا۔ جس طرح نزاع متعلق بہ ازدواج یا ان نزاعات میں جو کسی کے صحیح النسب ہونے کے متعلق پیدا ہونے کی صورتوں میں شہرت عام پر بھروسا کیا جاتا ہے اسی طرح امور تبنیت میں شہادت مذکور الصدر کو وقعت حاصل ہے[1] لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس ثبوت کی قوت نافذہ اس شہرت عام پر منحصر ہے جو ایک مدت مدید سے جاری ہے نہ کہ خود امتداد زمانہ ہی ثبوت ہے۔ لہٰذا اگر یہ ظاہر ہو کہ (الف) تبنیت کو راز میں رکھا گیا یا (ب) یہ کہ ایک نے اس کا اظہار کیا اور دوسرے نے محض لاپروائی ظاہر کی یا (ج) اس کے متعلق کوئی چارہ کار اختیار نہیں کیا گیا۔ اور (د) نہ تو اس لڑکے کے متعلق ۲۱۵

---

[1] راجندر ناتھ بنام جگندر ناتھ ۱۴ مور صـ۶۰ - ۵ اسد رلینڈ پی سی صفحہ ۴۸ - ۷ بنگال لا رپورٹ صـ۲۱۲ - انند راؤ بنام گنیش الیشونت ۷ بمبئی عالیہ عدالت ضمیمہ ۳۳ دیکھا لنگم بنام نیٹسا میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا (دیا) کہنا پڑتا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ وہ صریح احکام کے خلاف ہیں ۲۷ مدراس صـ۵۲۶

جو متبنیٰ ہونے کا مدعی ہو ایک خاص قسم کا برتاؤ کیا گیا جو اس سے مختلف ہو جو اس کے متبنیٰ نہ ہونے کی صورت میں کیا جاتا۔ تو ایسی صورت میں شہرت نہ ہوگی۔ بلکہ جتنا زمانہ اس قسم کے حالات کو گزرے گا اتنا ہی وہ تبنیت کے خلاف بطور شہادت بہ دلائل قوی ترپیش کیا جاسکے گا۔

**جب تبنیت ناجائز ہو**

ثانیاً ایسی شہرت کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا جب کہ واقعات مسلمہ سے یہ ثابت ہو کہ تبنیت جائز ہی نہ تھی۔ مثلاً جب ہمشیر زادے کو برہمن نے متبنیٰ کیا ہو یا ایسے شخص نے متبنیٰ لیا ہو جس کے ایک لڑکا موجود ہو۔ لیکن ایسے واقعات کا پیش آنا ممکن ہے جن کی وجہ سے چند اشخاص تبنیت پر معترض نہ ہو سکیں۔ یا ایسے مسلسل معاملات ہو سکتے ہیں جو اگرچہ کہ تبنیت کو جائز نہ کرتے ہوں مانع تقریر مخالف ہوں۔ اس قسم کی رکاوٹ دو طرح سے پیدا ہو سکتی ہے:-

(۱) بوجہ امر مانع تقریر مخالف (۲) قانون میعاد سماعت کے سبب۔

**سکوت بالرضا کا اثر**

**اولاً**

ف ۱۲۰۔ کسی شخص کا دوسرے کو اپنے حقوق میں مداخلت کرتے ہوئے دیکھ کر محض خاموشی اختیار کرنا۔ یا اس وقت خاموش رہنا جب کہ دوسرا شخص مخالفانہ حق کا ادعا کر رہا ہو۔ ایسے امور نہیں ہیں جن سے شخص مقدم الذکر اپنے حقیقی قانونی حقوق من بعد عدالت قانون میں پیش نہ کرسکے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق اسی میعاد کے اندر پیش کرے جو مقرر کردہ قانون ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قانون نے ایک میعاد مقرر کردی ہے۔ اس کے اندر اگر وہ چاہے تو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے چارہ جوئی اختیار کرسکتا ہے۔ اور اس میعاد سے استفادہ کرنے میں کسی قسم کی ناانصافی نہیں ہے۔ لیکن اگر دوسرے کے طرز عمل کے متعلق اس کی رضامندی بمنزلہ رضامندی کے ہو تو وہ دوسرا بطور مناسب شکایت کرسکتا ہے اگر وہ اپنے طرز عمل سے دوسرے کو یہ باور کرنے کی جرأت دلائے کہ (الف) اس کو وہ حق حاصل نہیں ہے جب کہ درحقیقت اس کو وہ حق حاصل ہے۔ یا (ب) یہ کہ وہ اس حق سے

دست بردار ہوگیا ہے۔ (ج) اگر وہ اپنے بیانات یا افعال سے دوسرے کو
ایسے امور میں شریک ہونے کی ترغیب دے جن میں وہ داخل نہیں ہو رہا تھا۔ یا
(د) اس کو یہ باور کرائے کہ اس کام میں شریک ہونے میں کوئی خطرہ نہیں
ہے۔ تو بعد میں اس کو حالت جدید کے منافی حقوق کا ادعا کرنے کی اجازت نہیں دی
جا سکتی و نیز ایسے حقوق کا مدعی نہیں ہو سکتا جن سے نئی حالت میں مداخلت ہوتی ہو
۲۱۶ کیونکہ وہ حالت اسی کے بیانات اور برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ
قاعدہ ہر دو صورتوں میں متعلق ہوگا عام ازینکہ قانونی یا نصفتی حق کا ادعا کیا جائے۔ اپنے
طرز عمل سے دوسرے کو اپنی حالت بدلنے کی ترغیب دینے کے بعد خود اس شخص کو جو
اس تبدیلی کا باعث ہوا ہے اس کی شکایت کرنے کی اجازت دینا خلاف انصاف
ہوگا۔ اس نظریے کا اطلاق ہندوستان میں ناجائز تبنیت پر ہوتا ہے۔ ایک مقدمے
میں برہمن کی شکل کی ہوئی ہمشیرزادے کی تبنیت کو قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ مغربی ہند کے
دوسرے مقدمے میں واقعہ یہ تھا کہ ایک برہمن نے اپنا ٹن اور ازدواج کے بعد اس
لڑکے کو متبنیٰ لیا۔ عدالت نے اس تبنیت کے ناجائز ہونے کے مسئلے کا تصفیہ نہیں کیا۔
ان دونوں مقدمات میں عدالتوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ فریق معترض کو تبنیت سے
انکار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس نے نہ صرف سکوت اختیار کیا تھا
بلکہ ایک میں تو اس نے بروقت تبنیت اس کو عمل کرنے کی جراءت دلائی تھی اور
اتفاق بھی کیا تھا۔ و نیز متبنیٰ لڑکے کے ساتھ اس طرح برتاؤ کیا گیا جس سے وہ نئے
خاندان کا رکن ظاہر ہونے لگا۔ اور اس کو ترغیب بھی دی کہ اپنے اصلی خاندان کے
حقوق سے دست بردار ہو جائے جن کا وہ ادعا کر سکتا تھا اگر اس طرح ترغیب

لہ رامراؤ بنام راجہ راؤ ۲ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۱۴۔ پدامتھولتی بنام ین۔ تھارپڈی ایضاً صفحہ ۲۷۰۔
راجن بنام یاسوپتی ایضاً صفحہ ۲۲۸۔ اس مقدمے میں انگریزی نظائر پر غور کیا گیا اور قانونی و نصفتی حقوق
اور اس طریقے کو ظاہر کیا گیا جس میں ان کے اطلاق کی ممانعت ہوتی ہے۔ ترک چند بنام ہردوسنکر
۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۲۶۷۔ سوہری بی بی بنام دھرمود؛ س ۳۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۴۔ نرسنگ داس بنام
رحیمن بائی ۲۸ بمبئی صفحہ ۴۰۴۔ سرت چندر دے بنام گوپال چندر لاہا ۱۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۰۳۔ ۲۰ صفحہ ۱۵ صدر کورٹ
کلکتہ صفحہ ۲۹۶۔

نہ دلائی جاتی [مقدمہ سکھ بسی بنام مگن (الہ آباد صفحہ ۳۶۶)[1] میں اس کو صاف نہیں کیا
گیا کہ آیا عدالت نے یہ قرار دیا کہ جب ایک مرتبہ جائز تبنیت مکمل ہو جائے تو وہ منسوخ
نہیں کی جاسکتی۔ یا یہ کہ وہ شخص جس نے بالعمد تبنیت مکمل کی تھی یہ کہنے سے منع کیا
جائے کہ وہ تبنیت ابتداءً ناجائز تھی۔ مترجم]۔

ہندوستان میں مانع تقریر مخالف کا قانون اب قانون شہادت (قانون نشان[1]
بابت ۱۸۷۲ء) کی دفعہ ۱۱۵ پر منحصر ہے۔ اس کے متعلق جوڈیشل کمیٹی کہتی ہے[2]:-

"مانع تقریر مخالف کے مسئلے کا تعین دفعہ ۱۱۵ قانون شہادت سے ہونا چاہیئے۔
لیکن اس دفعہ نے امتناع کو اس پر مشروط نہیں کیا ہے کہ اس شخص نے (جس کے
بیان یا فعل سے ایک خاص عقیدے کی ترغیب ہوئی تھی اور اس عقیدے پر دوسرے نے عمل بھی کیا ہو) یا تو
فریب کا ارتکاب کیا ہو۔ یا اس کی ٹوہ میں تھا کہ فریب کا ارتکاب کرے یا یہ کہ اس کا عمل کسی ۲۱۷
غلط فہمی کے تحت نہ تھا بلکہ واقعات سے پوری طرح واقف رہ کر اس نے ایسا کیا۔"
"جو کچھ عام قانون و قانون موضوعہ ملحوظ رکھتا ہے وہ محض اس شخص کی حالت ہے
جس کو اس کام کے کرنے کی ترغیب ہوئی تھی اور یہ یاد رہے کہ عام قانون و قانون
موضوعہ دونوں اصول ذیل پر مبنی ہیں۔ یہ کہ اگر ایک نے اپنے بیان سے۔ یا ایسے
طرز عمل سے جو بیان کے مماثل ہو۔ دوسرے کو ایک کام کے کرنے کی ترغیب دی ہو۔
جس کام کو وہ دوسری صورت میں نہ کرتا تو اس شخص کو جس نے اس طرح بیان دیا
تھا اپنے سابقہ بیان کے انکار یا تردید کی اجازت دینا قطعاً معدلت اور انصاف

---

[1] گوپالین بنام رگھوپتین ۷ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۲۵۰۔ سداشیو بنام ہری مورشیور ۱۱ بمبئی عالیہ عدالت صفحہ ۱۹۰۔ راؤجی وناپک راؤ بنام لکشمی بائی ۱۱ بمبئی صفحہ ۳۸۱ صفحہ ۳۹۳۔ کنال بنام ویرا سامی ۱۵ مدراس صفحہ ۴۸۶۔ سنتاپیا بنام رنگپیا ۱۸ مدراس صفحہ ۳۹۷۔ دیکھئے سکھ بسی بنام مگن ۲۴ الہ آباد ص ۳۶۶۔ بمقدمہ کنورجی بنام بابا جی ۱۹ بمبئی صفحہ ۳۷۴۔ ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت نے یہ رائے قائم کی کہ بیوگان کے ان افعال سے کہ انھوں نے تبنیت پیش کی کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

[2] سارت چندر بنام گوپال چندر ۱۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۰۳ صفحہ ۲۱۵۔ ۲۰ کلکتہ صفحہ ۲۹۶۔ جس کے گنگا سہائے بنام ہیرا سنگھ ۲ الہ آباد صفحہ ۸۰۹ اور وشنو بنام کرشنن ۷ مدراس صفحہ ۳ فسوخ کئے گئے۔ نیز دیکھئے ۳۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۲۔ ۳۰ کلکتہ صفحہ ۵۳۹۔

کے خلاف ہوگا۔ بالخصوص جب کہ اس اجازت سے لازماً اس بیان پر عمل کرنے والے کو
نقصان ہوا اور مضرت پہنچی۔ اگر وہ شخص جس نے بیان دیا پوری طرح واقف نہ تھا یا اگر
اس نے غلطی کے تحت (Sibi imputet) ایسا کیا ہو تو اس کے لئے یہ ایک بدقسمتی
کی بات ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسی صورت میں بھی اس کے نتائج کا بار اس پر ڈالنا جس
نے اس بیان پر بھروسا کر کے عمل کیا ہو نا انصافی ہوگی اگرچہ کہ وہ بیان غلطی کے تحت
دیا گیا ہو بیان کرنے والے کا منشا بھی یہی تھا کہ سامع اس پر عمل کرے[1] اور نہ اس
کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نظریے کا اطلاق صورتہائے ذیل تک محدود کیا جانا
چاہئے۔ یعنے جب کہ تبنیت کو ایک ایسی مدت تک تسلیم کیا گیا ہو جس سے وہ متبنیٰ
کی حد تک قطعی اور ناقابل استرداد ہو جائے[2]۔ اگر وہ اپنے حقیقی خاندان سے جدا
ہو گیا ہو اور اس کی سماجی حیثیت میں تبدیلی واقع ہوگئی ہو تو بالتحقیق منہ کے یہ قیاس
کیا جائے گا کہ اس کو نقصان فی الواقعی پہنچا تا کہ وہ اس قاعدے کے تحت آجائے[3]۔ اگر
تبنیت اس طرح ناجائز تھی کہ وہ شخص جو متبنیٰ کیا گیا قانوناً اپنے حقیقی خاندان سے جدا ہی
نہیں ہوا۔ تو اس میں واپس ہونے کے لئے لازماً اس کو قانونی کارروائی اختیار کرنا پڑیگی
اس کو قانون میعاد سماعت سے مقابلہ کرنا پڑے گا اور یہ کہ اس کا امکان ہے کہ اس کو
بالکلیہ ناکامیابی ہو۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ حالات کی تبدیلی سے جب وہ اپنے اصلی خاندان
میں واپس ہوا تو اس کی حیثیت بالکل مختلف ہوگئی۔ یعنے اس حیثیت سے جو خاندان
نہ چھوڑنے کی حالت میں باقی رہتی۔ تاہم یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مانع تقریر مخالف خالصًا
ایک شخصی چیز ہے۔ اور یہ کہ اس سے کوئی ایسا شخص متاثر نہیں ہو سکتا جس کو اپنے حق
کی بنا پر دعوے ہو اور جس پر ان اشخاص کے افعال کی پابندی عائد نہیں ہوتی جن کو ٢١٨
تقریر مخالف سے قانوناً منع کیا گیا ہو[4]۔

[1] دیکھئے پاروتیبایا بنام رام کشن ۱۸ بام صفحہ ۱۷۷ جس میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نظریہ غلطی سے قائم کیا گیا تھا۔
[2] دھرم کنور بنام بلونت سنگھ ۲۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳ - ۳۴ الہ آباد صفحہ ۳۹۸ دتی تکم بنام تیناما ۳۰ مدراس صفحہ ۴۱۹۔
[3] دیکھئے راجندر ناتھ بنام جگندر ناتھ ۱۴ مور صفحہ ۶۷، صدر کورٹ ۱۸۵۵ سدر لینڈ دی۔سی صفحہ ۴۱۔ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۱۲۔
[4] لالہ پربھو لال بنام میلن ۱۴ کلکتہ صفحہ ۴۰۱ - ۱۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۲۔ امر مانع تقریر مخالف اور

**قانون میعاد سماعت ثانیاً**

**ف ۱۶۱** - اگر ایک تبنیت کے متعلق نزاع ہو اور اس کو منسوخ کرانے کی کوشش کی جائے تو بعض صورتوں میں قانون میعاد سماعت بھی حائل ہوگا۔ لیکن اگر ایسی جائداد کی واپسی کے لئے نالش کی جائے جس پر تبنیت کے سبب قبضہ حاصل تھا تو قانون میعاد سماعت سے رکاوٹ پیدا ہوگی۔ ایسی صورت میں اہم مسئلہ یہ ہوگا کہ کس وقت سے اس قانون کا اثر شروع ہوگا؟ جواب یہ ہوگا کہ اس وقت سے جب سے کہ اس کو مضرت پہنچی ہو جو اس تبنیت کو منسوخ کرانا چاہتا ہے جب کسی شخص کو فوری قبضے کا حق حاصل ہو اور متبنیٰ لڑکے کی مداخلت کی وجہ سے اس کو قبضہ نہ مل سکتا ہو تو ایسی صورت میں یقیناً میعاد اس وقت سے اقل درجہ شمار کی جائے گی جب سے کہ قبضے کا حق پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ ہر صورت میں اس وقت سے متبنیٰ لڑکے کا قبضہ مخالفانہ ہوگا۔ لیکن زیادہ دشوار صورتیں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جبکہ متبنیٰ لڑکا قابض ہو اور وہ شخص وارث عودی ہو جس کے حقوق تبنیت سے متاثر ہو رہے ہوں کیونکہ وارث عودی کو فوری قبضے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ اس قسم کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ بیوہ اپنے شوہر کے وارث کی حیثیت سے قابض ہو اور متبنیٰ لے۔

**میعاد کے محسوب ہونے کا وقت**

**ف ۱۶۲** اس امر کے متعلق صریح سندی تضاد ہے ۱۸۶۹ء سے قبل اکثر مقدمات میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ میعاد اس وقت سے ہوتی ہے جب سے کہ ایک لڑکا بہ حیثیت متبنیٰ قابض کیا گیا ہو۔ اور اس قبضے کا علم ان کو ہو چکا ہو جن کے حقوق اس تبنیت سے متاثر ہونے والے ہوں۔ ونیز یہ قبضہ اس قدر علی الاعلان ہونا چاہئے کہ ان کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ تبنیت پر اس کے اطلاق کے متعلق حالیہ نظائر حسب ذیل ہیں۔ از مترجم۔

دھرم پرکاش بنام کالاوتی ۱۹۲۶ء ۵ الہ آباد صفحہ ۸۸۸۔ متبنیٰ گیرندہ ماں نے تبنیت پر اعتراض کیا تھا۔ مدن راج بنام سونی بائی ۱۹۲۵ء ۹ مراضہ جات ہند صفحہ ۲۱ صفحہ ۲۲۳۔ یہ کہ خود مختار حقیت کے لوگ اس سے متاثر نہیں ہونگے اسی مقدمہ میں یہ بھی قرار دیا گیا کہ محض اظہار رائے سے یہ مسئلہ متعلق نہیں ہوتا۔

سلہ ملیا بنام زبسا ۱۷ میسور صفحہ ۱۸۰۔

اپنے حقوق کی حفاظت کا موقع حاصل رہا ہو[1]۔ تاہم کل سلسلۂ اسناد پر ایک ایسے مقدمے میں نظرِ ثانی کی گئی جو عالیہ عدالت بنگال کے اجلاس کامل کے ملاحظے میں فیصلے کے لئے پیش تھا۔ واقعات مورث کے مرنے پر اس کی بیوہ تھی جس نے ۱۸۲۴ء میں متبنیٰ لیا اور ۱۸۶۱ء تک زندہ تھی۔ ۱۸۶۲ء میں مورث کے نواسے نے نالش کا آغاز کیا۔ اور یہ ادعا کیا کہ جائداد کا تملک اس کو حاصل تھا۔ کیونکہ تبنیت ناجائز تھی۔ اس کو تسلیم کیا گیا کہ متبنیٰ لڑکا اور اس کا لڑکا جو اس وقت مدعیٰ علیہ تھا ۱۸۲۴ء سے بربنائے تبنیت قابض تھے۔ تمادی عارض ہونے کے سبب مدعی کا مقدمہ خارج کیا گیا۔ لیکن اجلاس کامل نے اس فیصلے کو منسوخ فرمایا اور یہ قرار دیا گیا کہ بیوہ کے مرنے سے قبل میعاد کا آغاز نہیں ہوا[2]۔ یہ فیصلہ قانون میعاد سماعت بابت ۱۸۵۹ء کے تحت صادر ہوا تھا۔ لیکن قانون نشان ۹ بابت ۱۸۷۱ء کے ضمیمہ ۲ مد ۱۲۹ میں عبارت ذیل موجود تھی:۔ تبنیت کے استقرار یا تنسیخ کے لئے تاریخ تبنیت سے بارہ سال کے اندر یا اگر مدعی چاہے تو متبنیٰ گیرندہ باپ کی تاریخ وفات سے بارہ سال کے اندر نالش رجوع کر سکتا ہے۔ جائداد کی واپسی کے لئے نالش اس بیان کے ساتھ رجوع کی گئی کہ مدعیٰ علیہ کا قبضہ مخالفانہ ہے لیکن اس کا اعتراف کیا گیا کہ مدعیٰ علیہ کو آخری قابض ذکور کی بیوہ نے متبنیٰ کیا تھا۔ شوہر کی وفات کو ۱۲ سال سے زیادہ گزر چکے تھے لیکن بیوہ کے انتقال کو اس سے کم مدت گزری تھی بارہ سال سے زیادہ قبل ارجاع نالش متبنیٰ لڑکے کا قبضہ مخالفانہ بالکل کھلا ہوا تھا اور خود مدعیان نے بھی اس کو تسلیم کیا تھا کہ وہ اس حیثیت سے بطور جائز قابض ہے۔ مدعیان نے یہ حجت پیش کی کہ بیوہ کی وفات کے بارہ سال کے اندر وہ قبضے کی نالش کرنے کے مجاز تھے۔ گویا کہ بیوہ نے اس جائداد کو مدعیٰ علیہ کے حق میں منتقل کیا تھا۔ موخر الذکر (یعنے مدعیٰ علیہ) نے یہ جواب دہی کی کہ مد ۱۲۹ کے تحت نالش ممنوع السماعت ہے کیونکہ مدعی کو جائداد ۲۱۹

[1] بھرپ چندر بنام کالی کشور صدر دیوانی ۱۸۵۰ء صفحہ ۳۶۹ اس کی پیروی اکثر مقدمات میں کی گئی جن کی جانچ مقدمہ مابعد میں ہوئی ہے۔

[2] سری ناتھ لگو یادھیا بنام مہیش چندر ۲ بنگال لا رپورٹ اجلاس کامل صفحہ ۳۱ - ۱۲ سدرلینڈ اجلاس کامل صفحہ ۱۴ عرف سری ناتھ گنگوپادی بنام مہیش چندر۔

نہیں دلائی جا سکتی الا اس کے کہ تبنیت اولاً منسوخ کی جائے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ
صرف جواز تبنیت کی تنقیح قائم ہوئی تھی، جوڈیشل کمیٹی نے عالیہ عدالت بنگال کے فیصلے
کو منسوخ فرمایا اور قرار دیا کہ نالش پر میعاد عارض ہو چکی ہے۔ کیونکہ یہ جملہ "تنسیخ تبنیت
کے لئے" ایک عرصے سے ان کارروائیوں سے متعلق کیا جا رہا ہے جن میں جواز تبنیت
کا سوال حل طلب ہوتا ہے۔ (ہندوستان کے وکلا اور دیگر لوگ جن کے مشاغل قانونی
ہیں اس جملے کو اس طرح استعمال کرتے ہیں)۔ اور عموماً اس کا اطلاق نالشات قبضۂ
اراضی اور استقرار حق کی نالشات میں بلا کسی امتیاز کے کیا جاتا ہے حسب احکام
قانون میعاد سماعت نشان ۱۵ بابت ۱۸۷۷ء فقرہ ۱۱۸ "اس امر کا استقرار حاصل کرنے
کے لئے کہ پیش کردہ تبنیت ناجائز ہے یا اینکہ تبنیت ہرگز ہوئی ہی نہیں" نالش کی
مدت چھ سال ہے۔ میعاد اس وقت سے شروع ہوتی ہے "جب سے کہ مدعی کو اس
تبنیت کا علم ہوا" حکام عالیمقام نے اس کا اعلان کرنے سے انکار فرمایا کہ آیا بعد کے ۲۲۰
قانون میں زبان کی تبدیلی یا پالیسی کی تبدیلی بھی تھی وغیرہ کہنے سے بھی انکار فرمایا گیا کہ قانون پر اس
تبدیلی سے کس قدر اثر ہوا۔ بہرکیف حکام ممدوح نے آگے بڑھ کر ذیل کی رائے کا نہایت
پر زور الفاظ میں اظہار فرمایا۔ یہ کہ ایک ہی قانون کا دو مختلف میعادوں سے متعلق ہونے کا
احتمال کم ہے۔ یعنے ایک تو اس نالش کے لئے جو اس غرض سے دائر کی گئی ہو کہ
تبنیت ناجائز قرار دی جائے اور دوسرے اراضی کے قبضے کی واپسی کے لئے جو تبنیت
کی ناجوازی پر مبنی ہو۔ مقدمۂ موہیش نارائن بنام نترکنا[1] میں بھی اسی قسم پر بحث
تھی۔ قبضے کی واپسی کے لئے یہ نالش کی گئی کہ مدعی علیہ ناجائز تبنیت کی بنا پر قابض تھا۔
اس مقدمے میں یہ بحث کی گئی کہ اس نالش سے مد ۱۱۸ قانون نشان ۱۵ بابت
۱۸۷۷ء متعلق تھی نہ کہ مد ۱۲۹ قانون نشان ۹ بابت ۱۸۷۱ء لیکن یہ استدلال بے سود ہوا
اور جوڈیشل کمیٹی نے فرمایا کہ "اگر قانون کے الفاظ یہ ہوتے اور ان کا اطلاق اس
مقدمے پر ہوتا بھی تو یہ امر مشتبہ سے بھی ایک گونہ زائد ہی معلوم ہوتا ہے کہ آیا اس سے

---

۱؎ جگدمب چودھرانی بنام دکھنی موہن ۱۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۴۔ ۱۳ کلکتہ صفحہ ۳۰۸ جس میں راج بہادر
بنام اچیبت لال ۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۰۔ لکرچن بنام نہری ۲۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳۰۔ ۲۵ بمبئی صفحہ ۳۵۲۔

مدعی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے[1]

**مقدمات تحت قانون نشان ۱۵ بابت ۱۸۷۷ء**

دفعہ ۱۶۲۔ پریوی کونسل کے ملاحظے میں مقدمہ لچھمن لال بنام کنہیا لال[2] جائداد کے قبضے کے لئے پیش ہوا اور مد ۱۱۸ قانون نشان ۱۵ بابت ۱۸۷۷ء کے اطلاق کا مسئلہ زیر بحث تھا اس مقدمے میں مدعی نے بیوہ کی وفات کے بعد اپنے حقوق کے استقرار اور شوہر کی جائداد کے قبضے کے لئے نالش کی باوجود اس کے کہ بیوہ نے متبنیٰ لیا تھا۔ مد ۱۱۹ پر استدلال حصر کیا گیا اور یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ اس مقدمے کا تعلق اسی مد سے ہے۔ بہر کیف قرار دیا گیا کہ اس مد کا ایسی صورت میں اطلاق نہیں ہوتا۔ اولاً اس لئے کہ بیوہ نے اپنے لئے متبنیٰ لیا تھا نہ کہ شوہر کے لئے۔ اور ثانیاً اس لئے کہ نالش سے چھ سال کے اندر اندر مدعیہ کو اس تبنیت کا علم ہونا ثابت نہیں کیا گیا۔ اس سوال کے متعلق کہ آیا مد ۱۱۸ یا مد ۱۴۱ کا اطلاق ہونا ہی چاہیئے کوئی استدلال پیش نہیں کیا گیا۔ مدراس کے ایک مقدمے[3] میں بیوہ نے اپنے شوہر کی جائداد کے قبضے کے لئے ایسے لڑکے کے خلاف نالش کی جو اس کا مدعی تھا کہ مسودہ متوفی مالک کا متبنیٰ ہے۔ شوہر کا انتقال ۱۸۸۴ء میں ہوا تھا ۱۸۸۵ء میں بیوہ کو اس تبنیت کا علم حاصل ہوا۔ اور نالش کا آغاز ۱۸۹۳ء میں کیا گیا۔ مدعی علیہ کی جانب سے مد ۱۱۸ کے تحت میعاد کا سوال ۲۲۱
پیش کیا گیا۔ عالیہ عدالت نے جلد ۱۳ و جلد ۲۰ مرافعہ جات ہند کے نظائر اور ان نظریوں کو اس مقدمے کے فیصلے کے لئے اختیار کیا۔ اور تصفیہ کیا گیا کہ مد ۱۲۹ قانون ۱۸۷۱ء اور مد ۱۱۸ قانون ۱۸۷۷ء دونوں کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہے اور یہ کہ ان کی تعبیر اسی طرح کی جانی چاہیئے برخلاف اس کے اس صورت میں جبکہ وارثان عودی نے محض قبضۂ جائداد کے لئے۔ یا اس کے استقرار کے لئے کہ تبنیت ناجائز ہے۔ نالشات دائر کی تھیں۔

---

[1] موہیش نرائن بنام نرک ناتھ جلد ۲۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۰ صفحہ ۳۶۔ ۲۰ کلکتہ صفحہ ۴۸۷۔

[2] جلد ۲۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۱۔ ۲۲ کلکتہ صفحہ ۶۰۹۔

[3] پیروتی بنام سمیناتھ ۲۰ مدراس صفحہ ۴۰۔ اس کی بمقدمہ ایودورائے بنام سولائے ۲۴ مدراس صفحہ ۴۰۵۔ رتنم ساری بنام اکیلندل ۲۶ مدراس صفحہ ۲۹۱۔

اور قبضے کی بھی استدعا کی گئی تھی تو الہ آباد اور کلکتے کی عالیہ عدالتوں نے یہ قرار دیا کہ مد ۱۱۸ کا مقصد یہ تھا کہ اس کا اطلاق صرف ان نالشات پر ہو جو استقرار حقوق کے متعلق دائر کی جائیں۔ اور یہ کہ اگر ایسی نالش چھ سال کے اندر نہ کی جاسکے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تحت مدات ۱۴۰ و ۱۴۱ بارہ سال کے اندر قبضے کی نالش نہیں کی جاسکتی۔[۱] عالیہ عدالت بمبئی نے اپنے فیصلہ جات میں اختلاف کیا ہے۔ ابتداءً اس عدالت نے بمقدمۂ فقیہا بنام منجیا ان عدالتوں کے مطابق فیصلہ فرمایا جن کا ذکر قبل ازیں کیا گیا۔ لیکن اسی عدالت کے اجلاس کامل نے بمقدمۂ استرنیو اس بنام منہنت[۲] فیصلۂ مذکور الصدر کو منسوخ فرمایا۔

اس مقدمے میں جسٹس طیب جی نے قاعدۂ ذیل بیان فرمایا:۔ "مد ۱۱۸ کا مہرا ہر نالش پر اطلاق ہوتا ہے جب کہ مدعی علیہ کا متبنّٰی کیا جانا اصلاً مابہ النزاع ہو۔ عام ازینکہ مدعی نے اس مسئلے کو مقدمے کی ابتدائی حالت میں اٹھایا ہو۔ یا اینکہ مدعی علیہ نے خود اپنی تبنیت کو پیش کیا ہو کہ مدعی کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا ہو جائے اور اس وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہوا۔ مد ۱۴۱ کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب کہ سادہ نالش منجانب وارث عودی دائر ہو اور جس میں جواز تبنیت کا مسئلہ حقیقۃً معرض نزاع میں نہ ہو۔ یا جبکہ جواز تبنیت پر معترض ہونے کے بغیر مدعی کامیاب ہو سکتا ہو"۔[۳]

بمقدمۂ عمر خاں بنام نیاز الدین خاں[۴] جوڈیشل کمیٹی کو اس مسئلے پر غور کرنا پڑا۔ اس مقدمے میں بیس۔ کے مابہ النزاع جائداد غیر منقولہ کا مالک پایا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس نے اس جائداد کو اپنی لڑکی زد کے حق میں منتقل کیا۔ جس نے قطعی مالک کی حیثیت سے اس پر قبضہ کیا۔ بیس۔ کے ۱۸۵۲ء میں فوت ہوا۔ اس کے انتقال پر مدعی کے باپ ۲۲۲
نے قبضے کی نالش کی۔ وجہ دعویٰ یہ بیان کی گئی کہ چونکہ بیس۔ کے لاولد فوت ہوا تھا

[۱] باسدیو گوپال ۸ الہ آباد صفحہ ۴۴۳ ناتھو سنگھ بنام گلاب سنگھ ۱۷ الہ آباد صفحہ ۱۶۷۔ پر بھو لال بنام ملنی ۱۴ کلکتہ صفحہ ۴۰۱ رامچندر مکرجی بنام رنجت سنگھ ۲۷ کلکتہ صفحہ ۲۴۲۔ بھگوت پرشاد بنام مراری لال ۵ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۵۲۴۔

[۲] ۲۱ بمبئی صفحہ ۱۵۹۔

[۳] ۲۴ بمبئی صفحہ ۲۶۰ صفحہ ۲۶۶ اس کی پیروی مقدمۂ لچھمن بنام رامیا ۲۲ بمبئی صفحہ ۷ میں کی گئی۔

[۴] ۲۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹ – ۳۹ کلکتہ صفحہ ۴۱۸۔ نیز دیکھیے بھرا بنام بالارام سکھا رام ۳۳ بمبئی صفحہ ۳۹۔

اس لئے وہ جائداد طرفی رشتہ داروں پر منتقل ہوگئی۔ یہ دعوی ڈگری نہیں ہوا۔ اس کے دو سال بعد زڈ اور اس کے شوہر نے مدعی علیہ کو متبنی کیا۔ اور ۱۸۸۷ء میں بحق متبنی وہ تمام جائدادیں منتقل کی گئیں اور قبضہ بھی دیدیا گیا جو نالش مذکور میں باعث نزاع تھیں ۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۶ء میں مدعی نے ان اراضیات کی تقسیم خانگی طور پر مدعی علیہم کے ساتھ کرلی جن پر وہ بالاشتراک قابض تھے۔ زڈ (2) کا انتقال ۱۸۹۹ء میں ہوا اور ۱۹۰۰ء میں مدعی نے جائداد کی واپسی کے لئے نالش کی۔ وجہ دعوی یہ بیان کی گئی کہ جائداد موروثی تھی لہذا زڈ کو صرف حین حیاتی قبضہ حاصل تھا اور یہ کہ اس کے مرنے پر خود بخود وہ جائداد مدعی پر منتقل ہوگئی۔ مدعی علیہ نے انکار کیا کہ اس کی متبنی گیرندہ مال زڈ کو صرف حقیت حین حیاتی حاصل تھی مزید براں یہ جواب دہی بھی کی کہ مدہ ۱۱ قانون میعاد سماعت کے تحت نالش پر میعاد عارض ہوچکی تھی۔ حکام عالیمقام نے یہ تجویز فرمائی کہ زڈ کو قطعی حقیت حاصل ہوچکی تھی اور یہ کہ مدعی کی نالش اس وجہ سے ناقابل ڈگری ہے لیکن حکام نے یہ رائے بھی ظاہر فرمائی کہ اگر مدعی نے اس امر کے استقرار کے لئے کہ تبنیت پیش کردہ ناجائز ہے یا یہ کہ تبنیت ہوئی ہی نہیں حسب احکام مدہ ۱۱۸ مدت معینہ کے اندر نالش رجوع نہ کی ہو تو اس کے اس ترک سے قبضۂ جائداد کی نالش ممنوع السماعت نہیں ہوتی۔ حکام عالیمقام نے یہ فرمایا کہ وہ اپنی رائے کی تائید میں ٹھاکر تہرون بنام راجہ رائیشر[1] کے فیصلے کا حوالہ دینا کافی سمجھتے ہیں اس مقدمے کا فیصلہ بھی انہیں حکام کا صادر کیا ہوا تھا۔

حسب تجویز عالیہ عدالت مدراس اس آخری فیصلے سے اس مسئلے کی یکسوئی ہوگئی ہے[2]۔ لیکن عالیہ عدالت بمبئی نے برعکس رائے قائم کی ہے اور استریناواس بنام ہنمنت کے فیصلے میں اجلاس کامل کی مکرر تصدیق فرمائی گئی۔ اور حسب تجویز فرمائی گئی[3] کہ قبضۂ جائداد کی نالش ممنوع السماعت ہوگی جبکہ وہ نالش جس میں تبنیت کے جواز کی بحث ہو تحت مدہ ۱۱۸ قانون میعاد سماعت ممنوع السماعت ہو۔ عمر خاں بنام نیاز الدین خاں میں جس رائے کا اظہار حکام عالیمقام نے فرمایا اس کے متعلق جسٹس چندا ورکر نے یہ فرمایا کہ وہ ایک "مقولۂ عدالتی تھا۔"

[1] ۳۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۶۔ ۲۷ الہ آباد صفحہ ۷۲۔

[2] ولنگا منگا بنام بندہ مدی، ۳۰ مدراس صفحہ ۳۰۸۔ شادی نرائن داس بنام کسم کماری ۵ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۱۴۲۔

[3] سرینواس سرگیراؤ بنام بلونت ونکٹیش، ۲۴ بمبئی صفحہ ۲۶۰ نیز ہیبا سیا بنام کلیان ۲۴ بمبئی صفحہ ۴۲۸۔

یہ نالش کہ تبنیت کے ناجائز ہونے کا اعلان فرمایا جائے۔ نیابتہً دائر کی جاتی ہے اور جو وارث عودی ایسی نالش رجوع کرے وہ خود اپنی اور جملہ وارثان عودی کی طرف سے ایسی نالش رجوع کرتا ہے[1]۔ ان تمام کو ایک ہی بنائے دعویٰ حاصل ہوتی ہے اور میعاد کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب سے کہ فوری بعد کے وارث عودی کو اس تبنیت کا علم ہو جائے[2]۔ ۲۲۳

بالکل اسی قسم کا مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ جو متبنیٰ لڑکا ہونے کا دعویدار ہو نالش رجوع کرے۔ مد ۱۱۹ نے "تبنیت کے جواز کی استقراری ڈگری حاصل کرنے کے لیے" چھ سال کی مدت ارجاع نالش کے واسطے مقرر کی ہے۔ میعاد کا حساب اس وقت سے شروع ہوتا ہے "جب سے کہ متبنیٰ لڑکے کے حقوق میں بہ تعلق اس حیثیت کے مداخلت ہوئے" عدالتہائے بمبئی اور مدراس نے یہ قرار دیا ہے کہ جب مدعی کسی وراثت کی بنا پر قبضہ نہ پا سکتا ہو بجز اس کے کہ اپنی تبنیت ثابت کرے تو مد ۱۱۹ متعلق ہوگی۔ اگرچہ کہ وہ زمین کے واپس پانے کی نالش کرے اور اس امر کے استقرار کی نالش نہ کرے کہ اس کی تبنیت جائز تھی[3]۔ الہ آباد اور کلکتے کی عدالتیں یہ قرار دیتی ہیں کہ قبضے کی نالش پر مد ۱۱۹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اگرچہ کہ جواز تبنیت کا فیصلہ کیا جانا ضروری ہو[4]۔ تعجب تو یہ ہے کہ اس مسئلے کے متعلق عدالت مرافعۂ آخر سے کبھی بھی استصواب نہیں کیا گیا باوجود اس کے کہ ہندوستان میں اس کے متعلق نظائر موافق و مخالف یکساں طور پر ہیں۔

**تبنیت سے حق پیدا ہوتا ہے نہ کہ حیثیت**

اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ نہ تو مانع تقریر مخالف کے قاعدے سے اور نہ قانون میعاد سماعت کے احکام سے کوئی شخص متبنیٰ لڑکا

---

[1] وینکٹ نارائن پلے بنام سبال ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۵۔ ۳۸ مدراس صفحہ ۴۰۶۔

[2] ورما بنام گوپال داسیا ۴۱ مدراس صفحہ ۶۵۹۔ اجلاس کامل۔

[3] گنگا بائی بنام تارا بائی ۲۶ بمبئی ۷۲۰۔ رتنم سری بنام اکیلن دامل ۲۶ مدراس صفحہ ۲۹۱ جسٹس بھاشم اینگر نے اختلاف فرمایا۔

[4] ولی بنام مرلی دھر ۲۴ الہ آباد صفحہ ۱۹۵۔ چند نیا بنام سالک رام ۲۶ الہ آباد صفحہ ۴۰۔ جگناتھ پرشاد بنام رنجیت سنگھ ۲۵ کلکتہ صفحہ ۳۵۴۔

ہوسکتا ہے جب کہ وہ نہیں ہے۔ اس سے (یعنے قانون مذکور الصدر سے) اس کو چند
خاص حقوق مل سکتے ہیں اور یہ حقوق اس وقت اس کو حاصل ہوںگے جبکہ اس کا متبنیٰ کیاجانا
قائم ہو۔ بہ الفاظ دیگر اس قانون کے عمل سے ان خاص اشخاص کی زبانیں بند کردی
جائیں گی جو اس تبنیت کے منکر ہوں۔ یا اس نالش کی سماعت نہ کرکے جس کا مقصد یہ ہو
کہ وہ متبنیٰ کی حیثیت سے بیدخل کر دیا جائے۔ لیکن جب خود اس شخص کو (جو متبنیٰ ہونے کا
۲۲۴ دعویدار ہو) ایسے حقوق کے نفاذ کے لئے نالش کرنے کی ضرورت لاحق ہو جو اس کو حاصل
نہیں ہیں تو وہ تمام کے خلاف اپنی تبنیت کے جواز کو سختی سے ثابت کرنے پر قانوناً مجبور ہے۔
البتہ ان خاص اشخاص پر ایسے ثبوت کا اثر نہ ہوگا جو مخالفت کرنے سے محروم کئے گئے تھے۔[1]
ازمترجم [ اس امر کے استقرار کے لئے کہ تبنیت پیش کردہ ناجائز ہے۔ یا یہ کہ تبنیت واقع ہی
نہیں ہوئی اس تاریخ سے چھ سال کے اندر نالش رجوع کی جاسکتی ہے جب سے کہ مدعی
کو اس تبنیت کا علم ہوا۔ دیکھئے قانون میعاد سماعت ۱۹۰۸ء ضمیمہ ا مد ۱۱۸۔ اور تبنیت
کے جواز کا استقرار حاصل کرنے کے لئے بھی مدت چھ سال ہے لیکن اس تاریخ سے جب سے
کہ متبنیٰ کے حقوق بحیثیت متبنیٰ کے مداخلت کی گئی مد ۱۱۹۔ مد ۱۱۸ کا تعلق ان نالشات سے
ہے جو تحت دفعہ ۴۲ قانون دادرسی خاص استقراری ڈگری حاصل کرنے کے لئے رجوع
کی جائیں یعنے عدالت سے اس کا تصفیہ کرانے کے لئے تبنیت یا تو ناجائز ہے یا تبنیت
عمل میں ہی نہیں آئی۔ اگر کوئی ہندو وارث عودی ہندو عورت کے انتقال پر جائداد
غیر منقولہ کے قبضے کے لئے نالش کرنا چاہتا ہو تو مد ۱۴۱ کے احکام متعلق ہوںگے اگرچہ کہ
اس کا تصفیہ ضروری ہو کہ آیا تبنیت جائز تھی یا نہیں۔ کلیان دیا بنام چمبا ساس ۱۹۲۴ء
۱۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۔۴۸ بمبئی صفحہ ۱۱۴۔

| | |
|---|---|
| امر مانع تقریر مخالف اور نظائر جدید۔ | مانع تقریر مخالف کے وہ اشخاص پابند نہیں ہیں جو اپنے حق کی بنا پر دعویدار ہوں۔[2] |

[1] مسئلہ بار ثبوت تبنیت کے متعلق دیکھئے لال کنور بنام چیرنجی لال، ۳۷ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۔ ۳۲ الہ آباد صفحہ ۱۰۴۔ چندر کنور بنام نرپت سنگھ ۳۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۷۔ ۲۹ الہ آباد صفحہ ۱۸۴۔

[2] دھن راج بنام سونی بائی ۱۹۲۵ء ۵۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳۱ صفحہ ۲۴۳۔

غلط بیانی کا تعلق امر واقعہ سے ہونا چاہئے غلط اظہار رائے سے مانع تقریر مخالف کا عمل شروع نہیں ہوتا۔[1]

**نتائج تبنیت**

**ف ۱۶۴** نتیجہ تبنیت کو عام الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس سے متبنیٰ لڑکا اپنے اصلی خاندان سے منتقل ہو کر متبنیٰ گیرندہ خاندان میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس انتقال کا اثر اس کے کل حقوق وراثت پر ہوتا ہے و نیز ان فرائض اور وجوبات پر جو ان حقوق سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس سے خون کا تعلق نابود نہیں ہوتا اور نہ وہ موانعات ختم ہو جاتے ہیں جو اس تعلق کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ لہذا متبنیٰ لڑکا باوجود تبنیت اپنے اصلی خاندان میں اسی طرح شادی نہیں کر سکتا گویا کہ وہ اس خاندان سے جدا ہی نہیں ہوا۔ اور نہ وہ اپنے اصلی خاندان میں سے کسی ایسے شخص کو متبنیٰ کر سکتا ہے جنھیں وہ خاندان میں رکھنے کی صورت میں متبنیٰ نہیں کر سکتا تھا (فقرہ ۱۷۲)۔

مسائل وراثت حسب ذیل صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اولاً جب کہ صرف ایک متبنیٰ لڑکا ہو۔ ثانیاً جبکہ متبنیٰ گیرندہ باپ کے ولد الحلال بھی ہو۔ پہلے عنوان کے تحت وراثت یا تو آبائی سلسلے میں ہوگی (بہ خط مستقیم یا طرفی) یا مادری سلسلے میں۔

**آبائی وراثت**

**ف ۱۶۵** جب ایک ہی متبنیٰ لڑکا ہو (جو صحیح طور پر متبنیٰ کیا گیا تھا) تو اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ وہ اپنے متبنیٰ گیرندہ باپ۔ و نیز اس کے باپ۔ دادا اور آبائی رشتہ داران بعید کا وارث ہونے کا مجاز ہے گویا کہ وہ حقیقی لڑکا تھا۔[2] لیکن اس کے متعلق کافی مباحث ہوئے ہیں کہ آیا وہ مستحق ہے کہ طرفی رشتہ داروں کا بھی وارث

**وراثت طرفی**

[1] دھن راج بنام سونی بائی ۱۹۲۵ء ۵۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳۱ صفحہ ۲۴۲۔

[2] ڈتاک میماسا باب ۶ ف ۳ ف ۸۔ ڈتک چندریکا باب ۵ ف ۲۲۔ باب ۳ ف ۲۰ گوربب بنام جگنناتھ۔ یف۔ میاکناٹن صفحہ ۹۵ اکمند بنام بائیکنت ۲ کلکتہ صفحہ ۲۸۹۔

سریف۔ میاکناٹن نے صفحہ ۱۵۷ و صفحہ ۲۲۸ پر یہ رائے ظاہر فرمائی تھی کہ بنگال میں متبنیٰ لڑکے کی حالت حقیقی سے بہتر ہے کیونکہ باپ کی جائداد میں اس کے حق کو کبھی شکست نہیں ہو سکتی اور حقیقی کے

از مترجم [ بمقدمہ چندر شیکھر بنام ششیشورسنہ ۱۹۲۶ء عالیہ عدالت پٹنہ نے یہ قرار دیا کہ متبنیٰ لڑکا طرفی رشتہ داروں کا بھی وارث ہوگا۔ ۵ پٹنہ صفحہ ۷۷۷۔ مقدمہ از مسلک میتھلا] فرزندی کے متعلق جو نقشہ تفرقہ میں دیا گیا ہے اس کے دیکھنے سے واضح ہوگا کہ منجملہ چودہ اسناد کے آٹھ نے متبنیٰ لڑکے کو چھیٹے درجے سے بھی اس طرف رکھا ہے۔ یہ تمام کہتے ہیں کہ پہلے چھ بیٹے باپ اور رشتہ داران طرفی دونوں کے وارث ہوتے ہیں اور یہ کہ آخری چھ صرف باپ کے وارث ہوتے ہیں۔ وہ جو آٹھ اسناد پر اعتماد کرتے ہیں اس سے یہ استدلال د ۲۲۵
کرتے ہیں کہ متبنیٰ صرف آبائی (یعنے یہ خط مستقیم) رشتہ داروں کا وارث ہوتا ہے۔ اور جو بقیہ چھ پر بھروسا کرتے ہیں اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ وہ رشتہ داران طرفی کا بھی وارث ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حقیقی واقعہ یہ ہے کہ مذکور الصدر دو قسم کے اسناد بہ لحاظ تاریخ دو مختلف زمانے کے ہیں اور گویا ہر ایک اپنے زمانے کا قانون تمثیت پیش کرتا ہے یعنے مقدم الذکر (آٹھ اسناد) اسناد کا تعلق اس زمانے سے ہے جبکہ متبنیٰ لڑکے کو وہ پورے حقوق حاصل نہیں ہوئے تھے جن کا وہ بعد کے زمانے میں اہل تسلیم کیا گیا تھا۔ حسب عادت ڈنک چندریکا تمام عبارتوں کو یہ کہہ کر یکساں کرنا چاہتا ہے کہ "وہی طرح ان دونوں نظریوں کو۔ یعنے ایک کا یہ نظریہ کہ لسویا ہوا بیٹا رشتہ داروں کا وارث ہے اور دوسرے کا یہ کہنا کہ وہ ایسا وارث نہیں ہے۔ اس امتیاز کے ساتھ منطبق کرنا چاہئے کہ وہ جس کے خصائل اچھے ہوں یا جس کے خصائل اچھے نہ ہوں"۔ [اس اقتباس کا صاف الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ اگر متبنیٰ لڑکے کے خصائل اچھے ہوں تو وہ رشتہ داروں کا وارث ہوسکے گا] اور اس بحث کو یہ کہہ کر ختم کرتا ہے کہ جب کبھی ایک صحیح النسب لڑکا بھائی یا دوسرے رشتہ داروں کا وارث ہوسکتا ہو تو متبنیٰ لڑکا بھی حسبہ وارث ہوگا بشرطیکہ ایسا صحیح النسب لڑکا موجود نہ ہو[1]۔

متاکشرا نے منو کا اتباع کیا ہے اور منو متبنیٰ لڑکے کو پہلے درجے کے لڑکوں میں شمار کرتا ہے۔ و نیز وہ اس کو بلا شک ایک عام وارث قرار دیتا ہے نہ کہ محض خاص۔ متضاد احکام کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ اچھے اور برے خصائل کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حق کو ہوسکتی ہے تیاپور کے مقدمے میں پریوی کونسل نے اس رائے کو نامنظور فرمایا۔ ۴۶ مرافعجات ہند صفحہ ۸۳۔ ۲۲ مدراس صفحہ ۳۸۲۔ [1] ڈتک چندریکا باب ۵ فقرہ ۲۲۔ ۲۴۔

امتیاز بالکل بے بنیاد ہے[1]۔ برخلاف اس کے دیابھاگ نے دیوالا کی پیروی کی ہے۔ اور دیوالا کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اس نے متبنیٰ لڑکے کو صرف باپ کا وارث قرار دیا ہے اور طرفی رشتہ داروں کا وارث قرار نہیں دیا[2]۔ لیکن یہ غلط فہمی معلوم ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ دیوالا نے لڑکوں کا اس طرح شمار کیا ہے کہ متبنیٰ نویں درجے پر آتا ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ کہتا ہے:[3] "بقائے نسل کے لئے ان بارہ لڑکوں کو پیش کیا گیا ہے۔ یعنے وہ لڑکے جو خود اس شخص کے صلب کے ہوں۔ یا وہ جنھیں دوسرے نے جنوایا ہو۔ یا وہ جو تبنیت میں لیے گئے ہوں یا جو بہ رضا و رغبت دیے گئے ہوں۔ ان میں کے پہلے چھ رشتہ داروں کے وارث ہوتے ہیں اور بقیہ صرف باپ کی وراثت پاتے ہیں" اگر الفاظ "پہلے چھ" کو اس تعداد سے متعلق نہ سمجھا جائے جو ابتداءً بتلائی گئی تھی بلکہ تنظیم جدید سے جو فرقہ واری تھی تو متبنیٰ لڑکا پہلے چھ میں خود بخود آجائے گا[4]۔ بگناسہ بھی متبنیٰ لڑکے کو طرفی رشتہ داروں کا وارث اس وقت تسلیم کرتا ہے جب کہ اس میں اچھے خصائل پائے جائیں۔ اپنی اس رائے کا اظہار کرنے کے بعد بالآخر وہ یہ کہتا ہے کہ موجودہ عمل تبنیت میں دیے ہوئے لڑکے کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے بھائیوں اور دوسروں کا وارث ہو۔ ایسا لڑکا ان تمام رسوم کی تکمیل کرتا ہے جو اس کے فرقے کے لئے مقرر کی گئی ہیں یہ سریف۔ میاکناٹن مسٹر ڈبلیو میاکناٹن سرٹامس اسٹرینج اور مسٹر سدرلینڈ کی بھی یہی رائے ہے[5]۔ صریح فیصلے سے بھی اس حق کی تصدیق کی گئی ہے۔ دو مقدمات میں ایک متبنیٰ لڑکے کا یہ حق کہ ۲۲۶

---

[1] شاکترا باب ف ۳۰۔ ۲۴۔
[2] دیابھاگ باب ۱۰ فقرہ ۷۵۔
[3] دیکھئے ڈاکٹر بہلر باب ۱۰ صفحہ ۷۔ پدوکاری بنام جگت کشور ہ کلکتہ صفحہ ۴۳۰۔
[4] جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۲۷۲ ، ۲۷۲ صفحہ یف۔ میاکناٹن صفحہ ۱۶۲۔
[5] یف۔ یم صفحہ ۱۲۸ صفحہ ۱۳۲۔ جلد اڈبلیو۔ یم۔ صفحہ ۷۰۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷۔ جلد ۱ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۹۷۔ جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ سدرلینڈ سیناسیس صفحہ ۶۶۸ صفحہ ۶۷۷۔

وہ دوسرے متبنٰی کا وارث ہے تسلیم کیا گیا[۱]۔ دیگر مقدمات میں متبنٰی لڑکے کو اس کا مستحق قرار دیا گیا کہ وہ اپنے متبنٰی گیرندہ باپ کے بھائی کی جائداد میں حصہ پائے[۲]۔ بعد کے ایک مقدمے میں متبنٰی لڑکے کو دادا کے چچازاد بھائی (از روئے تبنیت) کی جائداد میں حصہ پانے کا مستحق قرار دیا گیا۔ اب جب کہ وہ دوسرے ورثا کے ساتھ حصہ پا رہا ہو (جن میں باپ کا صحیح النسب لڑکا نہ ہو) تو اس کو اتنا ہی حصہ ملتا ہے جس قدر کہ ایک صحیح النسب کو ملنا چاہیئے[۳]۔ اور علیٰ ہذا اس کے اخلاف بھی چاہے مرد ہو یا عورت[۴]۔ بعد کے ایک مقدمے میں متبنٰی لڑکے کا یہ حق کہ وہ اپنے متبنٰی گیرندہ باپ کے سپندوں کا وارث ہو سکتا ہے تسلیم کیا گیا عام ازیں کہ موخر الذکر کی رشتہ داری مقدم الذکر سے بذریعۂ ذکور ہو یا بذریعۂ اناث[۵] [الف اور اس کی زوجہ ہندہ۔ ت کو متبنٰی کرتے ہیں۔ ہندہ کی وفات پر الف نے شبر بن سے

۱۔ شام چندر بنام مارائیکنی جلد ا صدر دیوانی صفحہ ۲۰۹ صفحہ ۲۲۹ فیصلے کا یہ حصہ کہ پہلے متبنٰی کے حین حیات دوسری تبنیت ہو سکتی ہے خراب ہے۔ لیکن فیصلے کے نوٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورالصدر جزو فیصلے سے یہ قرار دیا گیا کہ متبنٰی لڑکا اپنے باپ کے رشتہ داران طرفی کا وارث ہو سکتا ہے۔ گورہری بنام مسماۃ رتناسری ۶ صدر دیوانی صفحہ ۲۰۳ صفحہ ۲۵۔ جائے چندر بنام بھیرب چندر ۶ صدر دیوانی سنہ ۱۸۴۹ء صفحہ ۴۲۱۔ و نیز دیکھئے فیصلۂ جسٹس ہابھور بمقدمۂ اجلاس کامل گرو گوبند بنام انند لال ۵ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۵ ۱۳ سدرلینڈ اجلاس کامل صفحہ ۴۹۔

۲۔ لوکناتھ بنام شام سندری۔ صدر دیوانی سنہ ۱۸۵۸ء سنہ ۱۸۶۳ء کیتی ناتھ بنام ہری گوبند صدر دیوانی سنہ ۱۸۵۹ء صفحہ ۱۸۔ گرو پرشاد بنام راش ہری سنہ ۶۰ء صفحہ ۴۱۱۔

۳۔ تاراموہن بنام کرپاموئی ۹ سدرلینڈ صفحہ ۴۲۳۔

۴۔ صدر دیوانی سنہ ۱۸۵۸ء سنہ ۱۸۶۳ء سنہ ۱۸۵۹ء صفحہ ۱۸۔

۵۔ بدکماری بنام جگت کشور ۵ کلکتہ صفحہ ۶۱۵۔ بمقدمۂ بدماکماری بنام کورٹ آف وارڈس تصدیق کی گئی ۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲۹ ۸ کلکتہ صفحہ ۳۰۲۔

شادی کی اور اس کے ایک لڑکا ج پیدا ہوا۔ شیریں بھی مرگئی اور الف نے سونی بائی سے شادی کی۔ اس شادی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ الف کی وفات پر ب ج اور سونی بائی موجود ہیں۔ اس کے بعد سونی بائی کا انتقال ہوا اور اس کا استری دھن ہے۔ بحث یہ ہے کہ اس استری دھن کا کون وارث ہوگا۔ ب اور ج بحیثیت الف کے سپنڈ کے علی السویہ تقسیم کرلیں گے۔ دیکھئے گنگا دھر بنام ہیرالال سنہ ۱۹۱۶ء ۴۴ کلکتہ صفحہ ۹۴۴۔

**مادری جائداد کی وراثت**

ف ۱۶۶۔ دوسرا مسئلہ جس کے متعلق حال تک ایک انوکھا اختلاف رائے تھا وہ یہ ہے کہ آیا متبنیٰ لڑکا اپنے متبنیٰ گیرندہ باپ کی زوجہ یا زوجگان کے خاندان میں وارث ہوسکتا ہے۔ بادی النظری تصور یہ ہے کہ لازماً وہ وارث ہونا ہی چاہیے۔ نظریۂ تبنیت یہ ہے کہ متبنیٰ لڑکا تمام ۲۰۷
مقاصد کے لئے اپنے باپ کا لڑکا ہو جاتا ہے۔ اور منشا بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ بدرجۂ اتم ایسا ہو گویا کہ وہ ازدواج جائز کے دوران میں پیدا ہوا تھا۔ مصنفین دتک چندریکا و میماسا اس امر کو نہایت وضاحت سے پیش

**ہندی مصنفین**

کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مقدم الذکر یہ کہتا ہے کہ "جب کئی مائیں ہوں تو پنڈدان کے وقت مادری اجداد کے اعزاز کی وجہ سے دو باپ کا لڑکا اولاً حقیقی ماں کے اجداد کا نام لیتا ہے اور اس کے بعد متبنیٰ گیرندہ ماں کے اجداد کا۔ لیکن وہ لڑکا جو صرف متبنیٰ ہوا صرف باپ کو پنڈ دیتا ہے اور متبنیٰ گیرندہ ماں کے دوسرے اسلاف کو۔ کیونکہ وہ صرف اس ماں کے کریا کرم کرنے کے قابل ہوتا ہے۔[1] اور اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ "صرف متبنیٰ گیرندہ ماں کے اجداد ہی دیے ہوئے لڑکوں کے نانا میں ہیں۔ کیونکہ جو قاعدہ داداؤں کے لیے ہے وہی قاعدہ ناناؤں سے بھی متعلق ہے"۔[2] اور

---

۱؎ دتک چندریکا باب ۳ ف ۱۶ و ۱۷۔ ۲؎ میماسا باب ۱ ف ۵۰ و ۵۲۔

نند پنڈت (باب ۲۲) میں کہتا ہے کہ جس طرح کہ وہ چیز جو شوہر منظور کر لے زوجہ کی بھی ہوتی ہے اسی طرح محض فعل تبنیت سے متبنیٰ کی رشتہ داری مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ شوہر کو ہمیشہ فوقیت حاصل ہے"۔ علیٰ ہذا مسٹر سدرلینڈ ان عبارتوں کے نتیجے کو ذیل کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔ "اسی طرح وہ یہ تعلق اپنی متبنیٰ گیرندہ ماں کے حقیقی صحیح النسب لڑکے کی نیابت کرتا ہے۔ لہٰذا متبنیٰ گیرندہ ماں کے اسلاف اس کے مادری اجداد ہوں گے"[1]۔ چنانچہ مسٹر میاکناٹن بھی ایک فتویٰ ضبط تحریر میں لائے ہیں جس کے لحاظ سے ایک بہن کا متبنیٰ لڑکا اس بہن کے بھائی کا وارث قرار دیا گیا۔ یعنے وہ اپنی متبنیٰ گیرندہ ماں کے خاندان میں بھی وارث ہوا[2]۔ خود مسٹر ڈبلیو میاکناٹن اس کے برعکس تصفیہ کرتے ہیں۔ یعنے وہ یہ کہتے ہیں کہ متبنیٰ لڑکا ایسی جائداد کا وارث نہیں ہو سکتا جو زوجۂ پدر متبنیٰ نے اپنے رشتہ داروں سے حاصل کی ہو۔ اس کے متعلق وہ بنگال کے ایک مقدمے کا حوالہ دیتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے کا تصفیہ ہوا تھا[3]۔ جیسا کہ بار بار ظاہر کیا گیا یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے صدر عدالت نے کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا۔ جیسا کہ مسٹر میاکناٹن بطور خود فرض کرتے ہیں۔ البتہ پنڈتوں نے بلا ضرورت رائے ظاہر کی اور یہ رائے خود دیا بھاگ کے غیر متعلق حکم پر حصر کی گئی تھی۔ اس فرضی فیصلے کے متعلق برایں ہمہ دو صریح نظائر کئے گئے۔ ان نظائر سے من بعد بنگال اور مدراس کی عدالتوں نے متبنیٰ لڑکے کے اس حق کی کہ ماں کی طرف سے اس کی جائداد کا وارث ہو سکتا ہے[4]

فیصلے ۲۲۸

[1] ۔ سدرلینڈ سیناپسس صفحہ ۶۶۸ ۔

[2] ۔ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۸۸ ۔

[3] ۔ گنگا میا بنام کشن کشور ۳ صدر دیوانی صفحہ ۱۲۸ صفحہ ۱۷۰ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۷۸ ۔

[4] ۔ میرن موئی بنام بیجائے سدرلینڈ اسپیشل نمبر (۱۲۱)۔ چینا رام کرشن بنام مناجی ۷ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۴۵ ۔

نفی کی[1] تاہم یہ تصفیہ کیا گیا کہ متبنیٰ گیرندہ ماں کے اقربا اس کے متبنیٰ لڑکے کے وارث ہوں گے۔ اور یہ کہ متبنیٰ لڑکا اپنی متبنیٰ گیرندہ ماں کی استری دھن کا وارث ہوگا[2]۔ بالآخر عالیہ عدالت الہ آباد نے یہ تصفیہ کیا کہ مادری اور پدری دونوں سلسلوں میں متبنیٰ لڑکے کے حقوق بالکل حقیقی لڑکے کے ہیں۔ اور لہذا وہ اپنی متبنیٰ گیرندہ ماں کی اس جائداد کا بھی وارث ہوگا جو اس کو اپنے باپ سے وراثتہً ملی تھی[3]۔ اس فیصلے کا اتباع عالیہ عدالت بنگال نے ایک مقدمے میں کیا۔ مدعی نے اس جائداد کے متعلق دعوی کیا جو الف کے بیٹے پر منتقل ہو چکی تھی۔ اس پر اس جائداد کے منتقل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ الف کی لڑکی نے اسے متبنیٰ کیا تھا۔ بنگال کا سابقہ فیصلہ اور مدراس کا وہ فیصلہ جس میں اس کی پیروی کی گئی تھی یہ دونوں باضابطہ طور پر اس فیصلے سے منسوخ کئے گئے۔ اور اس عام اصول کی تصدیق کی گئی اور لفظ بہ لفظ اختیار کیا گیا جو عالیہ عدالت الہ آباد نے بیان کیا تھا۔ بصیغۂ مرافعہ جوڈیشل کمیٹی نے اس تجویز کی تائید کی اور اس طرح بالآخر ایک ایسی بحث ونزاع کی یکسوئی ہوگئی جو تقریباً اسی سال سے بھی زیادہ مدت سے تصفیہ طلب تھی[4]۔ اسی فیصلے کے مطابق لڑکی کے متبنیٰ لڑکے کو دوسری لڑکی کے حقیقی لڑکے کے ساتھ نانا کی چھوڑی ہوئی جائداد میں برابری کا وارث قرار دیا گیا ہے[5]۔ [عالیہ نظائر: متبنیٰ گیرندہ ماں اور اس کے رشتہ دار مثلاً اس کا باپ اور اس کے بھائیوں کا متبنیٰ لڑکا وارث ہے

[1] گنگا پرشاد بنام برجیسری صدر دیوانی ۱۸۵۹ء صفحہ ۱۰۹۱۔

[2] نین گوڑی بنام دلونا تھ جلد ۳ سدر لینڈ صفحہ ۴۹۔ اور علیٰ ہذا بمبئی کے پنڈتوں نے بھی یہی قرار دیا دیسٹ اور بہلر صفحہ ۱۰۳۹۔

[3] شام کنور بنام گیا ۱ الہ آباد صفحہ ۲۵۶۔

[4] اوما شنکر بنام کالی کومل ۶ کلکتہ صفحہ ۲۵۶۔ امرافعہ جات ہند صفحہ ۱۳۸ سے تصدیق ہوئی۔ ۶ کلکتہ صفحہ ۲۳۲۔

[5] سرجو کانت نندی بنام مہیش چندر ۹ کلکتہ صفحہ ۷۰۔

از مترجم

اور علیٰ ہذا وہ لوگ بھی متبنیٰ کے وارث ہیں[۱]۔ بمقدمہ سندریا بنام وینکٹ سبا ۱۹۲۶ء ۴۹ مدراس صفحہ ۹۴۱۔ یہ قرار دیا گیا کہ اگر متبنیٰ گیرندہ کی زوجہ بروقت تبنیت زندہ نہ بھی تھی تب بھی وہ اس کا لڑکا تصور کیا جائے گا اور اس کے باپ کے خاندان میں وارث ہونے کا مستحق ہوگا]۔

**متبنیٰ گیرندہ کی زوجگان اور وراثت متبنیٰ**

ف ۱۶۷۔ دوسرا سوال متبنیٰ گیرندہ کی زوجگان یا بیوگان کا ہے۔ یعنے یہ کہ جس شخص کے لیے تبنیت مکمل کی گئی ہو ان کی زوجگان یا بیوگان کے متبنیٰ لڑکے کی جائداد میں کیا حقوق ہوں گے جب کہ اس کی وراثت کا مسئلہ زیر بحث ہو۔ اس مسئلے پر حال ہی میں قطعی فیصلہ ہوا ہے حقیقت امر یہ ہے کہ منو سے کوئی تشبیہ پیدا کرکے اس مسئلے کی یکسوئی نہیں کی جاسکتی۔ اگر ایک ہی شخص کے متعدد زوجگان میں سے ایک نے مرد بچہ جنا ہو تو منو نے سب کو اس بچے کی مائیں قرار دیا ہے[۲]۔ "حقیقی اور علاتی ماں کے امتیاز کو کسی مفروضے سے زائل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امتیاز فطری اور ناگزیر ہے۔ اور اسی وجہ سے حقیقی ماں وارث ہوتی ہے اور علاتی نہیں ہوتی[۳]" ہاں البتہ جب خود شوہر نے تبنیت مکمل کی ہو اور کسی فعل سے یہ ظاہر نہ ہوا ہو کہ اس نے ایک زوجہ کو دوسروں پر فوقیت دی تو ان کے مابین امتیاز پیدا کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ہوم تبنیت میں زوجہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ اس کا حاضر رہنا ضروری نہیں اور اگر وہ موجود بھی ہو تو کسی قسم کی رسم یا اس کا کوئی جز واس سے متعلق نہیں ہے[۴]۔ محض تبنیت کی وجہ سے وہ متبنیٰ لڑکے کی ماں ہو جاتی ہے[۵]۔ اور

---

۱۔ دتاتریا بنام گنگا بائی ۱۹۲۲ء ۴۶ بمبئی صفحہ ۵۴۱۔ ۲۔ باب ۹ ف ۱۸۳۔

۳۔ فقرہ ۵۶۶۔ آگے۔

۴۔ بودعائن باب ۵۔

۵۔ دتک میماسا باب ف ۲۲۔

چونکہ اغراض وراثت کے لیے ماں میں متبنیٰ گیرندہ ماں بھی داخل ہے اس لیے وہ مثاکشرا میں متبنیٰ گیرندہ باپ سے پہلے وارث ہوتی ہے[۱] نہ تو ڈنک چندریکا اور نہ دتک میماسا ان مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ایک سے زیادہ زوجگان کی وجہ سے پیدا ہوں۔ جگناتھ اس دشواری کو تسلیم تو کرتے ہیں لیکن اس کا تصفیہ نہیں کرتے۔[۲] جب ناقابل تقسیم جائداد کی وراثت کا سوال ہو تو بڑی بیوہ بلاشک اسی طرح وارث ہوگی گویا کہ وہ اپنے شوہر کی وارث ہو رہی ہے[۳] لیکن اگر جائداد قابل تقسیم ہو تو بادی النظر میں سب کے حقوق مساوی ہوں گے۔ مسٹر ڈبلیو میاکناٹن نے یہی رائے قائم کی تھی[۴]۔ اگرچہ ان کی اس رائے کو حال میں پریوی کونسل نے لفظ بہ لفظ منسوخ فرمایا۔ ایک پنڈت نے بنگال کے ایک مقدمے میں اسی قسم کی رائے دی تھی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اگر منجملہ کئی بیوگان کے ایک ہی نے متبنیٰ لیا ہو تب بھی وہ کل کا بچہ ہوتا ہے[۵]۔ البتہ ایک بادی النظری امتیاز اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ شوہر نے متبنیٰ نہ کیا ہو بلکہ اس کی بیوہ نے۔ ۲۳۰
اور اس کا یہ عمل شوہر کی صریح یا معنوی اجازت کے تحت ہو۔ ایسی صورت میں یہ فعل اسی کا ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنے شوہر کی نیابت کرتی ہے اس کی انجام دہی پر اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب انجام دیتی ہے تو ادائے رسم میں وہ اپنے شوہر کی قائم مقام ہوتی ہے۔ وہی فی الحقیقت بچے کو حاصل کرتی ہے۔ اسی وجہ سے پنڈت نے (اس مقدمے میں جس کا اقتباس اس سے قبل کیا گیا) یہ کہا کہ اگر متبنیٰ لڑکا مر جائے تو تبنیت میں

---

۱۔ انند بنام ہری ۳۳ بمبئی ص۲۰۴۔
۲۔ جلد ۳ ڈائجسٹ ص۲۵۳۔
۳۔ انا پرنی ناچیر بنام فاربس ۲۶ مرافعہ جات ہند ص۲۴۶ ۔ ۲۳ مدراس ص۱۔
۴۔ جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن باب ۱۔
۵۔ دگمبری بنام تارامونی ۔ بیف میاکناٹن ضمیمہ ۱۱۔

لینے والی بیوہ "ماں" کہلائے گی اور دوسری، علاتی مائیں[1]۔ اس اصول کا اتباع دوسرے مقدمے میں کیا گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ جب منجملہ کئی بیوگان کے ایک نے متبنیٰ لیا ہو تو وہ اپنے متبنیٰ کی وارث ہو گی۔ اور اس کے (بیوہ کے) مرنے پر جائداد دوسری بیوہ کو نہیں ملے گی[2] بلکہ دوسرے رشتہ دار طرفی کو (جن کا ذکر سلسلۂ وراثت میں ہو)۔ اس صورت میں بھی امتیاز پیدا ہوتا ہے جبکہ شوہر بروقت تبنیت اس کا اظہار کرے کہ وہ اور اس کی ایک زوجہ اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ لبطور خاص زوجہ کا انتخاب کیا جائے کہ ماں کی قائم مقامی کرے۔ ایسی صورت میں اگر وہ زوجہ جو اس طرح منتخب کی گئی ہو متبنیٰ گیرندہ کی زوجۂ ثانی ہو اور متبنیٰ گیرندہ ماں متبنیٰ لڑکے سے قبل مرجائے اور اس کے بعد متبنیٰ فوت ہو تو قرار دیا گیا کہ بڑی بیوہ بہ حیثیت ماں کے اس کی وارث نہیں ہے کیونکہ وہ علاتی ہے۔ بہ کہ شوہر کا برادر زادہ اس متبنیٰ لڑکے کا وارث ہے[3]۔ جوڈیشل کمیٹی نے ایس مرافعے میں جو مدراس سے پیش ہوا تھا اس فیصلے کی پیروی فرمائی۔ جائداد ناقابل تقسیم تھی۔ شوہر نے بہ شمول اپنی زوجۂ ثانی کے متبنیٰ لیا تھا۔ زوجۂ اول اس کے ساتھ نہیں رہتی تھی۔ شوہر کے مرنے پر متبنیٰ وارث ہوا۔ اور متبنیٰ کی وفات پر بیوگان کے مابین وراثت کی بابت نزاع پیدا ہوئی۔ ایک نے بڑی ہونے کا ادعا کیا اور دوسری نے متبنیٰ گیرندہ ماں کی حیثیت سے۔ مدراس کی عدالت نے موخر الذکر کے حق میں فیصلہ کیا اور پریوی کونسل نے اس فیصلے کو بحال رکھا[4]۔ حکام عالی مقام نے فرمایا۔ "اس پر کبھی شبہہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ

---

[1] لیف۔ میاکناٹن صـ۱۷۱۔ ولیسٹ اور بہلر صـ۱۰۴۲۔

[2] جلد ا ڈبلیو۔ میاکناٹن باب ۳۔

[3] کاشی شوری دیبی بنام گرش چندر دیکلی رپورٹر جنوری لغایت جولائی ۱۸۶۴ء صـ۷۱۔

[4] انا پرانی ناشیر بنام فاربس جلد ۱۸ مدراس صـ۲۷۷ جس کی تصدیق ۲۶ مرافعہ جات ہند صـ۲۴۹ ۲۳ مدراس صـ۱ میں کی گئی۔

ایک شخص اپنے متعدد زوجگان میں سے کسی ایک کو اس کی وفات کے بعد متبنیٰ لینے کا مجاز کر سکتا ہے۔ یا یہ کہ تبنیت کے بعد وہ حقیقی ماں کی جانشین ہوگی۔ ۲۳۱
اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو اس کو یہ بھی اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ ایک لڑکے کو اپنے حین حیات متبنیٰ لیتے وقت کسی ایک زوجہ کو اس کام میں اپنا شریک کر لے۔ اور اس شرکت کا اس لڑکے سے رشتہ داری پیدا کرنے میں وہی اثر ہو۔ اس کے اس حق سے انکار کرنا خلاف عقل ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ ہندو قانون کے چند قواعد بالکل من مانے ہیں۔ یہ قواعد شائد مذہبی احکام یا قدیم رواجات پر منحصر ہیں۔ لیکن جب اس بورڈ سے یہ استدعا کی جائے کہ اس قسم کے کسی ایک قاعدے کی تصدیق کی جائے تو وہ اس کے لیے ایک قوی سند چاہتے ہیں تاکہ حسبہ تصدیق ہو سکے۔ یقیناً یہ قانون معقول ہے کہ بزرگ خاندان ایسے کام کرنے کے قابل ہونا چاہیے جس سے اس کے بیوگان کے مابین تبنیت اور اس کے نتائج کے متعلق نزاع کا انسداد ہو سکے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ تبنیت میں اپنی زوجہ کو اپنا شریک کرلے اور یہ معلوم کرنے سے اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی تائید میں معقولیت بہت زیادہ ہے اور اس کے خلاف میں کچھ کہنے کی بہت کم گنجائش ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تائید ایک صریح عدالتی فیصلے سے بھی ہوتی ہے۔"

**دوشائن اور اسکی حقیقی ماں کے مابین وراثت کا مسئلہ**

**۱۲۷ الف دوشائن اور اس کی حقیقی ماں کے مابین وراثت کا** مسئلہ ۱۹۰۴ء میں پہلی مرتبہ پیدا ہوا تھا۔ رگھونندن اس طریقے سے حقیقی اور متبنیٰ گیرندہ باپ کے درمیان ایک خاص معاہدے کے تحت متبنیٰ کیا گیا تھا۔ یہ دونوں آپس میں رشتہ دار تھے لیکن بعید کے اور یہ معاہدہ کیا گیا کہ وہ دونوں کا لڑکا باقی رہے۔ وہ متبنیٰ گیرندہ کا وارث ہوا اور اس کے بعد صرف ایک بیوہ چھوڑ کر فوت ہوا۔ اس کے مرنے پر اس کی حقیقی ماں اور متبنیٰ گیرندہ کے پسر برادرزادے نے وراثت کا دعویٰ کیا۔ اس کا اعتراف کیا گیا کہ اگر تبنیت اس خاص شکل میں نہ ہوتی تو

پسر برادرزادہ کامیاب ہوتا۔ عدالت عالیہ الہ آباد نے یہ تجویز فرمائی کہ اس خاص معاہدے کے باعث حقیقی ماں کی قرابت پر تبنیت سے کوئی اثر نہیں پڑا اور لہذا اس کا حق وراثت بھی حسب حال رہا اگر وہ جائداد چھوڑ کر فوت ہوتی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رگھو نندن اس کا وارث ہو سکتا تھا۔ اگر متبنیٰ کی پرزندہ ماں اس کے بعد زندہ رہتی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مائیں مشترکہ وارث ہوتیں۔

**صحیح النسب لڑکا جو تبنیت کے بعد پیدا ہوا ہو**

ف ۱۶۸۔ وہ صورتیں جن میں کہ ایک صحیح النسب اور ایک متبنیٰ لڑکا ساتھ ساتھ موجود ہوں صرف اس وقت قانوناً پیدا ہو سکتی ہیں جبکہ ایک صحیح النسب بعد تبنیت پیدا ہو۔ ایسے شخص کا ایک لڑکے کو متبنیٰ کرنا جس کے اولاد ذکور موجود ہو قطعی ناجائز ہے (ف ۱۰۰) اور جو لڑکا اس طرح متبنیٰ کیا جائے کوئی حصہ پانے کا مستحق نہیں ہے۔ ۲۳۴

ایک حکم کی بنا پر جو منو سے منسوب کیا جاتا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ اپنی شادی کی رسم تکمیل کا مجاز ہے جس میں میں سمجھتا ہوں کہ گزارہ پرورش بھی شامل ہے لیکن وہ حکم (اگر اس کو اب بھی نافذ تصور کیا جائے) میرے خیال میں بے ضابطہ تبنیتوں سے متعلق ہے نہ کہ ان سے جو قطعی ناجائز ہوں اور قطعی ناجائز تبنیت سے حیثیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں جب تبنیت کے بعد (جو بر وقت تکمیل جائز تھی)

**متبنیٰ لڑکے کا حصہ**

ایک صحیح النسب لڑکا پیدا ہو تو متبنیٰ لڑکا صحیح النسب کے ساتھ حصہ پانے کا مستحق ہے۔ اس کو ایک حصہ ملتا ہے جیسے بعض وقت ایک ربع کہا جاتا ہے اور بعض مرتبہ اس لڑکے کا ایک ثلث جو بعد میں پیدا ہوا ہو[۳]

---

[۱] بہاری لال بنام شب لال ۲۶ الہ آباد صفحہ ۴۷۲۔ [۲] دتک میماسا باب ۵ دفعہ ۱ دتک چندریکا باب ۱ دفعہ ۳۔

[۳] دتک میماسا باب ۵ دتک چندریکا باب ۵ دفعہ ۱۶ و ۱۷ متاکشرا باب ۱ فصل ۲ دفعہ ۲۴ و ۲۵ دیا بھاگ باب ۱ دفعہ ۹ جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۱۵۵ صفحہ ۱۷۹ صفحہ ۲۹ میوکھ باب ۴ دفعہ ۲۵۔ ۲ ڈبلیو یم صفحہ ۱۸۴۔

ڈاکٹر ولسن یہ کہتے ہیں کہ یہ اختلاف صرف ظاہری ہے اور یہ کہ کل کتابیں ایک ہی چیز بیان کرتی ہیں یعنے یہ کہ جائداد کو اولاً چار حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے جس میں کا ایک حصہ متبنٰی کو ملتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر وہ کل جائداد کا ایک ربع پاتا ہے اور حقیقی لڑکے کے حصے کا ایک ثلث[1]۔ ان احکام کی ابتدا میں جو کچھ بھی معنے ہوں لیکن اس کی وجہ سے رواج میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ چنانچہ اب ان احکام کے لحاظ سے بنگال میں متبنٰی لڑکا کل جائداد کا ایک ثلث پاتا ہے اور ان صوبہ جات میں جہاں بنارس کا قانون نافذ ہے کل جائداد کا ایک ربع پاتا ہے[2]۔

**مدراس**

سر سوتی ولاس کی سند پر عالیہ عدالت مدراس نے البتہ یہ تصفیہ کیا ہے کہ ایک ربع جس کا وہ مستحق ہے کل جائداد کا ایک ربع نہیں ہے بلکہ اس حصے کا ایک ربع ہے جو صحیح النسب پاتا ہے۔ لہذا جائداد پانچ حصوں میں تقسیم کی جائے گی جس کا ایک حصہ متبنٰی پائے گا اور بقیہ صحیح النسب۔

**بمبئی اور کلکتہ**

بمبئی اور کلکتے میں بھی ان احکام کی اسی طرح تاویل کی گئی ہے[3]۔ نند پنڈت نے اس حکم کی ایک اور ہی توضیح پیش کی ہے۔ یہ کہ اس کو ایک ربع حصہ ملے گا یعنے اس کا ایک ربع جو وہ اورس ہونے کی صورت میں پاتا۔ یہ الفاظ دیگر نصف کا ۳۴۳

---

لہ۔ تالیفات ولسن باب ۵ صفحہ ۵۲۔

ٹہ۔ جلد ا ڈبلیو۔ یم صفحہ ۷۔ جلد ۲ ڈبلیو۔ یم صفحہ ۱۸۴ یف۔ یم صفحہ ۱۳۷۔ تارا موہن بنام کرپا موئی وسدر لینڈ صفحہ ۴۲۳ جلد ۱۱ سٹرینج ہندو لا صفحہ ۹۹ اور علیٰ ہذا جین لوگوں میں بھی رکھل بنام چنی لال ۱۶ بمبئی صفحہ ۳۴۷۔ نیز دیاکر ماسنگرہ از وریخ باب ۶ صفحہ ۳۳۔

سہ۔ ایا دو بنام نلدشی جلد ا مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۴۵۔ دینکا مدی بال کرشنیا بنام دینکا مدی وینکٹ نریکم ۳۲ مدراس صفحہ ۳۹۸ جس میں یہ قرار دیا گیا کہ اگر باپ اور اورس بیٹے کے درمیان تقسیم ہو تو متبنٰی کو نواں حصہ ملے گا اور باپ اور ہر ایک اورس کو ۴/۹ ملے گا۔ کریا بنام ننگیا ۱ بمبئی صفحہ ۱۰۰ بر بھدرا بنام کلپنر و جلد ا کلکتہ لا جرنل صفحہ ۲۸۸۔

ربع یا ۱/۴[1] جب بعد کے پیدا شدہ کئی لڑکے ہوں تو حصص میں اس اصول کے لحاظ سے اختلاف ہوگا جو اختیار کیا گیا ہو۔ فرض کیجئے کہ دو اورس لڑکے ہوں تو مسٹر میاکناٹن کے بتلائے ہوئے اصول کے لحاظ سے بنارس میں جائداد سات حصوں میں تقسیم کی جائے گی اور بنگال میں پانچ حصوں میں۔ یہ سوبی ولاس کے لحاظ سے جائداد نو حصوں میں تقسیم کی جائے گی۔ اور متبنیٰ لڑکا ہر صورت میں ایک حصہ پائے گا۔ نند پنڈت کی توضیح کے مطابق متبنیٰ کو ۱/۱۲ ملے گا[2]۔ مغربی ہند کے مختلف فرقوں میں متبنیٰ لڑکے کے حقوق ۱/۳ و ۱/۴ اور ۱/۵ ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں وہ کچھ پاتا ہی نہیں۔ اورس بیٹے کے پیدا ہونے پر متبنیٰ گیرندہ باپ کو آزادی حاصل ہے کہ وہ اس کو ایک تحفہ دے کر نکال دے[3]۔

**شودر** وردھ گوتم کے مطابق متبنیٰ لڑکا اور وہ اورس لڑکا جو بعد تبنیت پیدا ہوا ہو مساوی حصہ پاتے ہیں۔ دتک چندریکا میں اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ حکم صرف شودروں سے متعلق ہے۔ اور دتک میماسا میں اس کی توضیح اس طرح کی گئی ہے کہ اس کا تعلق اس اورس لڑکے سے ہے جس میں اچھے خصائل نہ ہوں۔ مسٹر گبلن کے مطابق پانڈیچری میں اس قاعدے کا اطلاق تمام جماعتوں پر ہوتا ہے۔ اور یقیناً شمالی لنکا میں ایسا ہی ہے۔ بابو شام چرن یہ کہتے ہیں کہ بنگال میں اس کا اطلاق شودروں کی ذاتوں پر ہوتا ہے۔ ممالک مدراس میں بھی نظریہ رائج معلوم ہوتا ہے اگرچہ صراحتاً اس مسئلے کے متعلق فیصلہ نہیں کیا گیا[4]۔ ایک

[1] دتک میماسا باب ۵ ف ۴۲ سدرلینڈ سیناپسس صہ ۶۷۔
[2] یف۔ یم صہ ۱۵۱۔ جلد ۱ میاکناٹن صہ ۷۔ جالی لکچر صہ ۱۸۲۔
[3] اسٹیل صہ ۴۷۔ صہ ۱۸۶۔
[4] دتک میماسا باب ۵ ف ۴۳ دتک چندریکا باب ۵ ف ۳۲ جلد ۱ اسٹرینج ہندولا صہ ۹۹

حالیہ مقدمے میں عالیہ عدالت مدراس نے اس معاملے میں دتک چندریکا کی سند کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور قدیم احکام پر غور کرنے کے بعد حسب ذیل تجویز کی گئی۔ یہ کہ اسناد کا غلبہ اس نظریے کی تائید میں ہے ۲۲۴
جس سے متبنیٰ لڑکے کے حقوق حقیقی لڑکے کے ۱/۴ حصے تک محدود کئے گئے ہیں۔[1]

لیکن بنگال میں (جہاں دتک چندریکا کو سب سے زیادہ مستند قرار دیا گیا ہے) یہی سوال فیصلے کے لئے پیدا ہوا اور نتیجہ بالکل برعکس ظاہر ہوا۔ متبنیٰ لڑکے کو نصف حصے کا مستحق قرار دیا گیا۔ اسناد کو بہ تفصیل جانچنے کے بعد عدالت نے نتیجۂ ذیل اخذ فرمایا۔ یہ کہ دتک چندریکا نے سمرتیوں سے ہٹ کر نہیں لکھا ہے بنا براں اس کے بیان کئے ہوئے قاعدے کو اثر پذیر قرار دیا گیا۔[2]

پریوی کونسل نے سابقہ فیصلۂ مدراس کو منسوخ فرمایا[3] اور یہ فیصلہ فرمایا کہ اس مسئلے پر دتک چندریکا کی سند ایک عرصے سے اس طرح مسلمہ ہے کہ اس صوبے میں اس کو قانون سمجھنا چاہیے جیسا کہ بنگال میں۔ بہر صورت اس قاعدے کا اطلاق صرف قابل تقسیم جائداد پر ہوگا۔ عالیہ عدالت مدراس نے یہ بیان فرمایا ہے کہ "ناقابل تقسیم جائداد کی وراثت کے لئے بعد کے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) جلد ا ڈبلیو میکناٹن ص۷۰ نوٹ جلد گبلن ص۸۲۔ تھیسا ولم باب ۲ ف ۲۔ راجا بنام سبریا ۲ مدراس ص۱۵۳۔ اگر داماد الاتم شکل میں متبنیٰ کر لیا گیا ہو تو وہ اور حقیقی لڑکا برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں اس طریقے سے داماد کو رشتہ داری میں داخل کرنے کی رسم مدراس کے ان اضلاع میں رائج ہے جن کی زبان تلنگی ہے ہنومان تما بنام رامی ریڈی ۴ مدراس ص۲۷۲۔

[1] بھو پالن بنام وینکٹ راگھولو ۔ ۴ مدراس ص۲۳۲ (بہ الفاظ دیگر اس تجویز کا مقصد یہ ہے کہ اورس کا ۱/۴ متبنیٰ کو ملنا چاہیے۔ از مترجم)۔

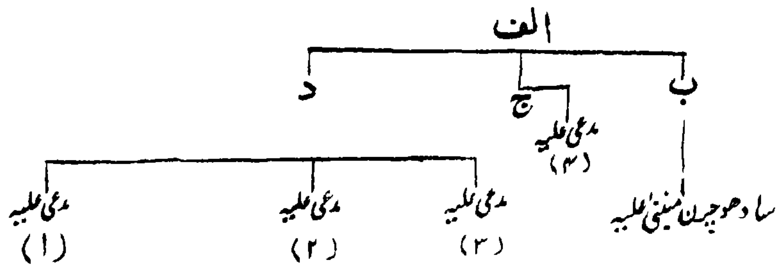
[2] اسیتا موہن گوش مولک بنام نر د موہن گوش مولک ۲۰ کلکتہ ویکلی نوٹس ص۹۰۱۔

[3] پرازو بنام سبرایا د ۴۴ مدراس ص۶۵۷ پریوی کونسل۔

پیدا شدہ لڑکے کو متبنیٰ پر ترجیح ہے۔ وجہ یہ ہے کہ متبنیٰ لڑکا اورس لڑکے کا محض قائم مقام ہوتا ہے اور یہ کہ جب موخر الذکر موجود نہ ہو تو وہ قائم مقام کو نکال باہر کرے گا۔[1] [خلاصہ:- جب ایک متبنیٰ لڑکے اور حقیقی میں تقسیم ہو تو بنگال میں اس کو اپنے باپ کی جائداد کا ایک ثلث دیا جاتا ہے۔ بنارس میں ایک ربع۔ بمبئی اور مدراس میں پانچواں حصہ۔ مدراس اور بنگال کے شودروں میں دونوں مساوی کے حصہ دار ہوتے ہیں اور بمبئی میں وہی پانچواں حصہ۔[2] علیٰ ہذا جب تقسیم باپ کے عین حیات ہو چنانچہ مدراس میں باپ اور اورس لڑکا ہر ایک چار حصے پائیں گے۔ اور متبنیٰ لڑکا ایک حصہ پائے گا)۔ ازمترجم

**متبنیٰ لڑکے کے حقوق جبکہ رشتہ داران طرفین اور اسکے درمیان تقسیم ہو**

ف ۱۶۹۔ ایک عجیب وغریب مسئلہ یہ ہے کہ (الف) آیا اغراض مقاصد کے لئے متبنیٰ لڑکے کی حیثیت میں جو کمی اورس لڑکوں کو من بعد پیدا ہونے سے واقع ہوتی ہے وہ صرف ان ہی تک محدود ہے؟ یا (ب) آیا اس کا اطلاق متبنیٰ گیرندہ باپ کے بھائیوں اور ان کی اولاد کے فایدے کے لئے بھی ہوتا ہے؟ اس مسئلے کے متعلق کلکتے میں تصفیہ ہوا ہے۔[3] اس مقدمے میں شجرۂ نسب حسب ذیل تھا۔




یہ خاندان مٹاکشرا خاندان کا تابع تھا۔ مدعی نے الف۔ ب۔ ج اور د کے

۱؎۔ راماسامی راملیا بنام سندرلنگاسامی ۱۷ مدراس صفحہ ۳۵۴۔ ۲؎۔ بنکارام بنام رامچندر ۱۹۲۵ء ۴۹ بمبئی صفحہ ۲۴۲۔ ازمترجم۔
۳؎۔ رگھو باند داس بنام سادھو چرن ۴ کلکتہ صفحہ ۴۲۵۔

"۳۵ رنے کے بعد نالش کی عدالتہائے ابتدائی اور مرافعہ میں صرف اس امر کے
ا یت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس کو حصہ پانے کا حق نہ تھا۔ اس میں مدعی علیہم کو
ا کامیابی ہوئی۔ عالیہ عدالت میں بصیغۂ مرافعہ انھوں نے یہ حجت پیش کی کہ
س کا حصہ ایک ثلث نہ ہوگا بلکہ ۱/۶۔ عالیہ عدالت نے اس نظریے کی بحوالۂ
تک چندریکا باب ۵۔ ۲۴ اور ۲۵ تصدیق کی جسٹس مارکبی نے یہ بتلایا کہ
سٹر سدرلینڈ کے ترجمے (دفعہ ۲۴) میں چند سطریں چھوٹ گئی تھیں اور یہ کہ
ذکور الصدر دونوں دفعات حقیقتاً حسب ذیل تھے:۔

"۲۴۔ لہٰذا اسی قرابت کی بنا پر جس کی وجہ سے حقیقی اورس لڑکا بھائی
یا دوسرے قرابت دار کا وارث ہوتا ہے اسی قسم کا متبنیٰ لڑکا بھی اپنا واجبی
حصہ پاتا ہے۔ اور اس صورت میں جبکہ مورث کو دوسرے لڑکے ہوں۔ یا
بنیت کا پوتا ہو یا جس کا باپ مر چکا ہو تو ایسے پوتے کو متبنیٰ لڑکے کا حصہ ملتا ہے۔
جب ایسا لڑکا نہ ہو تو متبنیٰ لڑکا کل جائداد پاتا ہے۔ جلی الفاظ کو مسٹر سدرلینڈ نے
چھوڑ دیا ہے۔

"فریقین مرافعہ میں یہ نزاع نہیں ہے کہ مسٹر سدرلینڈ کے ترجمے کی
صحت کی جانی چاہیے۔

فقرہ ۲۵ حسب ذیل ہے:۔ اس قاعدے کی سختی سے پابندی ہوتی
ہے کہ پوتا اپنے باپ کے مناسب حصے کا وارث ہوتا ہے۔ اس لئے
دیا ہوا لڑکا جبکہ اس کا متبنیٰ کرنے والا دادا کا حقیقی اورس لڑکا ہو
چچا کے ساتھ بھی برابری کا حصہ پانے کا مستحق ہے کیونکہ اس کا شمار بھی
پتر میں ہوتا ہے لہٰذا ایک پوتا جو متبنیٰ کیا گیا ہو (ہر صورت میں) اپنے
چچا کے برابر وراثت پا سکتا ہے بطور عام قاعدے کے اس کا ادعا
نہ کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ اس سے یہ نقص واقع ہوگا کہ اگر پوتے کا باپ
متبنیٰ لڑکا تھا تو اس کو ایک ربع حصہ ملے گا لیکن پوتا چچا کے ساتھ
دادا کی وراثت میں مساوی حصہ پائے گا (اگر وہ ایسا لڑکا تھا) اور
حسبۂ شخص زیر بحث (یعنے متبنیٰ کا متبنیٰ) اپنے باپ کے مناسب

اور مقررہ حصے کا وارث ہوتا ہے۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ
قانون نے اسی قسم کے باپ کے لئے کس قدر حصہ مقرر کیا ہے۔ لہذا
جو کچھ حجت پیش کی گئی تھی وہ صحیح ہے۔ پوتے کے لڑکے کے لئے بھی
اسی قاعدے کا اطلاق کیا جانا چاہیے۔ الفاظ یعنے متبنیٰ کا متبنیٰ
اصلی عبارت میں واقع نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان الفاظ کو ۲۳۶
خارج بھی کر دیں اور دونوں فقرات کو زیادہ صحیح عبارت کے
لحاظ سے تسلیم بھی کر لیں تو وہ صاف طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ
تقسیم پر متبنیٰ لڑکا اور اورس لڑکے کا متبنیٰ دونوں کی ایک ہی
حیثیت ہے۔ اور یہ کہ ان میں کا ہر ایک صرف وہ حصہ پاتا ہے جو
متبنیٰ کے لئے موزوں ہے یعنے اس حصے کا نصف جو وہ اورس لڑکا
ہونے کی صورت میں پاتا۔"

اس کے بعد فاضل جج اس اعتراض کی جانب متوجہ ہوئے کہ مدعی کے
متبنیٰ گیرندہ باپ "ب" کو جائداد کے ایک ثلث میں پیدائش سے حق حاصل
ہو چکا تھا۔ اور یہ کہ حق نیابت سے یہ کل حق مدعی پر منتقل ہوا۔ اس کے متعلق
فاضل جج نے صفحہ ۳۴ پر یہ بتلایا کہ از روئے مِتاکشرا کسی رکن خاندان کو
حالت اشتراک میں کوئی معین حصہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ ہر ایک کے
حصے کا تعین تقسیم کے وقت حالت خاندان اور ہر رکن کی انفرادی حالت
کے لحاظ سے کیا جانا چاہیے۔ لہذا اگر حقیقی لڑکے کا واحد پسر متبنیٰ اس حصے کے
صرف نصف کا مستحق ہو جو اسی باپ کے حقیقی لڑکے کو مل سکتا تھا تو اس سے
کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ اس کا باپ اس حصے کا دہرا پا سکتا تھا (بشرطیکہ
وہ اس سے قبل تقسیم کا مطالبہ کرتا) اور یہ کہ اس طرح حاصل شدہ کل حصہ اس پر
منتقل ہوتا۔ دوبارہ اس کے متعلق وہی سوال پیدا ہوگا یعنے تقسیم کے وقت
خود اس کے شخصی حقوق کیا تھے۔

| | |
|---|---|
| ف۱۷۱۔ وشنٹ کا وہ قاعدہ جس پر تمام اسناد مبنی ہیں حسب ذیل ہے۔<br>(باب ۱۵ ۹) "جب ایک لڑکا متبنیٰ کیا جائے اور بعد میں | مقدمے پر بحث |

ایک اورس لڑکا پیدا ہو تو دیے ہوئے لڑکے کو چوتھا جزو ملتا ہے۔" اس پر
مصنف دتک چندریکا نے یہ اضافہ کیا ہے (باب ۱) کہ: "اس کے نہ ہونے پر وہ
کل کا مستحق ہے" یہ الفاظ دیگر اس کے متبنیٰ والدین کی کل جائداد کا۔ یہ بالکل صاف
اور واضح ہے۔ متبنیٰ لڑکا حقیقی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اگر حقیقی لڑکا موجود
ہو تو متبنیٰ قانوناً ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن ایک شخص اس خیال کے تحت متبنیٰ لے سکتا
ہے کہ اس کو حقیقی لڑکا ہوگا ہی نہیں۔ اور یہ خیال غلط ہو سکتا ہے ایسی صورت میں
انصاف یہ ہے کہ حقیقی لڑکے کو بڑا حصہ دیا جائے اور چھوٹا حصہ اس لڑکے کو ۲۳۷
جو ہرگز متبنیٰ نہیں کیا جا سکتا تھا اگر قبل از قبل یہ معلوم ہو جاتا کہ معاملات
کیا پلٹا کھائیں گے۔ لیکن قاعدہٗ مذکور الصدر کے الفاظ یا اصول سے
یہ کب ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص جو تبنیت سے اپنے متبنیٰ گیرندے کا
اکلوتا لڑکا ہے اس کے حقوق خاندان میں اس وجہ سے گھٹ جائیں گے کہ
اور اورس لڑکے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کے متبنیٰ گیرندہ کو
نہیں بلکہ اس متبنیٰ گیرندہ کے بھائیوں کو؟۔ اس کو تسلیم
کیا گیا ہے کہ خود وششٹ کے حکم سے ایسی کیفیت پیدا کرنے کے لئے کوئی
سند نہیں ہے۔ اور نہ کسی شرح سے یہ چیز ظاہر ہوتی ہے بجز دتک چندریکا کے
جس کا ذکر اوپر کیا گیا لیکن میں یہ خیال کرتا ہوں کہ موخر الذکر میں کچھ اور ہی
تاویل مضمر ہے۔ فقرات ۲۴ اور ۲۵ متبنیٰ لڑکوں کے عام حقوق سے
متعلق ہیں ان کو ایک متبنیٰ لڑکے کی اس خاص حالت سے تعلق نہیں یہاں
اس کے متبنیٰ گیرندہ والدین کے ایسے اورس پسر ہوں جو تبنیت کے بعد
پیدا ہوئے ہوں مصنف مذکور دتک نہ صرف وششٹ کے متن پر تبصرہ کرتا
ہے بلکہ منو اور دیگر مصنفین کے متنوں پر بھی۔ ان میں کے چند یہ قاعدے بیان
کرتے ہیں کہ متبنیٰ لڑکا صرف پدری سلسلے میں وارث ہوتا ہے۔ دوسرے
یہ کہتے ہیں کہ وہ پدری اور رشتہ داران طرفی دونوں کا وارث ہوتا ہے۔
وہ ان کی مطابقت اس معمولی قاعدے سے کرتا ہے کہ صورت موخر الذکر میں
پتر سے مراد ایسا پتر ہے جس کے خصائل اچھے ہوں (دیکھئے ۱۶۸ ل)

میرے خیال میں فقرہ ۲۴ میں محض عام اصول بیان کیا گیا ہے یعنے یہ کہ متبنیٰ لڑکے کو بہ حیثیت متبنیٰ کے پورے حقوق حاصل ہیں اگرچہ وہ عام مورث سے کتنا ہی دور ہو۔ اس کو محض اس متبنیٰ لڑکے کے حقوق حاصل نہیں ہیں جو اورس لڑکوں کے ساتھ حصہ پاتا ہو۔ فقرہ ۲۵ کے ابتدائی حصے میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اورس لڑکے کا متبنیٰ اور اس کا وہ بھائی جو اس کے متبنیٰ گیرندہ باپ کے صلب سے پیدا ہوا ہو یہ دونوں مساوی کے حصے دار ہیں۔ اس کے بعد مصنف مذکور اس مسئلے پر آتا ہے کہ آیا ہر متبنیٰ پوتا اسی طرح وارث ہوگا۔ اس کا وہ یہ جواب دیتا ہے کہ ایسا ہونا ضروری نہیں۔ اگر خود متبنیٰ نے متبنیٰ لیا ہو تو اس کا لڑکا خود اس سے زیادہ نہیں پا سکتا۔ یعنے اگر پہلے متبنیٰ کے ساتھ اورس لڑکے بھی ہوں تو متبنیٰ صرف ایک ربع پاتا ہے۔ اور لہذا اس کا پسر تبنیت اس سے زیادہ نہیں پا سکتا۔ یا جیسا کہ سمرتی چندریکا اس کے متعلق بیان کرتا ہے کہ "شخص زیر بحث (فرضی پوتا جو متبنیٰ کیا گیا ہو) صرف وہ حصہ پائے گا اسی قسم کے جیسا کہ وہ خود تھا باپ کے لئے قائم کیا جا سکتا ہو" (پسر تبنیت)۔ وہ حصہ کیا ہے اس پر منحصر ہوگا کہ آیا اورس لڑکے بعد میں پہلے
۲۳۸ متبنیٰ گیرندہ باپ کو پیدا ہوئے تھے یا عام مورث کو۔ اگر اورس لڑکے تھے تو وہ ایک ربع پائے گا۔ اور اس کا لڑکا زیادہ نہیں پا سکتا عام ازیں کہ وہ حقیقی ہو یا متبنیٰ۔ پریوی کونسل نے اب اس مسئلے کا مختتم فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ حکام عالی مقام نے بمقدمہ نگنداس بھگوان داس بنام بجو ہرکشن داس[1] یہ قرار دیا ہے کہ رگھونند اس بنام سادھو چرن کا غلط فیصلہ کیا گیا[2]۔ اور یہ کہ دفعہ (۵) ذتک چندریکا کے فقرات ۲۴ اور ۲۵ کی صحیح تاویل وہی ہے جو تارا موہن بھٹاچرجی بنام کرپا موئی دیبی[3] اور دلو ناتھ مکرجی[4] میں اختیار کی گئی۔ چنانچہ حسب یہ قاعدہ قرار

[1] ۔ ۴۴ مرافعہ جات ہند ص ۵۶ ۔ ۳۴ بمبئی ص ۲۸ ۔ [2] ۔ ۳۴ ک ص ۴۲۵ ۔

[3] ۔ ۹ مدراس لیڈ ص ۴۲۳ ۔

[4] ۔ ۸ کلکتہ لا رپورٹ ص ۵ ۔ دلو ناتھ مکرجی بنام گوپال چرن مکرجی ۔

دیا گیا ہے کہ اس نظریے کا (جس سے تقسیم پر متبنیٰ لڑکے کو خاندان کی جائداد میں تخفیف شدہ حصہ ملتا ہے) صرف ان صورتوں میں اطلاق ہوتا ہے جبکہ ایک متبنیٰ لڑکے اور اسی باپ کے بعد کے پیدا شدہ اورس لڑکے کے مابین مقابلہ ہو۔ اور یہ کہ متبنیٰ لڑکا اور متبنیٰ گیرندہ باپ کے شرکائے خاندان کے حقیقی لڑکے مساوی حصے کے مستحق ہیں۔ یعنے متبنیٰ لڑکا ان کا برابری کا حصہ دار ہوتا ہے۔ جب رشتہ داران طرفی کی وراثت کی بحث ہو تو متبنیٰ لڑکا اور اورس لڑکے مساوی حصص پاتے ہیں کیونکہ متبنیٰ لڑکے کے حقوق ہر لحاظ سے حقیقی لڑکے کے حقوق کے مشابہ ہیں بجز اس کے کہ صریح احکام نے اس کے حصے میں تخفیف کردی ہو[۱] [الف اور ب دو بھائی ہیں۔ الف کے ایک لڑکا ج ہے ب کو لڑکا نہ ہونے کی وجہ سے اس نے د کو متبنیٰ کیا۔ یہ تمام متاکشرا خاندان کے ارکان ہیں۔ الف اور ب کے مرنے کے بعد د نے ج پر تقسیم کی نالش کی۔ د اور ج میں برابری کی تقسیم ہوگی۔ مقدمہ نگنداس بنام بچو ۴۳ مرافعہ جات ہند صـ۵۶ ۔ ۴۰ بمبئی صـ۲۷۰ سنہ ۱۹۱۵ء۔ اس فیصلے سے کلکتہ اور بمبئی کے فیصلہ جات[۲] منسوخ کئے گئے۔ ان مقدمات میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ د ج کے برابر حصہ پانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ اس طرح کہ ج بعد کا پیدا شدہ لڑکا ہے]۔

**حق عود**

دفعہ ۱۷۱۔ جب اورس اور متبنیٰ باپ کے بعد زندہ رہیں اور اس کے بعد اورس لڑکا لاولد فوت ہو تو عالیہ عدالت مدراس نے یہ قرار دیا ہے کہ کل جائداد متبنیٰ پر عود کرے گی[۳] اس میں شک نہیں کہ بنگال میں دوسری صورت ہوگی اگر اورس لڑکے نے بیوہ یا لڑکی وغیرہ چھوڑی ہو۔ [اگر متاکشرا خاندان کے رکن نے متبنیٰ لیا ہو تو ایسا لڑکا شریک ہو جاتا ہے اور متبنیٰ گیرندہ باپ نہ تو بذریعہ دستاویز اور

---

[۱] ۔ گنگا تھرہو گلا بنام ہیرالال بھوگلا ۴۳ کلکتہ صفحہ ۹۴۴۔

[۲] ۔ رگھو بانند داس بنام سادھو چرن ۴ کلکتہ صفحہ ۴۲۵ بچو بنام نگنداس ۲۶ بمبئی لا رپوٹ صـ۲۶۳۔

[۳] ۔ جلد ا مدراس ہائیکورٹ صـ۴۹۔

نہ وصیت سے اس کے حقوق عودی میں خلل انداز ہوسکتا ہے۔[1]

**اصلی خاندان سے علیحدگی**

دفعہ ۱۷۲۔ جملہ حقوق اور وجوبات کی حد تک ایک لڑکا جو متبنیٰ کیا گیا ہو اپنے اصلی خاندان سے کلیتہً علیحدہ ہوجاتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے وہ کریا کرم انجام نہیں دے سکتا جن کے لیے وہ متبنیٰ نہ ہونے کی صورت میں کرسکتا تھا۔ اور اس کے جملہ حقوق وراثت اس طرح کلیتہً غائب ہوجاتے ہیں گویا کہ
۲۳۹ وہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا[2] اس میں شک نہیں کہ مفروضہ تبنیت کے لحاظ سے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ پیدائش سے متبنیٰ لڑکا متبنیٰ گیرندہ باپ کے خاندان میں تھا۔ اور لہذا کسی اور غرض کے لیے اس کے متعلق یہ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ اس طرح موجود نہ تھا کہ اپنے اصلی باپ کی جائداد میں حق محصلہ[3] حاصل کرتا سوال ذیل کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ کیا متبنیٰ لڑکا اس موروثی جائداد سے

---

لہ۔ پرمانند بنام شیو چرن داس ۱۹۲۱ء ۲ لاہور صفحہ ۶۹۔

لہ منو باب ۹ ۱۴۲۔ دتک میماسا باب ۶ تا ۸۴۔ دتک چندریکا باب ۵ ۱۸ تا ۲۰۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۲ و ۳۲ میوکھ باب ۴ فصل ۵ و ۲۱۔ چندر کنور بنام چودھری نرپت سنگھ ۳۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۷۔ ۲۹ الہ آباد صفحہ ۱۸۴۔ پانڈیچری میں اختلاف ہے دیکھئے جلد اگیلن صفحہ ۹۵۔ پنجاب میں اگر حقیقی باپ مرجائے اگر اس کے اور کوئی لڑکے نہ ہوں تو متبنیٰ لڑکے کے حقوق اصلی خاندان میں نافذ ہوتے ہیں کسٹمری لا پنجاب جلد ۳ صفحہ ۸۳۔ داماد جو حسب طریقہ الاتم خاندان میں داخل کرلیا گیا ہو اپنے اصلی خاندان میں حقوق سے محروم نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ مدراس کے شودروں کی چند جماعتوں میں رائج ہے بالارامی بنام پیرو ۶ مدراس صفحہ ۲۶۷ ہنومنتما بنام رامی ریڈی ۴ مدراس صفحہ ۲۷۲ گیا ( Gya ) میں ایک مجہول طریقہ تبنیت گیا والوں Gyawals میں رائج ہے جو لڑکا اس طریقے سے متبنیٰ کیا گیا ہو وہ بھی اپنے اصلی خاندان کے حقوق سے محروم نہیں ہوتا لچھمن لال بنام کنیا لال ۲۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۱۔ ۲۲ کلکتہ صفحہ ۶۰۹۔

سہ۔ رامچندر بنام منو بائی ۳۴ بمبئی صفحہ ۴۷۔

محروم ہو جائے گا جو متبنی کو قطعاً اور تنہا شریک کی حیثیت سے حاصل ہو گئی ہو یہ ایں سبب کہ وہ اس خاندان کا واحد رکن باقیماندہ تھا عالیہ عدالت مدراس نے بہ اتباع فیصلۂ کلکتہ یہ قرار دیا ہے کہ وہ محروم نہیں ہوتا[1]۔ عالیہ عدالت بمبئی نے اس نظریے کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اور یہ قرار دیا ہے کہ تبنیت سے متبنی لڑکے کے کل حقوق جو اس کو اپنی اصلی خاندان کی جائداد میں حاصل ہوئے تھے زائل ہو جاتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ جائداد میں[2] وہ حق بھی ختم ہو جاتا ہے جو بلاشمول احدے اس کو قبل تبنیت حاصل ہوا تھا اصلی نظریہ جس پر تبنیت مبنی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لڑکا جو تبنیت میں دیا گیا ہو اپنے اصلی خاندان اور اس سے متعلق ہر چیز سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح متبنی گیرندہ خاندان میں قائم ہو جاتا ہے گویا کہ وہ اس کا رکن پیدا ہوا تھا۔ منو کے الفاظ سے اس مقبولہ اصول کی پوری پوری تائید ہوتی ہے اور متن مذکور بالکلیہ اس بنیادی اصول کو اثر پذیر کرتا ہے[3]۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں تک کہ اس کے اصلی خاندان کا تعلق ہے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ او تبنیت کی وجہ سے جو جائداد اس سے لے لی گئی ہو ان کو حاصل ہونی چاہیے جو اس کے نہ ہونے کی صورت میں اس کو پا سکتے تھے یعنی اپنی جائداد میں ۲۴۰

---

[1]۔ وینکٹ نرسما اپاراؤ بنام رنگیا اپاراؤ ۲۹ مدراس ص۴۳۴ تا ۴۴۷۔

[2]۔ دتاتیر یاسکھارام بنام گوئند سمباجی ۔۴۰ بمبئی ص۴۲۹ [ بہ اتباع فیصلۂ مذکور العدر یعنی ۲۹ مدراس۔ عالیہ عدالت بمبئی نے یہ قرار دیا ہے کہ تبنیت کی وجہ سے کوئی ہندو اس حصے سے محروم نہیں ہوتا جو اس کے قبل حاصل ہو چکا ہو کیونکہ جو حصہ تقسیم پر ملے وہ حقیقی باپ کی جائداد نہیں ہے" یہ فیصلہ ۱۹۲۳ء میں ہوا تھا اور ۱۹۲۵ء میں اس کی پیروی کی گئی دیکھیے مہابلیشور بنام سبرامنیا ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ص۵۴۲، انک بائی بنام گوسلداس ۱۹۲۵ء ۴۹ بمبئی ص۵۲۰۔ مترجم]۔

[3]۔ منو باب ۹ ف۱۴۲۔ [ "متبنی لڑکا نہ تو خاندانی نام اختیار کر سکتا ہے اور نہ اپنے حقیقی باپ کی جائداد پا سکتا ہے" مترجم]۔

متبنیٰ لڑکے کے کل حقوق ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا اصلی خاندان بھی اس کا وارث نہیں ہو سکتا[1]۔ اور نہ وہ ان کے قرضوں کا ذمہ دار ہے[2] [بنگال کے مسلک دیا بھاگ میں اگر کسی شخص کو قبل تبنیت جائداد وراثتہً یا بذریعہ ہبہ، یا کسی اور طرح سے حاصل ہو گئی ہو تو وہ محض تبنیت کی وجہ سے اس جائداد سے محروم نہیں ہوتا۔ شام چرن بنام سری چرن ۱۹۲۹ء ۵۶ کلکتہ صفحہ ۱۱۳۵۔ مِتاکشرا کے متعلق حالیہ نظائر نوٹ نمبر (۱۰) میں دیے ہوئے ہیں]۔ **مترجم**

اگر متبنیٰ گیرندہ متبنیٰ کا پہلے سے رشتہ دار ہو تو بے شک تبنیت سے متبنیٰ کے درجۂ قرابت میں تبدیلی واقع ہوگی۔ اور متبنیٰ گیرندہ باپ کے پتر کی حیثیت سے اپنے اصلی والدین کا بھی قرابتدار ہو جائے گا اور اس طرح باہمی حقوق وراثت اس کے بعد بھی باقی رہ سکتے ہیں۔ قاعدہ صرف یہ ہے کہ اس کے وہ حقوق ختم ہو جاتے ہیں جو اس کو بہ حیثیت حقیقی پتر کے حاصل تھے۔ اور خون کا رشتہ بشمول حرمت جو ایسے رشتے کا جزو لاینفک ہو کبھی غائب نہیں ہوتا۔ لہٰذا بعد تبنیت وہ کسی ایسے سے شادی نہیں کر سکتا جس سے وہ قبل تبنیت شادی نہیں کر سکتا تھا[3]۔ اور نہ وہ اپنے اصلی خاندان سے کسی ایسے شخص کو متبنیٰ کر سکتا ہے جس کو وہ بہ لحاظ قرابت اس خاندان میں رہنے کی صورت میں متبنیٰ نہیں کر سکتا تھا[4]۔ متبنیٰ گیرندہ خاندان میں بھی وہ محرمات سے اس طرح شادی نہیں کر سکتا جس طرح کہ اصلی خاندان میں[5]۔

---

[1] جلد ا ڈبلیو میکناٹن صفحہ ۶۹ سرینواس بنام کپا نیاگر جلد ا مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۸۰ متھیا بنام منگشی ۲۵ مدراس صفحہ ۳۹۴۔

[2] پران ولب بنام دیو کرسنتین بمبئی منتخب رپورٹ۔ کاشی پرشاد بنام بنسی دھر ۴ شمالی مغربی صفحہ ۳۴۳۔

[3] دتک میماسا باب ۶ ف ۱۰۔ دتک چندریکا باب ۲ ف ۷ میوکھ باب ۴ فصل ۵ ف ۳۰۔

[4] موتیا موڈلے بنام اپن فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۸ء صفحہ ۱۱۷۔

[5] دتک میماسا باب ۶ ف ۲۵ ف ۳۰۔

**دو باپ کا بیٹا**

دفعہ ۱۷۳۔ قاعدہ یہ ہے کہ تبنیت کی وجہ سے متبنیٰ اپنے اصلی خاندان سے جدا ہو جاتا ہے اس قاعدے کا استثنا وہ ہے جسے دوامشائن (یا دو باپ کا بیٹا) کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کے دو مفہوم منظور رہے ہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً اس کا اطلاق اس لڑکے پر ہوتا تھا جسے ایک شخص نے دوسرے کی زوجہ سے جنایا تھا لیکن اس دوسرے کے لیے اور اسی کی جانب سے۔ ایسا لڑکا دونوں خاندانوں میں وارث ہونے کا مجاز ہوتا تھا۔ اور اصلی اور فرضی دونوں باپوں کا کریا کرم کرنا اس کے فرائض میں سے ہوتا تھا[1]۔ اسی معنیٰ میں اس اصطلاح کو مٹاکشرا میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اب اس قسم کے لڑکے متروک ہیں[2]۔ دوسرے معنے اس اصطلاح کے یہ ہیں کہ اس سے مراد وہ لڑکا ہے جو اس صریح یا معنوی معاہدے کے ساتھ متبنیٰ کیا گیا ہو کہ وہ دونوں باپ کا بیٹا ہوگا۔ اس طرح واقع تو ہو سکتا ہے لیکن مختلف حالات میں۔ ان میں کی ایک حالت وہ ہے جسے اینتیہ (Anitya) یا عارضی تبنیت کہا جاتا ہے۔ یعنے جب دوسرے ۲۴۱
گوتر سے بھدری کے بعد متبنیٰ لیا جائے وہ دونوں باپوں کے رسوم ادا کرتا ہے اور دونوں خاندانوں میں وارث ہوتا ہے لیکن خود اس کا لڑکا اپنے اصلی خاندان میں عود کرتا ہے[3]۔ اس قسم کی تبنیت بھی اب متروک معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال میں کسی ایسے منفصلہ مقدمے سے ناواقف ہوں جس میں اس کے رائج ہونے کی تصدیق کی گئی ہو۔

دوسری صورت وہ ہے جس میں ایک بھائی دوسرے بھائی کے

---

[1] بودھائن باب ۲ فصل ۲ دفعہ ۱۲ نارد ۱۳ دفعہ ۲۳۔ دتک چندریکا باب ۲ دفعہ ۳۵۔
[2] مٹاکشرا باب ۱۔ جلد ۱۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۸۲ صفحہ ۱۱۸۔
[3] اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۱۲۰۔ جلد ۱ ڈبلیو۔ میاکناٹن صفحہ ۷۱ دیکھیے پنڈتوں کے فتادے بمقدمہ شمشیر بنام دلراج ۲ صدر دیوانی صفحہ ۱۶۹ صفحہ ۲/۶ دتک میماسا باب ۶ دفعہ ۱۴ تا ۴۴۔ دتک چندریکا باب ۲ دفعہ ۳۷۔ بہاری لال بنام شبلال ۲۶ الہ آباد صفحہ ۴۷۲۔

لڑکے کو تبنیت میں لینا ہے۔ وہ یوں بھی چند خاص اغراض کے لیے اپنے چچا کا لڑکا سمجھا جاتا ہے۔ دو متضاد اصول یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنا اکلوتا لڑکا نہ دے۔ اور یہ کہ بھائی کا لڑکا تبنیت میں لیا جانا چاہیے۔ جب وہ لڑکا اکلوتا ہو تو بظاہر قانون ان دونوں متضاد اصولوں میں یہ اجازت دے کر منطبق کرتا ہے کہ ایسا اکلوتا لڑکا متبنیٰ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ اس طرح متبنیٰ کیا ہوا لڑکا دونوں باپوں کے رسوم انجام دے اور اورس اولاد نہ ہونے کی صورت میں دونوں کا وارث ہو۔ مسٹر اسٹرینج اپنی میانول میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کا دوامشائن بھی متروک ہے۔[1] چنانچہ مدراس کے ایک مقدمے میں مشتبہ قرار دیا گیا۔ لیکن اس بیان کے مقابلے میں اسناد کا پلہ بہت ہی وزنی معلوم ہوتا ہے۔ مغربی ساحل کے نمبدری برہمنوں میں (ف ۱۴۳) عام طور پر بغیر اس کے کہ خاص حالات ہوں دوامشائن طریقہ مثل معمولی تبنیت کے رائج ہے۔[2] بمبئی میں بار بار اس رواج کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا بار ثبوت کہ اس طریقے سے تبنیت مکمل کی گئی ان پر ہوگا جو اس کا ادعا کریں۔[3]

**پسر جو بعد پیدا ہوا ہو**

**ف ۱۴۷۔ جب دوامشائن کے حقیقی باپ کو تبنیت کے بعد حقیقی لڑکا پیدا ہو تو متبنیٰ کو اورس کا نصف حصہ ملے گا۔** ہاں اگر

---

[1] اسٹرینج میانول ف ۹۹۔ ۱۸۵۹ء کے فیصلے مدراس ص ۸۔ دتک چندریکا باب ۵ ف ۳۲ میو کھ باب ۴ فصل ۵ ف ۲۲ و ۲۵۔ دتک میمانسا باب ۶ ف ۴۰ تا ۴۳ ف ۴۷ و ۴۹ ڈبلیو۔ بی ۹۵۰ اور ان اسناد کو دیکھیے جن کا ذکر ف ۱۴۵ میں کیا گیا ہے۔ مسٹر وی۔ این منڈلک یہ کہتے ہیں کہ نظریہ جو کچھ بھی ہو عملاً ایسی تبنیت متروک ہے ص ۵۰۶۔ صوبہ شمالی مغربی میں اس قسم سے تبنیتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں جالی لکچر ص ۱۶۶۔

[2] ۱۱ مدراس ص ۱۶۷ ص ۱۷۸۔

[3] بسادا بنام لگنگو وا ۱۹ بمبئی ص ۴۲۸ جینیوا بنام لسنگو دا ۲۰ بمبئی ص ۵۰ لکشمی پت راؤ بنام ونکٹیش ۱۸ بمبئی ص ۵۱۳۔ ہیرا اوجناجی بنام بھنوراؤ گرورا او ۲۲ بمبئی ص ۲۷۷۔

متبنیٰ گیرندہ کو اورس لڑکا پیدا ہو تو متبنیٰ لڑکا اس حصے کا نصف پائے گا جو قانوناً متبنیٰ کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایسی صورت میں متبنیٰ کو اس کا نصف ملتا ہے جو متبنیٰ گیرندہ باپ کے لئے بعد میں اورس اولاد پیدا ہونے کی صورت میں بلا شمول غیر مقرر سے[1] یہ حصہ یا تو ربع کا نصف ہوگا یا ثلث کا کیونکہ اس مسئلے کے متعلق مسالک کے نظریے مختلف ہیں (ف ۱۶۸)۔ ۲۴۲
تاہم میوکھ صرف یہ اجازت دیتا ہے کہ اگر دونوں خاندانوں میں من بعد لڑکے پیدا ہوں تو متبنیٰ گیرندہ خاندان ہی میں وارث ہو۔ اور ایسی صورت میں اس کو معمولی حصہ دیتا ہے۔ یعنی ۱/۴ یا ۱/۳ بشرطیکہ معمولی طریقے سے تبنیت مکمل ہوئی ہو[2]۔ صرف ایک خاندان میں اورس لڑکے پیدا ہونے کی صورت کے لئے کوئی قاعدہ میوکھ میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔

**قاعدے کی ابتدا**

ف ۱۷۵۔ ظن غالب یہ ہے کہ قاعدہ جس سے متبنیٰ لڑکا اپنے اصلی خاندان میں وارث ہونے سے محروم کیا گیا محض معدلت گستری کے خیال سے پیدا ہوا نہ کہ اس مفروضے سے کہ الوت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ کہ وہ جو دوسرے خاندان میں تلاش معاش کے لیے بھیجا گیا ہو اور جس کے خدمات سے وہ خاندان جس میں وہ پیدا ہوا تھا محروم ہو گیا ہو دونوں خاندانوں میں وراثت نہیں پانا چاہیے۔ پنجاب میں اس کے متعلق یہی نظریہ قائم کیا گیا ہے۔ جہاں (پنجاب میں) یہ کہا جاتا ہے کہ اگر حقیقی باپ لاوارث فوت ہو جائے تو وہی رواج اس لڑکے کی دہری وراثت کا مؤید ہوگا[3]۔ پانڈیچری میں باوجود تبنیت کے اس لڑکے کے حقوق وراثت اصلی خاندان میں محفوظ رہتے ہیں بشرطیکہ اس کو مکسوبہ خاندان میں کافی دولت نہ ملی ہو۔ اور

---

[1] دنک چندریکا باب ۶ فقرات ۳۳ تا ۳۴۔
[2] میوکھ باب ۴ فصل ۵ ف ۲۵۔
[3] رواجات پنجاب صفحہ ۸۱ رواجی قانون پنجاب صفحہ ۸۳ حصہ سوم۔

ہرصورت میں اگر اس کا باپ اور بھائیاں لاولد فوت ہوں تو وہ دونوں جگہ وارث ہوتا ہے۔ یہ نظریہ کسی خاص رواج پر مبنی نہیں ہے بلکہ فرانسیسی مقننین کے ان آرا پر جو انھوں نے ہندو احکام کے متعلق قائم کئے ہیں[1]۔ تغیبا و لم محض یہ کہتا ہے کہ:۔ "متنبیٰ لڑکا جو اس طرح لاکر وارث بنایا گیا ہو اپنے والدین کے کل حقوق وراثت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد سے وہ اس خاندان سے بے تعلق ہو جاتا ہے اس طرح کہ وہ ان کا وارث نہیں ہو سکتا"۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا کہ آیا اس کے اصلی خاندان میں وارث نہ ہونے کی صورت میں اس کا حق زندہ ہو جائے گا۔ لیکن وہ صرف اس حد تک محروم ہو جاتا ہے جس حد تک کہ وہ دوسرے حقوق حاصل کرتا ہے۔ لہذا اگر اس کو شوہر نے متنبیٰ کیا ہو تو وہ اپنی حقیقی ماں کا وارث باقی رہتا ہے۔ اگر صرف زوجہ نے تبنیت انجام دی ہو تو وہ اپنے حقیقی باپ کا وارث باقی رہے گا[2]۔ ۲۴۳

**ناجائز تبنیت اور اسکے نتائج**

**۱۷۶**۔ ایک نہایت اہم مسئلہ تبنیت کے متعلق ناجائز تبنیت کے اثر کے متعلق ہے۔ یہ مسئلہ بہ حیثیت ایک نظریے کے بہت ہی صاف معلوم ہوتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ ہنوز تصفیہ طلب ہے۔ بادی النظر میں ہر شخص یہ خیال کرے گا کہ ایسی تبنیت سے متنبیٰ گیرندہ خاندان میں کوئی حقوق حاصل نہ ہوں گے اور نہ اصلی خاندان میں جو حقوق تھے وہ معدوم ہوں گے۔ مقدم الذکر خاندان میں حقوق کے نافذ کرانے کا دعویٰ۔ یا موخر الذکر میں ان کی مخالفت کرنے کا حق حیثیت کی تبدیلی پر منحصر ہونا چاہیے۔ اور اگر خود تبنیت جس پر ایسی تبدیلی منحصر تھی ناجائز تھی تو یہ معلوم

---

[1] جلد اگبلن ص۹۵ جس میں دتک میماسا کا ذکر کیا گیا ہے باب فقرات ۳۱ و ۳۲۔ باب ۶ ف ۹ متاکشرا باب ۱ فصل ۱ فقرہ ۱ نوٹ ص۳۲۔

[2] تغیبا و لم باب ۲ ف ۲۔

ہوتا ہے کہ گویا تبدیلی واقع ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن یقیناً اس قیاس کے خلاف کثیر اسناد موجود ہیں۔ میں نے قبل ازیں فقرہ ۱۳۸ میں ان احکام کا ذکر کیا ہے جو ایسے متبنیٰ کو گزارہ دلاتے ہیں جو نیچ جماعت کا تھا۔ اور اس کے متعلق یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ احکام محض اس زمانے کی ایک یادگار ہیں جب کہ اس قسم کی تبنیتیں واقعتاً جائز تھیں گو دوسرے اقسام کے مقابلے میں زیادہ اثر پذیر نہ تھیں[۱]۔ منو سے بھی ایک حکم منسوب کیا جاتا ہے جس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ "جو متبنیٰ لے اور احکام کی پابندی نہ کرے اس کو چاہیے کہ اس لڑکے کو صرف رسوم ازدواج میں شریک کرے۔ دولت میں حصہ دار نہ بنائے"۔ اس حکم کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے کہ اس کا اطلاق اس شخص پر ہو جو صحیح طریقے کو ملحوظ نہ رکھ کر متبنیٰ لیتا ہے[۲]۔ سر ٹامس اسٹرینج ان احکام کا ذکر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان سے یہ چیز قائم ہو جاتی ہے کہ ایک شخص ایسے حالات میں متبنیٰ کیا جا سکتا ہے جس سے وہ ایک خاندان میں اپنے حقوق سے محروم ہو جائے اور پھر بھی وہ دوسرے خاندان میں نفقے سے زیادہ کا مستحق نہ ہو۔ لیکن وہ ایک نوٹ میں اس کے متعلق سوال کرتے ہیں اور مسٹر سدرلینڈ کی اس رائے کا

مدراس حوالہ دیتے ہیں کہ اگر تبنیت باطل ہو تو اصلی حقوق باقی رہیں گے[۳]۔ صدر کورٹ مدراس کے پنڈتوں نے ایک قدیم مقدمے میں یہ قرار دیا کہ تیس سال سے متجاوز عمر کے متاہل شخص کی تبنیت جس کے تین بچے بھی

۲۴۴ تھے ناجائز تو ہے لیکن یہ کہ وہ اپنے متبنیٰ گیرندہ باپ کے خاندان میں نفقہ پانے کا مستحق ہے۔ عالیہ عدالت کے سامنے اس فتوے کو پیش کیا گیا اور اس کی تصدیق بھی کی گئی۔ تاہم یہ تصدیق غیر عدالتی تھی کیونکہ عالیہ عدالت نے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ سابقہ ڈگریوں کے تبنیت کو جائز

---

[۱] ۔ باوانی بنام امبابے ا مدراس ہائیکورٹ ص ۳۶۷۔
[۲] ۔ دتک میماسا باب ۶ ص ۴۵۔ دتک چندر یکا باب ۲ ف ۱۷ باب ۶ ف ۳۔
[۳] ۔ جلد ا اسٹرینج ہندو لا ص ۸۲۔

سمجھنے کے لیے پابند تھے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ مدعی کو متبنیٰ لڑکے کے پورے پورے حقوق عطا کئے گئے[1]۔ بعد کے ایک مقدمے میں بیوہ نے بلا اجازت ایک لڑکے کو متبنیٰ کیا تھا یہ قرار دیا گیا کہ تبنیت کلیتہً ناجائز ہے اور لڑکے کو نفقہ بھی نہیں دلایا گیا۔ عدالت نے فرمایا: "معقولیت اور عقل سلیم مشکل اس پر شبہہ کر سکتی ہے کہ جب جائز تبنیت واقع ہی نہ ہوئی ہو بہ الفاظ دیگر تبنیت ہی نہ ہو تو کوئی حق متعلق بہ تبنیت صحیح طور پر قانوناً نافذ نہیں ہو سکتا" عدالت نے یہ رائے بھی ظاہر فرمائی کہ مدعی کے اصلی حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑا[2]۔

**بنگال**

۷۷۱۔ بنگال میں دو مرتبہ ایسی صورت ضمناً پیدا ہوئی ہے۔ دونوں وقت اس طرح یہ مسئلہ نہیں اٹھایا گیا کہ فیصلہ ہوتا۔ پہلا مقدمہ سپریم کورٹ کے ملاحظے میں تھا۔ اس مقدمے میں میر مجلس کولول نے فرمایا: "ایک جانب سے یہ کہا گیا ہے اور دوسری طرف سے انکار کیا گیا ہے (کسی فریق نے اپنے ادعا کی تائید میں نہ تو شہادت پیش کی اور نہ کوئی سند) کہ دتک یا دیا ہوا لڑکا اپنے حقیقی باپ کا وارث ہونے کے حق سے محروم ہوتا ہے اگرچہ وہ دوسرے خاندان میں صحیح طور پر متبنیٰ نہ کیا گیا ہو یہ ایں سبب کہ اختیار کافی نہ تھا۔ ایسا کہنا خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی دھرم شاستر کے لحاظ سے معتبر ہو سکتا ہے مگر ہم نے جو جستجو و تحقیق کی ہے اس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس موضوع پر قانون کی صحیح حالت یہ ہو سکتی ہے۔ بلا شک ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں ایک شخص کا جس کی تبنیت ناجائز ثابت ہو

---

[1] اپاوو بنام نلدچی جلد ا مدراس ہائیکورٹ ص ۴۵۔

[2] بوانی بنام امبابے جلد ا مدراس ص ۳۶۳ چیف جسٹس ویسٹراپ نے بمقدمہ لکشمپا بنام راموا ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ ص ۳۹۷ اس کو پسند فرمایا۔ و نیز دیکھیے دلیپت سنگھ بنام رائے سنگ جی ۲۹ بمبئی ص ۵۲۸ دامن بنام ونکاجی ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ص ۸۲۹۔

یہ حق زائل ہو گیا ہو کہ وہ اپنے اصلی خاندان کا رکن سمجھا جائے ایسی صورت میں چند قدیم احکام ایسے شخص کو غلام تصور کرتے ہیں اور اس خاندان میں جس میں وہ نامکمل طور پر متبنیٰ کیا گیا تھا صرف گذارے کا مجاز قرار دیتے ہیں۔ لیکن ایک عالم و فاضل شخص نے مجھ کو یقین دلایا ہے کہ اپنے اصلی خاندان میں واپس

**رسوم کی انجام دہی پر منحصر ہے**

ہونے کا عدم امکان محض اُس لڑکے کے دینے پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ رسوم تبنیت اور ان کی انجام دہی پر۔ ۲۴۵
اور یہ کہ برہمنوں اور شودروں میں اس خصوص میں اختلاف ہے۔ اگر برہمن نے برہمنی جنیو (زنار (thread)) دوسرے خاندان میں پایا ہو تو وہ اپنے اصلی خاندان میں واپس نہیں آسکتا۔ اگر شودر بطور جائز متبنیٰ نہ کیا گیا ہو تو کسی وقت بھی قبل اس کے کہ اس کی رسم شادی دوسرے خاندان میں ادا ہوئی ہو اپنے اصلی خاندان میں واپس آسکتا ہے۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایک شخص محض اس وجہ سے کہ وہ دیا ہوا لڑکا ہے (یعنے ڈنک ہے قطع نظر مزید رسوم کی انجام دہی کے) اپنے اصلی خاندان میں واپس نہیں آسکتا تب بھی قاعدہ مذکور کو اس تبنیت سے کوئی تعلق نہ ہوگا جو اس وجہ سے ناجائز ہو کہ بیوہ متبنیٰ لینے کی مجاز نہ تھی۔ ڈنک کے لیے عطا اور اس کا قبول دونوں ہونا چاہیے۔ کوئی بیوہ اپنے شوہر کے لیے قبول نہیں کر سکتی بجز اس کے کہ وہ اس طرح مجاز کی گئی ہو۔ لہٰذا اجازت کے معدوم ہونے سے اگر تبنیت ناجائز ہوئی تو عطیہ بھی ناجائز ہوگا۔"[1]

**قاعدہ پیش کردہ**

ف ۱۷۸۔ مذکور الصدر عبارت میں الفاظ "رسوم تبنیت" استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی بجائے "رسوم بعد تبنیت" ہونا چاہیے۔ جو قاعدہ کہ پیش کیا گیا ہے اس کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے اصلی خاندان میں داخل نہیں ہو سکتا

---

[1] سری متی راجکماری بنام نولوکمار جلد ا بولٹن ص۱۳۔ انڈائرسیبو سنری ص۱۲۴ نوٹ۔

بجز اس کے کہ اہم اور ضروری رسوم اس میں انجام دیے گئے ہوں تو دوبارہ انھیں صحیح خاندان میں انجام نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن یہ کہ جب تبنیت پر ایسے رسوم انجام نہ دیے گئے ہوں وہ واپس ہوسکتا ہے بشرطیکہ بطور جائز دیا اور لیا نہ گیا ہو۔ جب جائز طور پر لیا اور دیا گیا ہو تب ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واپس نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ دوسرے کسی عیب کی وجہ سے تبنیت اس طرح ناجائز ہوئی ہو کہ اس شخص کو متبنیٰ لڑکے کے پورے پورے حقوق حاصل نہ ہوسکے ہوں۔

**دفعہ ۱۷۹**۔ بنگال کے دوسرے مقدمے میں اس معاہدے کی تعمیل مخنص کو نافذ کرنے سے انکار کیا جس میں سالانہ وظیفے کے بدل لڑکے کو تبنیت میں دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ انھوں نے یہ فرمایا کہ یہ شکل کرتک کی ہے جو ناجائز ہے۔ لہذا یہ کہ معاہدہ اگر اس قابل تھا کہ اس کی تعمیل ہوسکتی اور عدالت اس کو تسلیم کرتی تو متبنیٰ لڑکے کی ذات ۲۴۶ اور جائداد کو نقصان پہنچتا کیونکہ گویا یہ ثابت کیا جاسکتا کہ اس لڑکے کو خرید اگیا۔ دیا نہیں گیا۔ ظن غالب یہ ہے کہ تبنیت منسوخ کی جاتی۔ اور اگر ایسی تبنیت منسوخ کی جائے تو وہ نہ صرف اپنے متبنیٰ گیرندہ خاندان میں حیثیت سے محروم ہوگا بلکہ اپنے حقیقی والدین سے وراثت پانے کے حقوق بھی کھودے گا[1]۔ ایسی صورت میں مکمل طور پر دینا اور لینا ہوسکتا تھا لیکن اگر ایسا کرنے کا طریقہ جائز باقی نہ رہا ہو تو یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ

لہ۔ ایشان کنور بنام ہرشچندر ۱۳ بنگال لاریورٹ ضمیمہ صفحہ ۴۲۔ ۲۱ سدرلینڈ صفحہ ۳۸۱۔
[حالیہ نظائر:۔ چند خاص صورتوں میں ناجائز تبنیت کا لڑکا اپنے اصلی خاندان میں واپس نہیں آسکتا۔ ایسی صورت میں اس کی حالت اتو کھی ہوتی ہے۔ اصلی خاندان میں اس کے حقوق باقی نہیں رہتے اور نئے خاندان میں صرف گذارہ پاتا ہے۔ وہ صورتیں حسب ذیل ہیں۔ جب وہ لڑکا دوجنمی ہو اور جنیو متبنیٰ گیرندہ خاندان میں حاصل کیا ہو اور جب وہ شُدر ہو اور اس کی شادی نئے خاندان میں ہوئی ہو] از مترجم۔

دینا اور لینا کیونکر جائز ہو سکتا تھا جیسا کہ یہی دشواری اس وقت پیدا ہوتی جب کہ لڑکا خود اپنے آپ کو دے دیتا یا یہ کہ جب وہ چھوڑا ہوا لڑکا ہوتا۔ کنایتہً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیا نامکمل تبنیت کا کل نظریہ اس زمانے کی یادگار نہیں ہے جبکہ تبنیت کے چند اقسام مفقود ہو رہے تھے اگرچہ ہنوز ان کی اجازت تھی۔ اور ان پر عمل بھی ہو رہا تھا۔ عالیہ عدالت مدراس نے یہ رائے قائم کی ہے کہ تبنیت با تو جملہ اغراض کے لیے اثر پذیر ہونی چاہیے یا باطل۔ یہ نظریہ عملاً مفید ہے اور صاف بھی اور اس سے جملہ فریقین کے حق میں انصاف ہوتا ہے۔

**ایسے شخص کے حق میں ہبہ جس کی تبنیت ناجائز ہو اور اس ہبہ کا جواز**

ف ۱۸۰۔ اکثر اوقات کسی تبنیت کا جواز بہت اہم ہو جاتا ہے تاکہ ہبہ سادہ یا ہبہ بالوصیت کے جواز کا تعین ہو سکے۔ فرض کیجیے کہ ایک ایسے شخص کے حق میں ہبہ کیا جائے جس کو پسر متبنیٰ سمجھا جا رہا ہو لیکن جس کی تبنیت ناجائز نکلے۔ بحث یہ ہے کہ آیا ہبہ باطل ہونی چاہیے یا اسی طرح باقی رہ سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب دھرم شاستر کے کسی خاص نظریے پر منحصر نہیں ہے بلکہ عام اصولوں پر جن کا اطلاق مماثل صورتوں میں ہوا کرتا ہے۔ جب ایک شخص کے حق میں ہبہ کیا جائے (اور اس کے متعلق یہ بیان کیا جائے کہ اس میں فلاں خصوصیات ہیں۔ یا اس کی قرابت بطور خاص اس طرح کی ہے) تو وہ ہبہ قطعی طور پر اس شخص کے حق میں اس کی انفرادی حیثیت سے ہو سکتی ہے اور اس کی فرضی خصوصیت یا رشتہ داری کا اضافہ محض ایک امر بیانیہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر شناخت مکمل ہو تو ہبہ نافذ ہو گی۔ اگرچہ وہ مزید وضاحت نادرست ہو۔ مثلاً ہبہ بالوصیت بحق چارلس طرا اسٹانڈن اور کارولین الزبیتھ اسٹانڈن۔ چارلس اسٹانڈن کے پسر و دختر صحیح النسب۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ فی الحقیقت غیر صحیح النسب تھے۔ لیکن ان کے دعوے کی تائید کی گئی[1]

[1] اسٹانڈن بنام اسٹانڈن جلد ۲ وسی کے جونیر رپورٹ بابت ۱۷۸۹ء تا ۱۸۱۷ء چانسری صفحہ ۵۸۹

علی ہذا جب وصیت کے یہ الفاظ تھے کہ :- "میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنی ۲۱
جائداد کو ٹیلو کو جسے میں نے متبنیٰ کیا ہے دیتا ہوں ۔ میری زوجگان
حسب احکام شاستر میرے رسوم انجام دیں اور اس کو پرورش کریں "
اس کے بعد ایک فقرہ یہ تھا کہ اس کے مرنے تک کوئی اور تبنیت
نہ ہونی چاہیے ۔ پریوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ ہبہ جائز ہے ۔ اگرچہ
بیوگان نے ان رسوم کو انجام نہ دیا ہو ۔ یا ناقص طریقے سے انجام دیا ہو۔[1]
ذیل کے دو مقدمات کا اسی اصول پر فیصلہ کیا گیا ۔ موصی نے
یہ بیان کیا کہ اس نے الف ج کی پرورش کی ہے اور محبت بھی کیا ہے ۔
اور اس کا منشا یہ تھا کہ اس کو اپنی جائداد کا ایک معتد بہ حصہ دے ۔ اور
یہ کہ اس نے اسے من بعد متبنیٰ بھی کیا ۔ اس کے بعد اس نے اس کا نام
لے کر تقریباً کل جائداد اس کے حق میں وصیت کی ۔ تبنیت ناجائز ثابت
ہوئی ۔ لیکن عطیہ بحال رکھا گیا۔[2] بتاپور کے مقدمے میں سالہا سال لاولد
رہنے کے بعد راجہ نے مدعی کو متبنیٰ کیا ۔ من بعد وہ اس سے جھگڑا کر لیا اور
چند سال بعد یہ اعلان کیا گیا کہ اس کی ایک زوجہ کو بچہ پیدا ہوا ۔ تب
راجہ نے مسلسل وصیتیں کیں ۔ اور ان وصیتوں میں یہ بیان کرنے کے بعد کہ
حسب احکام دھرم شاستر اورس لڑکے کو جائداد ملنی چاہیے ۔ اس نے
جملہ جائداد اورس لڑکے کے حق میں وصیت کر دی ۔ اس کا نام بھی بیان
کیا ۔ اور یہ لکھا کہ یہ وصیت ان عطیوں کی تابع ہے جو متبنیٰ لڑکے کے حق میں
کیے گئے ہیں و نیز یہ کہ وہ نفقہ بھی پائے گا ۔ راجہ کے مرنے کے بعد مدعی نے
اس وصیت کو متعدد اسباب کے تحت منسوخ کرنے کی نالش کی ۔ اور
یہ ادعا کیا کہ وہ لڑکا فرضی تھا لہذا جائداد بحق مدعی واپس کی جائے ۔

[1] ۔ ندھو مونی دبیا بنام سردوا پرشاد ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۵۳ ۔ ۲۶ سدرلینڈ صفحہ ۹۱ ۔
[بائی دھونڈو بائی بنام لکشمن راؤ ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی صفحہ ۶۵ صفحہ ۶۸ ۔ مترجم] ۔
[2] ۔ پرمیسور بنام ارداچندر ۱۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۰۱ ۔ ۱۹ کلکتہ صفحہ ۵۲۴ ۔

عدالت ابتدائی نے ان تمام وجوہات کو ثابت قرار دے کر اس کے حق میں ڈکری صادر کی ۔ عالیہ عدالت میں اس مقدمے میں صرف وصیت پر استدلال کیا گیا ۔ یہ کہ لڑکا راجہ کا نہ تھا ۔ اس کو تسلیم کیا گیا کہ راجہ اس حالت سے آگاہ رہا ہوگا اور یہ کہ اغراض استدلال کے لیے اس کو مان لینا چاہیے کہ وصیت میں برعکس بیانات قریبا نہ تھے ۔ عالیہ عدالت نے یہ تجویز کی کہ قانوناً وصیت جائز تھی اور یہ قرار دیا کہ لڑکے کو وہ جائداد بہ حیثیت شخص نامزد کے حاصل ہوئی ۔ پریوی کونسل نے اس فیصلے کو بحال رکھا۔[۱]

علیٰ ہذا ایک پروردہ کو (یعنے جو دوسرے خاندان میں لے لیا گیا ہو ۔ پالا گیا ہو اور تعلیم دی گئی ہو اور شادی کر دے کر زندگی میں مثل لڑکے کے شمے ۲۴۸
داخل کیا گیا ہو) جس کو حقیقتہً متبنیٰ کرنے کے بغیر لیا گیا ہو اس وجہ سے کسی قسم کے حقوق وراثت حاصل نہیں ہوتے ہیں[۲] لیکن اگر پرورش کرنے والے باپ نے ایسے شخص کے حق میں ہبہ کیا ہو اور وہ ہبہ اور طرح سے جائز ہو تو محض اس وجہ سے کہ واہب کو ہبہ میں غلط فہمی ہوئی تھی کہ پروردہ لڑکا کریا کرم کر سکتا تھا وہ ہبہ باطل نہ کی جائے گی۔[۳]

**اس طرح کے فرضی رشتہ دار کے حق میں عطیہ**

**ف ۱۸۱** ۔ برخلاف اس کے ایک ایسے شخص کے حق میں ہبہ کیا جا سکتا ہے جس کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا ہو کہ وہ فلاں قرابت سے متصف ہے ۔ اور ہبہ اس طرح

---

[۱] ۔ وینکٹ سریا ماہیپتی بنام کورٹ آف وارڈز ۲۰ مدراس صـ ۱۶۷ ۔ ۲۶ مرافعہ جات ہند صـ ۸۳ میں بحال رکھا گیا ۔ ۲۲ مدراس صـ ۳۸۳ سبا ریر بنام سبائل ۲۷ مرافعہ جات ہند صـ ۱۶۲ ۔ ۲۴ مدراس صـ ۲۱۴ ہیرا ناتکن بنام رادھا ناتکن ۳۷ بمبئی صـ ۱۱۶ ۔ لائی بنام مرلیدھر ۲۸ الہ آباد صـ ۴۸۸ ۔ پی سی ۔

[۲] ۔ جلد ۱۲ اسٹرینج ہندو لا صـ ۱۱۱ صـ ۱۱۳ اسٹیل صـ ۱۸۴ کھیمن بنام ٹیپا فیصلہ جات مدراس سنہ ۱۸۶۱ء صـ ۱۲۴ سورگ ہندو لا صـ ۱۴۲ ۔ سورگ کمیٹی رپورٹ صـ ۳۶۹ ۔

[۳] ۔ ایھاچاری بنام رامچندریا جلد ۱ مدراس ہائیکورٹ صـ ۳۹۳ ۔

کی گئی ہو کہ اس رشتہ داری کا وجود تعمیل ہبہ کے لیے شرط ما قبل سمجھی جائے۔ یا وہ رشتہ داری ایسی ضروری ہو کہ اس کے بغیر اس شخص کا جو اس سے مستفید ہونے والا ہو تعین نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں اگر رشتہ داری معدوم ہو تو ہبہ بے کار ہو جائے گا۔ ایک ہندو نے ایسے حالات میں متبنیٰ لیا جن کے متعلق یہ قرار دیا گیا کہ تبنیت کے لیے وہ حالات قابل پذیرائی نہ تھے۔ اسی وقت اس نے اس طرح متبنیٰ کیے ہوئے لڑکے کے حق میں انگیکار۔ پترا (Angikar-patra) کی بھی تکمیل کی۔ اس میں اولاً تبنیت کا ذکر تھا اور اس کے بعد ذیل کا مضمون تھا۔ "میں اس انگیکار پتر کے ذریعے تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ تم بہ وجہ اس کے کہ تم میرے متبنیٰ ہو میرے مرنے کے بعد میرے اور میرے اسلاف کے لیے جل دان اور پنڈ دان دو۔ علاوہ ازیں تم میری جملہ منقولہ اور غیر منقولہ جائدادوں کے جو میری ملک ہیں اور جو میں اپنے پیچھے چھوڑوں مالک ہو گے"۔ جوڈیشل کمیٹی نے یہ قرار دیا کہ تبنیت کے ساتھ ہبہ بھی باطل ہو گئی۔ کیونکہ معطی کا یہ منشا واضح تھا کہ اس لڑکے کو جائداد بہ حیثیت متبنیٰ حاصل ہو۔ تبنیت اگر جائز ہوتی تو وہ وارث بھی ہو سکتا تھا[1]۔ بہ الفاظ دیگر اگر واقعۂ تبنیت ہی ہبہ کی وجہ تحریک اور فی الحقیقت اس کی شرط ہو تو عطیہ بے کار ہو گا اگر تبنیت ناجائز قرار دی جائے۔

ایک موصی نے اپنی وصیت میں حسب ذیل انتظامات کیے:۔ میرے دو زوجگان زندہ ہیں ہر رانی ایک لڑکا متبنیٰ لے گی۔ دونوں زوجگان کے متبنیٰ لڑکے اس جملہ جائداد کے جو انا پرنا کو رانی کے نام پر نذر چڑھائی گئی ہے تنسیت رہیں گے"۔ رانیوں نے حسب ہدایات

---

[1] فتندر دیب بنام راجیشور داس ۱۲ مرافعہ جات ہند صد ۶۲ ۱۱ کلکتہ صد ۴۶۳ ۔ درگا سندری بنام سرتدرا کیشو ۱۲ کلکتہ صد ۶۸۶ کرسنداس لدکا دھو ۲ بمبئی صد ۱۸۵ ۔ ننا ماوھو بنام دوارکا داس صد ۲۰۲ ۔ پٹیل وندراون جکیس بنام مانی تال ۱۵ بمبئی صد ۵۶۳ ابا بنام کپا مل ۱۶ مدراس صد ۳۵۵

ایک ساتھ متبنیٰ ہے۔ اس مسئلے کے متعلق جوڈیشل کمیٹی نے عالیہ عدالت کے فیصلے کو بحال رکھا اور قرار دیا کہ متبنیٰ لڑکے وصیت کے تحت نہ تو بہ حیثیت متبنیٰ کے جائداد پا سکتے تھے اور نہ بہ حیثیت شبیت Shebaits ۲۴۹
کے وہ تنبنیتیں خراب تھیں۔ متبنیٰ لڑکوں کے حق میں ہبہ صرف بہ حیثیت شبیت کیا گیا۔ اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ایک ہندو نے اپنے خاندان میں تھا کو رشل شبیت کے داخل کرنے کا خیال ظاہر کیا تھا بہت ہی پر زور اور صاف بیان کی ضرورت ہے۔ دو ایسے اشخاص جنھیں وہ خود نہیں جانتا تھا اور جو خاندان کے لیے اجنبی تھے۔ اس وصیت میں کسی لفظ سے بھی اس منشا کا پتا نہیں ملتا۔ یا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ موصی کو اپنے انتظام کے جواز پر شک تھا۔ یا یہ کہ اس کے خیال میں سوائے جائز کے کوئی اور تنبنیت تھی۔[1]

بعد کے ایک مقدمے میں موصی نے اپنے برادرزادے کو کرماسی کا نام لیا اور یہ لکھا کہ وہ اسے متبنیٰ کرنا چاہتا تھا اور چنانچہ اس نے اپنی بیوہ کو اس کے متبنیٰ کرنے کا اختیار دیا اس کے بعد اس نے اپنی بقیہ جائداد اس لڑکے کو اپنی وراثت میں سے دیا اور یہ ہدایت کی کہ وہ اس کا وارث ہے۔ بیوہ نے اسے متبنیٰ کیا ہی نہیں۔ اور من بعد اس بیوہ کے مرجانے سے اس کی تنبنیت ناممکن ہوگئی۔ عالیہ عدالت بمبئی نے یہ قرار دیا کہ اس کو جائداد نہیں مل سکتی تھی الّا یہ کہ وہ متبنیٰ ہوتا۔ اور اس فیصلے کی پریوی کونسل نے تائید تو کی لیکن کافی شش و پنج کے بعد جس استدلال کو انھوں نے تسلیم کیا وہ یہ تھا کہ موصی نے جائداد کے انتقال کے متعلق یہ قیاس کر رکھا تھا کہ تنبنیت ہوگی اور یہ کہ کوئی چیز اس کے علاوہ بطور علی السبیل البدل اس کے ذہن میں تھی ہی نہیں۔ چنانچہ یہ استدلال کیا گیا ہے کہ تنبنیت کے مکمل نہ ہونے سے کل وصیت بے کار ہوگئی اور

---

[1] سرنند کیشو بنام درگا سندری داسی ۱۹ مرافعہ جات ہند ص ۱۰۸؛ ۱۹ کلکتہ ص ۵۱۳۔

بلا وصیت مرنے کی حالت پیدا ہو گئی نہ حسب خواہش موصی۔ یا جس طرح کہ موصی نے خیال کیا تھا۔ بلکہ اس لیے کہ اس نے ایسی حالت کو موجود تصور کیا جو حالت پیدا ہوئی ہی نہیں[1]۔ علیٰ ہذا جب کہ موصی نے اپنی زوجہ کو سالانہ وظیفہ جب تک کہ وہ میری بیوہ رہے اور شادی نہ کرے[2] دیا بایں وصیت کے بعد اور اس کے مرنے سے قبل زوجہ نے ابطال از دواج کی بنا پر طلاق حاصل کیا۔ تجویز فرمائی گئی کہ اس کو سالانہ وظیفہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس پر صرف وہ شخص متصرف ہو سکتا تھا جس کی حیثیت موصی کی بیوہ کی ہوتی۔ ایسی کل صورتوں میں اگر معطی لہٗ کا حق اس کی کسی خاص حیثیت پر
۲۵۰ حصر کیا گیا ہو۔ اور ایسی حیثیت کا وجود یا عدم کسی خاص واقعہ پر منحصر ہو۔ تو اس واقعے کے ثابت کرنے کا بار اس فریق پر ہو گا جو اس کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں ناکامیاب ہو گا[3]۔

**جب رشتہ داری وجہ تحریک ہبہ ہو نہ کہ ہبہ کا جزو لاینفک**

**ف ۱۸۶**۔ ایسی صورت میں بین بین حالت وہ ہے جبکہ معطی لہٗ کی فرضی حیثیت اس کے حق میں جائداد منتقل کرنے کی ایک وجہ تحریک ہو نہ کہ لازماً صرف وہی باعث ہو۔ اگر کوئی شخص ایسے کے حق میں ہبہ کرے جسے وہ غلطی سے اپنا لڑکا یا اپنی زوجہ سمجھتا ہو تو اس کے فعل کے دو اجزا ہوں گے۔ جزاً اس لیے کہ ایسی رشتہ داران قریب کے لیے کچھ جائداد چھوڑنا اس کے فرائض میں سے ہے اور جزاً اس لیے کہ ان کے متعلق محبت کے جذبات

---

[1] کرامسی مادھوجی بنام کرسن داس۔ ۲۰ بمبئی صـــ۱۸ــ۔ ۲۳ بمبئی صـــ۲۷۱ــ (پی سی) میں بحال رکھا گیا۔

[2] مقدمہ باڈنگن ۲۲ چانسری ڈویژن صـــ۵۹۷ــ ۲۵ چانسری ڈویژن صـــ۶۸۵ــ عدالت مرافعہ نے بحال رکھا۔

[3] رنگو بالاجی بنام مدیپا ۲۳ بمبئی صـــ۲۹۶ــ۔ شام چند بال بنام پرتاب چندر ۲۴ مرافعہ جات ہند صـــ۱۸۶ــ۔ ۲۵ کلکتہ صـــ۸ــ۔ قانون شہادت ۱۰۱ تا ۱۰۴۔

پیدا ہو گئے ہیں۔ ایسی صورت میں عطیہ جائز ہوگا گو رشتہ داری کا وجود ہرگز نہ ہو۔ اور یہ دلائل قوی تر (a fortiori) اگر تکمیل عطیے کے وقت قرابت کا وجود تھا اگرچہ قبل نفاذ ہبہ وہ رشتہ داری ختم ہو چکی ہو[1]۔ لیکن جب ایک شخص کو خاص حیثیت کی بنا پر جائداد عطا کی گئی ہو اور اس عطیے کی وجہ تحریک صرف وہی سمجھی جا سکتی ہو۔ اور معطی لہٗ غلط طور پر اپنے کو اس کا مصداق سمجھے تو قانون اس کو اس عطیے سے مستفید ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا اور لہذا وہ اس عطیے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب کہ ایک شخص نے موصی کو فریبانہ طور پر ترغیب دی کہ وہ اس سے ازدواج ثانی کرے (باوجود اس کے کہ شادی ہو چکی تھی) اور موصی واقعات سے لاعلم تھا۔ تجویز فرمائی گئی کہ عطیہ اس کے حق میں ناجائز ہے[2]۔

**بیوہ اور تبنیت**

**دفعہ ۱۸۳**۔ بعد وفات شوہر اگر بیوہ نے اس کے لیے متبنیٰ کیا ہو تو اس واقعے پر بطور خاص غور کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے دو وجوہات ہیں۔ اولاً اس لیے کہ عام طور پر اس شخص کی حقیت جو متبنیٰ کیا گیا ہو بہ نسبت اس کے بہتر ہوتی ہے جس کو قبضہ حاصل ہو۔ اور ثانیاً اس کے مقابلے میں اس شخص کی حقیت جو اس طرح قابض ہو تاریخ تبنیت تک بالکل جائز ہوتی ہے۔ دو طرح سے اس قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے اول تو اس جائداد کی حقیت کے متعلق۔ اور دوسرے ان افعال کے جواز کے متعلق جو تاریخ وفات شوہر اور تاریخ تبنیت کے مابین مکمل ہوئے ہوں۔

اختیاری فعل ۲۵۱ **دفعہ ۱۸۴**۔ اس کے قبل فقرہ ۱۱۹ میں یہ بتلا دیا گیا کہ وہ بیوہ جو متبنیٰ لینے کی مجاز کی گئی ہو اس اجازت پر عمل کرنے کے لیے مجبور نہیں کی جا سکتی

---

[1] بلمور بنام ونشر ۲۲ چانسری ڈویژن صفحہ ۶۱۹۔ ولکنسن بنام جوگمن ۱۲ اکیوٹی صفحہ ۳۱۹۔ پھر بھی دیکھئے مقدمہ مارتین ۳۰ چانسری ڈویژن صفحہ ۳۔

[2] تجویز لارڈ کاٹنہام بمقدمہ رشتن بنام کاب بہ اتباع کنل بنام ابٹ۔ ولکنسن بنام جوگمن۔

بجز اس کے کہ وہ خود چاہے۔ اسی وجہ سے حصول وراثت اس وقت تک ملتوی نہیں رہ سکتی جب تک کہ وہ اس حق کو استعمال نہ کرے۔ شوہر کی وفات کے ساتھ ہی وراثت دوسرے وارث کو حاصل ہو جاتی ہے۔ عام ازینکہ وہ وارث خود بیوہ ہو یا کوئی دوسرا شخص۔ اور وہ وارث اس طرح اور ان کل حقوق کے ساتھ اس جائداد کو حاصل کرتا ہے گویا متبنٰی لینے کی اجازت تھی ہی نہیں۔ البتہ ایسی وراثت صرف اس امکان کی تابع ہوتی ہے کہ اس اختیار کے استعمال سے جائداد چھین لی جائے گی لیکن جیسے ہی وہ اختیار استعمال ہو متبنٰی لڑکا بالکل ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ وہ متبنٰی گیرندہ باپ سے

**اس کا اثر**

پیدا ہوا تھا۔ اور اس کی حیثیت باپ کی وفات سے اس حد تک وابستہ ہوتی ہے کہ وہ ہر قابض جائداد کو اس جائداد سے محروم کر دے گا۔ یعنے ہر اس شخص کو جس پر اس کو متبنٰی گیرندہ باپ کی وفات کے وقت موجود رہنے کی صورت میں مرجح حیثیت حاصل رہتی[1]۔ منجملہ دوسری صورتوں کے نہایت ہی عام اور آئے دن پیش آنے والی صورت بیوہ کی انجام دی ہوئی

**تبنیت سے بیوہ جائداد سے محروم ہو جاتی ہے**

تبنیت سے جو خود اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے۔ ایسی تبنیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کا محدود حق جائداد (بہ حیثیت بیوہ کے) فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ متبنٰی لڑکا فوری جائداد کا پورا پورا وارث ہو جاتا ہے۔ بیوہ کے حقوق میں ایسی تخفیف ہوتی ہے کہ وہ صرف نفقہ پا سکتی ہے۔ اور جیسا کہ عموماً ہوتا ہے اگر متبنٰی لڑکا نابالغ ہو تو وہ (بیوہ) بحیثیت ولی امانتاً اس جائداد پر قابض رہے گی[2]۔ جب متعدد بیوگان متبنر کا قابض

---

[1] بابو اناجی بنام رتناجی ۲۱ بمبئی صہ ۳۱۹۔

[2] دھرم داس پانڈے بنام مسماۃ شام سندری ۳ مور کے مرافعہ جات ہند صہ ۲۲۹ بعدالت کورٹ ۶ صدر لینڈ (پی۔ سی) صہ ۴۳۔ بے شک متبنٰی لڑکا کوئی ایسی جائداد نہیں پا سکتا جس پر

ہوں اور ایک کو متبنیٰ لینے کی اجازت شوہر نے دی ہو اور وہ اس اجازت کو استعمال کرے تو وہ خود اور اس کی شریک بیوہ دونوں اس جائداد سے محروم ہو جائیں گے۔ شریک بیوہ راضی نہ ہونے سے تبنیت رُک نہیں سکتی اور نہ اس کے (تبنیت) اثر کو زائل کر سکتی ہے[ل]۔ اور مرہٹواڑی میں جہاں اجازت ضروری نہیں ہے یہ قرار دیا گیا ہے کہ بڑی بیوہ اپنی مرضی سے متبنیٰ کر سکتی ہے۔ اور چھوٹی بیوہ کی رضامندی حاصل کرنے کے بغیر اس کی جائداد زائل کر دے سکتی ہے۔ عدالت نے فرمایا:- ”بڑی بیوہ کو اس کی اجازت دینا خلاف انصاف معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی بیوہ کی مرضی کے خلاف متبنیٰ لے کر اس کے حق کو زائل کر دے اس کے برخلاف اگر تبنیت کو مذہبی فرض کی انجام دہی اور کار ثواب سمجھا جائے اور وہ فعل ایسا ہو ۲۵۴
جس کے متعلق جب کبھی شوہر نے منع نہ کیا ہو شوہر کی اجازت مستنبط ہو سکے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی بیوہ راضی ہونے پر مجبور ہے۔ واجبی نفقے کے انتظام کی مستحق ہوگی۔ اور اگر وہ انکار کرے تو بڑی بیوہ بلا رضامندی متبنیٰ لے سکتی ہے[۲]“ لیکن عدالت کے الفاظ سے یہ استنباط ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ چھوٹی بیوہ کو بھی اسی قسم کا حق حاصل ہو سکے گا۔ اس مسئلے پر صریح تصفیہ نہیں فرمایا گیا۔ یہ دلائل قوی تر بے شک و شبہہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) بیوہ استری دھن کے وارث کی حیثیت سے قابض ہو۔ ڈبلیو۔ بی ص ۱۷۶ متبنیٰ لڑکے کو جائداد عطا کرتے وقت عدالت ضروری انتظامات کرے گی کہ بیوہ کا نفقہ معین اور محفوظ ہو۔ ورندیوند اس بنام بینا بائی ۱۲ بمبئی عالیہ عدالت ص ۲۲۹۔ جمنا بائی بنام رائے چند ۱۲ بمبئی ص ۲۲۵۔

ل۔ مندکنی داس بنام ادینا تھ ۱۸ کلکتہ ص ۶۹۔

۲۔ رکما بائی بنام رادھا بائی جلد ۵ عالیہ عدالت بمبئی (نظائر مرافعہ) ص ۱۸۱ ص ۱۹۲۔ مندکنی داسی بنام ادینا تھ دے ۱۸ کلکتہ ص ۶۲۹ بھیموا بنام سنگوا ۲۲ بمبئی ص ۲۰۶ ماموا بنام مہادگو دا ۲۲ بمبئی ص ۴۱۶ تارا بن سامی بنام منگل ۲۸ مدراس ص ۳۱۵ و نیز دیکھئے نقرہ ۱۸۹۔

تبنیت سے وہ کل جائدادیں مفقود ہو جائیں گی جو بیوہ کے بعد وجود میں آتی ہیں مثلاً لڑکی یا نواسے کا حق وراثت[1] عالیہ عدالت مدراس نے حال میں یہ قرار دیا ہے کہ بیوہ جو متبنیٰ لڑکے کی وارث ہوئی ہو اگر اس کے مرنے کے بعد متبنیٰ لے تو پہلے متبنیٰ کی نکسو یہ جائداد سے محروم ہو جائے گی۔ ادباً یہ کہا جاتا ہے جا نہ ہوگا کہ یہ فیصلہ اصولاً غلط ہے متبنیٰ لڑکا صرف اس جائداد کا وارث ہوتا ہے جو متبنیٰ گیرندہ باپ کی ہو یا ہو سکتی ہو۔ اور اس جائداد پر جو کلیتہً متبنیٰ گیرندہ باپ کی جائداد سے علیحدہ ہو نہ تو اس کو کوئی حقوق حاصل ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

**کم درجے کے وارث کی جائداد**

**۱۸۵ف** ۔ تبنیت سے اسی طرح اس شخص کی جائداد بھی چھین لی جائے گی جو بیوہ سے پہلے وارث ہوا ہو بشرطیکہ اس کا حق وراثت تبنیت کے بعد ہو مثلاً جب مدراس میں برہام پور کی ناقابل تقسیم زمینداری کا قابض آخر اس کے بھائی کی وفات پر غیر منقسم بھائی وارث ہوا تو قرار دیا گیا کہ اس کا حق جائداد میں تبنیت سے ختم ہو گیا۔ متوفی بھائی کی بیوہ نے اس کے مرنے کے بعد اور اس کی اجازت کے تحت متبنیٰ لیا تھا[2]

کم درجے کا ... ت بھی محروم ... ہو جاتا ہے

**مرجح وارث محروم نہیں کیا جا سکتا**

قابل تقسیم جائداد بھی جس پر دو بھائی قابض ہوں جو کل کی کل ایک بھائی کے مرنے پر بہ قاعدہ عودی سے دوسرے کو حاصل ہوتی ہو اسی طرح متبنیٰ کو مل جائے گی۔ یعنے اگر مجاز تبنیت بیوہ نے متوفی بھائی کے لیے تبنیت انجام دی ہو تو

[1] ۔ رام کشن بنام سریمتی ۳ صدر دیوانی ص۳۶۷ ص۴۸۹ ۔

[2] ۔ سریانارائن بنام راموداس ۴۱ مدراس ص۶۰۳ ۔

[3] ۔ رگھوناد بنام برو وکشور ۳ مرافعہ جات ہند ص۱۵۴ ۔ صدر کورٹ امدراس ص۶۹ ۔ ۲۵ سدر لینڈ ص۲۹۱ ۔

حق عود ختم ہو جاتا ہے۔ بیوہ کا یہ فعل اسی طرح کا اثر رکھتا ہے جیسا کہ بعد کے پیدا ہونے والے لڑکے کی وجہ سے تبدیلی واقع ہوتی ہے[۱]۔ برخلاف اس کے ۲۵۳
اگر جائداد ایک مرتبہ ایسے شخص کو حاصل ہو چکی ہو جس کا حق حقیقی لڑکے پر بھی مرجح ہو تو تبنیت سے اس کا یا اس کے وارث (مرد یا عورت) کا حق زائل نہ ہو سکے گا۔ الا اس کے کہ وارث خود بیوہ ہو جس نے تبنیت انجام دی تھی۔ اس قاعدے کے دونوں اجزا کی وضاحت پریوی کونسل کے فیصلوں سے ہوتی ہے۔

**چندر بولی کا مقدمہ**

یہ پہلا مقدمہ ہے۔ بنگال کے ایک زمیندار گورکشور کی وفات پر اس کی ایک بیوہ چندر بولی اور ایک لڑکا بھوانی تھا۔ گورکشور نے وفات سے قبل ایک دستاویز جاری کی۔ اس دستاویز میں اس نے اپنی زوجہ کو یہ ہدایت کی کہ خود اس کا لڑکا نہ ہونے کی صورت میں ایک لڑکا متبنیٰ لے۔ بھوانی اس زمینداری کا وارث ہوا۔ شادی کی۔ اور کافی بڑا ہو کر مر گیا۔ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ لیکن ایک بیوہ بھوبن موئی تھی۔ چندر بولی نے اپنے شوہر کی اجازت کے تحت بھوانی کے مرنے کے بعد رام کشور کو متبنیٰ کیا۔ اور اس نے بھوانی کی بیوہ پر جائداد کے لیے نالش کی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بنگال کے قانون میں بیوہ اپنے شوہر کی وارث ہے اگرچہ اس کا مشترک بھائی موجود ہو۔ جوڈیشل کمیٹی نے یہ تجویز فرمائی کہ مدعی کا دعویٰ خارج ہونا چاہیے کیونکہ اس کی تبنیت سے اس کو کوئی ایسا حق حاصل نہیں ہوا جو بھوانی کی بیوہ کے خلاف جائز ہوتا۔ انھوں نے فرمایا "اس مقدمے میں واقعہ یہ ہے کہ بھوانی کشور ایک عرصۂ دراز تک زندہ رہا۔ اس مدت میں وہ اس قابل تھا اور یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس نے وہ تمام

---

[۱] سرندہ نندن بنام سیلا جا ۱۸ کلکتہ ص۳۸۵۔ ونٹو با بنام ۱۱ پچھایئی صـ۱ـ۔ بچو ہرکشن داس بنام منگوری بائی ۴۴ مرافعہ جات ہند ص۱۰۱ ۲۱ بمبئی ص۳۷۳۔

مذہبی خدمات اور رسوم انجام دیے ہوں گے جو ایک پترا پنے باپ کے لیے
انجام دے سکتا ہے۔ وہ موروثی جائداد کا وارث ہوا۔ اس کو اس جائداد پر
پورا پورا اختیار انتقال حاصل تھا۔ وہ اس کو منتقل کر سکتا تھا اور اگر اس کو
اپنے صلب کی کوئی اولاد ذکور نہ تھی تو اپنا وارث ہونے کے لیے کسی لڑکے کو بھی
متبنٰی لے سکتا تھا۔ اس جائداد کے متعلق اس کے باپ کے جملہ ارادوں کو
وہ بے کار کر سکتا تھا۔ بھوانی کشور کی وفات پر اس کے وارث کی حیثیت سے
اس کی بیوہ قائم مقام ہوئی۔ اور اگر اس کے بھائی بھی ہوتے تب بھی
وہ اسی طرح بلاشمول برادران وارث ہوتی۔ اس کو بہ حیثیت بیوہ کے
کل جائداد میں محصلہ حق مل گیا۔ اگر بھوانی کشور کا ایک بھائی جو تبنیت سے
بھائی بنا ہو اس کی بیوہ سے کل جائداد لے سکے جبکہ خود حقیقی بھائی کو ایک
ٹکڑا بھی نہیں مل سکتا تھا تو یہ بات نہایت ہی انوکھی ہوگی۔ اگر رام کشور کو
موروثی جائداد میں سے کچھ بھی مل سکتا ہو تو اس کو حقیقی لڑکے کے قائم مقام کی
حیثیت سے سب کچھ ملنا چاہیے نہ کہ بالاشتراک۔ اس مسئلے کے متعلق
غور کرنا ضروری نہیں ہے کہ آیا گور کشور اپنے اختیارِ وصیت کے تحت اپنی ۲۵۴
جائداد میں بھوانی کے حق کو محدود کر کے اس کو حین حیاتی حق کر سکتا تھا۔
یا اپنے متبنٰی لڑکے کے لیے (جب کہ اس کے بیٹے کو اولاد ذکور نہ ہو) یا
ہونے کے بعد فوت ہو گئی ہو) اس کے حق کو محدود کر سکتا تھا۔ یہ کہنا
کافی ہے کہ اس نے ایسا کیا ہی نہیں اور نہ اس کی کوشش کی۔ سوال
یہ ہے کہ جب اس کے لڑکے کی جائداد محدود نہ تھی اور اس نے
شادی کی اور بیوہ کو وارث چھوڑا اور جب اس وارث کو اس کے
شوہر کی جائداد میں بہ حیثیت بیوہ کے حق محصلہ مل چکا۔ تو کیا تبنیت سے
ایک نیا وارث کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ اور کیا ایسا جدید وارث حق محصلہ کو
زائل کر کے بہ حیثیت ایک متبنٰی کے اس جائداد کو لے سکتا ہے جس کو
خود گور کشور کا حقیقی لڑکا بھی نہیں لے سکتا تھا؟۔ یہ بالکل عقل کے خلاف
معلوم ہوتا ہے اور جہاں تک کہ ہمیں علم ہے ایسا سمجھنا اصول دھرم شاستر کے

بالکل خلاف ہے۔ یہ یاد رہے کہ متبنی لڑکا وراثتہً جائداد پاتا ہے نہ کہ وصیت سے۔ ہندو قانون کا قاعدہ یہ ہے کہ وراثت کے لیے جانشین ہونے والا آخیری قطعی مالک کا وارث ہونا چاہیے۔ صورت موجودہ میں بھوانی کشور آخری قطعی مالک تھا اور اس کی زوجہ اس کے وارث کی حیثیت سے جانشین ہو کر بیوہ کی جائداد پاتی ہے اس کے مرنے پر وہی شخص وارث ہوگا جو بھوانی کشور کی وفات کے وقت وارث تھا۔ اگر بھوانی کشور ان بیاہا مرجاتا تو اس کی ماں چندربولی اس کی وارث ہوتی اور مسئلہ تبنیت بالکل مختلف وجود پر قائم ہوتا۔ اختیار تبنیت کو استعمال کرنے سے وہ (چندربولی) کسی اور کو جائداد سے محروم نہ کرتی بلکہ خود محروم ہو جاتی اور یہ صورت معمولی قاعدے کے تحت آتی۔ لیکن نہ تو کوئی نظیر پیش کی گئی اور نہ قانونی کتب سے کوئی فیصلہ بیان کیا گیا۔ اور نہ کسی ایسے اصول کو بیان کیا گیا جس سے یہ ثابت ہوتا کہ محض بیوہ کو متبنی لینے کا اختیار عطا کرنے سے متوفی لڑکے کے وارث کی جائداد جس پر قبضہ بھی حاصل ہو چکا ہو زائل ہو سکتی ہے یا وہ اس سے محروم کیا جا سکتا ہے[1]"۔

**مقدمہ گنتور**

ف ۱۸۶۔ اقتباس بالا میں جس مقدمے کی جانب حکام عالی مقام نے اشارہ فرمایا ہے وہ مقدمہ تھا جو فی الواقعی ان کے ملاحظے میں فیصلے کے لیے ۱۸۷۶ء میں پیش ہوا تھا۔ واقعات۔ گنتور (صوبۂ مدراس) کا ایک زمیندار ایک بیوہ، ایک نابالغ لڑکا اور لڑکیاں چھوڑ کر فوت ہوا۔ لڑکا جائداد پر قابض کیا گیا لیکن کمسنی میں ان بیاہا ۲۵۵ مر گیا۔ اس کی ماں کو قابض جائداد بنایا گیا اور اس نے متوفی شوہر کی اجازت کے بغیر، لیکن جملہ شوہر کے سپنڈوں کی رضامندی سے ایک لڑکے کو متبنی کیا۔ یہ واقعہ مقدمہ رامناد (ف ۱۲۱) کے فیصلے کے قبل ہوا۔ اور چونکہ گورنمنٹ نے تبنیت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اس لیے متبنی لڑکے کو قبضہ دیا ہی نہیں گیا۔

[1] بھوبن موئی بنام رام کشور جلد ۱۰ مورز اقوحات ہند صفحہ ۲۷۹ صفحہ ۳۱۱ ۳ سدرلینڈ پی سی صفحہ ۱۵۔

ماں کی وفات پر کلکٹر نے لڑکیوں کو قبضہ دیا بظاہر گویا وراثت کو ان کے باپ آخری زمیندار سے ملا کر ایسا کیا گیا۔ عالیہ عدالت مدراس نے تبنیت کو ان وجوہات پر قبل ازیں بحث کی گئی جائز تصور فرمایا بصیغہ مرافعہ پریوی کونسل نے تبنیت کو باقی رکھا اور متبنیٰ لڑکے کے حق وراثت کا استقرار کیا۔ انھوں نے یہ قرار دیا کہ صوبۂ مدراس میں سپندوں کی رضامندی بیوہ کو اس لڑکے کے عوض جو لاولد فوت ہوا ہو متبنیٰ لینے کا مجاز کرنے کی غرض سے ایسی ہی بُرا اثر ہے جیسا کہ اس کا اثر پذیر ہونا اس وقت مسلم ہے جب کہ کوئی اولاد بالکل نہ ہو۔ اس تبنیت کے اثر کے متعلق انھوں نے فرمایا:۔ "لہٰذا اگر بیوہ کے پاس متبنیٰ لینے کے لیے تحریری اجازت ہوتی تو اس واقعے سے کہ وراثت پہنچ چکی کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ اجازت اس نوع کی ہوتی جو جلد ۱۰ مور صاحب میں چندربولی کو دی گئی تھی۔ اس مقدمے میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ چونکہ لڑکا بیوہ چھوڑ کر فوت ہوا۔ اور بیوہ کو وراثت حاصل ہو چکی۔ اس لیے ماں اس حق کو زائل نہیں کر سکتی تھی اگرچہ وہ اپنے شوہر کی تحریری اجازت پر عمل کر رہی ہو۔ اس اجازت کا اطلاق مقدمۂ موجودہ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں مقدمہ گیرندہ ماں کی جائداد کے خلاف تبنیت انجام دی گئی ہے۔ اور حقیقت امر یہ ہے کہ یہ فرق و امتیاز صریح اور مسلمہ ہے"[1]

**مقدمات مذکور الصدر کے اصول**

**ف ۱۸۷۔** یہ امر واضح ہو گیا ہوگا کہ مدراس کے دونوں مقدمات میں (جن میں پریوی کونسل نے متبنیٰ لڑکے کے حق کی تصدیق فرمائی) جائداد اس شخص سے حاصل ہوئی تھی جس کے لیے متبنیٰ لیا گیا تھا۔ دو مختلف صورتیں پھر بھی پیدا ہوئی ہیں۔ (الف) جبکہ جائداد وراثتہً ب کے فرزند الف کو حاصل ہوئی ہو اور ب کے لیے متبنیٰ لیا گیا ہو جیسا کہ مقدمۂ کننور میں۔ لیکن وہ جائدادیں اس کے ۲۵۶

---

[1] لنگی بنام وینکٹ رام ۴ مرافعہ جات ہند صہ ۱ صدر کورٹ ۱ مدراس صہ ۱۷۴ صدر کورٹ ۲۶ صدر لینڈ صہ ۲۱ بیکنٹمنی بنام کشن؛ سندر ۷ سدر لینڈ صہ ۳۹۲۔

**وہ صورتیں جنمیں جائداد واپس نہیں لیجائیگی**

مرنے پر متبنیٰ لینے والی بیوہ کے سوا کسی اور کو حاصل ہوئی ہو۔ (ب) جبکہ جائداد (الف) سے حاصل ہوئی ہو اور الف کے طرفی رشتہ دار ب کے لیے متبنیٰ لیا گیا ہو۔ فرض کیجئے کہ ب کا متبنیٰ ہر صورت میں الف کا وارث ہے بشرطیکہ الف کی وفات سے قبل وہ متبنیٰ کیا گیا ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وفات کے بعد وہ متبنیٰ کیا جائے تو کیا وہ اس شخص سے جائداد لے سکے گا جس کو الف کے وارث کی حیثیت سے جائداد حاصل ہو چکی ہو؟

**فیصلہ مدراس**

ف ۱۸۸۔ مدراس کے ایک مقدمے میں پہلا سوال پیدا ہوا۔ واقعات۔ زید کی وفات پر اس کی ایک بیوہ (مدعا علیہ نمبر۱) اور ایک لڑکا ستیا دوسری زوجہ سے تھا۔ ستیا ان بیاہا مر گیا اور اس کے بعد اس کی علاتی ماں (نمبر۱ مدعا علیہ) نے منوسامی کو متبنیٰ کیا۔ جو ایک شخص مسمی بالی کا لڑکا تھا۔ بالی نے اپنے لڑکے کی ولی کی حیثیت سے تبنیت کو قائم کرنے کے لیے نالش کی۔ عالیہ عدالت نے جواز تبنیت کو تسلیم کیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس استدلال کو تسلیم کیا گیا کہ مدعا علیہا نمبر۱ علاتی ماں ہونے کے سبب ستیا کی وارث نہیں تھی۔ اور یہ کہ بالی اس کا وارث تھا۔ اس پر عالیہ عدالت نے یہ قرار دیا کہ تبنیت سے جائداد میں حق حاصل نہیں ہوا۔ انھوں نے فرمایا "اگر یہ خیال بھی کیا جائے کہ زید کی بیوہ کو ۱۸۷۰ء (تاریخ وفات ستیا) میں اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ لینے کا اختیار حاصل تھا یا حاصل کیا۔ تب بھی اس کا تعین ضروری ہے کہ آیا حسب احکام دھرم شاستر وہ اس وقت بطور جائز متبنیٰ لے سکتی تھی یا نہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ بھی اسی اصول کا تابع ہے جس کا ذکر پریوی کونسل کے فیصلے جلد ۱۰ مور صاحب کے مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۷۹ (ف ۱۸۵) میں کیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تبنیت انجام نہیں دی جا سکتی تھی جبکہ ستیا اپنے باپ کی جائداد کا وارث ہو چکا تھا۔ اس کو اس جائداد پر

انتقال کے کامل اختیارات حاصل تھے۔ وہ اسے منتقل کر سکتا تھا۔ اگر اس کو اپنے صلب کی اولاد نرینہ نہ تھی تو اپنی جانشینی کے لیے وہ متبنیٰ لے سکتا تھا۔ وہ اس جائداد کے متعلق اپنے باپ کے ہر ارادے کو بے کار کر سکتا تھا۔ یہاں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ چینا ستنیا کی وفات پر اس کا وارث بالی ریڈی تھا۔ بالی ریڈی نابالغ مدعی کا حقیقی باپ ہے اور اس کے دوسرے لڑکے بھی ہیں۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں وراثت بالی ریڈی کو حاصل ہوئی اور ہنوز وہ اسی کی ہے۔ اور سند مذکور پر ہمیں یہ قرار دینا چاہیے کہ متوفی لڑکے کی جائداد جس پر قبضہ حاصل ہو چکا ہے زائل نہیں ہو سکتی اور قابض محروم نہیں کیا جا سکتا۔[1] چنانچہ جبکہ باپ اپنی بیوگان اور اپنے ایک لڑکے کی بیوہ چھوڑ کر فوت ہوا اور لڑکے کی بیوہ نے اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ لیا تو تبنیت کو ناجائز قرار دیا گیا کیونکہ اغراض نیابت کے لیے بیوہ مذکور کا اختیار تبنیت اسی وقت ختم ہو گیا جبکہ باپ کی جائداد اس کے بیوگان کے حق میں منتقل ہو گئی۔[2] ۲۵۷

**فیصلہ بمبئی**

ف ۱۸۹۔ دوسرا مسئلہ بمبئی اور بنگال دونوں میں پیدا ہوا۔ بمبئی کے مقدمے میں واقعات حسب ذیل تھے:۔

**الف**

| | |
|---|---|
| انند رام شوہر | سبھا رام شوہر |
| سرجا بائی زوجہ | رکما بائی زوجہ |
| بدری داس متبنیٰ | |

---

[1] انا بتلا سو بالی ریڈی ۸ مدراس عدالت عالیہ صفحہ ۱۰۔ اس کی پیروی دوبو موئی بنام شام چرن ۱۲ کلکتہ صفحہ ۲۴۶ میں کی گئی۔ اس مقدمے میں لڑکے کی وارث اس کی دادی تھی۔ کیشو رام کرشنا بنام گوند گنیش ۹ بمبئی صفحہ ۹۴۔ چندرا بنام گجرا بائی ۱۴ بمبئی صفحہ ۴۶۳ جس میں لیسر کی جائداد اس کی بیوہ کو حاصل ہو چکی تھی۔

[2] درنی دھر بنام جنتو ۲۰ بمبئی صفحہ ۲۵۰۔

انند رام اور سبھا رام برادران مشترک تھے۔ یہ دونوں بیوگان چھوڑکر فوت ہوئے لیکن اولاد نرینہ نہ تھی۔ چونکہ انند رام کا انتقال پہلے ہوا تھا اس سبب اس کا کل حق سبھا رام پر منتقل ہوا۔ اور سبھا رام کے مرنے پر پوری جائداد اس کی بیوہ رکما بائی کو حاصل ہوئی۔ سبھا رام کے مرنے کے بعد انند رام کی بیوہ سرجا بائی نے ایک لڑکا متبنیٰ لیا۔ اس پر ایک دائن نے یہ سوال اٹھایا کہ آیا اس کو سبھا رام کی جائداد حاصل ہوئی۔ یہ استدلال کیا گیا کہ حسب فیصلہ جلد ۱۰ امور انڈین اپیلس ص۲۷۹ کوئی تبنیت ہرگز جائز نہیں قرار دی جاسکتی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ محصلہ جائداد سے ایک شخص محروم ہو جائے۔ اس استدلال کے بارے میں جسٹس ملول (Melvill J.) نے پھر بھی یہ فرمایا:- "اس مقدمے میں الف نے بربنائے تبنیت اس جائداد کا دعویٰ کیا جو ب کو بذریعۂ وراثت ج سے ملی تھی۔ اگر الف حقیقی لڑکا بھی ہوتا تب بھی ب اور نہ کہ الف ج کا وارث ہوتا۔ اور یہ قرار دیا گیا تھا کہ حالات موجودہ میں الف ب کے حق جائداد کو زائل نہیں کرسکتا تھا اس امر کے متعلق شبہہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ کوئی تبنیت اس طرح نافذ نہیں ہوسکتی کہ حق محصلہ کو شکست ہو جائے۔ و نیز اس مقدمے کے فیصلے سے یقیناً اس استدلال کی تائید نہیں ہوتی (اور یہ استدلال مزید براں رکما بائی بنام رادھا بائی کے فیصلے کے خلاف ہے[1])" اسی جج نے تاہم نہایت زور سے اس رائے کا اظہار فرمایا کہ یہ تبنیت اس استدلال سے بھی جائز نہیں سمجھی ۱۵۸
جاسکتی جس کے متعلق جوڈیشل کمیٹی نے رامناد کے مقدمے میں اشارہ فرمایا ہے[2]۔ ان کے خیالات کا خلاصہ حاکم موصوف نے اس طرح کیا:- "بہ الفاظ دیگر جب جائداد بیوہ کو حاصل ہوئی ہو تو وہ وارثان عودی کی

[1] ۵ بمبئی عالیہ عدالت نظائر مرافعہ ص۱۸۱ (۱۸۶۸ء)۔

[2] کلکٹر مدورا بنام موتو رام لنگا ۱۲ امور انڈین اپیلس ص۳۹۷ صدر کورٹ جلد ۱ بنگال لا رپورٹ پی۔ سی ص۱ - ۱۰ اسدر لینڈ پی۔ سی ص۱۷ (۱۸۶۸ء)۔

رضامندی کے بغیر متبنیٰ لے سکتی ہے۔ لیکن جب بیوہ کے سوا اور اشخاص کو وہ جائداد ملی ہو اور تبنیت کا فوری نتیجہ یہ ہو کہ ان اشخاص کے حقوق زائل ہو جائیں تو انصاف اس کا مقتضی ہے کہ ان کی رضامندی حاصل کی جائے قاعدہ نہایت ہی معقول اور درست معلوم ہوتا ہے"۔ انھوں نے اس مقدمے کو رکما بائی بنام رادھا بائی سے یہ کہتے ہوئے ممیز کیا کہ "دونوں بیوگان کا مساوی طور پر یہ فرض تھا کہ اپنے شوہر کی آیندہ مسرت و راحت کا انتظام کریں۔ چھوٹی بیوہ نے رضامندی نہیں دی یعنے اس نے ان مذہبی وجوہات سے غفلت کی جو اس پر عائد تھے۔ لہٰذا اگر بڑی بیوہ نے چھوٹی بیوہ کی رضامندی کے بغیر متبنیٰ لیا تو اس کو ناانصافی کی شکایت کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ ناانصافی کے اعتراض پر اس وقت بھی لحاظ نہ کرنا چاہیے جبکہ وہ ایسا شخص پیش کرے جس پر اس قسم کا کوئی مذہبی وجوب عائد نہ ہو۔ یقیناً رکما بائی بنام رادھا بائی میں ذیل کا قاعدہ نہایت ہی وسیع الفاظ میں بیان کیا گیا تھا۔ یہ کہ مرہٹوں کے مسلک میں ہندو بیوہ اپنے شوہر کے رشتہ داروں کی رضامندی کے بغیر اس کے لیے لڑکا متبنیٰ کرسکتی ہے۔ بشرطیکہ اس نے اس کام کو مذہبی فرض کی انجام دہی میں صحیح طور پر اور نیک نیتی سے کیا ہو۔ اور نہ تو تلون مزاجی سے کیا ہو اور نہ بدنیتی سے۔ لیکن ان حکام کو جنھوں نے اس مقدمے کا فیصلہ فرمایا ایسی تبنیت سے سروکار نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بیوہ کے سوا دوسرے قرابت دار کو محصلہ حق سے محروم کیا جائے۔ کسی اور منفصلہ مقدمات میں بھی جن پر انھوں نے بھروسا کیا ہے ایسی تبنیت کا جواز امر تنقیح طلب نہ تھا۔ میرے خیال میں ان اسناد سے جن کا حوالہ دیا گیا ہے ایک ایسی تبنیت کے جواز کی تائید نہیں ہوتی جس سے ایسی ناانصافی ظاہر ہوتی ہو"۔[1] — روپ چند بنام رکما بائی

[1] لہ۔ روپ چند بنام رکما بائی ۸ بمبئی عالیہ عدالت (نظائر مرافعہ) صفحہ ۱۱۴۔ اس استدلال کا اتباع مقدمہ راجی بنام گھامن ۶۔ بمبئی۔ صفحہ ۴۹۸ میں کیا گیا تھا۔ ونکر بنام گنیش ایضاً صفحہ ۵۰۵

**مدراس کے فیصلے سے مختلف ہے**

ف ۱۹۰ - عدالت نے بطور امر واقعہ کے یہ معلوم کیا کہ سبھا رام کی بیوہ نے تبنیت کے لیے رضا مندی دی تھی۔ اوراس رضا مندی سے وہ تبنیت جائز ہوسکتی تھی۔ اس حجت کو بارہا عالیہ عدالت بمبئی نے قبول فرمایا ہے (دیکھو ۲۵۹
ف ۱۹۳)۔ بے شک یہ امر واضح ہے کہ مدراس اور بمبئی کی عدالتوں نے مختلف وجوہ پر تجویزیں کیں۔ عدالت مدراس نے یہ ظاہر فرمایا کہ پریوی کونسل کی سند پر اس مسئلے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن ان دونوں مقدمات میں یہ فرق تھا کہ مقدمۂ چیندر ربولی میں اگر متبنیٰ لڑکا حقیقی بھی ہوتا تب بھی وہ اس جائداد کا وارث نہیں ہوسکتا جس کا کہ اس نے دعویٰ کیا تھا۔ مدراس کے مقدمے میں وہ یقیناً وارث ہوسکتا تھا۔ عالیہ عدالت بمبئی نے اس نکتے کو ظاہر فرمایا۔[1] ان کے فیصلے کی بنیاد یہ تھی کہ خود تبنیت ناجائز تھی۔ اس قسم کا اعتراض بنگال کے مقدمے میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہاں کے فیصلے کی وجوہات ان دونوں مقدمات کے فیصلوں سے مختلف تھے جن کا قبل ازیں ذکر کیا گیا۔ اس مقدمے کے واقعات حسب ذیل تھے :-

**فیصلۂ بنگال**

ف ۱۹۱ - ج اور ب مشترک بھائی تھے۔ بنگال کے قانون کے تحت وہ اپنی جائداد پر تقریباً (in quasi-severalty) علٰحدہ علٰحدہ قابض تھے۔ ج نے بذریعۂ وصیت اپنا حصہ اپنی بیوہ سندری کو حین حیات کے لیے دے دیا اور یہ وصیت کی کہ بیوہ کے بعد وہ حصہ اس کے نواسوں کو اگر ہوں تو ما تنوں عطیوں اور سالانہ وظائف کے تابع دیا جائے۔

الف کا انتقال ۱۸۲۵ء میں ہوا

ب — د فوت ۱۸۵۵ء — زوجہ رام سندری۔ جو ۱۸۷۶ء میں کالی چرن پرسنو (مدعی) کو متبنیٰ لیتی ہے

ج کا انتقال ۱۸۵۱ء میں — سندری کا انتقال ۱۸۶۴ء میں — لڑکی جو باپ کے بعد اور ماں سے قبل لاولد فوت ہوئی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) پٹیل ونمدراون جکسین بنام مانی لال ۱۵ بمبئی صفحہ ۵۶۵ ۔

[1] - رام سندر بنام سورنی ۴۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۲۱ میں عالیہ عدالت بنگال نے اس کے متعلق اظہار رائے فرمایا ہے۔

لڑکی لا ولد بیوہ کے حین حیات فوت ہوئی۔ اور اس کے مرنے پر بیوہ نے وصیت نیار کی۔ اس وصیت سے اس نے مدعی علیہ کو بہ حیثیت وصی کے مذہبی اغراض کے لیے جائداد عطا کی۔ D ۱۸۵۵ء میں بیوہ کو اختیار تبنیت دے کر فوت ہوا۔ اگر وہ سندری کے مرنے سے قبل اس اختیار کو استعمال کی ہوتی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لڑکا جو D کے لیے متبنی کیا جاتا ج (باپ کا چچا) کا وارث ہوسکتا تھا۔ اور یہ لڑکا سندری کی وصیت منسوخ کرنے کا مجاز ہوتا تھا۔ و نیز ج کی جائداد بھی پاسکتا تھا لیکن اسی حد تک جس حد تک کہ
۲۶۰ ج اس کو بذریعۂ وصیت منتقل نہ کیا ہوتا۔ لیکن اس اجازت کو ۱۸۷۶ء تک کام میں نہیں لایا گیا۔ جب متبنی لڑکے نے نالش کی تو عدالت نے یہ قرار دیا کہ وہ وارث نہیں ہوسکتا۔ سندری کے انتقال پر ج کی کل جائداد کسی نہ کسی کو حاصل ہوگئی ہوگی جو اس وقت ج کا وارث جائز ہوگا۔ یا اگر اس کا کوئی وارث موجود نہ تھا تو لاوارثی کی وجہ سے وہ جائداد گورنمنٹ پر عود کرنی چاہیے۔ عدالت نے تمام نظائر پر غور مکرر کرنے کے بعد ذیل کی تجویز کی۔ یہ کہ اس تجویز کی تائید کے لیے کوئی سند نہیں ہے کہ ایک جائداد جو مالک آخر کے وارث کی حیثیت سے ایک شخص کو حاصل ہوچکی ہو بعد میں ایک ایسے شخص کو متبنی لینے کی وجہ سے واپس لے لی جاسکتی ہے جو شخص اگر وفات سے قبل متبنی کیا جاتا تو قریب تر وارث ہوتا۔ حکام نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ وراثت پوشیدہ طور پر ملتوی نہیں رہ سکتی۔ اور یہ کہ التوا اس کا تابع نہیں رہ سکتا کہ ایک خاص واقعے کے وقوع پر وہ (یعنے وارث) ایک سے دوسرے پر منتقل ہوتی رہے گی۔ اور وہ واقعہ جس کے لیے وراثت معرض التوا میں رکھی جائے ایسا ہو کہ کبھی ہو ہی نہ سکتا ہو یا اگر وقوع میں آ بھی سکتا ہو تو ایک آیندہ غیر معین زمانے میں[1]۔

---

[1] کالی پرسنو بنام گوکل چند ر ۲ کلکتہ صـ۲۹۵۔ بعد کے ایک مقدمے میں اس کی پیروی کی گئی۔ چنانچہ یہ تجویز کی گئی کہ اس سے فرق پیدا نہیں ہوتا کہ تبنیت میں اس شخص کے

فیصلۂ مذکور الصدر کی چند عبارتیں بہت زیادہ وسیع ہیں۔ اگر عدالت بر بام پور کے مقدمے کے واقعات سمجھنے میں غلطی نہ کی ہوتی تو ایسا نہ ہوتا لیکن خود فیصلے سے اور ان نظائر سے جن کا حوالہ دیا گیا ہے ذیل کے نتائج اخذ ہو سکتے ہیں:- قواعد

قواعد۔ (الف) جب تبنیت آخری قابض ذکور کے لیے ہو تو متبنیٰ لڑکا ہر ایسے شخص سے جائداد واپس لے لیگا جس کا حق اس کو قبل وفات (قابض آخر) متبنیٰ کرنے کی صورت میں کم درجے کا ہوتا۔ (ب) جب آخری قابض ذکور کے لیے متبنیٰ نہ لیا گیا ہو بلکہ کسی ایک قابض سابق کی بیوہ نے متبنیٰ لیا ہو تو ایسی تبنیت سے بیوہ کا قبضہ ختم ہو جائے گا۔ بشرطیکہ وہ تبنیت اور طرح بھی جائز ہو۔ (ج) کسی اور حالات میں تبنیت سے جو ایک شخص کے لیے کی گئی ہو (مثلاً الف کے لیے) کسی ایسے شخص کی جائداد نہیں لی جا سکتی جس کو وہ جائداد دوسرے شخص کے وارث کی حیثیت سے ملی ہوئے یہ کل قواعد فطری انصاف کے مطابق معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ان قواعد کا اطلاق ان خاندانوں پر نہ ہونا چاہیے جو مشترکہ قانون کے تحت شراکت میں ہوں۔ اس کے یہ معنے ہوئے کہ ذیل کے دو جائدادوں میں ۲۶۱ فرق ہے۔ ایک تو وہ جائداد جو عود کرے۔ اور دوسرے وہ جو وراثتہً حاصل ہو۔ مذکور الصدر تجویز سے بے شک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) فریب کی وجہ سے تاخیر ہوئی جو متبنیٰ نہ لیے جانے کی صورت میں وارث ہو سکتا تھا نیلکو بل بنام جو تندر و ۷ کلکتہ ص۱۷ بھوبن سواری بنام نیلکو مل ۱۲ مرافعہ جات ہند ص۱۳۷ میں اس تجویز کو بحال رکھا گیا (۱۲ کلکتہ ص۱۸) نیض الدین بنام تنکوری سہا ۲۲ کلکتہ ص۵۶۵ انندی بائی بنام کاشی بائی ۲۸ بمبئی ص۴۶۱۔

لہ۔ رگھو نندا بنام بر وز وکشور ۳ مرافعہ جات ہند ص۱۵۴ (ص۱۸۵)۔

لہ۔ بھیما بائی بنام تیپا مرارو ۷ ۳ بمبئی ص۵۹۸۔

لہ۔ دیکھیے تجویز شنکری ائر بمقدمۂ مدان موہن بنام پرشوتم ۳۸ مدراس ص۱۱۰۵ ص۱۱۱۴ وینکٹ رامیر بنام گوپالن ۳۵ لاجرنل مدراس ص۶۹۸۔

ان دونوں میں امتیاز پیدا کرنا درست ہے۔ اس امتیاز کو پریوی کونسل کے فیصلہ جات حالیہ کی روشنی میں دیکھنا بہتر ہوگا۔ ان پر فقرہ ۱۱۶ میں قبل ازیں بحث کی جا چکی ہے۔ صورت اول مذکور الصدر میں غرض تبنیت یہ ہے کہ متوفی کے لیے وارث فراہم کیا جائے۔ جب ایسا وارث پیدا ہو جائے تو اس کو بطور جائز ہر اس شخص پر ترجیح ہوگی جو وارث بعید ہو۔ مزید براں جو خدمات متوفی کے لیے وہ انجام دیتا ہے ان کا مناسب معاوضہ جائداد سے دیا جاتا ہے۔ صورت ثانی میں بیوہ متبنیٰ لینے سے اپنے صوابدید کو کام میں لاتی ہے جس کا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ اپنے سے بہتر اور مرجح وارث پیش کرے۔ اگر یہ صورت ہو تو فطرۃً وہ اس کے نتائج سے متاثر ہونا چاہیے۔ لیکن صورت سوم میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ جس تبنیت سے الف کو مستفید کرنا مقصود ہو اس سے ب کی وراثت میں خلل پڑے۔ اور ب کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہونا ہو و نیز ب سے مشورہ بھی نہ کیا گیا ہو اور نہ وہ اس تبنیت کی تکمیل کا ذریعہ ہوا ہو۔"[1]

---

[1] جلد ۱۸ کلکتہ صفحہ ۳۵۸۔ و ۲۰ بمبئی ۲۵۷ میں اس کی تصدیق کی گئی اور اتباع بھی۔ بمقدمہ چندر بنام گوجرا بائی ۱۴ بمبئی صفحہ ۴۶۳ صفحہ ۴۷ جسٹس ٹیلانگ نے قواعد ذیل بیان فرمایا جو تقریباً ہم معنی معلوم ہوتے ہیں (الف) یہ کہ اگر بیوہ نے حسب اجازت شوہر متبنیٰ لیا ہو تو ابھی تبنیت سے مشترک خاندان کا رکن (جس کا خود شوہر ایک رکن تھا) اس جائداد سے محروم ہو جائے گا جو اس کو قبل تبنیت حاصل ہو چکی تھی۔ لیکن اس شخص سے جائداد واپس نہیں لی جا سکتی جس کو شوہر کے سلبی وارث سے وراثۃً وہ جائداد حاصل ہوئی ہو۔

(ب) یہ کہ تبنیت سے وہ جائداد واپس نہیں ہو سکتی جو اس سے پہلے شوہر کے رشتہ دار طرفی کو حاصل ہو چکی ہو۔ اور یہ رشتہ دار طرفی ایسے شخص سے وراثت پایا ہو جو اس دوران میں خود مالک ہو چکا تھا۔ شوہر کی اجازت سے اس قاعدے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

**جواز تبنیت کے متعلق رضامندی کا اثر**

**ف ۱۹۲** - اگر فریقین محق ایسی تبنیت کے متعلق رضامندی
دیں جو قواعد مذکورالصدر کے تحت ناجائز ہو تو سوال یہ پیدا
ہوتا ہے کہ ایسی رضامندی کا قانونی اثر کیا ہوگا؟ اس مسئلے
کے متعلق بمبئی میں بہت مباحث ہوئے ہیں اگرچہ قطعی
یکسوئی ظاہر نہیں ہوئی ہے سب سے صاف صورت وہ ہے جب کہ غیر منقسم
شریک متبنیٰ کیا جائے جب خود مرد نے ایسی تبنیت انجام دی ہو تو حق عود کا
نتیجہ تلف ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کا بالکل یقین ہے کہ ہر وہ تبنیت جس کی تکمیل
شوہر کر سکتا ہو اس کی بیوہ بھی بشرطیکہ مجاز کی گئی ہو انجام دے سکتی ہے
(قانون میتھلا میں بیوہ متبنیٰ لے ہی نہیں سکتی ف ۱۸۵) پھر بھی ایسی صورت میں
عدالت بمبئی نے یہ قرار دیا ہے کہ معمولی اجازت سے بیوہ متبنیٰ لینے کی
اس طرح مجاز نہیں ہوتی کہ حق عود (خاندان غیر منقسم میں) کے نفاذ کو باطل
کر دے مغربی ہند میں معمولاً بیوہ اپنے شوہر کے فائدے کے لیے متبنیٰ
لینے کی مجاز ہوتی ہے۔ اس اجازت شخصی کو کام لانے سے سوائے خود بیوہ کے ٢٦٢
کسی اور کی جائداد واپس نہیں لی جاتی۔ ہندو شریک خاندان کے حق عود پر
صرف اس وقت اثر پڑ سکتا ہے جبکہ شوہر کے ساتھ ساتھ خسر نے بھی۔ یا شوہر
کے سپنڈوں نے بھی اجازت دی ہو۔ خسر یا سپنڈوں کی دی ہوئی اجازت
اس قسم کی ہونی چاہیے کہ اس بیوہ کو مجاز تبنیت کرنے کے لیے کافی سمجھی جائے
جس کو اس کے شوہر سے اجازت نہ ملی ہو (جیسا کہ مدراس میں) یہ نظریہ اس
خیال پر مبنی نہیں ہے کہ ان اشخاص کی رضامندی ضروری ہے جن کے
حقوق پر تبنیت سے اثر پڑتا ہے تا کہ ان کے حقوق کا سد باب ہو۔ نظریہ مذکور
اس پر مبنی کیا گیا کہ قاعدۂ مرہٹہ کا اطلاق صرف ان بیوگان پر ہوتا ہے جن کو
جائداد وراثۃً حاصل ہوئی ہو۔ اور یہ کہ اس کو وسعت نہ دینی چاہیے۔ جہاں
قاعدۂ مذکور کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو تو اجازت کے مسئلے کے متعلق جوڈیشل کمیٹی
کے فیصلہ جات (مقدمات رامناد و برہام پور) دیکھے جائیں۔ ان
فیصلہ جات میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ شوہر کی صریح اجازت کی

کمی کی تلافی کس اجازت سے ہو سکتی ہے [1]

**اس تبنیت کیلیے رضامندی جو خود ناجائز ہے**

**دفعہ ۱۹۳**۔ اس کے برخلاف چند صورتوں میں عدالتوں نے یہ قرار دیا ہے کہ بیوہ کی مکمل کی ہوئی تبنیت جائز ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان اشخاص نے رضامندی دی ہو جن کی جائدادیں اس تبنیت کی وجہ سے لے لی جائیں گی۔ اگرچہ تبنیت مذکور قاعدۂ مدراس کے تحت نہ آسکے اور جو فیصلہ جات مدراس کے مطابق سپنڈوں کی مجاز کی ہوئی نہ ہو۔ بمقدمہ روپ چند بنام رکما بائی [2] عدالت نے اول یہ قاعدہ بیان کیا کہ بیوہ اس طرح متبنیٰ نہیں لے سکتی کہ قابض آخر کی بیوہ جائداد سے محروم ہو جائے اور اس کے بعد یہ تجویز فرمائی: "یہ کہ رکما بائی کی مرضی سے تبنیت انجام دی گئی تھی اور رضامندی دیتے وقت اس کا یہ منشا تھا کہ وہ تبنیت پوری طرح اثر پذیر ہو۔ چونکہ ایسی رضامندی اور اس منشا سے مکمل کی گئی اس لیے میری یہ رائے ہے کہ تبنیت جائز ہے"۔ بعد کے ایک مقدمے میں واقعات انتھا بنام میو بائی ریڈی [3] کے بالکل مماثل تھے۔ واقعات اتمارام اور سکھارام دو بھائی تھے جن میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اتمارام کا ایک لڑکا گوئند تھا جو اپنے باپ کی زندگی میں گنگا بائی بیوہ کو چھوڑ کر فوت ہوا۔ اتمارام چونکہ لاولد اور بغیر بیوہ کے فوت ہوا اس لیے اس کی جائداد سکھارام پر منتقل ہوئی۔ سکھارام نے من بعد اپنے لڑکے کو
گنگا بائی کو دیا جس نے اپنے متوفی شوہر گوئند کے لیے متبنیٰ کیا۔ تجویز فرمائی گئی کہ ۲۶
چونکہ سکھارام نے تبنیت کے لیے رضامندی دی اس لیے وہ جائداد سے

---

۱۔ راجی بنام گھاما ۶ بمبی صفحہ ۴۹۸ وٹھوبا بنام باپو ۱۵ بمبی صفحہ ۱۱۰ صفحہ ۱۱۹۔ اموا بنام مہادگودا ۲۲ بمبی صفحہ ۴۱۶ صفحہ ۴۱۸۔
۲۔ ۸ بمبی عالیہ عدالت (نظائر مرافعہ) صفحہ ۱۱۴ صفحہ ۱۲۲ و ۱۸۹۔
۳۔ باپو اناجی بنام رتنجی ۲۱ بمبی صفحہ ۳۱۹۔
۴۔ ۸ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۰۸ و ۱۸۸۔

محروم ہوگیا۔ یہ صورت مدراس کے مقدمے میں پیش آئی تھی جہاں یہ قرار دیا گیا کہ باپ کی رضامندی اپنے لڑکے کے حق میں نافذ نہیں ہوسکتی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ خاندان منقسم تھا اس لیے تقسیم شدہ شرکار کی رضامندی مقدمۂ رامناد (اور دوسرے مقدمات جن میں اس کا اتباع پریوی کونسل میں کیا گیا) کی تجویز کے مطابق تھی۔ تاہم یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اسی پر فیصلہ مبنی کیا گیا اور نہ اس کا ادعا فوری بعد کے مقدمے میں کیا گیا۔[ل]

مقدمۂ مذکور میں بھیاجی لڑکا اس کے حین حیات فوت ہوا اور اس کی ایک بیوہ سرسوتی تھی۔ بھیاجی کے انتقال پر پسماندگان میں خود اس کی بیوہ اموا اور اس کی بہو سرسوتی تھی۔ بے شک جائداد اس کی بیوہ اموا کو حاصل ہوئی اور اس کے مرنے پر بھیاجی کے رشتہ داران کو اگر کوئی ہوتے حاصل ہوتی۔ سرسوتی نے اموا کی مرضی سے متبنیٰ لیا۔ تجویز فرمائی گئی کہ تبنیت جائز ہے۔ اس مقدمے میں یہ کھلی بات ہے کہ مرہٹہ قانون کے تحت سرسوتی کے پاس اجازت تبنیت نہیں تھی اور اموا کو اختیار نہ تھا کہ خود اجازت دیتی (دیکھیے ان اصولوں کو جو بمبئی میں ایسی صورت کے لیے قرار دیے گئے ہیں) جسٹس راناڈے یہ عام قاعدہ بیان کیا کہ آخری قطعی مالک کی بیوہ ہی ایسی ہے جو اس کے مالک کے لیے متبنیٰ لینے کا حق رکھتی ہے۔ اور یہ کہ وہ شخص جسے جائداد حاصل ہوتی ہی نہ ہو اس طرح متبنیٰ نہیں لے سکتا کہ فریقین ثالث جن کو جائداد حاصل ہو چکی ہو (بلا ان کی رضامندی کے) اپنے مالکانہ حقوق سے محروم ہو جائیں۔" اس قاعدے کے انھوں نے چار مستثنیات ذیل بیان فرمائے :— (۱) جب متعدد بیوگان میں سے جو اپنے شوہر کی وارث ہوئی ہوں بڑی بیوہ کو دوسروں کی رضامندی کے بغیر شوہر نے اپنے لیے متبنیٰ لینے کا اختیار دیا ہو (۲) اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ لینے کا اس بیوہ کا اختیار جو فوری اپنے شوہر کے بعد وارث نہ ہوئی ہو

ل۔ بیبا بنام اپنا ۲۳ بمبئی ص۳۲۷ ۳۲۹۔ سدپا بنام ننگنگوا ۴۸ بمبئی ص۲۲۴ میں اس کا اتباع کیا گیا۔

بلکہ اس کے ان بیاہے لڑکے کی وارث ہوئی ہو۔ (۳) یہ کہ جب اس فریق کی پوری رضامندی سے جس کو وراثۃً جائداد حاصل ہو چکی ہو متبنیٰ لیا جائے تو ایسی رضامندی سے تبنیت جائز ہو جاتی ہے۔ (۴) چوتھی استثنائی صورت اس سے صراحۃً ملتی جلتی ہے جس پر اوپر بحث کی گئی۔ اور یہ صورت طرز عمل یا سکوت بالرضا سے منظوری کے اصول پر مبنی ہے یا یک سابقہ مقدمے میں جہاں یہ ثابت ہوا تھا کہ رضامندی نہیں دی گئی تھی اسی حاکم نے یہ فرض کر لیا تھا کہ اگر رضامندی دی جاتی تو اس سے ایسی تبنیت جائز ہو جاتی۔[1]

**متضاد نظائر**

۱۹۴ ۔ چند مقدمات ایسے بھی ہیں جن میں اس پر شبہہ ظاہر فرمایا گیا۔ ایک مقدمے میں[2] دھرنی دھر نے تین بیوگان اور ایک بہو چھوڑی۔ یہ بہو مسماۃ دلوبائی چنتامن کی زوجہ تھی جو اپنے باپ کی زندگی میں مر چکا تھا۔ الحاصل دھرنی دھر کے انتقال پر اس کے پسماندہ بیوہ لکشمی بائی کو جائداد حاصل ہو گئی۔ جب کہ وہ قابض تھی دلوبائی نے ۱۸۶۱ء میں مدعی کو اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ کیا۔ ۱۸۶۷ء میں لکشمی بائی کے خلاف ڈگری صادر ہونے کے سبب چنتو نے جائداد کا قبضہ حاصل کیا۔ تب مدعی نے اپنی تبنیت کے استقرار کے لیے نالش کی۔ عدالت نے تجویز فرمائی کہ "دھرنی دھر کے فوت ہوتے ہی اور اس کی جائداد بیوگان پر منتقل ہوتے ہی اس کی بہو دلوبائی کا وراثت کے لیے متبنیٰ لینے کا حق ختم ہو چکا تھا۔" اگر لکشمی بائی اس پر راضی بھی ہوئی ہوتی کہ دلوبائی مدعی کو متبنیٰ لے تب بھی مدعی کا حق دھرنی دھر کے رشتہ داران طرفی کے حقوق کے مقابلے میں بحال نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ وہ لکشمی بائی کی وفات کے سبب اس کے جانشین ہو چکے ہیں۔ اور اگرچہ وہ اغراض روحانی کے لیے راضی بھی ہوئی ہو کہ دلوبائی متبنیٰ لے۔ اور اس کو ۲۶۴

---

[1] گوپال بنام وشنو ۲۳ بمبئی صفحہ ۲۵۰۔

[2] دھرنی دھر بنام چنتو ۲۰ بمبئی صفحہ ۲۵۰ صفحہ ۲۵۸ ۔ و نیز دیکھیے کرشنا راؤ بنام شنکر راؤ ۱۷ بمبئی صفحہ ۱۶۴ ۔ انندی بائی بنام کاشی بائی ۲۸ بمبئی صفحہ ۴۶۱ صفحہ ۴۶۵ ۔

چنچود منندر کا اصل پوجاری تسلیم کرنے کا اقرار بھی کیا ہو (دنوبائی کے متبنّیٰ کی حیثیت سے یا چنتو کے لڑکے کی حیثیت سے جس نے اپنے اس حق کو کہ وہ امین ہے ثابت کر دیا) تب بھی یہ کھلی بات ہے کہ ان واقعات سے غرض وراثت کے لیے ایسی تبنیت جائز نہیں ہو سکتی جو جہاں تک کہ اس سے حقوق جائداد وابستہ ہیں شروع سے ناجائز تھی۔

اس فیصلے کی وجہ سے بعد کے مقدمہ واسدیو وشنو بنام رامچندر ونائک[1] میں اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا۔ واقعات۔ وشنو کی وفات پر اس کے دو لڑکیاں مسماۃ دوارکا اور گودی تھے اور اس کے متوفی بیٹے مسمی ونائک کی بیوہ ساوتری تھی۔ ساوتری نے وشنو کے مرنے کے بعد مدعی کو متبنّیٰ کیا تھا بطور واقع کے یہ ثابت ہوا کہ لڑکیوں نے متبنّیٰ لینے کے لیے رضامندی دی تھی اس رضامندی کے متعلق اجلاس کامل نے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا کیونکہ رضامندی دینے والے لڑکیوں میں سے ایک نابالغ تھی جس کی رضامندی بے شک ناجائز ہے۔ میر مجلس فیارن باپو اناجی بنام رتناجی[2] کے فیصلے میں حاکم تھے انھوں نے اس کو تسلیم کیا کہ مقدمہ مذکور انما بنام منو[3] فیصلہ مدراس سے لاعلم رہ کر صادر کیا گیا تھا وبنیر دھرنی دھر بنام چنتو (جس کا ابھی ابھی اقتباس کیا گیا) کی عدالتی رائے بھی ٢٦٥
نظر انداز کی گئی۔ گودی کی کم سنی کی وجہ سے باقی اشخاص کی رضامندی اور اس کے نتیجے پر غور کرنا غیر ضروری تھا۔ اگرچہ صاحب موصوف نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ پریوی کونسل کے کسی فیصلے سے اس مسئلے کی یکسوئی نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ بہرصورت بالغ ہونے کے بعد نابالغ کا اس تبنیت کو منظور کرنا بے سود تھا۔ بروقت وقوع تبنیت یا تو جائز ہونا چاہیے یا ناجائز اور اس کو بعد کے کسی واقعے سے جائز نہیں کیا جا سکتا۔ جسٹس راناڈے نے

[1] ۲۲ بمبئی صفحہ ۵۵۱۔
[2] ۲۱ بمبئی صفحہ ۳۱۹۔
[3] ۸ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۰۸۔

یہ ظاہر فرمایا کہ مکمل رضامندی سے تبنیت جائز ہوسکتی ہے۔ "رسوم کے وقت محض حاضر رہنا اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنے سے سکوت بالرضا مستنبط ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ قرار دیا گیا ہے کہ محض خاموشی رضامندی نہیں ہے۔"

**ف ۱۹۵**:- رضامندی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ رضامندی جس کی وجہ سے تبنیت شروع سے تمام دنیا کے مقابلے میں جائز ہوتی ہے۔ اور دوسری وہ جس سے اس کا مدعی فریق اس کی مخالفت کرنے سے منع کیا جاتا ہے (ف ۱۶۰)۔ یہ امر واضح نہیں ہے کہ آیا مقدمات مذکور الصدر میں حکام عدالت کے ذہنوں میں یہ امتیاز موجود تھا۔ شروع سے تبنیت کو جائز بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بیوہ کو کامل اور کافی اختیار حاصل ہو۔ یعنے ایسا اختیار جس پر وہ اس وقت عمل کر سکتی تھی جبکہ اس کو استعمال کیا گیا۔ اگر بمبئی کی عدالتوں نے صحیح طور پر یہ قرار دیا ہے کہ مغربی ہند میں بیوہ اپنے صوابدید پر صرف اس وقت متبنّیٰ لے سکتی ہے جبکہ جائداد خود اس کو حاصل ہوئی ہو۔ (اور جب وہ متبنّیٰ لیتی ہے تو کسی اور کے حقوق پر اثر نہیں پڑتا بلکہ صرف خود کے اور شریک بیوگان کے حقوق پر اثر پڑتا ہے) تب دوسری ہر صورت میں ایسی اجازت ضروری ہوگی جو مدرس کی بیوہ کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔ اس کو ایسی اجازت سوائے اس کے شوہر یا خسر یا ذکور سپنڈ کے کوئی نہیں دے سکتا۔ اگر اس نے ایسی اجازت حاصل نہ کی ہو تو اس کو کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کی انجام دی ہوئی تبنیت محض باطل ہے اور ہر قسم کی رضامندی بے کار ہوگی۔"[له]

سوال پر بحث کی گئی

اسی قسم کی دشواری پریوی کونسل کے ان فیصلہ جات میں بھی پیدا ہوگی جو مسلسل مقدمہ بھوبن موئی کے بعد سے صادر کیے گئے ہیں (ف ۱۱۵)۔ پریوی کونسل کے ان فیصلوں سے یہ بات قائم ہوتی ہے کہ اختیار تبنیت اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب کہ جائداد کے پے در پے انتقال کی وجہ سے قابضان جائداد

له۔ انندی بائی بنام کاشی بائی ۲۸ بمبئی صـ۴۶۱ ۔

وہ اجازت دینے والے کا وہ تعلق باقی نہ رہے جس سے وہ ان کے حقوق پر اثر ڈالنے کا مجاز ہوسکتا تھا۔ اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ وہ اجازت بالکل جائز تھی سبب کہ وہ دی گئی تھی۔ بھیا مل بنام وینکٹ رام ایّن میں یہ استدلال کیا گیا کہ وہ تبنیت بالکل درست ہوسکتی ہے اگرچہ شخص نے بعض کے خلاف وہ بے اثر تھی۔ جوڈیشل کمیٹی نے اس استدلال کو نامنظور کیا اور تبنیت کو ہر مقصد کے لیے جائز تصور فرمایا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک قطعی باطل تعلق کے لیے رضامندی ظاہر کرنے سے (جس فعل کی رضامندی دینے والا فریق اجازت دے نہیں سکتا) اس فعل کو جواز حاصل نہیں ہوتا اگرچہ رضامندی والا فریق اس کی ناجوازی پر اصرار کرنے سے منع کیا جاسکتا ہے۔ سب سے آخر میں اگر رضامندی کو اجازت کے مماثل سمجھنا ممکن ہو تو یہ ثابت کرنا ضروری ہوگا کہ رضامندی دینے والا فریق یہ جانتا تھا کہ تبنیت بلا رضامندی کے بے اثر تھی ورنہ یہ کہ اس نے جائز فعل کے لیے رضامندی نہیں دی بلکہ ایک خلاف قانون فعل کے لیے۔ اکثر مقدمات جن میں رضامندی تبنیت سے متصور ہو ۔۔۔ سمجھی گئی یہ فرض کر لینے کے لیے کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوئی کہ خود اس کے جواز پر شبہہ کیا گیا تھا۔ [حالیہ نظائر اس تبنیت کے متعلق جو بیوہ نے انجام دی ہو:- اگر شوہر وفات کے وقت علیحدہ ہوچکا تھا تو بیوہ صرف امور ہائے ذیل میں متبنیٰ لے سکتی ہے۔ (الف) اگر اس کا شوہر لاولد فوت ہوا ہو۔ اور (ب) اگر اس کے شوہر نے لڑکا چھوڑا ہو اور یہ لڑکا مرنے پر اس کی ماں وارث ہو[۳]۔ ان دونوں صورتوں میں جائداد کی قابض بیوہ ہوتی ہے۔ لہٰذا صرف اس وقت بیوہ اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ لے سکتی ہے جب کہ ایک یا دوسری حیثیت میں جائداد اس کو ملے۔ ایسی صورت میں وہ سوائے

---

۱۔ مرافعہ جات ہند ۔۔۔ صدر کورٹ۔ مدراس صفحہ ۔۔۔
۲۔ رگھوناتھ بنام برجو کشور ۔۔۔ مرافعہ جات ہند ۔۔۔ ۱۹۱۰ مدراس ۔۔۔
۳۔ ملّیا بنام ہنمیا ۱۹۲۳ء ۔۔۔ بمبئی صفحہ ۲۹۶

خود کے کسی اور کو محروم نہیں کرتی۔ بمقدمہ پرتاب سنگھ بنام اگر سنگھجی[1] پریوی کونسل نے فرمایا: "بیوہ کا حق تبنیت اس پر منحصر نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی جائداد کی ایک ہندو عورت کی حیثیت سے وارث ہو وہ اس اختیار کو بر وقت استعمال کر سکتی ہے تا ایں کہ وہ ساقط ہو جائے یا ختم ہو جائے اگرچہ جائداد اس کو حاصل نہیں ہوئی تھی"۔ اس قاعدے کا آخری جزو صور تہائے ذیل سے متعلق ہے (الف) جب زمینداری ناقابل تقسیم ہو اور لاولد شوہر بیوہ کو مجاز تبنیت صراحتہً کرے جیسا کہ سری راگھوناد بنام سری بروزو کشور میں (ب) جب بیوہ جس کا شوہر وفات کے وقت مشترک تھا اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ لے جیسا کہ بچو بنام منکوری بائی میں اور یادو بنام نام دیو میں[2]۔ (ج) جب شوہر جیوائی عطیے کا مستحق ہو جو صرف اولاد ذکور پر منتقل ہوتا ہے اور بیوہ متبنیٰ لے جیسا کہ پرتاب سنگھ بنام اگر سنگجی میں ان کل صورتوں میں تبنیت جائز ہے اگرچہ بر وقت تبنیت بیوہ قابض جائداد نہیں ہے واقعہ تو یہ ہے کہ ان صورتوں میں اس کو جائداد حاصل ہو ہی نہیں سکتی اگر اولاد ذکور نہ ہو تو خاندان کی دوسری شاخ میں جائداد منتقل ہوتی ہے اور مکسوبہ جائداد بیوہ پر منتقل ہوتی ہے اگر لڑکا لاولد اور ان بیاہا فوت ہو تو محض یہ واقعہ کہ وہ بالغ ہو چکا تھا (یعنے اٹھارہ سال کا ہو چکا تھا) یا ایں کہ وہ رسوم ادا کرنے کے قابل ہو چکا تھا (یعنے پندرہ سال کا) بیوہ کے اس حق پر کہ وہ اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ لے سکتی ہے اثر نہیں ڈالتا اور نہ اس کا وہ حق ختم ہوتا[3]۔ پٹنے کے ایک حالیہ مقدمے میں[4] جہاں رواجاً اناث وارث

از مترجم

از مترجم

[1] دیکھئے ۱۹۱۶ء ۔ ۴۶ مرافعہ جات ہند ص ۹۷ ۔

[2] ۴۳ مرافعہ جات ہند ص ۱۰۷ ۔ اور ۱۹۲۱ء ۴۸ مرافعہ جات ہند ص ۵۱۳ ۔

[3] ٹرپورمبا بنام وینکٹ رتنم ۱۹۲۳ء ۴۶ مدراس ص ۴۲۳ ۔ انجیرا بائی بنام پانڈورنگ ۱۹۲۴ء ۴۸ بمبئی ص ۴۹۲ ۔

[4] امیر ندر بنام نبا ملی ۱۹۳۱ء جلد ۱۰ پٹنہ ص ۱ ۔

نہیں ہو سکتے یہ قرار دیا گیا کہ صورت مذکور الصدر میں بیوہ متبنیٰ نہیں لے سکتی عام اس سے کہ جائداد مشترکہ ہو یا منقسمہ ۔ بمبئی میں جب بیوہ گوترا جا سپند کی حیثیت سے وارث ہو تو وہ اپنے شوہر کے لیے متبنیٰ نہیں لے سکتی[۱]۔

**خاندان مشترک اور تبنیت بیوہ**

(از مترجم) جب مثاکشرا ہند و خاندان کا شریک بیوہ کو تبنیت کی اجازت دے کر فوت ہو اور بیوہ متبنیٰ لے یا مدراس اور بمبئی میں بیوہ شرکا کی رضامندی سے بیوہ لے تو متبنیٰ کو خاندانی جائداد میں فوراً حق حاصل ہو جاتا ہے بشرطیکہ بروقت تبنیت خاندان ہنوز مشترک ہو[۲] لیکن اگر تنہا یا قیماندہ شریک کی جائداد اس کے ورثا کو ملنے کے بعد متبنیٰ لیا جائے[۳]۔ یا اگر ایسے شریک نے اس جائداد کو بیع یا رہن یا ہبہ کر دیا ہو اور بعد متبنیٰ لیا جائے[۴] تو تبنیت ناجائز ہو گی کیونکہ شراکت ختم ہو جانے سے جائداد شراکتی بھی معدوم ہو جاتی ہے]۔

**پسر متبنیٰ کی جائداد پر قیود کس حد تک جائز ہیں**

**دفعہ ۱۹۶** ۔ بنگال میں دیا بھاگ قانون کے تحت باپ کو اپنی جائداد منتقل کرنے کا قطعی اختیار حاصل ہے اس وجہ سے وہ بیوہ کو اجازت تبنیت دیتے ہوئے یہ بھی ہدایت کر سکتا ہے کہ بیوہ کی جائداد میں اس کے حین حیات مداخلت نہ ہونی چاہیے ۔ یا حقیقتہً وہ کوئی اور شرط بھی لگا سکتا ہے جو اس حق سے مغائر ہو جس کو متبنیٰ صورت دیگر میں حاصل کرتا ہو[۵]۔

---

[۱] یکیا تخو بنام لکشمی بائی ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ۳ لنگر وا بنام رودرپا ۱۹۲۸ء ۵۲ بمبئی ص ۲۹۳ ۔
[۲] ہیرالال بنام پیارے لال ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد ص ۵۳ ۔
[۳] شیو بسپا بنام نیلوا ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ص ۱۱۰ ۔
[۴] دیرنا بنام سبا ۱۹۲۹ء ۵۲ مدراس ص ۳۹۸ ۔
[۵] رادھا موہنی بنام جدب نارائن فیصلہ جات صدر دیوانی ۱۸۵۵ء ص ۱۳۹ پرسنو موئی بنام رام سندر ۱۸۵۹ء ص ۱۶۳ بپین بہاری بنام برج ناتھ موکھوپدیایہ کلکتہ ص ۲۵۷ بھینڈ را کرشنا گھوش بنام امرندرا ناتھ دے ۲ ہم مرافعہ جات ہند ص ۱۲ ۴۴ کلکتہ ص ۴۳۲ ۔

ان صوبہ جات میں جو مٹاکشرا قانون کے تابع ہیں لڑکے کو اپنے باپ کی موروثی جائداد میں پیدائش سے حق محصلہ ملتا ہے۔ لہذا کوئی شخص جس نے ایک مرتبہ غیر مشروط اور مکمل تبنیت انجام دی ہو اس کے اثر سے گریز نہیں کر سکتا۔ نہ تو اس کو بے اثر کرنے کے لیے کوئی دستاویز کام دے سکتی ہے اور نہ وصیت بجز اس کے کہ حالیہ فیصلوں کے مطابق جائداد ناقابل تقسیم ہو۔[1] لیکن جب کہ ایک شخص نے اپنی جائداد کے ایک جزو کو منتقل کیا (جو بر وقت تکمیل انتقال جائز تھا) اور ایک لڑکے کو اسی معاملے کے ضمن میں متبنیٰ لیا۔ متبنیٰ لڑکے کا حقیقی باپ وصیت نامے کے شرائط سے

۲۶۷ واقف تھا اور ان شرائط کے متعلق اس نے رضامندی بھی ظاہر کی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ موصی اس رضامندی کے بغیر تبنیت مکمل نہیں کرے گا۔ قرار دیا گیا کہ یہ وصیت نامہ متبنیٰ لڑکے کے خلاف جائز تھا۔[2] البتہ اگر کسی وصیت سے موصی کی کل جائداد دے دی گئی ہو اور متبنیٰ لڑکے کے لیے کوئی انتظام اس وصیت میں نہ کیا گیا ہو تو ظن غالب یہ ہے کہ تبنیت مابعد سے وصیت مسترد ہو جائے گی۔[3] بمبئی میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو تبنیت میں دیتے وقت صراحتہً بیوہ سے یہ معاہدہ کرے کہ وہ حین حیات قابض جائداد رہے (اور

---

[1] ۔ سرباج کنواری بنام دبوراج کنواری ۱۵ مرافعہ جات ہند صد ۵ ۔ ۱۰ الہ آباد صد ۲۷۲ وینکٹ سرباہمی پتی بنام کورٹ ۲۶ مرافعہ جات ہند صد ۵۳ ۔ ۲۲ مدراس صد ۳۸۳ ۔

[2] ۔ لکشمی بنام سبرامنی ۱۲ مدراس صد ۴۹۰ نارائن سامی بنام راماسامی ۱۴ مدراس صد ۱۷۲ اگنیتی این بنام ساونتری ۱۲ م ۱۵ ۔ ونائک نارائن بنام گوبند راؤ چنتامن ۶ بمبئی عالیہ عدالت نظائر مرافعہ صد ۲۲۴ ۔ بسوا بنام لنگنگڈا ۱۹ بمبئی صد ۴۲۸ ۔ کالی داس بنام بیجائے شنکر ۱۳ الہ آباد صد ۳۹۱ لیکن بالکرشنا موتی رام بنام سری اترنرائن دیو ۴۳ بمبئی صد ۵۴۲ میں یہ قرار دیا گیا کہ مذہبی خیرات کے لیے جائداد کا محفوظ کرنا دھرم شاستر سے اس کی تائید نہیں ہوتی اگرچہ متقدار نا واجبی نہ ہو۔

[3] ۔ تجویز میر مجلس کا دج ۶ بمبئی عالیہ عدالت صد ۲۳ جس میں پنڈت کا فتویٰ بھی بیان کیا گیا ہے۔ مور صد ۳۲۰ ۔

بیوہ صرف ان شرائط پر لڑکے کو قبول کرے) تو اس معاہدے کی پابندی لازم ہوگی کیونکہ فطری ولی کو قانوناً ایسے اختیارات حاصل ہیں اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ معاہدہ بھی ان اختیارات کے تحت کیا گیا[1] لیکن اگر اس معاہدے کے شرائط نا واجبی ہوں تو وہ ناجائز سمجھے جائیں گے۔ مثلاً اگر ان شرائط سے بیوہ اپنے لیے ان اختیارات کو استعمال کرنے کی مجاز ہوتی ہو بلکہ اپنی لڑکی یا بھائی کے مفاد کے لیے[2] [اگر متبنیٰ گیرندہ کے حین حیات تبنیت ہوئی ہو اور حین حیاتی یا کوئی اور حق بذریعہ دستاویز عطا کیا جائے تو یہ ضروری ہے کہ اس دستاویز کی رجسٹری کرائی گئی ہو[3]] ایک مقدمے میں جو پریوی کونسل کے ملاحظے میں تھا اس قسم کے معاہدے اور اس کے اثر پر بہت بحث تو کی گئی لیکن تصفیہ نہیں کیا گیا کمیٹی نے اس سے زیادہ تصفیہ کرنے سے انکار فرمایا کہ ایسا معاہدہ کلیتہً باطل نہیں ہے اور لہذا نابالغ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد اس کو منظور کر سکتا ہے[4]۔

بعد کے ایک مقدمے میں کمیٹی نے اس قسم کے معاہدے کے خلاف کافی رجحان ظاہر فرمایا گو واقعات مخصوص تھے۔ واقعات۔ مہاراجہ بلرام پور نے اپنی بیوہ کو "رواج خاندان اور دھرم شاستر کے مطابق لڑکا متبنیٰ کرنے کی ۲۶۸ اجازت دی اور حکم بھی دیا متبنیٰ لڑکے کو حقیقی لڑکے کا واقعی جانشین کل ریاست کا اور جملہ سرمایہ منقولہ و غیر منقولہ کا مالک" کیا گیا۔ بیوہ کے نفقے کا انتظام بھی کیا گیا۔ بیوہ نے تبنیت کا انتظام کیا۔ اور متبنیٰ ہوئے لڑکے کے باپ سے یہ تحریر

[1] چینگو رگھونا تھ بنام جنا کی جلد ۱۱ بمبئی عالیہ عدالت صـ۱۹۹ بمقدمہ راؤجی ونائک راؤ بنام لکشمی بائی ۱۱ بمبئی صـ۸۱ صـ۳۹۸ میں اتباع کیا گیا ایسے انتظام کے اثر کے متعلق دیکھئے انتاجی بنام دتاجی ۱۹ بمبئی صـ۳۶۔

[2] ویاس چاریا بنام ونکوبائی ۳۰ بمبئی صـ۲۵۱۔

[3] پیر صاحب ولد قاسم صاحب بنام گرپا پسیا ۳۸ بمبئی صـ۲۲۷ (ترمیم از مترجم نوٹ صـ۲۶۷ کے دو حصے کیے گئے۔

[4] راما سامی بنام ویکٹ رامائن ۶ مرافعہ جات ہند صـ۱۹۶۔ ۲ مدراس صـ۹۱۔

حاصل ہی کہ اس کو (بیوہ کو) حین حیات سابق مہاراجہ کی چھوڑی ہوئی جائداد پر پورا پورا قابو حاصل رہے گا۔ بعد کی دستاویز تبنیت میں نہ تو اس قسم کی کوئی شرط تھی اور نہ تبنیت کے وقت کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس شرط کا پتا چلتا تبنیت کے بعد بیوہ نے دوسری دستاویز جاری کی جس کا مطلب یہ تھا کہ دستاویز تبنیت مسترد کی گئی۔ اور اس دوسری دستاویز کا یہ سبب بیان کیا کہ اس میں یہ درج ہونا چاہیے تھا کہ متبنیٰ لڑکے کا حق بیوہ کی وفات تک ملتوی رہے گا۔ لارڈ میاکناٹن نے فرمایا:۔ "اس کی تفہیم دشوار ہے کہ گامن سنگھ کا اعلان یا اس کا معاہدہ کرنا۔ اگر وہ معاہدہ ہوتا کیونکہ متبنیٰ لڑکے کے ان حقوق پر جو اس کے اختیارات پدری کے ختم ہونے کے بعد پیدا ہوتے ہیں اثر ڈال سکتا ہے یا اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے مراسم تبنیت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دستاویز تبنیت پر عذر کرنے کی گنجائش نہیں لہٰذا دستاویز ثانی مسلمہ طور پر ناقابل نفاذ ہے تبنیت پر شرائط نہیں عائد کیے گئے تھے۔ اگر صورت دگرگوں ہوتی تو اس ملک کے عدالتہائے نصفت کے ان نظریوں سے جو اختیارات تقرر (powers of appointment) کے متعلق رائج ہیں مشابہت پیدا کر کے شاید یہ کہہ سکتے تھے کہ اس صورت میں بھی تبنیت جائز ہوگی اور شرائط ناجائز و باطل[1]۔"

**حالیہ نظائر**

کرشنا مورتی بنام کرشنا مرتی ۱۹۲۷ء ۵۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۴۸ میں مسئلہ مذکور پریوی کونسل کے ملاحظے میں آیا۔ تجویز فرمائی گئی کہ عدالتی فیصلہ جات کے اتفاق کا لحاظ کرتے ہوئے [بجز مقدمہ جگنادہ بنام پاپما ۱۶ مدراس صفحہ ۴۰۰ ۱۸۹۳ء] اگر معاہدے کی وجہ سے متبنیٰ گیرندہ باپ کی بیوہ اس کی جائداد سے اپنے حین حیات یا کسی کم مدت کے لیے استفادہ کرنے کی مجاز قرار دی گئی ہو اور قبل تبنیت حقیقی باپ اس انتظام پر راضی ہو گیا ہو تو ایسی تبنیت ر واجباً جائز سمجھی

از مترجم

[1] بھیا ریدرت سنگھ بنام اند کنور ۱۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۳ صفحہ ۵۹ ۔ ۱۲ کلکتہ صفحہ ۵۵۶ ۔

جا سکتی ہے[1]۔

عالیہ عدالت مدراس نے متعدد مقدمات میں ایسے معاہدے کو جائز تسلیم کرنے سے انکار فرمایا ہے[2]۔ وہی سوال عالیہ عدالت مدراس کے ملاحظے میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوا حالات اور واقعات جگنا د بنام پاپما کے بالکل مماثل تھے۔ اس مقدمے میں اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا۔ اجلاس کامل نے فیصلۂ ذیل صادر فرمایا۔ یہ کہ اگر یہ معاہدہ تبنیت سے قبل کی بات چیت کا جزو تھا اور دستاویز تبنیت میں اگر اس کو شامل کر دیا گیا تھا تو باپ کے ان اختیارات کے اندر تھا جو اس کو اپنے بیٹے کے ولی کی حیثیت سے حاصل ہیں اور جن کی وجہ سے وہ بیٹے کو تبنیت میں عطا کر سکتا ہے۔ اس معاہدے کا بیٹا بھی پابند ہوگا بشرطیکہ "معاہدہ متعلق بہ جائداد بہ ذات خود مناسب اور رواجبی ہو اور معاہدہ تبنیت کا جزو ہونے کے باعث اس سے نابالغ کو فائدہ ہوتا ہو ۲٦٩ بہ ایں سبب کہ تبنیت کی تکمیل صرف اسی شرط پر حصر کی گئی تھی"۔ لارڈ میکناٹن کے ان الفاظ کے متعلق جن کا اوپر اقتباس کیا گیا یہ بتلایا گیا کہ جوڈیشل کمیٹی کے مقدمے میں معاہدہ قبل تبنیت ہوا تھا۔ دستاویز تبنیت میں اس کو شریک نہیں کیا گیا۔ نہ بروقت تبنیت اس کی طرف اشارہ کیا گیا اور سب سے آخر میں غرض نالش یہ نہ تھی کہ معاہدہ نافذ کرایا جائے بلکہ تنسیخ تبنیت کا چارۂ کار اختیار کیا گیا تھا[3]۔

---

[1] - نیز دیکھیے درگی بنام کنیا ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد صـ۵۷۹ ۔

[2] - نارائنا بنام سوابھادی فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۴ء صـ۱۱۷ لکشمن راؤ بنام لکشمی امل ۴ مدراس صـ۱٦۰ ۔ جگناد بنام پاپما ۱٦ مدراس صـ۴۰۰ ۔

[3] - ویساکھی بنام سیوار بن ۱۹۰۴ء ۲۷ مدراس صـ۵۷۷ صـ۵۸۵ اجلاس کامل پنچرن مجمدار بنام بنائے کرشنا بنرجی ۷ کلکتہ لا جرنل صـ۲۷۴ ۔

**عدالت ہائے مدراس**

راجو بنام ناگل ۱۹۲۹ء مدراس صفحہ ۱۲۸ میں عدالت مدراس نے تجویز فرمائی ہے۔ اگر متبنیٰ گیرندہ ماں اور حقیقی باپ میں معاہدہ ہو کہ شوہر کی جائداد کا ایک حصہ اس کے قطعی استعمال اور استفادہ کے لیے محفوظ رہے گا اور یہ کہ اس کو اس حصے پر انتقال کے اختیار بھی حاصل ہوں گے تو ایسا معاہدہ جائز ہے اور متبنیٰ بھی اس معاہدے کا پابند ہوگا اگر وہ معاہدہ مناسب۔ واجبی اور اس کے لیے مفید ہو۔ اور یہ کہ اصول ۲۷ مدراس پر پریوی کونسل کی اس تجویز کا کوئی اثر نہیں پڑتا[1]۔

**ترجمہ**

اگر خود متبنیٰ لڑکا بالغ ہونے کے بعد بذریعہ معاہدہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائے اور وہ حقوق بیوہ کو دیدے تو ایسا معاہدہ جائز ہوگا[2]۔ ورتبنیت کے بعد وہ متبنیٰ گیرندہ خاندان میں اپنے کل حقوق سے دست بردار ہو جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے اس کی یہ حیثیت کہ وہ متبنیٰ ہے تلف نہ ہوگی اور نہ وہ اس حالت پر عود کر سکتا ہے جو اس نے اپنے حقیقی خاندان میں چھوڑ آیا ہو۔ اس کے دست بردار ہونے پر وارث مابعد اس کی جگہ آئے گا[3]۔

**تاریخ تبنیت سے حقوق شروع ہوتے ہیں**

وفعہ ۱۹۷۔ جب بیوہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد متبنیٰ لے تو دوسرا مسئلہ جو ایسی صورت میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ متبنیٰ لڑکے کے حقوق کا آغاز کس تاریخ سے ہوگا۔ یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ ایسے لڑکے کو اس لڑکے کے مماثل سمجھنا چاہیے جو بعد وفات پدر

---

[1] ۔ مدراس صفحہ ۔

[2] مسماۃ تارانی بنام دینا ناتھ ۳ صدر دیوانی صفحہ ۳۸۷ صفحہ ۵۱۲۔ جلد ۲ ڈبلیو ٹی صفحہ ۱۸۳ مسماۃ جنگوتی بنام چودھری بھولانا تھ ۱۵ مدر لینڈ صفحہ ۲۳ کاشی بائی بنام تاتیا ۔ ۷ بمبئی صفحہ ۲۲۸ ۔

[3] ۔ روپ چند بنام جھنکر جلد ۲ لورڈیل صفحہ ۶۵۲ صفحہ ۲۶۲ صفحہ ۶۶۵ صفحہ ۱۳ء بہادر سنگھ بنام راجو۔ مدراس ۱۹ ء صفحہ ۲۳۹ ۔

پیدا ہو۔ اور یہ کہ اس کے حقوق شروع ہونے چاہئیں جب کہ بیوہ کو تبنیت کی اجازت دی گئی تھی۔ایسی صورت میں یہ سمجھا جانا چاہیے کہ تاریخ اجازت پر اس کا حمل قرار پاچکا تھا۔

اس مسئلے پر بنگال صدر عدالت کے ایک فاضلانہ اور وسیع فیصلے میں جملہ اسناد کی بسیط جانچ کی گئی اِس فیصلے کے خلاف مرافعہ کیا گیا اور پریوی کونسل نے اس فیصلے کو من و عن اختیار کر لیا اور اس کو مختتم سمجھا جاسکتا ہے[۱] اس مقدمے میں تصفیہ طلب مسئلہ یہ تھا کہ آیا وہ بیوہ جس نے متبنیٰ لینے کی اجازت حاصل کی تھی اپنے شوہر کی جائداد کے لیے خود اپنے حق کی بنا پر نالش نہیں کرسکتی تھی؟ استدلال یہ کیا گیا کہ اس کو حاملہ بیوہ سمجھنا چاہیے اور یہ کہ وہ صرف اس لڑکے کی جانب سے نالش کرسکتی ہے جو اس کو پیدا ہونے والا ہے۔ عدالت نے ایسی خیالی تشبیہ پر فیصلہ کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ قرار دیا گیا کہ گو متبنیٰ ہونے کے بعد لڑکا حقیقی لڑکے کے پورے حقوق کے ساتھ فوراً داخل ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس کے حقوق کے شمار اس سے قبل کے زمانے سے نہیں کیا جاسکتا۔ متبنیٰ کیے جانے تک یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہرگز متبنیٰ نہ کیا جائے۔ اور جب متبنیٰ کر لیا جائے تو اس کی فرضی پیدائش (جدید خاندان میں) اس وقت سے قبل کی نہیں سمجھی جاسکتی۔ تاہم یہ فرض نہ کر لینا چاہیے کہ متبنیٰ لڑکے کو ان تمام معاملات میں لازماً سکوت اختیار کرنا پڑے گا جو اس جائداد کے متعلق متبنیٰ گیرندہ باپ کی وفات اور اس کی تبنیت کے درمیان ہوئے ہوں۔ ان افعال کے جواز کا فیصلہ اولاً تو خود ان کی نوعیت کے لحاظ سے کیا جانا چاہیے اور ثانیاً یہ دیکھنا چاہیے کہ جن اشخاص کا وہ قائم مقام ہوا ہے ان کے حق متعلق بہ جائداد کی کیا نوعیت تھی۔

کس حد تک وہ بیوہ کے سابقہ افعال پر معترض ہوسکتا ہے

[۱] ۔ بانداس بنام تارینی صدر دیوانی ۱۸۵۰ء صفحہ ۵۳۳ ۔ ۷ مور صفحہ ۱۶۹ جلد ۳ مور صاحب کے ڈائجسٹ صفحہ ۱۸۶ پر جو نظائر مجتمع کیے گئے ہیں دیکھے جائیں۔ نارائن مل بنام کنور نرائن ۵ کلکتہ صفحہ ۲۵۱ میجت بنام لکشمن ۵ بمبئی صفحہ ۶۳ ۔

جب وہ شخص جیسا کہ اکثر ہوتا ہے عورت ہو (مثلاً بیوہ ۔ لڑکی یا ماں) تو اس کا حق متعلق بہ جائداد محدود ہوتا ہے۔ بالعموم اس جائداد پر قیود عائد ہوتے ہیں جو وراثتہً ایک مرد سے عورت کو حاصل ہو۔ یہ قیود تبنیت سے قطع نظر موجود رہتے ہیں اور ان کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تبنیت کا صرف یہ اثر ہوتا ہے کہ ان افعال پر بطور جائز معترض ہونے والا ایک آ موجود ہوتا ہے اور تبنیت نہ ہونے کی صورت میں اس عورت کے مرنے تک اس کا شخص ہوتا ہی نہیں اگر اس نے جائداد پر مواخذہ عائد کیا ہو یا اپنے اختیارات قانونی سے ماورا انتقالات مکمل کیے ہوں تو متبنیٰ لڑکا فوراً انھیں منسوخ کر سکتا ہے۔ اگر وہ اس کے اختیارات کے اندر اندر ہوں تو متبنیٰ ان کا اسی طرح پابند ہوگا جیسا کہ کوئی اور وارث ہوتا[1] اور وہ ان معاملات کا بھی پابند ہوگا جو ان اشخاص کی رضامندی سے انجام دیے گئے ہوں جو انتقال کے وقت ممکنہ ورثا تھے اور جو اس معاملے کو جائز کرنے کے قانوناً مجاز تھے۔ ایسی صورت میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا کہ وہ کلیتہً اس کے اختیارات کے اندر نہ تھے[2]۔

ایک مقدمے میں اس سے بھی زیادہ تجاوز کیا گیا۔ واقعات۔ ایک بیوہ نے ۲۷۱
اپنے شوہر کی اجازت کے تحت ایک لڑکے کو متبنیٰ کیا۔ وہ اس کے (متبنیٰ)

---

۱۔ کشن موتی بنام ادونت ۳ صدر دیوانی صفحہ ۲۲ صفحہ ۱۰۴۔ رام کشن بنام استری متی ایضاً صفحہ ۳۶۷ صفحہ ۴۸۹ ۔ ۷ مور صفحہ ۱۷۰ میں توضیح کی گئی۔ درگا سندری بنام گوری پرشاد سنہ ۱۸۵۶ء صدر دیوانی صفحہ ۱۷۰۔ ہری ناتھ رائے بنام رتن ملا سنہ ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۱ تھ مانک ملا بنام پربنی ایضاً صفحہ ۵۱۵ لکشمن راؤ بنام لکشمی ایل ۴ مدراس صفحہ ۱۶۰ ۔ ۸ مور صفحہ ۴۴۳ لکشمن بھاؤ بنام رادھا بائی ۱۱ بمبئی صفحہ ۶۰۹۔ آتاجی بنام ونا جی ۱۹ بمبئی صفحہ ۳۶ مور ونارائن بنام بالاجی رگھو ناتھ ایضاً صفحہ ۸۰۹۔

۲۔ راج کرسٹو بنام کشوری ۳ سدرلینڈ صفحہ ۱۴۔ نیز دیکھیے بجرنگی بنام منوکرنیکا بخش سنگھ ۳۰ الہ آباد صفحہ ۱ پریوی کونسل۔

وارث کی حیثیت سے جانشین ہوئی اور ایک جائداد منتقل کرنے کے بعد دوسرے لڑکے کو تبنیت میں لی۔ عدالت نے یہ قرار دیا کہ وہ انتقال اس دوسرے متبنیٰ لڑکے کے خلاف بالکل درست ہے اور باقی رہے گا[1]۔ اس انتقال کی ضرورت اور مناسب ہونے پر جستجو نہیں کی گئی اور فیصلہ صادر کیا گیا۔ مقدمہ چندر بولی کی سند پر اس فیصلے کو حصر کیا گیا تھا[2]۔ شاید عدالت کو اس کا خیال آیا ہی نہیں کہ ماں کو ایک محدود حق سے زیادہ ملتا ہی نہیں اور وہ اسی نظیر کے لحاظ سے جس کا حوالہ دیا گیا بہ وجہ تبنیت ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا لڑکے کو وہ کل حقوق حاصل ہو گئے جو بطور جائز منتقل نہیں ہوئے تھے یا جو اس جائداد کے دوران میں زیر بار تھے[3]۔

علیٰ ہذا عالیہ عدالت مدراس نے ایک مقدمے میں[4] یہ قرار دیا ہے کہ ان انتقالات کو جو بیوہ نے اختیار تبنیت کو کام میں لانے سے قبل مکمل کیے ہوں متبنیٰ لڑکا اس کے حین حیات منسوخ نہیں کر سکتا۔ یہ فیصلہ نظریۂ ذیل پر مبنی کیا گیا تھا۔ یہ کہ قبل تبنیت بیوہ کا قبضۂ جائداد اس نوع کا ہوتا ہے کہ وہ اس کو (الف) ضروری اغراض کے لیے دواماً منتقل کر سکتی ہے۔ اور (ب) اپنی بیوگی کے زمانے میں ان اغراض کے لیے بھی منتقل کرنے کی مجاز ہوتی ہے جو ضروری نہ ہوں۔ تجویز فرمائی گئی کہ متبنیٰ لڑکا ہر انتقال کا اسی حد تک پابند ہے جس حد تک کہ وہ انتقال جائز تھا۔ عدالت بمبئی نے

---

۱۔ گوبند ناتھ بنام رام کنائے ۲۴ سدر لینڈ صفحہ ۱۸۳ کالی پرسنو بنام گوکل چندر ۲ کلکتہ صفحہ ۳۰۔ عدالتی رائے سے یہ فیصلہ بحال رہا۔ دیکھیے تجویز عدالت ۱۱ بمبئی صفحہ ۶۱۴۔

۲۔ بھوبن موئی بنام رام کشور جلد ۱۰ مور صفحہ ۲۷۹۔ ۳ سدر لینڈ پریوی کونسل صفحہ ۱۵ و ۱۷۲۔

۳۔ بیوہ کی جائداد کے دوران میں جو افعال انجام دیے جائیں ان کے اثر کے متعلق دیکھیے صفحہ ۶۲۵۔ اور اس ڈگری کے نتیجے کے متعلق جو قبل تبنیت بیوہ کے خلاف صادر ہوئی ہو مقدمہ ہری سرن مترا بنام بھوبنسواری ۱۵ امراتعہ جات ہند صفحہ ۱۹۵۔ ۱۶ کلکتہ صفحہ ۴۰۔

۴۔ سری رالمو بنام کرشتما ۲۶ مدراس صفحہ ۱۴۳ صفحہ ۱۴۸۔

اس فیصلے کا اتباع نہیں کیا۔[1] اور عدالت مدراس کے اجلاس کامل نے بھی اس کو صراحتہً منسوخ فرمایا ہے۔[2] اب اس کو قطعی قانون سمجھا جاسکتا ہے کہ (الف) اگر بیوہ ان اختیارات سے تجاوز کرے جو قانون نے اسے عطا کیے ہیں تو اس کے افعال کو بعد کا متبنٰی کیا ہوا لڑکا تاریخ تبنیت سے منسوخ کرسکتا ہے۔ لیکن اسی حد تک جہاں تک کہ وہ افعال خارج از اختیار رہیں۔ اور (ب) چونکہ تبنیت سے بیوہ کا حق متعلق بہ جائداد ختم ہو جاتا ہے اس لیے ہر اس شخص کا حق بھی ختم ہو جائے گا جو بیوہ کے ذریعے سے دعویدار ہو۔ ۲۷۲

ایک مختلف صورت جو پیدا ہوئی ہے وہ حسب ذیل ہے۔ ایک بیوہ کو اپنے شوہر کی جائداد کا قبضہ حاصل ہوا اور اس نے اسے نیک نیتی سے جاری رکھا اس کے بعد ایک دعویدار آتا ہے اور ادعا کرتا ہے کہ وہ متبنٰی لڑکے کی حیثیت سے اس جائداد کا محق ہے۔ اس مقدمے میں عدالت نے حسب ذیل تجویز کی۔ یہ کہ اگر غفلت ثابت نہ ہو تو مدعی جس نے واصلات کی ڈگری حاصل کی ہے صرف ان لگان کے پانے کا مجاز ہے جو حقیقتہً وصول کیے گئے تھے۔ اور یہ کہ بیوہ نفقے کے لیے مجرا دہی کی مستحق ہے و نیز ان رقوم کے پانے کی مجاز ہے جو اس نے بطور جائز اپنے شوہر کے کریاکرم کے لیے صرف کیے ہوں۔ یہ کہ اگر وہ یہ ثابت کرسکتی کہ اس نے اور بھی جائز اور ضروری صرفہ (ان اختیارات کے اندر اندر جو بیوہ کو حاصل ہوتے ہیں) کیا ہے تو بے شک ڈگری میں اس کے متعلق بھی استقرار کیا جاتا کہ اس کو وہ رقوم مجرا دیے جائیں۔[3] اس مقدمے میں یہ کھلی بات ہے کہ تبنیت جو من بعد ثابت کی گئی شوہر نے اپنے حین حیات انجام دی ہوگی۔ لہذا بیوہ کی جائداد تھی ہی نہیں۔ اور وہ اس کل مدت میں محض ایک مداخلت بیجا کنندہ تھی جو غلط طور پر لیکن نیک نیتی سے

[1] رام کرشنا بنام تریبھوربائی ۳۲ بمبئی ص ۸۸۔

[2] وریاناتھ بنام ساوتیری ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ص ۷۵ اجلاس کامل۔

[3] دتے کنور بنام امبیکا پرتاب ۲۵ الہ آباد ص ۲۶۶۔

اس خیال میں تھی کہ اس کو جائز حق حاصل تھا۔

**حالیہ نظائر:-** اگر بلا ضرورت جائز۔ یا وارثان عودی کی رضامندی کے بغیر قبل تبنیت بیوہ نے جائداد منتقل کی ہو تو وہ انتقال صرف بیوہ کے حق کی حد تک اور تاریخ تبنیت تک جائز ہے۔ بعد تبنیت منتقل الیہ متبنیٰ لڑکے کے خلاف اس جائداد کو اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا بجز اس کے کہ متبنیٰ کے خلاف میعاد عارض ہو جائے متبنیٰ لڑکے کے حقوق بیوہ کی وفات تک (مثل حقوق وارثان عودی) ملتوی نہیں رہتے[1]۔

مترجم

**میعاد:-** منتقل الیہ کے خلاف متبنیٰ لڑکا اس تاریخ سے بارہ سال کے اندر نالش کر سکتا ہے جب کہ منتقل الیہ کا قبضہ اس کے مخالف ہوا۔ دیکھئے مد ۱۴۴ قانون میعاد سماعت۔ جب بیع ضرورت جائز کے لیے نہ ہو تو متبنیٰ اس کو باطل تصور کر سکتا ہے اور صرف قبضۂ جائداد کے لیے نالش کر سکتا ہے۔ تنسیخ بیع کی نالش ضروری نہیں ہے[2]۔

مترجم

**سابق قابض ذکور کے افعال** ف ۱۹۸ - میں کسی ایسے مقدمے سے واقف نہیں ہوں جس میں یہی سوال اس وقت پیدا ہوا ہو جب کہ تبنیت سے کسی مرد (یعنے قطعی اور پورا مالک) کی جائداد واپس لی گئی ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہی اصول متعلق ہوں گے۔ تبنیت کی تکمیل تک وہ قانوناً اور بطور جائز قابض رہتا ہے۔ ایک ہندو مالک جائداد کے معمولی اختیارات انتقال کے ساتھ وہ قابض جائداد رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ علحدہ کر دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہرگز ہٹایا ہی نہ جائے۔ اس کو اپنی جائداد پر ایک امکان کی بنا پر جو ممکن ہے کہ وقوع میں آئے ہی نہیں معاملہ کرنے سے منع کرنا رواداری اور انصاف کے

---

[1] سکھا رام بنام تھاما ۱۹۲۷ء ۵۱ بمبئی صفحہ ۱۰۱۹۔

[2] ہنگوڈا بنام ارگوڈا ۱۹۲۴ء ۴۸ بمبئی صفحہ ۶۵۴۔ و نیز دیکھئے ہنمنت بنام کرشنا ۱۹۲۵ء ۴۹ بمبئی صفحہ ۶۰۴۔

خلاف ہوگا۔ اور جب وہ امکان عملی جامہ پہن لے تو یہ امر نہایت ہی ناانصافانہ ہوگا کہ خریداران حقوق سے محروم ہو جائے جو اس نے ایک ایسے شخص سے حاصل کیے ہوں جس کو اس وقت ان حقوق کے عطا کرنے کا اختیار کامل حاصل تھا۔ اسی وجہ سے جب کہ فایض آخر کے بھائی کو ۱۸۶۹ء میں زمینداری کا قبضہ دیا گیا اور آخری زمیندار کے لیے متبنیٰ لینے کے باعث وہ من بعد بے دخل کر دیا گیا تو پریوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ تاریخ مقدم الذکر سے اس کو واصلات کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حکام عالی مقام نے فرمایا ''اس وقت
۲۷۳ رگھوناد بلا شک زمینداری کا مجاز تھا کیونکہ اودیکنڈا کو حقیقی یا متبنیٰ لڑکا نہ تھا۔ ۲۰ نومبر ۱۸۷۰ء کو تبنیت انجام دی گئی اور عرضی دعوے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مدعی کے حق میں بنائے دعوی اس وقت پیدا ہونا شروع ہوئی جو عرضی دعویٰ ۵ ادسمبر ۱۸۷۰ء کو داخل کی گئی اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے کہ اس سے قبل بھی قبضے کا مطالبہ کیا گیا۔ حکام عالی مقام کی یہ رائے ہے کہ واصلات کا شمار نالش کے آغاز سے کیا جانا چاہیے''[۱]

**بیوہ اپنے لیے متبنیٰ نہیں لے سکتی**

ف ۱۹۹ - چونکہ معمولی دھرم شاستر کے تحت بیوہ کی مکمل کی ہوئی تبنیت ہمیشہ اس کے شوہر کے لیے ہوتی ہے اور اسی کے مفاد کے لیے اس لیے یہ کہنا تقریباً بے سود ہے کہ اس تبنیت سے جو بیوہ نے انجام دی ہو اور صرف اپنے لیے متبنیٰ لڑکے کو اس جائداد میں جو اس نے اپنے شوہر سے وراثتاً حاصل کی ہو کوئی حق اس کے مرنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوگا۔[۲] اور

سلہ۔ رگھوناد بنام بروزر دکشور جلد ۳ مرافعہ جات ہند صہ۱۵۴ صہ۱۹۲ بھاشیم آئنگار جسٹس نے ۲۶ مدراس صہ۱۵۲ کے فیصلے میں اس مسئلے پر توجہ تو کیا لیکن تصفیہ نہیں کیا گیا خود باپ کے مکمل کیے ہوئے انتقالات کے متعلق دیکھیے ف۲۵۱ کتاب ہذا۔

کلہ۔ چودھری پدم بنام کنور اودے ۱۲ مور صہ۳۵ - ۲ اسدرلینڈیپ سی صا - ۲ بنگال لا رپورٹ پی۔ سی صہ۱۰۱ -

نہ وہ خود بیوہ کی جائداد کا مستحق ہوگا اگرچہ وہ کسی طرح حاصل کی گئی۔ کیونکہ فی الحقیقت ایسی تبنیت کہیں بھی تسلیم نہیں کی جاتی اور نہ اس سے کوئی حیثیت نہیں پیدا ہوتی۔ البتہ منجملا ہیں کرتم طریقے کے تحت اور پانڈیچری میں بھی ایسی تبنیت سے نئی حیثیت پیدا ہوتی ہے (ف ۲۰۵) بجز استثناء ے مذکور کے کوئی ہندو عورت کسی حالت میں بھی اپنے لیے لڑکا متبنیٰ نہیں کرسکتی[1] لیکن مدراس پانڈیچری اور مغربی ہند کے طوائف میں لڑکیوں کو متبنیٰ کرنے کا

**رقاصہ لڑکیاں**

رواج ہے تاکہ وہ اپنے متبنیٰ گیرندہ ماں کے پیشے کو جاری رکھیں۔ اور جو لڑکیاں اس طرح متبنیٰ کی جائیں ان کی جائداد کی وارث ہوتی ہیں۔ کوئی خاص رسوم ضروری نہیں بلکہ صرف اقرار کافی ہے[2] [اگر کوئی خاص رواج نہ ہو تو معمولی تبنیت کی تشبیہ سے صرف ایک لڑکی متبنیٰ کی جاسکتی ہے] ایسی تبنیت فیصلہ جات مدراس کے لحاظ سے جائز ہے بشرطیکہ لڑکی کو زناکاری کے لیے دینا مقصود نہ ہو[3] کلکتہ اور بمبئی میں البتہ ایسی تبنیتیں ناجائز قرار دی گئی ہیں[4] چنانچہ جب کہ پونہ کے ایک برہمن نے ایک لڑکی کو متبنیٰ لینے کی کوشش کی کہ وہ حقیقی

۲۷۴ لڑکی کی قایم مقام ہو جائے تو عام قانون کے تحت اس کو ناجائز قرار دیا گیا اور یہ تجویز کی گئی کہ مقامی رواج سے بھی ایسی تبنیت منظورہ

---

[1] نرندر ناتھ بیراگی بنام دینا ناتھ داس ۳۶ کلکتہ صہ ۸۲۴۔

[2] وینکٹ چلم بنام وینکٹ سامی مدراس بابت ۱۸۵۶ء صہ ۶۵۔ اسٹرینج میانول ف ۹۸-۹۹ اسپیل صہ ۱۸۵-۱۸۶ سورگ ہندو لاف ۲۲۴۔ رپورٹ کمیٹی صہ ۹۰ صہ ۱۲۴ صہ ۲۳۷ صہ ۳۴۱۔

[3] وینکو بنام مہالنگا ۱۱ مدراس صہ ۳۹۳ متوکنو بنام پیرماسوامی ۱۲ مدراس صہ ۲۱۴ {یہاں بھی مترجم نے ایک حاشیے کے دو ٹکڑے کردیے ہیں (حاشیہ ۱ صہ ۲۷۳)}۔

[4] دیکھئے گداتی بنام گنیتی ۱۹۱۲ء ۲۳ مدراس لا جرنل صہ ۴۹۳۔

[5] بنکور بنام بنسکور۔ نانتھور بنام ایسوسہ بمبئی صہ ۵۴۵۔ ہیرا بنام رادھا ۳۷ بمبئی صہ ۱۱۶ اس موضوع پر ف ۵۵ میں بحث کی گئی ہے۔

نہیں ہے[1] ۱۹۰۹ء میں عالیہ عدالت کلکتہ میں بمقدمہ نر ندد ناتھ بنام وبنا ناتھ یہ استدلال کیا گیا کہ چونکہ نائکن جماعت کی عورت صرف اس وجہ سے کسی لڑکی کو متبنیٰ نہیں کر سکتی کہ مصلحت عامہ کے خلاف ہے اس لیے لڑکے کی تبنیت جائز ہے۔ لیکن قرار دیا گیا کہ کوئی عورت اپنے لیے لڑکا متبنیٰ نہیں کر سکتی۔

**کرتم تبنیت مبتھلا میں رائج ہے**

فقرہ ۲۰۰۔ دتک میماسا (باب ۲ فقرہ ۶۵) کے لحاظ سے کرتم تبنیت عام دھرم شاستر کے تحت ہنوز مسلمہ ہے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ موجودہ قانون کل لڑکوں کو سوائے اورس اور دیے ہوئے لڑکے کے تسلیم نہیں کرتا اور یہ کہ دیے ہوئے میں کرتم داخل ہے۔ لیکن بہتر رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ طریقہ اب متروک ہے۔ بجز ملک مبتھلا کے۔ وہاں یہ قسم رائج ہے[2] مسٹر سرور دیگری کہتے ہیں کہ بہار۔ بنارس اور دیگر مقامات میں یہ طریقہ ہنوز رائج ہے۔ مغربی ساحل کے نمبدری برہمنوں میں معمولی طریقے کے ساتھ یہ تبنیت رائج ہے[3] میتھلا میں یہ قاعدہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے باوجود بیوہ متبنیٰ نہیں لے سکتی۔ مسٹر میاکناٹن یہ کہتے ہیں کہ اسی قاعدے کے

---

[1] ۔ گنگا بائی بنام اننت ۱۳ بمبئی صفحہ ۶۹ لیکن دیکھیے منجابنام نیشا گری راؤ ۲۶ بمبئی صفحہ ۴۹۱ صفحہ ۴۹۵ اس میں ایک زن فاحشہ نے متبنیٰ لیا تھا اور وہ کسی دیول سے بطور نائکن ملحق نہیں تھی۔

[2] ۔ ۳۶ کلکتہ صفحہ ۸۲۴ ۔

[3] ۔ سدر لینڈ سینا سپس صفحہ ۶۶۳ صفحہ ۶۷۴ جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۲۷۶ ۔ ۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۲۰۲ ستیتی بنام اندرامندر ۲ صدر دیوانی صفحہ ۱۷۳ صفحہ ۲۲۱ ۔

[4] ۔ صفحہ ۵۲۶ تائید میں استری کنت سرما بنام رادھاکنت جلد ۱ صدر دیوانی صفحہ ۱۵ صفحہ ۱۹ کے نوٹ کا ذکر کرتے ہیں۔

[5] ۔ ۱۱ مدراس صفحہ ۱۷۴ صفحہ ۱۷۶ ۔

سبب کرتم طریقہ میتھلا میں رائج ہے۔ مرد فطرۃً تبنیت کو آخری لمحے تک ملتوی رکھتا ہے اس لیے وہ طریقہ جس میں بہ تعجیل تمام تبنیت انجام دی جا سکتی تھی فطرۃً بہت زیادہ پسند کیا گیا۔[1] نمبدری برہمنوں میں اس طریقے کا وجود وجہ مذکور پر مبنی نہیں سمجھا جا سکتا کیوں کہ ان میں بیوہ شوہر کی رضا مندی کے بغیر متبنیٰ لے سکتی ہے۔[2] غالباً ہر صورت میں کرتم طریقہ مقابلۃً زیادہ کامیاب رہا ہے کیوں کہ دتک کے بہ نسبت اس کے قواعد زیادہ آسان ہیں اور لہٰذا ان کا اطلاق بھی آسانی سے ہوتا ہے۔

تعریف کرتم کا متبنیٰ

۷۵۵

ف ۲۰۱۔ منو نے کرتم لڑکے کی اس طرح تعریف کی ہے۔[3] "وہ جیسے ایک مرد مثل اپنے لڑکے کے لے۔ جو ہم ذات ہو۔ جس میں رشتہ داری کی خصائیں ہوں۔ جو (اپنے متبنیٰ گیرندہ کے لیے کریا کرم کی انجام دہی کے) خوبی سے واقف ہو۔ اور جو یہ جانتا ہو کہ (ان کو ترک کرنے کا) کیا گناہ ہوگا بنایا ہوا (متبنیٰ) بیٹا سمجھا جاتا ہے۔" متاکشرا ذیل کے اضافے سے مزید وضاحت کرتا ہے۔ "جسے زر اور زمین سے ترغیب دی گئی ہو اور جس کا باپ یا ماں نہ ہو کیوں کہ اگر وہ زندہ ہوں تو وہ ان کے اختیار کے تابع رہتا ہے۔"[4]

ف ۲۰۲۔ خود اس کی رضا مندی جسے متبنیٰ کیا جا رہا ہو اس طریقہ تبنیت میں ضروری ہے۔[5] اور متبنیٰ گیرندہ باپ کے عین حیات ایسی رضا مندی دی جانی چاہیے۔[6] اس سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ متبنیٰ لیا جانے والا بالغ ہو۔ لہٰذا

---

[1] جلد ا ڈبلیو میاکناٹن ص ۹۷۔

[2] ۱۱ مدراس ص ۱۷۴ ص ۱۷۶۔

[3] منو باب ۹ ص ۱۶۹۔

[4] متاکشرا باب فصل ۲ ف ۱۷۔

[5] سدر لینڈ سیناسیس ص ۶۷۳ بودھاین باب ۲ ص ۱۳۔ جلد ۲ ڈبلیو میاکناٹن ص ۱۹۶۔

[6] متیتی بنام اندامند ۲ سدر دیوانی ص ۱۷۳ ص ۲۲۱۔ درگوپال بنام روپن ۶ سدر دیوانی ص ۲۷۱ ص ۳۳۴۔ لچھمن بنام موہن ۱۶ سدر لینڈ ص ۱۷۹۔

سن کے متعلق کوئی قید نہیں معلوم ہوتی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ابتدائی رسوم (مثلاً جنیو وغیرہ) خاندان متبنی گیرندہ میں ادا ہوں۔ اور یہ واقعہ کہ وہ رسوم (بہ شمول اپنائن) حقیقی خاندان میں قبل ازیں انجام پا چکے ہیں رکاوٹ کا باعث نہیں ہوتا[1] از دواج سے بھی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ کیوں کہ کیشو با مر اس طریقہ تبنیت پر بحث کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اپنے باپ کو بھی متبنیٰ کیا جا سکتا ہے[2]

صرف بالغ

**انتخاب میں کوئی قیود نہیں ہیں**

**ف ۲۰۳**۔ اس طریقۂ تبنیت اور دتک طریقے میں سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس میں جدید پیدائش کا مفروضۂ قانونی معدوم ہے۔ اور وہ قیود اور حدود بھی اس میں نہیں ہیں جو اس مفروضے کا لازمہ ہے۔ کرتم بیٹا اپنے اصلی خاندان میں حق سے محروم نہیں ہوتا۔ اور متبنیٰ گیرندہ باپ کا خاندانی نام اختیار کرتا ہے۔ وہ محض کریا کرم انجام دیتا ہے اور وراثت پاتا ہے[3]۔ لہٰذا کوئی شخص بھی متبنیٰ کیا جا سکتا ہے جو متبنیٰ گیرندہ کے قبیلے کا ہو۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا باپ یا بھائی بھی متبنیٰ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مسلک کے ضلع سے ایک مقدمے میں پنڈتوں نے بیان کیا اور
۲۷۶ عدالت نے حسبۂ قرار دیا کہ چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کو تبنیت میں لینا ناجائز ہے[4] لیکن جیسا کہ مسٹر میاکناٹن بتلاتے ہیں وہ اسناد جن پر مقدمۂ مذکور میں اعتماد کیا گیا کلیتہً دتک سے متعلق تھے۔ لواسہ اور علیٰ ہذا

---

[1]۔ ۱۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۲۰۴ ۲ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۱۹۶۔ شمبو کنوری بنام جوگن ۸ صدر لعینڈ صفحہ ۱۵۵ صدر کورٹ جلد ۴ دائمن صفحہ ۱۲۱۔

[2]۔ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۷۶ جودھری بنام ہنومان ۶ صدر دیوانی صفحہ ۱۹۲ صفحہ ۲۲۵۔ اومن دت بنام کنیا ۳ صدر دیوانی صفحہ ۱۴۵ صفحہ ۱۹۲۔

[3]۔ جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۲۷۶ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۷۶۔

[4]۔ رنجیت سنگھ بنام ادبھیا ۲ صدر دیوانی صفحہ ۲۴۵ صفحہ ۳۱۵۔ دیکھئے جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۷۶۔

ہمشیر زادہ متبنٰی کیا جا سکتا ہے[1]۔ اکلوتے یا بڑے لڑکے کو متبنٰی نہ لینے کا قاعدہ اسی وجہ سے کہ تم تبنیت میں متعلق نہیں ہوتا[2] مقدمہ مذکور میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ بھائی کے بیٹے[3] کی موجودگی میں دوسرا متبنٰی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن پنڈتوں کی رائے اصلاً ان احکام پر مبنی تھی جن کا اطلاق ذنک پر ہوتا ہے اور جو اس طریقۂ تبنیت کے لیے بھی عرصہ ہوا کہ نافذ نہیں ہیں۔ لہذا ظن غالب یہ ہے کہ ان کا اطلاق کر تم طریقے پر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس طریقۂ تبنیت کے قواعد نسبتہً نہایت آسان ہیں۔

**تبنیت مذکور اور اس کے نتائج**

**ف ۲۰۴**۔ وراثت کے متعلق کر تم بیٹے کے حقوق دیانت اپنے اصلی خاندان میں زائل نہیں ہوتے اس حد تک وہ دو باپ کا بیٹا ہوتا ہے۔ یعنی کہ وہ متبنٰی گیرندہ کا وارث ہوتا ہے۔ لیکن اشخاص ذیل کی وراثت میں یا متبنٰی گیرندہ باپ کے باپ کی یا اس کے طرفی رشتہ داروں کی۔ متبنٰی گیرندہ باپ کی زوجہ یا اس کے رشتہ داروں کی[4]۔ اس کے بیٹوں وغیرہ کو متبنٰی گیرندہ باپ کی جائداد میں کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ متبنٰی گیرندہ اور متبنٰی میں رشتہ داری صرف فریقین معاہدہ تک محدود ہوتی ہے اور دونوں جانب اس سے آگے اس کو وسعت حاصل نہیں ہے[5]۔ نمبدری برہمنوں میں متبنٰی گیرندہ کی نسل باقی رکھنے کے لیے متبنٰی لڑکے کو

---

لہ ۔ ادمن دت بنام کنیا ۳ صدر دیوانی صـ۱۴۴ صـ۱۹۲ چودھری بنام ہنومان ۶ ایضاً صـ۱۹۲ صـ۲۳۵ ۔

ئہ ۔ ادمن دت صـ۱۹۷ ۔ ۲ ڈبلیو میکناٹن صـ۱۹۷ میں پنڈتوں کی رائے اس واقعے پر مبنی تھی کہ متبنٰی گیرندہ متبنٰی کا چچا تھا۔

سہ ۔ سری ناتھ سرما بنام رادھا کنت جلد ۱ صدر دیوانی صـ۱۵ صـ۱۹ ۔ جلد ۱ ڈبلیو میکناٹن۔ صـ۷۶ ۔ دیبو بنام گوری شنکر ۳ صدر دیوانی صـ۳۰۷ صـ۴۱۰ ۔ سری نرائن رائے بنام بھیا جہا ۲ صدر دیوانی صـ۲۳ صـ۲۹ صـ۳۴ ۔ شیوکوری بنام جگن ۸ سدر لینڈ صـ۱۵۵ ۔ جلد ۴ وائن صـ۱۲۱ ۔

ہے ۔ جسونت بنام ڈولی ۲۵ سدر لینڈ صـ۲۵۵ ۔

بطورِ خاص مامور کیا جاتا ہے کہ وہ شادی کرے اور اُس (متبنیٰ گیرندہ کی نسل) کیلئے اولاد پیدا کرائے۔[۱]

**عورت اپنے لیے متبنیٰ لے سکتی ہے**

**دفعہ ۲۰۵** ۔ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ پنجاب میں عورت اپنے شوہر کی وفات کے بعد متبنیٰ نہیں لے سکتی عام ازیں کہ اس نے اجازت حاصل کی تھی یا نہیں۔ لیکن جو کام وہ دوسری جگہ نہیں کر سکتی پنجاب میں اس کام کے کرنے کی اس کو آزادی

۲۷۷ حاصل ہے۔ مثلاً وہ خود اپنے لیے لڑکا متبنیٰ لے سکتی ہے۔ اور یہ کام وہ تو اپنے شوہر کے حین حیات انجام دے سکتی ہے اور اس کی وفات کے بعد بھی۔ شوہر اور زوجہ بالاشتراک لڑکا متبنیٰ کر سکتے ہیں۔ یا ہر ایک علیحدہ علیحدہ متبنیٰ لے سکتا ہے۔ "اگر کوئی عورت متبنیٰ لڑکے کا تعین کرے تو وہ اس کے بیٹے کے مثل ہو جاتا ہے۔ اس کی کریا کرم کر سکتا ہے اور اس کی جائداد کا وارث ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس کے شوہر کا متبنیٰ نہیں ہوتا۔ نہ اس کی کریا کرم کر سکتا ہے اور نہ اس کی جائداد کا وارث۔ اگر شوہر اور زوجہ مشترکاً لڑکا متبنیٰ لیں تو وہ دونوں کا لڑکا ہو جاتا ہے اور دونوں کی جائداد کا وارث۔ اگر شوہر ایک کو لے اور زوجہ دوسرے کو متبنیٰ کرے تو وہ علی الترتیب ہر ایک کے بیٹے ہوتے ہیں اور مشترکاً نہ تو وہ ان کی کریا کرم کر سکتے ہیں اور نہ شوہر اور زوجہ کی جائداد کے مشترکاً وارث ہوتے ہیں۔"[۲] پانڈیچری کی عدالتوں کے مسلہ میں اسی قسم کے رواج کا پتا چلایا جا سکتا ہے (۱۷۶۰ء تا ۱۷۹۶ء) تا حال یعنی ۱۸۹۳ء تک بیوہ کا یہ حق کہ اپنی جائداد کی وراثت کے لیے متبنیٰ لے سکتی ہے بیان کیا گیا ہے۔[۳]

---

۱۔ داسو دیون بنام وزیر ہند ۱۱ مدراس صـ۱۵۷ صـ۱۶۵ صـ۱۷۹۔

۲۔ فتاوی پنڈتان سری نارائن رائے ۲ صدر دیوانی۔ جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن صـ۱۰۱۔ کلکٹر ترہت بنام ہرو پرشاد ۷ صدر لینڈ صـ۵۰۔ شیبو کوری بنام جگن ۸ صدر لینڈ صـ۱۵۵۔ ۴ دائمن صـ۱۲۱۔

۳۔ سورگ ہندو لا صـ۱۱۶ صـ۱۲۶ صـ۱۴۰۔ کمیٹی کی رپورٹ صـ۲۷۶۔

**رسوم**

**دفعہ ۲۰۶** ۔ کرتم تبنیت کے جواز کے لیے نہ تو ہوم ضروری ہے اور نہ دوسرے رسوم۔ طریقہ یہ ہے کہ نیک ساعت میں لڑکے کو متبنیٰ کرنے والا غسل کرکے متبنیٰ لیے جانے والے شخص کو جو خود بھی غسل کیا ہوا ہوا اور جسے اس نے ایک ایسی شے دی ہو جو قبول کی جاسکتی ہے یہ کہتے ہوئے مخاطب کرے "میرا لڑکا ہوجا" وہ جواب دے "میں ان کا بیٹا ہوگیا"۔ اس کو کسی چیز کا دینا رسماً رائج ہے۔ تبنیت کے لیے ضروری نہیں ہے صرف دونوں فریقین کی رضامندی لازمی ہے۔ اور ایک خاص طریقے کی تقریر بھی ضروری نہیں[1]۔

برما کے بدھ مذہب والوں میں کرتم تبنیت کی اصطلاح کا اطلاق ان صورتوں پر ہوتا ہے۔ جب کہ ایک یا زیادہ لڑکیاں مثل دختران کے خاندان میں متبنیٰ لیے جائیں۔ اس قسم کی تبنیت کا اہم جزو یہ ہے کہ واقعۂ تبنیت کو مشتہر اور اس کا اعلان کیا جائے۔ متبنیٰ گیرندہ والدین قرابت داری اور ارادے کا اعلان کرتے ہیں کہ متبنیٰ لڑکا ان کی جائداد کا وارث ہوگا۔ تبنیت ۲۷۸
دو قسم کی ہے۔ کرتم لڑکا جو اس کے والدین سے حاصل کیا جاتا ہے اور جس کی علی الاعلان پرورش کی جاتی ہے کہ وہ وارث ہو۔ اپیتیتھا (Apatitha) یعنے وہ جس کے والدین نہ ہوں اور جسے اتفاقاً اٹھا کر متبنیٰ کر لیا گیا ہو۔ مقدم الذکر کی حیثیت تمام اغراض کے لیے حقیقی لڑکے کی ہوتی ہے۔ اس کو حق وراثت حاصل ہوتا ہے۔ موخرالذکر وراثت سے خارج رہتا ہے۔ یا تو حقیقی لڑکا اس کے حرمان کا باعث ہوتا ہے یا کرتم[2]۔

---

[1] ۔ رودرا دھر۔ متاکشرا باب فصل ۲ ف ۷۱۔ جلد امیا کناٹن صفحہ ۹۸۔ کلین بنام کریا ا صدر دیوانی صفحہ ۹ صفحہ ۱۱۔ درگوپال بنام روپن ۶ صدر دیوانی صفحہ ۲۷۱۔ صفحہ ۳۴۳۔

[2] ۔ ما می گیل بنام ماسائی ۳۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۔ ماؤنگ تھیو بنام ماؤنگ ٹن پی ۴۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۵۱ و ۴۸ کلکتہ صفحہ ۱۔

**مماثل قسم جفنا میں رائج ہے:۔** یہ امر تعجب خیز ہے کہ اس قسم کی تبنیت اہم اور نمایاں خصوصیات میں اس سے تقریباً مشابہ ہے جو فی زمانہ جفنا میں رائج ہے۔ اگرچہ اب وہ صرف میتھلا اور مغربی ہند کے نمبدری برہمنوں میں پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی مذہبی رسوم فرضی جدید پیدائش اسی طرح معدوم ہیں۔ اور شوہر اور زوجہ دونوں کو اسی طرح متبنیٰ لینے کا حق حاصل ہے اور نتیجہ وراثت بھی وہی ہے یعنے صرف متبنیٰ گیرندہ کی وراثت پاتا ہے[1] مسٹر میاکناٹن کی پیش کردہ وہ توضیح کرتم تبنیت کے باقی رہنے کی دلیل ہوسکتی ہے لیکن اس سے اس کے آغاز کی وضاحت نہیں ہوتی۔ یہ بات بالکل صاف معلوم ہوتی ہے کہ میتھلا اور لنکا دونوں کے اشکال تبنیت محض دنیاوی وجود سے پیدا ہوئے۔ اور یہ کہ برہمنی نظریوں سے قبل وہ موجود تھے ونیز ان کو برہمنی عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ برہمنی نظریوں کی روز افزوں ترقی سے کرتم طریقۂ تبنیت مسقود ہوتا گیا لیکن مماثل قسم لنکا میں اس لیے رائج رہی کہ وہاں برہمنوں کے عقائد مروج نہ تھے اگر جنوبی ہند کے تامل اقوام کے رواجات موجود تھے۔ جیسے کہ پانڈیچری میں مروج پائے جاتے ہیں۔

**الاتم تبنیت** **۲۰۷** ۔ صوبہ مدراس کے ریڈی اور کما اقوام میں ایک رواج موجود ہے جسے الاتم تبنیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ داماد کو بعوض اس کے کہ جائداد خاندانی کے انتظام میں مدد دے متبنیٰ لینے کو الاتم کہتے ہیں۔ کسی قسم کی مذہبی اہمیت اس فعل سے متعلق نہیں معلوم ہوتی۔ اس کا تعین کہ آیا بیٹے کی موجودگی میں ایسی تبنیت مکمل ہوسکتی ہے یا یہ کہ آیا جو شخص اس طرح متبنیٰ لیا جائے اپنے متبنیٰ گیرندہ باپ کے حین حیات تقسیم کا دعویٰ کرسکتا ہے (جیسا کہ اس خاص حیثیت کی وجہ سے دوسری چیزیں لازم آتی ہیں)

[1] تھیسا ولیم بارلی۔

خاص رواج پر منحصر ہوتا ہے[1]۔ متبنیٰ گیرندے کے مرنے کے بعد پورے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ یہ حقوق اس کے بعد کے پیدا شدہ حقیقی لڑکے یا اس لڑکے کے خلاف بھی حاصل ہوتے ہیں جو من بعد معمولی طریقے سے متبنیٰ کیا گیا ہو[2]۔ الاتم لڑکا حقیقی یا متبنیٰ لڑکے کا شریک خاندان نہیں ہوتا اگرچہ وہ سب اس طرح رہتے ہوں کہ گویا خاندان کی تقسیم نہیں ہوئی ہے۔ لہذا ان کے مابین حق عود نہیں ہوتا۔ اس کا حصہ اس طرح اس کے ورثا کو ملتا ہے گویا کہ وہ اس کی مکسوبہ جائداد تھی[3]۔ خود اس کے اور اس کے اخلاف کے مابین وہ جائداد مکسوبہ سمجھی جاتی ہے۔ لہذا حق انتقال پر آزادی حاصل رہتی ہے اور وہ بلا ان قیود کے جائداد پاتا ہے[4]۔ جو جائداد اسے اس طرح حاصل ہو اس کے قرابت داروں پر منتقل ہوتی ہے نہ کہ متبنیٰ گیرندہ کے ورثا پر[5]۔ اس کے اصلی خاندان میں اس کے حقوق وراثت زائل نہیں ہوتے[6]۔ اسی قسم کا ایک رواج پانڈیچری میں رائج معلوم ہوتا ہے لیکن متبنیٰ لڑکے کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں اگر من بعد متبنیٰ گیرندہ کو لڑکا پیدا ہوا[7]۔

**ملیبار میں تبنیت**

ف ۵۶۰۔ ملیبار میں وراثت کا ایک قاعدہ وہ ہے جسے مارومکاتیم کہتے ہیں اور دوسرا مکاتیم قاعدہ ہے۔ لہذا وہاں نافذہ طریقۂ تبنیت اس قاعدے کے لحاظ سے مختلف

---

۱۔ نلوری کرشتما بنام کامیلی وینکٹ سبیا ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۶۸ - ۴۲ مدراس صفحہ ۸۰۵ ۔
۲۔ ہنومنتما بنام رامی ریڈی ۴ مدراس صفحہ ۲۷۲ - چینوبیا بنام سورا ریڈی ۱۲ مدراس صفحہ ۲۲۶ ۔ نرسما بنام ویرا - بدرا ۱۷ مدراس صفحہ ۲۸۷ ۔
۳۔ چینچما بنام سبیا ۹ مدراس صفحہ ۱۱۴ مالی ریڈی پدما ۱۷ مدراس صفحہ ۱۱۴ ۔
۴۔ چلاپابی بنام چلاکوتی ۷ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۲۵ ۔
۵۔ رام کرسٹنا بنام سبکا ۱۲ مدراس صفحہ ۴۴۲ ۔
۶۔ بالارامی بنام ہیرا ۶ مدراس صفحہ ۲۶۷ ۔
۷۔ سورگ ہند ولا صفحہ ۱۴۱ ۔

ہوتے ہیں۔ یعنے یہ دیکھنا ہوگا کہ متبنیٰ گیرندہ خاندان کس قاعدے کا تابع ہے
مقدم الذکر صورت میں (مارومکاتیم) اناث وارث کے نہ ہونے سے
اثروں میں خاندان کا سلسلہ ختم ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ تاہم ذکور اور اناث
دونوں کے نائر خاندانوں میں تبنیت کا مسئلہ عدالتوں کے ملاحظے میں
پیش ہوا ہے اور ان تبنیتوں کی عدالتوں نے تائید بھی کی ہے۔ یہ وہ
متعدد مقدمات ہیں جن کا ذکر مسٹر وگرم نے کیا ہے۔ اناث کو متبنیٰ
لینے کا حق بلاشک مسلمہ معلوم ہوتا ہے اور مسٹر وگرم کہتے ہیں کہ
ٹراونکور راجہ کا خاندان معدوم ہوگیا ہوتا لیکن بقائے وراثت کے لیے
عورتوں کو متبنیٰ لینے سے بچ گیا۔ صدر عدالت مدراس نے کنارا میں
یہ قرار دیا کہ عورت منتظم (اجمان (ejaman) متبنیٰ نہیں لے سکتی اگر
اس کو اولاد ذکور موجود ہو۔ لیکن اس فیصلے پر مسٹر وگرم نے اس بنا پر
شبہہ ظاہر کیا ہے کیونکہ ایسے خاندانوں میں تبنیت کی صحیح غرض
۲۸۰ یہ ہے کہ عورت کے ذریعے سلسلۂ نسل قایم رہے۔[ف] بجز مقدمہ پیاتھ نانومن
بنام تھیروتی پلے[لہ] کے میں کسی اور فیصلے سے واقف نہیں ہوں جس میں
مارومکاتیم تبنیت کے مضمون پر بحث ہوئی ہو۔ فی الواقع جس امر کا
تصفیہ کیا گیا وہ یہ تھا کہ جب خاندان معدوم ہونے کے قریب ہوا اور
صرف دو ضعیف العمر مرد باقی ہوں تو کرناؤں (Karnavan) انندرون
(Anandraven) کی رضامندی کے بغیر جائز طور پر متبنیٰ نہیں کر سکتا۔
پھر بھی مسل مقدمے میں تھوڑی سی دلچسپ شہادت موجود ہے۔
اس شہادت کا حوالہ رپورٹ میں نہیں ہے۔ یہ شہادت اس قابل
ہے کہ محفوظ رکھی جائے۔
سنہ ۱۸۶۷ء۔ سنہ ۱۸۸۵ء اور سنہ ۱۸۸۹ء میں تین تبنیتیں ثابت کی گئیں۔

لہ۔ وگرم صفحہ ۶ صفحہ ۱۱ صفحہ ۱۲ جس میں ۱۸۵۹ء کے فیصلہ جات مدراس صفحہ ۱۳۵ کا ذکر کیا گیا ہے۔
لہ۔ ۲۰ مدراس صفحہ ۱۵ ۔ ۲۷ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳۱ میں اس کو بحال رکھا گیا ۔ ۲۴ مدراس صفحہ ۴۳۔

ان میں سے دو میں تارود (tarwaad) کے آخری مردوں نے تین عورتوں کو تبنیت میں لیا۔ اور آخری میں ماں اور باقیماندہ چار مردوں نے ایک عورت کو متبنیٰ کیا۔ ۱۸۸۶ء کے چوتھے مقدمے میں ایک عورت نے جو تارود کی آخری رکن تھی ایک مرد اور ایک عورت کو متبنیٰ کیا۔ خود مقدمے میں کارنوں نے اپنے لڑکے اور لڑکی کو متبنیٰ کیا۔ اور اپنی لڑکی کے لڑکے اور لڑکی کو۔ ایک گواہ نے یہ بیان دیا کہ تبنیت ناجائز تھی کیونکہ رواج یہ تھا کہ متبنیٰ گیرندہ کے لڑکے ان عورتوں سے شادی کرنا چاہیے جنھیں متبنیٰ کیا گیا تھا۔ دوسرے تین گواہوں نے (جن میں کا ایک کالیکٹ کا زمورین راجہ تھا) یہ کہا کہ ایسی تبنیتیں عام تھیں اور اس بیان کی تائید میں اس قسم کی دو تبنیتیں پیش کی گئیں۔ نتیجۂ تبنیت کے متعلق ایک گواہ نے یہ کہا کہ متبنیٰ لڑکی کا حق اس کے اصلی تارود میں زائل ہو گیا۔ دوسرے دو گواہ وید کے علما تھے۔ ان سے فیصلے کے لیے مذہبی مسائل پوچھے گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا:-

"اس صورت میں جب کہ ایک نائر نے متبنیٰ لیا ہو تو متبنیٰ کے حقوق کا اس کے اصلی تارود میں باقی رہنا یا نہ رہنا اس معاہدے پر منحصر ہوتا ہے جو تبنیت کے وقت دونوں خاندانوں میں ہوا ہو۔ لیکن ملیبار کے برہمنوں میں تبنیت کا حق اس کے اصلی الم میں باقی رہتا ہے۔ نمبدریوں میں عموماً 'دوامشائن' شکل میں تبنیت انجام دی جاتی ہے۔"

دوسرے نے یہ کہا:-

"نائروں میں اگر کسی تارود کی واحد عورت متبنیٰ کی جائے تو

اصلی نارود میں اس کا حق باقی رہتا ہے اور جدید
نارود کے رکن کی حیثیت سے بھی اس کو حق حاصل
ہوتا ہے۔"

**مکاتیم تبنیت**

**ف ۲۰۹**۔ ان خاندانوں میں جو لڑکوں سے اخلاف کا شمار کرتے ہیں تین قسم کی تبنیت رائج ہے[1]۔ پہلی قسم کرتم سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ 281
اس میں دس ہاتھ یا پانچ اشخاص حصہ لیتے ہیں یعنے والدین جو متبنی لیتے ہیں۔ والدین جو دے دیتے ہیں۔ اور لڑکا جو دیا جاتا ہے اگر لڑکے اور متبنی گیرندہ خاندان کا گوتر ایک ہی ہو تب عمر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے جب کہ وہ تبنیت میں لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق دوسرے گوتر سے ہو تب تبنیت اس وقت سے قبل انجام دی جانی چاہیے جب کہ وہ اپنائن کی رسم ختم کرتا ہے۔ دونوں خاندان مساوی طور پر مستحق ہیں کہ لڑکا سرادھ اور کریاکرم انجام دے۔"

قسم دوم

دوسری قسم میں صرف ایک ہی رسم ادا کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہوم کے وقت درخت کی ایک سوکھی شاخ اگنی دیوتا کی نذر کی جاتی ہے۔ جو شخص اس طرح متبنی کیا جائے صرف اپنے متبنی گیرندہ والدین کی کریاکرم ادا کرتا ہے۔ نہ کہ ان کے اسلاف کی بھی۔

قسم سوم

تیسری قسم صرف اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب کہ ایک مرد اور اس کے بھائیوں کے سلسلے میں صرف ایک

---

[1]۔ دیکھیے اعداد و شمار ٹراونکور بابت ۱۸۹۱ء صفحہ ۶۵۶۔ یہ اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔

بوڑھا شخص یا بیوہ ہو گئی ہو تب اس کے کریا کرم کی رسمیں انجام دینے کے لیے ایک وارث کی بعید سے بعید نسل یا دور رشتہ داران طریقوں سے تلاش کیا جاتا ہے۔ سب سے مشورہ کر کے بسا اوقات ایک شخص اس طرح متبنٰی کیا جاتا ہے اس ضعیف شخص یا بیوہ کی کریا کرم کرتا ہے اور ان کی جائداد کا وارث بھی ہوتا ہے۔[1] اگرچہ اس کی روایت نہیں کی گئی ہے مگر میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ پہلی اور دوسری قسم میں متبنٰی ان لوگوں کا وارث ہوتا ہے جن کی وہ کریا کرم انجام دیتا ہے۔

**نمبدریاں**

نمبدریوں میں یہ طریقہ ہے کہ صرف بڑا لڑکا شادی کرتا ہے جس سے پلا ناحق بیانت صرف اسی کے سلسلے تک محدود رہتا ہے۔ لیکن اگر ایک بھی مرد رشتہ دار موجود ہو خواہ وہ کتنا ہی بعید ہو تب حق تبنیت کا وجود نہیں۔ مثلاً قریب ترین اور بعید ترین لوگ کی شادی کی اجازت نہ دی جاتی ... لہٰذا ان کا خاندان قائم رہ جائے۔ لیکن اگر اس کے بھائیوں کو اولاد سے مایوسی ہو گئی ہو۔ اور اگر وہ اس فعل کے لیے راضی ہو جائیں تب وہ تبنیت کی طرف رجوع ہو سکتا ہے۔ اور ایسی تبنیت کے لیے دوسرے رشتہ داروں کی رضامندی ضروری نہیں۔ ہاں اگر وہ کسی رشتہ دار بعید کو متبنٰی لے تو اس صورت میں دوسرے قرابت داروں کی رضامندی ضروری ہوتی اگرچہ وہ بہت ہی بعید ہوں۔[2]

---

[1] اعداد و شمار ڈسٹرکٹ ملابار بابت ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۸۵۔ لوکا کرانمبدری پد بنام یولی نمبدری پد فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۸ء صفحہ ۱۲۵۔ کیتا دن بنام واسدیون مدراس صفحہ ۲۹۷۔ ان دونوں صورتوں میں بیوہ نے متبنٰی لیا تھا اور یہ بہت ممکن ہے کہ وہ صورتیں سروسدنم داماد کی تھیں دیکھیے ف ۷۶۔ ویکرم صفحہ ۱۲ تا ۱۵۔

# باب ششم

## تعلقات خاندانی

### نابالغی اور ولایت

**نابالغی کی مدت** عــ۲۸۲

ف ۲۱۔ دھرم شاستر کے لحاظ سے سولھویں سال پر نابالغی کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف تھا کہ آیا سولھویں سال کے آغاز پر یا اس کے ختم پر یہ مدت پوری ہوتی ہے۔ ہندو مصنفین مقدم الذکر نظریے کو قبول کرتے ہیں[۱]۔ اور بنگال میں ہمیشہ یہی قانون قرار دیا گیا ہے[۲]۔ موخر الذکر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ متھلا اور بنارس میں یہ قاعدہ ہے اور ایک زمانے میں جنوبی ہند اور بظاہر بمبئی میں اس کی پیروی کی جاتی تھی[۳]۔ جنوبی ہند کے متعلق اس مضمون پر عدالتی رائے کا نظریہ بنگال سے

---

۱۔ جلد ۱ ڈائجسٹ صفحہ ۲۹۳۔ ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۱۵ ادیا بھاگ باب ۳ فصل ۱ فقرہ ۱۷ نوٹ۔ دتک میماسا باب ۴ فصل شام چرن سرکار کی ووبست درپن صفحہ ۷۷ جہاں انھوں نے ننا گنشرا کا ذکر قرضے کے متعلق کیا ہے۔

۲۔ جلد ۱ ڈبلیو میا کناٹن صفحہ ۱۰۳ جلد ۲ ایضاً صفحہ ۲۲۰ صفحہ ۲۰۔ نوٹ کالی چرن بنام بھگوتی جلد ۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۳۱ ۔ ۱۹ سدرلینڈ صفحہ ۲۸۱ موتھور موہن بنام سرندر۔ ۱۰ کلکتہ صفحہ ۱۰۸۔

۳۔ ڈبلیو میا کناٹن ۔ ۱ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۷۲، ۷۷، لچھمن بنام روپ چند ۵ صدر دیوانی صفحہ ۱۱۴ صفحہ ۱۳۶ شیو جی بنام دتو ۱۲ بمبئی عالیہ عدالت ص ۲۸۱

اتفاق ہے[1]۔ خاص اغراض کے لیے قوانین موضوعہ نے بھی مختلف مدتیں مقرر کی تھیں۔ اس کتاب میں ان پر بحث کرنا بے سود ہے۔ قانون نشان ۹ بابت ۱۸۷۵ء کی وجہ سے ان اختلافات کی اب کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ یہ قانون بطور عام قاعدے کے کل باشندگان برطانوی ہند و ریاست ہائے متحدہ کے لیے یہ قرار دیتا ہے کہ (الف) ہر اس نابالغ کی صورت میں جس کی ذات یا جائداد کے لیے عدالت انصاف سے ولی مقرر کیا گیا ہو یا مقرر کیا جانا چاہیئے اور (ب) ہر اس نابالغ کے لیے جو کورٹ آف وارڈس کے زیر نگرانی ہو نابالغی اکیسویں سال کے ختم پر باقی نہیں رہتی۔ دوسری کل صورتوں میں اٹھارھویں سال کے ختم پر[2]۔ اس قانون کے تحت ایسے نابالغ کی جائداد کا ولی مقرر نہیں کیا جاسکتا جب کہ نابالغ متاکشرا یا مارومکاتیم خاندان مشترک کا رکن ہو[3]۔ بجز حسب رائے ص ۲۸۳
عالیہ عدالت بمبئی جب کہ کل ارکان نابالغ ہوں۔ اگرچہ ایسی صورت میں جو نہی بزرگ ترین رکن خاندان بالغ ہو جائے کل ارکان کے لیے خود بخود ولایت کا تعین ہو جاتا ہے[4] لیکن ذات نابالغ کے لیے ولی مقرر کیا جاسکتا ہے[5]۔ جب ایک مرتبہ عدالت کے حکم سے ولی کا تقرر کیا جائے تو ۲۱ سال تک نابالغی باقی رہے گی عالم ازیں کہ مقررہ ولی

[1]۔ ستی راجو بنام ونکٹ سامی ۴۰ مدراس صفحہ ۹۲۵ ۱۹۱۷ء۔

[2]۔ کھوبشن بنام سرجو ۳ الہ آباد صفحہ ۵۹۸ ریڈ بنام کرشنا ۹ مدراس صفحہ ۳۹۱ قانون نابالغان بمبئی نشان ۲۰ بابت ۱۸۶۴ء کے تحت دیکھئے یکناتھ بنام درو بائی ۱۳ بمبئی صفحہ ۲۸۵ قانون بنگال نشان ۴۰ بابت ۱۸۵۸ء کے تحت منگنی رام بنام مہنت گرسہائے ۱۶ امرا نعرجات ہند صفحہ ۱۹۵ – ۱۷ کلکتہ صفحہ ۳۴۷۔ اگر تحت قانون ۴۰ دفعہ کلکٹر کا تقرر کیا جائے تو وہ قانون ۹ بابت ۱۸۷۵ء دفعہ ولی سمجھا جائے گا لیکن دفعہ ۱۲ کے تحت اگر تقرر نہ ہو تو نہ ہوگا ۱۷ کلکتہ صفحہ ۹۴۸۔

[3]۔ شام کنور بنام مہانند ۱۹ کلکتہ صفحہ ۳۰۱ ہر ہیر بنام منتھور ۳۵ کلکتہ صفحہ ۵۶۱۔ کاجیکر بنام مارو ۳۲ مدراس صفحہ ۱۳۹۔ بندو پرشاد بنام دیہرا جی ۳۰ الہ آباد صفحہ ۴۰۰۔ عزیب اللہ بنام کہلک ۲۵ الہ آباد صفحہ ۴۷ پی سی

[4]۔ بندہ جی بنام منتھور بائی ۳۰ بمبئی صفحہ ۱۵۲ صفحہ ۱۵۵۔ رام چندر بنام کرشنا ۳۲ بمبئی صفحہ ۲۵۹۔

[5]۔ وردیک شپا بنام نلگنگو ۱۹ بمبئی صفحہ ۳۰۹۔

کام انجام دے رہا ہو یا نہیں۔ یا سرٹیفکٹ حاصل کیا ہو یا نہ کیا ہو[1]۔ لیکن جب کورٹ آف وارڈس نے جائداد کو نگرانی میں لے لیا ہو تو نابالغی کی عدم قابلیت اس وقت تک جاری رہتی ہے جس وقت تک کہ کورٹ آف وارڈس اس نابالغ کی جائداد کو اپنی نگرانی میں رکھے اور اس کے بعد باقی نہیں رہتی[2]۔ [دوران مقدمہ کی ولایت کی مدت کے متعلق مقدمۂ جوالاڈالے بنام پیسرا[3] دیکھا جائے] قانون مذکور سے کسی شخص پر شادی۔ جہیز۔ طلاق یا تبنیت کے امور میں اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اختیار وصیت پر اس سے اثر پڑتا ہے[4]۔ یعنی نابالغی کے زمانے میں وہ وصیت نہیں کر سکتا۔ جب خود یہ واقعہ کہ وہ نابالغ ہے معرض بحث میں ہو۔ تو ولایت کا صداقت نامہ اس واقعے کی شہادت نہیں ہے اور نہ وہ زائچہ اس غرض کے لیے قابل ادخال شہادت ہے جو کسی شخص متوفی کا تیار کیا ہوا ہو[5]۔ البتہ اگر اس کا تیار کرنے والا زندہ ہو تو بے شک وشبہ اس شخص کی گواہی کی تائید میں اس زائچے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

**ولایت** ۳۱۱۔ دھرم شاستر کے لحاظ سے نابالغ کی ولایت بحیثیت ولی (Pasens Patriae) بادشاہ کو حاصل ہوتی ہے۔ لہذا یہ فرض اس بچے کے قرابتداروں کے تفویض کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے باپ اور اس کے بعد ماں اس بچے کے فطری ولی ہیں۔ دوسرے رشتہ داروں کو عدالتوں سے

[1] ۔ رودراپرکاش بنام بھولاناتھ مکرجی ۱۲ کلکتہ صفحہ ۶۱۲۔ کرشن چندر بنام عبدالسلام ۱۴ کلکتہ صفحہ ۵۵ گوردن داس بنام ہری ولب داس ۲۱ بمبئی صفحہ ۲۸۱۔ سادھولال بنام مرلیدھر ۲۹ الہ آباد صفحہ ۶۶۷ جگن رام بنام مہادیو پرشاد ۳۶ کلکتہ صفحہ ۷۶۸۔ ولی دوران نالش کی مدت کے لیے دیکھو جوالادے بنام پرکھولم اللہ آباد صفحہ ۳۵۔

[2] ۔ برج موہن لال ۱۷ کلکتہ صفحہ ۹۴۴۔

[3] ۔ الہ آباد جلد ۲ صفحہ ۳۵۔

[4] ۔ ہردواری بنام گومی الہ آباد ۳ صفحہ ۵۲۵ گلاب بنام ٹھاکری لال ۳ بمبئی صفحہ ۱۴۳ کرشنا چاریہ ۳ مدراس صفحہ ۱۶۱۔

[5] ۔ سال چند بنام جیند ولال ۵ کلکتہ صفحہ ۹۰۶ گنگراج کنور بنام الکھ پانڈے ۱۸ الہ آباد صفحہ ۴۷۴۔

اجازت حاصل ہونی چاہیے[۵۰]۔ ماں نہ ہونے کی صورت میں یا اگر ماں اس امانت کو استعمال کرنے کے ناقابل ہو تو اس لڑکے کا نزدیک ترین مرد رشتہ دار مامور کیا جانا چاہیے۔ پدری قرابتداروں کو مادری رشتہ داروں پر ترجیح حاصل ہے[۵۱]۔ اگرچہ ماں فطری ولی ہے لیکن ایک ہندو باپ وصیت کے ذریعے اپنے بچے کی ولایت کے لیے کسی اور کو سوائے ماں کے مقرر کر سکتا ہے[۵۲]۔ ہندو ماں ایسا نہیں کر سکتی جہاں اس نے ایسا ادعا کیا تو قرار دیا گیا کہ تحت قانون ۸ بابت ۱۸۹۰ء دفعات ۷ و ۹ تقرر ولی کیا جانا چاہیے[۵۳]۔ جب باپ نے وصیت سے ولی مقرر کیا ہو تو قانون مذکور کی دفعہ ۷ ضمن ۳ کے تحت کوئی اور ولی مقرر نہیں کیا جا سکتا بجز اس کے کہ وصیت ناجائز ہو[۵۴]۔

**ولایت کی ترتیب**

بیشک متاکشرا خاندان مشترک میں کل جائداد کا انتظام بشمول حصہ نابالغ ماں کو حاصل نہیں ہوگا بلکہ بزرگ ترین مرد رکن کو۔ اگر خاندان کی تقسیم ہو گئی ہو تو صورت مختلف ہو گی[۵۵]۔ اگر ولی انتظام کرنے سے انکار کرے تو ماں منجانب نابالغ نالش کر سکتی ہے[۵۶]۔

---

۵۰۔ جھبا مل بنام لبیا کندن ۸ بمبئی ۱۲۵ مدراس صفحہ ۲۵ اخیر نا ۔۔۔ الاباد ہائیکورٹ ۲ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۱۹۰۔

۵۱۔ منو باب ۹ ف ۱۴۶ ف ۱۹۰ و ۱۹۱ ۳ ڈائجسٹ ۴۴۲ ۔۔۔ ۵۰۴ صفحہ ۲۵ اسٹرینج صفحہ ۱۷۸ ۲ اسٹرینج ۷۳ تا ۷۵ گنگا بنام چندر با مدراس ۱۸۵۹ء صفحہ ۱۰۰۔ اعلٰے دیوکہ صفحہ ۱۰۳۔ مدو کرشنا بنام سندرو رلئے مدراس ۱۸۵۲ء صفحہ ۱۰۵۔ بہتا بو بنام گنپتی صدر دیوانی ۱۸۵۶ء صفحہ ۲۰۳ متصلاً میں ماں کو باپ پر ترجیح ہونا قرار دیا گیا ہے۔ جسو دا بنام لالہ نتیا ۵ کلکتہ صفحہ ۴۳ علاتی ماں کے متعلق لکھمی بنام عمر چند ۲ بور ڈیل صفحہ ۴۴ صفحہ ۱۶۳۔ رام نبسی بنام سبھ کنواری ۷ سدرلینڈ صفحہ ۳۲۱ جلد ۳ دائمن صفحہ ۲۱۹۔ بائی شیو بنام تیجی ما رس حصہ ۔ پنجاب کے لیے دیکھیے رواجی قانون پنجاب جلد ۲۔

۵۳۔ سبھادر گالال جہا بنام راجہ نیلا مند سنگھ ۷ سدرلینڈ صفحہ ۴۷ الگپا ابنگر بنام منگانجے ابنگر ۴ مدراس صفحہ ۷۶۔

۵۴۔ وینکیا بنام دینکٹ ۲۱ مدراس صفحہ ۴۰۱ دیکھیے پٹھان علی خاں بنام پانی بائی ۹ بمبئی صفحہ ۸۳۲۔

۵۵۔ سیادشاہو بنام بیجا ۷ بمبئی صفحہ ۵۶۰۔

۵۶۔ الیملا مل بنام ارنوخیلم ۳ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۶۹ بسوناتھ بنام درگا پرشاد ۲ مورڈائجسٹ صفحہ ۹۴ گدراکونری بنام گجیادھر ۵ کلکتہ صفحہ ۲۱۹

۵۷۔ مکندوب بنام صدر دیوانی ۱۸۵۳ء صفحہ ۱۵۹۔

لیکن اس قاعدے سے ماں کے حق حضانت میں مداخلت نہ ہو سکے گی[1]۔ اس مسئلے کے متعلق کہ آیا باپ بذریعۂ وصیت ان نابالغوں کی شراکتی جائداد کے لیے جو غیر منقسمہ خاندان کے ارکان ہیں ولی کا تقرر کر سکتا ہے بمبئی اور مدراس کی عدالتوں نے اختلاف فرمایا ہے۔ مقدم الذکر (یعنی بمبئی) نے اس کو اس کا مجاز قرار دیا ہے۔ اور موخر الذکر نے اپنے جدید ترین اعلان میں یہ قرار دیا ہے کہ وہ نہیں کر سکتا[2]۔

[حالیہ نظائر: ہندو باپ زبانی یا بذریعۂ تحریر اپنے بچوں کے لیے ولی کو نامزد کر سکتا ہے اور اس طرح کہ ماں ولایت سے خارج ہو جائے۔

دیبانند بنام انند مونی ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد صفحہ ۲۱۳۔ خاندان مشترک کی جائداد کے متعلق مسئلۂ ولایت میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اختلاف ہے۔ بمبئی کے قدیم تر مقدمے میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ اس کو ایسا اختیار نہیں ہے[3]۔ لیکن ۱۹۱۲ء کے مقدمۂ مہابلیشور میں یہ قرار دیا گیا کہ وہ ولی کا تقرر کر سکتا ہے اور اس کو اس جائداد کے منتقل کرنے کا مجاز بھی کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ نابالغ اس انتقال کا پابند ہوگا بشرطیکہ وہ انتقال اختیارات کے اندر ہو[4]۔ باپ کو فی الحقیقت حسب فیصلۂ مدراس ایسا اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ اس کی وفات پر نابالغ لڑکوں پر وہ جائداد عود کرتی ہے۔ اسی عدالت نے البتہ ۱۹۲۱ء میں یہ قرار دیا ہے کہ اگر موصی کے فرزند نہ ہوں تو بیوہ کو متبنیٰ لینے کا مجاز کر کے متبنیٰ لڑکے کی نابالغی میں انتظام جائداد کے لیے ولی کا تقرر کر سکتا ہے[5]]

اگر شوہر پوری عمر کا ہو تو وہ اپنی زوجہ کا ولی ہوتا ہے اور یہ واقعہ

---

[1] ۔ کلدیپ بنام جنبسی صدر دیوانی ۱۸۴۳ء صفحہ ۵۵۔

[2] ۔ مہابلیشور کرشنپا بنام رام چندر منگیش ۳۸ بمبئی صفحہ ۹۴ چند مبراپلے بنام رنگا سامی ۴۱ مدراس صفحہ ۵۶۱۔ تمام نظائر پر نظر ثانی کی گئی۔

[3] ۔ ہری لال بنام مانی ۲۹ بمبئی صفحہ ۳۵۱۔

[4] ۔ دیکھئے وینکٹ رامن بنام جنزوعن ۱۹۲۸ء ۵۲ بمبئی صفحہ ۱۶ صفحہ ۲۸۔

[5] ۔ جگناد بنام راما یما ۴۴ مدراس صفحہ ۱۸۹۔

غیر اہم ہے کہ وہ سن بلوغ کو نہیں پہنچی ہے۔ یہ رواج کہ شادی شدہ لڑکیاں بالغ ہونے تک ص ۲۸۵
اپنے والدین کے ساتھ رہیں ایک امر رواجی ہے۔ اس رواج سے شوہر کا حق زائل نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ ادعا کر کے ثابت کیا جائے[۱]۔ اگر شوہر کے رشتہ داروں میں سپنڈ موجود ہوں تو وہ نابالغ بیوہ کے اولیا ہوں گے۔ اور انھیں خود اس بیوہ کے باپ اور اس کے باپ کے رشتہ داروں پر ترجیح ہو گی[۲]۔ لیکن اگر نابالغ کی اچھائی کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو تو عدالت اس بیوہ کے باپ کا تقرر شوہر کے سپنڈوں پر ترجیح دے کر کر سکتی ہے[۳]۔ اگر ماں دوبارہ شادی کرلے تو پہلے شادی کے بچوں کی ولایت کا حق زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن نہ تو دھرم شاستر میں اور نہ کسی اور قانون موضوعہ میں عدالت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسی ماں کو ولایت سے علیٰحدہ کر دے۔ عدالت کو اس معاملے میں پورا پورا صوابدید حاصل ہے۔ عدالت کا عمل ان بچوں کے بہترین مفاد کے لیے ہوتا ہے لہذا عدالت کو چاہیے کہ ماں کے حق کو ملحوظ رکھے۔ لیکن ماں کے اس دعوے کو ایک غیر شخص کا دعویٰ سمجھنا چاہیے۔ اگر اس کے خیال میں ماں کا تقرر ہی ان بچوں کے مفاد کا باعث ہو تو وہ ایسا کرنے کے لیے آزاد ہے[۴]۔ لڑکے کو تبنیت میں دینے سے باپ کا حق ولایت ختم ہو جاتا ہے[۵]۔ اور بیشک ہر ولی معقول سبب پر علیٰحدہ کر دیا جا سکتا ہے[۶]۔ مضمون ولایت پر دھرم شاستر میں بہت ہی کم مواد دکھائی دیتا ہے۔

---

۱ہ۔ اکما بنام پتیا ۳ میسور صفحہ ۱۱۹۔

۲ہ۔ کدیرام مکرجی بنام بھواری ۱۶ کلکتہ صفحہ ۵۸۴۔

۳ہ۔ ملو طارام بنام رام الہ آباد ۳۳ صفحہ ۲۲۲۔

۴ہ۔ گنگا پرشاد ساہو بنام جھالو ۳۰ کلکتہ صفحہ ۸۶۲۔ بائی سہو بنام رتنجی کو میز کیا گیا۔ مارس حصہ ۱ صفحہ ۱۰۳۔

۵ہ۔ لکشمی بائی بنام شریدھر ۳ بمبئی صفحہ ۱

۶ہ۔ مقدمۂ ایلال نوٹ (۵) اوپر۔ گرمونی بنام رام سندری صدر دیوانی ۱۸۶۱ء صفحہ ۵۳۲۔ اسکنر بنام اروے ۱۴ مور صفحہ ۳۰۹۔ ۱۰ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۲۵۔ ۷ اسدرلینڈ صفحہ ۷۷ کیتیا بنام بدیا الہ آباد صفحہ ۵۴۹۔ عباسی بنام دنے ایضاً صفحہ ۵۹۰۔

اصلاً اس مسئلے پر قانون موضوعہ ہی میں سب کچھ پایا جاتا ہے[1]۔ نابالغوں کی جائداد کی حفاظت کے متعلق احکام دھرم شاستر کے لیے دیکھئے مقدمۂ مندرجۂ ذیل[2] جب کسی قانون کے تحت قانوناً تقرر ولی کی ضرورت ہو تو وہ شخص جو فی الواقعی ولی ہو۔ ان اختیارات سے زیادہ استعمال نہیں کر سکتا۔ جو اس کو اس قانون کے لحاظ سے جب کہ وہ بطور جائز مقرر کیا جاتا حاصل ہو سکتے تھے[3]۔

**نابالغ کی حضانت کے لیے ولی کا حق۔** ص ۲۸۶

دفعہ ۲۱۲۔ نابالغ کو اپنے قبضے میں رکھنے کا حق ولی کو حاصل ہے۔ یہ حق ان وجوہات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو اس پر اس طفل کے متعلق عائد ہوتے ہیں[4]۔ وہ ہنوز اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا خود نابالغ کی خواہش پر بھی ایسا نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ وجوہ معقول اور کافی ہوں خصوصاً والدین کی صورت میں یہ ظاہر ہے کہ ان کے بچے کی

---

[1] قوانین کورٹ آف وارڈس۔ بنگال ریگولیشن ۲۶ سنہ ۱۷۹۳ء۔ ۵۲ سنہ ۱۸۰۳ء۔ ۶ سنہ ۱۸۲۲ء مدراس ریگولیشن ۵ سنہ ۱۸۰۴ء قانون نمبر ۲۰ سنہ ۱۸۶۴ء۔ ... ایکٹ نمبر ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ء۔ قانون ازدواج وتعلیم نابالغان ۲۲ سنہ ۱۷۹۵ء۔ ۲۱ سنہ ۱۸۵۵ء نمبر ۱۴ سنہ ۱۸۵۵ء۔

[2] گنگا پرشاد ۳ کلکتہ صفحہ ۸۶، ویزرام نبسی بنام سبھ کنواری ۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۲۱۔ ۳ وائمن صفحہ ۲۱۹۔ رام چندر بنام برجوناتھ ۴ کلکتہ صفحہ ۹۲۹ ضابطے کے لیے دیکھئے قانون ۹ سنہ ۱۸۶۱ء گارڈین اور وارڈس ایکٹ ۱۳ سنہ ۱۸۷۴ء۔ نمبر ۸ سنہ ۱۸۹۰ء۔ انگلو رٹس ایکٹ نے عالیہ عدالتوں کو یہ اختیارات دیے ہیں کہ نابالغوں کی ذات یا جائداد کے لیے اولیا مقرر کرے۔ ان اختیارات پر قانون نمبر ۸ سنہ ۱۸۹۰ء نے کسی طرح محدود نہیں کیا۔ مقدمۂ جیرام لکشمن ۱۶ بمبئی صفحہ ۶۳۴۔

[3] عباسی بیگم بنام راجروپ کنور ۴ کلکتہ صفحہ ۳۳ ضابطۂ قانون کی سختی سے پابندی کی جانی چاہیے جب کوئی نالش اس نابالغ کی ذات یا جائداد کی حفاظت کے لیے مفصل عدالت میں رجوع نہیں ہو سکتی ستی بنام رامندی پینڈ رام ۴۲ مدراس صفحہ ۴۶۔ نتام لال بنام بند ۲۶ الہ آباد صفحہ ۴۹۵۔ مسماۃ ہرسندری تیبا بائی بنام چیاورگی تیبا بائی ۴ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ صفحہ ۳۲۔ پھر بھی دیکھئے بردکنزی بنام کاشی چندر سین ۶ کلکتہ صفحہ ۲۷۶ اور راجیت لال بنام چمن لال ۲۶ بمبئی صفحہ ۶۲ جس میں اس کے برعکس رائے قائم کی گئی۔

[4] دیکھئے تحاویز جسٹس دالگھن اور راسٹرلنگ بمقدمہ کمپیری بنام پانکے ۱۹۰۱ء انگلس بنچ صفحہ ۲۰۵ صفحہ ہذا۔

ذات کی حفاظت ان کے لیے بہ نسبت کسی جائداد کی حفاظت کے زیادہ اہم ہے لیکن یہ ولایت ایک مقدس امانت کی سی ہوتی ہے اور لہذا باپ اپنے بجائے کسی اور کو قایم نہیں کرسکتا۔ وہ اس میں شک نہیں بچوں کی حفاظت اور تعلیم دوسروں کے حوالے کرسکتا ہے لیکن جو اختیار وہ اس طرح عطا کرتا ہے قابل استرداد اختیار ہے۔ اور اگر اس کے بچوں کے مفاد کے لیے اس کی ضرورت لاحق ہو تو وہ (باوجود اس کے خلاف معاہدہ کے) مگر ان کی حفاظت کو اپنے ہاتھوں میں لے سکتا ہے[1]۔ البتہ اگر کسی کی عطا کی ہوئی اجازت پر اس طرح عمل کیا گیا ہو جس سے خاندانی تعلقات پیدا ہوگئے ہوں (جن میں مداخلت کرنا یا ان تعلقات کو منقطع کرنا بچے کے مفاد کے خلاف ہو) تو عدالت اس کے استرداد میں حائل ہوگی[2]۔

**والدین کا تبدیل مذہب کرنا**

ہندوستانی عدالتوں میں اکثر ایسے مقدمات پیش ہوتے ہیں جن میں بوجوہات ذیل باپ کے اس حق کے متعلق کہ وہ اپنے بچے کو واپس لے نزاع پیدا ہوتی ہے۔ یہ کہ باپ نے مذہب بدل دیا ہے اور لہذا وہ آیندہ کے لیے اس بچے کی ولایت کے قابل نہیں ہے۔

۲۹۷ یا یہ کہ بچے نے تبدیل مذہب کیا ہے اور اپنے باپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ امر مقدم الذکر کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا گیا ہے کہ یہ واقعہ کہ باپ نے اپنا مذہب بدل دیا ہے بذات خود اس کو بچے کی حفاظت سے محروم کرنے کا باعث نہیں ہوسکتا (عام اس سے کہ عیسائی مذہب اختیار کرلیا ہو یا عیسائی مذہب سے دوسرے مذہب میں داخل ہوگیا ہو) بے شک اگر تبدیلی سے اس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہوگئی ہو جس سے اس کا گھر اس کے بچے کی سکونت کے قابل نہ رہے[3] یا اگر وہ اس بچے کا قبضہ واپس پانے کے لیے عدالت سے مدد طلب کرے جس کو اس نے تبدیل مذہب

---

[1] ملک بنام برنارڈ ۲۳ کوئنس بنچ ڈویژن صفحہ ۳۰۵ ہیری (اوپر)

[2] بینٹ بنام نارائنا جلد ۱۸ مرقعہ جات ہند صفحہ ۱۳ ۳ مدراس صفحہ ۸ - نیز دیکھیے پالرڈ بنام راؤز ۳۳ مدراس صفحہ ۸۰ سکھدیو بنام رامچندر ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد صفحہ ۶۰۲۔

[3] پری کے مقدمات ابتدائی صفحہ ۱۹ مقدمہ کراڈن بنام بیرجی۔

کے وقت بہ رضا و رغبت اپنے قرابتدار کو دے دیا تھا کہ اس کی پرورش ہندو مذہب
کے مطابق کی جائے۔ تو صورت مختلف ہو گی۔ ایسی صورت میں عدالت غور کرے گی کہ
آیا اس کی استدعا کو قبول کرنا نابالغ کے لیے مفید ہو گا[۱]۔ ماں کا تبدیل مذہب کرنا مختلف
ہو گا۔ باپ کے مذہب سے اس مذہب کا تعین ہوتا ہے جس کا وہ خود۔ اس کا
خاندان اور اس کی جائداد تابع ہے۔ "محض اسی صورت کے سبب معمولی حالات میں
ہندوستانی طفل کے متعلق یہ قیاس قائم کیا جانا چاہیے کہ اس کا مذہب وہی ہے جو
اس کے باپ کا۔ اور دیوانی و سماجی حیثیت بھی وہی۔ لہذا معمولاً اور ایسے حالات میں
جب کہ کوئی اختیارات حاصل نہ ہوں نابالغ کے ولی کا یہ فرض ہے کہ وہ نابالغ کو
اسی مذہب کی تعلیم دے۔" لہذا جب ماں کے تبدیل مذہب کا یہ ظن غالب یہ اثر
ہونے والا ہو کہ وہ نابالغ کا مذہب اور قانونی حیثیت بدلنے کی کوشش کر رہی
ہے تو عدالت اس کو ولی کی حیثیت سے جدا کر دے گی[۲]۔ اور خود نابالغ کی اس
خواہش سے بھی کہ وہ بھی مثل اپنی ماں کے تبدیل مذہب کرے یہ ضروری نہیں کہ
صورت حال بدل جائے۔ بجز اس کے کہ شاید نابالغ کی عمر کی زیادتی اور اس کے
مذہبی عقائد کی پختگی کے سبب اس کو اپنی قدیم حالت پر واپس کرنے کی کوشش
نامناسب یا ممکن ہو جائے[۳]۔ اس مسئلے کے متعلق کہ کس حد تک باپ کو اس کے
تعین کا حق حاصل ہے کہ اس کے لڑکے کی پرورش کس مذہب پر ہو گی اکثر انگریزی
مقدمات میں مباحث ہو چکے ہیں[۴]۔ یہ کہنا آسان نہیں کہ کس حد تک ان فیصلوں کا اطلاق　صـ۲۸۸

۱؎۔ مکند لال بنام نوبودیپ چندر ۲۵ کلکتہ صفحہ ۸۸۱۔ گارڈین اور وارڈس ایکٹ ۱۸۹۰ء
کے احکام کے لحاظ سے ایسی نالش ممنوع نہیں ہے شریفہ بنام منیکھن ۲۵ بمبئی صفحہ ۵۷۶ شام لال
بنام بندو ۲۶ الہ آباد صفحہ ۵۹۴۔

۲؎۔ عدالت اس کو ولایت پر بحال رکھے گی بشرطیکہ وہ اپنے وعدے سے اطمینان دلائے کہ بچے کے
مذہب پر اثر نہیں ڈالے گی درجا پدا کرما کر بنام مس بیلن ۲ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۶۰۸۔

۳؎۔ اسکز بنام اردے ۱۴ مور صفحہ ۲۰۹۔ ۱۰ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۲۵۔ ۱۷ اسد رلینڈ صفحہ ۷۷۔

۴؎۔ جیسا کہ گراڈن بنام برناڈو ر کوئنس بینچ ڈویژن صفحہ ۲۰۵ ہمپری بنام پالک ۲ کنگس بینچ صفحہ ۲۸۵۔

ہندوستان میں ہو سکے گا کیونکہ ہندوستان میں مذہب محض ایک امر اعتقادی نہیں ہے بلکہ مسائل ذات حیثیت سے کلیتہً مخلوط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اصول نصفت کی پیروی کی جائے گی۔ یعنے یہ کہ اصل چیز غور کرنے کی یہ ہو گی کہ اس نابالغ کا مفاد کیا ہو گا اگرچہ خاص صورتوں میں اس کا اطلاق نہایت ہی دشوار ثابت ہو۔

**باپ کا تبدیل مذہب**

**ف ۲۱۳**۔ والدین کے عیسائی مذہب اختیار کرنے پر اکثر مرتبہ نابالغ نے بہ رضا و رغبت انھیں چھوڑ دیا ہے۔ مدراس اور کلکتے کی عدالتوں کا ایک وقت یہ طرز عمل تھا کہ وہ نابالغ کو اپنے صوابدید کے استعمال کی اجازت دیتے تھے بشرطیکہ ذاتی طور پر جانچنے کے بعد ان کو اطمینان ہوتا تھا کہ اول تو اس کی یہ خواہش ہے کہ والدین سے علٰحدہ رہے اور ثانیاً یہ کہ وہ اس امر پر مناسب فیصلہ کرنے کے قابل ہے۔ بمبئی کی اعلیٰ عدالت نے پہلی مرتبہ اس کو خلاف قاعدہ قرار دیا۔ چنانچہ بارہ سال کے لڑکے کو باپ کے حوالے کیے جانے کی ہدایت کی گئی۔ اور اس کی عیسائی مذہب کی قابلیت اور معلومات کی جانچ کرنے سے انکار کیا گیا۔ اور اس کی اس خواہش کو جانچنے سے بھی انکار کیا گیا کہ وہ اپنے عیسائی معلمین کے ساتھ رہنا چاہتا ہے[1]۔ سر ارسکن پیری نے جسٹس ہیٹس سے استصواب کیا تھا اور صاحب موصوف نے اس طریقے کو پسند فرمایا[2] اعلیٰ عدالت مدراس میں بمقدمۂ گلور نارائن ساحی ۱۸۵۹ء میں اس فیصلے کا اتباع کیا گیا[3] اور سر کرسٹافر رالنسن اور سر آڈم بٹلسن نے حسب ذیل فیصلہ فرمایا۔ یہ کہ ایک چودہ سال کا ہندو طفل جو اسکاٹش مبلغین کے پاس چلا گیا تھا اپنے باپ کو واپس دیا جائے اگرچہ وہ عیسائی ہو گیا تھا اور حد درجہ اس کا متمنی تھا کہ اپنے جدید محافظین کے ساتھ رہے۔ اسی قسم کا فیصلہ ۱۸۶۳ء میں سر مارڈنٹ ولس نے کلکتے کی عدالت میں صادر فرمایا۔ ایک لڑکا

---

[1]۔ ملکہ بنام نست بیری کے مقدمات ابتدائی صفحہ ۱۰۳۔

[2]۔ ایضاً صفحہ ۱۰۹۔

[3]۔ اس مقدمے کی اشاعت نہیں ہوئی ہے میں مبلغین کی جانب سے وکیل تھا۔ جان ڈی مین۔

[redacted]



جس کی عمر پندرہ سال اور دو ماہ کی تھی مُلفعین کے ساتھ اپنے کے بیٹے خوشی سے چلا گیا تھا[۱] ۲۰۲
عالیہ عدالت مدراس نے ان کل مقدمات کی جانچ کرکے ان کو بحال رکھا اور یہ خیال
کیا گیا کہ قانون ہنود بابت ۱۸۹۰ء کے تحت والدین کے اختیارات محافظت کی مدت
۱۸ سال تک باقی رہتی ہے[۲] اس موقع پر یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ تحت مجموعہ تعزیرات ہند
ولی جائز کی حفاظت سے کسی نابالغ لڑکے کو جو چودہ سال کا ہو یا کسی نابالغ لڑکی کو جو
سولہ سال کی ہو پھسلا لے جانا ایک جرم ہے[۳]

**عالیہ فیصلے** دفعہ ۲۱۲۔ انگریزی قوانین نصفت کی پیروی کرتے ہوئے عدالت ہائے
ہندوستان نے حدید تر زمانے میں نابالغ بچوں پر والدین کے
حقوق کو سختی سے نافذ کرنے سے انکار کیا ہے مسٹر اسٹین نے عالیہ نظائر سے مستنبط کرکے
انگریزی طرز عمل کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے[۴] "والدین یا اولیا کے قانونی
حقوق حفاظت کو قابو میں رکھنے کے لیے نصفت میں ایک اختیار تمیزی حسب ذیل
صورتوں میں استعمال کیا گیا ہے (الف) جب کہ ان حقوق کے من مانے استعمال سے
طفل کی مسرت اور بہبودی میں قابل لحاظ مداخلت ہو۔ یا (ب) جب کہ اشخاص
مذکورالصدر کی بد روئی یا سکوت بالرضا سے یہ حقوق ساقط ہو گئے ہوں یا (ج)
جب کہ باپ نے اپنے عمل سے ایسا ظاہر کیا ہو یا (د) جب کہ وہ ایسی حالت میں
آگیا ہو کہ اس کے حقوق کو مسترد یا ان میں مداخلت کرنا نہ صرف بچوں کی محض بہتری

---

[۱] ہمنا قدوس جلد اہائیکورٹ صفحہ ۱۱۰۔

[۲] ریڈ بنام کرشنا ۹ مدراس صفحہ ۳۹۱ کوئی معاہدہ جس سے والد دوسرے کو اپنے بچے کی محافظت کا حق دے قابل پابندی نہیں ہے۔ اور اس بارے میں غیر صحیح النسب کی ماں کی وہی حالت و حیثیت ہوگی جو ایک صحیح النسب کے باپ کی ۱۸۹۱ء نظائر مرافعہ صفحہ ۳۸۸۔

[۳] مجموعہ تعزیرات ہند دفعات ۳۶۱ و ۳۶۳۔ نابالغ کی خواہش یا رضامندی بالکل غیر اہم ہے اقتدار اعلیٰ بنام جھنگی ۲ سدرلینڈ نظائر فوجداری صفحہ ۵ اقتدار اعلیٰ بنام شو کو ۷ سدرلینڈ فوجداری صفحہ ۳۶۔

[۴] مسٹر اسٹین کی کتاب ذرّیات باب ۲ صفحہ ۴۰۰۔ ملکہ بنام گوٹن پال ۱۸۹۳ء ۲ کوئنس بنچ صفحہ ۲۳۲ مقدمہ نوشو ۱۸۹۶ء ... [illegible]

کے لیے بلکہ چند خاص اہم واقعات کی وجہ سے ان بچوں کی حقیقی بہبودی کے لیے لازمی ہو۔"

پہلا مقدمہ بمبئی میں پیش ہوا۔ لڑکی پندرہ سال کی تھی۔ اور ہندو پیدائش کی۔ لیکن اس کی ماں نے آٹھ سال تک اسے ایک امریکن مشن میں چھوڑ دیا تھا۔ وہاں وہ عیسائی بن گئی اور بہ حیثیت معلمے وہ اپنی روزی کما رہی تھی۔[1]

دوسرے مقدمے میں والدین نے جو چینی تھے کلکتہ چھوڑتے وقت اپنی نابالغ لڑکی کو ایک عیسائی چینی اور اس کی زوجہ کے حوالے کیا کہ وہ اسے تبنیت میں لے لیں اور اس کی پرورش عیسائی مذہب پر کریں۔ وہ ایک سال اور چھ ماہ کے بعد واپس ہوئے جب کہ لڑکی نو سال کی تھی اور اس کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔[2]

تیسرا مقدمہ بھی کلکتے کا تھا۔ ایک ہندو باپ نے عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد اپنے لڑکے کو اس کے ہندو چچاؤں کے پاس چھوڑا کہ اس کی پرورش مثل ہندو کے کی جائے۔ جب باپ نے اس بچے کو واپس لینا چاہا وہ لڑکا بارہ یا تیرہ سال کا ص ۲۹۰
ہو چکا تھا۔ بظاہر گویا وہ ان چچاؤں کے پاس چار یا پانچ سال رہ چکا تھا۔[3]

علیٰ ہذا دوسرے ایک مقدمے میں ایک دس سالہ لڑکی اس کی ماں کی وفات سے پانچ سال تک مسلسل اپنے نانا کے ساتھ رہ چکی تھی۔ عالیہ عدالت الہ آباد نے اس کے باپ کو ولی بنانے سے انکار کیا۔ باپ نے دوسری عورت سے شادی کر لی تھی۔[4]

ان تمام مقدمات میں والدین نے اپنے حقوق کو خود کی مرضی سے چھوڑ دیا تھا۔ بچہ ایک مدت تک جدید گھر میں تھا جہاں اس نے نئے عادات اختیار کیے اور دنیاوی نقطۂ نظر سے بلا شک بچے کو اس کے باپ کو دے دینے سے نقصان ہوتا تھا۔ پہلے دو مقدمات میں یہ خیال کرنے کے لیے قوی وجوہ تھے کہ باپ کے عمل کے وجوہ تحریک

[1] - مقدمۂ سیتری ۲ بمبئی صفحہ ۳۰۷۔
[2] - مقدمۂ جوشی آسام ۲۳ کلکتہ صفحہ ۲۹۰۔
[3] - مکند لال بنام نو دیپ چند ر ۲۵ کلکتہ صفحہ ۸۸۱۔
[4] - ہندو بنام شامل ۲۹ الہ آباد صفحہ ۱۲۰ نیز دیکھیے البرشٹ بنام تجعی جنکال ۲۲ مدراس لا جرنل صفحہ ۲۴۷۔

یہ تھے کہ اس کا فائدہ ہو۔ اور یہ کہ اس نے اپنے مفاد کے لیے اس طرح کیا تھا۔ ان تمام مقدمات میں ان کا (حقوق والدین کا) نفاذ اس لیے نہیں کرایا گیا کہ عدالت ان حالات میں اس کا لحاظ کرنے پر مجبور تھی کہ طفل کی بہترین بہبودی کیا ہے۔ ہلبٹی کے مقدمے میں جسٹس بیلی (Justice Bayley) نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ چودہ سال کا لڑکا اور پندرہ سال کی لڑکی کافی سن رسیدہ ہوتے ہیں اور لہٰذا وہ اپنی سکونت کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ ان مقدمات میں سے کسی میں بھی خیالاتِ ذیل کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ کہ اس عمر سے کمسن طفل اپنی مرضی سے اس باپ کو چھوڑ سکتا ہے یا اس سے لیا جا سکتا ہے۔ جو اگرچہ مالی حیثیت سے بہت ہی نیچا ہو اپنے فرائض کو اس بچے کے متعلق نہایت ہی ایمانداری سے انجام دے رہا ہو۔ یا یہ کہ یہ واقعہ کہ اس نے (باپ) تبدیل مذہب کیا ہے یا یہ کہ طفل ایک نیا مذہب اختیار کرنا چاہتا ہے باپ کو ان حقوق سے محروم کرنے کے لئے کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔

**میسور میں ان اشخاص کے مقدمات جو عیسائی ہو گئے تھے۔**

**دفعہ ۷۱۵** ۔ میسور میں بالکل اسی قسم کا مقدمہ پیش ہوا اور فیصلہ اس قابل ہے کہ اس کو ملحوظ رکھا جائے۔ اگرچہ اس کی پیروی برطانوی ہند میں نہیں ہو سکتی لیکن دیسی ریاستوں میں اس کا اثر ہو سکتا ہے۔ اس مقدمے کے واقعات بالکل صاف تھے۔ باپ نے اپنے چھوٹے بچوں کو واپس پانے کی نالش کی۔ ایک بچہ رضاعت میں تھا۔ ۲۹۱
اور دوسرا بچہ جو لڑکی تھی دو سالہ تھی۔ ان کو ان کی ماں اپنے ساتھ لے کر چلی گئی تھی۔ ۲۲ ر نومبر کو اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور ۲۷ ر نومبر کو اس کی زوجہ اس کو چھوڑ کر مع بچوں کے چلی گئی۔ اس ادعا کی زوجہ نے تردید کی کہ وہ بھی عیسائی ہو گئی تھی اور بطور واقعہ اس کا انکار صحیح ثابت ہوا۔ رپورٹ سے فریقین کی سماجی حیثیت کا پتا نہیں چلتا۔ نہ اس کے متعلق کوئی علم ہوتا ہے کہ باپ کے پاس جب کہ وہ ہندو تھا کس قدر جائداد تھی۔ یا یہ کہ اس کو شراکت میں کوئی حق بھی تھا یا نہیں۔ میسور کے چیف کورٹ نے (رامچندر رایہ اور کرشنا مرتی ارکان معمولی اور تھمبو چیٹی میر مجلس مختلف الرائے) یہ قرار دیا کہ باپ ان بچوں کو اپنے پاس رکھنے کا مجاز نہ تھا [1]

[1] ۔ وسیا بنام چیکا، ۱ میسور صفحہ ۳۲۴۔

جن قانونی شرائط کے تحت مقدمے میں بحث کی گئی وہ حسب ذیل ہیں: —
یہ کہ قانون نمبر ۲۱ سنہ ۱۸۵۶ء (آزادی مذہب) میسور میں نافذ نہیں ہے۔ یہ کہ قانون نشان نمبر ۲۱ سنہ ۱۰۶۶ء کو اس طرح وسعت دی گئی تھی اور یہ کہ گورنمنٹ نے ایک مقدمے میں جب کہ ہندوؤں نے دیسی عیسائیوں کے کنویں سے پانی لینے کے حق کے متعلق نزاع کی تھی" اس اصول کی تصدیق فرمائی کہ محض تبدیل مذہب سے کوئی باشندہ اس کے ان دیوانی حقوق یا سماجی حیثیت سے محروم نہیں کیا جاتا جو اس کو تبدیل مذہب سے قبل حاصل تھے"۔ یہ فیصلہ ایک انتظامی کارروائی میں صادر کیا گیا تھا۔ دفعہ ۱۱ چیف کورٹ ریگولیشن نے ضابطے کے اس قاعدے کو جس کی عدالت پابند ہے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے: "جب کسی نالش یا کارروائی میں چیف کورٹ کے لیے یہ ضروری ہو کہ مسائل قائم مقامی۔ وراثت۔ یا شادی کا فیصلہ کرے یا کسی ایسے مسئلے کا جس کا تعلق فرقے یا مذہبی رواج یا ادارے سے ہو
(الف) ہندو قانون۔ جب کہ فریقین ہندو ہوں یا
(ب) کوئی رواج اگر ایسا ہو۔ بشرطیکہ اس کی قوت مثل قانون کے ہو اور فریقین یا جائداد متعلقہ اس رواج کی تابع ہو۔ تو ہندو قانون یا رواج پر فیصلہ ہونا چاہیے (یعنے بالفاظ دیگر ہندو قانون یا کسی رواج پر فیصلہ مبنی کیا جانا چاہیے) بجز اس کے کہ اس قانون (دھرم شاستر) یا رواج میں مجلس وضع قوانین نے تبدیلی کر دی ہو یا انھیں کسی قانون کے تحت منسوخ کر دیا ہو۔ (ج) ان صورتوں میں جب کہ کوئی مختص قاعدہ موجود نہ ہو تو چیف کورٹ عدل و انصاف و نیک نیتی پر عمل کرے گی"۔

جسٹس کرشنا مرتی نے ہی اصل میں فیصلہ صادر فرمایا۔ انھوں نے اس کا اعتراف فرمایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ اسی قاعدے سے ہونا چاہیے ان کے فیصلے کی بنائے تجویز (Ratio decidendi) ذیل کی عبارت میں پائی جا سکتی ہے: — ۲۹۲
"دوسرے نظام ہائے قانون کے یہ قواعد کہ بچہ باپ کا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی پرورش و تعلیم باپ کے مذہب میں ہونی چاہیے۔ اس وقت متعلق نہ ہو سکیں گے جب کہ باپ نے کچھ ایسا کام کیا ہو جس کی وجہ سے وہ قانوناً کل موجودہ رشتوں سے

علیحدہ ہو جاتا ہو" صفحہ ۳۴۲۔

"ہندو لڑکا دادا اور پردادا کے موروثی مراسم کے ادا کرنے کے لیے اسی قدر پابند ہے جس قدر خود اپنے باپ کے لیے۔ مسلمہ ہندو تصورات کے لحاظ سے منجملہ تین اسلاف کے (باپ۔ دادا۔ پردادا) جو ایک جماعت ہوتے ہیں باپ خود ان میں کا ایک ہے اور وہ تینوں کو پتر کے مذہب سے مساوی دلچسپی ہوتی ہے۔ ہم اب ہندو بچوں کے متعلق بحث کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ کہ ان کا مذہب وہی ہونا چاہیے جو ان کے باپ کا تھا جب ان سے متعلق کیا جائے تو اس کو (قاعدے کو) وسیع مفہوم میں پڑھنا چاہیے۔ تاکہ ان تینوں کے اسلاف کا مذہب اس میں شامل ہو سکے۔ صرف باپ اپنے فعل تبدیل مذہب سے کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا۔ جو اس فائدے کے مغائر ہو جو اس کا بیٹا اپنے دادا اور پردادا کو پہنچا سکتا ہے" صفحہ ۳۴۶

"جو کچھ بھی ہم کریں ہمیں نہ چاہیے کہ ان کے لیے کھلی نقصانی حالت پیدا کریں۔ پدری مذہب کے قاعدے کی اس طرح تعبیر کی جانی چاہیے کہ اس سے وہ مذہب لیا جائے جو قبل تبدیلی اس کا تھا۔ یا اس سے اس نابالغ کے دادا یا پردادا کا مذہب لیا جانا چاہیے باپ کو حق حاصل ہے کہ بچے کو اپنی نگرانی میں رکھے لیکن اس حق سے نابالغ مجبور نہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے سماجی مذہبی اور دنیاوی معاملات میں ایثار کرے۔ اور کوئی باپ اپنے کسی فعل سے اس کا مجاز نہیں ہے کہ اس بچے کی حالت میں اس کی پیدائش کے بعد اس کے مفاد کے خلاف تغیر کرے۔" صفحہ ۳۴۸۔

قانون نشان نمبر ۱۲ بابت ۱۸۶۶ء کی دفعات ۲۷ و ۲۸ اور اس واقعے سے کہ ماں لازماً اپنے بچوں کی صحبت سے محروم ہو گی دوسرا استدلال اخذ کیا گیا تھا۔ یہ کہ ماں کا محروم کیا جانا سر جیمس ہیانن (بمقدمہ ڈالٹن بنام ڈالٹن لار رپورٹ جلد ۴ پروبیٹ اینڈ ڈیورس ڈویژن صفحات ۸۸ و ۸۹) کے بیان کردہ اصولوں کے خلاف تھا۔" درخواست گزار کے حقوق کے متعلق جس اصول سے عدالت کی رہنمائی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فسخ ازدواج سے بے گناہ فریق کو بہت ہی کم (جہاں تک ممکن ہو سکے) نقصان پہنچنا چاہیے۔ اور جہاں تک کہ

عدالت ایسا کر سکتی ہو اس کو اسی حالت میں رکھنا چاہیے جس حالت میں وہ اس وقت تھی جب کہ ازدواج فسخ نہیں ہوا تھا۔ اس کا طریقہ یہ ہے (الف) کہ اس کو اتنی رقم دلائی جائے کہ اس کے اخراجات کے لیے کافی ہو۔ اور (ب) یہ حکم دے کر اور انتظام کر کے کہ وہ اپنے بچوں سے بے ضرورت محروم نہ ہو جائے۔"
۲۹۲ سرآر۔ جے فلیمور نے یہ خیال ظاہر فرمایا۔ یہ کہ اس کو ملحوظ رکھنا عدالت کا فرض اولین ہے کہ بچوں کا فائدہ کیا ہے" $\frac{۳۴۹}{۳۵۱}$۔

**مقدمے پر بحث**

۲۱۶ - اس پر شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا استدلال مذکور اطمینان بخش ہے۔ گو وہ ظاہر میں نہایت ہی صاف اور نہایت ذکاوت سے پیش کیا گیا ہو۔ یہ کھلی بات ہے کہ ہندو دھرم سے انحراف کرنے والا فوراً ہندو جماعت سے جدا ہو جاتا ہے اور اس کے وہ کل حقوق جو اسے دھرم شاستر کے تحت حاصل تھے زائل ہو جاتے ہیں۔ وہ نہ تو وراثت کی نالش کر سکتا ہے اور نہ تقسیم کی۔ اور اگر رکن خاندان مشترک کی حیثیت سے وہ جائداد پر قابض تھا تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے دیگر شرکا اس کو حق مشترک سے بیدخل کر سکیں جس کو (یعنے اس حق مشترک کو) دھرم شاستر اس کے بعد سے تسلیم نہیں کرتا۔ اگرچہ ارتداد سے ایک شخص ذات سے باہر ہو سکتا ہے لیکن اس سے وہ طریدالقانون نہیں ہوتا۔ دھرم شاستر اس کے ساتھ بدتر سے بدتر برتاؤ کرنے کے بعد بھی وہ عدل و انصاف سے داد چاہ سکتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی بھی اس کا گھر لوٹ سکتا ہے یا اس کو اس کی اراضی سے خارج کر سکتا ہے۔ غالباً اس کا بھی ادعا نہیں کیا جا سکتا کہ ہر شخص جو اس کے بچے سے بیرون در ملاقات کرے اس بچے کو اپنے قبضے میں لے سکتا ہے اور باوجود اس کی مخالفت کے اس پر قابض رہ سکتا ہے عدالت اپنے فیصلے کو صرف اعلیٰ سے اعلیٰ نظریۂ عدل پر مبنی کر سکتی ہے۔ اس سے کم درجے کا نظریہ ناقابل قبول ہے۔ پہلا نظریہ یہ ہے کہ باپ خود اپنے اسلاف کو ان مذہبی فوائد سے محروم کرے گا جو وہ من بعد خود اس کے بچوں سے بہ وجہ ادائے رسوم حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر وہ قانوناً انھیں خود اپنے خدمات سے محروم کر سکتا ہے تو یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ کیوں وہ انھیں کم درجے کے خدمات سے (جو اس کے بچے انعام دیں گے)

محروم نہیں کر سکتا لیکن کوئی عدالت نصفت (مثل ان عدالتوں کے جس سے فاضل جج نے دادخواہی کی ہے) ایک مسلمہ قانونی حق کو خفیف کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں کرے گی۔ کیونکہ اس قانونی حق کے جائز استعمال سے ان اسلاف کی مسرت میں خلل پڑے گا جو دوسری دنیا میں منتقل ہو چکے تھے۔ یا جب وہ منتقل ہوں بچوں کے متعلق یہ قاعدہ کہ کوئی باپ اپنے کسی فعل سے اس کا مجاز نہیں ہے کہ بچے کی حالت میں اس کی پیدائش کے بعد اس کے مفاد کے خلاف تغیر کرے" نہایت ہی وسیع ہے۔ اس کو فوراً ان افعال تک محدود کرنا چاہیے جو خلاف قانون ہیں۔ یا مخرب اخلاق یا غیر عادلانہ قسم کے۔ فرض کیجئے کہ کوئی باپ ایسی جائداد سے دست بردار ہو جائے جس کے متعلق اس پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس کو قانونی حقیقت حاصل نہیں ہے۔ یا معقول آمدنی کی خدمت سے جس میں مبلغ بننے کے خیال سے مستعفی ہو جائے تو کیا کوئی عدالت اس کے بچوں کو چھین دے گی؟ یہ کہنا کہ باپ کا حق حفاظت لڑکے کے لیے سماجی۔ مذہبی یا دنیاوی ایثار کا باعث نہ ہونا چاہیے کسی واقعے پر مبنی نہیں ہے۔ ان بچوں کے مذہبی ایثار کا ذکر کرنا جن میں کا سب سے بڑا تین سال سے زیادہ سن کا نہ ہو بے شک ایک مہمل سی بات ہے اب رہیں سماجی اور دنیاوی قربانیاں۔ شاید فاضل حاکم نے اس کو فراموش کر دیا کہ جس فعل کے سبب مدعی ہند و جماعت سے خارج ہوا اسی فعل نے اسے ایسی جماعت میں داخل کر دیا جہاں اس کو مستحسن اور قابل تعریف سمجھا گیا۔ تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ اس استدلال کو پیش کرتے وقت انھیں اس کا خیال بھی نہ آیا کہ خود میر مجلس (جو سماعتِ مقدمہ کے صدر نشین تھے) دیسی عیسائی تھے۔ اور ان کا تبدیل مذہب انھیں دیسی ریاست کے اعلیٰ ترین عہدے پر پہنچانے کا مانع نہ ہوا۔ ۲۹۴

زوجہ کے حقوق کے متعلق جو اب بالکل صاف اور ظاہر ہے۔ جس فیصلے کا اقتباس کیا گیا وہ اس زوجہ کے مقدمے سے متعلق تھا جو اپنے شوہر کے خلاف قانون اور مخرب افعال کے باعث اس سے قطع تعلق کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس کا اطلاق اس صورت میں نہیں ہو سکتا جب کہ زوجہ خود اپنے مفاد اور دلچسپی کے لیے شوہر کے اس طرز عمل کے لیے جسے خلاف قانون یا مخربِ اخلاق تصور کرنے کی عدالت کو اجازت نہ ہو شوہر کو چھوڑ دیتی ہے۔ قانون نمبر ۲۱ سنہ ۱۸۶۶ء اس واقعے کو

تسلیم کرتا ہے کہ کوئی زوجہ جو اپنے شوہر کے اعتقادات میں شریک نہ ہو ذات باہر کیے جانے کے ان نتائج کو بھگتنے پر مجبور نہیں کی جا سکتی جو شوہر نے جان بوجھ کر اپنے لیے قبول کیے ہوں۔ قانون مذکور اس کے فائدے کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن اس میں کہیں بھی یہ چیز ظاہر نہیں ہوتی کہ اگر زوجہ اس امر کو اختیار کرے کہ شوہر اس کی صحبت سے محروم ہو جائے تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو (شوہر) اس کے بچوں کی صحبت سے بھی محروم کر دے۔

**غیر صحیح النسب بچہ**

**د ۲۱۷**۔ غیر صحیح النسب بچے کی نظری ولی ماں ہوتی ہے۔ لیکن جب اس نے اجازت دے دی ہو کہ بچہ اس سے علیحدہ کر لیا جائے اور باپ اس کی پرورش کرے۔ یا وہ اشخاص اس کی پرورش کریں جنھیں باپ نے مامور کیا ہو۔ تو عدالت اس کی اجازت نہیں دے گی کہ ماں کے حقوق نافذ ہوں۔ بالخصوص اگر ان حقوق کے نفاذ سے بچے کو نقصان پہنچتا ہو۔ یعنے جب وہ اعلیٰ قسم کی زندگی اور تعلیم کے فوائد سے محروم ہوتا ہو[1] خود اس کی مسلسل بد اخلاقی کی حالت کافی وجہ ہوگی کہ اس بچے کو نہ دیا جائے جو اور طرح بہتر طریقے سے پرورش پا رہا ہو[2]

**نتیجہ معاہدات**

**د ۲۱۸**۔ نابالغ کے معاہداتی افعال قانون معاہدہ نشان نمبر ۹ سنہ ۱۸۷۲ء کے احکام کے تابع ہیں۔ لیکن حال حال تک ہندوستانی عدالتوں نے اس قانون کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ گویا اس قانون نے قانون غیر موضوعہ (انگلستان) کے نظریوں کو بدلا ہی نہیں۔ تاہم سنہ ۱۹۰۲ء میں اس مسئلے پر جوڈیشل کمیٹی نے تفصیل بحث فرمائی۔ اور یہ قرار دیا گیا کہ اس قانون کی دفعات ۲۔ ۱۰ اور ۱۱ کے صحیح مفہوم میں نابالغ کا معاہدہ قطعاً کالعدم ہے نہ کہ صرف ممکن الانفساخ۔ اور یہ کہ

---

[1] فیصلہ یکطرفہ۔ انیاز النسا بیگم جلد ۲ نوٹس آف کیسس صفحہ ۲۷۱۔ سرکار بنام ظلجر۔ ابتدائی مقدمات پری صفحہ ۱۰۹۔ متی بھائی بنام کو تکاری فیصلہ جات مدراس سنہ ۱۸۶۶ء صفحہ ۴۵۰ اللال داس بنام نجنجو ۴ کلکتہ صفحہ ۳۷۴ کریا دن پوکر بنام کایت بیرن ۱۹ مدراس صفحہ ۴۶۱۔

[2] وینکا بنام سوت رما ۱۲ مدراس صفحہ ۶۷۔

اگر اس کو اس کی حیثیت کے مطابق ضروریات فراہم ہی کیے گئے ہوں تو اس کی ذات کے خلاف کوئی چارۂ کار حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ دفعہ ۶۸ کے تحت اشیا فراہم کرنے والا اس نابالغ کی جائداد سے ادائی خرچ کا مستحق ہو[۵۱]۔ باطل ہونے کے سبب نابالغ کا معاہدہ اس کے بالغ ہونے کے بعد منظور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ابتدائی معاہدے پر جدید بدل کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جب معاہدے کا وہ جزو جو اس کے بالغ ہونے کے بعد منعقد ہوا ہو دوسرے کل سے علٰحدہ ہو سکتا ہو تو اس کو جزواً نافذ کرایا جا سکتا ہے۔

جائداد نابالغ کا منتظم یا نابالغ کا ولی اس کا مجاز نہیں ہے کہ نابالغ یا جائداد نابالغ کو خریدی جائداد غیر منقولہ کے معاہدے کا پابند کرے۔ اور چونکہ نابالغ اس معاہدے کا پابند نہیں ہے وہ معاہدہ باہمی نہیں ہے اور اس لیے خود نابالغ بھی اس معاہدے کی تعمیل مختص کا حکم حاصل نہیں کر سکتا[۵۲]۔ برخلاف اس کے قانون میں اس کی ممانعت نہیں ہے کہ وہ کسی جائداد کا منتقل الیہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر دستاویز بیع نابالغ کے حق میں جاری کی گئی ہو اور بدل کا کوئی جزو اس سے تعمیل طلب نہ ہو تو وہ اس جائداد کے قبضے کے لیے نالش کر سکتا ہے[۵۳]۔ مدراس کے ایک مقدمے میں[۵۴] اس کے خلاف ۲۹۶
اظہار رائے کیا گیا ہے۔ لیکن من بعد اس رائے سے کلکتے میں اختلاف فرمایا گیا اور خود عالیہ عدالت مدراس کے اجلاس کامل نے اسے اب منسوخ فرما دیا ہے[۵۵]۔ اس مقدمے

---

۵۱۔ موہری بی بی بنام دھرمو داس۔ ۳۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۴۔ ۳۰ کلکتہ صفحہ ۵۳۹ بالون سنگھ بنام آر۔ کالانسی ۲۴ الہ آباد صفحہ ۲۹۶ پی۔ سی۔ ابتحاج کے متعلق دیکھئے جگن رام بنام مہادیو ۳۶ کلکتہ صفحہ ۷۶۰۔ مقدمہ نندن بنام اجودھیا ۲۳ الہ آباد صفحہ ۳۲۵ یہ قرار دیا گیا کہ بہن کی شادی کے معقول اخراجات کا بار خاندانی جائداد پر جو نابالغ بھائی کے قبضے میں ہو عائد ہو سکتا ہے۔

۵۲۔ میر سرور خاں بنام فقیر الدین ۳۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۔ ۳۹ کلکتہ صفحہ ۲۳۲۔

۵۳۔ الفت رائے بنام گوری شنکر ۳۳ الہ آباد صفحہ ۶۵۷ منی کنور بنام مدن گوپال ۳۸ الہ آباد صفحہ ۶۲ نارائن داس بنام مسماۃ دانیا ۴۸ الہ آباد ۳۲۵

۵۴۔ نوا کوتی نارائن چیٹی ۳۳ مدراس صفحہ ۳۶۲۔

۵۵۔ راگھو چاریہ بنام سرینواس راگھو چاریہ ۴۰ مدراس صفحہ ۳۰۸۔

میں عدالت نے مزید براں یہ قرار دیا ہے کہ وہ نابالغ جس نے کل زر دین ادا کیا ہو اس رہن کو نافذ کرا سکتا ہے اس کی وجہ یہ قرار دی گئی ہے کہ جب نابالغ کے ذمے کچھ کرنا باقی نہ ہو تو اس معاملے کو تعمیل شدہ انتقال حق سمجھا جا سکتا ہے۔ اور ایسے حق کو وہ قطع نظر معاہدے کے نافذ کرا سکتا ہے۔

دفعہ ۱۸۴ (قانون معاہدہ) کے تحت کوئی نابالغ کارندے کا تقرر نہیں کر سکتا لیکن جب ایک شخص کو قانون کارندۂ نابالغ ہونے کی اجازت عطا کرے تو ایسا کارندہ نابالغ کو اپنے افعال کا پابند کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس اجازت کو صرف انھیں اغراض کے لیے استعمال کرے جن کے لیے وہ عطا کی گئی تھی۔ لہذا جب نابالغ کا ولی ان اغراض کے لیے معاہدات منعقد کرے تو نابالغ پابند ہو گا۔ اگرچہ اس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تھا[۴]۔ عالیہ عدالت مدراس کے ایک مقدمے میں یہ قرار دیا گیا کہ نابالغ معاہدۂ شاگردی (Appren- ticeship) کر سکتا ہے اور وہ اس کا پابند بھی ہو سکے گا بشرطیکہ وہ معاہدہ اس کے لیے مفید ہو۔ لیکن ایسے معاہدے کی تعمیل مختص اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ نہ تو اس کو دوسروں کی ملازمت میں داخل ہونے سے منع کیا جا سکتا ہے اور نہ دوسروں کو منع کیا جا سکتا ہے کہ اس کو اپنی ملازمت میں نہ رکھیں[۵]۔

**ولی کا اختیار نابالغ کو پابند کرنے کے لیے** جب نیک نیتی سے اور اس کے فائدے کے لیے ولی انتظام جائداد کے دوران میں کوئی کام کرے تو نابالغ ولی کے اس فعل کا بھی پابند ہو گا۔ اور بالخصوص جب کہ وہ فعل ایسا ہو کہ خود نابالغ اگر وہ پوری عمر کا ہوتا تو اپنے لیے خود وہ کام کرتا[۶]۔ [ایک ہندو بیوہ نے ایک دستاویز تحریر کی

---

۴۔ رنسال سنجی بنام ودی لال ۲۰ بمبئی صفحہ ۱۶۰ صفحہ ۷۔ مراری بنام تیا نا ایضاً صفحہ ۲۸۶ سندراجہ بنام سن ہو سامی ۱۷ مدراس صفحہ ۳۰۶ بھول ساہو بنام بیجناتھ ۳۵ کلکتہ صفحہ ۳۲۰ ورا سامی ریڈی بنام تھیل ریڈی ۳۱ مدراس صفحہ ۴۰۵۔

۵۔ پالرڈ بنام راوز ۳۳ مدراس صفحہ ۲۸۸۔

۶۔ کامینتی بنام پیرد ۱ مدراس ۱۸۵۵ء صفحہ ۹۹۔ تاکل بنام سبل ۲ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۷۴۔ مانی شنکر بنام بائی موتی ۲ بمبئی صفحہ ۱۰۶۔ ناتھو رام بنام سوما چھگن ۱۴ بمبئی صفحہ ۵۶۲۔ قمرالدین بنام شیخ بہادر ۱۱ اسد ریفنسٹ

بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

اور اپنے کو "الف نابالغ کی ماں" ظاہر کیا قرار دیا گیا کہ اس نے اس نابالغ کی ولیہ کی حیثیت سے اسے جاری کیا تصور کیا جائے گا بجز اس کے شہادت اس کے خلاف ہو[۱] ] لیکن اس وقت نابالغ پابند نہ ہوگا جب کہ اس کا فعل نابالغ کے لیے مفید نہ ظاہر ہو[۲]۔ اور جو شخص ولی ۲۶۷

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ صفحہ ۴۳ مقبول بنام سریمتی سند ۳۰ بنگال لارپورٹ (نظائر مرافعہ) صفحہ ۵۴-۱۱ سدرلینڈ صفحہ ۲۹۶-گرو پرشاد بنام مدن صدر دیوانی ۱۸۵۶ء صفحہ ۹۰۸-سندرنارائن بنام بیندرام ۴ کلکتہ صفحہ ۷۶۔ روشن سنگھ بنام ہرکشن ۳ الہ آباد صفحہ ۵۳۵ شکر چند بنام دلپتی ۵ کلکتہ صفحہ ۳۶۳ نروانیا ۹ بمبئی صفحہ ۳۶۵ پٹہ دینے کے متعلق ولی کے اختیارات کے لیے دیکھئے نوکشن بنام کالی پرشاد صدر دیوانی ۱۸۵۹ء صفحہ ۶۰۷ گوپی ناتھ بنام رام جیون ایضاً صفحہ ۹۱۳ بی بی مولت النسا بنام رو بت بیوی ایضاً صفحہ ۱۵۷۵-سبرامنی ایر بنام ارموگا چیٹی ۲۶ مدراس صفحہ ۳۳۰-ان معاہدات کے لیے جن میں قانونی منظوری ضروری ہے دیکھئے دیبی دت بنام سبدرا ۲ کلکتہ صفحہ ۲۸۳ منجی رام بنام تاراسنگھ ۳ الہ آباد صفحہ ۸۵۲-درگا پرشاد بنام کیشو پرشاد ۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۷-۸ کلکتہ صفحہ ۶۵۶-رائے بالکرشنا بنام معصوم بی بی ۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۸۳ ۵ الہ آباد صفحہ ۱۴۲-ونپت سنگھ بنام سپدرا ۸ کلکتہ صفحہ ۶۲۰-ہرندر نارائن بنام مومن ۱۵ کلکتہ صفحہ ۴۰-بھیندر نارائن بنام بنما چند ایضاً صفحہ ۶۲۷ گرراج بخش بنام قاضی حمید ۹ الہ آباد صفحہ ۳۴۰-بلامنظوری عدالت ولی کا نابالغ کی جائداد پر معاملت کرنے کے لیے قانون نمبر ۸ سنہ ۱۸۹۰ء دفعہ ۲۹ لالہ ہرو بنام لبسرتھ ۲۵ کلکتہ صفحہ ۹۰۹-دتا رام بنام گنگارام ۲۳ بمبئی صفحہ ۲۸۷ تیج پال بنام گنگا ۲۵ الہ آباد صفحہ ۵۹ غریب اللہ بنام خالق ۳۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۶۵-۲۵ الہ آباد صفحہ ۴۰۷-آبائی تجارتی کاروبار اور ولی کے اختیار کے لیے رام پرتاب بنام فولی بائی ۲۰ بمبئی صفحہ ۷۶۷ صفحہ ۷۷۷ رگھوناتھ جی بنام بمبئی بنک ۳۴ بمبئی صفحہ ۷۲ سنکھا کرشنا بنام برما بنک ۳۵ مدراس صفحہ ۶۹۲۔

[۱]- واٹسن بنام شام لال متر ۱۵ کلکتہ صفحہ ۸ مجنون کی کیٹی کے اختیارات کے لیے دیکھئے مقدمات ابیلکھ بھاگوت بنام بھیکی متھو ۲۲ کلکتہ صفحہ ۸۶۴ ان پرنابائی بنام درگپا ۲۰ بمبئی صفحہ ۱۵۰۔

[۲]۔ سمباسیون بنام کرسین مدراس ۱۸۵۵ء صفحہ ۲۵۲ نواب سید اشرف الدین بنام شام سندری صدر دیوانی ۱۸۵۲ء صفحہ ۵۳۱ نوکشن بنام کالی پرشاد ایضاً ۱۸۵۹ء صفحہ ۶۰۷۔ لالہ بنسی دھر بنام کنور بندیسری ۱۰ مورصفحہ ۴۵۴ سنو بنام دھونڈو ۲۸ بمبئی صفحہ ۳۳۰ محمد بنام سخاوت ۲۳ الہ آباد صفحہ ۱۶۴ نالش تعمیل مختص منجانب نابالغ یا اس کے خلاف ان معاہدات کی بابت جو ولی نے منعقد کیے ہوں۔

کے ساتھ معاملہ کرے اس کو چاہیئے کہ اس کے فعل کی صحت کے متعلق تحقیق کرے[۱] ۔ اور جب وہ فعل ایسے کا ہو جو اس کا ولی نہیں ہے بلکہ جو منتظم جائداد ہے جسے خود اس جائداد میں حق حاصل ہے تب بھی وہ اسی طرح پابند ہوگا بشرطیکہ حالات کے لحاظ سے اس طریقے کو اختیار کرنا ضروری اور مناسب ہو[۲] ۔

**ولی مجاز ہے کہ ایسے قرضے ادا کرے جن پر میعاد عارض ہو چکی ہو**

بمقدمہ چودھری چیڑ سال بنام گورنمنٹ (۳ سدر لینڈ صفحہ ۵۷) یہ قرار دیا گیا کہ اگر فی الحقیقت واجب الاداء دین ہو تو ولی ادا کر سکتا ہے اگرچہ قانوناً میعاد عارض ہو چکی ہو ۔ بیوہ اپنے شوہر کے قرضوں کو فرائض مذہبی کی بنا پر ادا کر سکتی ہے (ف ۶۳۴) مقدمات ذیل میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ معمولی منتظم ہندو خاندان اپنی اس حیثیت سے اور بلا خاص اجازت کے بذریعۂ اقبال ایسے قرضے کی تجدید نہیں کر سکتا ۲۹۸

---

حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ فاطمہ بی بی بنام دب ناتھ شاہ ۲۰ کلکتہ صفحہ ۵۰۸ ۔ ٹیگو لیکشوری بنام انند لال ۲ کلکتہ صفحہ ۵۴۵ کرشنا سامی بنام سندر پیا ۱۸ مدراس صفحہ ۴۱۵ ۔ سردر جان بنام فقیر الدین ۳۹ کلکتہ صفحہ ۲۳۲ پی سی

[۱] ۔ دلیپا بائی بنام گوپی بائی ۲۶ بمبئی صفحہ ۴۳۳ مقدمۂ ذیل میں اس معاہدے کی تکمیل کے متعلق بحث تھی جو عدم قابلیت کے زمانے میں منعقد کیا گیا تھا لیکن جس کی تکمیل اس وقت ہوئی جب کہ یہ رکاوٹ دور ہو چکی تھی گریکس بنام اوتیاوب ۱۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲ ۔ ۱۷ کلکتہ صفحہ ۲۲۳ جب نابالغ بالغ ہونے کے بعد معاہدے کو مسترد کرنے کا مجاز ہو تو بالغ ہونے کی معقول مدت کے اندر استرداد ضروری ہے ۔ کارٹر بنام سلور ۱۸۹۲ء ۲ چانسری صفحہ ۲۷۸ ۱۸۹۳ء نظائر مرافعہ صفحہ ۳۶۰ میں اس کو بحال رکھا گیا مقدمۂ جونس ۲۳ چانسری ڈویژن صفحہ ۱۶۱ منظوری بیکار ہوگی اگر جائداد اس کے پاس سے نکل گئی ہو ۔ جو معاملے کو منظور کر سکتا ہے لالہ رادت صدر دیوانی ۱۸۵۵ء صفحہ ۳۱۲ ۔

[۲] ۔ ہنومان پرشاد بنام مساۃ بالوسی ۶ مور صفحہ ۳۹۳ مہانند منڈل بنام نفور منڈل ۲۶ کلکتہ صفحہ ۸۲۰ بالاجی نارائن بنام نانا ۲۷ بمبئی صفحہ ۲۸۷ بسوا ناتھ پرشاد بنام جگدیپ نارائن ۴۱ کلکتہ صفحہ ۲۴۲ علیٰ ہذا جب کہ مشترک رکن مجنون تھا اور منتظم نے تحت قانون نمبر ۳۵ ۱۸۵۸ء صداقت نامہ حاصل نہیں کیا تھا حسبۂ قرار دیا گیا کرتی چندر بنام تشیشور گسوامی ۲۵ کلکتہ صفحہ ۵۸۵ ۔ واقعی ولی کے افعال کے متعلق دیکھئے مجیدن بنام راؤ نارائن الہ آباد ۹ صفحہ ۱۰۴ تقسیم جائداد خاندان کے متعلق جب کہ ایک رکن نابالغ ہو بھگوتی الہ آباد ۴۵ صفحہ ۱۲۷

جس پر یوں بھی تمادی عارض ہو چکی ہو۔[1] یہ دلائل قوی تر یہ ظاہر ہے کہ وہ ایسے قرضے کو ادا نہیں کر سکتا۔ اور وہ ولی جو محض ایک امین ہو بالکل ہی اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اسی مقدمے میں یہ بھی قرار دیا گیا کہ منتظم کو موجودہ قرضے کے اقبال کے لیے ایسا ہی اختیار حاصل ہے جیسا کہ قرضہ حاصل کرنے کے لیے۔ عدالت مدراس نے اس نظریے کو وسعت دے کر نابالغ کے ولی سے بھی متعلق کیا۔[2] لیکن عالیہ عدالت کلکتہ نے اس تجویز سے اس بنا پر اختلاف فرمایا کہ دفعہ ۱۹ قانون میعاد سماعت کے تحت نابالغ کا ولی اس کا کارندہ نہیں سمجھا جا سکتا۔[3] عالیہ عدالت بمبئی نے کچھ عرصے تک یہی رائے قائم کی۔ لیکن من بعد اجلاس کامل سے استصواب کرنے پر یہ قرار دیا کہ نابالغ کا ولی اگر اس کے مفاد کے لیے عمل پیرا ہو تو قانون مذکور کے مفہوم میں اس کا کارندہ سمجھا جائے گا۔[4] عالیہ عدالت الہ آباد کے اجلاس کامل نے بہ غلبۂ آرا یہی رائے قائم کی ہے۔[5]

**الف** دفعہ ۲۱۸۔ جب باپ یا کوئی اور شخص اپنے نابالغ لڑکے کا ولی دوران مقدمہ میں ہو تو وہ احکام ضابطۂ دیوانی کا پابند ہو گا کسی مصالحت یا معاہدے سے نابالغ کو ایسا شخص پابند نہیں کر سکتا۔ اگرچہ وہ خود فریق مقدمہ رہا ہو اور اس معاہدے کا انعقاد ایسی شرائط کے تحت کیا ہو جن کی وجہ سے وہ معاہدہ اس کے لیے واجب التعمیل ہوتا اگر وہ فریق مقدمہ نہ ہوا ہوتا۔[6]

[حالیہ نظائر:۔ اگر منتظم ہندو خاندان نے نیک نیتی سے مصالحت کی ہو تو تمام شرکا بشمول کمسن شرکا اس مصالحت کے پابند ہوں گے۔[7] اگر خود باپ

۱۔ چنیا بنام گردناتھن ۵۰ مدراس اجلاس کامل صفحہ ۱۶۹۔ مہاسکر تاتیا ۱۷ بمبئی صفحہ ۵۱۲۔

۲۔ سبندھری بنام سری بدا طوبر ۲۰ مدراس صفحہ ۱۲۲ بمقدمہ رامینی ایر بنام ارد موگا چٹی ۲۶ مدراس صفحہ ۲۳۰ اس کا اتباع کیا گیا۔

۳۔ رحیلن بنام قادر بخش ۳۱ کلکتہ صفحہ ۲۹۲۔

۴۔ رانا بنگچی بنام ددی لال ۲۰ بمبئی صفحہ ۶۱ صفحہ ۴۷۔ ناناپگو دا بنام کیرو ۲۶ بمبئی صفحہ ۲۲۱۔

۵۔ راجرن بنام گنگا پرشاد ۳۰ الہ آباد صفحہ ۲۲۴۔

۶۔ گنیش راؤ بنام تلجا رام راؤ ۔ ۳۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۳۲ - ۳۶ مدراس صفحہ ۲۹۵۔

۷۔ ارکا داس بنام کرشنا ۱۹۳۱ء لاہور صفحہ ۱۴ صفحہ ۱۲۳ تا صفحہ ۱۲۴۔ دنگل لعل بنام جے منگل ۱۹۲۶ء پٹنہ صفحہ ۴۸۰۔

ولی دوران مقدمہ ہو تو اس کے اختیارات احکام ضابطہ دیوانی آرڈر ۳۲ رول ۷ کے تابع ہوں گے اور وہ بلا اجازت عدالت مصالحت نہیں کر سکتا۔ عدالت ایسی مصالحت کو منسوخ کر سکتی ہے[۱]۔

**نابالغ بالذات پابند نہیں کیا جاسکتا**

**ف ۲۱۹**۔ ہر صورت میں ولی یا منتظم صرف اس جائداد کو معرض انتقال میں لاسکتا ہے جو اس کی امانت میں ہو محض شخصی معاہدے سے ولی یا منتظم نابالغ کو پابند نہیں کر سکتا۔ مثلاً جب کہ ایک ولی نے اس غرض سے کہ مواخذہ ادا ہو جائے جائداد کا ایک جزو بیع کر دیا۔ قرار دیا گیا کہ اس کا یہ عمل بالکل واجبی تھا۔ یہ جزو سرکاری لگان سے مبرا بیع کیا گیا اور اسی وجہ سے زیادہ قیمت وصول ہوئی دستاویز انتقال میں یہ معاہدہ تھا کہ نابالغ اور اس کے ورثا مشتری کے اس نقصان کی تلافی ۲۹۹
کریں گے جو آیندہ لگان کے عائد کرنے سے اس کو ہو۔ اور یہ بھی طے پایا کہ اس نقصان کی رقم کا بار ایک تو غیر بیع شدہ حصۂ جائداد پر ہوگا اور دوسرے نابالغ اور اس کے ورثا اپنی ذات سے اس رقم کو ادا کریں گے۔ نابالغی کی مدت ختم ہونے کے بعد گورنمنٹ نے اس پر لگان مقرر کیا اور مشتری نے اس معاہدے کی تعمیل کے لیے نالش کی پریوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ بعد بلوغ اس ذاتی معاہدے کی پابندی نابالغ پر عائد نہیں ہوتی۔ ایسا معاہدہ اختیارات ولی سے خارج ہے۔ انھوں نے خیال فرمایا کہ شاید اراضی پر اس معاہدے کی پابندی عاید ہو سکے کیونکہ معاہدے کا نتیجہ یہ تھا کہ اس اراضی کو بچا لیا جائے جو صورت دیگر میں بیع ہو جاتی ہو۔ اس امر کا تصفیہ کرنا غیر ضروری تھا کیونکہ خاص قانون کے تحت وہ زمین جملہ بار سے آزاد کر دی گئی تھی[۲]۔ علی ہذا جب ولی یا قائمقام قانونی منجانب نابالغ کاروبار کرتا ہو تو اس کاروبار کے قرض خواہان براہ راست نابالغ یا اس کی ذات کے خلاف کوئی چارۂ کار اختیار نہیں کر سکتے[۳] لیکن چونکہ جائز ذمہ داریوں کے نقصان کا معاوضہ ولی نابالغ اس کی اس جائداد سے پانے کا مستحق ہے جو شریک کاروبار تھی

---

[۱]۔ وینکٹ راؤ بنام تلجارام راؤ ۱۹۲۲ء ۴۹ مرافعجات ہند صفحہ ۹۱ یہ مقدمہ ۴۰ مرافعہ جات ہند کے سلسلے میں تھا۔

[۲]۔ دگیلا راج سنجی بنام شیخ مصلح الدین ۱۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۹ ا ۱ بمبئی صفحہ ۵۱ ا ۵ رتن سنگھی ۲۰ بمبئی صفحہ ۔

[۳]۔ کھترا موہن بنام تلیشنکمار ۲۲ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۸۰ ۴ بمقدمۂ سنیاسی چرن منڈل ۴ کلکتہ صفحہ ۲۲۵ بھی دیکھیے۔

اس لیے قرضخواہ بھی براہ راست ایسی جائداد کے خلاف چارہ کار اختیار کرنے کے مجاز ہیں۔ لہٰذا جب ولی ایسی جائداد سے اپنے نقصان کی تلافی نہ کرسکتا ہو مثلاً جب کہ اس کا عمل نامناسب ہو تو قرضخواہوں کو بھی حق نہ ہوگا۔ ہندو قانون کو ملحوظ رکھ کر یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا گیا ہے بلکہ انگریزی فیصلہ جات کے اصول انصاف وعدل ونیک نیتی پر مبنی ہے[۱]۔ مقدمۂ ذیل کا فیصلہ بھی اسی اصول پر مبنی کیا گیا تھا۔ واقعات۔ اس نالش کی بنیاد یہ ایک شخص مسمی درگا پرشاد کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ ایک شخص مسمی رامانج دیال فرزند گنگا سرن کو پرورش کرے گا اور تعلیم وتربیت دے کر اس کو اپنا وارث بنائے گا اس معاہدے سے قبل جس کا کہ ادعا کیا گیا درگا پرشاد نے رامانج دیال کو جو اس کی بہن کا لڑکا تھا اپنے گھر میں رکھا تھا اور درگا پرشاد کو اس سے بہت محبت ہوگئی تھی۔ یہ معاہدہ اس غرض سے کیا گیا تھا کہ گنگا سرن کو یہ ترغیب ہو کہ وہ اپنے لڑکے کو نہ لے جانے پائے اور اپنے طریقے پر اس کو تعلیم نہ دے سکے۔ باپ رضامند ہوگیا۔ "میں نے بالآخر اس بچے کو چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ میں اس بچے کے جملہ حقوق سے دست بردار ہوتا ہوں اور اس کو لے جانے کا خیال میرے دل میں باقی نہیں رہا"۔ درگا پرشاد نے نہ تو کوئی دستاویز تحریر کی اور نہ کوئی وصیت نامہ۔ اور اس کی وفات پر اس کی بیوگان نے ورثا کی حیثیت سے جائداد پر قبضہ کرلیا۔ جوڈیشل کمیٹی نے یہ قرار دیا کہ نہ تو کوئی معاہدہ ہوا اور نہ کوئی اقرار۔ صرف توقعات ہی توقعات تھے۔ گنگا سرن رامانج کو صرف اس کے زمانۂ نابالغی میں پابند کرسکتا تھا۔ اور یہ کہ درگا کا رامانج کو اپنا وارث بنانے کے لیے قطعی اقرار کرنا قرین قیاس نہیں ہے جب کہ رامانج بعد بلوغ اس کے ساتھ رہنے پر کسی طرح مجبور نہیں تھا[۲]۔ جب قابض جائداد کوئی کام کرے اور اس کا ادعا یہ نہ ہو کہ وہ منجانب نابالغان ایسا کر رہا ہے بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہو کہ وہ خود مالک جائداد ہے۔ اور یہ کہ وہ خود اپنی جانب سے وہ کام کر رہا ہے تو اس کے اس فعل کا وہ نابالغ پابند نہ ہوگا جو حقیقۃً اس جائداد کا

۳۰۰

[۱] سنکر کرشنا مرتی بنام سرابنک ۳۵ مدراس صفحہ ۶۹۲۔

[۲] لالہ نرائن بنام رامانج ۲۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۶ – ۲۰ الہ آباد صفحہ ۲۰۹۔

مستحق ہے[۱]۔ [ولی کا کوئی فعل نابالغ کو پابند نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ وہ کام ولی نے بحیثیت ولی انجام دیا ہو۔ اگر بحیثیت ولی وہ کام انجام دیا گیا ہو تو نابالغ پابند ہوگا بشرطیکہ اور طرح بھی وہ کام اس کے اختیار کے دائرے میں تھا ہر صورت میں الفاظ دستاویز اور حالات پر غور کرنا ضروری ہے۔ نندن پرشاد بنام عبدالعزیز ۱۹۲۳ء الہ آباد جلد ۵ صفحہ ۹۰۴] نابالغ کا اعتراض خود نابالغ کرسکتا ہے۔ وہ جو اس سے معاملہ کریں ہمیشہ پابند ہیں اگرچہ کہ وہ خود نہ ہو[۲]۔

**تنسیخ کے وقت تعین حقوق نصفتی**

جب نابالغ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد بیع یا رہن کو منسوخ کرنے کی نالش کرے تو اس کا یہ فرض ہے کہ زرِ ثمن واپس کر دے جبکہ اس کی جائداد اس زرِ ثمن سے مستفید ہوئی ہو۔ یا اس رقم قرضہ کے مواخذے کے ساتھ جائداد پر قابض رہ سکتا ہے جس قرضے کی ذمہ داری سے وہ جائداد بذریعۂ بیع مبرا ہو گئی ہو[۳]۔ لیکن جن اسناد کا حوالہ اس فقرے میں اور فقرۂ گذشتہ میں دیا گیا اب ان صورتوں تک محدود سمجھنا چاہیئے جب کہ معاہدہ کسی ایسے شخص نے کیا ہو جو نابالغ کو پابند کرنے کا بادی النظر میں مجاز ہو۔ جب وہ معاہدہ جس پر بھروسا کیا گیا ہو خود نابالغ کا منعقد کیا ہوا ہو تو وہ شروع سے کالعدم ہے (فقرہ ۲۱۸) اور لہذا وہ بدل نہیں ہو سکتا جس سے معاہدہ دوسرے ۲۰۱
فریق کے لیے واجب التعمیل ہو جائے۔ اور نہ اس سے کوئی حقوق (equites)

۱۔ بہادر علی بنام سوکیا ۱۲ اسد رلینڈ صفحہ ۳۰۴ گدگیا بنام اپاجی ۱۲ بمبئی صفحہ ۲۳۰۔ اندر چندر سنگھ بنام رادھا کشور ۱۹ کلکتہ صفحہ ۵۰۷ بلونت سنگھ ۴۳ الہ آباد صفحہ ۲۹۲۔

۲۔ ہنمنت لکشمن بنام جے راؤ ۱۲ بمبئی صفحہ ۵۰۔ محمد عارف ۸ کلکتہ صفحہ ۲۵۹۔ ننا کا بنام کوٹیا فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۵ء صفحہ ۱۸۴۔

۳۔ بخش بنام دولہن ۱۲ اسد رلینڈ صفحہ ۳۲۷۔ ۳ بنگال لاء رپورٹ (مرافعہ) صفحہ ۴۳۳ پرن چندر بنام کرونامائی ۷ بنگال لاء رپورٹ صفحہ ۹۰۔ ۵ اسد رلینڈ صفحہ ۲۶۸ بائی کر بنام گنگا ۸ بمبئی عدالت عالیہ (مرافعہ) صفحہ ۸۱۔ مرزا پناہ بنام سید صادق ۷ شمالی مغربی صفحہ ۲۰۱۔ بنام موتی پریداس ۳ بمبئی صفحہ ۲۳۴ سیو یا پلے بنام نیسامی ۲۲ مدراس صفحہ ۲۸۹ جگرناتھ بنام للتا پرشاد ۱۲ الہ آباد صفحہ ۲۱۔

نابالغ کے خلاف پیدا ہو سکتے ہیں جیسا کہ جسٹس رومر (Romer) نے ایک مقدمے میں فرمایا جس کو دارالامرا نے بحال رکھا :- " مختصر جواب یہ ہے کہ عدالت نصفت کبھی بھی یہ نہیں کہہ سکتی کہ کسی کو ان رقوم کے ادا کرنے کے لیے مجبور کرنا اصول نصفت کے لحاظ سے درست ہے جو اس شخص کے خلاف ایسے معاملے کی بابت ہو جسے مجلس وضع قوانین نے کالعدم قرار دیا ہو[۱]"

**نابالغ کا اپنی عمر کے متعلق جھوٹا بیان دینا**

ف ۳۲۰۔ انگلستان اور ہندوستان دونوں عدالتوں کے ملاحظے میں ایک مسئلہ بار بار پیش ہوا اور اس پر کوئی صاف اور صریح عدالتی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب جب فیصلۂ عدالت مرافعہ اس کی یکسوئی ہو چکی ہے[۲] وہ سوال یہ ہے کہ آیا وہ نابالغ جس نے فریب اور غلط بیانی سے دوسرے کو اس سے معاہدہ کرنے کی ترغیب دی ہو اس معاہدے کے متعلق نالش ہونے کی صورت میں نابالغی کا عذر کر سکتا ہے۔ یا بحیثیت مدعی کے اس کی کوشش کر سکتا ہے کہ وہ معاہدہ منسوخ ہو جائے ؟۔ جب وہ جائداد (جو اس قسم کے بیان کی وجہ سے حاصل کی گئی تھی) نابالغ کے قبضے میں ہو تو عدالت نصفت مداخلت کرکے اس کو واپس کرائے گی جس طرح نصفت مداخلت کرکے شخص فریب خوردہ کو ان وجوبات سے آزاد کرتی ہے جو اس پر بوجہ فریب عائد ہوئے ہوں اسی طرح جائداد بھی واپس کرائی جاتی ہے۔ لیکن جب دادرسی کا اصلی مقصد یہ ہو کہ نابالغ کے معاہداتی وجوب کو نافذ کرایا جائے تو ایسی دادرسی کو اثر پذیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس دادرسی کو کسی اور نام سے موسوم کرنے سے کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ بنائے دعویٰ یہ ہے کہ رقم حاصل کرکے واپس نہیں کی گئی۔ یا اہرمانع تقریر مخالف پر دعوے کو مبنی کرنے کی کوشش کی گئی[۳] اگر یہ طریقہ محض اس لیے اختیار کیا گیا ہو کہ

---

[۱]۔ تھرسٹن بنام ناٹنگھم بلڈنگ سوسائٹی ۱۹۰۲ء جلد ا چانسری صفحہ ۱۳ ۱۹۰۳ء نظائر مرافعہ میں بحال رکھا گیا۔ اس کا اتباع موہری بی بی بنام دھرمو داس گوش ۳۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۴ میں کیا گیا۔

[۲]۔ آر لزلی لمیٹڈ بنام شیل ۱۹۱۴ء کنگس بنچ صفحہ ۶۰۷۔

[۳]۔ جیسا کہ ۲۰ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۴۱ میں بمقدمہ ابدین بنام ہیم چندر۔

معاہدہ نافذ ہوسکے تو عدالت ظاہری شکل (یعنی شکل بنائے دعوی) کا لحاظ نہ کرے گی بلکہ نفس معاملہ پر غور کرے گی۔ اس فیصلے پر پریوی کونسل نے ایک حالیہ مقدمہ میں[۱] پسندیدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لہذا اب اس پر غور کرنا غیر ضروری ہے کہ کس حد تک ہندوستانی عدالتوں کے سابقہ فیصلے اس مضمون پر درست ہیں[۲]۔

## ڈگریاں

۱۰۲ **ف ۲۲۔** اگر نابالغ کی نیابت صحیح طور پر کسی نالش میں کی گئی ہو تو وہ اس کے نتیجے کا پابند ہوگا عام ازیں کہ یہ نتیجہ ڈگری سے پیدا ہوا ہو۔ یا مصالحت سے یا دست برداری سے[۳] لیکن عدالت صلحی ڈگری نہیں صادر کرے گی جب تک کہ اس کا تعین نہ ہو جائے کہ آیا اس سے نابالغ کو فائدہ ہوگا۔ عدالت کی توجہ براہ راست اس جانب مبذول کرانی چاہیے کہ مصالحت میں نابالغ شریک تھا۔ اور کسی نہ کسی طریقے سے جو غیر مشتبہ ہو یہ ثابت کیا جانا چاہیے کہ مصالحت کے لیے عدالت کی اجازت حاصل کی گئی تھی۔ ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ خود عدالت کا حکم پیش کر دیا جائے[۴]۔

---

۱۔ محمد سید العارفین بنام دیوہ رورپی گرگ ۴۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۵۔

۲۔ مثلاً سرچند متر بنام موہن بی بی ۲۵ کلکتہ صفحہ ۳۷۱۔ وینکٹاپلے بنام اتھی مولہ جزو ۲۵ مدراس صفحہ ۱۷۰۔ گنیش لال بنام بابو ۲۱ بمبئی صفحہ ۱۹۸۔ اس آخری مقدمے کی پیروی داداصاحب دسرت راؤ بنام بائی نانی ۴۱ بمبئی صفحہ ۴۰۸۔ لیکن جن مقدمات کا اوپر حاشیہ (۲) [محمد سید العارفین اور اس سے قبل ۱۹۱۴ء کے لنکس بنچ کا مقدمہ] میں حوالہ دیا گیا ان کو نہیں دیکھا گیا اور عدالت میں ان کو پیش بھی نہیں کیا گیا۔

۳۔ کمار اجو بنام وزیر ہند ۱۱ مدراس صفحہ ۳۰۹۔ چنگل ریڈی بنام وینکٹ ریڈی ۱۲ مدراس صفحہ ۴۰۸۔ تارینی چرن بنام واٹس ۱۲ سدرلینڈ صفحہ ۴۱۳۔ ۳ بنگال لار پورٹ (مرافعہ) صفحہ ۴۲۷ مدھوسودن بنام پربتی بلب ۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۳۲۔ جنگی لال بنام شام لال ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۲۰۔ لکراج بنام مہتاب ۱۴ مو صفحہ ۳۹۳۔ ۱۰ بنگال لار پورٹ صفحہ ۳۵۔ ۷ سدرلینڈ صفحہ ۱۷۔ میر نامونی بنام جگودشوری ۵ کلکتہ صفحہ ۴۵۳ مصالحت جس امر کے متعلق ہوئی ہو اس کو تازہ کرنے کے متعلق دیکھیے وردچشپا بنام شد پا ۲۲ بمبئی صفحہ ۶۲۰۔ ولی قبل نالش بھی مصالحت کر سکتا ہے گوپی ناتھ بنام رام جیون صدر دیوانی ۱۸۵۹ء صفحہ ۹۱۳۔ یا وہ ایک ہی جزو کے لیے نالش کر کے بقیہ سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ گو پال راؤ بنام نرسنگا ۲۲ مدراس صفحہ ۳۰۸۔ مقدمے کو ہٹا لینے کے اثر کے متعلق ایشنچندر بنام نند موتی ۱۰ کلکتہ صفحہ ۵۷۳۔

۴۔ منوہر بنام جادو ناتھ ۲۰ الہ آباد صفحہ ۵۸۵۔

عدالت کی منظوری کے بغیر نابالغ اس مصالحت کا پابند نہ ہوگا اور جو ڈگری اس کی بنا پر صادر ہو نابالغ کی درخواست پر منسوخ کی جائے گی[۱] [البتہ جب کہ ڈگری قطعی ہو چکی تھی تو عدالت نے اس مقدمے کی سماعت سے انکار کیا جو نابالغ نے اس کی تنسیخ کے لیے بعد بلوغ دائر کیا تھا[۲] مناسب طریقہ یہ ہے کہ ڈگری کی تنسیخ کے لیے نظر ثانی کی درخواست کی جائے[۳]-] جب کسی کو اپنے مقدمے کی تائید میں وہ ڈگری پیش کرنا مقصود ہو جو نابالغ کے خلاف بربنائے صلح صادر ہوئی تھی تو اس کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ صلح کے لیے ایسے شخص نے رضامندی دی تھی جو نابالغ کو پابند کرنے کا مجاز تھا۔ اور اس کے باوجود بھی رضامندی قابل پابندی نہ ہوگی اگر ایسے شخص کے جھوٹے بیان پر بھروسا کرکے دی گئی ہو جس کو نابالغ کے حق کے مغائر حق حاصل تھا[۴] بمقدمۂ ہری بنام نارائن عالیہ عدالت بمبئی نے حسب ذیل تجویز فرمائی۔ یہ کہ جب واجب التعمیل ڈگری نابالغ کے خلاف حاصل کرلی جائے تو ڈگری دار خواہ اس ڈگری کے استفادے سے محض اس وجہ سے محروم نہیں ہو سکتا کہ اس نے غلطی سے تعمیلی کارروائی ولی کے خلاف عمل کیا بجائے اس کے کہ نابالغ کے خلاف

۲۰۷ بہ نیابت ولی شروع کرتا[۵] اور محض یہ واقعہ کہ کارروائی میں جزءً عدالت کا ہاتھ تھا نابالغ کے خلاف اس کو زیادہ مصدق سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ البتہ اگر نابالغ اس کارروائی کا فریق ایسی نوبت پر بنایا گیا ہو کہ وہ اس کے متعلق سوال کر سکتا تھا تو

---

[۱]- رامچرن بنام منگل ۱۶ سدرلینڈ صفحہ ۲۳۲۔ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء آرڈر ۳۲ قاعدہ ۷، راجگوپال بنام متوپلم ۳ مدراس صفحہ ۱۰۳، اکرم علی بنام رحیم بھائی ۱۳ بمبئی صفحہ ۲۷، کالا دتی بنام چیدی لال ۱۷ الہ آباد صفحہ ۵۳۱، نگار اڈ سام راجگو پال ۲۲ مدراس صفحہ ۳۷۸۔ ۲۶ بمبئی صفحہ ۹۰ مقدمہ وبرد پکشیا بنام شید پا۔

[۲]- امان سنگھ بنام نارائن سنگھ ۲۰ الہ آباد صفحہ ۹۸۔

[۳]- راکھل بنام ادوتیا ۲۳ کلکتہ صفحہ ۳۱۶ ثالثی فیصلے کے متعلق دیکھیے روشن کشن سیٹھ بنام ہرولال ۱۹ کلکتہ صفحہ ۲۳۳۔ [از مترجم] ۔

[۴]- محمد ممتاز بنام شیو رتنگر ۲۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۔ ۲۳ کلکتہ صفحہ ۲۳۹ رام ادتر بنام راجہ محمد ممتاز ۲۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۰۷۔ ۲۴ کلکتہ صفحہ ۸۵۳۔

[۵]- ۱۲ بمبئی صفحہ ۴۲۷ مقدمۂ ہری بنام نارائن۔

اس کارروائی کی مزید تصدیق ہو سکے گی[۱] - اگر ڈگری فریب سے حاصل کی گئی ہو یا مصالحت میں فریب کیا گیا ہو تو بے شک وہ منسوخ کی جاسکتی ہے[۲] - ایسی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ ولی محض اپنی بے احتیاطی سے (جو کسی فرض کی غفلت فاحش کی قسم کی ہو) لیکن بلا کسی فریب کے بطور مناسب نابالغ کے حق کی حفاظت کرنے میں قاصر رہا ہو اور اس بے احتیاطی کی وجہ سے ایسی نالش میں ناکام رہا ہو جس میں وہ کامیاب ہو سکتا تھا - اگر اس کی یہ غفلت واقعی بدعملی ہو تو ڈگری کی پابندی نابالغ پر واجب نہ ہوگی اور بذریعۂ نالش ایسی ڈگری منسوخ ہو سکتی ہے[۳]

متبنیٰ لڑکے کا حقیقی باپ اس کا ولی نہیں ہے بجز اس کے کہ بطور خاص اس کا تقرر ہو تا کہ وہ اپنے عمل کا نابالغ کی جانب سے پابند ہو سکے[۴] - اور اگرچہ منتظم خاندان مشترکہ بطور جائز نابالغ کی نیابت کر سکتا ہے لیکن محض یہ واقعہ کہ منتظم اس مقدمے کو چلا رہا ہے یا اس کی جواب دہی کر رہا ہے بذات خود یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ نابالغ کی نیابت اچھی طرح سے کی گئی[۵] - البتہ اگر عدالت نے فی الواقع کسی کو اجازت دی ہو کہ وہ نابالغ کی نمایندگی کرے تو اس کے افعال اس وجہ سے ناجائز نہ ہوں گے کہ قانون نمبر ۴۰ ۱۸۵۸ء کے تحت سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کیا گیا - اس

۳-۴ قسم کا صداقت نامہ معدوم ہونے سے اگرچہ یہ شہادت فراہم ہو سکتی ہو کہ ہرگز اجازت

---

[۱] - بجرنگ بنام سماہ ماتو راہ ۲۲ سدر لینڈ صفحہ ۱۱۹ -

[۲] - لیکراج بنام مہتاب ۱۴ - صفحہ ۳۹۳ - ۱۰ - کالی لد رپورٹ صفحہ ۴۵ - ۱۰ سدر لینڈ صفحہ ۱۱۷ بی بی سالومن بنام عبد العزیز ۶ کلکتہ صفحہ ۷۰۶ - ایشن چندر بنام نندمونی ۱۰ کلکتہ ۳۵ - رگھو بردیال بنام بھکیا لال ۱۲ کلکتہ صفحہ ۶۹ -

[۳] - منگنی رام بنام مہنت گرسہائے ۱۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹۵ - ۱۷ کلکتہ صفحہ ۳۴۷ - لالہ شیو چرن بنام رو منا ندن ۲۲ کلکتہ صفحہ ۸ - کرشن داس بنام لدکا ۱۹ بمبئی صفحہ ۵۷۱ - گوپال راؤ بنام نارا سنگا ۲۲ مدراس صفحہ ۳۰۸ - تجویز لارڈ واٹسن بمقدمہ رام او تر بنام راجہ محمد ممتاز ۲۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۰۷ - صفحہ ۱۱۴ - ۲۴ کلکتہ صفحہ ۳۶۱ بادر نظر ثانی رام سروپ لال بنام شاہ لطافت ۲۹ کلکتہ صفحہ ۷۳۵ -

[۴] - سری نارائن متر بنام بریمتی کشن ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۷۱ پی سی -

[۵] - پدما کرو نایک بنام مہادیو کرشنا ۱۰ بمبئی صفحہ ۲۱ - گساونت بنام نارائن دھونڈ ۷ بمبئی صفحہ ۴۶۷ پر شک ظاہر کیا گیا - دشنو کیشو بنام راچند ۱۱ بمبئی صفحہ ۱۳۰ -

حاصل نہیں کی گئی تھی[1]۔ کسی ڈگری کے جواز پر اس بے ضابطگی سے کوئی اثر نہیں پڑیگا کہ نابالغان کی شناخت میں خامی رہ گئی۔ اگر ان کی نمایندگی اچھی طرح سے کی گئی ہو تو کافی ہے[2]۔ مقدمہ چلانے کے لیے موزوں اور مناسب شخص کا تقرر کرنا عدالت کا فرض ہے۔ اور جب عدالت نے اپنے فعل سے ایک شخص کو بہ حیثیت ولی حاضر ہونے کی منظوری دی ہو تو باضابطہ حکم تقرر غیر ضروری ہے[3]۔

فریب یا دوسرے وجوہ سے ڈگری منسوخ ہو سکتی ہے اگرچہ نالش میں نابالغ کی نمایندگی اچھی طرح سے ہوئی ہو۔ لیکن تنسیخ تک وہ پابند ہے۔ اور اس ڈگری سے نجات حاصل کرنے کے لیے تاریخ انکشاف فریب یا نابالغی کی مدت کے ختم سے تین سال کے اندر کارروائی شروع کی جا سکتی ہے[4]۔ اگر نابالغ کی نمایندگی اچھی طرح سے نہ ہوئی ہو تو ڈگری باطل ہے۔ کسی فریب کا ثابت کیا جانا ضروری نہیں[5]۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس پر متوجہ ہو اور مدت معینۂ قانون کے اندر وہ کارروائی کرکے اپنے حقوق نافذ کرا سکتا ہے۔ مدت معینہ سے مراد وہ مدت ہے جو ڈگری صادر نہ ہونے کی صورت میں متعلق ہوتی ہو[6]۔

[1] - جوگی سنگھ بنام بہاری سنگھ ۱۱ کلکتہ صفحہ ۵۰۹ علم بخش بنام جھالو بی بی ۱۲ ایضاً صفحہ ۴۸ درگو پرشاد بنام کیشو پرشاد ۸ ایضاً صفحہ ۶۵۶ ۔ سرشن چند ر بنام جگت چندر ۲۴ ایضاً صفحہ ۲۰۴ پریشر داس بنام بیلا ۹ الہ آباد صفحہ ۵۲۸ بی بی ولیبن بنام بنکے بہاری ۳۰ کلکتہ صفحہ ۱۰۲۱ ان مقدمات کے متعلق جو کورٹ آف وارڈس کی منظوری کے بغیر دائر ہوں دیکھئے دنیش چندر بنام غلام مصطفیٰ ۱۶ کلکتہ صفحہ ۸۹ ۔

[2] - جوگی سنگھ بہاری سنگھ ۔ بابا پرشاد بنام وزیر ہند ۱۴ کلکتہ صفحہ ۱۵۹ صفحہ ۲۰۴ ۔ نیٹو این بنام نرسا ایر ۱۳ مدراس صفحہ ۴۸۰ ہری سرن مترا ۱۶ کلکتہ صفحہ ۴۰ ۔

[3] - ولیبن بنام بنکے بہاری پرشاد سنگھ ۳۰ کلکتہ صفحہ ۱۰۲۱ ۔ اگرچہ ضابطگی سے نابالغ کی نمایندگی کما حقہ نہ ہوئی ہو تو کارروائی چل نہیں سکتی بھگوان دیال بنام پرم سکھ داس ۳۷ الہ آباد صفحہ ۱۷۹ ۔

[4] - ایکٹ ۹ سنہ ۱۹۰۸ء ضمیمہ ا مد ۹۵ منگنی رام مارواڑی بنام مہنت گرسہائے ۱۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۰۳ مقدمۂ میر علی رحیم بھائی ۱۵ بمبئی صفحہ ۵۹۴ میں ایسی ڈگری کی تنسیخ کا طریقہ بتلایا گیا ہے ۔

[5] - شام لال بنام گھسیٹا ۲۳ الہ آباد صفحہ ۴۵۹ لیکن دیکھئے ۴۳ الہ آباد صفحہ ۳۲۱ ۔

[6] - راجی ہمت بنام دھیراج ۱۲ بمبئی صفحہ ۸۰ نابالغ کے چارۂ کار کے متعلق دیکھئے ۳۹ الہ آباد صفحہ ۸ ۔

**ولی کے خلاف نالشات**

ولی کے ناجائز یا فریبانہ افعال سے نابالغ کو نقصان ہوا ہو تو اس پر نالش ہوسکتی ہے[۱] ان قرضوں کے لیے جن کا ادا کرنا نابالغ پر واجب ہو ولی صرف ان رقوم کی حد تک ذمہ دار ہے جو اس کو وصول ہوئی ہوں[۲]۔

---

[۱] - ایشورچند بنام رگب صدر دیوانی سنہ ۱۸۶۲ء صفحہ ا صفحہ ۳۴۹ - بنگال ایکٹ ۱۰ سنہ ۱۷۹۳ء دفعہ ۳۲-
[۲] - شیخ عظیم الدین بنام غنی اوترسر سد رلینڈ صفحہ ۱۳۷-

# باب ہفتم

## قدیم قانون جائداد

**انگریزی تشبیہات کا اثر اور غلط فہمی**

ف ۲۲۲ جو طالب علم ہندو نظام جائداد کو سمجھنا چاہتا ہو اس کو چاہیئے کہ ان جملہ تصورات سے اپنے ذہن کو آزاد کردے جو اس نے انگریزی قانون سے اخذ کیے ہوں۔ وہ (انگریزی تصورات جائداد) نہ صرف بے سود ہوں گے بلکہ غلط فہمی کا باعث۔ انگلستان میں بطور قاعدے کے ملکیت واحد۔ مختارانہ اور ۳۰۵
غیر محدود ہوتی ہے۔ وہ مشترک بھی ہو سکتی ہے لیکن قیاس اس کے خلاف ہوگا۔ اس پر قیود عاید ہو سکتے ہیں لیکن خاص صورتوں میں اور خاص احکام کے تحت برخلاف اس کے ہندوستان میں ملکیت مشترک قاعدہ ہے اور ہر صورت میں اس کے متعلق یہی قیاس قائم ہوگا جب تک کہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔ اگر کوئی شخص فی الوقت علٰحدہ طور پر قابض جائداد ہو تو وہ جائداد دوسری نسل میں مشترکہ حالت میں آجائے گی۔ قطعی اور غیر محدود ملکیت (یعنے ایسی ملکیت جس سے مالک اپنی جائداد کے ساتھ جو چاہے کر سکے) استثنائی کیفیت ہے۔ لڑکے اپنے باپ کو منع کر سکتے ہیں۔ بھائی اپنے بھائی کو اور ہونے والے ورثا عورت پر قیود عائد کر سکتے ہیں۔ اگر حاصل کرنے والے کے ہاتھوں میں جائداد جملہ قیود سے مبرّا ہو تو اس کے ورثا کے قبضے میں

آنے کے بعد وہ قیود عود کریں گے۔ مغرب میں انفرادی جائداد کا قاعدہ ہے اور مشرق میں جائداد متحدہ کا۔ اور اگرچہ ان دونوں طریقوں کے اختلاف کو اب اس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ ان کے صریح اختلافات واضح ہو جائیں پھر بھی یہ یقینی ہے کہ ان دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے۔ (دیکھئے مین صاحب کی ولیج کمیونیٹیس صفحہ ۸۲) لیکن ہندوستان میں ماضی اور حال دونوں کا ایک ہی سلسلہ ہے۔ انگلستان میں وہ بالکل علٰحدہ ہو گئے ہیں۔ جس پل کے ذریعے وہ زمانۂ گذشتہ میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اب اس کے صرف چند تختے باقی رہ گئے ہیں جو صرف اس شخص کی آنکھوں کو دکھائی دیتے ہیں جو قدیم چیزوں میں تحقیق کرتا رہتا ہے۔

**مشترکہ یا متحدہ جائداد کے مختلف اشکال**

۲۲۳ ہندوستان میں جائداد کو اشتراک میں تین طرح سے رکھا جاتا ہے اور یہی تین طریقے رائج ہیں:۔ پدری خاندان۔ خاندان مشترک (Patriarchal Family-Joint family) اور دیہی جماعت (Village Cammunity) مقدم الذکر

۳۰۶ وہ ایک یا دوسری شکل میں کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے عرض و طول میں ہر جگہ رائج ہیں۔ موخر الذکر شمالی۔ مغربی حصۂ ہندوستان میں اب تک موجود ہے۔ جنوبی ہند میں بھی اس کے علامات پائی جاتی ہیں اگرچہ رفتہ رفتہ وہ مفقود ہو رہا ہے۔ بنگال اور جزیرہ نمائے ہندوستان کے بالائی حصے میں وہ بالکل غائب ہو گیا ہے اگرچہ زمانہ سابق میں اس کے رائج ہونے کے متعلق ہم یقین کر سکتے ہیں۔ چند حصوں میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ طریقہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا مثلاً مغربی ساحل کے نائروں اور پہاڑی قبائل میں۔ دو موخر الذکر اشکال میں (یعنے خاندان مشترک اور دیہی جماعت) مشابہت مکمل ہے۔ دیہی جماعت ایک ایسا متحدہ مجموعۂ اشخاص ہے جس کے ارکان خاندان ہیں۔ اور خاندان مشترک وہ جماعت متحدہ ہے جس کے ارکان افراد ہوتے ہیں۔ دیہی جماعتوں اور خاندانوں میں بتدریج تغیر ہوتا گیا ہے لیکن یہ تغیر ایک ہی قسم کا ہے۔ اور تبدیلی کے اسباب بھی بالعموم ایک ہی قسم کے ہیں۔ بطور کلیے کے یہ کہنے کے لیے کافی ترغیب ہوتی ہے کہ ایک طریقہ دوسرے سے پیدا ہوا ہوگا۔ یہ کہ دیہی جماعت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ خاندان مشترک کے دائرے کو وسیع کیا گیا۔ یا یہ کہ خاندان مشترک

اس لیے وجود میں آیا کہ بزرگ تر جماعت ختم ہو گئی اور صرف اس کے اجزا باقی رہ گئے۔ (کیونکہ یہی مشترک خاندانوں کی ایک جماعت دیہ ہوتی ہے) لیکن اس قسم سے کوئی کلیہ قائم کرنا پرخطر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دیہی نظام اور نظام خاندان دونوں کے پیدا ہونے کے اسباب ایک ہی قسم کے ہیں۔ لیکن اس کا یقین ہے کہ اکثر دیہات ایک ہی خاندان سے پیدا نہیں ہوئے اور متعدد ایسے مقامات بھی ہیں جہاں خاندان کے نظام کو دیہی نظام میں ترقی کرنے کی نہ کوئی خواہش ہے اور نہ رجحان ظاہر ہوتا ہے۔

**پنجاب میں دیہی جماعتیں**

ف ۲۲۴ ہندوستان کے دیہی نظام کے متعلق بہترین معلومات پنجاب میں حاصل کی جاسکتی ہیں کیونکہ وہ طریقہ اس جگہ نہایت ہی مکمل شکل میں ہے۔ و نیز معتدل حالات میں[1] پنجاب میں دیہی جماعت کے تین نمایاں اشکال ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ اشکال تقریباً اسی قسم کے ہیں جو غیر منقسمہ خاندان کے تغیرات سے پیدا ہوتی تھیں۔ دیہی فرقہ واری زمینداری Cammunal Zemindari Village) یا وہ دیہ جس میں زمینداری فرقہ واری ہو اشکال اتحاد میں سب سے زیادہ بہتر شکل ہے۔ اس نظام کے تحت" زمین اس طرح قبضے میں رکھی جاتی ہے کہ دیہ کے جملہ حصہ داران مشترک کو اس میں مثل جائداد مشترکہ کے ایک مناسب حصے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ نہ تو قبضہ حاصل ہوتا ہے نہ اس میں کوئی حصیت اور نہ مخصوص حصہ۔ اور ۲۰۰ اس کے حصے میں ہر مالک کے حق کی مقدار وہی ہوتی ہے جو رواجی قانون وراثت نے مقرر کی ہو۔ لگان کی بابت کاشتکاروں کے ادا کی ہوئی رقوم مشترک سرمایہ میں شامل کردی جاتی ہیں اراضیات دیہ کے دیگر منافع بھی علی ہذا اسی میں داخل کیے جاتے ہیں۔ اور اخراجات کو منہا کرنے کے بعد بقیہ رقم مالکان کے مابین جائداد ان کے حصوں سے تقسیم کردی جاتی ہے"[2]

[1] اس مضمون پر دو کتابیں ایسی ہیں کہ ان سے جدید ترین معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مسٹر بی۔ ایچ بیڈن پاول کی کتاب ہندوستان کی دیہی جماعتوں پر ایک نہایت ضخیم اور بسیط کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کا خلاصہ ۱۸۹۹ء میں کیا گیا۔ موخر الذکر کتاب ظاہر ہے کہ چھوٹی ہے۔

[2] رواجات پنجاب صفحہ ۱۰۵ صفحہ ۱۶۱۔ سر ایچ۔ ایس۔ مین نے اپنی کتاب قدیم قانون کے صفحہ ۲۶۷ پر اسی قسم کے دیہ کا سرو یا اور اطراف کے اضلاع میں موجود ہونا بیان کیا ہے۔ اسی زمانے میں ہندوستان میں بھی وہی طریقہ رائج تھا۔ دیکھئے الوان صاحب کی ، بوسانیا صفحہ ۴۴۔

**پنجاب۔** یہ طریقہ بالکل اس کے مطابق ہے جو غیر منقسم خاندان کا اپنے اصلی حالات میں ہونا چاہئے۔

دوسری منزل پٹہ داری دیہ کی ہے۔ اس میں جملہ مقبوضات اراضیات علٰحدہ علٰحدہ ہوتے ہیں اور ہر حصہ دار اپنے حصۂ زمین کا انتظام کرتا ہے لیکن یہ کہ حصہ کس قدر ہونا چاہئے اس کا تعین موروثی حق کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اور اس میں وقتاً فوقتاً اسی اصول کے تحت تبدیلی ہونا ممکن ہے[1]۔ بنگال کے غیر منقسم خاندان کی بالکل یہی حالت ہے۔ مقبوضات مشترک میں تبدیلی ہو کر مقبوضات منفرد کس طرح وجود میں آئے اس کے معلوم کرنے کے لیئے نظام تقسیم مکرر کو دیکھنا ہوگا۔ یہ نظام تاحال پشاور کے پٹھان فرقوں میں رائج ہے۔ ابتداءً اس نظام کے تحت اراضیات فرداً فرداً خاندانوں کو دی جاتی تھیں۔ اور مساوات کا برتاؤ ہوتا تھا لیکن جب امتداد زمانہ نے ہر اراضی کے قابضوں میں اضافہ کیا اور مساوات غائب ہوگئی تو فصل بہ فصل انتقال اور مقبوضات کی تقسیم مکرر لاحق ہوئی[2]۔ فطری طور پر یہ عمل مفقود ہونا جائے گا۔ جب انفرادی جائداد کے خیال کو تقویت ہوتی جائے گی۔ دنیز یہ طریقہ اس وقت بھی مفقود ہوگا جب کہ لوگوں کو اپنا حصہ رہن یا بیع کرنے کی عادت ہوجائے۔ تب ہر خاندان کا حصہ خود اسی کا ہو جائے گا۔

تیسری اور آخری منزل کو دیہ بھائی چارے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پٹہ داری اور اس میں اس حد تک اتفاق ہے کہ ہر ایک میں مالک اپنے حصے پر منفرداً قابض ہوتا ہے۔ لیکن پٹہ داری سے بھائی چارہ اس حد تک مختلف بھی ہے کہ مقبوضات کی وسعت کی صراحت اس مقدار سے کردی جاتی ہے جو فی الواقعی قبضے میں ہوتی ہے۔ اس نوبت پر موروثی حق کا ذکر ہوتا ہی نہیں اور حصہ داروں کی تعداد میں کوئی تبدیلی ہونے سے کوئی رکن اس کا مجاز نہیں ہوتا کہ اپنے حصے کے اضافے کے لیے خواہش کرے۔ اس کے حقوق بجائے نسبتی ہونے کے قطعی ہو جاتے ہیں۔ اور ان حقوق کا اندازہ

---

[1] رواجات پنجاب صفحہ ۱۰۶ و صفحہ ۱۵۲۔

[2] صفحہ ۱۲۵ و صفحہ ۱۷۰ رواجات پنجاب مین صاحب کا قدیم قانون صفحہ ۲۶۲ و سی جانتیس صفحہ ۲۸۔ لاء لے بلیک ڈ اپیل رٹیا ۱۹۱۸

کل گاؤں کی وسعت اور ان لوگوں کی تعداد کے لحاظ سے نہیں کیا جاتا جو اس پر قابض رہتے ہیں[1]۔ ارکان میں تقسیم ہونے کے بعد خاندان کی یہی حالت ہو جاتی ہے۔

۳۰۸ **ف ۲۲۵** جن اسباب سے بنگال کا خاندان مشترک ٹوٹ گیا وہی اسباب اس صوبے میں دیہی نظام کے مفقود ہونے کا بھی باعث ہوئے۔ مغربی اور وسطی ہند میں مسلمانوں۔ مرہٹوں اور پنڈاروں کی لڑائیاں اور غارت گری نے دیہی اداروں کو نیست و نابود کر دیا۔ ساتھ ساتھ قدیم حق ملکیت کا ہر طریقہ زائل ہو گیا[2]۔ لیکن

**جنوبی ہند۔** جنوبی ہند کی تامل اقوام میں اسی قسم کی جماعتوں کا پتا ملتا ہے[3]۔ گاؤں کے زمینداروں کی جماعت کو میراث دار کہا جاتا ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جن کے حقوق کی وسعت و نوعیت کا صاف طور سے تعین کرنا ایک دشوار امر ہے[4]۔ البتہ یہ یقینی ہے کہ بہ حیثیت اسامی قبول کیے جانے میں ان کو دوسرے باشندگان دیہ پر مرجح حق حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایسا حق ہے کہ وہ اس سے محروم نہیں ہوتے اگرچہ ہر جدید بندوبست کے وقت انھوں نے اس حق سے استفادہ کرنے میں غفلت کی ہو[5]۔ اسامیان قابض سے وہ لوگ مشترکا انعام و اکرام پانے کے مجاز ہیں اور راراضیات مشترک میں وہ حصہ بھی پا سکتے ہیں[6]۔ اس زمانے میں بھی چند دیہات ایسے ہیں

---

[1] - رواجات پنجاب صفحہ ۱۰۶، صفحہ ۱۶۱۔

[2] - سرلارنس کی تقریر جس کا ذکر رواجات پنجاب کے صفحہ ۱۳۸ پر کیا گیا ہے۔

[3] - الفنسٹن صاحب کا ہندوستان صفحہ ۶۶ صفحہ ۲۴۹۔

[4] - دیکھیے سنیتا چیلا چیٹی بنام چیناسامی، ۲ مدراس صفحہ ۱۰۴ جس میں ان کے حقوق کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ کمار پاریڈی بنام مناد لاگوندن ۱۴ مدراس صفحہ ۴۷۔

[5] - راما نوج بنام پتیانن فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۱ء صفحہ ۱۲۱۔ الاگپا بنام راما سامی فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۹ء صفحہ ۱۰۱۔ دار العوام کی پانچویں رپورٹ جس کا ذکر متو پرمل بنام ٹنڈادن جلد ۱ نوٹس آف کیسس صفحہ ۲۰۳ صفحہ ۲۷۵ میں کیا گیا ہے۔ دیکھیے فقیر محمد بنام ترولا چاریہ ۱ مدراس صفحہ ۲۰۵۔

[6] میتو پرمل بنام ٹنڈادن جلد ۱ نوٹس آف کیسس صفحہ ۳۰۰ (۲۰۲) کمار سوامی بنام راگو ا فیصلہ جات مدراس بابت ۱۸۵۲ء صفحہ ۳۸۔ دسوانا د بنام موتو مڈلی ۱۸۵۴ء صفحہ ۱۴۱ موئی ایا بنام کستوری ۶ مدراس بابت ۱۸۶۳ء صفحہ ۵۰۔ پنجاب میں یہ حق شریک حصہ دار کو حاصل ہوتا ہے اگرچہ دیہ میں اس کی کوئی زمین نہ ہو رواجات پنجاب ۱۰۹۔

جن پر چند مالک بطور حصہ داروں کے قابض ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس کے مدعی ہوتے ہیں کہ وہ ابتدائی مالکوں کی نمایندگی کرتے ہیں۔ اور ان حصص کی مکرر تقسیم کا طریقہ بھی تاحال رائج ہے اگرچہ یہ طریقہ بہت تیزی سے مفقود ہو رہا ہے[۱] مدراس میں سرکاری مطالبہ ہر قابض پر فرداً فرداً ہوتا ہے نہ کہ کل گاؤں پر۔ پنجاب میں کل دیہہ پر ہوتا ہے لیکن کسی زمانے میں اس کے برعکس رواج ہوگا سرجی کیمبل (Sir. G. Campbell) ایک واقعے کا ذکر کرتے ہیں جس میں گورنمنٹ نے یہ قیاس کیا تھا کہ وہ اپنی مالگذاری حسب علوت ہر رعیت سے وصول کر رہی تھی۔ لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ دیہہ نے اس بہم کو خود
۳۰۹ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور پابندی سے حسب عملدرآمد قدیم متعدد قابضوں پر مکرر تقسیم کر لیا گیا تھا[۲]

**نسل اشتراک کی روایت**

دفعہ ۲۲۶ ان دیہی جماعتوں کے اکثر شریک حصہ دار وہ اشخاص ہیں جو فی الواقعی ایک ہی مورث کے اخلاف ہوتے ہیں۔ متعدد دوسری صورتوں میں وہ اشتراک نسل کا ادعا تو کرتے ہیں لیکن یہ ادعا غالباً بے بنیاد ہوتا ہے[۳] چند صورتوں میں یہ بالکل یقینی ہے کہ اشتراک نسل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ان کے فرقے (یعنے ذاتیں) مختلف ہوتے ہیں۔ بانہمہ باہمی ان میں اختلاف ہوتا ہے[۴] لیکن اس سے ہر شخص واقف ہے کہ ہندوستان میں

---

۱۔ مدور امیا اول حصہ ۵ صفحہ ۱۲۰ وینکٹا سامی بنام سیا راؤ ۲ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱ صفحہ ۵۔ انندین بنام دیوارجائن ایضاً صفحہ ۱۷ ایمیاتھین ۴ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۵۹ امنیا رامیر بنام الاگری ۳ مدراس ریو نیو رجسٹر صفحہ ۱۸۹۔

۲۔ لیانڈ ٹینیور کا بڈن کلب صفحہ ۷۹۔

۳۔ رواجات پنجاب صفحہ ۱۳۱ صفحہ ۱۴۴۔ بیڈن صاحب دیہی جماعتیں صفحہ ۱۲ صفحہ ۱۵ قدیم ادارے صفحہ ۱ صفحہ ۴۔ لائیل کی ایشیاٹک اسٹڈیز باب ۷۔ ہنٹر کا اوڑیسہ باب ۲ صفحہ ۲۷ جیالکین صفحہ ۴۱۲۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دیہہ کے حصہ داروں کی جماعت بہ نسبت دیگر باشندوں کے بہ لحاظ تعداد کم ہوتی ہے۔

۴۔ بیڈن دیہی جماعتیں صفحہ ۱۷۶ نینپا بنام کستوری ۱۸۶۲ء صفحہ ۵۰۔

محض میل جول کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان سب کی اصل ایک ہی ہے بجز اس کے کہ حالات ایسے ہوں کہ یہ طریقہ شناخت صاف طور سے ناممکن ہو۔ میں نے گواہ کو اکثر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ فلاں شخص اس کا رشتہ دار ہے اور جب جرح کی گئی تو اس نے یہ وضاحت کی کہ وہ ہم ذات تھے۔ یہ دونوں چیزیں اس کو دو نہیں معلوم ہوتیں بلکہ ایک ہی۔ سر ایچ۔ یس۔ مین نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جس میں کہ بعض مبلغین نے نئے عیسائیوں کو مختلف مقامات سے لاکر دیہات میں بسا دیا۔ انھوں نے بہت جلد عادات و زبان برادری اختیار کرلی۔ اور اس میں شک نہیں کہ بہت مدت گذرنے سے قبل انھوں نے شجرۂ نسب بھی مرتب کرلیا تاکہ اپنی قرابت کی وضاحت کرسکیں[1]۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقتاً نسل کا ایک ہی ہونا محض ایک اتفاق پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر کسی غیر آباد ضلع میں ایک خاندان بود و باش اختیار کرلے تو وہ پھیلتا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ ایک جماعت ہو جائے یا اس سے متعدد دیہی جماعتیں پیدا ہو جائیں اسی قسم کا نتیجہ اس وقت بھی پیدا ہو سکتا ہے جب کہ ایک خاندان ایسا طاقتور ہو جائے کہ اپنے ہمسایوں کو بھگا دے سکے یا انھیں اطاعت پر مجبور کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اگر کسی ملک میں آبادی کی کثرت ہو تو فطرۃً متعدد خاندان ابتدا سے متحد ہوں گے تاکہ ایک دوسرے کی حفاظت میں آسانی ہو۔ اور رفتہ رفتہ حسب عادت اس واقعے کی وضاحت کریں گے کہ ان کے اغراض میں اتحاد کیونکر پیدا ہوا۔ اکثر خاندان ایسے مقامات میں پیدا ہو جاتے تھے یا بس جاتے تھے جو پوری طرح آباد ہوتے تھے۔ اس قسم کے خاندان قبضۂ اراضی کی بنیاد پر اپنے کو جماعتوں کی شکل میں نہیں لاسکتے تھے۔ ۳۱۰

**مشترکہ خاندان ہمیشہ وسیع ہوکر دیہی جماعتیں نہیں ہوتے۔**

ف ۲۲۷ یہ ضروری نہیں ہے کہ مشترکہ خاندان وسیع ہوکر دیہی جماعتیں ہو گئی ہوں۔ جس طرح اس کا یقین ہے کہ ہر مرتبہ واحد خاندان مشترک سے دیہی جماعتیں پیدا نہیں ہوئیں بالکل اسی قسم سے اس کا بھی یقین ہے کہ خاندان مشترک کا لازماً اور ضرورۃً یہ

---

[1] مین صاحب، قدیم ادارے، صفحہ ۲۲۸۔

میلان نہیں ہوتا کہ وہی جماعت کی شکل میں آجائے۔ مثلاً نائروں نے کبھی دیہی جماعتیں نہیں بنائیں اگرچہ ان کا گھریلو نظام موجودہ خاندان مشترک کی نہایت ہی مکمل شکل ہے۔ ہر تارود (Tarwad) اپنے مکانوں میں جو درختہائے ثمر دار کے بیچ میں ہوتے تھے رہتا تھا۔ اس کے اطراف چاول کے کھیت ہوتے تھے۔ لیکن یہ تمام چیزیں ان کے ہمسایوں سے بالکل جدا ہوتی تھیں۔ ان کے خاندان کا سلسلہ ہر پشت میں اناث سے ملتا ہے۔ یہ عورتیں اس موروثی مکان میں رہتی ہیں۔ مردوں سے ان کا سلسلۂ نسب نہیں ملایا جاتا۔ مرد فطرتاً خاندان کے مرکز سے جدا ہوجاتے ہیں اور علٰحدگی اختیار کرلیتے ہیں گو وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہوتے ہیں۔ نائروں کے خاندان میں خاص ترکیب سے صورت مذکورۃ الصدر پیدا ہوئی۔

**کھانڈ:۔** کھانڈوں کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے لیکن ایک گونہ کمی کے ساتھ ان کا یکجدی خاندان اپنی اصلی اور عمدہ حالت میں ہے۔ اگرچہ ان کے خاندان قبائل اور اقوام کی صورت میں رہتے ہیں۔ ایک ہی مورث سے سلسلہ بتلایا جاتا ہے اور ایک ہی کو سربرآوردہ تسلیم کرتے ہیں اور اگرچہ ان کے جھونپڑوں پر ہندو دیہ کا دھوکا ہوتا ہے لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اتحاد کا اہم جزو معدوم ہوتا ہے۔ ان میں نہ اتحاد اختیار ہے اور نہ اشتراک حقوق ہر خاندان اپنی جائداد پر علٰحدہ علٰحدہ قابض ہوتا ہے اور کبھی بھی اور طرح سے قابض نہیں ہوتے تھے۔ جس زمین پر اس کا قبضہ ہوتا ہے وہ اس کا قطعی مالک ہوتا ہے اور جس زمین کو وہ چھوڑ دے اس پر اس کا حق ختم ہوجاتا ہے سردار کا اثر تو ہوتا ہے لیکن اس کو کسی قسم کا اقتدار نہیں ہوتا۔ خاندان گو قریب رہتے ہیں لیکن ان میں میل جول نہیں ہوتا۔ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں نہیں ہیں بلکہ مختلف ٹہنیوں کا مجموعہ[1] ہے۔ یہ کیفیت بھی ان کے حالات کے لحاظ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کے پاس زمین بکثرت ہوتی ہے اور ضروریات بہت ہی کم۔ ایسے کم کہ کبھی اس کی ضرورت ہوئی ہی نہیں کہ کسی فرد کو کل کے فائدے کے لیے مجبور کیا جائے۔

[1] ہنٹر صاحب کا اوڑیسہ باب ۲ صفحہ ۲ تا صفحہ ۴۰۴۔

جب مشترک سرمایہ محدود ہو تو اس کے استفادے کے لیے قواعد بنانا ضروری ہے۔ لیکن جب سب کو جتنا وہ چاہتے ہیں مل سکتا ہو تو کوئی بھی قواعد بنانے کی زحمت گوارا نہیں کرے گا اور اگر بنائے بھی جائیں تو ان کو تسلیم بھی نہیں کرے گا۔

**یکجدی خاندان کے پھیلاؤ کا سدباب**

ف ۲۲۸ جن اسباب نے خاندان مشترک کو دیہی جماعت ہونے سے روکا انھیں اسباب نے یکجدی خاندان کو مشترک خاندان ہونے نہ دیا۔ اگرچہ یہ ایک منزل ایسی تھی کہ فطرةً وہ وسیع ہوکر مشترک خاندان ہو سکتا تھا۔ مثلاً کھانڈوں میں باپ کے مرنے پر خاندانی اتحاد ختم ہوتا ہوا نظر آتا ہے جو اگرچہ یہ قطعی ہوتا ہے۔ جائداد تقسیم کی جاتی ہے اور ہر لڑکا ایک خاندان کا جدید سربرآوردہ ہو جاتا ہے[1] ۳۱۱

ف ۲۲۹ لہذا اگر سوسائٹی کی ابتدائی حالت کا پتا لگایا جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ منجملہ دیگر قدیم ترین اتحادوں کے ایک اتحاد یکجدی خاندان ہے۔ بقول سر ہنری ایس۔ مین کے[2] "یہ ممکن ہے کہ انسانی انجمنوں کی کل شاخیں ان مشترک خاندانوں سے ترقی کی ہوئی پائی گئی ہوں جو ابتدائی یکجدی مکان سے پیدا ہوئی تھیں۔ لیکن آریا قوم کے مشترک خاندان[3] اسی مکان سے نکلے۔ اور جب وہ ختم ہوتا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ بہت سے اسی قسم کے مکانوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

**یکجدی خاندان کی ابتدا و نوعیت**

ف ۲۳۰ اس خاندان کو یکجدی کہا جا سکتا ہے "جو چند حقیقی یا متبنیٰ اخلاف پر مشتمل ہو اور موجودہ بزرگ ترین مورث یعنی باپ۔ دادا۔ پردادا

[1] ۔ برایک صاحب کی "نیلگری کی قدیم اقوام" صفحہ ۹ صفحہ ۲۹ صفحہ ۴۲ صفحہ ۶۸۔

[2] ۔ قدیم ادارے صفحہ ۱۱۸۔ میں نے اس عبارت کو من وعن باقی رکھا ہے اگرچہ حال میں مسٹر میالکین نے سر ہنری ایس۔ مین کے نظریوں پر حملہ کیا ہے (Patriarchal Theory 1885) اس کتاب کے جواب کے لیے جہاں تک کہ دھرم شاستر متعلق ہے موجودہ مصنف کا مقالہ دیکھا جائے۔ لاکوارٹرلی ریویو صفحہ ۴۰۵ سر ہنری مین کے عام جواب کے لیے دیکھیے لندن کوارٹرلی ریویو ۱۸۸۶ء۔

[3] ۔ وہ مشترک خاندان جس میں ایک عورت متعدد شوہر رکھ سکتی ہے اس سے مستثنیٰ ہے۔

کے زیر اطاعت ہو اس جماعت کا منتظم عملاً ہمیشہ مختارانہ حیثیت رکھتا ہے جیسا قانون چاہے کچھ ہو۔ اور اس کی عزت کی جاتی ہے گو ہمیشہ محبت نہ کی جاتی ہو۔ احترام کا خیال ان اشخاص کے دلوں میں کسی اور ثبت آئین سے زیادہ گہرا نقش کیے ہوئے ہے[1]۔ روما میں باپ کو اس کی اس حیثیت کی وجہ سے جو قطعی اختیار حاصل تھا اس سے
۳۱۲ ہر شخص واقف ہے۔ ہندو باپ کو بھی کسی زمانے میں اسی قسم کا اختیار حاصل تھا۔ منو کہتے ہیں "تین اشخاص یعنے زوجہ لڑکے اور غلام کے متعلق شاستر کا یہ حکم ہے کہ عموماً وہ ایسی دولت نہیں رکھ سکتے جو صرف ان کی ہی ہو۔ جو دولت وہ حاصل کرتے ہیں وہ باضابطہ طور پر ان کے لیے حاصل کی جاتی ہے جن کے وہ ہوتے ہیں[2]" اور اسی طرح نارد لڑکے کے متعلق کہتا ہے کہ "وہ اس وقت بالغ اور مختار سمجھا جاتا ہے جب کہ اس کے والدین نہ ہوں۔ ان کے حین حیات وہ غیر مختار ہوتا ہے اگرچہ وہ کافی بڑا ہو گیا ہو[3]"۔ لیکن یہ نظریہ صرف آریا اقوام ہی تک محدود نہ تھا کھانڈوں (Khands) میں یہ کہا گیا ہے کہ "ہر خاندان میں اقتدار گھرکے باپ کو حاصل ہوتا ہے"۔ لہذا باپ کے حین حیات لڑکوں کی کوئی جائداد نہیں ہوتی۔ اور کل مرد بچے مع ان کی زوجگان اور اخلاف کے باپ کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ غذا ماں کی تیار کی ہوئی ہوتی ہے[4]۔ اسی قسم کے رواج کی علامت جفنا کے تامل باشندوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ وہاں ان بیاہے لڑکوں کی حاصل کی ہوئی کل چیزیں (بجز ان تحائف کے جو ان کو دیے گئے ہوں) مشترک سرمایے میں داخل ہو جاتی ہیں[5]۔ عدالتہائے پانڈیچری کے امسلہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۶۰ء میں یہ قاعدہ وہاں مسلم تھا[6]۔ شادی ہونے کے بعد

---

[1] - قدیم آئین صفحہ ۱۱۱۔ قدیم قانون صفحہ ۱۳۲۔ ہندوؤں کے قانون وراثت کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ تیسری پشت پر پنڈدان ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھئے فقرہ ۵۱۵۔

[2] - منو باب ۸ فقرہ ۴۱۶۔ نارد باب ۵ فقرہ ۳۹ جگناتھ ڈائجسٹ جلد ۲ صفحہ ۵۲۶۔

[3] - نارد باب ۳ فقرہ ۳۸۔ ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۵۳۳۔

[4] - نہیڈ کا اوڑیسہ باب ۲ صفحہ ۷۷۔

[5] - تعیسا ولم باب ۱۔

[6] - سرگ دھرم شاستر صفحہ ۱۷۳۔

ہر شخص ایک نئے خاندان کا بڑا ہو جاتا ہے۔

**خاندان مشترک کی ابتدا**

دفعہ ۲۳۱ یکجدی خاندان اس وقت مشترک خاندان میں بدل جاتا ہے جب کہ مورث یا گھر کا بڑا فوت ہو جائے۔ اگر خاندان متحد رہنا چاہیے تو فرزند اکبر فطرۃً سربرآوردہ خاندان ہوگا[۵۱]۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس کی حیثیت متوفی پدر خاندان (Patriarch) سے مختلف ہوگی۔ مقدم الذکر فطری اقتدار کی بنا پر سربرآوردہ خاندان ہوتا ہے اور موخر الذکر صرف اس وقت بزرگ خاندان ہو سکتا ہے جب کہ اقتدار اس کے تفویض کیا جائے۔

**یکجدی اور مشترک خاندان میں فرق**

وہ بڑا تو ہوتا ہے مگر برابر والوں میں (Primus hut inter pares) لہذا اولاً تو وہ پسند کیا جاتا ہے کہ سربرآوردہ خاندان ہو۔ اپنے حق کی بنا پر بزرگ خاندان نہیں ہوتا۔ فطرۃً اس میں شک نہیں کہ

**یکجدی خاندان اور خاندان مشترک میں فرق**

سب سے بڑا رکن بزرگ خاندان ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایسا ہو۔ اس کو الگ کر کے ایک ایسے کو منتخب کیا جا سکتا ہے جو اس کام کے لیے بہتر ہو۔ اسی لیے نارد لکھتا ہے[۵۲] "سب کی رضامندی سے بزرگ ترین بھائی دوسروں کی پرورش مثل باپ کے کرے گا۔ یا چھوٹے بھائی کو جو اس قابل ہو ایسا کرنے دو۔ خاندان کی بہبودی قابلیت پر منحصر ہوتی ہے" اور علی ہذا جب بوڑھے تو ڈا سے پوچھا گیا کہ اس کا کونسا لڑکا اس کا قائم مقام ہو تو اس نے جواب دیا۔ سب سے زیادہ جو عقلمند ہو[۵۳]" ۳۱۳

ثانیاً وسعت اقتدار بھی بدل جاتا ہے اس کو مالک جائداد نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کا منتظم[۵۴] اپنی زوجہ اور بچوں کی حد تک وہ مطلق العنان ہو سکتا ہے لیکن رشتہ داران طرفی کے لیے اس کی حیثیت جمہور کے صدر سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔ یہ ظاہر ہے کہ

---

۵۱۔ منو باب ۹ فقرہ ۱۰۵۔

۵۲۔ نارد باب ۱۳ فقرہ ۵۔

۵۳۔ بریک کی قدیم اقوام صفحہ ۹۔

۵۴۔ دیکھئے مین صاحب کے قدیم آئین صفحہ ۱۱۶۔

خود اس کے اخلاف کی حد تک بھی اس کا اقتدار رفتہ رفتہ کم ہوتا جائے گا جس جائداد کا وہ منتظم ہوتا ہے وہ ایسی ہوتی ہے کہ دوسرے ارکان خاندان کو وہی حق حاصل ہوتا ہے جو اسے۔ جب اس جائداد کے متعلق وہ معاملہ کرتا ہے تو طرفی رشتہ داروں کی حد تک اس پر چند قیود عائد ہیں۔ رفتہ رفتہ اسی قسم کی قیود خود اپنے بچوں کی حد تک بھی عائد ہونگے وہ (بچے) بھی اس کو بہ حیثیت منتظم دیکھنا شروع کریں گے نہ کہ باپ کی حیثیت سے ہندو حکماء کے احکام میں باپ کے اقتدار کے متعلق بہ ظاہر تضاد ہے۔ شائد اس تضاد کا ماخذ یہی ہو جو ابھی بیان کیا گیا۔ جن احکام میں باپ کو یکجدی خاندان کا سر برآوردہ بیان کیا گیا ہے وہ احکام گویا اس سے بہت زیادہ اقتدارات منسوب کرتے ہیں نسبت ان احکام کے جو اس کو خاندان مشترک کا سر برآوردہ بیان کرتے ہیں۔

**یہ تسلسل لازمی نہ تھا۔** ۳۲۲۔ ہم قبل انیں فقرہ ۳۲۰ میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ چند خاص اقوام میں (مثلاً کنڈوں اور نیلگری کے پہاڑی قبائل میں) یکجدی خاندان نے خاندان مشترک کی شکل اختیار ہی نہیں کی۔ اور یہ کہ کسی طرح بھی خاندان مشترک بہ لحاظ وقت یکجدی کے بعد پیدا نہیں ہوا۔ مثلاً نائروں کے نظام میں نظریۂ یکجدی قطعاً داخل نہیں ہے۔ اس نظام میں لازماً رشتہ داری کا سلسلہ اناث سے قائم کیا جاتا ہے نہ کہ ذکور سے۔ مسٹر میالکین یہ خیال کرتے ہیں کہ یکجدی رشتہ داری کے طریقے سے قبل نائر طریقہ ہی تھا۔ ان کے نظریے کے لحاظ سے چونکہ مابین مرد و عورت

**خاندانی نظام کی بنیاد تعدد شوہران کا رواج۔** تعلق بہت ہی بے ربط تھا اس لیے تعدد شوہران کا طریقہ قائم ہوا۔ اس طریقے کی ابتدائی شکل یہ تھی کہ ایک عورت ایسے مردوں کے ساتھ آشنائی کرتی تھی جن کے مابین کسی قسم کی رشتہ داری نہیں ہوتی تھی۔ جہاں اس قسم کا طریقہ ہو صرف

۳۱۴ ایک ہی قسم کی خاندانی جماعت بن سکتی تھی یعنے ماں اور اس کے بچے اور ان بچوں میں جو اناث ہوتے تھے ان کے بچوں پر خاندان مشتمل ہوتا تھا۔ یہ نائر خاندان ہے۔ اور اس زمانے میں بھی کنارا اور ملیبار کے تاروڈوں میں موجود ہے۔ رشتہ داری صرف بذریعۂ اناث ممکن تھی۔ جب عورت اسی خاندان کے متعدد مردوں سے کے قبضے میں چلی جاتی تھی تو ممکنہ ابوّت کا دائرہ تنگ ہو جاتا تھا۔ زوجہ اپنے شوہر کے

گھر میں رہتی تھی اور بچے خود اس کے اور شوہر کے گھر میں پیدا ہوتے تھے۔ ان بچوں کو کسی ایک شوہر کی اولاد سمجھا جاتا تھا اگرچہ اس کا یقین نہیں ہوتا تھا کہ کس خاص شخص کی اولاد ہیں۔ قرابت بذریعۂ ذکور کی یہی ابتدا تھی۔ تعدد شوہران کی یہ وہ قسم ہے جو تبنیت۔ لنکا۔ نیلگری کے پہاڑیوں کے ٹوڈوں میں اور دوسرے مقامات میں پائی جاتی ہے۔ جب عورت متعدد بھائیوں کی زوجہ ہوتی تو سب سے بڑا (جس سے اس کی سب سے اول شادی ہوتی تھی) اس عورت کا خاص حقدار ہوتا تھا اور ان بچوں کا باپ سمجھا جاتا تھا جو سب سے پہلے پیدا ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ خاص استحقاق بدل گیا اور ایک ہی کو حق حاصل ہو گیا۔ اس طرح یکجدی یا آبائی خاندان کا وجود ممکن ہوا۔[1] تقریباً اسی قسم کا نظریہ ڈاکٹر مِر (Dr Mayr) بھی پیش کرتے ہیں اگرچہ غیر مکمل شکل میں۔[2] پس چونکہ جائداد ان اشخاص کے خاندانی رشتہ داروں کے تصرف و قبضے میں ہوتی ہے جو اسی پر قابض تھے لہٰذا نتیجہ یہ ہوگا کہ اولاً وہ کل قبیلے کے قبضے میں رہے۔ اس کے بعد ان کے قبضے میں جو ایک ہی ماں کے ذریعے رشتہ دار ہونے کے مدعی ہوں اور تیسرا زینہ یہ ہوگا کہ خاندان کے قبضے میں رہے۔ یہ خاندان یا تو متعدد ذکور کی اولاد میں سے ہوگا یا ایک مرد کی اولاد میں سے۔ اس نظریے کے مطابق آبائی یا یکجدی خاندان ہمیشہ وسیع تر خاندان مشترک سے پیدا ہوگا نہ کہ اس کے برعکس۔

---

[1] دیکھئے اسٹڈیز ان اینشنٹ ہسٹری (Studies in Ancient History) مولفہ میکلین۔ پیٹریارکل تھیوری (Patriarchal Theory) اسپنسر کے سوشیالوجی (Principles of sociology) پر اس مضمون پر بحث کی ہے۔ فارٹنائٹلی ریویو مئی اور جون ۱۸۷۷ء۔ مسٹر مارگن کی اینشنٹ سوسائٹی حصہ ۳ مسٹر سی اسٹاسیل نائٹ کی ڈیویلپمنٹ آف میاریج اینڈ کنشپ The Development of Marriage & Kinship مسٹر ایڈورڈ ویسٹر مارک کی ہسٹری آف ہیومن میاریج (The History of Human Marriage) باب ۴، ۵۔

[2] (Indian Erbrecht) صفحات ۲ ۷ و ۹، معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسٹر میکلین کی کتاب 'قدیم شادی' سے وہ واقف نہ تھے۔ اور وہ اپنے نظریے کو سر لبک کے تصورات پر مبنی کرتے ہیں۔ دیکھئے لبک کی 'تمدن کا آغاز' باب ۳۔

**نظریے پر بحث**

اسس ق ۲۴۳ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاسات مذکورالصدر (یعنے یکجدی خاندان
۳۱۵ اور خاندان مشترک کے بارے میں ) یہ غلط استدلال کیا جا رہا ہے کہ
اگر ایک علت ایک خاص نتیجہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہو تو اسی خاص
علت نے وہ نتیجہ ہمیشہ پیدا کیا ہے اس کا یقین ہے کہ ایسا نظام جائداد جس کی بنیاد
طریقہ تعدد شوہران اور مجموعہ اناث (Syslemof female group) کا نظام ہو بدل جائے
اور ایک شوہری دستور (Marandry) اور انفرادی ملکیت جائداد کے تحت آجائے
ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ کندیان (Kandyan) سرداران لنکا میں یہ عمل ہو رہا ہے اور
ٹوڈے بھی اسی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں ۔ بہتر قسم کی نائر عورتوں میں اب ایک ہی
شوہر پر اکتفا کرنا عام ہوتا جا رہا ہے ۔ اور اس کا یقین ہے کہ اگر ہماری عدالتیں
انھیں ایسا کرنے دیتیں تو ملیبار کے تارود (Tarwads) بہت قبل ٹوٹ کر خاندانوں
کی شکل اختیار کر لیتے اور ہر خاندان کا سردار ایک مرد ہوتا ۔ بالکل اسی طرح اس کا بھی
یقین ہے کہ یکجدی خاندان میں اس کی قابلیت بھی ہے اور میلان بھی کہ وسیع ہو کر
خاندان مشترک ہو جائے کیونکہ ہم اس قسم کے واقعات آئے دن دیکھتے ہیں ۔ ہر مرد
جو بغیر کسی چیز کے زندگی شروع کر کے خود کے کسب سے دولت حاصل کرے وہ بالکل
ایک غیر ذمہ دار رئیس قبیلہ ہے ۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایک یا دو پشتوں میں اس کی
اولاد کی شاخیں خاندان مشترک کی شکل اختیار کر لیتی ہیں ۔ مثل بڑ کے درخت کے
جو ایک ہی پودے سے شروع ہوتا ہے ۔ مسٹر میالکین نے یہ تشبیہ استعمال کی ہے
یہ ممکن ہے کہ جنوبی ہند کے غیر منقسم خاندان اور دیہی جماعتیں ان قبائل سے
شروع ہوئی ہوں جن میں ایک عورت متعدد شوہروں سے تعلق رکھتی تھی کیونکہ
ہمارے پاس اس کی شہادت موجود ہے کہ ڈراویڈی اور دوسری ابتدائی اقوام
میں تعدد شوہران کا رواج تھا ۔ (ف۲) شمالی ہند کی آریا اقوام میں بھی گو اسی قسم کی
جماعتیں موجود ہیں وہی علت اس سے منسوب کرنا ایک دشوار امر ہے جو تاریخ ہمیں

ف۱ ۔ مسٹر میالکین صفحہ ۱۹۵ ۔ بریک صاحب کی قبائل ابتدائی صفحہ ۹ مسٹر بوٹ ۔ بیچ مارگن ۔ اسی قسم کی
تبدیلی کے متعدد واقعات امریکہ کے ہندوستانی قبائل کے متعلق بیان کرتے ہیں ۔

معلوم ہے کہ ان اقوام کا دیہی اور خاندانی نظام نہایت ہی قدیم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان رشتہ دار اقوام میں جو قبل آغاز تاریخ انھیں سے پھوٹ کر پھیل چلے تھے اسی قسم کا نظام پایا جاتا ہے۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ ایک ہی قوم کے اسلاف میں تعدد شوہران کا رواج نہ تھا۔ لیکن اس کا یقین ہے کہ ان کے اخلاف نہ تو ایسے ہیں اور نہ کسی زمانہ تاریخ میں ایسے تھے (ﷺ)۔ لہذا یہ خیال کرنا دشوار ہے کہ رسم تعدد شوہران ایسے نظام جائداد ۲۱۶
سے قبل کی چیز ہے جو (نظام جائداد) بالکل برعکس حالات میں دنیا کے ہر حصے میں پھیلنے کی قابلیت رکھتا ہو۔

**ف ۲۳۴** یہ ممکن ہے کہ بیانات ذیل سے ان جملہ امور کی تفہیم ہو سکے جن سے کہ ہم واقف ہیں اور ان کا اطلاق ہر قسم کے خاندانوں پر ہو سکتا ہے عام ازیں کہ وہ کسی طرح پیدا ہوئے ہوں۔ میری رائے میں یہ مسلم ہے کہ ایک ابتدائی

**قبائلی حقوق**

قبیلہ کسی حصہ ملک میں بس جانے کے بعد یہ خیال کرتا ہوگا کہ وہ حصۂ ملک اس قبیلے کی جائداد ہے۔ بہ الفاظ دیگر وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ قبیلہ بحیثیت ایک جماعت کے اس کل حصۂ ملک سے استفادہ کرنے کا محق ہے دوسری مماثل جماعت کو اس قسم کے استفادے سے خارج رکھنے کیلئے اپنے کو مجاز سمجھتے تھے[1]۔ ان کے ذہن وخیال میں کبھی یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی کہ قبیلے کا ایک فرد دوسرے رکن کو اس اراضی کے کسی حصے سے دواماً خارج کر سکتا ہے۔ وہ اس اراضی پر مشترکاً شکار بھی کھیلتے تھے اور اپنے مویشی کو چرایا بھی کرتے تھے۔ جب انھوں نے کاشتکاری شروع کی تو ان میں کا ہر ایک اس حصۂ اراضی میں کاشت کر سکتا تھا جس پر وہ کاشت کرنا چاہتا تھا۔ جو کچھ اس کاشت سے حاصل ہوتا اس سے اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی پرورش ہوتی تھی۔ لیکن زمین کل قبیلے کی ہوتی تھی۔ ہر شخص جس قدر چاہے زمین پر قبضہ کرنے کا مجاز تھا۔ قبیلہ اس کے اس فعل میں حائل نہیں ہوتا تھا بشرطیکہ زمین اور لوگوں کی تعداد میں تناسب باقی رہتا۔ اور جب زمین ناقابل کاشت ہو جاتی تو اس کو چھوڑ کر دوسری زمین پر کاشت کی جاتی تھی۔

[1] ریڈ انڈین ہمیشہ سے امریکہ کے باشندوں کے مقابلے میں اسی قسم کے حق کے مدعی ہیں۔

ہر شخص کے حقوق ظاہر ہے کہ غیر محدود ہوتے تھے کیونکہ کسی کو ان حقوق پر قیود عائد کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اسی سبب سے خاندان ٹوٹ بھی جاتے تھے۔ ایک دوسرے کی حفاظت کے لیے وہ ملے ملے رہتے تھے لیکن جونہی ہر جزو اپنی حفاظت کرنے کے قابل ہو جاتا تو وہ اپنے مویشی کے لیے دانہ چارہ حاصل کرنے کے لیے دوسری جانب چلا جاتا تھا[ش]۔ ہندوستان کے پہاڑی قبائل کی اس وقت یہی حالت ہے۔

**قیود میں ترقی:-** لیکن جب ابتدائی قبیلے کی تعداد میں زیادتی ہونے سے یا ہمسایے میں دوسرے قبائل بسنے کی وجہ سے خورد نوش کے ذرایع تنگ ہو جاتے تو وہ بات دوسری ہوتی۔ تب دوسرے شخص کے استعمال اراضی سے قیود عائد ہوں گے اور کوئی شخص اراضی کو غیر معین طریقے سے استعمال نہ کر سکے گا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص یا ایک خاندان اتنا قوی ہو کہ دوسرے کو اپنے قبضے میں مداخلت نہ کرنے دے۔ لیکن ہر شخص دوسرے کے مقبوضات میں دخیل نہیں ہو سکتا تھا۔ قبیلہ اپنے حق کو پیش کر کے ہر رکن کو اس کا گذارہ دلاتا تھا۔ یہ گذارہ مساوات کے اصول پر مقرر کیا جاتا تھا اور ہر خاندان کو اس کی ضروریات کے مطابق دیا جاتا تھا۔ تقسیم کے دو طریقے تھے۔ ایک تو یہ کہ کل برآمد کو مشترک سرمایے میں شریک کر کے اس کی مکرر تقسیم کی جاتی تھی۔ جس طرح کہ فرقہ واری زمینداری دیہ میں ہوتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ہر خاندان کو زمین کے مختلف حصے دیے جاتے تھے۔ زمین دیتے وقت اس خاندان کے ارکان کی تعداد کو ملحوظ رکھا جاتا تھا جیسا کہ پٹہ واری دیہہ میں۔ صورت موخر الذکر میں غالباً وقتاً فوقتاً تبادلۂ حصص و تقسیم مکرر سے مساوات قایم ہوتی تھی جیسا کہ روسی میر اور پٹھان فرقوں میں ہوتا ہے۔ تبدیلی کا یہ طریقہ رفتہ رفتہ ختم ہوتا گیا۔ اور جب ارکان نے اپنے حصص کو ترقی دینی شروع کی تو یہ طریقہ بالکل مفقود ہو گیا۔ پنجاب کی وہ جماعتیں جن کی زراعت کلیتہً کنوؤں پر منحصر ہوتی مفقود ہو گئی ہیں۔ بتدریج حصص خانگی جائداد سمجھے جانے لگے۔

---

ش۔ دیکھو قصۂ علمدگی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ (Genesis xiii)

صرف وہ اشخاص جماعت سمجھے جانے لگے جنھیں گاؤں کی بنجر زمین میں مشترکہ حق حاصل ہوتا تھا اور جو سرکاری مطالبات کے مشترکاً ذمہ دار ہوتے تھے۔ بھائی چارۂ دیہہ یہی ہے۔ اگر گاؤں سے مطالبہ کرنے کے بجائے ہر شخص سے دھارا وصول کیا جائے تو ارکان کی حیثیت وہی ہوگی جو جنوبی ہند کے میراث داروں کی ہوتی ہے۔

**خاندان اور اس کی ترقی**

۲۳۵ اس کل زمانے میں مسلسل طور برابر ایک ہی قسم کی تبدیلیاں خاندانی نظام میں ہوتی رہی ہوں گی۔ جن اسباب سے قبائل میں پھوٹ ہوئی وہی چیزیں خاندان کی پھوٹ کا بھی باعث ہوں گی جس طرح ملکیت مشترک کے احساس سے قبیلے نے کل ضلع کو اپنی مشترکہ جائداد تصور کیا تھا اسی طرح خاندان نے یہ محسوس کیا کہ جو کچھ اس سے منسوب کر دیا گیا ہے وہ اسی کا ہے۔ انفرادی جائداد کے خیالات کو فروغ ہونے سے گاؤں ٹوٹتے گئے اور اس کے حصے ہوتے گئے۔ مماثل قسم کے خیالات نے خاندان کو بذریعۂ تقسیم توڑ دیا۔ مگر چونکہ اتحاد خاندان کے وجوہ بہ نسبت اتحاد دیہہ کے قوی تر ہوتے ہیں اس لیے اتحاد خاندان مضبوط تر اور دیرپا ہوگا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ ۳۱۸

**قدیم ہندو مصنفین**

۲۳۶ قانون جائداد کی ابتدائی منازل کے متعلق قدیم ہندو مصنفین سے ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جس حد تک کہ جائداد میں صرف اراضی شامل تھی انھوں نے ایک ایسے نظام کو نافذ پایا جو غالباً ان کے اجداد کے ملک میں داخل ہونے سے بہت قبل موجود تھا۔ اور اس کا بہت ہی کم ذکر کرتے ہیں۔ البتہ وہ صرف ان امور کا ذکر کرتے ہیں جن کے متعلق انھوں نے بدعتوں کا مشاہدہ کیا۔ یا یہ دیکھا کہ اختراع کی کوشش کی جا رہی تھی۔ جو عبارتیں میری نظر سے گذری ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی دیہی شراکت کی جانب اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔ منو اس میں شک نہیں کہ مشترکہ چراگاہوں کا ذکر کرتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ گاؤں میں سرحدی نزاعات کا کس طرح تصفیہ کیا جانا چاہیے۔ لیکن بادی النظر میں وہ اس زمانے کا ذکر معلوم ہوتا ہے جب کہ جائداد پر انفرادی تصرف شروع ہو چکا تھا[۵]

---

۵ - منو باب ۸ فقرہ ۲۳۰ و ۲۶۵ جالی صاحب - لکچر صفحہ ۸۸ -

**خاندانی حقوق کے حدود**

لیکن اتنا ضرور رہے کہ ہمیں چند چیدہ چیدہ ایسے احکام دکھائی دیتے ہیں جن سے دیہی نظام کے سلسلے کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ ان احکام میں چنانچہ یہ بتلایا گیا ہے کہ خاندان کو اپنی جائداد میں غیر محدود حقوق حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان لوگوں کے حقوق کی وجہ سے جو خاندان میں شامل نہیں ہیں۔ وہ محدود ہیں مثلاً جب وہ جائداد جو خاندان کے قبضے میں ہو خود قبیلے کے استعمال کے لیے تقسیم کرلی جائے تو یہ ظاہر ہے کہ ایسی جائداد کل جماعت کے مشورے کے بغیر کسی غیر کو نہیں دی جاسکتی۔ مثاکشرا میں ذیل کے دو احکام کا ذکر کیا گیا ہے۔ غالباً ان کا صحیح مفہوم وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ ”چھ اقسام سے جائداد منتقل ہوتی ہے۔ اہل قریہ رشتہ داروں ہمسایوں اور ورثا کی رضامندی سے اور زر و سیم دینے سے“

”جائداد غیر منقولہ کے متعلق بیع کی اجازت نہیں ہے۔ ان اشخاص کی رضامندی سے جو اس میں حق رکھتے ہوں اسے رہن کیا جاسکتا ہے“[۱] مثاکشرا باب فصل ۱ ف۳۲ میں درہیتی کے ایک حکم کا ذکر کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے ”علیحدہ شدہ رشتہ داران مثل ان کے جو علیحدہ نہ ہوئے ہوں۔ غیر منقولہ جائداد میں بالکل ساوی ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی اس کا نہ تو ہبہ کرسکتا ہے نہ بیع نہ رہن“ یہ ظاہر ہے کہ تقسیم سے خاندان میں کوئی حقوق باقی نہیں رہتے۔ لیکن ان حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو منقسم ارکان کو وارثان عودی کی حیثیت سے حاصل ہو۔ حق عود میں وہ (تقسیم شدہ ارکان) دیگر حصہ داران ورثہ کے شریک ہوتے ہیں۔ بنابراں ان کو انفعال میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا حق حاصل رہے گا۔ جن سے حق عود متاثر ہوتا ہو۔ چنانچہ پنجاب میں اب بھی قانون ہے[۲]۔ یوتننس (Ucanas) یہ کہتا ہے کہ ”زمین رشتہ داروں میں ۳۱۹

[۱] مثاکشرا باب فصل ۱ فقرہ ۳۱ و ۳۲۔ و نیز دیکھئے ویوا دچنتامنی صفحہ ۳۰۹۔ وجینشورا نے ان احکام کی وضاحت کی ہے جس کی وجہ سے ان کی مطابقت اس قانون سے ہوتی ہے جس سے وہ واقف تھا لیکن ظن غالب یہ ہے کہ کسی زمانے میں وہ اس قانون کے بالکل مطابق تھے جو اس کے زمانے میں باقی نہ تھا۔ دیکھئے میئر (Mayr) صفحہ ۴۴ صفحہ ۳۰۔

[۲] رواجات پنجاب صفحہ ۷۳۔

اگرچہ وہ ہزاردیں درجے کے ہوں" ناقابل تقسیم ہے[1]۔ شائد اس حکم کی بھی وہی وجہ ہو جو اوپر بیان کی گئی۔

**حق شفعہ**

ف ۲۳۷ ذیلی حصہ اراضی قابل بیع تو قرار دیے گئے لیکن ارکان جماعت کو حق شفعہ بھی دیا گیا تاکہ زمین اسی جماعت میں رہے۔ اس حق نے شریک حصہ داران کے حقوق میں مزید اضافہ کیا۔ یہ حق اب بھی پنجاب میں باقی ہے اور قانون نے بھی تسلیم کیا ہے[2]۔ بالکل اسی قسم کے ایک حق کے متعلق تھیسا ولم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شمالی لنکا کے تامل باشندوں میں بھی رائج ہے[3]۔

ف ۲۳۸ مذکورالصدر چیدہ چیدہ اور مشتبہ اشاروں کو چھوڑ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سنسکرت مصنفین خاندان کی تاریخ اس وقت سے لیتے ہیں جب کہ وہ ایسے ابکائی ہوچکا تھا جو بالکل مختارانہ حیثیت میں آچکا تھا اور خارجی حقوق کی پابندیوں سے اسے آزادی حاصل ہوچکی تھی۔ خود ارکان کے باہمی حقوق کے متعلق ان کے بیانات بہت ہی کم زور ہیں۔ غیر منقسم خاندان کی حیثیت سے بظاہر ہر شخص خوب واقف تھا اس لیے اس پر بحث کرنا غیر ضروری تھا۔ انھوں نے صرف ان نئے حالات پر غور کیا ہے۔ اور ان کا ذکر بھی کیا جس کی وجہ سے خود خاندان میں پھوٹ ہونا لازم تھی۔ یعنے اکتساب ذاتی تقسیم اور انتقال۔

**جائداد مکسوبہ کی ابتدا۔**

ف ۲۳۹ ہندوستان میں ابتداً جائداد مکسوبہ کوئی چیز نہ تھی[4]۔ چنانچہ جب خاندان خالصتاً آبائی قسم کا تھا تو کل جائداد باپ کی ملک ہوتی تھی۔ اور اگر ارکان خاندان کوئی چیز حاصل بھی کرتے تھے تو وہ باپ ہی کے لیے ہوتی تھی اور مشترکہ سرمایے میں شامل ہوجاتی تھی[5]۔ جب خاندان مشترک پیدا ہوا تو

---

[1]۔ مثاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ۔ ۲۶ دیکھئے مئیر صفحہ ۳۱۔

[2]۔ رواجات پنجاب صفحہ ۱۸۶ قانون نمبر ۱۲ ۱۸۷۴ء دفعہ ۲۔

[3]۔ تھیسا ولم باب ۷ فقرہ۔ ۱و ۲ یہ کہا گیا ہے کہ وہاں حق شفعہ بائع کے "ورثا یا شرکا اور ایسے ہمسایہ جن کی اراضی اس کی زمین سے ملحق ہو اور جو رہن کی صورت میں وہی ہوں گے" حاصل ہوتا ہے۔

[4]۔ مئیر صفحہ ۲۸۔

[5]۔ منو باب ۸ فقرہ۔ ۴۱۶ (فقرہ۔ ۲۳۰)۔

ذاتی طور پر کسی چیز کا حاصل کرنا بھی ممکن ہوتا گیا لیکن یہ چیز بتدریج پیدا ہوئی۔ جب کل خاندان ایک ہی گھر میں رہتا تھا اور ان سب کی پرورش مشترک زمین سے
۳۲۰ ہوتی تھی تو منفرداً کسی چیز کے حاصل کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ سب کی محنت کا ثمرہ مشترک سرمایے میں داخل ہوتا تھا۔ اور اگر کسی کو بطور خاص کپڑے بنانے یا زراعت کے آلات بنانے کا شغف ہوتا تھا تو وہ اپنی صنعت و ہنر کو سب کے فائدے کے لیے کام میں لاتا تھا۔ اس کام کے لیے اسے اور طرح سے خوش کیا جاتا تھا۔ اس کے بال بچوں کے لیے بہتر سامان مہیا کیا جاتا تھا کہ ان کو زیادہ آرام حاصل ہو لیکن تمدن و تجارت کی ترقی کے ساتھ صنعت و حرفت کے نئے طریقے معلوم کیے گئے اور یہ طریقے مشترکہ جائداد کے لیے نامناسب تھے چونکہ زمین کی کاشت اور معمولی امور خانہ داری میں خاندان صرف اپنے ارکان سے مدد لے سکتا تھا اس لیے کسی خاص صنعت میں کوشش کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا بجز اس کے کہ خاص معاوضہ نہ دیا جائے۔ افراد خاندان کے اس حق کو تسلیم کیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو خاندانی جائداد کے حقوق سے دست بردار ہوکر خود اپنے مفاد کے لیے کوئی خاص پیشہ اختیار کرسکتے ہیں[۵]۔ لیکن اس خاص ہنرمند رکن کو خاندان میں رکھنے سے سب کو فائدہ بھی ہوسکتا تھا بشرطیکہ اس کو اجازت دی جاتی کہ اپنی خاص محنت کی کمائی سے وہ خود ہی مستفید ہو۔ برخلاف اس کے اگر وہ باوجود خاندان کے پیسے سے پرورش پانے کے اپنی محنت سے خاندان کو کسی قسم سے مستفید نہ کرے۔ یا اگر وہ خاندان کی جائداد کا ایک معتد بہ حصہ ایسی چیز کے پیدا کرنے کے لیے استعمال کرے جس کے متعلق اس کا یہ ادعا ہو کہ وہ بلاشمول غیرے اسکی ہے تو خاندان کو لازماً نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ جائداد مکسوبۂ ذاتی کا نظریہ اسی خواہش کی بنا پر پیدا ہوا کہ ان دونوں متضاد حقوق میں تطابق ہو جائے

**اس کی ابتدائی اشکال**

ف۲۳ ابتداءً صرف اس جائداد کو مکسوبۂ ذاتی سمجھا جاتا تھا۔ جو علم کے ذریعے یا بہادری کے ذریعے حاصل کی جاتی تھی۔ جائداد کے دو اقسام برہمن اور چھتری سے منسوب تھے۔ زوجہ کے ساتھ آئی ہوئی دولت۔ قرابت داروں یا دوستوں کے عطیے۔ اور وہ موروثی جائداد جو خاندان سے نکل چکی ہو

---

[۵] منو باب ۹ فقرہ ۲۰۷۔ یاگنولکیا باب ۲ نقرہ ۱۱۲۔ مئیر (Mayr) صفحہ ۲۹ صفحہ ۴۳۔

اور جسے واحد رکن نے اپنی محنت سے واپس حاصل کیا ہو اسی فہرست میں شامل ہو گئی تھی۔ اور منو نے یہ عام قاعدہ بنا دیا کہ ”جب ایک بھائی نے موروثی جائداد کی مدد کے بغیر اپنی محنت اور ہنر سے کوئی چیز حاصل کی ہو تو وہ اس چیز سے بغیر اس کی رضامندی کے
۳۲۱ علیحدہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے خود اپنی محنت سے حاصل کی تھی“ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اول اول مکسوبات ذاتی اچھی نظر سے نہیں دیکھے گئے۔ اور یہ کہ منو کا قاعدہ زیادہ تر حاصل کنندہ کے خلاف استعمال کیا گیا نہ کہ اس کے لیے۔

**مکسوبہ ذاتی کی مخالفت**

کتیاین، ورند رہسپتی ان علمی منافعوں کو مکسوبہ جائداد تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں جو خاندان کے صرفے سے تعلیم دینے کی وجہ سے حاصل کیے گئے ہوں[1]۔ علیٰ ہذا ویاس (Vyas) بھی ان منافعوں کے متعلق جو بہادری اور شجاعت سے حاصل کیے گئے ہوں۔ ایک قید عائد کرتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر سواری ہتھیار وغیرہ مشترکہ جائداد سے دلائے گئے ہوں اور کوئی شخص ان سے مسلح ہو کر لڑے اور کوئی چیز حاصل کرے تو حاصل کرنے والا صرف دہرے حصے کا مستحق ہوگا[2]۔ یہ امر بھی مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا حاصل کنندہ جائداد ابتداءً ان کل چیزوں پر صرف خود ہی قابض رہنے کا مجاز تھا۔ وشست کہتا ہے :- ”اگر کسی ایک بھائی نے خود اپنی کوشش سے کوئی چیز حاصل کی ہو تو اس کو دو حصے پانے کا حق ہے“۔ ڈاکٹر میئر کے خیال کے مطابق اس قول سے اس زمانے کا پتا چلتا ہے جب کہ حاصل کنندہ کو تقسیم کے وقت صرف یہ حق حاصل رہتا تھا کہ اپنی خاص صنعت و محنت کے ثمرے سے ایک زائد حصہ پائے[4]۔ اگر یہی توضیح صحیح ہو تو ویاس کے اس حکم سے جس کا اقتباس

[1] - منو باب ۹ فقرہ - ۲۰۶ و ۲۰۶ - گوتم باب ۲۸ فقرہ - ۲۷ فقرہ - ۲۸ نارد باب ۱۳ فقرہ - ۶ فقرہ ۱۰ ویاس ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۳۳۳ -

[2] - ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۳۳۳ صفحہ ۳۴ -

[3] - ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۱، میوکھ باب ۴ فقرہ - ۱۲ -

[4] - وشست باب ۱۷ فقرہ - ۵۱ میئر صفحہ ۲۹ صفحہ ۳۰ - ور رواج کے ترجمے میں ڈاکٹر برنل نے یوں ترجمہ کیا ہے - ”اگر ان میں کسی نے اپنی محنت سے کوئی جائداد حاصل کی ہو تو وہ دو حصے لے سکتا ہے“ جمتیو دھان نے بھی دیابھاگ میں اس کی یہی تعبیر کی ہے - باب ۲ فقرہ - ۱ - (فقرہ - ۲۸۹) آگے -

اوپر کیا گیا ترقی کی مزید منزل ثابت ہوتی ہے۔ حاصل کنندہ کے حقوق کو وہ صرف ان صورتوں تک محدود کرتا ہے جب کہ خاندان کے سرمایے سے امداد حاصل کی گئی ہو اگرچہ وہ مدد نام کی ہو۔ مثلاً جب کہ ایک سپاہی نے خاندانی تلوار یا سواری استعمال کر کے جنگ کی ہو اور غنیمت حاصل کرے۔

زمانۂ مابعد میں اس قسم کے کل قیود غائب ہو چکے تھے۔ وششٹ کے حکم کا اصلی اور ابتدائی مفہوم باقی نہیں رہا۔ اور اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس سے منو کے بیان کردہ قاعدے کی مزید وضاحت ہوتی ہے نہ کہ اس کو اور بھی محدود کیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ وہ رکن خاندان جس نے موروثی جائداد استعمال کر کے خاص منافع حاصل کیے ہوں بطور انعام دوہرا حصہ پانے کا مجاز ہے[1]۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز قدیم قانون کے اصلی مفہوم اور الفاظ دونوں کے خلاف ہے۔ تاہم بنگال میں موجودہ قاعدہ یہی ہے جیسا کہ ہم فقرۂ ۲۰۰ میں آئندہ دیکھیں گے۔

**خود کی حاصل کی ہوئی جائداد پر حقوق**

۳۲۲ **ف ۲۴۱** یہ چیز کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتی کہ شروع سے حاصل کنندۂ جائداد کو اپنی حاصل کردہ اشیاء میں قطعی حق ملکیت حاصل تھا۔ یعنے یہ کہ وہ اپنے حسب منشاء ان اشیا کو منتقل کر سکتا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً خاص طور پر حاصل کی ہوئی اشیاء اس کو تقسیم کے وقت خاص حصے کی شکل میں دی جاتی تھیں[2]۔ خاندان کی تقسیم نہ ہونے تک حاصل کنندہ اس کا مجاز ہوتا تھا کہ ان چیزوں سے دوسروں کو مستفید نہ ہونے دے۔ اگر وہ قبل تقسیم مر جاتا تو غالباً وہ چیزیں مشترکہ سرمایے میں داخل ہو جاتی تھیں[3]۔ غالباً اس کو صرف اس کے منتقل کرنے کی اجازت تھی۔ لیکن وہ بھی اس وقت جب کہ اس کا حق استعمال انتقال کا مقتضی ہو۔ اس حق سے اس امتیاز کی توضیح ہوتی ہے جو منقولہ اور غیر منقولہ مکسوبات ذاتی میں پیدا کیا گیا ہے کل شارحین نے

---

لہ۔ مثاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۲۹۔ دایا بھاگ باب ۶ فصل ۱ فقرہ ۲۴ و ۲۹۔

سلہ۔ دشنو باب ۱۸ فقرہ ۔ ایاگنو لکیا باب ۲ فقرہ ۱۱۸ و ۱۲۰ و نیز وہ احکام جن کا حوالہ اوپر دیا گیا۔

سلہ۔ مغربی ساحل کے نمبودری برہمنوں میں اس وقت بھی ایسا ہی ہوتا ہے (فقرۂ ۴۴۔ ۱۱ مدراس صفحہ ۱۶۳)۔

اس کو تسلیم کیا ہے کہ خود کے حاصل کی ہوئی منقولہ اشیاء منتقل کی جاسکتی ہیں۔ لیکن متاکشرا میں ایک قول کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ "اگرچہ ایک شخص نے غیر منقولہ یا دوپائے خود حاصل کیے ہوں لیکن ان کا ہبہ یا بیع تمام لڑکوں کو جمع کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتا"[۱] موجودہ ملیبار قانون کے لحاظ سے تارود کا رکن علحدہ طور پر جائداد حاصل کرسکتا ہے اور اپنی زندگی میں ان چیزوں کو اپنی مرضی کے موافق منتقل بھی کرسکتا ہے۔ لیکن اس کی وفات کے وقت جو چیزیں رہ جائیں اور منتقل نہ ہوئی ہوں وہ خاندان کی جائداد ہوجاتی ہیں[۲]۔ تھیساولم کی رو سے خاندان غیر منقسم کا رکن اپنے مکسوبہ چیزوں کو بہ نسبت موروثی جائداد کے زیادہ آزادی سے منتقل کرسکتا ہے اختیارات وسیع تو ہیں لیکن قطعی نہیں۔ (تھیساولم باب ۲ فقرہ -۱) ۴۴۳

[۱] متاکشرا باب فصل ۱ فقرہ ۲۷۔ مسٹر کولبرک نے اس قول کو ویاس سے منسوب کیا ہے۔ دیوا ونتامنی صفحہ ۳۰۹ پر اس کو پرکاش سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور رگناتھ نے جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۱۱۰ اس کو یاگنولکیا کا اقتباس کہا ہے۔ اغراض شہادت کے لیے مکسوبہ اور غیر منقولہ جائداد کے منتقل کرتے وقت لڑکوں کی رضامندی حسب رائے درمتر ودیا ضروری ہے۔ جیسا کہ منقسمہ جائداد کے انتقال میں منقسم ارکان کی رضامندی لی جاتی ہے۔ یہ رضامندی قانوناً ضروری نہیں ہے درمتر ودیا صفحہ ۷۰ فقرہ ۲۲۔ عدالتوں کے فیصلوں کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھئے فقرہ -۳۴۴)۔

[۲] کلاتی بنام پیت ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۹۲ ویرا راگھن بنام ویلیارانی ۳ مدراس صفحہ ۱۴۱ رنی پین نمبیار بنام تلوکریب ۴ مدراس صفحہ ۱۵۰۔ کنھیا بنام کتی ممی ۶ مدراس صفحہ ۱۰۲۔ گوئندن نائر بنام سنکرن نائر ۳۲ مدراس صفحہ ۳۵۱۔ عورت کی مکسوبہ جائداد اس کے قائم مقاموں پر منتقل ہوتی ہے جیسا کہ الیاسنتان قانون میں۔ کرشنن نائر بنام دامودرن نائر ۱۳ مدراس لا ٹائمز صفحہ ۱۶۶ سو پلا خاندانوں میں بھی اسی قاعدے کا اطلاق ہوتا ہے۔ ایلاپکرام بنام کتی کنھمد ۱ مدراس صفحہ ۶۹ جنوبی کنارا کے الیاسنتان قانون کے لحاظ سے ایسی چیزیں حاصل کرنے والے کے ذاتی قائم مقاموں پر منتقل ہوتی ہیں انتا بنام کاویری ۶ مدراس صفحہ ۵۰۰ نمبدریوں کے متعلق وہی قاعدہ ہے وشنو بنام اکماں ۳ مدراس صفحہ ۹۲۴۔

**ابتداءً تقسیم کا طریقہ رائج نہ تھا**

**ف ۲۴۲** خاندانی جائداد کی تقسیم کا طریقہ (جہاں تک کہ وہ جائداد اراضی پر مشتمل ہوتی تھی) اُس وقت تک رائج نہیں ہو سکتا تھا جب تک ہر خاندان کی مقبوضہ جائداد اس خاندان کی قطعی جائداد نہ سمجھی گئی ہو یعنے جب اس کو کل جماعت کے ہر قسم کے ادعا سے مبرا نہ سمجھا گیا جائداد کی تقسیم ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ جائداد کا معتدبہ حصہ صرف اراضی پر مشتمل رہنے تک تقسیم کے لیے کوئی قوی سبب ہونا بھی بعید از قیاس ہے اس کے ایک جا رہنے سے ارکان خاندان کے اسباب خورد و نوش زیادہ بہتر طریقے سے فراہم ہو سکتے تھے بہ نسبت اس وقت کے جب کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے۔ دیہی اتحاد کے معدوم ہونے کے بعد بھی خاندانی شراکت باقی رہے گی کیونکہ بزرگ خاندان کا اثر ہی ایسا تھا و نیز مشرقی اقوام فطرۃً بہت زیادہ مائل رہتی ہیں۔ اس زمانے میں بھی چنانچہ ملیبار اور کنارا میں تقسیم کا حق موجود نہیں ہے۔ چند صورتوں میں جب کہ خاندان بہت وسیع ہو گیا ہو اور اس کی جائدادیں مختلف اضلاع میں پھیل گئی ہوں مختلف شاخیں پھوٹ کر علٰحدہ علٰحدہ تارود بن گئے ہیں اور دوامًا ان کی جائدادیں علٰحدہ ہو گئی ہیں۔ لیکن یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ سب راضی ہو گئے ہوں۔ نہ تو ایک رکن اور نہ کل ارکان الا ایک کے کسی ایسے کو تقسیم پر مجبور کر سکتے ہیں جو تقسیم نہ چاہتا ہو[۱]۔ قبل ازیں فقرہ ۲۳۶ میں یوسنس (Ucanas) کے اس شلوک کا ذکر کیا جا چکا ہے جس میں ممانعت کی گئی ہے کہ رشتہ داروں میں زمین کی تقسیم نہ ہو۔ اس شلوک سے اس زمانے کی شہادت ملتی ہے جب کہ ہندو خاندان مشترک اسی طرح تقسیم کے قابل تھا جس طرح کہ ملیبار کا تارود[۲]۔

---

[۱] منداچی بنام تماجو ا مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۳۸۰۔ تمپا بنام مہالنگا جلد ۴ ایضاً صفحہ ۲۸۰۔ نمبدری برہمنوں پر بھی اسی قاعدے کا اطلاق ہوتا ہے اگرچہ وہ نہایت ہی قدیم ہندو قانون کے تابع ہیں ۱۱ مدراس صفحہ ۱۶۲ اور ملیبار کے تیانوں پر بھی جو مکا نیم قانون کے پیرو ہیں۔ رامن مینن بنام چھوٹونی ۱۷ مدراس صفحہ ۱۸۴۔ پالگھاٹ کے دو دانوں میں تقسیم رائج ہے۔ یہ لوگ ابتداءً تیان تھے لیکن بعد میں اس جماعت سے علٰحدہ ہو گئے دو بنام چھامو ۲۲ مدراس صفحہ ۲۹۷۔

[۲] مئیر صفحہ ۲۱ صفحہ ۳۴۲۔

**تقسیم کا آغاز**

ف ۲۴۳ مکسوبات ذاتی کا رواج عام ہوتے ہی و نیز ان کے محفوظ ہوتے ہی تقسیم کی خواہش لازماً شروع ہو جائے گی۔ وہ شخص جو یہ محسوس کرے کہ بہ نسبت دوسرے ارکان خاندان کے وہ زیادہ تعجیل سے دولت حاصل کر رہا ہے فطرتاً اس کا متمنی ہوگا کہ اس کی محنت پر دوسروں کے دعاوی باقی نہ رہیں و نیز یہ بھی چاہے گا کہ اس کی کل دولت اسی کے اخلاف پر منتقل ہو جائے۔ اس زمانے میں بھی منجملہ دیگر وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ ہے جو تقسیم کا باعث ہوتی ہے لیکن خاندانی احساس تقسیم کے خلاف اس قدر قوی ہے[۱] کہ اس رواج کو اپنی بقا کے لیے سخت زحمت گوارا کرنی پڑتی اگر اس کی تائید قوی ترین بیرونی اثرات سے نہ ہوئی ہوتی یعنے اگر برہمنوں کا اثر کام نہ کیا ہوتا۔ اس کو اس سے ضرور تائید ہوئی۔ خاندان کے مشترک رہنے تک اس کے کل مذہبی رسوم بزرگ خاندان انجام دیا کرتا تھا۔ لیکن اس کے چھوٹتے ہی رسوم میں بھی ازدیاد ہوا۔ یعنے جتنے حصوں میں خاندان منقسم ہوا اتنے ہی رسوم لازمی ہو گئے۔ اور اسی سبب سے برہمنوں کے وظائف و نذرانات میں اسی تناسب سے اضافہ ہوتا گیا۔ سنسکرت مصنفین بالکل راست بازی سے تقسیم کا مشورہ دیتے ہیں چنانچہ منو کہتا ہے[۲] "وہ انھیں یا تو ملکر رہنے دو۔ یا اگر وہ رسوم مذہبی کے خواہشمند ہوں تو انھیں علحدہ رہنے دو۔ چونکہ مختلف گھروں میں مذہبی رسوم میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے ان کی علحدگی جائز ہے"۔ اس پر کلوک یہ اضافہ کرتے ہیں کہ "اور وہ مستحسن بھی ہے"۔ اور علی ہذا گوتم کہتا ہے[۳] "اگر تقسیم ہو تو روحانی فوائد میں اضافہ ہوتا ہے"۔

برہمنی عقائد سے اسکی تقویت ہوئی

**اس کی ترقی**

ف ۲۴۴ حق تقسیم نے موجودہ شکل میں آنے کے لیے نہایت ہی آہستہ آہستہ

[۱] مجھے اس کا یقین دلایا گیا ہے کہ بنگال میں بھی کوئی تقسیم نہیں کرا سکتا بجز اس کے کہ تحت سے سب راضی ہوں اگرچہ وہاں خاندانی اتحاد بہت ہی کم زور ہے۔ مدراس میں میں نے ہمیشہ یہ دیکھا ہے کہ خاندانی جھگڑا نالش تقسیم کا یا تو علت ہوتا ہے یا معلول۔

[۲] باب ۹ فقرہ ۱۱۱۔

[۳] باب ۲۸ فقرہ ۴۔

قدم بڑھائے۔ یہ ممکن ہے کہ شروع میں جو۔کن خود اپنے اغراض کے لیے خاندان سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوگا صرف ایک برائے نام حصہ لے کر چلا جاتا ہوگا یا اس کو ایسی رقم دی جاتی ہوگی جو دوسرے ارکان دینا چاہتے ہوں گے[1] یہی بات زیادہ اغلب ہے کیونکہ خاندان یکجدی رہنے تک لڑکا اپنے باپ کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا تھا کہ اس کو حصہ دیا جائے۔ یا یہ کہ اس حصے سے زیادہ دیا جائے جو وہ دینا چاہتا تھا۔ یہ نظریہ کہ جائداد پیدائش سے حاصل ہوتی ہے (اس معنی میں کہ ہر لڑکا باپ کا برابری کا حصہ دار ہوتا ہے) اس وقت رائج نہ تھا۔ لڑکا محض بطور ضمیمے کے اپنے باپ سے ملحق ہوتا تھا اور اس کو اپنے باپ کے مقابلے میں جائداد کے حقوق حاصل نہیں ہوتے تھے[2]

اس زمانے میں گویا خاندان کی وہی حالت تھی جو اب ملیبار تارو ڈ کی ہے۔
۳۲۵ ملیبار میں جائداد بزرگ خاندان کی ہوتی ہے۔ محض کارندے یا اصلی شریک کی حیثیت سے نہیں بلکہ تقریباً قطعی حاکم کی حیثیت سے۔ دوسرے ارکان کا صرف یہ حق ہوتا تھا کہ خاندانی گھر میں وہ پرورش پائیں اور یہ بھی اس وقت تک جب تک کہ خاندان ان کو رکھنے کے قابل ہو۔ اخراجات کے موازنے کا تعین اور مختلف ارکان میں اس کی تقسیم کلیتہً کارناون (Karnaven) کے صوابدید پر منحصر ہے۔ کوئی کن حساب کتاب کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ اپنے لیے کسی خاص حصۂ آمدنی کا ادعا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں تقسیم کا مطالبہ کبھی بھی نہیں کیا جا سکتا[3]

**ملیبار تارو ڈ اتنداً باپ کی رضامندی و مرضی کا تابع تھا**

[1] ۔ فقرہ۔ ۲۳۹ پدیا ۱۱ مدراس صفحہ ۴۰۶۔
[2] ۔ منو باب ۸ فقرہ۔ ۴۱۶ (فقرہ۔ ۲۳۰)۔
[3] ۔ کنی کاراتو بنام ارنگادین ۲ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۱۲۔ سبو ہیگاوی بنام تنگو ۴ ایضاً صفحہ ۱۹۶ فقرہ۔ ۲۴۲ نوٹ ( ) ورناکوٹ ۲ مدراس صفحہ ۳۲۸ علیحدہ طور پر نفقہ پانے کے متعلق دیکھیے پیروتائر بنام دیاپن ایضاً صفحہ ۲۰۲۔ نرائنی بنام گوندا ۷ مدراس صفحہ ۳۵۲۔ مرادیوی بنام پیپکا ۳۲ مدراس صفحہ ۳۰۳۔ متھوبا بنام گوپالن ۲۳ مدراس لاجرنل صفحہ ۴۹۶۔ بد انتظامی کے سبب کارناون کو ہٹانے کے متعلق دیکھیے پونم بلاتھ لکھنا موو بنام پونم بلاتھ کٹھیا ۳ مدراس صفحہ ۱۶۹ ان

اس کا یقین ہے کہ دھرم شاستر کے ابتدائی زمانے میں لڑکا اپنے باپ کو تقسیم پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ منو صرف یہ کہتا ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد تقسیم ہو سکتی ہے اور یہ کہتا ہے کہ بھائیوں کو والدین کے عین حیات جائداد پر کسی قسم کے اختیارات نہیں ہوتے۔ کلوک بھٹ یہ اضافہ کرتا ہے کہ "بجز اس کے کہ باپ تقسیم کرنا چاہے[1]"۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اضافہ اس لیے کیا گیا تھا کہ خود منو (حقیقی یا اساطیری) نے اپنی جائداد لڑکوں میں تقسیم کی تھی۔ دید نے بھی منو کے اس فعل کا ادعا کیا ہے۔ اور اس واقعے کو ہندو حکمانے ایسی تقسیم کے لیے بطور سند پیش کیا ہے[2]۔ بودھاین گوتم اور دیولا نے موروثی جائداد کی تقسیم کے لئے باپ کی رضامندی کو لازمی بتلایا ہے[3]۔ شنکھ (Sancha) لکھت (Lichita) نے باپ کی رضامندی کو اس وقت بھی ضروری قرار دیا ہے جب کہ لڑکے خود اپنی کمائی ہوئی جائداد کی ۳۲۶
تقسیم کے متمنی ہوں۔ اٹھارھویں صدی کے تامل لوگوں کا یہ رواج کہ باپ کے عین حیات اس کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں ہو سکتی تھی بالکل صاف طور پر ثابت ہے۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ عورتوں کے متعلق جب کہ تارواڈ کے متعدد توازی (Tavazhis) یعنی ذیلی تقسیم ہو گئی ہو۔ دیکھئے چل لائی کنڈ و تھا بنام عیشوہم مدراس صفحہ ۱۹۹ اماں بنام پکی ۷ مدراس صفحہ ۲۱۴۔ دیکھئے تھایا بنام شنگنی ۵ مدراس صفحہ ۱۷۔ اگر ایک رکن کی علحدہ جائداد ہو تو اس سے حق نفقہ پر اثر پڑتا ہے۔

[1] منو باب ۹ فقرہ ۱۰۴۔ و نیز دیکھئے وشست باب ۱۷ فقرہ ۲۴ تا ۲۹۔ مٹاکشرا میں (باب ۱ فصل ۲ فقرہ ۱۱) منو کا ایک شلوک (باب ۹ فقرہ ۲۰۹) بیان کیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکے اس موروثی جائداد کی تقسیم کا مطالبہ کر سکتے ہیں جس پر باپ قابض ہو۔ سر ولیم جونس کا ترجمہ غلط ہے دیکھو جلد ۲ دلیڈ اور بہلر باب ۲۴ طبع اول خود شلوک مکسوبات ذاتی سے متعلق ہے نہ کہ تقسیم سے۔ شراکت کے جاری رہنے کے متعلق ہے نہ کہ اس کے ختم کر دیے جانے کے لیے اور اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کونسی جائداد مشترکہ سرمائے میں شامل ہوتی ہے اور کونسی نہیں ہوتی۔

[2] ایسمنبھا باب ۱۴ فقرہ ۱۱ بودھاین باب ۲ فقرہ ۱۰۔

[3] بودھاین باب ۲ فصل ۲ فقرہ ۴۔ گوتم باب ۲۸ صفحہ ۲ دیولا ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۵۲۲۔

[4] ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۵۲۶ صفحہ ۵۳۳۔

[5] سورگ ہندو لا صفحہ ۱۷۳ بوچے کا اقتباس میانول مدراس اڈمنسٹریشن جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ میں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد باپ کی رضامندی کے بغیر بھی تقسیم کی اجازت دی جانی شروع ہوئی۔ جب کہ وہ ضعیف ہو گیا ہوتا۔ یا مسلوب الحواس مریض ہو یہ الفاظ دیگر اگر وہ پدری اختیارات کے استعمال کرنے کے قابل نہ رہتا تھا تو اس کی مرضی کے بغیر بھی تقسیم ہو سکتی تھی[1]۔ آخری زینہ وہ تھا جب کہ یہ مان لیا گیا کہ باپ اور بیٹا دونوں موروثی جائداد کے برابر کے مالک ہیں۔

بیٹے کے حقوق کی ترقی

یعنے جب یکجدی خاندان نے خاندان مشترک کی شکل اختیار کر لی[2] اس کے بعد یہ قاعدہ رائج ہوا کہ لڑکے موروثی جائداد کی تقسیم کا مطالبہ کر سکتے ہیں لیکن کسو بہ کا نہیں کر سکتے[3] اس وقت سے خاندان مشترک ایسی جماعت متحدہ نہ رہا جس میں دوامی قائم مقامی چل سکتی تھی بلکہ محض شراکت ہو گیا۔ جو اپنی مرضی سے ختم کی جا سکتی تھی۔

ماں کی زندگی میں تقسیم کا حق

**۲۴۵** - مذکورہ بالا ترتیب حقوق نہایت اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔ ماں کی حد تک جو حدود ابتداً تقسیم پر عائد تھے ان کی وضاحت نہایت دشوار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداءً بھائیوں کا حق تقسیم جائداد نہ صرف باپ کے مرنے کے بعد تک التوا میں رہتا تھا بلکہ ماں کی وفات تک بھی[4]۔ گوتم نارد اور رورستینی کے ماں کی حیات تقسیم کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن اس کو لازم قرار دیتے ہیں کہ ماں کو مزید اولاد پیدا ہونے کی امید باقی نہ رہے۔ یا یہ کہ باپ نے مجامعت چھوڑ دی ہو[5] یہ آخری قید (جو بہ لحاظ وقت بعد کی ہے) کا مقصد یہ تھا کہ بعد کے پیدا شدہ بچوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے[6] اس قاعدے کا

---

[1] ۔ سنکھ یا ہر تھا جس کا ذکر متاکشرا باب ۱ فصل ۲ فقرہ ۷ میں کیا گیا ہے۔

[2] ۔ دیکھئے فقرہ ۲۳۱ و فقرہ ۲۵۳۔

[3] ۔ ویاس ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۳۵ دشنو باب ۱۷ فقرہ ۱ فقرہ ۲۔

[4] ۔ منو باب ۹ فقرہ ۴۔ اشنکھ لکھت ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۵۳۳ یاگنولکیا باب ۲ فقرہ ۱۱۷۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۳ فقرہ ۱۱۔۳ ۔ دیابھاگ باب ۳ فقرہ ۱۔

[5] ۔ گوتم باب ۲۸ فقرہ ۲ ۔ نارد باب ۱۳ فقرہ ۳۔ ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۴۔

[6] ۔ دیابھاگ باب ۱ فقرہ ۵۴ سرسوتی ولاس (صفحہ ۱۲ صفحہ ۶۱) میں اس کو باپ کے مفید تصور کیا گیا ہے تاکہ وہ جبریہ تقسیم سے بچا رہے جب تک کہ وہ دوبارہ شادی کا خیال ترک نہ کر دے۔

عملی نتیجہ یہ ہوگا کہ آیندہ اولاد کے ہونے کا امکان معدوم ہونے تک تقسیم نہ ہوسکے لیکن جب
باپ مرچکا ہو تو اس امتناع کو وسعت دے کر ماں کے مرنے تک تقسیم کو ملتوی رکھنے کی کوئی ۳۲۷
وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ امتناع اس وقت ضروری تھا جب کہ بیوہ کسی
قرابت دار سے بچہ پیدا کرانے کی مجاز تھی۔ لیکن مجھ کو اس سے اس زمانے کی شہادت
ملتی ہے جب کہ بیوہ کو عین حیاتی حق جائداد حاصل ہوتا تھا۔ اگرچہ۔ شوہر کی اولاد نرینہ
ہوتی تھی یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ چونکہ بیوہ کا حق وراثت اس پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ اپنے
شوہر کی باقی ماندہ نصف ہوتی ہے اس لیے وہ ان کے بعد وارث ہونے کے عوض ان
سے پہلے وارث ہوتی ہے[1] تھیبا ولم کے خیال کے مطابق اب فی الحقیقت یہی قاعدہ
ہے۔ جب باپ بچے چھوڑ کر فوت ہو تو ماں کل جائداد پاتی ہے اور اپنی لڑکیوں کو جہیز
دیتی ہے لیکن لڑکے اس کے زندہ رہنے تک کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرسکتے[2] غالباً کسی زمانے
میں حالات ایسے ہی تھے۔ چنانچہ اس کے متعلق شنکھ اور لکھت میں اشارۃً یہ چیز ظاہر ہوتی
ہے[3]۔ وہ اولاً یہ کہتے ہیں کہ باپ کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہ کی جائے اس کے بعد کہتے ہیں:-
"جن لڑکوں کے والدین زندہ ہوں وہ مختار نہیں ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد بھی مختار
نہیں ہوتے جب تک کہ ان کی ماں زندہ رہے" اور علی ہذا نارد بھی لڑکوں کو باوجود
کبر سنی کے انھیں دونوں والدین کی زندگی میں غیر مختار قرار دیتا ہے۔ اور باپ نہ ہونے
کی صورت میں ماں کو مقتدر قرار دیتا ہے نہ کہ اس کی اولاد اکبر کو[4]

**قیود متروک ہوگئے** ف ۲۴۶ جب ہم ان شارحین کی طرف آتے ہیں جنھوں نے اس وقت لکھنا شروع کیا جب کہ یہ تمام قیود ختم ہوچکے تھے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ

[1] دیکھئے جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۶۹۔

[2] تھیبا ولم باب ۱ فقرہ ۹۔

[3] ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۵۴۳۔

[4] نارد باب ۲ فقرہ ۳۸ فقرہ ۴۰ "وہ بالغ اور مختار اس وقت ہوگا جب کہ اس کے والدین فوت ہوگئے ہوں۔ ان کے عین حیات وہ غیر مختار ہوگا اگرچہ وہ بڑا ہوگیا ہو۔ دونوں والدین میں باپ زیادہ مقتدر ہے کیونکہ زمین سے زیادہ تخم قیمتی ہے۔ باپ نہ ہو تو ماں۔ ماں نہ ہو تو بڑا لڑکا۔ یہ لوگ ان کے تابع نہیں ہیں جو ان کے زیر حکومت ہوں۔ وہ قطعاً احکام دینے کے مجاز ہیں اور ہبہ یا بیع کرسکتے ہیں"

مذکورالصدر عبارتیں بے معنیٰ ہوگئی تھیں لیکن کوئی ہندو مقنن اس کا قائل نہیں ہے کہ کسی مقدس شلوک اور قانون موجودہ میں نزاع ہوسکتی ہے۔ حسبِ عادت وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ان چیزوں کو ایک دوسرے کے مطابق کریں جو فی الحقیقت تطابق کے قابل نہیں۔ اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لیے وہ یا تو خواہ مخواہ کی توضیحات کرتے ہیں۔ یا متضاد عبارتوں کو ان کا ایک دوسرے سے تعلق ظاہر کرنے کے بغیر ایک جا ترتیب دیتے ہیں۔

**متاکشرا**

اس پر بحث کرتے ہوئے کہ تقسیم کب کی جا سکتی ہے۔ متاکشرا میں اکثر شلوکوں کا اقتباس کیا گیا ہے، اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ باپ کے حین حیات تقسیم صرف تین صورتوں میں جو حسبِ ذیل ہیں ہوسکتی ہے۔ اول جب کہ وہ خود اس کا متمنی ہو۔ دوسرے جب کہ ماں اور باپ دونوں اولاد پیدا کرانے کے ناقابل ہوگئے ہوں تو اس کی مرضی کے خلاف بھی تقسیم کرائی جا سکتی ہے۔ تیسرے جب کہ باپ برائیوں کا عادی ہوگیا ہو یا ذہنی یا جسمانی امراض میں مبتلا ہو[1] علیٰ ہذا اس عبارت کا اقتباس بھی کیا گیا ہے جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ دونوں والدین کے مرنے کے بعد تقسیم کرائی جا سکتی ہے۔ نہ تو اس عبارت کی کوئی توضیح کی گئی ہے اور نہ اعتراض کیا گیا ہے[2] موروثی جائداد کے متعلق باپ اور بیٹے کے حقوق کی نوعیت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ان شلوکوں کے متعلق یہ توضیح کی گئی ہے کہ ان کا تعلق باپ کی مکسوبہ جائداد سے ہے اس کے بعد حسبِ ذیل نتیجہ اخذ کیا گیا ہے:- "جب ماں مزید لڑکے پیدا کرنے کے قابل ہو اور باپ ہنوز دنیاوی امور میں منہمک ہو اور تقسیم نہ چاہتا ہو تو لڑکے کی مرضی سے دادا کی جائداد تقسیم کی جا سکتی ہے"[3]

**سمرتی چندریکا**

ف ۲۴۷ منو باب ۹ فقرہ ۱۰۴ میں تقسیم کو والدین کی وفات تک ملتوی رکھا گیا ہے۔ سمرتی چندریکا اس عبارت کی توضیح کرتے ہوئے اس کا یہ مطلب بیان کرتا ہے کہ والدین میں سے ہر ایک کی جائداد

---

[1] متاکشرا باب ۱ فصل ۲ فقرہ ۷ ورمترودیا صرف صورتہائے اول و سوم کو تسلیم کرتا ہے۔ فقرہ ۹، ۴ فقرہ ۳۔۴۲

[2] متاکشرا باب ۱ فصل ۳ فقرہ ۱-۲۔

[3] متاکشرا باب ۱ فصل ۱ فقرات ۵ و ۷، ۸ و ۱۱ میو کہ باب ۴ ف ۱۱ کا بھی یہی مضمون ہے۔

ان میں کے ہر ایک کی وفات کے بعد تقسیم کرلی جاسکتی ہے؛[1] لیکن لڑکوں کے اس حق کے متعلق کہ آیا وہ باپ کے حین حیات تقسیم کراسکتے ہیں ان پیچیدہ اور طول وطویل مباحث سے یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک باپ اس قابل ہے کہ بچے جنا سکے اور خاندانی امور کے انتظامات کرسکے تو لڑکوں کو ایسا اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ انھیں اس کو تقسیم پر مجبور کرنے کا مجاز کرے[2]

جیسا کہ آگے فقرۂ ۔ ۱۷۴ میں دیکھا جائے گا جنوبی ہند میں یہ مسئلہ حال حال تک ہنوز معرض بحث میں تھا۔

**مصنفین بنگال**

ف ۳۴۸ مصنفین مسلک بنگال کو ان احکام کی تاویل میں بڑی چالاکی سے کام لینا پڑا اور جو تاویل انھوں نے کی وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ جو مسالک بنارس کے لوگوں کی تھی۔ مسالک بنارس کے
ص ۳۲۹ مصنفین کو ان احکام کی توضیح کرنی پڑی جن سے حق تقسیم میں تاخیر ہوتی ہے یا جو قیود عائد کرتے ہیں کیونکہ لڑکوں کو وہ ملکیت میں باپ کا شریک سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے چونکہ بنگال والوں نے باپ کو قطعی مالک قرار دیا ہے اس لیے انھیں ان احکام کی وضاحت کی ضرورت ہوئی جو تقسیم کا مجاز کرتے ہیں جس طریقے سے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا اس کا ذکر دیا بھاگ کے باب اول میں موجود ہے: جمیوت واہن ان تمام احکام کو جو اس کے مدعی ہیں کہ باپ کے حین حیات لڑکے تقسیم پر اصرار نہیں کرسکتے اپنے اس خیال کا مؤید سمجھتا ہے کہ لڑکوں کو پیدائش سے جائداد حاصل نہیں ہوتی بلکہ باپ کی وفات کے بعد۔ لہذا موروثی جائداد کی بھی باپ کے حین حیات اس کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اس کے مرنے سے (فی الواقعی یا قانوناً) لڑکوں کو پہلی مرتبہ حق ملکیت پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو حق تقسیم بھی حاصل ہوتا ہے[3]

۱ہ۔ سمرتی چندریکا باب ۱ فقرہ ۔ ۱۲ و ۱۷ اور سوروپ نے دفعہ ۴ میں اس رائے کو تسلیم کیا ہے۔

۲ہ۔ سمرتی چندریکا باب ۱ فقرہ ۔ ۱۹ تا ۲۳، ۲۰ و ۳۸۔

۳ہ۔ دیا بھاگ باب ۱ فقرہ ۱۱ و ۱۳ فقرہ ۔ ۳۰ و ۴۲ ۔ فقرہ ۔ ۵۰ باب ۲ فقرہ ۔ ۸ ۔ رگھو نندن باب ۱ فقرہ ۔ ۵ و ۱۴ باب ۲ فقرہ ۔ ۲۶ فقرہ ۔ ۳۴ و ۳۵ پنجاب میں بھی یہی قاعدہ رائج معلوم ہوتا ہے۔ پنجاب کسٹمری لا جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ جلد ۳ صفحہ ۱۲۲۔

**ماں کے حقوق**

ف۲۴۹ اس شرط کے متعلق کہ بروقت تقسیم ماں میں بچہ جننے کی قابلیت باقی نہ رہنی چاہیئے اس مسلک کے مصنفین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس کا تعلق باپ کے اختیارات تقسیم سے ہے۔ یہ کہ باپ جائداد موروثا کی تقسیم نہیں کر سکتا جب کہ ماں ہنوز اس قابل ہو کہ بچے جن سکے۔ کیونکہ بعد کے پیدا شدہ بچے ذریعۂ معاش سے محروم ہو جائیں گے[1] وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ماں ہنوز زندہ ہو تو باپ کے مرنے کے بعد بھی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ بہ الفاظ دیگر وہ اس ممانعت کی لفظی تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ اس ممانعت کی اس توضیح کو مسترد کرتے ہیں کہ اس امتناع کا تعلق ماں کی ذاتی جائداد سے ہے[2] بعد کے شارحین اس قاعدے کو ہنوز نافذ سمجھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور نہ وہ بنگال کے اس مقولے کے ذریعے کہ وہ اخلاقاً غلط ہے مگر قانوناً جائز اس ممانعت سے اپنے کو دور رکھتے ہیں۔ عملاً اب تقسیم کے لیے نہ تو ماں کی وفات ہی ضروری ہے اور نہ اس کی رضامندی[3]

**نتائج**

ف۲۵۰ اس طویل تاریخ کا نتیجہ یہ ہے کہ اب شریک حصہ داروں کے مابین کسی وقت بھی تقسیم کرانے کا حق حاصل ہے۔ اس حق کو ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن مسلک بنگال کے مصنفین اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ لڑکے اپنے باپ کے شریک ہوتے ہیں۔ دوسرے مقامات میں خاندان مشترک کے کل ارکان شرکاء سمجھے جاتے ہیں۔ عام ازیں کہ وہ یکجدی ہوں یا رشتہ داران طرفی۔ ف۳۳۰

**حق انتقال کی ترقی**

ف۲۵۱ اس میں شک نہیں کہ حق انتقال جائداد اور جائداد کی ترقی دونوں ایک ساتھ شروع ہوتے ہیں جیسے جیسے جائداد فرقہ واری حالت سے انفرادی شکل میں ترقی کرتی ہے ویسے ویسے انتقال کا حق بھی بڑھتا جاتا ہے۔ جائداد کی ان قیود سے جن کی پابندی اس پر صحیح معنی میں باقی نہیں رہی تھی قطعی آزادی سے پہلے ایک عہد تغیر (Transitional period) بھی تھا یعنی وہ زمانہ جب کہ

---

[1]۔ دیابھاگ باب ۱ فقرہ ۵۰-۴۔

[2]۔ دیابھاگ باب ۳ فقرہ ۱ اور ۱۱ دیکھو یف۔ ایم صفحہ ۱۷ و ۲ صفحہ ۷۵۔

[3]۔ ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۱۷ جلد اڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۵۷۔

جائداد کے متعلق نئے پہلو پیدا ہو رہے تھے۔ قبل ازیں ہم نے یہ باور کرنے کی وجہ دیکھی ہے کہ ایک وہ وقت بھی تھا جب کہ علحدہ شدہ رشتہ داروں کے حصص متعلق بہ اراضی بالکلیہ اور قطعی طور پر ان کے اختیار تصرف میں نہ تھے لیکن نارد کے زمانے سے قبل اس قسم کے کل قیود غائب ہو چکے تھے[۱]۔ لہذا یہ کھلی بات ہے کہ ابتداءً لڑکے خود کی حاصل کی ہوئی جائداد کو بھی منتقل نہیں کر سکتے تھے اور حال تک اس مسئلے کی یکسوئی نہیں ہوئی تھی کہ آیا متاکشرا قانون کے لحاظ سے باپ کو خود کے حاصل کی ہوئی اراضی پر قطعی اختیار حاصل ہے[۲]۔ ازمنۂ سابقہ میں باپ کو بہ حیثیت بزرگ خاندان کے ارفع و اعلےٰ اختیارات حاصل تھے۔ ان اختیارات کی ایک یادگار اب بھی دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ اب بھی باپ اس کا مدعی ہے کہ موروثی منقولہ کو وہ اپنے حسب منشا منتقل کر سکتا ہے[۳]۔ لڑکوں پر اپنے باپ کے قرضے ادا کرنے کی قطعی ذمہ داری ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا ماخذ وہی ہو جو اوپر بیان کیا گیا[۴]۔

**جائداد مشترکہ**

۲۵۲۔ جائداد مشترکہ کے متعلق لازماً یہ استنباط کرنا پڑا (خود اس کے تصور سے ظاہر ہے) کہ کوئی ایک مالک اس چیز کو منتقل نہیں کر سکتا جس کی ملکیت میں دوسرے بھی خود اس کے ساتھ شریک ہوں۔ ہاں البتہ ان کی رضامندی سے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ یا ان حالات میں جب کہ ضرورت اس پر مجبور کرے۔ ایسی صورت میں ان کی رضامندی مستنبط کی جا سکتی ہے[۵]۔ لیکن ایک نہایت ہی اہم اختلاف آرا یہ پیدا ہوا کہ جائداد کے مالکان مشترک کون ہوتے ہیں۔ اور ہر مشترک مالک کو اپنا حصہ منتقل کرنے کا کس حد تک اختیار ہے۔

**باپ کا اختیار**

مسئلہ مقدم الذکر (یعنے کون شرکاء سمجھے جائیں گے) اس لیے پیدا ہوا کہ باپ کی حیثیت کا اپنے لڑکوں کے مقابلے میں تعین کیا جائے۔ اگر

[۱] فقرہ ۲۳۹۔ نارد باب ۱۳ فقرہ ۴۳۔

[۲] فقرہ ۲۳۰۔ فقرہ ۲۵۳ فقرہ ۲۵۷، فقرہ ۴۴۳۔

[۳] فقرہ ۲۵۵۔

[۴] فقرہ ۳۰۲۔

[۵] دیاس جلد ۱ ڈائجسٹ صفحہ ۵۵۴۔

خاندان مشترک یجدی خاندان سے ترقی کرے، تو بزرگ کے اختیارات کا تعین کرنے کے لیے
یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اس کو بچوں کا باپ سمجھا جاتا تھا یا شراکت کا محض ایک منتظم[۱]۔ وہ احکام ۲۳۱
جن کی بنیاد خاندان کی حالت سابقہ تھی وہی احکام لازماً اس پر مائل ہوں گے کہ ان
اختیارات سے وسیع تر اختیارات باپ سے منسوب کیے جائیں جن کا آغاز خاندان کی حالت
مابعد میں ہوا تھا مثلاً جب نارد کہتا ہے کہ "عورتیں۔ لڑکے غلام اور خدمت گاران ہمیشہ
زیر نگرانی ہوتے ہیں۔ لیکن بزرگ خاندان اپنی موروثی جائداد کے منتقل کرنے میں کسی کا
تابع نہیں ہے[۲]"۔ نارد کا یہ اقتباس ظاہر ہے کہ اس زمانے کے متعلق صادق آتا ہے جب کہ
باپ گھریلو معاملات میں مطلق العنان سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ایک عرصے سے اس پر بہ حیثیت بزرگ
خاندان صادق نہیں آرہا تھا۔ تغیر و تبدل کی ہر منزل پر اصلی اور ابتدائی مصنفین صاف
صاف اور بلا کم و کاست جو کچھ کہنا ہو کہہ جاتے تھے کیونکہ وہ محض ان واقعات کا ذکر
کیا کرتے تھے جو براہ راست ان کے مشاہدے میں آیا کرتے تھے۔ جب شارحین کا دور
شروع ہوا تو قیل و قال کا شروع ہونا فطری تھا کیونکہ ان کے لیے یہ ضروری تھا کہ
ان متضاد احکام سے جنھیں وہ مقدس اور سچے سمجھنے پر مجبور تھے ایک ایسا نظریہ قائم
کریں کہ موزوں اور مناسب ہو۔ وہ جو باپ کے اقتدار کو گھٹانا چاہتے تھے ان کے لیے
یہ ضروری تھا کہ بعد کے احکام کا اقتباس کریں اور جو اس کے اقتدار کو زیادہ کرنے
کے متمنی ہوتے تھے قدیم احکام کا اقتباس کریں۔ فی الواقعی جو کچھ ہوا وہی تھا۔

**متاکشرا ۲۵۲** مصنف متاکشرا اس پر ایک طول و طویل بحث کرتا ہے کہ آیا بیٹے کو پہلی مرتبہ
**جائداد** تقسیم کے سبب حاصل ہوتی ہے یا مالک سابق کی وفات کے باعث
یا پیدائش سے اس کو جائداد میں پہلے سے حق پیدا ہوتا ہے[۳]۔ وہ احکام کا اقتباس تو کرتا ہے
لیکن صاحب احکام کے نام نہیں دیتا۔ "کل جواہرات۔ موتی اور مرجان و نیز دیگر (منقولہ
جائداد کا) کا باپ مالک ہوتا ہے۔ لیکن نہ تو باپ اور نہ دادا کل غیر منقولہ جائداد کا مالک

---

۱۔ فقرہ۔ ۲۳۱۔

۲۔ نارد باب ۳ فقرہ۔ ۳۶۔

۳۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۱ فقرہ ۱۷ تا ۲۷ ۔ در ... باب ۔

ہوتا ہے" اور دوسری عبارت یہ ہے۔ "باپ کی عنایت سے کپڑے اور زیورات استعمال کیے جاتے ہیں لیکن غیر منقولہ جائداد باپ کی رعایت سے بھی اصراف میں نہیں آسکتی ہے"[1] وہ اپنے خیالات کا فقرہ ۲۷ و فقرہ ۲۸ میں اس طرح خلاصہ کرتا ہے:۔ لہذا یہ امر طے شدہ ہے کہ آبائی یا موروثی جائداد میں ملکیت پیدائشی ہوتی ہے۔ اگرچہ باپ غیر منقولہ کے

**جائداد پیدائش سے حاصل ہوتی ہے**

سوا دوسری اشیاء کو ایسے فرائض کی انجام دہی کے لیے جو ناگزیر ہوں اور قانونی مقاصد کے لیے مثلاً عطیے بہ وجہ محبت و الفت۔ خاندان کی پرورش اور اس کو تباہی وغیرہ سے بچانے کے لیے منتقل کرنے کا بذات خود مجاز ہے لیکن جائداد غیر منقولہ کی بابت وہ اپنے
۳۳۲ لڑکوں اور دوسروں کا تابع ہے۔ عام اس سے کہ اسے خود نے حاصل کیا ہو یا باپ یا دیگر اسلاف سے وراثتاً حاصل کیا ہو۔ کیونکہ یہ حکم قطعی ہے کہ اگرچہ ایک شخص نے خود غیر منقولہ اور دوپائے حاصل کیے ہوں مگر ان کی بیع یا ان کا ہبہ تمام لڑکوں کو جمع کرنے کے بغیر نہ کیا جانا چاہئے وہ جو پیدا ہو چکے ہوں اور وہ جن کا نطفہ ہنوز قرار نہ پایا ہو اور وہ جو ابھی رحم مادر میں ہوں ان سب کے لیے پرورش کا ذریعہ ضروری ہے۔ ہبہ یا بیع لہذا نہ کی جانی چاہئے۔" اس کے بعد استثنائی صورت بیان کی گئی ہے:۔ "خاندان کو تباہی سے بچانے کے لیے اور خصوصاً نیک اغراض کے لیے شخص واحد بھی غیر منقولہ جائداد کو دے سکتا ہے۔ یا رہن یا بیع کر سکتا ہے۔"

**۲۵۴**۔ وجنانیشورا کی اس رائے کو کہ موروثی غیر منقولہ جائداد میں لڑکوں کو پیدائش سے باپ کے ساتھ برابری کی ملکیت حاصل ہوتی ہے تمام مصنفین نے پسند کر کے اس کا اتباع کیا ہے۔ مسلک بنگال کے مصنفین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اب اس کے متعلق کوئی نزاع باقی نہیں ہے[2]۔ لیکن دوسرے امور کی بابت

---

[1] متاکشرا باب ۱ فصل ۱ فقرہ ۲۱۔ ان میں کے پہلے شلوک کا جمتودھان نے بھی اقتباس کیا ہے باب ۲ فقرہ ۲۲ لیکن موجودہ متن میں نہیں ہے۔ یہ یاگنولکیا کے بھی خلاف ہے باب ۲ فقرہ ۱۲۱ جس کا اقتباس آگے فقرہ ۲۹۶ میں کیا گیا ہے۔

[2] سمرتی چندریکا باب ۸ فقرہ ۱۰ و ۲۷۔ مادھویا فقرہ ۱۵ و ۱۶۔ ورو راج صفحہ ۱۶۴ میوکھ باب ۱

اس قسم کی یکسانیت نہیں ہے مثلاً موروثی منقولہ پر باپ کے اختیار کی وسعت کے متعلق اور مکسوبہ اراضی پر اس کا اختیار اور اس کے حدود۔ اور اس مضمون پہ خود اس کے خیالات متزلزل معلوم ہوتے ہیں۔

**منقولہ پر باپ کا اختیار**

**۲۵۵۔** منقولہ کے متعلق یہ ظاہر ہے کہ بزرگ خاندان کو لازماً وسیع تر اختیار ہونا چاہیئے عام ازیں کہ وہ باپ کی حیثیت سے خاندان کا سر آوردہ ہو یا منتظم کی حیثیت سے۔ روزمرہ کے انتظام جائداد میں اس کو ان چیزوں کے منتقل کرنے کا اختیار حاصل ہونا چاہیئے۔ جو بیع یا تبادلے کے لیے پیش ہوں۔ کپڑے اور زیورات وغیرہ مختلف ارکان میں تقسیم کرتا ہے اور اس کو ان کے واپس لینے کا بھی صوابدید حاصل ہے۔ گھر کے لیے برتن وغیرہ اور زراعت اور تجارت کے لیے آلات خرید سکتا ہے۔ اور حسب موقع ان کو بدل اور منتقل کر سکتا ہے۔ ابتدائی زمانے میں جائداد ص ۲۴۳
منقولہ صرف ان اشیا تک محدود ہوتی تھی۔ اس زمانے میں بھی ہزار میں ایک ہندو خاندان کے قبضے میں کسی اور قسم کی جائداد منقولہ نہیں ہوتی۔ جواہرات۔ موتی اور مرجان بطور تمثیل شلوک مذکور الصدر میں بیان کیے گئے ہیں خود اس تمثیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہی وہ چیزیں ہیں جن پر باپ کو لازماً خاص قابو و اختیار حاصل ہوگا۔ چنانچہ میوکھ اسی شلوک کے متعلق کہتا ہے کہ "اس کے معنے یہ ہیں کہ باپ صرف پہننے کی چیزیں۔ بالیوں اور انگوٹھیوں کے متعلق مختار و مجاز ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ ان چیزوں کو دے سکے یا منتقل کر سکے۔ اور نہ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ چونکہ لڑکا پیدا ہوا ہے اس لیے اس کی ملکیت منقطع ہو جائے۔ یہ مفہوم خود اس شلوک سے بھی ظاہر ہے جس میں صرف جواہرات اور ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو استعمال سے خراب نہیں ہوتیں [1]

**۲۵۶۔** متاکشرا کے دوسرے جزو میں [2] اس نے یاگنولکیا کے ایک شلوک کا

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ فصل ا فقرہ ۳۔ فقرہ ۱۴ دیوا دہشتانی صفحہ ۳۰۹۔ فقرہ ۲۱۵ دیکھئے جہاں ایسی جائداد کی خصوصیت کے متعلق بحث کی گئی جو موروثی جائداد کے منافع سے خریدی گئی ہو۔

[1] میوکھ باب ۴ فصل ۱ فقرہ ۵۔

[2] متاکشرا باب ۱ فصل ۵ فقرہ ۳۔ یاگنولکیا باب ۲ فقرہ ۱۲۱۔

اقتباس تو کیا ہے لیکن بلا کسی قسم کی تنقید کے۔ "دادا کی حاصل کی ہوئی زمین میں باپ اور بیٹے کی ملکیت مساوی درجے کی ہے۔ یا اس مقررہ محاصل یا اشیاء میں جو اس کے تھے" اس سے ظاہر ہے کہ اس رائے کی تردید ہوتی ہے کہ باپ کو موروثی منقولہ پر قطعی اختیار انتقال حاصل تھا۔ اگرچہ آگے چل کر (باب ۱ فصل ۱ فقرہ ۲۴) انھوں نے یہ عام اصول بیان کیا ہے کہ "تحت احکام مذکور باپ ان چیزوں کو بھی دیدینے کا مجاز ہے اگرچیکہ اس کے باپ نے حاصل کی تھیں" فقرہ ۲۷ (جس کا اقتباس قبل ازیں کیا جا چکا ہے) میں ان سے اس اختیار کو محدود کر دیا ہے۔ چنانچہ ایسے ضروریات یا ایسے موزوں اور مناسب مقاصد کے لیے حق انتقال دیا گیا ہے جو معمولاً بزرگ خاندان کے تحت آتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ کسی فقیر کو ایک روپیہ دینا ایک چیز ہے اور بنک میں جو رقم ہے اس کو دیدینا شے دیگر۔ سب سے آخر میں یہ کہہ دینا نہایت ضروری ہے کہ جنوبی ہند کے متاخرین میں سے کسی نے بھی اس قسم کا امتیاز پیدا نہیں کیا ہے اگرچہ وہ مٹاکشرا کے تابع ہیں ان لوگوں نے یاگنولکیا کے ایک شلوک اور درہسپتی کے بھی ایک شلوک کا اختیار کیا ہے جس میں موروثی منقولہ اور غیر منقولہ میں لڑکے کی حد تک کوئی امتیاز نہیں ہے یعنی موروثی منقولہ اور غیر منقولہ میں بیٹے کو پیدائش سے حق حاصل ہوتا ہے[1]۔

**۳۳۱ خود کی حاصل کی ہوئی زمین پر اختیار**

۲۵۔ مسئلہ دیگر کے متعلق (یعنے خود کی حاصل کی ہوئی زمین پر باپ کے حق انتقال پر قیود کا عائد ہونا) وجنانیشورا خود بھی مختلف الرائے ہے۔ وہ اس عبارت میں جس کا اقتباس اوپر کیا گیا نہایت ہی غیر محدود الفاظ میں باپ پر ایسی زمین کے منتقل کرنے کے متعلق قید عائد کرتا ہے اور اس کے بعد کی عبارت میں اسی زور کے ساتھ انکار بھی کرتا ہے[2]۔

**مٹاکشرہ**:- "اگر وہ باپ جو علیحدہ نہ ہوا ہو ان چیزوں کا ہبہ کر رہا ہو یا ان کو

---

[1]۔ سمرتی چندریکا باب فقرہ ۱۷ و ۲۰ مادھویہ فقرہ ۱۵ فقرہ ۱۶۔ دردراج فقرہ ۴ و ۴۶ اسی قسم کا اختلاف آرا در متردیا صفحہ ۹ فقرہ ۹ صفحہ ۴۷ فقرہ ۱۱۷ اور صفحہ ۱۶ فقرہ ۳۰ میں بھی پایا جاتا ہے۔ حالیہ فیصلے اس مسئلے کے متعلق فقرہ ۳۳۵ میں دیے ہوئے ہیں۔

[2]۔ مٹاکشرا باب ۱ فصل ۵ فقرہ ۹ فقرہ ۱۰ فقرہ ۱۱۔

بیع کر رہا ہو جو اس نے اپنے باپ سے وراثتہً حاصل کی تھیں۔ تو پوتا منع کرنے کا مجاز ہے لیکن اگر وہ اشیاء خود باپ کی حاصل کردہ تھیں تو اس کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔ اس کو بلکہ سکوت اختیار کرنا چاہئے کیونکہ وہ تابع فرمان ہے۔ لہذا فرق یہ ہے۔ اگرچہ اس کو اپنے باپ اور دادا کی جائداد میں پیدائش سے حق ہوتا ہے پھر بھی چونکہ آبائی جائداد کے متعلق وہ اپنے باپ کا فرماں بردار ہوتا ہے اور چونکہ باپ کو اصلی اور اعلیٰ حق حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ خود اس کی کمائی ہوئی ہے اس لیے بیٹے کو چاہئے کہ سکوت اختیار کرے جب کہ باپ اپنی حاصل کی ہوئی جائداد کو منتقل کر رہا ہو۔ لیکن چونکہ دادا کی جائداد میں دونوں کو برابری کا حق حاصل ہے اس لیے بیٹا مداخلت کرنے کا مجاز ہے۔" اور دوسرے فقرے میں منو باب ۹ فقرہ ۲۰۹ کا اقتباس اس کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے کہ خود کی حاصل کی ہوئی دولت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ باپ اپنے لڑکوں کو حصہ دے۔

**سمرتی چندریکا** | سمرتی چندریکا اسی مسئلے کے متعلق بالکل واضح ہے۔ یہ کہ مکسوبہ جائداد کی حد تک باپ بلا کسی استثنا کے مختار و مجاز ہے وہ اپنی مرضی سے ایسی جائداد کو دے سکتا ہے یا خود من مانے استفادہ کر سکتا ہے اس کی تائید میں کتیاین اور ورہسپتی کے ان شلوکوں کا ذکر کرتا ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایسا قاعدہ ہے کہ اس سے زیادہ صاف اور واضح ہو ہی نہیں سکتا[۱]

**ودواد چنتامنی** | برخلاف اس کے ودواد چنتامنی جو خاندان کے حقوق کو سختی کے ساتھ باقی رکھتا ہے۔ متاکشرا کے اس حکم کا پسندیدگی سے اقتباس کرتا ہے جس پر متاکشرا نے یہ بھروسا کیا ہے کہ اس سے باپ کے ان معاملات پر قیود عائد ہوتے ہیں جو وہ مکسوبہ ذاتی زمین کے متعلق کرے[۲] لیکن اس سے پہلے کے باب میں

---

[۱]۔ سمرتی چندریکا باب ۸ فقرہ ۲۲ و ۲۸۔ مسٹر کولبروک ان دونوں یعنے سمرتی چندریکا اور رمادھویا کا حوالہ تو دیتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ ان سے بالکل برعکس نظریہ قائم ہوتا ہے۔ (۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۴۲۵ صفحہ ۴۴۱)۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ عبارتیں جن کا وہ حوالہ دیتے ہیں چیدہ چیدہ حالت میں ہیں اور ان کا ترجمہ تا حال نہیں ہوا ہے۔ میں ان کو دیکھ نہ سکا۔

[۲]۔ ودواد چنتامنی صفحہ ۳۰۹۔

مصنف مذکور یہ عام قاعدہ بیان کرتا ہے کہ "مالک اپنی مرضی کے موافق مکسوبہ جائداد دیدے سکتا ہے" (صفحہ ۷۶) اور صفحہ ۲۲۹ پر وہ اس قاعدے کا اعادہ باپ کے متعلق کرتا ہے۔

**توضیح حکم مذکور**

**ف ۲۵۸** جس شلوک پر متاکشرا اور دواد چنتامنی دونوں نے اعتماد کیا ہے وہ غالباً ان شلوکوں میں کی ایک ہے جو اس کی مانع ہوتی ہیں کہ ۳۳۷ کوئی شخص اپنی کل جائداد اس طرح منتقل نہ کر سکے کہ اس کا خاندان مفلوک الحال ہو جائے[1]۔ ہماری رائے میں اس قسم کی ممانعت غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ ہندوستان میں یہ امور سختی کے ساتھ ذہن نشین کرائے جا چکے ہیں کہ برہمنوں کے ساتھ سخاوت کرنا بہترین کار ثواب ہے اور یہ کہ فقیرانہ او رسنیاسی پن کی زندگی ہی آتمک اُنتی (Virtuous Career) کا بہترین اختتام ہے[2] اس لیے اس ہدایت کو کہ سخی ہونے سے قبل ہر شخص کو عادل ہونا چاہئے ناموزوں اور غیر موجہ نہیں سمجھا گیا ہوگا۔ یہ سوال کہ مکسوبہ اراضی کی حد تک آیا یہ ہدایت اخلاقی حکم سے زیادہ وقعت رکھتی ہے ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق پریوی کونسل نے اپنے ۱۸۹۵ء[3] کے فیصلے سے ختم کر دیا ہے۔

**دیا بھاگ**

**ف ۲۵۹**۔ جب ہم جمتو وہاں پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ تھوڑی سی تیزی اور رچالاکی سے وہ متاکشرا کے بالکل برعکس نتیجے پر پہنچتا ہے اگرچہ اس کے صغرا و کبری تقریباً وہی ہوتے ہیں جو متاکشرا کے۔ وجنانیشورا کی طرح یہ مصنف بھی اس باریک بینی کے ساتھ بیٹے کے حق کی ابتدا کے متعلق بحث کرتا ہے اور اس شلوک کا نتیجہ الفاظ ذیل میں ظاہر کرتا ہے "یہ کہ زندہ والدین کی دولت میں بیٹوں کو حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں کی جائدادوں میں جب کہ وہ فوت ہو چکے ہوں[4]"۔ اس نے ذیل کے طریقے سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ وہ منو اور دیولا کے ان شلوکوں سے استدلال کرتا ہے جو باپ کے حین حیات اس کی رضامندی کے بغیر تقسیم کو منع کرتے ہیں۔ ان سے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ باپ ہر صورت میں

[1] ۔ دیکھئے نارد باب ۴ فقرہ ۴۔ فقرہ ۵۔ دیر بیتی جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۹۸۔ دکھش ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۱۱۰۔ ورمت صفحہ ۸۹۔

[2] ۔ منو باب ۶

[3] ۔ دیکھئے جدید فیصلہ مذکورہ فقرہ ۳۴۴۔

[4] ۔ دیا بھاگ باب ۱ فقرہ ۳۰۔ رگھونندن باب فقرہ ۵ دم ا باب ۱ فقرہ ۲۶۔

جائداد کا قطعی مالک ہےلے اس کے بعد وہ خود اس شلوک سے جو حسب ذیل ہے دو بدو ہوتا ہے" جواہرات۔ موتی اور مرجان اور دوسری (اشیائے منقولہ) کا باپ مالک ہے لیکن نہ تو باپ اور نہ دادا کل غیر منقولہ جائداد کا اس طرح مالک ہے" اس سے وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ چونکہ دادا کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے اس شلوک کا تعلق اس کے اسباب یعنے موروثی جائداد سے ہونا چاہئے یہ کہ ایسی جائداد کے متعلق" باپ ان کو بطور عطیہ دینے کا مجاز ہے۔ یا وہ کل اسباب کا سوائے اراضی وغیرہ کے اسی طرح انتقال کر سکتا ہے لیکن غیر منقولہ جائداد۔ معینہ آمدنی اور دوسری اشیاء (مثلاً غلاموں) صـ۳۶
کے منتقل کرنے کا مجاز نہیں ہے"۔ یہ کہ زمین کے متعلق بھی" یہ امتناع اس وقت متعلق نہ ہوگا جب کہ اس کا چھوٹا سا حصہ عطا کر دیا جائے یا کسی اور قسم سے منتقل کیا جائے بشرطیکہ اس سے خاندان کی پرورش پر برا اثر نہ پڑتا ہو۔ کیونکہ لفظ "کل" کا اندراج (اگر چھوٹے سے جزو کا انتقال بھی ممنوع سمجھا جائے) بے معنی ہوگا۔ چند شلوک مشترک مالکان میں سے ایک کو جائداد کے منتقل کرنے سے منع کرتے ہیں اور دیگر چند احکام کے لحاظ سے باپ بھی اپنی مکسوبہ جائداد اپنے لڑکوں کی رضامندی کے بغیر بیع نہیں کر سکتا۔ ان کل شلوکوں کو مصنف مذکور اس رائے کے ساتھ خارج کر دیتا ہے کہ ان سے صرف اخلاقی خلاف ورزی ظاہر ہوتی ہے" لہذا چونکہ اس سے انکار کیا گیا ہے کہ بیع یا ہبہ کی جانی چاہئے اس لیے ایسا کرنے سے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ لیکن ہبہ یا انتقال باطل نہیں ہوگا کیونکہ سو شلوکوں سے واقعہ بدلا نہیں جا سکتا"لے

**رواج اور شلوکوں کے تطابق کی کوشش**

ف۲۶۔ یہ استدلال بے شک دلائل قانونی و تاریخی کے ابتدائی اصولوں کے بالکل مغائر ہے منو اور دیولا لڑکوں کی مرضی پر جبریہ تقسیم کو منع کرتے ہیں تاکہ خاندانی اتحاد ٹوٹنے نہ پائے اگر باپ کو اپنی مرضی پر خاندان کی جائداد کو جزاً یا کلاً منتقل کرنے کی آزادی حاصل ہوتی تو جملہ اغراض امتناع فوت ہو جاتے۔ خود جموت واہان سے قبل کے کسی مصنف

لے۔ دیابھاگ باب ۲ فقرہ۔ ۱۲ و ۲۴
لے۔ دیابھاگ باب ۲ فقرہ۔ ۲۲ فقرہ ۲۳ ڈی کے پس فقرہ۔ ۱۸ و ۲۰۔

نے یہ اشارہ بھی نہیں کیا ہے کہ اس کو (یعنے باپ کو) ایسا یا اس کے قریب قریب کوئی حق حاصل ہے[ا] ۔ ہر وہ سند جس میں انتقال کا ذکر ہے براہ راست اس قسم کے حق کے وجود کی نفی کرتی ہے ۔ مماثل منطق سے یہ استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کہ فی زمانہ ملیبار تارو ڈ کا کرناون (Karnaven) بھی اس کی جائداد کا قطعی مالک ہے کیونکہ ماتحت ارکان میں سے کوئی بھی حصہ طلب نہیں کر سکتا ۔ مقدم الذکر اور موخر الذکر دونوں دعاوی کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جائداد اپنی ماہیت کے لحاظ سے ناقابل قطع و برید ہے اور یہی جواب نہایت مکمل ہے ۔ اس اظہار رائے کے متعلق کہ ممنوع بات بھی جائز ہو سکتی ہے ۔ مسٹر ڈبلیو میاکناٹن کا اظہار ذیل اہم ہے ۔ یہ کہ دو قسم کے معاملات ذیل ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں (الف) ایک شخص کا اپنے حاصل کی ہوئی چیزوں پر جو کلیتہً خود اس کی ہیں نامناسب مگر قانوناً جائز طریقے سے معاملہ کرنا ۔ اور (ب) موروثی اراضی پر نامناسب اور خلاف قانون طریقے سے معاملہ کرنا باوجود اس کے کہ وہ اس اراضی کا بشمول اپنے لڑکوں کے محض ایک حصہ دار ہو ۔ ان کی (مسٹر ڈبلیو میاکناٹن) یہ رائے تھی کہ مقدم الذکر قسم کی جائداد کو باپ اپنے حسب منشا
ص ۳۳۶ منتقل کر سکتا تھا ۔ اور موخر الذکر کے متعلق اس کو صرف خود کا حصہ منتقل کرنے کا حق حاصل ہے[۲] ۔ لیکن استدلال مذکور میں جو سقم ہے اس کے پیدا ہونے کا باعث واقعۂ ذیل ہے ۔ یہ کہ جیمو ت واہان نے یہ ضروری سمجھا کہ رواج اور شلوکوں دونوں میں تطابق پیدا کرے اگرچہ رواج بہ لحاظ وقت بنگال میں من بعد پیدا ہوا تھا اور شلوکوں کا اطلاق جن حالات پر ہو سکتا تھا وہ حالات مفقود ہو چکے تھے ۔ وہ ایک

[ا] ۔ قبل ازیں فقرہ ۲۵۲ میں جس شلوک کا اقتباس نارد سے کیا گیا ہے وہ ایک استثنا ہے اور بس ۔ اگر اس شلوک کو بہ جنسہ قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے ایک ایسے زمانے کا پتا چلتا ہے جو خاندان مشترک سے قبل کا تھا ۔

[۲] ۔ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن دیباچہ باب ۲ فقرہ ۲ و ۱۵ دیکھئے تجویز میر مجلس ایسٹ جلد ۲ مورلے ڈائجسٹ صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۴ میر مجلس پیکاک مقدمہ منگالا بنام دنا ناتھ جلد ۴ بنگال لار پورٹ (مقدمات ابتدائی) صفحہ ۷۰ ۔ صدر عدالت ۱۲ اسدر لیند صفحہ ۳۵ حالیہ فیصلوں کے متعلق دیکھئے کتاب ہذا فقرہ ۲۷۱ ۔

ایسے انقلاب کے متعلق عذرات پیش کرتا ہے جو اس کی تالیف سے قبل مکمل ہو چکا ہوگا۔ لیکن اس کی کتابوں سے اس انقلاب کو تقویت حاصل ہوئی کیونکہ یہ فرض کرلیا گیا تھا کہ وہ انقلاب روایات کے مطابق ہے۔ اگر زمانہ متاکشرا کے بعد کی کتابیں اس وقت موجود نہ ہوتیں جب کہ ہماری عدالتیں (یعنے برطانوی ہند کی عدالتیں) قائم کی گئیں تو اس میں بہت کم شبہے کی گنجائش ہوسکتی تھی کہ انگریزی حکام کی عقلمندانہ منطق اس انقلاب کے واقع ہونے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی۔

**نظریۂ بنگال کے متعلق ممکنہ توضیح**

ف ۲۶۱ متاکشرا اور دیابھاگ کے اختلافات سے ظاہر ہے کہ عوام الناس کے جذبات اور خاندانی قانون میں تغیر ہوا۔ اس تبدیلی کے اصلی اسباب کا پتا چلانے کے لیے غالباً کوئی مواد موجود نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سوسائٹی (سماج) کی فطری پیش قدمی نے اس تبدیلی میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ ہندوؤں کی سی ہوشیار تجارت پیشہ قوم نے جو دریائے گنگا کے نشیبی حصے میں متمکن ہو چکی تھی یہ دیکھا ہوگا کہ قدیم روایات اس کی ترقی کے مانع ہو رہی ہیں۔ جب اراضی قابل رہن اور بیع متصور ہونے لگی تو قدیم قانون کے عائد کیے ہوئے قیود کا باقی رہنا دشوار ہوگیا ہوگا۔ لیکن میں یہ خیال کرتا ہوں کہ برہمنی اثرات نے اس جانب بہت مدد دی ہوگی۔ سرایچ۔ یس۔ مین **سلٹک قانون** (Celtic Law) کی تبدیلی پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔ "جب یہ مولف اس کی تصدیق کرتا ہے کہ خاص حالات کے تحت ہر فرد قبیلہ اراضی قبیلہ عطا کرسکتا ہے یا اس کے متعلق معاہدہ کرسکتا ہے تو اس کے مذہبی میلان ہمیشہ اس کے قانونی نظریے پر شک ظاہر کرتے ہیں۔ کیا اس کا مفہوم یہ کہنے سے یہ ہے کہ زمین عام طور پر الگ کردی جاسکتی ہے۔ یا صرف یہ کہ کلیسا کے حق میں اس کو منتقل کیا جاسکتا ہے؛ اس کی تاویل میں دشواری ہے اور اس دشواری میں ایک غرض مضمر ہے۔ میں خود یہ خیال کرنے پر راغب ہو رہا ہوں کہ عام طور پر عیسائی کلیسا کا قانون پر کیا اثر ہوا اس کے معلوم کرنے کے لیے غلط مقام پر اس کی تلاش کی گئی ہے اور یہ کہ مورخین قانون نے عیسائی کلیسا کے اثرات کو بہت زیادہ نظرانداز کیا ہے۔ کلیسا نے آزادی سے معاہدہ کرنے کے تصورات کو و نیز انفرادی جائداد اور وصیتی جانشینی کے

نظریوں کو ان مقامات میں پھیلایا جو سلطنت روما سے باہر تھے۔ یہ وہ مقامات تھے جن میں
ایسی جماعتیں بستی تھیں جو زمانۂ قدیم کے رشتۂ یگانگت کے باعث اجتماعی حالت میں
تھیں۔ عام طور پر علماء اور اساتذہ اس پر متفق ہیں کہ پادریوں نے ان اقوام کو وصیتوں
اور عطیوں کے طریقوں سے واقف کرایا۔ بریہن[1] کے رسالوں سے کم از کم مجھے یہ معلوم ہوتا
ہے کہ عطیوں کو مقدس بتلاتے ہوئے پادریوں نے معاہدات کے قابل احترام ہونے پر بھی
اصرار کیا۔ اور ہر شخص کو اس کا علم ہے کہ ممالک جرمنی میں مذہبی انجمنیں عوام کی اراضی کی
قدیم ترین معطی ہم تھیں ان انجمنوں سے زیادہ کسی اور کو زمین عطا نہیں کی جاتی تھی۔ وصیت
معاہدہ۔ اور ملکیت منفرد۔ کلیسا کے لیے فی الواقعی ناگزیر تھی کیونکہ مقدس عطیوں کا وہ
معطی ہوتا تھا۔"[2]

**برہمنوں کا اثر**

**ف ۲۶۲**۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت مذکور الصدر کے ہر لفظ کا اس نتیجے پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو برہمنی عقائد کے اثر نے ہندو قانون میں پیدا کیا۔ ہمنوں نے
جس اخلاقی قانون کو پھیلایا اسے بہ الفاظ دیگر قانون ہبہ بحق برہمنان کہا جا سکتا ہے' انسانی زندگی کے
ہر قدم پر۔ یعنے اس کی پیدائش سے لے کر وفات تک اس کی ضرورت تھی کہ برہمنوں
کو تحفے اور عطیے دیے جائیں۔ ہر گناہ جو اس نے کیا ہو اس کا کفارہ بس یہ تھا کہ برہمن کو
کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ ہندوستان کے ہر حصے میں مذہبی اغراض کے لیے بڑے بڑے اوقاف
ہیں اس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ یہ خود اس کا ثبوت ہے کہ احکام مذکور تقویم پارینہ
نہ تھے۔ موجودہ ہندوستانی زندگی کے ہر روز کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ عملاً کس طرح
ان عطیوں کے موزوں اور مناسب ہونے کے متعلق لوگوں کو اعتقاد ہے فطرۃً"
ہر قاعدہ قانون دور سے دور پھینک دیا جائے گا جو ان کے راستے میں رکاوٹیں پیدا
کرے اور جب ہم اس سے واقف ہیں کہ شاہی کابینہ میں برہمن اس کا وزیر تھا۔

[1] (Brehen) آئرستانی مجموعۂ قانون جو اب منسوخ ہے۔
[2] مین قدیم ادارے صفحہ ۱۰۴۔

اور شاہی عدالت کا حاکم تو پھر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جاتی ہوں گی محض ذرائع کی بحث تھی جو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اختیار کیے جاتے تھے۔ قدیم مصنفین و مولفین نے بھی رہنمائی کی۔ مقدس عطیوں کو ضروری مقاصد کی فہرست میں داخل کیا اور ضروری مقاصد کے لیے خاندانی جائداد کا انتقال حق بجانب سمجھا جاتا ہے[1] مزید براں قابض جائداد کو ہر قسم کی نگرانی سے آزاد کر دیا گیا۔ بنگال میں نظریۂ ذیل سے یہ بات پیدا کی گئی۔ یہ کہ باپ جائداد کا قطعی مالک ہے۔ نیز اس میں ایک اور وسعت پیدا کی گئی۔ یہ کہ ہر ذیلی رکن اپنے حصے پر بہ حیثیت اسامی مشترک (Tenant-in-Common) رہتا ہے نہ کہ بحیثیت قابض مشترک (Joint-Tenant) ایک اور قدم اسی جانب اس وقت اٹھتا ہوا مجھے نظر آتا ہے جب کہ عورتوں کو اجازت دیگئی کہ وہ وارث ہو سکتی ہیں اور غیر منقسمہ خاندان میں تقسیم نافذ کرا سکتی ہیں۔ یہ رعایت جو اناث کے حق میں برتی گئی فطری تھی کیونکہ عورتیں ہمیشہ سے مذہبی پیشواؤں کو مرغوب رہتی ہیں۔ اغراض مذہبی کے لیے مرض الموت کے ہبہ و دیگر عطیے جائز قرار دیے گئے۔ اس کے سبب رفتہ رفتہ ہبہ یا وصیت کا مکمل نظام پختہ ہو گیا[2] اور اسی کے باعث ہندوستان کے غیر موضوعہ قانون جائداد کا تنزل مکمل ہو گیا۔

**بنگال میں بہت زیادہ قوی** ف ۲۶۲ ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ بنگال کے مصنفین و مولفین قانون پر برہمنی عقائد بہت حادی اور چھائے ہوئے تھے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس صوبے میں یہی اثر تھا جس کی وجہ سے قانون وراثت میں از سر تا پا تغیر ہوا۔ انھوں نے نظریۂ روحانی اور مذہبی فوائد کا اطلاق کر کے ایسا کیا۔ یہ آزمائشیں ظاہر ہے کہ بالکلیہ زمانۂ جدید سے متعلق ہیں[3] ہم بہ آسانی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ بنگال میں برہمنی عقائد کا

[1] ۔ کتیاین جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۱۰۹۔ متاکشرا باب فصل ا فقرہ ۲۸۔ دیابھاگ باب ۱۱ فصل ا فقرہ ۲۳۔
[2] ۔ دیکھو آگے فقرہ ۴۰۵۔
[3] ۔ دیکھو آگے صفحہ ۵۰۹۔

اثر کس لیے قوی تر تھا۔ جنوبی ہند اور مغربی ہند میں ایسا قوی نہ تھا کیونکہ وہاں برہمن کبھی بھی اتنی تعداد میں نہ تھے۔ نیز پنجاب کے بہ نسبت بھی قوی تر تھا کیونکہ وہاں شروع سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمنی عقائد کو ناکامیابی ہوئی [1] لیکن یہ معلوم کرنا دشوار رہے کہ بنارس

### جمتو دھان کی شخصیت کا اثر

میں جو کہ برہمنی عقائد کا متعصب ترین مرکز ہے کس لیے مماثل قسم کے نظام نے کبھی بھی ترقی نہیں کی۔ شائد اس کے ایک معتد بہ حصے کا سبب جمتو دھان کی ذاتی خصوصیت اور اثر ہو۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ بنگال کے ایک رئیس کے اثر کے تحت دیا بھاگ لکھی گئی تھی۔ نیز شائد مصنف نے اس بادشاہ کا نام بھی اختیار کر لیا۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ ٹریبونین (Tribonian) کی شہرہ آفاق تصنیف پر جسٹینین (Justinian) کا نام ہے۔ [2] یہ فرض کرنا غیر فلسفیانہ ہوگا کہ ان تبدیلیوں کا آغاز اسی نے کیا جس کا ہم نے حوالہ دیا ہے۔ لیکن اگر یہ دیکھنے کی اس میں ذکاوت اور ذہانت ہوتی کہ وہ تبدیلیاں فی الواقعی وقوع میں آچکی تھیں۔ اور ان کو اختیار کر لینے کی عقل اور سمجھ ہوتی۔ اور اس کا اعتراف کرنے کی ہمت ہوتی کہ اس نے ان تبدیلیوں کو اختیار کر لیا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ تالیف جو ایسے القاء اور وجدان کے تحت مکمل کی گئی ہو بالکل اسی طرح دیا بھاگ کی شکل اختیار کر لیتی۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ جدید نظام پر منتج کی گئی گو استدلال یہ بتلانے کی رہنمائی کرتا ہے کہ جدید نظام نظام قدیم تھا۔ لازماً اس کی سند کل سلطنت میں قطعی طور پر قبول کی جائے گی۔ اور بعد کے ان کل مقالوں کے لیے جو قانون پر ہوں وہ ایک ایسی جدید چیز ہو گی جس سے کہ وہ کام شروع کیا جاتا۔ برخلاف اس کے مقننین بنارس اپنے قدیم قانون کو بلاکم وکاست اور غلامانہ ذہنیت سے دھراتے گئے کیونکہ ان کے برہمنی عقائد کی قوت ہی ایسی تھی۔ انھوں نے یہ معلوم

---

[1] - دیکھو جلد ۲ میور صفحہ ۴۸۲ قبل ازیں فقرہ - ۸ -

[2] - دیکھو دیا بھاگ پر کولبروک کا دیباچہ۔ مہاتم ڈاکٹر جالی اپنے باسیدوں درس میں کہتے ہیں کہ فرضی بادشاہ کی افسانوی حیثیت تسلیم کر لی گئی ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دیا بھاگ اور متاکشرا کے مابین بڑے اختلاف کا سبب یہ واقعہ ہوسکتا ہے کہ جیموت واہن نے جا بجا شروع سے پہلے کے مدبرین کی آرا کا اتباع کیا ایضاً پیکرد ۲ ایسی ایسے مفروضے سے ان کے نظریوں کی ترقی میں جو تسلسل دکھائی دیتا ہے اس کی تفہیم کرنا مجھے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

کرنے کی نہ تو پروا کی اور نہ جرات تھی کہ کس حد تک ان قوانین اور واقعات میں تطابق باقی نہیں رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ ہم جدید تصانیف میں بارہ قسم کے لڑکوں پر طول وطویل مباحث پاتے ہیں۔ اگرچہ ایک مدت گذر گئی کہ سوائے دو کے بقیہ کو تسلیم کرنا موقوف ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس بے شک خود مقالوں نے رسوم مروجہ کو بنگال اور بنارس دونوں میں بدل دیا۔ یہ اس طرح کہ جب پنڈتوں اور حکام عدالت کے ملاحظے میں کوئی مقدمہ ان کے فیصلے کے لیے پیش ہوتا اور وہ اس پر اپنی رائے دیتے تو اس رائے کو استعمال کر کے ایسا کیا گیا۔ اگر جنوبی ہند میں جمتو دھان کا سا کوئی لکھنے والا کھڑا ہوتا۔ اور واضح طور سے ایسے رواجات کو پیش کرتا جو اس نے رائج دیکھے ہوں۔ نیز تصویر پر ایسا رنگ چڑھاتا کہ اس میں احکام قدیم کا رنگ نظر آسکتا تو غالباً ہم یہ دیکھتے ہوتے کہ مدراس میں بھی مثل بنگال کے متاکشرا متروک ہو گئی ہے۔

تقسیم جائدا متعلق باپ کی

**۴۶۴** ۔جب جمتو دھان نے خود اپنے اطمینان کی حد تک یہ قایم کر دیا کہ باپ جائداد کا قطعی مالک ہے۔ اور یہ کہ باپ کے مرنے تک لڑکوں کو اس میں کوئی حق نہیں ہے تو اس سے بظاہر مثل علت و معلول کے اصول ذیل نتیجةً پیدا ہوگا یہ کہ اگر باپ تقسیم کرنا پسند کرے تو اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے حسب منشا اپنی جائداد کو اپنے لڑکوں میں جس طرح چاہے تقسیم کر دے۔ مگر جمتو دھان نے یہ نتیجہ اخذ کرنے سے انکار کیا۔ اس کی منطق نہایت ہی مصنوعی قسم کی ہے۔ اس کے دلائل کے تصنع کو کوئی چیز اس وضاحت اور قوت سے ظاہر نہیں کر سکتی جیسا کہ اس کا ثبوت اس واقعے سے ملتا ہے۔ اسی باب میں جس میں وہ یہ قاعدہ بیان کرتا ہے کہ باپ کی قطعی ملکیت اس کو مجاز اور اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق موروثی جائداد پر معاملات وغیرہ کرے وہ قاعدۂ ذیل بھی اسی جگہ بیان کرتا ہے۔ یہ کہ اگر باپ تقسیم کر دینا چاہے تو عام اصول نصفت کے تحت ایسا کرنا چاہئے۔ اور خود اپنے لیے بھی وہ نصف سے زیادہ حصہ نہیں رکھ سکتا۔[۱] حق ملکیت از پیدایش کی تصدیق ایک غرض کے لیے کرتا ہے اور اسی حق سے وہ دوسرے مقصد کے لیے ۳۴۱

---

[۱] دیا بھاگ باب ۲ فقرات ۱۵ و ۲۰-۴۷ و ۵۶-۸۲۔ اس کتاب کے فقرات آیندہ ۴۹۰ و ۴۹۲ میں اس کل مضمون پر مکمل بحث ہے۔

انکار کرتا ہے۔ غالباً وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کے حین حیات اس کی جائداد کی غیر مساوی تقسیم کا طریقہ عام طور پر رائج نہیں ہوا تھا۔ اور یہ کہ اس قسم کی تقسیم پر جرات دلانے کے لیے کوئی خاص وجہ نہ تھی۔ تاہم اکثر صورتوں میں امکانی نتیجہ یہ تھا کہ خاندانی اتحاد کو محفوظ رکھا جائے۔ گویہ صورتیں ایسی تھیں کہ خاندان کا ٹوٹ جانا زیادہ ممکن تھا۔

یہ کا اپنے ئن مرافق

**ف ۲۶۵** ۔ دوسرا مسئلہ جس کے بارے میں جمتودھان نے قدیم مصنفین سے اختلاف کیا وہ مسئلہ ذیل تھا۔ ہر اس شخص کے حق کی نوعیت جو بہ حیثیت شریک داخل کر لیا گیا تھا یہ کہ ایسے شخص کو جائداد میں کس نوع کا مرافق حاصل ہے۔ اس مسئلے پر تفصیلی بحث فقرہ۔ ۲۷۳ میں کرنی ہوگی۔ یہاں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ متاکشرا اور ان کا جو اس کی سند کا اتباع کرتے ہیں اصول حسب ذیل ہے۔ یہ کہ قبل تقسیم کسی شریک کا حصہ اس طرح مشخص نہیں رہتا کہ وہ خود اس کے متعلق قطع نظر اس کے ہمعصر شرکا کے معاملہ کر سکے[۱]۔ وہ (یعنے متاکشرا اور اس کے پیرو) ہر شریک حصہ دار کو کل جائداد شراکتی میں مالکانہ حقیت کا حاصل سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے تابع کہ کل دیگر شرکا کو بھی مماثل قسم کا حق حاصل ہے[۲]۔ برخلاف اس کے جمتودہان اس قسم کے عام حق سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مالک جائداد تو ہوتے ہیں مگر کل کے غیر معین حصوں[۳] کے۔ اسی وجہ سے وہ یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ دیاس کے حکم ذیل کا یہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا۔ یہ کہ متعدد شرکا میں کا ایک نہ تو بیع کر سکتا ہے۔ نہ ہبہ اور نہ رہن۔ اس اقتناع کو لفظ بہ لفظ صحیح نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ ہر ایک[۴] ملکیت میں یہ اختیار داخل ہے کہ وہ اپنے اپنے حسب منشا اسے دیدے سکتا ہے[۵]۔

دق اناث

**ف ۲۶۶** :۔ قانون بنگال کی دوسری خصوصیت وہ رعایت تھی جو قانون مذکور نے حقوق اناث کے بارے میں ظاہر کی۔ خاندانی اتحاد کے توڑنے میں اس کے سبب مدد پہنچی ہوگی۔ مسلک بنارس میں بیوہ وارث نہیں ہو سکتی تھی بجز اس کے کہ اس کا شوہر مالک واحد تھا یا علیحدہ ہو چکا تھا[۶]۔ جائداد میں اس کے حق کی نوعیت ہی ایسی تھی۔

---

[۱] ف۔ دیاس جلد اڈائجسٹ صفحہ ۴۵۵۔
[۲] ف۔ دیابھاگ باب ۱۱ فصل ۱ فقرہ۔ ۲۶۔
[۳] ف۔ دیابھاگ باب ۲ فقرہ۔ ۲۷ جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۹۹ صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۹۔
[۴] ف۔ متاکشرا باب ۲ فصل ۱ فقرہ ۳۰۔

ای وجہ سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا۔ جب تک کہ وہ غیر منقسم رہتا تھا اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا بلکہ تقسیم کرا کے حصہ پانے کا حق۔ اگر وہ اس حق کو استعمال کرنے کے بغیر مر جائے تو اس کی حقیت ختم ہو جاتی ہے اور پسماندگان کے ممکنہ حصص میں اس سے اضافہ ہو جاتا لیکن دیابھاگ
۳۴۲ کے مطابق بیوہ لاولد شوہر کی وارث ہوتی ہے عام ازیں کہ وہ تقسیم کے بعد مر گیا ہو۔ یا حالت اشتراک میں۔ اس قاعدے کے قرار دینے سے کہ اپنی زندگی میں ہر شریک خاندان معین حصے کا قابض ہوتا ہے گو وہ حصہ غیر مشخصہ ہو نتیجہ منطقی وہی پیدا ہو گا جو اوپر بیان کیا گیا۔ اس نے خود اس حق کو قدیم رشیوں کے احکام پر مبنی کیا ہے گو جمتو و ہان اس پر اپنے مخالفین کے جواب میں بھروسا کرتا ہے۔ ظن غالب یہ ہے کہ اس خصوص میں وہ حقیقۃً قدیم قانون کی تجدید کر رہا تھا[1] اس نے ماں کو حصہ لینے کی اجازت دی ہے۔ یقیناً یہاں اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جائداد بنگال میں اکثر و بیشتر بہ نسبت ہندوستان کے دوسرے مقامات کے زیادہ تر عورتوں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔ ہم اس کا یقین کر سکتے ہیں کہ برہمنوں کو بھی اسی تناسب سے فائدہ ہوتا ہے۔

وصیتیں **۲۶۷** ۔ قانون جائداد میں جو تغیرات ہندوستان میں ہوئے میں نے ان تبدیلیوں کا سلسلہ اس وقت تک قائم کر دیا ہے جب کہ ہندوستان کا نظم و نسق انگریزوں کے ہاتھوں میں آگیا۔ میں نے مضمون وصیت کو بالکل نہیں چھیڑا۔ عطیے کے نظام کا وہ تخم جو بار آور ہو سکتا ہے۔ قدیم مصنفین میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی ترقی کی کل شہادت برطانوی عدالتوں کی امسلہ میں پائی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد کے آنے والے ابواب اس قانون کی مکمل جانچ کے لیے مخصوص ہوں گے اور یہ دیکھا جائے گا کہ اس کی ترقی کیونکر ہوئی اور ہماری عدالتوں نے اس کا اطلاق کس طرح کیا۔

---

[1] دیابھاگ باب ۱۱ فصل ۱ فقرہ ۱ فقرہ ۲۶ دیکھو قبل ازیں فقرہ ۲۴۵

# باب ہشتم

# خاندان مشترک

۲۴۴ **تقسیم مضمون**

**ف ۲۶۵** - خاندان مشترک یا شراکت خاندان باب ہذا کا مضمون ہے۔ اس پر بحث کرنے میں ہمیں غور کرنا ہوگا کہ اولاً اس کے ارکان کون ہوتے ہیں۔ ثانیاً کونسی جائداد شراکتی ہے۔ ثالثاً مکسوبات ذاتی اور جب اس کا ادعا ہو تو بارثبوت کیا ہوگا۔ رابعاً جائداد مشترکہ سے استفادہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس کے قبل کے باب کی تاریخی بحث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابتداءً ہر ہند و خاندان اور اس کی کل جائداد نہ صرف مشترکہ تھی بلکہ ناقابل تقسیم بھی۔ لیکن جب تقسیم کے سبب خاندان کا اتحاد ٹوٹ گیا اور جب منفرداً جائداد پر قبضہ رکھنا شروع ہوا تو یہ کیفیت باقی نہیں رہی عام ازیں کہ انفرادی قبضے کا سبب رکن کی علیحدگی تھی یا یہ کہ وہ جائداد ایک ایسے رکن کی تھی جس نے باوجود حالت اتحاد میں رہنے کے اس جائداد کو ذاتی محنت سے حاصل کیا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ قیاس باقی ہے کہ ہند و خاندان کے ارکان حالت اتحاد میں رہتے ہیں بجز اس کے کہ

**اتحاد کا قیاس**

اس کے خلاف ثابت ہو۔" اس قیاس کی اہمیت و قوت ہر صورت میں ضرورۃً بدلتی رہتی ہے۔ بھائیوں کی صورت میں اتحاد کا قیاس قوی تر ہوتا ہے بہ نسبت چچا زاد بھائی وغیرہ کی صورت کے، اور بانی خاندان سے آپ جس قدر دور ہوتے جائیں گے یہ قیاس کمزور

وتا جائے گا[۱] افتراق ثابت ہو بھی جائے تو وہ عارضی سے زیادہ نہیں ہو سکتا عام ازیں کہ
ن افراد میں افتراق ہوا ہو یا جائداد علٰحدہ کردی گئی ہو۔جس شخص نے اپنے بھائیوں سے
بشتۂ اتحاد کو توڑ دیا ہو اگر اس کے بچے ہوں تو وہ نئے خاندان مشترک کا بڑا ہو جاتا ہے
و خاندان خود اس کے بچے اور ان بچوں کے بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس طرح جو جائداد کہ
بتداءً اس کے مالک کی مکسوبہ ہو اس کے ورثا پر منتقل ہوتے ہی ان ورثا کی مشترکہ جائداد
و جاتی ہے اور اسی جائداد پر وہ تمام قیود عائد ہو جاتے ہیں جو ایسی جائداد پر ہونا چاہئے۔[۲]

۳۴۴ **ارکان خاندان** | **دفعہ ۲۶۹**۔ ظاہر ہے کہ ان اشخاص کی تعداد غیر محدود ہو سکتی ہے
جس پر ہندو خاندان مشترک مشتمل ہو سکتا ہے۔ یا مورث اعلیٰ
سے بُعد کے متعلق بھی کوئی حد بندی نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے ان کی آپس میں قرابتداری
کے بُعد کے متعلق بھی کوئی حد قائم نہیں کی جا سکتی۔ لیکن جس شراکت کو صحیح طور پر ہندو شراکت
کہا جاتا ہے وہ ایک نہایت ہی محدود جماعت ہوتی ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں ہندو
خاندان مشترک ایک شراکت ہے تو ہمارا روئے سخن ان کل اشخاص سے نہیں ہوتا جو
اپنا سلسلۂ نسب ایک ہی مورث اعلیٰ سے ملا سکتے ہوں اور جن کے مابین کبھی بھی تقسیم
نہ ہوئی ہو۔ بلکہ اس میں ہم صرف ان لوگوں کو شامل کرتے ہیں جو قرابت کے سبب
اس جائداد سے استفادے اور اس پر مشترکاً قابض رہنے کے محق ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسے
لوگ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے افعال میں اولاً تو موانعات پیدا کر سکتے ہیں
اور ثانیاً اس جائداد پر اپنے قرضوں کا بار عائد کر سکتے ہیں اور ثالثاً اپنے حسب منشا
اس کی تقسیم کو نافذ کرا سکتے ہیں۔ اس جماعت سے ماورا کچھ ایسے لوگوں کا حاشیہ بھی
ہوتا ہے جنھیں کم درجے کے حقوق حاصل ہوتے ہیں مثلاً حق نفقہ۔ یا وہ لوگ جو خاص شرائط
کے پورے ہونے پر اس کے متوقع ہوتے ہیں کہ شراکت میں داخل ہو جائیں گے۔ لہذا
شراکت کی صحیح تعریف کرنے کے لیے ایک حد تک اس کی ضرورت لاحق ہوگی کہ قبل از قبل

---

[۱]۔ مورو وشنو ناتھ بنام گنیش جلد ۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۴۴۴ صفحہ ۴۶۸ جلد ۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۴۷۲۔ پرت کنور بنام مہادیو پرشاد ۲۱ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۳۴- ۲۲ کلکتہ صفحہ ۸۵۔
[۲]۔ رام نارائن سنگھ بنام پرتم سنگھ ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۹۷- ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۸۹۔

ان چند امور پر غور کرلیا جائے جن پر من بعد تفصیل سے بحث کرنی ہوگی۔

**ف ۲۷** ہندو مقننین ہمیشہ تقسیم اور وراثت کو ایک ہی مضمون کا جزو تصور کرکے بحث کرتے ہیں[1]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس جائداد کے متعلق انھیں بحث کرنی ہوتی ہے اس کی ابتدائی حالت جائداد مشترکہ کی ہوتی ہے اور یہ کہ ہر رکن کی حیثیت کی مقدار کو وہ صرف یہ بتلا کر واضح کرسکتے ہیں کہ تقسیم کی صورت میں ہر رکن کس قدر حصے کا مجاز ہوگا۔

**ارکان خاندان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔**

غیر منقسمہ ہندو خاندان میں صحیح مفہوم میں جانشینی کی سی کوئی چیز نہیں ہے[2]۔ ایسے خاندان کی کل جماعت جس میں ذکور و اناث دونوں شامل ہوتے ہیں ایک قسم کی کارپوریشن ہوتی ہے۔ ان میں کے چند ارکان شرکا رہوتے ہیں یعنے وہ اشخاص ۳۴ جو تقسیم پر اپنا حصہ طلب کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ اور دوسرے ارکان صرف نفقہ پا سکتے ہیں۔ ملیبار اور کنارا میں تقسیم کی اجازت نہیں ہے اسی سبب سے وراثت کا خیال کسی رکن کے ذہن تک میں سما نہیں سکتا۔ ہر شخص خاندانی مکان میں رہنے کا مجاز ہوتا ہے

**حقوق پیدائش سے پیدا ہوتے ہیں**

اور اس کا محق ہوتا ہے کہ اس کی پرورش ہو۔ اور وہ دولت و معاوضے کی اس مقدار سے استفادہ کرسکتا ہے جو خاندان کے قبضے میں کم و بیش ہو۔ اس کو یہ حق خاندان سے متعلق ہونے کے سبب پیدا ہوتا ہے (۲۱۲)۔

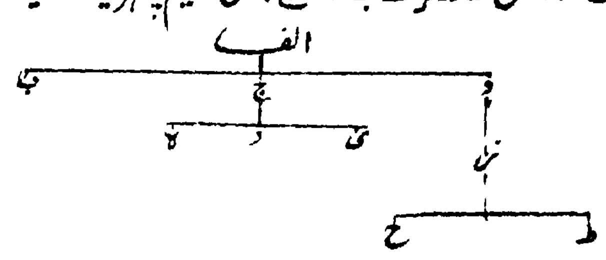
---

[1] جمتو وہان اور مادھوریا کی تصانیف دیا بھاگ اور روائے دی بھاگ کے نام سے مشہور ہیں جس کے معنے محض تقسیم ترکے کے ہیں۔ دیکھئے مقدمہ بھیل داس بنام چنی لال ۲ کلکتہ صفحہ ۳۷۹۔ اس مقدمے میں برادر زادے کے اس حق پر کہ وہ اپنے چچاؤں کے ساتھ حصہ پائے اس طرح بحث ہوئی گویا وہ چچاؤں سے قبل وارث ہونے کا دعویدار تھا۔

[2] شراکت اور پسماندگی دھرم شاستر کے وہ ملحقات ہیں جنھیں قانون جانشینی نے منسوخ کر دیا ہے بجز ان حقوق کی حد تک جو سابق میں حاصل ہو چکے ہوں۔ مثلاً دیسی عیسائیوں کی صورت میں ٹلس بنام سلدھانا ۱۰ مدراس صفحہ ۶۹۔

اس کے مرنے پر اس کا حق ختم ہو جاتا ہے اور چونکہ دوسرے لوگ پیدا ہوتے ہیں ان کے حقوق شروع ہوتے ہیں۔ لیکن ہر شخص کے حقوق محض اس واقعے سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ خاندان میں داخل ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ کسی خاص فرد کے جانشین ہوتے ہیں۔ اموات سے ان کی تعداد میں کمی ہو جاتی ہے جنھیں مشترک سرمایے پر حق حاصل ہوتا ہے اور یہ واقعہ پسماندگان کے حقوق میں ازدیاد کا باعث ہوتا ہے۔ علی ہذا نئے اشخاص کے وجود میں آنے سے ان کے حقوق میں کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ دعویداروں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اگرچہ یہ واقعہ کہ الف پسر ب ہے اس کو خاندان میں داخل کرنے کے لیے کافی ہے لیکن اس واقعے سے اس کو جائداد میں کسی خاص حصے کا حق نہیں ہوتا کیونکہ خود ب کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ نہ ب کے مرنے پر وہ کسی چیز کا وارث ہوتا ہے کیونکہ ب نے کچھ چھوڑا ہی نہیں ہے جس کا کوئی وارث ہو۔ ہندوستان کے ہر حصے میں جہاں متاکشرا رائج ہے غیر منقسمہ خاندان کی بالکل یہی حالت ہے۔ البتہ چند خاص حدود کے اندر ہر مرد رکن اگر چاہے تو تقسیم کا ادعا کر سکتا ہے۔ لیکن جب تک کہ وہ ایسا کرنا پسند نہ کریں جائداد ارکان خاندان پر فی الوقت پسماندگی سے منتقل ہوتی رہتی ہے نہ کہ جانشینی کے قاعدے سے۔ جب تقسیم کا وقت آ پہنچے تو ہر خاص شخص کی حیثیت (یعنے یہ کہ وہ بیٹا ہے۔ یا پوتا۔ یا کوئی اور۔ یا منجملہ کئی لڑکوں کے ایک لڑکا ہے یا منجملہ کئی پوتوں کے ایک ہے) بہت اہم ہوگی کیونکہ اس سے اس کے اس حصے کا تعین ہوگا جس کا وہ مجاز ہے۔ لیکن جب تک کہ وہ وقت نہ آئے وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس خاص حصۂ جائداد کا مستحق ہوں۔ کیونکہ سال بہ سال اس کو تقسیم کرانے کا حق حاصل ہے اور ممکن ہے کہ پیدائش اور اموات کی وجہ سے ایک سال حصے کا تناسب کم ہو اور دوسرے سال زیادہ۔ مثلاً فرض کیجیے کہ ایک خاندان میں الف اور اس کے دو لڑکے ب اور ج ہوں۔ تقسیم پر ہر ایک کو ایک ثلث ملے گا۔ ۳۴۶

حقوق کا تعین تقسیم پر ہوتا ہے



لیکن اگر خاندان کے اشتراک کے زمانے میں دؔ پیدا ہو تو ہر ایک کو ایک ربع ملے گا۔
لیکن فرض کیجئے کہ خاندان مشترک رہے اور الف مرجائے تو تینوں لڑکوں کے
ممکنہ حصص بڑھ کر ہر ایک کو ایک ثلث ملے گا۔ اور اگر اس کے بعد بؔ لاولد فوت ہوجائے
مثال نمبر ۱ تو حصص میں اضافہ ہو کر ہر ایک کو نصف نصف حاصل ہوگا۔ چونکہ جؔ اور دؔ نے
شادی کرلی ہے اس لیے ان کے لڑکے ہؔ۔ وؔ اور زؔ خاندان میں داخل ہوں گے اور
جائداد میں انھیں حق حاصل ہوگا۔ لیکن وہ حق بھی بدلتا ہوا حق ہوگا اور اس کا انحصار
خاندان کی حالت پر موقوف ہوگا۔ اگر جؔ صرف دو لڑکے ہؔ اور وؔ چھوڑ کر فوت ہو اور
وہ تقسیم کا دعا کریں تو ان میں کا ہر ایک نصف کا نصف پائے گا' لیکن اگر یؔ پہلے سے
پیدا ہوچکا تھا تو ہر ایک نصف کا ثلث پائے گا۔ اگر وہ تقسیم کے حق کو دؔ۔ زؔ۔ حؔ اور
طؔ کل کے مرنے تک نافذ نہ کریں تو وہ کل جائداد کا ایک ثلث پائیں گے۔ خاندان
غیر منقسمہ میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر رکن اپنا حصۂ جائداد مشترکہ اپنے لڑکوں پر
منتقل کرتا ہے اور یہ کہ ایسی اولاد میں اپنے مابین بالراس حصہ پاتی ہے لیکن دوسرے
ارکان کے مقابلے میں بالنسب۔ لیکن ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا کہنے سے صرف یہ
بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ تقسیم پر ان کے حقوق کیا ہوں گے۔ تقسیم تک ان کے صرف
یہ حقوق ہوتے ہیں کہ جائداد مشترکہ کا بالاشتراک استفادہ کریں۔ ان حقوق میں علاوہ
ازیں یہ حق اضافہ کیا گیا ہے کہ ہر اولاد ذکور ان انتقالات کو منع کرنے کا حق رکھتی
ہے جو ان کے اسلاف نافذ کرنا چاہیں یا کریں[1]۔ بنگال کی حد تک اس کی ترمیم ضروری
۳۴۷ ہے۔ وہاں اس کو مانتے ہوئے کہ خاندان مشترک تھا اور لڑکے جائداد پر
بالاشتراک متصرف تھے کسی ایک حصہ دار کا حصہ اس کے مرنے پر دوسرے شرکا پر

---

[1]۔ اس مضمون پر مقدمۂ اپودیر بنام رام سبین جلد ۱۱ مور کے مرافعہ جات ہند صفحہ ۷۵ میں بحث
کی گئی ہے سدا برت پرشاد بنام پھولباش کنور ۳ بنگال لا رپورٹ اجلاس کامل صفحہ ۳۱
صدر عدالت ۴ ا سدر لینڈ صفحہ ۳۴۰۔ رام نرائن بنام پرتم سنگھ ۲ سدر لینڈ صفحہ ۸۹ ا۔ ا بنگال لا
رپورٹ صفحہ ۳۹۷ راج نرائن بنام ہیرالال ۵ کلکتہ صفحہ ۱۴۲۔ بھیل رام بنام چنی لال ۲ کلکتہ
صفحہ ۳۹۷۔ دیبی پرشاد بنام ٹھاکر دیال جلد ا الہ آباد صفحہ ۱۰۵۔ راؤ گورین سام تیز الورن ۴ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ ۹ سندرم بنام
نرسلو ۲۵ مدراس صفحہ ۱۴۹۔

منتقل نہ ہوگا۔ متوفی شریک کی جائداد کا مشترک حصہ بھی ایک جزو ہوگا اور اس کی وفات پر وہ اس کے فطری ورثا پر منتقل ہوگا۔[1] جو بھائی حالت شترک میں لاولد فوت ہو اس کا حصہ اس کی بیوہ۔ لڑکی اور نواسے پر منتقل ہوگا۔ اور اس طرح ... ایک ... حاصل ہوگا جو خود اس کے خاندان سے بالکل مختلف ہو ...

**ہندو شراکت ان تک محدود ہوتی ہے جو پنڈدان میں حصہ لیتے ہیں**

**ف ۲۷۱**۔ ہندو شراکت اور عام جماعت ... جو منقسمہ ہیں ہم منجملہ اور امتیازات کے ایک اہم ترین فرق اسی امر میں دیکھتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ جائداد ایک ہی مورث سے جو ہنوز بقید حیات ہوتی ہو اور پانچ نسل کے اخلاف موجود ہوں۔ اس سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ تقسیم پر ان پانچوں نسلوں میں کا ہر شخص حصہ پانے کا مجاز ہوگا۔ اور اگر مورث عام فوت ہو جائے (یعنے جائداد ایک نسل کی حد تک منتقل ہو) تو اس سے بھی کسی طرح یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جائداد ان تمام نسلوں کو پسماندگی کی وجہ سے مل جائے گی۔ وہ ایک یا ایک سے زیادہ شاخوں کے قائم مقاموں کو مل سکتی ہے۔ یا متعدد شاخوں کے پسماندہ کی بیوہ کو بھی اگرچہ دوسری شاخوں کے قائم مقام کلیۃً محروم ہوتے ہوں۔ ہر صورت میں سوال یہ ہوگا کہ وہ کون لوگ ہیں جنھیں پیدائش سے اس جائداد میں حق پیدا ہوا ہے[2]۔ اس کا جواب یہ ہے ان اشخاص کو پیدائش سے حق حاصل ہوتا ہے جو مالک جائداد کی پنڈدان کرتے ہیں۔ یعنے مالک جائداد سے عین تین پشتوں کے بعد کے لوگ بہ سلسلۂ ذکور[3]۔ لہذا اگر کسی شخص کو لڑکے۔ پوتے اور

[1] سورج مونی داسی بنام دینو بندو ۶ مور مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۵۳۔ ۴ سدرلینڈ (پی۔ سی) صفحہ ۱۱۴ سبرامنا پانڈیا سو سو بر نیا ۱۰ مدراس صفحہ ۳۳۰۔ ایرر ک کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تقسیم سے جدید حق پیدا نہیں ہوتا اس سے سابق مشترک مالکان میں سے ہر ایک کا حصہ ظاہر ہوتا ہے۔ جاگی لکچر صفحہ ۷۰ صفحہ ۱۱۴۔

[2] دیکھئے فقرہ۔ ۲۵۹۔ اس اصول کا اطلاق بنگال میں نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہاں لڑکوں کو باپ کی جائداد میں پیدائش سے حق نہیں ہوتا۔

[3] منو باب ۹ فقرہ۔ ۱۰۶ اور دت صفحہ ۲۷ فقرہ۔ ۱۶ جس کا ذکر آگے فقرہ ۵۰۱ میں کیا گیا ہے۔ میں ہمیشہ کے لیے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ لفظ "اولاد" اس کتاب میں ہر جگہ لڑکے پوتے اور پرپوتے پر حاوی رہے گا۔

پروتے ہوں تو یہ کل کے کل شمول خود اس کے ایک شراکت قائم کرتے ہیں۔ ان اخلاف میں کا ہر شخص اس کا پنڈدان کرنے کا مجاز ہے اور اسی وجہ سے لہٰذا ان میں کا ہر ایک
اس کی جائداد میں پیدائش سے حق حاصل کرتا ہے۔ لیکن پروتوں میں سے ۴۴۸
کسی کا لڑکا اس کا پنڈدان نہیں کر سکتا اور لہٰذا جب تک کہ مورث عام زندہ ہے وہ شراکت سے خارج ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اخلاف کی زنجیر میں پیدائش کی وجہ سے مسلسل طور پر نئی کڑیاں لگتی رہتی ہیں اس لیے زنجیر کے اوپر کے حصے سے قدیم کڑیاں اموات کے سبب علیحدہ ہوتی رہتی ہیں۔ جب تک کہ اصول پسماندگی کا نفاذ جاری رہے گا جائداد کے حاصل کرنے کا حق سلسلے کے اوپر کے لوگوں سے نیچے کے لوگوں پر منتقل ہوتا رہے گا۔ چونکہ ہر جدید رکن کو حصہ ملتا ہے اس لیے اس کی تین پشت کے اخلاف کو اس حصے میں پیدائش سے حق حاصل ہوگا۔ اس طرح شراکت وسیع ہوکر پھیلتی جائے گی یہاں تک کہ اس کے ارکان میں ایسے اشخاص شامل ہو جائیں گے جو عام مورث سے غیر معین طور پر دور ہوں لیکن یہ چیز ہمیشہ اس شرط کے تابع ہے کہ کوئی شخص جو حصے کا ادعا کرے براہ راست اس مورث سے جس نے حصہ پایا ہو تین درجوں سے زیادہ ہٹا ہوا نہ ہونا چاہئے۔ جب کبھی کسی قابض جائداد اور اس شخص میں جو اس قابض کے بعد حصہ پانے کا مدعی ہو تین درجوں سے زیادہ کا وقفہ پڑ جائے تو اس رخ میں سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور پسماندگی ان رشتہ داران طرفی اور اخلاف تک محدود رہتی ہے جو تین درجوں کے حدود میں ہوں۔ بمبئی اور مدراس کے دو مقدموں میں یہ قاعدہ قرار دیا گیا تھا۔

**مورث اعلیٰ سے تین درجوں تک شراکت محدود نہیں ہے**

**۴۷۲**۔ پہلے مقدمے میں حق تقسیم کی اس بنا پر مخالفت کی گئی تھی کہ مدعی جائداد ما بہ النزاع کے حاصل کرنے والے سے چار درجے اس طرف تھا اور یہ کہ مدعی علیہ اس درجے کے اندر تھا۔ یہ استدلال کیا گیا کہ قانون وراثت سے اگر تشبیہ لی جائے تو یقیناً ایسا خلف جو پروتے سے بھی دور ہو ان اشخاص کے مقابلے میں جو بہ حیثیت اخلاف کے خاندانی جائداد یا اس کے جزو پر اس جائداد کے مالک واحد کے ذریعے سے قابض ہوں تقسیم کا ادعا

نہیں کر سکتا۔[1] جسٹس ویسٹ نے فرمایا کہ "مدعی مسماۃ نے مورث کے بعد سے کسی نوبت اختلاف پر تقسیم کو قطعی طور پر ضروری قرار نہیں دیا ہے۔ تاہم جس تعبیر پر ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوگا کہ پروتا ہر صورت میں مجبور ہوتا اپنے دیگر شرکا سے تقسیم کرانے بجز اس کے کہ وہ خود اپنی اولاد کو حالت افلاس میں چھوڑنا پسند کرے۔ جب دو پروتے ۳۴۹
خاندان متحدہ کے طور پر رہتے ہوں تو متاکشرا قانون کے مطابق ان میں سے ہر ایک کے لڑکے کو موروثی جائداد میں پیدائش کے وقت سے اس کے باپ کے ساتھ ملکیت مشترکہ حاصل ہوگی۔ لیکن (اگر یہ بحث درست ہو) یہ ملکیت مشترکہ الف یا ب کے لڑکے سے کلیتہً نکل جائے گی۔ کیونکہ دونوں ہی دوسرے سے قبل مر گئے تھے۔ اگر کوئی شریک ہندو خاندان فوت ہو جائے اور اس کے اخلاف میں سے صرف پروتے کا بیٹا ہو اور کوئی قریب تر خلف نہ ہو تب اس میں شک نہیں کہ پروتے کا بیٹا فی الفور وراثت اور تقسیم سے متوفی کے نزدیک تر وارث کے سبب محروم ہو جائے گا مثلاً بھائیوں یا ان کی اولاد کے سبب۔ لیکن جب ایسا واقعہ نہ ہوا ہو جس سے وراثت ورثا کے سلسلے میں خلا ہو گیا ہو تو تقسیم کرانے کا حق بھی اس جائداد میں مفقود نہیں ہوتا جس میں متوفی مشترک مالک تھا اور جس پر فی الواقعی قابض رہ کر استفادہ کرتا تھا۔[2] برخلاف سلسلہ وار باپ کے حصے میں اس کے ساتھ مشترک مالک بن جاتا ہے۔ اور جس سلسلے میں کبھی بھی ایسا عدم تسلسل نہیں ہوتا جس سے دوسرا آنے والا اپنے ما قبل کی قائم مقامی میں پوری طرح نیابت نہ کر سکے" مسٹر جسٹس نانا بھائی ہریداس نے ان ہی اصولوں کو بتفصیل تمثیلات سے ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا[3] کہ "مثال کے طور پر مقدمہ ذیل کو لیجئے ما بہ النزاع جائداد کا مالک اول ایک لڑکا ب اور ایک پوتا ج چھوڑ کر فوت ہوتا ہے۔

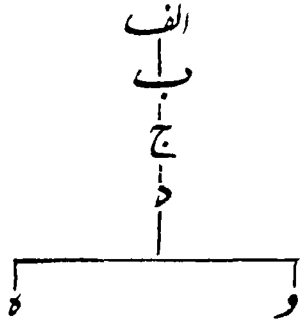
---

[1] - موروو شوناتھ بنام گنیش جلد ۱۰ بمبئی عالیہ عدالت صفحہ ۴۴۴ و ۴۴۹۔

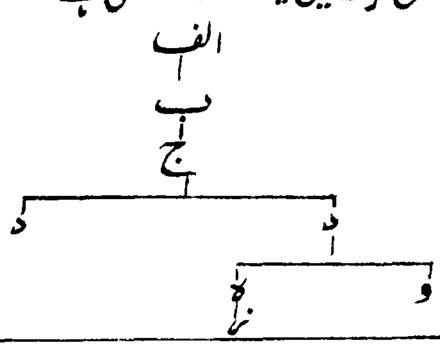
[2] - دیکھئے جگناتھ کے الفاظ جلد ۳ ڈائجسٹ کے صفحات ۴۴۶ - ۴۵۰ پر۔

[3] - جلد ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۴۶۳۔

بؔ اور جؔ دونوں غیر منقسمہ خاندان کے ارکان ہیں۔ بؔ کے انتقال پر جؔ اور دؔ اس کا بیٹا اور پوتا علی الترتیب اس کے پسماندگان ہیں۔ اور جؔ کے انتقال پر اس کا ایک لڑکا دؔ اور دو پوتے ہؔ اور وؔ فرزندان دؔ ہیں۔




جائداد خاندان کی تقسیم نہیں ہوئی اور دؔ ہؔ اور وؔ حالت اتحاد میں بسر کر رہے ہیں کیا ہؔ اور وؔ دؔ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ انھیں موروثی جائداد میں سے حصہ دے دیا جائے اس قانون کے مطابق جو ہندوستان کے اس حصے میں رائج ہے وہ ضرور ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ
۳۵۰ موروثی جائداد میں لڑکوں کو باپ کے ساتھ برابری کی حقیت حاصل رہتی ہے[1]
اسی طرح سے فرض کیجئے کہ بؔ اور جؔ مر جائیں اور الفؔ اور دؔ خاندان غیر منقسمہ کے ارکان ہوں اور اس کے بعد الفؔ مر جائے جس کی وجہ سے یہ کل جائداد دؔ پر منتقل ہو جس کے دو لڑکے ہؔ اور وؔ ہیں۔ وہ دونوں یا ان میں کا کوئی ایک ان کے باپ دؔ اسی جائداد کی تقسیم کے لیے نالش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ موروثی ہے۔

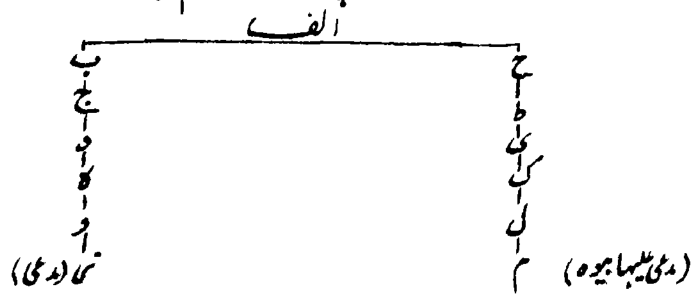



[1] جلد ۱۱ سٹرینج ہندو لا صفحہ ۷۷، ۱ جلد ۲ ایضاً صفحہ ۲۱۶، ۳ متاکشرا باب ۱ فصل ۱ فقرہ ۲۰۔ ۲ باب ۱ فصل ۵ فقرہ ۳ و فقرہ ۵ فقرہ ۸ فقرہ ۱۱۔ میوکھ باب ۴ فصل ۶ فقرہ ۱۳۔

اب فرض کیجئے کہ ب اور ج الف د اور د ارکان خاندان غیر منقسمہ کو چھوڑ کر فوت ہوں۔ اور اس کے بعد الف فوت ہو جس کی وجہ سے کل جائداد د اور د پر مشترکاً منتقل ہو۔ اور د کو اس کے بعد دو لڑکے ہ اور و ہوں۔ اور د انھیں چھوڑ کر فوت ہو۔ ہ اور و بطور جائز د کے خلاف مشترکہ موروثی جائداد کی تقسیم کے لیے نالش کر سکتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ ن اور و بھی نالش کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہ قبل نالش فوت ہو چکا ہو د کے خلاف گویا متوفی بھائی کے بیٹے۔ یا بیٹا اور پوتا نالش کریں گے[1] لیکن ہ اور و جائداد کے مالک اول سے پانچویں پشت میں ہیں اور ن چھٹی میں۔ برخلاف اس کے د اور د صرف چوتھی پشت میں۔ تاہم فرض کیجئے کہ الف د کے بعد فوت ہو اور اس کے پسماندگان میں ایک پروتا د ہو اور د کے دو لڑکے لا اور و۔ اس صورت میں لا اور و د پر اس جائداد کی تقسیم کے لیے نالش نہیں کر سکتے جو الف سے منتقل ہوتے آئی ہو۔ کیونکہ صرف د اس جائداد کا وارث ہوا ہے۔ چونکہ لا اور و پر پوتے کے بیٹوں کو د پسماندہ پروتا محروم کرتا ہے اس لیے حق نیابت اس سے آگے نہیں جاتا[2] لہذا جس قاعدے کو میں نے اس مضمون کے اسناد سے اخذ کیا وہ یہ نہیں ہے کہ تقسیم کا مطالبہ کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جو حاصل کنندہ یا ابتدائی مالک جائداد سے چار پشت کے بعد کا ہو بلکہ اس کا مطالبہ ایسا شخص نہیں کر سکتا جو آخری ۳۵۱
مالک سے چار پشت سے بھی زیادہ دور ہو۔ اگرچہ وہ اصلی یا ابتدائی مالک سے کتنا ہی دور ہو۔

**ناقابل تقسیم زمینداری پر بھی اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے**

**۲۷۳**۔ عالیہ عدالت مدراس نے اس اصول کی تصدیق فرمائی اور اس کے اطلاق کو سخت ترمعیار سے جانچا گیا۔ ناقابل تقسیم زمینداری کے حق وراثت کا سوال پیش تھا




[1] میو کہ باب ۶ فصل ۴ فقرہ ۲۱۔
[2] دیکھئے جگناتھ جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۳۰۸ جلد ۱۱ کورٹ فارٹن صفحہ ۲۹۲۔ اسٹرینج میانول فقرہ ۳۲۲ ۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۳۲۷۔

دعویدار کا مورث اور ابتدائی مالک جائداد الف تھا۔ یہ زمینداری نسلاً بعد نسلٍ ح کے سلسلے میں چلی آرہی تھی اور اس کا آخری قابض م تھا۔ م لاولد ایک بیوہ چھوڑ کر فوت ہوا۔ یہ بیوہ مدعی علیہا تھی۔ ق مدعی تھا جو اس میں شک نہیں کہ م کا قریب ترین رشتہ دار ذکور میں سے تھا۔ خاندان غیر منقسمہ تھا۔ یہ امر مسلمہ تھا کہ متاکشرا قانون کے مطابق غیر منقسم شریک خاندان کو بیوہ سے قبل جائداد ملتی ہے لیکن بیوہ کی جانب سے یہ حجت پیش کی گئی کہ "غیر منقسمہ قرابتداروں میں سے صرف وہی شریک ورثا ہوتے ہیں جنھیں پیدائش سے جائداد میں مالکانہ حقیت متوفی کے ساتھ ساتھ حاصل ہوئی ہو۔ اس کے وہ شرکا جو اس کے حین حیات تقسیم ہونے پر جائداد کے حصہ دار ہوتے۔ اور یہ کہ ایسی شراکت صرف ان رشتہ داروں کے مابین ہو سکتی ہے جو اس کے نزدیک کے سپند ہوں (یعنے جو چوتھی پشت سے زیادہ بعید نہ ہوں) لہذا مرافع علیہ (مدعی) متوفی کا شریک وارث نہ تھا۔" اس استدلال کے حصۂ اول سے عدالت نے اتفاق کیا لیکن جزو ثانی نامنظور کیا گیا۔ عدالت نے یہ قرار دیا کہ زمینداری گو ناقابل تقسیم تھی لیکن پھر بھی شراکتی جائداد تھی اور یہ کہ غیر منقسمہ خاندان کے ارکان کو پیدائش سے اسی قسم کا حق حاصل ہوتا ہے جو انھیں کسی اور جائداد میں حق حاصل ہوتا۔ فرق یہ ہے کہ صرف ایک شخص اس سے متمتع ہوتا ہے اس کے بعد اس مسئلے کے متعلق کہ شرکا کون ہیں انھوں نے فرمایا: "ہمیں یہ چیز مساوی طور پر یقینی معلوم ہوتی ہے کہ شریک ورثا کی فہرست میں ۲۵۲

**شرکا کی تعریف**

وہ غیر منقسمہ رشتہ داران طرفی بھی شامل ہونے چاہئیں جو بسلسلۂ ذکور ایسے کے اخلاف ہوں جو قابض آخر کے مورث کا شریک تھا۔ کیونکہ اس غیر منقسمہ حقیت میں جو ایسے شریک کو حاصل ہو چکا ہو اس کے نزدیک تر سپند شریک ورثا ہوتے ہیں۔ اور جب اس کی وفات پر وہ حقیت اس کے لڑکوں کو حاصل ہو چکی ہو (یا لڑکے یا دوسرے نزدیک تر سپند کو بسلسلۂ ذکور) تو ایسے اخلاف یا خلف کے بعد ترتیب اسی طرح ان کے یا اس کے ساتھ شریک ورثا ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح مشترک وراثت نئے سپندوں کو آخری خلف تک حاصل ہوتی۔ لہذا یہ ظاہر ہے کہ جب تک کہ غیر منقسمہ حیثیت جاری رہے وہ ارکان خاندان جو اس طرح شراکتی حقیت کو حاصل کرتے رہے ہوں اپنے ان رشتہ داروں کے شریک ورثا ہوں گے جنھیں

کل جائداد کی دوسری حیثیت غیر منقسمہ حاصل ہو۔ اور ایسے رشتہ دار میں کا ایک اور اس کے
قریب تر پسند بہ سلسلۂ ذکور ہی صرف شریک ورثا نہیں ہو سکتے بجز اس کے کہ دوسرے
کل تین پشت کے اخلاف ذکور چھوڑنے کے بغیر فوت ہو گئے ہوں اور اس کو (یا اس کو
بشمول دوسروں کے) کل حق ترکہ پسماندگی کے قاعدے سے حاصل ہو گیا ہو۔ اور یہ
حق اس کو ایسے ہی موثر طریقے سے حاصل ہوا ہو گویا کہ شریک ورثا میں تقسیم ہونے سے
جائداد منتقل ہوئی"۔ لہذا عدالت نے یہ قرار دیا کہ بہ حیثیت غیر منقسم شریک کے مدعی
بیوہ سے قبل وارث ہو گا[1]۔ اس پر غور کیا گیا ہو گا کہ اس مقدمے میں مدعی مورث اعلیٰ
سے چھٹی پشت پر تھا۔ مدعی علیہا کا شوہر بھی مساوی طور پر بعید تھا۔

**اپرتی بندھ اور سپرتی بندھ جائداد**

**ف ۲۷۴**۔ اسی اصول سے (یعنے یہ کہ چند قرابتداروں کو پیدائش سے جائداد حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کو نہیں ہوتی) جائداد کی تقسیم دو اقسام میں کی جاتی ہے۔ ہندو مقننین انھیں اپرتی
بندھ اور سپرتی بندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان اصطلاحات کا ترجمہ تو کیا گیا ہے
لیکن بہت زیادہ اچھی طرح نہیں۔ چنانچہ اپرتی بندھ کو بلا روک اور سپرتی بندھ کو رکی
ہوئی کہا جاتا ہے۔ رکی ہوئی یعنے اس کے حاصل ہونے میں رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ ان
اصطلاحات کی توضیح متاکشرا میں کی گئی ہے[2]۔ "باپ یا دادا کی دولت ان کے لڑکوں ۳۵۳
یا اس کے پوتوں کی جائداد اس حق کی بناء پر ہوتی ہے کہ وہ اس کے لڑکے یا پوتے ہوتے
ہیں۔ اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اس میں رکاوٹ نہیں ہوتی۔ لیکن والدین یا چچاؤں

[1]۔ اینول بنام رامن دور ۱۶ مدراس عالیہ عدالت صفحہ ۹۴ صفحہ ۱۰۲۔ نیز دیکھئے بنگال کا مقدمہ
گرواد ھاری بنام کلاہل ۴ صدر دیوانی صفحہ ۹ صفحہ ۱۲۔ اس مقدمے میں جائداد کی تقسیم ایسے اشخاص
کے مابین ہوئی تھی جو مورث اعلیٰ سے چار۔ پانچ اور چھ درجے دور تھے۔

[2]۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۱ فقرہ ۳۔ درمت صفحہ ۳۔ میوکھ باب ۴ فصل ۲ فقرہ ۲۔ دیکھئے نند کمار لال
بنام رضی الدین۔ ۱ بنگال لاء رپورٹ صفحہ ۱۹۱ صدر کورٹ ۱۸ سدرلینڈ صفحہ ۴۷۷ دیبی پرشاد
بنام ٹھاکر دیال ۱ الہ آباد صفحہ ۱۱۲۔ بنگال یا میتھلا کے مولفین نے ان اصطلاحات کو استعمال نہیں
کیا ہے۔ وی۔ ین منڈلک صفحہ ۳۵۹۔ جالی لکچر صفحہ ۱۷۶۔

بھائیوں وغیرہ پر وہ مالک کی وفات پر منتقل ہوتی ہے وہ بھی اگر کوئی اولاد ذکور نہ ہو تو
اور اس لحاظ سے لڑکے کی فی الواقعی موجودگی اور مالک کا حین حیات ہونا وراثت کے
مانع ہوتے ہیں اور ان کے باقی نہ رہنے پر جانشین پر جائداد اس حق کی وجہ سے منتقل ہوتی
ہے کہ وہ چچا یا بھائی ہوتا ہے۔ یہ وراثت ہے جو رکاوٹ کے تابع ہوتی ہے[1] انگریز مقنن
کے ذہن میں اسی قسم کا امتیاز اس وقت رہتا ہے جب کہ وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں جائداد مطلق
ہے یا فلاں مشروط۔ یا جب وہ کسی وارث کے متعلق یہ کہتا ہے کہ فلاں وارث قانونی
ہے یا فلاں وارث ممکنہ۔ اپرتی بندھ (یا وہ جس میں رکاوٹ ہو ہی نہیں سکتی) وہ جائداد
ہے جس میں آئندہ ہونے والے وارث کو محض اس کے وجود میں آنے کی وجہ سے حقیت
حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ کافی طویل مدت تک زندہ رہے تو اس کا اس ترکے کو
پانا لازم ہے بجز اس کے کہ اس کے حقوق انتقال یا عطیے کے سبب تلف ہو گئے ہوں۔
اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے حقوق خود اس کے لڑکے پر منتقل ہوں گے بجز اس کے
کہ وہ خود مستثنیٰ ہے آخری سلسلے میں ہو۔ ایسی صورت میں اس کا لڑکا اپرتی بندھ ورثا
کے سلسلے سے خارج رہتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ شخص جو سلسلۂ ظاہری کے لحاظ سے
سپرتی بندھ والے (یا بہ الفاظ دیگر وہ جائداد جس میں رکاوٹ ممکن ہے) کا جانشین ہونے والا
ہو کسی وقت بھی مرجح وارث کے سبب خود کو خارج پا سکتا ہے مثلاً لڑکے یا بیوہ وغیرہ
کے سبب۔ اس کے حقوق پہلی مرتبہ واقعی قابض کی وفات پر پیدا ہوں گے اور
اس وقت خاندان کی جو کچھ حالت ہوگی اس کے لحاظ سے اس کے حقوق جانچے جائیں گے۔
نزدیک تر وارث جو اس وقت موجود ہو کلیتہً اس کو خارج کر دے گا۔ اور اگر وراثت
کے آغاز سے قبل وہ مر جائے تو خود اس کے ورثا بالکل کچھ نہیں پائیں گے (اگرچہ وہ
خود زندہ رہنے کی صورت میں وارث ہوتا تھا) بجز اس کے کہ وہ خود متوفی کے ورثا
ہوں۔ بہ الفاظ دیگر وہ ایسے حقوق دوسروں پر منتقل نہیں کر سکتا جو خود اس کے لیے پیدا ۳۵۴
نہیں ہوئے تھے[2] اور نہ وہ کسی معاہدے سے ان اشخاص کے حقوق میں رکاوٹ

[1] ۔ ان اصطلاحات کی بمقدمہ بائی پارستن بنام بائی سوملی ۲ بمبئی صفحہ ۴۴۴ وضاحت کی گئی ہے۔
[2] ۔ باپو اناجی بنام رتناجی ۲۱ بمبئی صفحہ ۳۱۹۔

پیدا کر سکتا ہے جو اس کی وفات کے بعد جب کہ وراثت شروع ہو فی الواقعی ورثا میں عود کیا ہوں[1] علی ہذا وہ حقوق جو ایسے وارث کو ایک مرتبہ حاصل ہو چکے ہوں اس شخص کی من بعد پیدائش کی وجہ سے متاثر نہ ہوں گے جو آغاز وراثت پر موجود ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ ساتھ یا اس کے قبل وارث ہوا ہوتا[2]

**موروثی جائداد ۲۷۵** ۔ دوسرا مسئلہ شراکتی جائداد کے متعلق ہے۔ شراکتی جائداد کی پہلی قسم وہ ہے جسے موروثی جائداد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس اصطلاح کے یہ معنے لیے جا سکتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جائداد ہے جو دوسرے پر مورث سے منتقل ہوتی ہے اگرچیکہ وہ مورث کتنا ہی بعید ہو یا کسی صنف کا ہو۔ جب متعدد اشخاص پر ایک ہی وقت میں اور مساوی حقوق قبضے اور استفادے کے ساتھ ایسی جائداد منتقل ہوئی ہو مثلاً متعدد بھائیوں۔ بیٹوں۔ پوتوں بھتیجوں وغیرہ پر تو خود مفروضے کے لحاظ سے وہ جائداد عام طور پر مشترکہ ہوگی لیکن اس غرض کے لیے جیسا کہ سمجھا گیا ہے یہ جائداد موروثی نہیں ہے[3]

اس اصطلاح کا اس کے اصلی مفہوم میں اس جائداد پر اطلاق ہوتا ہے جو کسی ایک پر اس طرح منتقل ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کو اس جائداد میں خود اس کے خلاف چند حقوق حاصل ہوتے ہیں[4] مثلاً اگر متاکشرا قانون کے تحت باپ جائداد منتقل کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو

---

[1] ۔ بہادر سنگھ بنام موہر سنگھ ۲۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۔ ۲۴ الہ آباد صفحہ ۹۴۔

[2] ۔ نرسا بنام دیرابدرا ۱۷ مدراس صفحہ ۲۸۷۔

[3] ۔ جائداد مشترکہ۔ جائداد خاندان مشترکہ اور موروثی جائداد میں کیا فرق ہے اس کے لئے دیکھئے کرسنما بنام گنگا بائی ۲۳ بمبئی صفحہ ۴۷۹۔

[4] ۔ اگر کسی نے اپنی بیوہ اور لڑکے کو وصیت سے جائداد دی ہو تو وہ جائداد مشترکہ نہیں ہوتی اور نہ اس میں عود کرنے کے خصوصیات ہوتے ہیں۔ نہ وہ ایک دوسرے کو انتقال سے منع کر سکتے ہیں۔ جگیشور نارائن بنام رامچند دت ۲۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۷۔ ۲۳ کلکتہ صفحہ ۶۷۰ فیصلہ دیدیا دبنام ناگاپل ۱۱ مدراس صفحہ ۲۵۰ مذکور الصدر فیصلے سے منسوخ کیا گیا۔ اور نہ وہ جائداد جو دو لڑکیوں کو وصیت سے دی گئی ہو گوپی بنام سماۃ جالدھرا ۳۳ الہ آباد صفحہ ۴۱۔ اور نہ وہ جائداد جو الیاسنتان قانون کے تحت

ہم یہ استفسار کرتے ہیں کہ آیا وہ جائداد موروثی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ
مثل اپرتی بندھ کے وراثۃً حاصل کی گئی ہو تو موروثی ہے۔ اور اگر مثل سپرتی بندہ
کے وراثت میں آئی ہو تو موروثی نہیں ہے[ل] اس امتیاز کا سبب یہ ہے کہ صورت

**موروثی جائداد اپرتی بندہ ہے**

مقدم الذکر میں وارث کو جائداد میں واقعی طور پر حق حاصل ہو چکا تھا
اور اس کے بعد وراثت شروع ہوئی لہذا خود اس کی اولاد کو ۳۵۵
اس حقیقت میں پیدائش سے حق حاصل ہو چکا تھا۔ بنا براں جب کہ
جائداد فی الوقعی اس پر منتقل ہوئی تو اس نے اس جائداد کو اس شرط کے تابع حاصل کیا جو
انھیں قبل ازیں حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن موخر الذکر صورت میں اس کو جائداد کے وراثۃً
منتقل ہونے سے قبل کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہوا تھا۔ لہذا جب وہ واقعہ وقوع میں
آیا تو اس نے اس جائداد کو اپنی اولاد کے جملہ دعاوی سے مبرا حاصل کیا اور یہ دلائل
قوی تر کسی دوسرے شخص کے دعاوی سے بھی۔ اسی وجہ سے وہ کل جائداد جو کوئی
شخص اپنے سے قبل کے تین اسلاف سے (تین درجے سے زیادہ کے اسلاف
سے نہیں) پلئے وہ موروثی جائداد ہے اور حاصل ہوتے ہی وہ اس پر شمول اپنی اولاد
کے قابض ہوتا ہے۔ لیکن جب اس نے طرفی رشتہ دار سے مثلاً بھائی بھتیجے یا چچا یا
چچا زاد سے وراثت میں پائی ہو تو وہ موروثی نہیں ہے[ٮ] لہذا ایسی جائداد میں خود اس کے
خلاف اس کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔ نہ تو وہ اس جائداد پر معاملت کرنے سے منع کرسکتے ہیں اور نہ

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ شوہر اور زوجہ کو دی جائے اس شرط کے ساتھ کہ اس جائداد کا منافع بالاشتراک دونوں کو دیا جائے کنتھو بنام وشاہ ۲۵ مدراس صفحہ ۳۰۵۔

ل ۔ دیکھئے فقرہ ۲۷۴۔ مقدمہ ونکایا بنام وینکٹ رامنایا (۲۹ مرافعجات ہند صفحہ ۱۵۶-۲۵ مدراس صفحہ ۱۳۸) سے مقابلہ کیجئے۔ جہاں نانا سے وراثت میں پائی ہوئی جائداد اگرچہ سپرتی بندہ ہوتی ہے موروثی قرار دیگئی۔ اس مسئلے کے اختلافات پر دیکھئے آگے فٹ نوٹ (۱۲)۔

ٮ ۔ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ میں وراثت کا نہ کہ پسماندگی کا ذکر کر رہا ہوں۔ غیر منقسم بھائی کی وفات پر جو اضافہ شدہ حصہ بقیہ بھائیوں کو حاصل ہوتا ہے وہ موروثی ہوتا ہے اور وہ تمام خصوصیات کا تابع ہوتا ہے گنگو مل بنام بنسی دھر جلد ا شمالی مغربی ممالک صفحہ ۱۷۰۔

حصہ دینے پر مجبور کر سکتے ہیں[۱۵]۔ اسی اصول پر جائداد جو ایک مرد عورت سے وراثتہً پائے یا عورت کے توسط سے (مثلاً لڑکی کا لڑکا) یا جو اس نے تین درجے سے بعید کے مورث سے حاصل کی ہو یا جو اس نے گرد کے وارث کی حیثیت سے یا ہم مکتب کے وارث کی حیثیت سے پائی ہو موروثی جائداد نہ ہوگی[۲۵] دروہ جائداد جو موروثی ہو (اور لہذا اس شخص کی اولاد کی حد تک شراکتی جائداد ہو) اس کے رشتہ داران طرفی کے لیے شراکتی جائداد نہیں ہے کیونکہ انھیں اس میں پیدائش سے حق نہیں ہوتا[۳۵] برخلاف ۳۵۶

۱۵ - ریاد رنلتمبی بنام مکند ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۵۵ - نندکمار لال بنام رضی الدین ۱۰ بنگال لارپورٹ صفحہ ۱۰۳ - ۱۸ سدرلینڈ صفحہ ۷۴ - جواہر بنام گیان ۳ آگرہ ہائیکورٹ صفحہ ۸۷ لوچھن بنام نمدھری ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۷۱ اپتم بنام اجگر الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۶۵۲ - جالی لیکچر صفحہ ۱۲۱ -

۲۵ - ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۶۱ - ویسٹ اور بہلر صفحہ ۱۰۷ (اشاعت چہارم صفحہ ۶۵۵ تا صفحہ ۶۵۶) ۱۰ بنگال لارپورٹ صفحہ ۱۹۲ میں اس کی تصدیق کی گئی - جمنا پرشاد بنام رام پرتاب ۲۹ الہ آباد صفحہ ۶۶۷ جس میں وتھینا تھ بنام یگیا ۲۷ مدراس صفحہ ۳۸۲ سے اختلاف کیا گیا - عالیہ عدالت الہ آباد نے یہ ظاہر فرمایا کہ کولبروک نے متاکشرا کے باب دفعہ ۷ اضمن ۲۴ کا یہ ترجمہ کہ آبائی یا موروثی جائداد میں ملکیت پیدائش سے ہے، غلط کیا ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ آبائی یا یکجدی جائداد میں نیز دیکھئے اترسنگھ بنام ٹھاکرسنگھ ۳۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۰۶ صفحہ ۲۱۱ صدر کورٹ ۲۵ کلکتہ صفحہ ۴۹۰ - جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ موروثی جائداد کسے کہتے ہیں - دیکھئے متاکشرا باب فصل ۱ فقرہ ۳۰، ۳، ۵، ۱، ۲، ۴، ۲۷، ۳۳ - باب فصل ۵ فقرہ ۲، ۳، ۵، ۹ تا ۱۱ گنگا پرشاد بنام اجودھیا پرشاد ۸ کلکتہ صفحہ ۱۳۱ صفحہ ۱۳۴ جسوداکنور بنام شیو پرشاد ۱۷ کلکتہ صفحہ ۳۰ - نانابھائی بنام جرت بائی ۱۲ بمبئی صفحہ ۱۳۳ - کروپاسے بنام سنکر نارائن ۲۷ مدراس صفحہ ۲۱۰ دیکھئے آگے فقرہ ۲۷۶ - گرومرتی بنام گرول ۳۲ مدراس صفحہ ۸۸ -

۳۵ - اجودھیا بنام کاشی گیر جلد ۴ شمالی مغربی ممالک صفحہ ۳۱ - گوپال سنگھ بنام بھیکن لال صدر دیوانی ۱۸۵۸ء صفحہ ۲۹ - گوپال دت بنام گوپال لال ایضاً صفحہ ۱۳۱۴ -

اس کے کسی جائداد کے غیر موروثی ہونے کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اس مورث کی مکسوبہ تھی جس سے وہ جائداد منتقل ہوتی رہی[1] جب وہ ایک مرتبہ وراثت میں آچکی تو ان لوگوں کی حد تک جن پر وہ منتقل ہوئی اس کی اصلیت غیر اہم ہے۔ البتہ ان کے لیے جن پر ہنوز وہ جائداد وراثۃً منتقل نہیں ہوئی ہے اس کی ابتدائی تاریخ اہمیت رکھتی ہے ایک باپ کے دو لڑکے الف اور ب تھے اور اس کے پاس مکسوبہ جائداد تھی۔ الف اپنے باپ کے عین حیات فوت ہوا اور اس کی ایک بیوہ تھی۔ اور باپ کے مرنے پر ب نے جائداد پائی۔ الف کی بیوہ نے اس جائداد سے نفقہ پانے کا دعوی کیا۔ یہ کہ وہ جائداد موروثی تھی عدالت نے اس کا اعتراف فرمایا کہ ب اور اس کے لڑکوں کے مابین ہر نزاع کے لیے وہ جائداد موروثی ہوگی۔ لیکن الف کے لیے وہ موروثی نہ تھی۔ باپ کی عین حیات وہ جائداد قطعی طور پر اس کے تصرف میں تھی۔ الف کے لیے نہ تو وہ جائداد موروثی تھی اور نہ شراکتی اور اس کی وفات پر اس کی بیوہ کو خود اس کے شوہر کے حقوق سے زیادہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ اس کے حقوق میں اس وجہ سے اضافہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اب ب کے قبضے میں آچکی تھی[2] موروثی جائداد سے پس انداز کی ہوئی چیزیں۔ یا موروثی جائداد کی بیع سے حاصل کی ہوئی جائداد کی نوعیت وہی ہوگی جو اس سرمایے کی تھی جس سے وہ جائدادیں حاصل ہوئیں[3] علیٰ ہذا اسی اصول سے اگر دریا کے کنارے کے گاؤں میں کچھ اضافہ ہو

---

[1] ۔ رام نارائن بنام پریم سنگھ ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۸۹ ۔ صدر کورٹ ۱۱ بنگال لارپورٹ صفحہ ۳۹۷ ۔ ۹ بمبئی صفحہ ۴۵۰ ۔

[2] ۔ جانکی بنام نند رام ۱۱ الہ آباد (اجلاس کامل) صفحہ ۱۹۴ صفحہ ۱۹۸ ۔

[3] ۔ شدانند بنام بونومالی ویکلی رپورٹر جلد ۶ صفحہ ۲۵۶ ۔ تصفیہ تجویز ثانی سدانند بنام سرجو مونی ۸ سدرلینڈ صفحہ ۴۵۵ صدر کورٹ ۱۱ سدرلینڈ صفحہ ۴۳۶ اس فیصلے کو پریوی کونسل نے بمقدمہ سرجو موتی بنام سدانند ۱۲ بنگال لارپورٹ صفحہ ۳۰۴ منسوخ تو کیا لیکن وجہ کچھ اور رکھی صدر کورٹ ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۷۰ ۔ ۲ صدر کورٹ ۸ مدراس جرنل صفحہ ۴۶۶ ۔ گھنشام بنام گوبند ۵ صدر دیوانی صفحہ ۲۰۲ صفحہ ۲۴۰ ۔ امرت ناتھ بنام گوری ناتھ ۱۳ مورس افعجات ہند صفحہ ۵۴۳ ۔ صدر کورٹ ۵ سدرلینڈ (پی ۔ سی) صفحہ ۱۰ کرستینا

'۵۷ (یعنے دریا برآورد سے) تو ایسا اضافہ موروثی جائداد ہوگا اگر خود یہ موروثی تھی[۱] جو جائداد کسی بیوہ کو نفقے کے لیے دی گئی ہو اس کے مرنے پر خاندان میں واپس آنے کے بعد بھی موروثی ہی رہے گی[۲] علی ہذا جب مشترک خاندان کے کسی رکن نے اپنا غیر منقسم حق قرض خواہ پر قرضے کی بے باقی میں منتقل کردیا ہو اور اس بے باقی میں وہ حق کلیتہً ختم نہ ہوتا ہو تو باقی ماندہ جو کچھ بھی ہو موروثی جائداد ہی رہے گا[۳]

**تقسیم شدہ جائداد**

ف ۲۷۶ - جب متعدد مالکان مشترک کے مابین موروثی جائداد کی تقسیم ہو چکی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اگر ان میں سے کسی کو تقسیم کے وقت اولاد موجود ہو تو جو حصہ اس کو ملے اس کے بچوں کی حد تک موروثی ہی رہے گا - کیونکہ اس حصے پر ان بچوں کے حقوق ملحق ہو چکے تھے اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ - بنام راماسوامی ۸ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۵ - جگموہن داس بنام منگلداس ۱۰ ابمبئی صفحہ ۵۲۹ - بمقدمہ گنگاپرشاد بنام اجودھیا پرشاد عالیہ عدالت بنگال نے اس امر کو ہنوز معرض بحث ہی میں تصور فرمایا کہ آیا لڑکے کی پیدائش سے قبل موروثی جائداد کے محاصل سے خریدی ہوئی جائداد موروثی جائداد تھی بہ ایں معنے کہ اس میں بعد کے پیداشدہ بچے کو حق حاصل ہو گیا تھا مسٹر جسٹس مترکی نہایت پرزور رائے یہ تھی کہ ایسی جائداد موروثی نہیں ہے - اس کو تسلیم کیا گیا کہ جو جائداد اس طرح بعد پیدائش خریدی گئی ہو اس کی صورت دوسری ہوگی جلد ۸ کلکتہ صفحہ ۱۳۱ - صدر کورٹ جلد ۹ کلکتہ لا رپورٹ صفحہ ۴۱ - مدراس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ موروثی جائداد کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائداد موروثی ہے جو کسی غیر شخص کو ایسے لڑکے کے حق کے منافی نہیں دی جا سکتی جو بر وقت عطیہ رحم مادر میں تھا جسٹس مترکی تجویز بالا کے اتباع سے عدالت نے انکار کیا - راما بنام وینکٹ ۱۱ مدراس صفحہ ۲۴۶ - ناقابل تقسیم زمینداری کی آمدنی سے جو کچھ کہ پس انداز کیا گیا ہو یا ایسی پس انداز رقم سے جو کچھ خریدا گیا ہو اس کے متعلق دیکھئے فقرہ ۲۸۶ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب منقولہ جائداد معرض انتقال میں آجائے اور وہ اراضی میں تبدیل ہو جائے تو ایسی منقولہ موروثی غیر منقولہ ہو جائے گی شام نارائن بنام رگھوبیر ۳ کلکتہ صفحہ ۵۰۸

[۱] رام پرشاد بنام رادھا پرشاد ۷ الہ آباد صفحہ ۴۰۲ -

[۲] - بینی پرشاد بنام پورم چند ۲۳ کلکتہ صفحہ ۲۶۲ -

[۳] - کرشنا سامی بنام راجہ گوپال ۱۸ مدراس صفحہ ۷۳ ۸۳ -

**جائداد جو مورث سے بذریعہ ہبہ حاصل کی گئی ہو۔**

تقسیم سے ان ارکان کے صرف حقوق منقطع ہو جاتے ہیں جنھوں نے تقسیم کرلی ہو۔ باپ اور اس کے بچے حالت اشتراک ہی میں بسر کرتے ہیں۔[1] جب تقسیم اولاد کی پیدائش سے قبل ہوئی ہو تب بھی اسی قاعدے کا اطلاق ہوگا۔ کلکتے کے ایک مقدمے میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ جب باپ نے متعدد دستاویزات عطا سے اپنی جائداد خود کے لڑکوں کے مابین تقسیم کردی تھی تو وہ حصہ جو ہر ایک نے پایا ہو اس کی اولاد کی حد تک موروثی جائداد تھا۔ یہ ظاہر نہیں ہے کہ آیا بروقت عطا اولاد موجود تھی۔ لیکن لڑکے نے یہ حجت کی کہ عطا کے سبب وہ اس کی مکسوبہ جائداد تھی۔ عدالت نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ ہندو اسناد کی کامل چھان بین کے بعد انھوں نے فرمایا۔ ''ہمارا یہ خیال ہے کہ حسب احکام متاکشرا اگر دادا نے اپنی حاصل کی ہوئی جائداد اپنے لڑکوں کے مابین تقسیم کردی ہو تو ایسی جائداد اس عطیے کے سبب اس کے لڑکوں کی ایسی مکسوبہ جائداد نہیں ہو جاتی کہ وہ اسے پوتوں کی رضامندی کے بغیر اور ان کے حقوق کے مغائر بذریعہ ہبہ یا بیع منتقل کرسکے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ جائداد باپ (یعنے مورث) کی جائداد کو نقصان پہنچانے کے بغیر حاصل کی گئی ہے کیونکہ وہ نہ صرف اس جائداد میں سے دی گئی ہے بلکہ اس جائداد کے غیر منقسمہ حصے کے عوض جس کے پانے کا یہ ظاہر باپ مجاز تھا لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ باپ نے محض اپنی عنایت سے دی تھی بلکہ دادا کی جائداد میں اپنے حق سے دست بردار ہونے کے عوض۔ چنانچہ وہ اس علحدہ حصۂ اراضی کو قبول کرکے دست بردار بھی ہوا تھا۔ ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ باپ نے اس ٹکڑے کو ان قیود کے تابع حاصل کیا جن کا وہ غیر منقسمہ حصہ تابع ہوتا جس کے ۴۵۸

لہ۔ لال بہادر بنام کنہیالال ۴۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۶۵ - صدر کورٹ ۱۲۹ الہ آباد صفحہ ۴۴۳ - لکشمی بائی بنام گنپت مورابو ۵ بمبئی عالیہ عدالت (ابتدائی نظائر) صفحہ ۱۲۹ چتر بھوج بنام دھرمسی ۹ بمبئی صفحہ ۳۰۴ - کلکتہ میں بھی یہی تصفیہ ہوا تھا۔ رپورٹ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا لڑکا تقسیم سے پہلے پیدا ہوا تھا یا بعد۔ لیکن میرے خیال میں بعد میں پیدا ہوا تھا اور موتی بنام چودھری ۲۴ کلکتہ صفحہ ۱۔

عوض وہ ٹکڑا دیا گیا تھا[1]۔ بظاہر یہ استدلال ایسی اولاد سے بھی متعلق ہوگا جو ہبہ کے وقت پیدا نہ ہوئی ہو۔ علی ہذا مدراس میں یہ قرار دیا گیا کہ خود کے باپ کی وصیت کے تحت حاصل کرنے کے سبب وہ حصہ جو باپ نے اس جائداد سے حاصل کیا ہو اس کا مکسوبہ نہیں ہوتا۔ عدالت نے فرمایا:۔ "اس بحث میں کہ چونکہ باپ نے بظاہر اپنے باپ کی وصیت کے تحت اسے قبول کیا اس لیے اس جائداد کی خصوصیت میں تبدیلی واقع ہوگئی ہمیں کوئی معقولیت معلوم نہیں ہوتی۔ اور استدلال ذیل کی معقولیت تو اور بھی کم معلوم ہوتی ہے کہ اس طریقے سے حاصل کرنے میں اس کی خاموشی کے سبب اس کو وسیع تر حق حاصل ہوتا ہے بہ نسبت اس حق کے جو اس کو وراثتہً حاصل ہوتا[2]" اسی اصول کا اتباع ایک ایسے مقدمے میں کیا گیا جس کا تعلق متاکشرا قانون سے تھا۔ باپ نے اپنی مکسوبہ جائداد خود کی بیوہ اور تین لڑکوں کے حق میں مشترکاً ہبہ بالوصیت کی۔ دو لڑکے علٰحدہ ہوگئے۔ تیسرے نے اپنی ماں کے ساتھ رہنا ترک نہیں کیا۔ اور ماں کے مرنے پر اس کا حصہ قاعدہ پسماندگی سے حاصل کیا۔ عدالت نے مذکورالصدر فیصلوں کی نظر ثانی کرنے کے بعد یہ قرار دیا کہ بیوہ کا وہ حصہ جو بیٹے کو ملا اس کے ہاتھوں میں موروثی جائداد

[1] مدن گوپال بنام رام بخش ۶ سدرلینڈ صفحہ ۷۱، صفحہ ۷۳۔ اس کا اتباع نانومی بابو اسن بنام مدن موہن ۱۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵ میں کیا گیا۔ بمقدمہ جابیر کنور بنام جوبھا ۱۶ سدرلینڈ صفحہ ۲۲۱ صدر عدالت ۸ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۴۰ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جسٹس جیاکسن نے برعکس رائے ظاہر فرمائی لیکن اس مقدمے میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ جائداد قطعاً موروثی نہیں تھی۔ "عطیہ بہ وجہ محبت" کے متعلق دیکھیے لکشمن بنام راچندر ۱ بمبئی صفحہ ۵۶۱۔

[2] تاراچند بنام ریب رام ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۵۰ صفحہ ۵۵ پرشوتم بنام جانکی ۲۹ الہ آباد صفحہ ۳۵۴ نانگالنگم بنام راچندر تیوار ۲۴ مدراس صفحہ ۴۲۹ اس مقدمے میں اس انتقال جائداد کو بمقابلہ اس لڑکے کے جو بعد میں پیدا ہوا تھا ناقابل نفاذ قرار دیا گیا جو عمل میں لایا تھا۔ جب کہ ولدالحرام لڑکے کو اس کی پرورش کے لیے کوئی جائداد ہبہ کی گئی ہو تو ایسی جائداد موروثی نہیں ہے کرشنا سوامی نائیڈو بنام سیتھا لکشمن ال ۱۸ مدراس لا جرنل صفحہ ۲۱۵۔

سمجھا جانا چاہئے کیونکہ ابتداءً وہ اس کی باپ کی جائداد کا جزو تھا[۱]۔ ہبہ کی حقیت کی
۲۵۹ نوعیت چاہیے جو کچھ بھی رہی ہو اس کا انتقال اس ذریعے کا تابع ہونا چاہئے جس سے
کہ وہ حقیت پیدا ہوئی تھی۔ جب باپ اپنی مکسوبہ جائداد اپنے بیٹے کے حق میں
ہبہ کرے تو بجز اس کے کہ الفاظ وصیت سے کوئی چیز اس کے خلاف ظاہر ہو قیاس
یہ ہوگا کہ بیٹا اس عطیے کو مثل موروثی جائداد کے پائے گا۔ ایک شخص نے خاندانی جائداد
کا ایک حصہ تقسیم پر حاصل کیا۔ یہ حصۂ جائداد پوری قیمت پر رہن تھا۔ من بعد اس نے
اپنے کمائے ہوئے پیسے سے فک رہن کرایا۔ قرار دیا گیا کہ یہ جائداد جو مواخذے سے
پاک ہوگئی تھی اس کے ہاتھوں میں موروثی تھی[۲]۔

تمام مقدمات کی دیکھ بھال کرنے کے بعد بمبئی میں یہ فیصلہ فرمایا گیا کہ اگر دادا نے
اپنی مکسوبہ جائداد بذریعۂ وصیت لڑکے کے حق میں ہبہ کی ہو اور الفاظ وصیت سے
اس نے اپنا یہ منشا ظاہر کیا ہو کہ موہوب لہٗ کی وہ جائداد قطعی ہو تو اگرچہ وصیت
کے وقت موہوب لہٗ کے لڑکے موجود رہے ہوں وہ جائداد ایسے لڑکے کو مثل موروثی
کے حاصل نہیں ہوتی یعنے وہ اپنے باپ پر اس جائداد کی تقسیم کے لیے نالش نہیں کرسکتے[۳]
[بمقدمۂ مسماۃ برج کنور بنام رائے بہادر پنڈت سنکتا پرشاد ۴۲ [۹۲۰] ۱۹۲۰ء لکھنؤ صفحہ ۴۰۰
یہ قرار دیا گیا کہ اگر وصیت کرنے والے کا صاف طور سے یہ منشا ظاہر نہ ہوا ہو کہ ایسی
جائداد قاعدۂ پسماندگی کے تابع رہے گی تو یہ قیاس قائم ہونا چاہئے کہ ایسی جائداد
مکسوبہ ہے۔ جوڈیشل کمیٹی نے مقدمۂ لال رام سنگھ بنام ڈپٹی کمشنر آف پرتاب گڑھ میں

---

[۱] ۔ نانا بھائی بنام اچرا بائی ۱۲ بمبئی صفحہ ۱۲۲ صفحہ ۱۳۳ ۔ بینی پرشاد بنام پرن چند ۲۳ کلکتہ ۲۶۲
[۲] ۔ وسالچی بنام انا سامی ۵ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۵۰ ۔ کرشنا سامی بنام راجہ گوپال ۱۸ مدراس
صفحہ ۷۳، صفحہ ۸۳ ۔ اس صورت کے لیے جب کہ رہن کا بیعنامہ ہوگیا ہو اور شریک خاندان اس کو اپنے پیسے
سے خرید لے دیکھئے بلونت سنگھ بنام رانی کشور ۲۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۴ ۔ ۲۰ الہ آباد صفحہ ۲۶۷ ۔
[۳] ۔ جگموہن داس بنام منگلداس ۱۰ بمبئی صفحہ ۵۲۸ ۔ پرشوتم راؤ بنام جانکی بائی ۲۹ الہ آباد
صفحہ ۳۵۴ اس کے متعلق جسٹس ہیمن کی رائے دیکھی جائے ۔ مقدمۂ احمد بھائی بنام سرڈنشا پٹیٹ
۱۱ بمبئی لا رپورٹ صفحہ ۵۱۴ صفحہ ۵۴۹ صفحہ ۵۹۹ ۔

اس مسئلے کو کھلا چھوڑ دیا۔ ۱۹۲۳ء ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶۵]۔

**مشترکاً حاصل کی ہوئی جائداد**

دفعہ ۲۷۷۔ ثانیاً یہ ہو سکتا ہے کہ جائداد مشترکہ ہو اگرچہ موروثی نہ رہی ہو۔ جب خاندان مشترکہ کے ارکان مشترکہ سرمایہ کی مدد سے یا خود ان کے مشترکہ عمل سے جائداد حاصل کریں تو ایسی جائداد ان اشخاص کی مشترکہ ہوگی جنھوں نے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کی ہو عام ازیں کہ وہ موروثی جائداد کا اضافہ ہو یا قطع نظر اس کے کہ وراثتہً حاصل کی ہوئی جائداد کے سرمایہ کے بغیر پیدا ہوئی ہو[1] اور اس سے کوئی فرق نہ ہوگا کہ طریقہ و شکل انتقال سے وہ اسامیاں مشترک ہوتی ہیں نہ کہ قابض مشترک[2] اس مسئلے کے متعلق ۳۶۰
کہ آیا اس طور پر مشترکاً جائداد حاصل کرنے والوں کی اولاد کو ایسی جائداد میں محض پیدائش کی وجہ سے حق حاصل ہوگا بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔ اگر شخص واحد نے خود کی محنت سے دولت حاصل کی ہو اور کسی قسم کی مدد موروثی جائداد سے حاصل کرنے کے بعد تو اس کی اولاد کو یقیناً اس طرح حاصل کی ہوئی جائداد میں کوئی حق نہ ہوگا۔ اگر متعدد بھائیوں نے اسی طرح کیا ہو تو جائداد کے وہ سب مالک ہوں گے اور اس جائداد کو خاندان مشترکہ کی جائداد سمجھا جائے گا بشرطیکہ اس کے خلاف منشا ظاہر نہ ہوا ہو۔ اور ایسی صورت میں ان کی اولاد ذکور کو لازماً اس جائداد میں پیدائش سے حق حاصل ہوگا کیونکہ متاکشرا نظام جائداد میں کوئی ایسی جائداد خاندان مشترکہ کی نہیں ہو سکتی جس میں مالکان مشترک کی

---

[1] ۔ منو باب ۹ فقرہ ۲۱۵ یاگنولکیا باب ۲ صفحہ ۱۲۰ متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۱۵۔ جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۳۸۶ یف ۰ ۔ میاکناتھن صفحہ ۳۵۱ صفحہ ۳۶۳ رام سیشیا بنام بھاگوت ۴ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۵ رام پرشاد بنام شیو چرن ۱۰ مورمرافعہ جات ہند صفحہ ۴۹۰۔ رادھا بائی بنام نانا راؤ ۳ بمبئی صفحہ ۱۵۱۔ بنگال میں اس قسم کا کوئی قیاس پیدا نہ ہوگا سراد بنام مہانند ۲۱ کلکتہ صفحہ ۸۴۴ دفعہ ۴۵ قانون انتقال جائداد (ایکٹ ۴ بابت ۱۸۸۲ء) کے تحت اشخاص جنھوں نے جائداد غیر منقولہ مشترکہ سرمایہ سے خریدی ہو تو بجز اس کے کہ معاہدہ اس کے خلاف ہو جائداد مذکور میں ان کا حصہ اسی مناسبت سے ہوگا جس مناسبت سے کہ ان کا حصہ اس سرمایہ میں ہے اور علی ہذا جب متعدد لوگوں نے اپنے علحدہ سرمایہ سے مشترکاً جائداد خریدی ہو۔

[2] ۔ پوکرمل ۲۲ کلکتہ صفحہ ۹۸۰۔

اولاد کو پیدائش سے حصہ نہ ملتا ہو۔ اگر اس منشا کی شہادت اطمینان بخش طور پر ہو سکے کہ وہ اس جائداد کو خاندان مشترکہ کی جائداد نہیں سمجھنا چاہتے تھے بلکہ صرف جائداد مشترکہ تصور کرنا چاہتے تھے (یعنے حاصل کنندوں کی خود کی حاصل کردہ مشترکہ جائداد) تو اس منشا کو نافذ کیا جائے گا۔ لیکن ہمیشہ قیاس یہ ہوگا کہ وہ جائداد خاندان مشترکہ کی ہے[1]

**یا جو مشترکہ سرمایے میں ملا دی گئی ہو**

**دفعہ ۲۶۸**۔ ثانیاً جو جائداد ابتداءً مکسوبہ ہو مشترکہ جائداد ہو سکتی ہے اگر اسے مالک نے اپنی رضا و رغبت سے مشترکہ سرمایے میں ملا دیا ہو بہ اس ارادے سے کہ اس پر اسے منفرداً کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ اس نظریے کو پریوی کونسل نے بارہا تسلیم کیا ہے۔ غالباً ذیل کا مقدمہ قوی ترین تھا۔ اس مقدمے میں صورت حال یہ تھی کہ مالک کو قانون تعلقداران اودھ بابت ۱۸۶۹ء کے تحت قانوناً حقیت حاصل ہو چکی تھی۔ قرار دیا گیا کہ اس نے عملاً اس جائداد کو موروثی جائداد کر دیا[2] یہ سوال کہ آیا اس نے ایسا کیا ہے یا نہیں کلیۃً واقعے کا

---

[1] سند رشم پیستری بنام نرسمو پیستری ۲۵ مدراس صفحہ ۱۴۹۔ اگوپال سامی چیٹی بنام اریلو چلم چیٹی ۲۷ مدراس صفحہ ۳۲ (صفحہ ۳۵) کردبے ناشیر بنام شنکر نارائن چیٹی ۲۷ مدراس صفحہ ۳۰۰۔ ابلامس کامل۔ منوسامی چیٹی بنام مروتھل ۴۲ مدراس صفحہ ۲۱۱۔ کرسنداس دھرمسی بنام گنگا بائی ۳۲ بمبئی صفحہ ۴۷۹۔ مقدمہ چتر بھوج بنام دھرمسی ۹ بمبئی صفحہ ۴۳۸ صفحہ ۴۴۵ کا ذکر اس کتاب کی سابقہ اشاعت میں کیا گیا ہے مقدمات مذکورۃ الصدر کے مد نظر اس رائے کو جو چتر بھوج میں ظاہر کی گئی ہے اب صحیح تصور نہیں کیا جا سکتا۔

[2] ہر پرشاد بنام شیو دیال ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۵۹ - ۲۶ سدرلینڈ صفحہ ۵۵۔ ٹھاکر بخش بنام ہردیو بخش ۱۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۷۱ - ۱۲ کلکتہ صفحہ ۳۹۷ (دیکھئے مساۃ ٹھکرین سکراج بنام گورنمنٹ ۴۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۲ اس مقدمے میں یہ قرار دیا گیا کہ تعلقدار نے دوسرے ارکان خاندان کے لیے امانۃً جائداد پائی تھا کہ ہردیو بخش بنام جواہر سنگھ ۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۷۸ - ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۶۱۔ ٹھاکر رام رانا نند بنام رگھو ناتھ کنور ۹ مرافعہ جات ہند ۴۱ - ۸ کلکتہ صفحہ ۷۶۹ - جعفر حسین بنام محمد عسکری ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲۹۔ لال بہادر بنام کنیا لال ۳۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۶۵ - ۲۹ الہ آباد صفحہ ۲۴۴۔ رام پرشاد بنام شیو چرن ۱۰ مور صفحہ ۵۰۶۔ شلیامل بنام قیامل ۶ مدراس جرنل پی۔ سی صفحہ ۱۰۸۔ اشام نرائن بنام کورٹ آف وارڈس ۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۹

سوال ہے۔ ایسے سوال کا تصفیہ مقدمے کے کل حالات کے مد نظر کیا جانا چاہیئے[ا] لیکن انفرادی ۳۶۱
حقوق سے دست بردار ہونے کا صاف اور صریح منشا ثابت کیا جانا چاہیئے۔ اس کا
استنباط ان افعال سے نہیں کیا جا سکتا جو محض محبت اور رعایت کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہوں[ٹ]

**ناقابل تقسیم جائداد مشترکہ ہو سکتی ہے**

**ف ۲۷۹** ۔ اس میں شک نہیں کہ مشترکہ جائداد کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تقسیم ہو سکتی ہے لیکن یہ فرض نہ کر لینا چاہیئے کہ مشترکہ جائداد اور قابل تقسیم جائداد دو ایسی اصطلاحات ہیں جو ایک دوسری کے لیے استعمال کی جا سکتی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ناقابل تقسیم زمینداری کبھی بھی مشترکہ جائداد نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صورت حال برعکس ہے (یعنے ناقابل تقسیم زمینداری لازماً مشترکہ ہوتی ہے) اس سے متمتع ہونے کا طریقہ کچھ ایسا ہے کہ اس کے متعلق دوسرے ارکان خاندان کے حقوق کم ہوتے ہوتے بہت ہی خفیف رہ جاتے ہیں۔ لیکن دو امور میں اس کی مشترکہ نوعیت اہم ہو جاتی ہے۔ اولاً سلسلۂ وراثت کے معاملے میں اور ثانیاً ہر قابض کے اختیارات انتقال کے متعلق۔ پہلے معاملے کے متعلق پریوی کونسل نے بارہا یہ قرار دیا ہے کہ زمینداری کا سلسلۂ وراثت اس پر منحصر ہوتا ہے کہ آیا "باوجود ناقابل تقسیم ہونے کے وہ زمینداری عام خاندانی جائداد کا جزو تھی" یا یہ کہ قابض جائداد کی علحدہ یا مکسوبہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ۵ا بمبئی صفحہ ۳۹ - ۱۰ کلکتہ صفحہ ۳۹۲ صفحہ ۹۳۰ صفحہ ۴۰۱ - مادھو راؤ منوہر بنام آتمارام ۱۵ بمبئی صفحہ ۵۱۹ - مقدمۂ تریمبنداس بنام بارک اسمتھ ۲۱ بمبئی صفحہ ۳۴۹ اسی قاعدے کا اطلاق اس جائداد پر کیا گیا جو اگرچہ مکسوبہ نہ تھی بلکہ نواسے پر مادری مورث سے وراثۃً منتقل ہوئی تھی۔ وہ شرکا نہیں ہوں گے بلکہ انھوں نے خود اسے مثل مشترکہ جائداد کے تصور کیا گوپال سامی بنام چناسامی ۷ مدراس صفحہ ۴۵۸ -

[ا] - لال بہادر بنام کنہیا لال ۳۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۶۵ - ۲۹ الہ آباد صفحہ ۲۴۴ سورج نارائن بنام رتن لال ۴۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۰۱ - ۴۰ الہ آباد صفحہ ۱۵۹ -

[ٹ] - لالہ مدن گوپال بنام کھکھند اکنور ۱۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۹ - ۱۸ کلکتہ صفحہ ۳۴۱ -

۳۶۲ تھی[۱] دوسرے مسئلے کے متعلق حال حال تک مدراس، کلکتہ اور الہ آباد کی عدالتوں نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ مثاکشرا قانون کے تحت ناقابل تقسیم زمینداری کے قابض پر اس کے انتقال کی حد تک وہی قیود عائد ہوں گے جو کسی دوسری موروثی جائداد کے متعلق عائد ہوتے ہیں۔ تاہم فیصلوں کے اس تسلسل میں پریوی کونسل کی ایک حالیہ تجویز کی وجہ سے مداخلت ہوئی ہے۔ اس مضمون پر من بعد اچھی طرح بحث کی جائے گی[۲]۔

**شرکائے خاندان علیحدہ طور پر جائداد پر قابض رہ سکتے ہیں۔**

**ف ۲۸۰**۔ جائداد خاندان مشترکہ کی چھان بین نامکمل ہوگی اگر یہ بتلایا جائے کہ کس قسم کی غیر مشترکہ جائداد پر ارکان انفرادی حیثیت سے قابض رہ سکتے ہیں۔ غیر مشترکہ جائداد یا تو خود کی مکسوبہ ہو سکتی ہے یا ایسی ہو سکتی ہے جو علیحدہ ہو۔ یا وہ ایسی جائداد ہو سکتی ہے جو دوسرے پر اس طرح منتقل ہوئی ہو کہ وہ اس پر آزادانہ طور پر قابض رہ سکتا ہے اور ایسی غیر منقسمہ خاندان کے دوسرے ارکان کو اس میں کسی قسم کا حق حاصل نہ ہو۔ قبل ازیں فقرات ۲۷۵ و ۲۷۶ میں ان تین صورتوں میں کی آخری صورت پر بحث کی جا چکی ہے۔ علیحدہ جائداد میں بہ لحاظ

---

[۱] کتانا شیر بنام راجہ شیو گنگا ۹ مور مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۳۹ صفحہ ۵۸۹ صفحہ ۶۱۰-۲ سدرلینڈ پی سی صفحہ ۱۳۔ بنو مالا بنام بچا ۱۳ مور مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۳۳ صفحہ ۳۳۶-۱۳ سدرلینڈ پی سی صفحہ ۱۲۔ چودھری چنتامن بنام نولکھو ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶۳-۲۴ سدرلینڈ صفحہ ۲۵۵۔ بنو مالا بنام رامندرا ۶ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۹۳ صفحہ ۱۰۳۔ پیریاسامی بنام پیریاسامی ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۶۱-۱ مدراس صفحہ ۳۱۲۔ رنگیا کما بنام بولی رامیا ۵ کلکتہ لا رپورٹ صفحہ ۴۳۹ پی۔ سی جگندر بھوپتی بنام نتیا نند ۱۷ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۸-۱۸ کلکتہ صفحہ ۱۵۱۔ تارا کماری بنام چتر بھنگ نارائن سنگھ ۲۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹۲-۲۴ کلکتہ صفحہ ۱۱۷۹۔ کالی کرشنا بنام رگھوناتھ ۳۱ کلکتہ صفحہ ۲۲۴۔ بیجناتھ پرشاد سنگھ بنام تیج بہادر سنگھ ۳۴ الہ آباد صفحہ ۲۲۸ عالیہ عدالت کلکتہ نے یہ اظہار کیا ہے کہ قانون نشان ۲۹ بابت ۱۸۱۴ء کے پیدا کی ہوئی گھاٹ والی زمینداریاں اگرچہ موروثی ہوتی ہیں لیکن ہر مالک کی جائداد بلاشمول احدے ہوتی ہے چترادھری سنگھ بنام کنجی بہاری ۲۲ کلکتہ صفحہ ۱۵۶۔

[۲] دیکھئے فقرہ ۳۳۸۔

معنے یہ چیز مضمر ہے کہ اس کا قابض ان اشخاص سے علحدہ ہو چکا ہے جن کے مقابلے میں وہ جائداد علحدہ ہے۔ لیکن عموماً ایک شخص ایک خاص قسم کے لوگوں سے علحدہ ہوتا ہے مثلاً خود اس کے بھائیوں سے اگرچہ دوسروں کے ساتھ اشتراک باقی رہتا ہے مثلاً خود کی اولاد کے ساتھ۔ مقدم الذکر صورت میں اس کی جائداد علحدہ ہوتی ہے۔ اور موخر الذکر صورت میں وہ مشترکہ رہتی ہے (فقرہ ۲۷۶) برخلاف اس کے ایک شخص حالت اشتراک میں رہ کر بھی خود کی محنت سے جائداد حاصل کر سکتا ہے اور جب وہ ایسا کرے تو تمام عالم کے مقابلے میں اس کا وہ فعل اثر پذیر ہوگا۔ میں نے قبل ازیں (فقرہ ۲۳۹ تا فقرہ ۲۴۱) اس شعبۂ قانون کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل کے فقرات سے یہ واضح ہو جائے گا کہ حالیہ فیصلوں نے اس پر کیا اثر ڈالا ہے۔

**خود کی مکسوبہ**

ف ۲۸۱۔ مکسوبہ جائداد کے کل نظریے کو مختصراً یاگنولکیا نے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:۔ "جو کچھ خود شریک خاندان نے باپ کی جائداد کو نقصان پہنچانے کے بغیر حاصل کیا ہو۔ یا دوست سے تحفۃً پایا ہو۔ یا بیاہ کے وقت اس کو دیا گیا ہو اس کو ورثائے مشترک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا[1] اور اگر کسی نے قابل توریث جائداد غاصب سے واپس لے لی ہو۔ یا اپنے علم و ہنر سے حاصل کی ہو تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ایسی جائداد شرکا کو دے[2]" اس تحریر کے متعلق سمرتی چندریکا یہ کہتا ہے کہ باپ کی جائداد سے مراد ہر غیر منقسمہ شریک کی جائداد ہے[3] اور متاکشرا نے یہ اضافہ کیا ہے کہ الفاظ "باپ کی جائداد کو نقصان پہنچانے کے بغیر" کو اس جملے کے ہر رکن سے متعلق کرنا چاہئے۔ ۳۶۳

[1] قرابتداروں اور دوستوں سے حاصل کیے ہوئے تحائف کے متعلق دیکھئے منو باب ۹ فقرہ ۲۰۶ نارد باب ۱۳ فقرہ ۶ فقرہ ۷۔ مدن گوپال بنام رام بخش ۶ سدرلینڈ صفحہ ۷۱۔ و نیز کتاب ہذا فقرہ ۲۷۶ متاکشرا باب ۱ فصل ۵ فقرہ ۹۔

[2] یاگنولکیا باب ۲ فقرہ ۱۱۸ فقرہ ۱۱۹۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۱۔ دیکھئے دیا بھاگ باب ۶ و ہوہارمیوکھ باب ۴ فصل ۷ فقرہ ۱ و ۱۴۔ رگھونندن باب ۵ فقرہ ۱ و ۲۱۔

[3] سمرتی چندریکا باب ۸ فقرہ ۲۸۔

بنا بریں جو کچھ دوست سے اس احسان کے عوض حاصل کیا گیا ہو جو احسان اس نے آبائی جائداد پر بار عائد کرکے کیا تھا جو کچھ کہ ایسی شادی کے وقت حاصل کیا گیا ہو جو اسور یا سائل قسم میں مکمل ہوئی ہو[۱] یا باپ کی اشیاء کو صرف کرکے قابل توریث جائداد کو واپس حاصل کی ہوئی چیز۔ یا موروثی دولت کی مدد سے علم حاصل کرکے جو کچھ حاصل کیا گیا ہو۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جن میں بھائیوں اور باپ کو حصہ پانا چاہیے[۲] مصنف متاکشرا نے یاگنولکیا کے الفاظ کو وسیع کر دیا ہے۔ چنانچہ مکسوبۂ ذاتی کی مصنف مذکور نے یوں تعریف کی ہے "وہ جو کچھ کہ خود شریک نے اپنے باپ یا ماں کی چیزوں کو نقصان پہنچانے کے بغیر حاصل کیا ہو" مکسوبۂ ذاتی ہے۔ اس لحاظ سے اگر کسی نے نانا سے وراثتہً کوئی جائداد حاصل کی ہو تو وہ اس کی مکسوبۂ ذاتی نہ ہوگی[۳] ہر صورت میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ "جائداد کو نقصان پہنچانے کے بغیر" منفعت حاصل کی گئی۔ ازمنۂ سابق میں مشترکہ ورثا کی خفیف سی خفیف مدد اور کسی قسم کی مشترکہ جائداد پر قابض رہنا ایسا نقصان سمجھا جاتا تھا کہ استمداد کا وجود بلا چون و چرا تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ عالیہ عدالت مدراس نے مکسوبۂ ذاتی کے خلاف ہمیشہ رجحان ظاہر کیا ہے۔ لیکن عالیہ نظائر کا یہ میلان ظاہر ہوتا ہے کہ اس قانون کے متعلق زیادہ سمجھ سے کام لینا چاہیے یعنے قانون کے اصلی مفہوم کی پیروی کرنا چاہیے نہ کہ الفاظ قانون کی۔

**علم و حکمت سے حاصل کی ہوئی چیزیں** ۳۱۴

**ف ۲۸۲** ۔ مثلاً علم اور بہادری یا سپاہگری سے حاصل کی ہوئی چیزیں مشترکہ جائداد قرار دی گئی ہیں بشرطیکہ خاندان مشترکہ کے صرفے سے علم حاصل کرایا گیا ہو۔ یا اگر سپاہی نے اپنے باپ کی تلوار استعمال کی ہو (فقرہ ۲۴۰) : زمنۂ

---

[۱] ۔ سنبو گو بند بنام منکا نرانس، صوبہ شمال مغربی صفحہ ۷۵

[۲] ۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۶۔

[۳] ۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۲ ۔ متاین چیٹی بنام سانگیلی ۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۷۔ ۳ مدراس صفحہ ۳۷۲ ۔ عالیہ عدالت مدراس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس طرح وراثتہً حاصل کی ہوئی جائداد باپ اور اس کے لڑکے کی مشترکہ ہوتی ہے پریوی کونسل نے اس نتیجے سے اتفاق کرنے میں انکار کیا ہے دیکھئے صفحہ ۲۷۵۔

سابق میں بھی دو مکسوبات ذاتی سمجھے جاتے تھے۔ ایک مقدمے میں قانون کے اس مسئلے کی مکمل جانچ کی گئی۔ ایک رقاصہ لڑکی کی متبنے گیرندہ ماں نے اس لڑکی کی جائداد کا اس بیان کے ساتھ ادعا کیا کہ گو لڑکی نے وہ جائداد حاصل کی تھی لیکن اس کو وہ ہنر ماں کے صرفے سے سکھلایا گیا تھا۔ عالیہ عدالت مدراس نے سول جج کے ایک بسیط فیصلے کو منسوخ فرما کر یہ فیصلہ کیا کہ اگر ان منفعتوں کو علم و ہنر کی منفعتیں سمجھا جائے تو وہ حاصل کرنے والی اور اس کی ماں کی مشترکہ جائداد ہوگی[1] اگر جو جائداد کہ اس نے حاصل کی تھی وہ محض نخش کاری کا نتیجہ تھی تو یقیناً صورت حال دگرگوں ہوتی[2]۔ ایک مقدمے میں ایک وکیل کی آمدنی قابل تقسیم قرار دی گئی۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ اس کو خاندان کے صرفے سے تعلیم دی گئی تھی اور یہ کہ اس نے اس تعلیم کی وجہ سے منفعت حاصل کی۔ اگرچہ یہ ثابت ہوا کہ اس نے اپنے باپ سے عام تعلیم سے زیادہ حاصل نہیں کیا۔ جسٹس بالو سے نے رقاصہ کے مقدمے کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔ ”میں کلیتہً عالیہ عدالت کے فیصلے کی پیروی کرتا ہوں جس کے لیے میں خود ذمہ دار ہوں۔ اور بالخصوص اس بیان سے متفق ہوں کہ ایسے شخص کی معمولی علم و حکمت کی منفعتیں جس کی پرورش خاندان کے پیسے سے ہوئی ہو یقیناً قابل تقسیم ہیں“[3] ایک وکیل کے دوسرے مقدمے میں بمبئی کے چیف جسٹس نے مقدمات مذکورہ بالصدر کے فیصلوں کو عام الفاظ میں اختیار فرمایا۔ تاہم وہاں یہ مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ یہ ثابت ہوا کہ اس نے لین دین کے کاروبار اور پیشہ وکالت کو ملا دیا تھا اور یہ کہ خاندان مشترکہ کی جائداد تھی جس سے اس نے استفادہ کیا“[4]

---

[1] ۔ جھالاکنڈا بنام رتناچلم ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۶۵ دیکھو جلد ۵ ڈبلیو سیاکنااٹم صفحہ ۱۶۷۔

[2] ۔ وولاکم بنام سورتم ۴ مدراس صفحہ ۳۳۰۔

[3] ۔ گنگا وهر داد وبنام نرسما ۷ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۷۔

[4] ۔ بائی منجا بنام نروتم داس ۶ بمبئی ہائیکورٹ (نظائر مرافعہ) صفحہ ۱ صفحہ ۲۔

**خاندان میں تعلیم پانے کا نتیجہ**

۲۸۳ دفعہ ۔ تاہم یہ سمجھنا دشوار ہے کہ کیوں اس شخص کی حالت
اور حیثیت بدتر ہونی چاہیے جس نے خاندان کے صرفے سے
پرورش اور تعلیم پانے کے بعد اپنے علم و ہنر سے کچھ حاصل کیا ہو
بہ نسبت اس کے جس نے اس طرح تعلیم و پرورش پا کر من بعد اپنی ذات سے کچھ
حاصل کیا ہو۔ جمتو وہان یہ قاعدہ قرار دیتے ہیں کہ جب اس بنا پر ذاتی مکسوبات
کو مشترکہ جائداد میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ مشترکہ جائداد کی مدد سے
حاصل کی گئی تھی یہ ثابت کیا جانا چاہیئے کہ مشترکہ سرمایہ منفعت حاصل کرنے کی غرض
۳۶۵ سے صراحتہً استعمال کیا گیا تھا"[1] محض اس وجہ سے کہ جائداد خورونوش یا دوسری
ضروریات کے لیے استعمال کی گئی ہوگی وہ مشترکہ نہیں ہوتی کیونکہ خورونوش یا
دوسری ضروریات کے لیے استعمال کرنا ایسا ہے جیسا کہ ماں کا دودھ پینا یہ بہت ہی
سمجھ کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہندو خاندان کا رکن مشترکہ صرفے سے انگلستان بار
یا سیول سروس کی تعلیم پانے کے لیے بھیجا جائے تو یہ بات نہایت ہی مناسب
معلوم ہوتی ہے کہ اس کی المضاعف منفعتیں مشترکہ سرمایے میں شامل ہو جائیں
تاکہ غیر معمولی اصراف کا معاوضہ ہو سکے۔ غیر معمولی صرف کرتے وقت اس کی یابجائی
ممکن ہے کہ ملحوظ خاطر رہی ہو اور ایسا فرض کرنا بعید از قیاس نہیں ہے لیکن جب
کل کے کل ایک ہی طرح زندگی شروع کریں اور اس میں سوائے معمولی پرورش
اور تعلیم و تربیت کے جو اس قسم کی زندگی کے اشخاص کے لیے عام ہو کچھ اور نہ ہو
تو صورت دوسری ہوگی۔ اسی وجہ سے مدراس کے ایک مقدمے میں جب کہ
ایک ہندو نے تجارت سے ایک بڑی دولت حاصل کی تھی اور اس کا یہ ادعا تھا
کہ یہ دولت خود اس کی ہے تو اس کا ادعا تسلیم کیا گیا اگرچہ ابتدائی عمر میں اس کی
پرورش تعلیم اور شادی موروثی ذرائع سے ہوئی تھی[2]۔ علی ہذا بنگال کے مقدمے

---

ف۱۔ ویابھاگ باب ۲ فصل ۱ فقرہ ۴۴ و ۵۰۔ جلد ۱ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۲۱۴۔ جلد ۲ صفحہ ۳۴۷۔
ف۲۔ جلد ۱ بار روبل بنام ویرا باردل ۴ مدراس جرنل صفحہ ۵۴۔ بعینہٖ مرافعہ اس فیصلے کو بحال رکھا گیا ایضاً ۲۴۰۔

میں بھی جب کہ مکسوبۂ ذاتی کا ادعا کیا گیا اور مدعی علیہ کی پرورش خاندان کے صرفے سے ہوئی تھی۔ لیکن یہ ثابت کیا گیا تھا کہ جائداد کے حاصل کرنے میں اس نے خاندان مشترکہ کے سرمایے کو مطلقاً استعمال نہیں کیا۔ بہ ظاہر اس نے وہ منفعت ایسے کام سے حاصل کی تھی جو بہت ہی نفع آور تھا بنا برآں یہ قرار دیا گیا کہ اس کا ادعا بالکل ثابت ہے۔ جسٹس سٹر نے فرمایا:۔ ”عدالت تحت میں مدعی کا یہ دعویٰ تھا کہ مدعی علیہ کو مشترکہ جائداد سے تعلیم دی گئی اور اسی وجہ سے مدعی ہر اس جائداد میں حصہ پانے کا مستحق ہے جو مدعی علیہ نے اس تعلیم کی مدد سے حاصل کی ہو۔ لیکن اس قسم کے استدلال کی ہندو قانون میں کہیں بھی اجازت نہیں ہے اور بہ نظر انصاف میں اس کی سفارش کرنے کی کوئی وجہ نہیں پاتا“[ل] اس دعوے کو بصیغۂ مرافعہ پریوی کونسل نے پسند فرمایا۔ مرافعے میں یہ بحث کی گئی کہ وہ جائداد جو ایک کامیاب تاجر نے حاصل کی ہو مشترکہ جائداد ہے کیونکہ اس کی تعلیم و تربیت مشترکہ سرمایے سے ہوئی تھی۔ اس واقعے سے انکار ہونے پر کمیٹی نے یہ تجویز فرمائی کہ ”چونکہ حکام عالیمقام کا یہ نظریہ ہے لہذا اس پر غور کرنا ضروری نہیں ۶۶
ہے کہ آیا مرافعے کا پیش کردہ عجیب و غریب مسئلۂ قانون جس کا صاف الفاظ میں یہ مطلب ہے۔ کہ اگر خاندان مشترکہ کے کسی رکن نے خفیف سی خفیف بھی تعلیم مشترکہ سرمایے سے حاصل کی ہو تو وہ ہمیشہ کے لیے اپنے ہنر اور اپنی محنت سے ذاتی جائداد علٰحدہ طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔ قابل سماعت ہے یا نہیں۔ ایسے مسئلے کی تائید کے لیے نہایت قوی اور صاف سند کی ضرورت ہے۔ حکام ممدوح نے اپنے فیصلے کے جو وجوہ دیے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کتابوں اور اسناد کی نظر ثانی ضروری نہیں سمجھتے جو اس مضمون کی تائید میں پیش کی گئی تھیں۔ یہ کہنا کافی ہے کہ حکام عالیمقام کی رائے کے مطابق جو احکام اس مسئلے کی تائید میں پیش کیے گئے ہیں ان میں کا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے مسئلۂ زیر بحث کی پوری پوری تائید ہوتی ہو“ اس کے بعد انھوں نے بنگال کے مقدمے کا حوالہ تائیداً دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ

ل۔ دھنکدری بنام گنپت ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۰۱ نوٹ۔ صدر کورٹ ۱۰ صدر لینڈ صفحہ ۱۲۲۔

اس مقدمے میں بہ نسبت مدراس اور بمبئی کے مقدمے کے وسیع طریقے سے قانون بیان نہیں کیا گیا۔ فیصلے کا اختتام حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا: "ممکن ہے کہ اس کے بعد سے اس بورڈ (Board) کو اس کی ضرورت لاحق ہو کہ وہ سوال ذیل پر غور کرے۔ کیا عدالتہائے بنگال کے اس مضمون پر محدود تر اور محفوظ تر اظہار قانون زیادہ صحیح ہے یا نہیں۔ زیادہ صحیح بہ نسبت اس کے جو عدالتہائے مدراس کا نظریہ معلوم ہوتا ہے"[1]

**یہ ضروری ہے کہ علم و حکمت بطور خاص خاندان کے صرفے سے سکھائی گئی ہو**

**ف ۲۴۴** ۔ اس کے قبل کے فقرے میں جسٹس منٹر کی جس عدالتی رائے کا اقتباس کیا گیا اس کے متعلق بمبئی ہائیکورٹ نے بعد کے ایک مقدمے میں یہ قرار دیا کہ وہ فی الحقیقت جیسی صحیح ہونا چاہئے نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود فاضل ججوں نے یہ قرار دیا کہ جب کبھی ہندو کتابیں "علم و حکمت کے ذریعے حاصل کی ہوئی جائداد جو خاندان کے صرفے سے سکھایا گیا ہو" کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا منشا "اس خاص شعبۂ علم کا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دولت حاصل کی گئی ہو۔ نہ کہ وہ ابتدائی تعلیم و تربیت جو کل علوم کی تحصیل کا ضروری زینہ ہوتا ہے"۔ اسی باعث حکام مذکور الصدر نے یہ قرار دیا کہ سب جج نے جو جائداد حاصل کی ہے وہ اس کی مکسوبۂ ذاتی ہے اور نا قابل تقسیم۔ اس سب جج کی ابتدائی تعلیم خاندان کے صرفے سے ہوئی تھی لیکن ایک وکیل کے دفتر اور صدر عدالت میں قانون کا وہ علم اسے حاصل ہوا تھا جس کے باعث وہ جج کی خدمت کا اہل ہو سکا[2]۔ بمقدمہ ۳۶۷
میتھارام رام راکھی بنام ریوچند رام راکھی مل[3] پریوی کونسل نے حال میں اس مضمون پر نظر ثانی فرمائی۔ اس مقدمے کے واقعات حسب ذیل تھے۔ ایک شخص مسمی شیو رام کو خاندان مشترک کے صرفے سے تعلیم دی گئی۔ یہ شخص اس خاندان کا

---

[1] ۔ پالیم والو بنام پالیم سوریا ۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹۰۔ ۱ مدراس صفحہ ۲۵۲۔

[2] ۔ لکشمن بنام جمنا بائی ۶ بمبئی صفحہ ۲۲۵ صفحہ ۲۴۴ بمقدمہ کشاجی مہادیو بنام موروجہادیو ۵ بمبئی صفحہ ۲۳ اس کی پیروی کی گئی۔ لکشمن کنور بنام دیبی پرشاد ۲۰ الہ آباد صفحہ ۴۳۵۔

[3] ۔ ۴۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۱۔

رکن تھا اور کراچی کے سرکاری مدرسۂ فوقانیہ میں اس کی تعلیم شروع ہوئی۔ اس مدرسے میں اس نے اتنی تعلیم پائی کہ انگریزی میں بات چیت کرنے کے قابل ہوا اور انگریزی لکھنا بھی اس کو آگیا۔ ۱۸۷۵ء میں جب کہ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی وہ ایک وکیل کا محرر بن گیا۔ اور ۱۸۷۸ء سے ۱۸۹۹ء تک جب کہ وہ فوت ہوا اس سے یورپین تجارتی کوٹھیوں نے بہ حیثیت دلال کے کام لیا۔ وہ خانگی طور پر قرض کے لین دین کا کاروبار بھی کیا کرتا تھا۔ کہا یہ گیا کہ اس نے اس کام کا آغاز اس سرمایے سے کیا جو اس نے وکیل کے محرر کی حیثیت سے کما کر بچا رکھا تھا۔ اس نے ڈھائی لاکھ کی دولت چھوڑی۔ ادعا یہ کیا گیا کہ چونکہ اس کی تعلیم خاندان مشترکہ کے سرمایے سے ہوئی تھی اس لیے رقم مذکورالصدر خاندان مشترکہ کی جائداد ہے۔ حکام عالی مقام نے یہ قرار دیا کہ اس دولت کو اس تعلیم کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیے جو اس کو خاندان کے صرفے سے دی گئی تھی بلکہ وہ اس کے خاص ہنر اور ذہنی قابلیت کا نتیجہ تھی اور یہ کہ خود شیو رام نے اپنی انفرادی کوشش سے اس ابتدائی تعلیم و تربیت کو ترقی دی۔ انھوں نے یہ قرار دیا کہ متاکشرا میں جو لفظ ہے اس کا ترجمہ کولبروک نے سائنس کیا ہے فی الحقیقت اس کا صحیح ترجمہ علم ہے۔ اور یہ کہ اس کا صحیح مفہوم اور معنے خاص قسم کی تعلیم و تربیت ہے نہ کہ وہ لفظ اس ابتدائی عام تعلیم پر حاوی ہے جو تعلیم پانے والے کی حیثیت کے لیے موزوں اور مناسب ہو۔ اس قسم کی تعلیم خاندان مشترکہ کے صرفے سے پانے کا وہ ہر وقت مستحق و مجاز ہے۔ لیکن اور بھی بعد کے اعلان میں پریوی کونسل نے حسب ذیل قاعدۂ قدیم کو مجبوراً مکرر بیان فرمایا کہ خاندان مشترکہ کے ارکان کے جملہ مکسوبات بادی النظر میں قابل تقسیم ہیں اور یہ کہ بار ثبوت ان پر ہوگا جو اس کے خلاف ادعا کریں۔ سائنس کی منفعتیں اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں لیکن صرف اس وقت جب کہ مثبت طور پر یہ بتلایا جائے کہ وہ تعلیم جو ان منفعتوں کا باعث ہوئی تھی خاندانی جائداد کو نقصان پہنچانے کے بغیر حاصل کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے جب کہ ایک غیر منقسم خاندان کا رکن انگلستان کو مشترکہ سرمایے سے تعلیم پانے کے لیے روانہ کیا گیا تھا اور وہ اس طرح تعلیم پانے کے بعد سِول سروس میں داخل ہوا تو یہ قرار دیا گیا کہ اس کی تنخواہ مشترکہ خاندان ٣٦٨

کی جائداد تھی[1] [ہندو گینس آف لرنگ ایکٹ ۱۹۳۰ء سے قبل دو قاعدے مسلمہ تھے (الف) خاندان مشترکہ کے رکن کی کسی پیشے سے جس کے لیے خاص قسم کی تربیت ضروری ہو کمائی ہوئی آمدنی خاندان مشترکہ کی جائداد ہو گی اگر یہ تعلیم و تربیت جائداد خاندان مشترکہ کے صرفے سے دی گئی ہو۔ اور (ب) یہ کہ ذاتی محنت اور مشترکہ سرمایے کی مدد کے بغیر حاصل کی ہوئی جائداد ایسے رکن کی مکسوبہ ذاتی ہو گی اگرچہ اس کی پرورش خاندان کے پیسے سے ہوئی ہو اور عام ابتدائی تعلیم سے زیادہ خاندان کے صرفے سے اس نے حاصل نہ کیا ہو۔ قانون مذکور الصدر نے اب یہ قاعدہ بنایا ہے کہ باوجود کسی رواج یا ہندو قانون کے کسی اور قاعدے کے علم سے حاصل کی ہوئی چیزیں اس رکن کی جائداد ہو گی۔ اگرچہ اس کی تعلیم جزءً یا کلاً خاندان کے صرفے سے ہوئی ہو اور باوجود اس کے کہ وہ یا اس کی آل اولاد کی پرورش تعلیم کے زمانے میں مشترکہ سرمایے سے ہوئی ہو۔ علم کی تعریف قانون مذکور میں کی گئی ہے۔ اور علم کی منفعت کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ قانون ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو نافذ ہوا۔ تمام منفعتیں جو علم سے حاصل ہوں اس قانون کے لحاظ سے حاصل کنندہ کی مکسوبہ ذاتی ہیں]۔

(The brackeled partıon is Translators)

**مشترکہ رقوم پر قبضہ قطعی نہیں ہے**

**ف ۲۸۵** مشترکہ سرمائے کا وجود مسلمہ ہونے سے بطور خود جائداد کے حاصل کرنے والے پر اس کے ثابت کرنے کا بار عائد ہوتا ہے کہ مشترکہ سرمایے سے اس کی دولت کو کوئی سروکار نہیں رہا[2] لیکن یہ واقعہ کہ مشترکہ سرمایہ تھا بذات خود قطعی نہیں ہے۔ بنگال کے سپریم کورٹ میں ایک مقدمہ پیش تھا جس میں جسٹس گرانٹ

---

[1] امرناتھ اور ربوبل چند بنام حکم چند ناتھو کی کوٹھی ۴۰ مدراس لا جرنل صفحہ ۳۲۷۔

[2] شب پرشاد بنام گنا موتی ۱۲ سدر لینڈ صفحہ ۲۹۱ پران کرسٹو بنام بھگرتی ۲ سدر لینڈ صفحہ ۱۵۸۔ سبیا بنام شریا ۱۰ مدراس صفحہ ۲۵۱۔

نے فرمایا:۔ ''جب وراثتہً منتقل شدہ جائداد بعد کی حاصل شدہ جائداد کی بنیاد نہ سمجھی جا سکتی ہو تو بعد کی دولت ظاہر ہے کہ مکسوبہ سمجھی جانی چاہئے۔ مثلاً ایک آبائی جھونپڑی جو رقم کی صورت میں نہ بدلی گئی ہو اور نہ بدلی جا سکتی ہو اور جس میں دولت کا حاصل کنندہ مثل دیگر ارکان کے رہ کر نہایت ہی خفیف طریقے سے مستفید ہوا ہو جب کہ وہ اپنی محنت سے روپیہ پیدا کر رہا تھا۔ علیٰ ہذا دوسری چیزیں بھی جو اسی قسم کی ہوں اور ناقابل لحاظ بھی''[1] اس میں شک نہیں کہ تجویز اس کے برعکس ہو گی اگر یہ معلوم ہو کہ جائداد مشترکہ کی آمدنی معتدبہ تھی اور اس کا امکان تھا کہ خاندان کے ضروری اخراجات کی تکمیل کے بعد بھی روپیہ پس انداز ہو سکتا تھا اور یہ کہ جدید جائدادیں اسی سے حاصل کی گئی ہوں گی[2] اور مشترکہ جائداد کی کفالت پر روپیہ حاصل کرکے اگر کوئی چیز خریدی گئی ہو تو وہ چیزیں خاندان مشترکہ کی ہوں گی جس کے ارکان اس قرضے کے مشترکہ ذمہ دار ہوں گے[3] لیکن اگر کلیتہً قرض لینے والے کی ساکھ پر قرضہ لیا گیا ہو یا اگر قرضہ مشترکہ سرمایے کے بھروسے پر ایک خاص معاہدے کے تحت کہ لینے والا ہی اس کا کلیتہً ذمہ دار ہوگا (اور صرف اس کے فائدے کے لیے) تو صورت حال دوسری ہو گی[4]

۴۹۹ **سرکاری عطیے** **ف ۲۸۶** وہ جائدادیں جو گورنمنٹ نے بہ حیثیت اقتدار اعلیٰ عطا کی ہوں معطی لہ کی مکسوبہ ذاتی جائدادیں ہو جاتی ہیں۔ عام ازیں کہ یہ عطیے بطور جدید عطا کیے گئے ہوں۔ یا خاندان کے کسی ایک رکن کو صرف

---

[1] گوروچرن بنام گونک منی۔ نلٹن صفحہ ۱۶۵ صفحہ ۱۸ اسیناچی بنام چتمبر فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۳ء صفحہ ۶۳ جادو مونی بنام گنگادھر جلد ۱ بولنائے صفحہ ۶۰۰۔ احمد بھائی بنام قاسم بھائی ۱۳ بمبئی صفحہ ۵۴۴۔ جلد ۱۰ امور مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۰۵۔

[2] سدانند بنام سرجو مونی ۱۱ سدرلینڈ صفحہ ۴۳۶۔ تو تمپدی وینکٹ رتنم بنام شیشما ۲۷ مدراس صفحہ ۲۳۴۔

[3] شیو پرشاد بنام کلندر جلد ۱ صدر دیوانی صفحہ ۶ صفحہ ۱۰۱۔

[4] رائے نرسنگھ بنام رائے نارائن ۳ بین۔ ڈبلیو۔ پی صفحہ ۲۱۸۔

وہ جائداد واپس کی گئی ہو جس پر سابق میں کوئی دوسرا قابض تھا اور وہ جائداد ضبطی میں آئی تھی[1] اگر الفاظ عطا سے اس کے خلاف منشا ظاہر ہوتا ہو[2] یا اگر معطی لہ اور دوسرے ارکان خاندان کے عمل سے یہ ظاہر ہو کہ وہ اسے خاندان مشترکہ کی جائداد تصور کر رہے تھے تو صورت دوسری ہوگی[3] لیکن اگر ایک رکن خاندان نے دوسرے کو جو موروثی زمینداری پر قابض ہو بجبر بے دخل کر دیا ہو (اور ضبطی قانونی نہ ہو اور نہ شخص مقتدر نے جو قانونی حقیت عطا کرنے کا مجاز ہو جدید عطا کا عمل کیا ہو) تو قابض جدید کا قبضہ حقیت سابق کا سلسلہ سمجھا جائے گا نہ کہ مکسوبہ ذاتی[4] اور مقدمۂ ذیل میں جب کہ گورنمنٹ نے سابقہ ضبطی کو من بعد منسوخ فرمایا تھا اور کسی شخص ثالث کے حق میں جدید عطا کا عمل نہیں کیا گیا تھا تو قرار دیا گیا کہ سابقہ حقیت خود بخود واپس ہو گئی اور اس سے وہ کل اشخاص مستفید ہو سکتے ہیں جو اس عطا کے

[1] - کتانا چیر بنام راجہ شیو گنگا ۹ مور صفحہ ۶۰۲ - صدر کورٹ ۲ سدر لینڈ (پی - سی) صفحہ ۳۱ - بیر پرتاب بنام مہاراجہ راجندر ۱۲ مور صفحہ ۱ (مقدمۂ ہتھسا پور) ۲ سدر لینڈ صفحہ ۱۴۲ - وینکٹ راینگ (؟) بنام وینکٹ رامیاہ ۱ مدراس صفحہ ۲۸۴ (فقرہ ۴۰۵ کتاب ہذا) ۱۸۵۷ء کی ضبطی اور قانون نشان نمبر ۱ (اودھ اسٹیٹ ایکٹ) کے تحت جو جاگیریں اودھ میں دی گئی ہیں ان کے متعلق دیکھئے ٹھاکورین سکراج بنام سرکار ۴ مور صفحہ ۱۱۲ - ہر پرشاد بنام شیو دیال ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۵۹ - ۲۶ سدر لینڈ صفحہ ۵۵ - ہر دیو بخش بنام جواہر ۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۷۸ - ۶ ایضاً صفحہ ۱۶۱ - ہیمچندر بنام جانکی کنور ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱ - ٹھاکر شیری بنام ٹھاکورین ۳ کلکتہ صفحہ ۶۴۵ - گوری شنکر بنام مہاراجہ بلرام پور ۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱ - ۴ کلکتہ صفحہ ۳۸۹ - ملکہ جہاں بنام ڈپٹی کمشنر لکھنؤ ایضاً صفحہ ۶۳ - مرزا جہاں بنام نواب افسر بہو ایضاً صفحہ ۶۷ - ۴ کلکتہ صفحہ ۲۷۰ - بسیٹھ جے دیال بنام بھگت سیتا رام ۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۱۵ - راما نند بنام رگھوناتھ ۹ ایضاً صفحہ ۴۱ - ۸ کلکتہ صفحہ ۷۶۹ - پیرتی پال بنام جواہر سنگھ ۱۴ ایضاً صفحہ ۳۷ - جاگیر کی عطا کے متعلق قیاس یہ ہے کہ وہ صرف تعین حیاتی ہوتی ہے گلاب داس بنام کلکٹر سورت ۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۵۴ - ۳ بمبئی ۱۸۶۔

[2] - ہنت گوبندراؤ بنام سیتا رام ۲۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹۵ - ۲۱ الہ آباد صفحہ ۵۳ -

[3] - کدرناتی بنام رتن سنگھ ۳۲ الہ آباد صفحہ ۵۱۴ - نجیاتہ برین سنگھ بنام تیج پال سنگھ ۳۰ الہ آباد صفحہ ۵۹۰ -

[4] - یانو مولا بنام نجیا ۱۴ مور صفحہ ۳۳۳ - ۱۳ سدر لینڈ صفحہ ۲۱ -

تحت دعویدار ہوں[1] علی ہذا وہ عطیہ جو گورنمنٹ نے قابض جائداد کے حق میں کیا ہو
مگر جس کا اثر صرف یہ ہو کہ اسٹیٹ کے مطالبۂ مالگذاری کا تعین ہو جائے نیز جس کا یہ
عمل ہو کہ تاج کا حق عود ختم ہو جائے قدیم جائداد کا محض تسلسل سمجھا جائے گا[2]

**ناقابل تقسیم جائداد سے پس انداز کی ہوئی جائداد**

یہ امر معرض بحث میں تھا کہ آیا قانون مشترکہ کے تحت ناقابل تقسیم جائداد کے قابض کی پس انداز کی ہوئی چیزیں اس کی خود اپنی ہیں یا نہیں۔ اب اس مسئلے کا قطعی طور پر فیصلہ ہو چکا ہے۔
اس وقت بھی جب کہ یہ خیال رائج تھا کہ ناقابل تقسیم زمینداری
اس معنے میں مشترکہ جائداد ہو سکتی ہے کہ کل خاندان کو عود میں مشترکہ اور محصلہ حق
حاصل ہوتا ہے (فقرہ ۔ ۲۷۹) اس کی سالانہ آمدنی اور اس آمدنی سے پس انداز ۲۸۰
کی ہوئی چیزیں اس وقت کے زمیندار کی قطعی جائداد ہیں۔ ان میں کوئی شامل
نہیں ہو سکتا۔ رشتہ داروں میں سے کوئی بھی حساب فہمی کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ
بتلایا جائے کہ کس طریقے سے آمدنی خرچ کی گئی۔ نہ یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ سالانہ
کس قدر منافع ہوتا ہے۔ وہ آمدنی سے جس قدر رقم چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ اگر
وہ کل آمدنی صرف کر دے تو وہ اتلاف نہ ہوگا اور جو کچھ وہ جمع کرتے اس کے
حین حیات اس پر پورے تصرفات حاصل ہوتے ہیں[3] ایسے جمع شدہ چیزوں میں
لہذا نہ تو شراکت ہو سکتی ہے اور نہ حق عود[4] بے شک زمیندار کو اختیار ہے کہ
اپنی حاصل کردہ چیزوں کو زمین میں شامل کر دے۔ ایسی صورت میں
اس جائداد کی وراثت زمینداری کی تابع ہوگی ورنہ معمولی ہندو قانون وراثت

---

[1] ۔ مرزا جہاں بنام بادشاہ بہادر ۲ امرافعہ جات ہند صفحہ ۲۴۱ - ۱۲ کلکتہ صفحہ ۱۔
[2] ۔ نارائنا بنام چنگا لما ۱۰ ام صفحہ ۱ اکنایین بنام کلشی آیر ۲۶ م صفحہ ۳۰۹۔
[3] ۔ مہاراجہ لنگرو بنام راجہ راؤ پنتلو ۵ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۱ صفحہ ۴۱ لچھمن راؤ بنام
ترل راؤ ۴ مدراس جرنل صفحہ ۲۴۱۔
[4] ۔ دیکھئے نیلکشو دیپ بنام بیرچند ر ۱۲ مور صفحہ ۵۴۰ - ۳ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۳
۱۲ سدرلینڈ صفحہ ۲۱ مقدمہ تیرا۔

کے قواعد کے تابع منتقل ہو گی[1] لہٰذا اگر مدراس کے کسی زمیندار نے اولاد نہ چھوڑی ہو تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی پس انداز چیزوں کی بھائیوں یا ان کی اولاد سے پہلے بیوہ مستحق ہو گی۔ اور اس نے اولاد چھوڑی ہو تو صرف وہی اس جائداد کو پائے گی۔ جن دو مقدمات کا اقتباس اوپر کیا گیا ہے ان میں سے ایک مقدمے میں عالیہ عدالت مدراس نے یہی نظریہ قائم کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں" ایسی موروثی جائداد سے جس کا وہ تنہا مالک تھا حاصل کی ہوئی چیزیں قطع نظر اس کے کہ انھیں ایسا سرمایہ تصور کیا جائے جسے زمیندار نے علٰحدہ طور پر حاصل کیا تھا یا جیسا کہ وہ حقیقت میں ایسا ہی ہے وہ اس کے لڑکوں کے مابین مثل خاندانی جائداد کے قابل تقسیم ہے"[2] بنا برآں مقدمۂ ذیل میں حسبۂ تجویز کی گئی۔ ایک پولیگر ایسے قرضے چھوڑ کر فوت ہوا جن کا بار خاندان پر عائد نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس نے ایسی جائداد بھی چھوڑی جو اس نے آمدنی سے جمع کی ہوئی رقم سے خریدی تھی۔ قرار دیا گیا کہ نئی جائدادیں خود اس کی تھیں جن پر اس کے قرضخواہ اپنے قرضے کی ادائی کے لیے بار عائد کرنے کے مجاز تھے[3] اس میں شک نہیں کہ ان پس انداز چیزوں کا قاعدہ مختلف ہو گا جو سابقہ زمینداروں سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی آئی ہوں ایسی صورت میں وہ چیزیں اس کے اخلاف یعنے خود وہ زمیندار جو جانشین ہوا ہو۔
۳۷۱ اس کے بھائی اور ان کی اولاد کی مشترکہ جائداد ہو گی۔

**جائداد موروثی کو واپس حاصل کرنا**

**ف ۲۸۷** ذاتی مکسوبہ کا دوسرا طریقہ جس کا فی زمانہ پیدا ہونا ایک طرح سے ممکن نہیں یہ ہے کہ ایک شریک خاندان ایسی موروثی جائداد کو واپس حاصل کرے جس پر دوسرے

---

[1] مرتضیٰ حسین خاں بنام محمد یٰسین علی خاں ۴۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶۹ - ۳۸ الہ آباد صفحہ ۲۵۲ - گروسامی پنڈیان بنام پنڈیا چینا تھمبر ۴ مدراس صفحہ ۱۔

[2] ۵ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۱۔

[3] کوشدام سامی بنام منگری ۲ مدراس صفحہ ۱۴۵۔ دونوں ججوں نے اتفاق کیا کہ قانونی پولیگر کی یہی صورت ہوگی لیکن انھوں نے اس میں اختلاف کیا کہ جب فی الواقعی پولیگر ہو تو قانون کیا ہوگا۔ دیکھو صفحات ۱۵۱ اور ۱۶۵ پارتی کماری بنام جگدیش چندر ۲۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۲ - ۲۹ کلکتہ صفحہ ۴۳۳ جانکی پرشاد سنگھ بنام دوارکا پرشاد سنگھ ۳۵ الہ آباد صفحہ ۳۹۱۔

قابض ہو گئے تھے اور جس کو اس کا خاندان واپس نہیں لے سکتا تھا۔ شرط یہ ہے کہ دوسروں سے یا خاندانی سرمایے سے اسے کسی قسم کی مدد نہ ملی ہو اور اس کے شرکاء ساکت رہے ہوں [1] اس قاعدے کے تحت ایسے مقدمے کو کامیاب بنانے کے لیے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ غیر لوگ اس جائداد پر قبضہ پا چکے تھے اور خاندان کے مقابلے میں ان کا قبضہ مخالفانہ تھا۔ یہ بات کافی نہ ہو گی کہ اس پر ایسا شخص قابض تھا جو بہ حیثیت رکن خاندان کے اس کا دعویدار تھا۔ یا اس پر شخص غیر تحت حقوق خاندان قابض تھا مثلاً بذریعۂ رہن۔ علاوہ ہذا ایک شریک وارث کو خود اس کے فائدے کے لیے جائداد واپس لینے کی اجازت صرف اس وقت دی جا سکتی ہے جب کہ "دیگر شرکاء نے اپنے حق کے استقرار میں ایسی غفلت کی ہو کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ اس جائداد کو واپس پانے کے لیے کوشش کرنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ یا یہ کہ وہ اس کی واپسی کے متعلق لاپروائی ظاہر کر رہے تھے۔ اور اس طرح گویا انھوں نے اپنی خاموشی سے رضامندی دی تھی کہ وہ یعنے جائداد کا واپس لینے والا اپنے ذرائع اور محنت اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے استعمال کرے۔ یا یہ کہ صراحتہً شرکاء سے اس کے متعلق سمجھوتہ نہ ہوا تھا" "اگر جائداد کی واپسی شریک ورثا کے ایما سے نہ عمل میں آئی ہو تو کم از کم اس کو واپس لینے کا عمل نیک نیتی پر مبنی ہونا چاہیے نہ کہ دوسرے شرکاء کی حقیت کو دھوکے میں رکھ کر یا ان کے اس ارادے سے واقف ہونے کے بعد کہ وہ اس کے واپس لینے کی کوشش کرنے والے ہیں ان سے پیش پیش رہنے کے لئے آخر میں یہ کہنا ضروری ہے کہ فی الواقعی قبضہ واپس لیا جانا چاہیے۔ محض قبضے کی ڈگری حاصل کرنا کافی نہیں [2]

---

[1] ۔ منو باب ۹ فقرہ ۔۲۰۹ ۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۲ ۔ فقرہ ۔ ۶ ۔ دیا بھاگ باب ۶ فقرہ ۔ ۲۱ و ۲۴ ۔ ڈی ۔ کے ۔ بیس باب ۴ فصل ۲ فقرہ ۔ ۶ و ۹ ۔ رگھو نندن باب ۵ فقرہ ۔ ۲۹ و ۳۱ ۔

[2] ۔ ملاچی بنام اناسامی ۵ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۵۰ ۔ بجابا بنام ترمبک دسو ناتھ ۱۴ بمبئی صفحہ ۱۰۲ ۔ ایشیشور بنام شتلی ۸ سدرلینڈ صفحہ ۱۳ صدر کورٹ نے نظر ثانی میں اس کو بحال رکھا۔

**واپس لینے والے کا نتیجہ** مثاکشرا میں ایسی واپسی جائداد کے نتیجے کے متعلق اختلاف معلوم ہوتا ہے باب فصل ۵ فقرہ ۱۱ پر مصنف بحوالۂ منو باب ۹ فقرہ ۲۰۹ یہ لکھتا ہے کہ اس طرح واپس حاصل کی ہوئی جائداد بلا مخلوط ہونے کے واپس حاصل کرنے والے کی ہوتی ہے۔ باب فصل ۴ فقرہ ۱۱ میں وہ سانکھ کے ایک شلوک کا اقتباس اس کے اثبات میں کرتا ہے کہ " اگر وہ زمین ہو تو اس کو چوتھا حصہ ملتا ہے اور بقیہ میں کل برادری کے لوگ مساوی حصہ پاتے ہیں"۔ ڈاکٹر مٹر اس اختلاف عبارت کی یکسوئی کرنے میں یہ فرض کرتے ہیں کہ مقدم الذکر حکم کا تعلق اس واپسی جائداد سے ہے جو باپ کے فعل کا نتیجہ ہو اور یہ کہ موخر الذکر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ متعدد بھائیوں یا دیگر شرکائے خاندان نے جائداد واپس لی ہو۔ یعنے وہ تمام اشخاص جن کی حیثیت یکساں ہو[1] لیکن بنگال کے اسناد قاعدۂ موخر الذکر کا اطلاق بلا استثنا ہر ایک پر کرتے ہیں لیکن صرف جب کہ زمین واپس لی گئی ہو[2] یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جائداد کو واپس لینے والا اولاً ربع لیتا ہے اور اس کے بعد بقیہ میں دوسروں کا مساوی طور پر شریک ہوتا ہے[3] [خلاصۂ کلام۔ ۳۷۲
اگر باپ نے قبضۂ مخالفانہ کو پاک کیا ہو تو وہ کل جائداد اس کی مکسوبہ متصور ہوگی لیکن اگر کسی اور رکن نے جائداد واپس لی ہو اور وہ منقولہ ہو تو وہ اس کی مکسوبہ ہوگی اور اگر وہ غیر منقولہ ہو تو حق السعی ربع دیا جائے گا اور بقیہ کل میں تقسیم ہوگی۔ دیکھئے بجا بنام ترمبک ۳۸ بمبئی صفحہ ۱۰۶]۔ (از مترجم)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ۹ سدرلینڈ صفحہ ۹۹ بلاقی بنام لورٹ آف وارڈس ۱۴ مدرلینڈ صفحہ ۳۴۔ جگو ہن ۲ اس بنام منگلداس ۱ ابئی صفحہ ۵۰۰ ستو در حسوکنا دبنام دوراسکا مرافعہ جات ہند صفحہ ۹۹۔ ۲ مدراس صفحہ ۳۰۰۔ راکنتی بنام دینکٹ چلاپتی ۴ مدراس صفحہ ۵۹۔

[1] مٹر صفحہ ۲۵۔ درسیتی جلد ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۳۲۔

[2] دیابھاگ باب ۶ فصل ۲ فقرہ ۳۲ و ۳۹۔ ڈی۔ کے۔ یس باب ۸ فصل ۲ فقرہ ۷ فقرہ ۸ جلد ۱ ڈجیو رمیا کناٹن صفحہ ۵۲ جلد ۲ صفحہ ۱۵۔

[3] ڈی۔ کے۔ یس باب ۸ فصل ۲ فقرہ ۹۔ ۳ ڈائجسٹ صفحہ ۳۶۸۔

**وہ چیزیں جو مشترکہ سرمایے کی مدد سے حاصل کی گئی ہوں**

**دفعہ ۲۸۸**۔ مکسوبہ ذاتی اور مشترکہ جائداد کی درمیانی صورت حسب ذیل ہے۔ اس درمیانی صورت کی بنیاد دشت کا ایک شلوک ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر واحد شریک نے ترکہ موروثی کی مدد سے جائداد حاصل کی ہو تو ایسی جائداد قابل تقسیم ہوگی البتہ حاصل کنندہ دوہرا حصہ پائے گا[1] قبل ازیں فقرہ ۲۸۰ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ابتداً اس شلوک کا اطلاق صرف اس جائداد پر ہوتا تھا جو فی الحقیقت ذاتی طور پر حاصل کی جاتی تھی اور یہ کہ اپنے طور پر جائداد حاصل کرنے والے کے حقوق اس شلوک کے سبب کم ہو گئے تھے بجائے اس کے کہ اس شخص کے حقوق میں اضافہ کیا جاتا جس نے مشترکہ جائداد کو استعمال کیا ہو۔ سمرتی چندریکا اور جہادیو دونوں نے اس شلوک کو صرف ان چیزوں تک محدود کیا ہے جو علم و ہنر سے حاصل کی گئی ہوں خصوصاً جب کہ وہ اس تعلیم کی وجہ سے ہو خاندان کے صرفے سے دی گئی ہو قابل تقسیم سمجھی جائیں۔ کیونکہ وہ اسی تعلیم کا نتیجہ ہوتی ہیں[2] دوسرے ٹیکا نویسوں نے اس اصول کو بیان کیا ہے۔ ہم یہ خیال ذیل خارج معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہ خاندانی جائداد کے استعمال سے کوئی ایک شریک وارث خاص منفعت حاصل کر سکتا ہے[3] مسٹر ڈبلیو میکناٹن بیان کرتے ہیں کہ قانون بنارس میں اس طرح کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا علاوہ ازیں کہ ذاتی طور پر شخص واحد نے جو کچھ بھی زحمت و مشقت اٹھائی ہو لیکن بنگال میں یہ قاعدہ رائج نہیں ہے[4] اس میں کوئی شک نہیں کہ اس صوبے میں یہ قاعدہ جاری...

---

[1] "اور اگر ایک بھائی نے اپنی کوشش سے کچھ حاصل کیا ہو تو اس کو دوہرا حصہ ملنا چاہیے" وشت باب ۱۷ صفحہ ۵۱۔ متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۲۹۔ دایابھاگ باب ۶ فصل ۱ فقرہ ۲۷، ۲۹۔ راگھو نندن باب ۲ صفحہ ۲۰۔ باب ۶ صفحہ ۱۰۔

[2] سمرتی چندریکا باب ۸ فقرہ ۹۔ جہادیو صفحہ ۱۴۹۔ اور دیکھئے فتویٰ جلد ۲ ڈبلیو میکناٹن صفحہ ۱۶۷۔

[3] متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۱ و ۶۔

[4] جلد ۱ ڈبلیو میکناٹن صفحہ ۵۲۔ جلد ۲ صفحہ ۷ نوٹ ۱۵۸۔ ۱۶۰۔ نوٹ ۱۲۳

۲۷۳ بیان کیا گیا ہے[1] لیکن نہ تو اس کی وسعت کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ یہ بیان کیا گیا ہے کن صورتوں میں اس کا اطلاق ہو گا۔ بنگال کے سپریم کورٹ میں ایک مقدمہ پیش تھا اور سر لارنس پیل نے قانون کو الفاظ ذیل میں بیان فرمایا:—
"اسناد سے یہ امر مسلمہ ہے اور اس عدالت کا مسلسل اور یکساں عمل بھی قواعد ذیل کے مطابق ہے۔ یہ کہ مشترکہ سرمایے کا واحد منتظم محض اس عہدے کے سبب اضافہ حصہ پانے کا مجاز نہیں ہے۔ اور یہ کہ اگر صرف ایک مشترک حصہ وار مشترکہ سرمایے کے اضافہ کرنے یا ترقی دینے میں اپنے ہنر کو کام میں لایا اور محنت کی ہو تو اس سے زیادہ حصہ پانے کے لیے حق پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کہ اگر مشترک سرمایے کی مدد یا مشترکہ محنت سے بالکل جدید اور قابل امتیاز جائداد حاصل کی گئی ہو تو حاصل کرنے والا دوہرے حصے کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اس طرح حاصل کی ہوئی جائداد ذاتی اور جداگانہ جائداد کی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی۔ اور سب سے آخر میں یہ کہ اگر مشترکہ سرمایے میں وہ جائداد مخلوط کر دی جائے جس پر منفرداً قابض کا قبضہ رکھا جا سکتا تھا تو اس کو مشترکہ کی خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے نہ کہ ذاتی جائداد کی"۔ جسٹس گرانٹ نے بھی حسبہٗ قرار دیا۔ اور یہ اضافہ فرمایا کہ اس خصوص میں بنگال اور متاکشرا کے قوانین متفق ہیں۔ اور یہ کہ حاصل کنندۂ جائداد کو دوسرے حصے کا مستحق قرار دینے کے لیے یہ بتلانا ہو گا کہ اس کی مدد تو کی گئی مگر "مشترکہ سرمایے کے ایسے ذریعے سے جو بالکل قابل لحاظ نہ تھا"[2] سپریم کورٹ بنگال نے اس فیصلے کو پسند فرمایا[3] اور یہ اظہار کیا گیا کہ اس سے مشترکہ اور مکسوبہ چیزوں کا قاعدہ اور اس کا

[1] گدادھر بنام اجودھیا رام جلد ۱ صدر دیوانی صفحہ ۶ صفحہ ۷، کوشل بنام بیدا ناتھ جلد ۱ صدر دیوانی صفحہ ۳۳۱ صفحہ ۴۴۸ ورپتی بنام ہرادھن جلد ۳ صدر دیوانی صفحہ ۹۸۔ کرپاسندھو بنام کنیا ۵ صدر دیوانی صفحہ ۳۳۵ صفحہ ۳۹۳ اماسندری بنام دوارکاناتھ ۲ بنگال لا رپورٹ (مرافعہ) صفحہ ۲۸۷۔

[2] گرو چرن بنام گوگلنی غلٹن صفحہ ۱۶۵۔

[3] سرچیمونی داسی بنام دینو بندو ۶ مور صفحہ ۵۳۹ - ۴ مدرلینڈ صفحہ ۱۱۴۔ فقرہ ۲۹۲۔

استثنا دونوں مسلم قرار پاتے ہیں۔ سر لارنس پیل کا قرار کردہ یہ پہلا اصول کہ حاصل کنندہ کو دوہرے حصے کا مجاز کرنے کے لیے حاصل شدہ جائداد بالکلیہ قابل امتیاز ہونی چاہئے متاکشرا کے مطابق ہے جس میں وشت کا شلوک بیان کرنے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ ”مصنف (یاگنولکیا) نے اس مسئلے کا ایک استثنا پیش کیا ہے۔ لیکن اگر مشترکہ جائداد میں کوئی ترقی ہوئی ہو تو مساوی تقسیم ہوگی“۔ اور یہ کہ ایسی صورت میں حاصل کنندہ کو دوہرا حصہ نہیں دیا جائے گا[1] جسٹس گرانٹ کا بیان کیا ہوا دوسرا اصول کہ مشترکہ سرمایے سے حاصل کی ہوئی امداد خفیف ہونی چاہئے دیابھاگ کے اصول کے مطابق
معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ جمتوواھان نے حاصل کنندہ کے دوہرے حصے ۳۷۴
کے نظریے کو وشت کے شلوک پر مبنی نہیں کیا ہے بلکہ دیاس کے شلوک پر کیونکہ اس نے وشت کے شلوک کو صرف ان مکسوبات سے متعلق سمجھا ہے جو حقیقت میں ذاتی طور پر حاصل کیے جاتے ہیں۔ ”کل برادری اس دولت میں حصہ پاتی ہے جو ان میں کے کسی ایک نے مشترکہ جائداد میں سے ہتھیار یا سواری استعمال کرکے اپنی شجاعت وغیرہ سے حاصل کی ہو“[2] یہاں باعث تحصیل جائداد خود بھائی ہے مشترکہ سرمایے سے جو مدد حاصل کی جاتی ہے وہ قابل لحاظ نہیں۔ پنڈتوں نے بمقدمہ پرتاب بہادر بنام تلک دھری[3] یہی فتوی دیا تھا اور مذکورالصدر نظریہ اسی فتوے کے مطابق ہے۔ چنانچہ فتوی یہ تھا کہ ”اگر چند بھائی خاندانی شراکت میں ایک ساتھ رہتے ہوں اور ان میں کا کوئی ایک کل کے مشترکہ سرمایے کے ذریعے جائداد حاصل کرے تو اس طرح حاصل کی ہوئی جائداد کل بھائیوں کی مشترکہ ملک ہوتی ہے۔ ہاں اگر ذرائع تحصیل جو مشترکہ سرمایے سے اخذ کیے گئے ہوں بہت ہی خفیف ہوں اور ذاتی محنت ومشقت قابل لحاظ ہو تو حاصل کنندۂ جائداد کو دو حصے ملیں گے اور دیگر بھائیوں کو ایک ایک حصہ“ بنگال ہائیکورٹ کے فیصلہ جات مابعد نے

---

[1] متاکشرا باب ۱ فصل ۴ فقرہ ۳۰۔ فقرہ ۳۱۔

[2] دیابھاگ باب ۲ فقرہ ۴۱۔ باب ۶ فصل ۱ فقرہ ۲۸ فقرہ ۱۴۔

[3] جلد ۱ صدر دیوانی صفحہ ۱۷۹ صفحہ ۲۳۶۔

ان دونوں امور کو پسند فرما کر ان کی تصدیق کی[۱]۔

**بار ثبوت**

**ف ۲۸۹** بنگال ہائیکورٹ کے فیصلوں میں اس سوال کے متعلق کہ جب ایک شخص ایک جائداد کے متعلق یہ ادعا کرے کہ وہ مشترکہ ہے اور دوسرا شخص اس کو اس وجہ سے اپنے قبضے میں رکھے کہ وہ مکسوبہ ذاتی ہے تو اس کا بار ثبوت کس پر ہوگا۔ غالباً اختلاف مذکور صرف ظاہری ہے حقیقی نہیں۔ بلاشبہ عام اصول یہ ہے کہ ہر ہندو خاندان کے متعلق یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ مشترکہ ہے الا اس کے کہ اس کے خلاف ثابت کیا جائے۔ لہذا اگر کسی خاندان کا رکن جس کا مشترکہ ہونا مسلم ہو جائداد پر قابض ہو اور یہ ادعا کرے کہ وہ خود اس کی حاصل کی ہوئی جائداد ہے تو گویا وہ ایک ایسی چیز کا مدعی ہے جو عام قاعدے کی ایک استثنائی شکل ہے تو اس استثنا کے ثابت کرنے کا بار اسی پر ہوگا[۲]۔ قاعدہ یہ ہے کہ مدعی کو چاہئے کہ اپنا دعویٰ ثابت کرے۔ بنا براں اگر دعویٰ یہ ہو کہ اس خاندانی جائداد پر اس کا حق تسلیم کیا جائے کیونکہ وہ مشترکہ ہے تو ایسا
۲۷۵ دعویٰ قاعدۂ مذکورہ سے خارج نہ ہوگا۔ وہ مقدمے کا آغاز تو کرتا ہے مگر ایک قیاس کے ساتھ۔ اس قیاس کو دوسرے ثابت شدہ یا تسلیم شدہ واقعات کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔ یہ ممکن ہے کہ ان واقعات سے قیاس مذکور اس طرح بعید ہو جائے کہ بار ثبوت دوسرے فریق پر منتقل ہو جائے۔ ہندو خاندان کی معمولی حالت سے ایسا قیاس پیدا ہوتا ہے[۳]۔

---

[۱]۔ سری نارائن بنام گرو پرشاد ۶ سدرلینڈ صفحہ ۲۱۹۔ شیو دیال بنام جدوناتھ ۹ سدرلینڈ صفحہ ۶۱۔ اور تجویز میر مجلس کال ول بمقدمۂ جدومنی بنام گنگادھر جلد ۱ بولن صفحہ ۶۰۰۔ لال چند شاہ بنام سوارنا موئی داسی ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس صفحہ ۱۱۳۲۔

[۲]۔ لکشمن راؤ بنام ملر راؤ جلد ۲ نیاپ کے مقدمات پریوی کونسل صفحہ ۶۰ صفحہ ۶۳۔ پرت کنور بنام مہادیو پرشاد ۱۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۳۴۔ ۲۲ کلکتہ صفحہ ۸۵۔ رام غلام بنام رام بہاری ۱۸ الہ آباد صفحہ ۹۰۔

[۳]۔ بھولا ناتھ بنام اجودھیا ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۳۶۔ ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۶۵۔ بدھ سنگھ

## اشتراک کے متعلق قیاس

لہذا دیکھنا یہ ہے کہ ہندو خاندان کی معمولی حالت کے متعلق کس حد تک قیاس قائم کیا جا سکتا ہے۔ "پھر ہندو خاندان کی اعتدالی حالت اشتراک ہے۔ پھر ایسا خاندان خورد نوش عبادت اور جائداد میں قیاساً مشترک ہوتا ہے۔ اگر تقسیم کا ثبوت معدوم ہو تو قانونی قیاس یہی ہے۔ لیکن ارکان خاندان ان تینوں امور میں یا ان میں سے کسی میں علیحدہ ہو سکتے ہیں"[۵] بے شک اس قسم کا کوئی قیاس نہیں ہے کہ چونکہ خاندان مشترکہ ہے اس لیے اس کے قبضے میں مشترکہ یا اور جائداد ضرور رہے۔ لیکن جب یہ ثابت ہو یا تسلیم کر لیا جائے کہ خاندان مشترک کے قبضے میں کچھ نہ کچھ مشترکہ جائداد ہے اور یہ کہ جائداد ما بہ النزاع ایسے طریقے سے حاصل کی گئی ہے یا اس پر ایسا قبضہ ہے جو اس قسم کی جائداد کے منافی نہیں ہے تب "قیاس قانونی یہ ہوتا ہے کہ کل جائداد جس پر وہ قابض تھے مشترکہ تھی۔ یہ قیاس اس وقت باقی نہیں رہتا کہ جب کہ شہادت سے یہ ثابت کیا جائے کہ خاندان کے ایک رکن کے پاس ذاتی جائداد بھی تھی" اور اس قیاس کی محض یہ ثابت کرنے سے تردید نہیں ہو سکتی کہ "وہ جائداد خاندان کے ایک رکن کے نام سے خریدی گئی تھی اور یہ کہ اس کے متعلق اس کے نام کے رسائد موجود ہیں۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں اس کی مشترکہ جائداد ہونے کے منافی نہیں ہیں۔ اس کی مشترکہ ہونے کی صورت میں بھی اس جائداد کے ساتھ بالکل اسی قسم کا برتاؤ کیا جاتا جو کہ اب کیا گیا"[۶] کس حد تک صورت ہائے ذیل میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بنام گنیش ۲۰ بنگال لا رپورٹ پی۔ سی صفحہ ۱۷۱-۳۱-۱۹ مدراس صفحہ ۳۵۶ ۱۲ بمبئی صفحہ ۱۳۱ صفحہ ۳۰۹-۱۳ صفحہ ۶۶۔

۵۔ نیلکنٹھ بنام سرچندر (مقدمہ پترا) ۱۲ مور صفحہ ۵۴۰ بنگال لا رپورٹ ۲ پی سی ۱۲ سدرلینڈ صفحہ ۲۱ پی سی ترا گنتی بنام نگما ۹ مور صفحہ ۹۲-۱ سدرلینڈ صفحہ ۳۰۔

۶۔ دھرم داس بنام مساۃ شام سندرم مور صفحہ ۲۹ صفحہ ۴۰-۲-۶ سدرلینڈ صفحہ ۴۳۔ امرناتھ بنام گوری ناتھ ۱۳ مور صفحہ ۴۲-۵-۱۵ سدرلینڈ صفحہ ۱۰۔ رام پرشاد بنام شیو چرن ۱۰ مور صفحہ ۴۹۰ صفحہ ۵۰۵۔ اس قسم کا قیاس اس مشترکہ خاندان کے متعلق پیدا نہیں ہوتا جو دیا بھاگ کا تابع ہو۔ سرادا بنام مہانند ۳۱ کلکتہ صفحہ ۴۴۸ گوبند چندرم

قیاس قائم ہو سکتا ہے اس کے متعلق اختلاف آرا پیدا ہوتا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ خاندان مشترکہ ہو اور مشترکہ جائداد کا اصلی سرمایہ ثابت نہ ہو یا تسلیم نہ کیا جائے۔ اور
۳۷۶ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک یا زیادہ ارکان کچھ جائداد پر بظاہر اس طرح قابض ہوں کہ وہ قبضہ یا بہ لحاظ اس کی ابتدا کے یا استفادے کے مشترک حقیت کے تصور کے متناقض ہو۔

**ف ۲۹۰** صدر عدالت بنگال نے اس مسئلے پر حسب ذیل الفاظ میں قانون بیان فرمایا :۔ "جب کہ خود مدعی کے اقبال سے ما بہ النزاع جائداد یا وراثتی سرمایے کے استعمال سے حاصل نہ کی گئی ہوں اور مدعی علیہم نے کبھی بھی اس کا اعتراف نہ کیا ہو کہ وہ مشترکہ محنت و نیز مدعی اور اس کے باپ کی مدد سے حاصل کی گئی تھیں تو مدعی کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ابتداءً جب کہ جائداد خریدی گئی تھی حقیت مشترکہ تھی۔ محض اس واقعے سے کہ فریقین معاملات خور و نوش میں متحد تھے حقیت مشترک کا ایسا قیاس قائم نہیں ہوتا کہ مدعی بار ثبوت سے سبکدوش ہو سکیں[۱]۔
بار ثبوت اور ہائیکورٹ بنگال نے فرمایا :۔ "کسی جائداد کو مشترکہ قرار دینے کے لیے یا تو یہ بتلانا ہوگا کہ اس کی خریدی کا بدل موروثی سرمایے سے ادا کیا گیا۔ یا مشترکہ جائداد سے یا مشترکہ محنت و مشقت سے۔ یہ چیز عدالت کے ملاحظے میں مثل دیگر واقعات کے لائی جا سکتی ہے یعنے شہادت سے۔ لہذا جس کسی کو اپنی حقیت قائم کرنی مقصود ہو اس کا کام ہے کہ شہادت پیش کرے۔ اگر مدعی عدالت میں رجوع ہوا اور یہ ادعا کرے کہ چونکہ وہ جائداد مشترکہ ہے اس لیے اس کو حصہ ملنا چاہیئے تو اس کو اپنے دعوے میں کامیاب ہونے سے قبل اپنے دعوے کی بنیاد ظاہر کرنا چاہیئے۔ اس کو کم از کم یہ بتلانا ہوگا کہ وہ مدعی علیہم جن پر نالش کی گئی ہے خاندان مشترکہ میں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بنام رادھا کرسٹو ۳۱ الہ آباد صفحہ ۷۷۴۔

[۱] کشوری بنام چمن صدر دیوانی بابت سنہ ۱۸۵۲ء صفحہ ۱۱۱۔ جس کا ذکر جلد ۲ ڈبلیو میاکناٹن کے صفحات ۱۵۲ و ۱۵۶ پر کیا گیا ہے۔ اور ریف۔ میاکناٹن کے صفحہ ۶۰ پر۔ اور اس کی تصدیق بمقدمۂ سو بیدر بنام بوور ام سدر لینڈ کے اسپشل نمبر صفحہ ۵۷ میں کی گئی۔

اور یہ کہ جائداد زیر بحث جس وقت کہ وہ حاصل کی گئی تھی مشترکہ جائداد ہو چکی تھی۔ یا
یہ کہ حاصل کرنے کے بعد سے کسی خاص وقت خاندان نے اس سے مشترکاً استفادہ کیا تھا۔
اس مقصد کے لیے یہ ثابت کرنا کافی ہوگا کہ (جس سے مدعی علیہم متعلق ہیں اس سے
قبل کے زمانے میں جو بہت بعید کا نہ تھا) جائداد کی حد تک خاندان حالت اشتراک
میں تھا۔ اور یہ کہ جائداد زیر بحث جائداد متروکہ کا ایک حصہ تھی اور اس سے خاندان
حسبہٗ مستفید ہو رہا تھا۔ یا یہ کہ اس کے بعد اسے مشترکہ سرمایے سے حاصل کیا گیا۔ اس
۳۷۷ مقدمے میں اصل صدر امین شہادت سے یہ معلوم نہ کرسکے کہ مدعی نے خاندان کے مشترکہ
ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ہاں یہ واقعہ مقبولہ تھا کہ تین اشخاص بھائی ہیں۔ اور مدعی نے
اس کا بھی ثبوت نہیں دیا کہ برادران مذکور نے کبھی بھی کسی جائداد سے مشترکاً استفادہ
کیا۔ جائداد زیر بحث کا مشترکہ سرمایے کے استعمال سے حاصل کرنے کا تو کچھ بھی ثبوت
فراہم نہیں کیا گیا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ (صدر امین) اس تجویز پر مدعی کے مقدمے کو
خارج کرنے میں قطعاً حق بجانب تھے۔ مقدمے کے دیگر واقعات پر غور کرنے کی
چنداں ضرورت نہ تھی"۱ے بار ثبوت کے جو اصول اس مقدمے میں بیان کیے گئے
ہیں انھیں میر مجلس سر رچرڈ کاوچ نے مثل قانون کے تسلیم کرنے سے بمقدمۂ ترک چند
بنام جودیشر ۲ے انکار فرمایا۔ صاحب موصوف نے یہ قاعدہ وضع کیا کہ "چونکہ قیاس
قانونی یہ ہے کہ وہ کل جائداد جو خاندان کے قبضے میں ہو جائداد مشترکہ ہوتی ہے
اس لیے اس قاعدے کا کہ ایک مالک مشترک کا قبضہ کل کا قبضہ ہے صرف
حسب ذیل اس حد تک اطلاق ہوگا۔ یہ کہ اگر ان میں کا ایک کسی جائداد پر قابض
دکھائی دے تو چونکہ ایسی حالت میں خاندان مشترک سمجھا جاتا ہے اس لیے یہ
قیاس قائم ہوگا کہ وہ جائداد مذکور پر رکن خاندان کی حیثیت سے قبضہ کیے ہوئے ہے

۱ے شیوگلام بنام برن جلد ۱ بنگال لا رپورٹ (مرافعہ) صفحہ ۱۶۴۔ جلد ۱۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۹۸۔
۲ے ۔ ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۹۳۔ صدر کورٹ ۱۹ سدرلینڈ صفحہ ۱۷۸۔ انند موہن بنام
لیامب جلد ۱ مارش صفحہ ۱۶۹۔ ہیت سنگھ بنام دبے سنگھ جلد ۲ صوبۂ شمالی مغربی۔ نرسنگ داس
بنام نارائن داس جلد ۳ ایضاً صفحہ ۲۱۷ سدپا بنام پونیا کوٹی مارس صفحہ ۱۰۰۔

نہ یہ کہ علیٰحدہ جائداد ہونے کے باعث" تاہم اس تجویز پر بعد کے دو مقدمات میں[۱] غور فرمایا گیا اور دیگر حکام عالیہ عدالت نے اختلاف فرمایا۔ اور پھر عالیہ عدالت نے اس پر غور فرمایا اور بعد کے دو مقدمات میں اس کی تصدیق فرمائی گئی[۲] اب اسے طے شدہ قانون سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی جائداد کسی رکن خاندان کے قبضے میں ہو تو اس کے متعلق خاندان مشترکہ کی جائداد کا صرف اس وقت قیاس قائم کیا جا سکتا ہے جب کہ پہلے خاندان مشترکہ کی جائداد کا سرمایہ ثابت کیا جائے[۳]

۲۷۸ قاعدۂ مذکور حقیقتاً اس قاعدے کا (دیکھئے فقرہ ۲۷۰) منطقی نتیجہ صریح ہے (Corollary) کہ قانون میں کوئی ایسا قیاس نہیں ہے کہ محض خاندان کے مشترکہ ہونے سے خاندان۔ جائداد مشترکہ یا کسی اور جائداد پر قابض ہوتا ہے۔

## تجویز کردہ حل

ف ۲۹۱ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ دشواری اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ ایک ایسی ہمہ گیر شکل قانونی بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو ہر مقدمے سے متعلق ہو سکے گو اس کے واقعات کتنے ہی مختلف ہوں۔ یہ کہنا سچ ہے کہ ہندو خاندان قیاساً مشترک ہوتا ہے۔ یہ محض یہ کہنے کے مماثل ہے کہ جب خاندان کے متعلق کچھ اور علم نہ ہو تو ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ارکان نے آپس میں تقسیم نہیں کی۔ صرف ایک ہی واقعے کے ظن و قیاس

---

[۱]۔ بھولاناتھ بنام اجودھیا ۱۲ ابنگال لارپورٹ صفحہ ۲۳۶۔ صدر کورٹ ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۶۵ دینو ناتھ بنام ہری نارائن ۱۲ ایضاً صفحہ ۳۴۹۔

[۲]۔ گوبند چندر بنام درگا پرشاد ۱۴ ابنگال لارپورٹ صفحہ ۳۳۷ صدر کورٹ ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۲۴۸ شومبنی موہن بنام اوکھل ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۲۳۲۔ وداؤلی بنام نارائن ۲ مدراس صفحہ ۱۹۔

[۳]۔ رام کشن داس بنام تند ال ۳۲ A صفحہ ۷۷ ، نارائن راؤ بنام وینکٹ کرشنا راؤ ۲۲ مدراس لاجرنل صفحہ ۷۷ ، کندن لال بنام شنکر لال کے مقدمے کا فیصلہ اس قاعدے کے مغائر نہیں ہے جو اوپر بیان کیا گیا کیونکہ اس مقدمے میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ جائداد مابہ النزاع خاندان مشترکہ کے قبضے میں تھی گو ایک خاص رکن کے نام پر لی گئی تھی۔

کے لیے بیان مذکور صریح اور قطعی ہے۔ مگر بطور کلیے کے یہ کہنا کہ ہر قطعۂ جائداد جس پر رکن خاندان قابض ہو قیاساً مشترکہ جائداد ہے صحیح نہیں ہے؛ اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ذیل کے متعدد ومختلف مسائل میں سے ایک یا دوسرے کی تائید کی جارہی ہے یہ کہ اس کی موجودہ حالت میں وہ جائداد موروثی تھی۔ یا یہ کہ وہ موروثی جائداد کے توسط یا مدد سے حاصل کی گئی تھی۔ یا مشترکہ محنت سے۔ یا مشترکہ سرمایے سے۔ یا دونوں سے۔ یا یہ کہ واحد رکن نے دوسرے سرمایے یا دیگر ارکان کی مدد کے بغیر اسے حاصل کیا تھا۔ اور مشترکہ ذخیرے میں اسے داخل کردیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کل بیانات ان واقعات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ ہیں جو انھیں ثابت کرنے کے لیے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اور ان سے جو احتمالات پیدا ہوتے ہیں وہ بھی مختلف ہیں۔ مدعی کے مقدمے کا خود بیان یا اس کی شہادت سے ان میں کے بعض کی نفی ہوسکتی ہے۔ جس طرح کہ مدعی علیہ کے مقدمے سے ان میں کے چند قبول کرلیے جاسکتے ہیں۔ جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو کہ مدعی اور مدعی علیہ نے علی الترتیب کیا بیان کیا ہے، یہ کہنا ناممکن ہے کہ قیاس کیا ہے؟۔ بنگال کے مقدمات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی کہا ہے۔ غیر منقسمہ خاندان کے خلاف ان کو بہت شد ومد سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ بار ثبوت بدلتا رہتا ہے جیسا کہ حکام عدالت کہتے ہیں:۔ "ہم سے کہو کہ تمھارا دعویٰ کیا ہے۔ جب ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ فریق ثانی نے کس حد تک تسلیم کرلیا ہے تو پھر ہم یہ کہنے کے قابل ہوں گے کہ آیا تم اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے بارسے آزاد ہوگئے اور کس قدر حصہ دعوے کی حد تک: مثلاً اگر مدعی کا دعویٰ یہ ہو کہ جائداد موروثی تھی۔ اور مدعی علیہ نے اسے تسلیم کرلیا، ہو کہ وہ جائداد اس کے باپ کے پیسے سے خریدی گئی تھی۔ لیکن یہ بیان کرے کہ خریدی خود اس کے نام سے ہوئی تھی اور خود اس کے ٣٧٩
استعمال کے لیے بلا شرکت احدے تو بار ثبوت مدعی علیہ[1] پر ہوگا۔ نیز اگر

[1] گوپی کرست بنام گنگا پرشاد ۶ مورز مرافعۂ ہند صفحہ ۵۲ ۳ بیسیسور بنام لچھی سور ۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳۳ ۔ صدر کورٹ جلد ۵ کلکتہ لا جرنل صفحہ ۴۷۷ بالارام بھاسکر جی بنام راچمندر ۲۲ بمبئی صفحہ ۹۲۲۔

دعویٰ یہ ہو کہ خاندانی جائداد کی آمدنی سے جائداد مابہ النزاع خریدی گئی تھی اور مدعیٰ علیہ اس کا اعتراف کرے کہ خاندانی جائداد تھی اور وہ خود اس کا منتظم تھا تو یہ ثابت کرنے کا بار بھی اسی پر ہوگا کہ حصول جائداد علٰحدہ طور پر عمل میں آیا تھا۔[1] علیٰ ہذا اگر خاندان مشترکہ تھا اور کسی ایک رکن نے جائداد حاصل کی ہو اور خاندانی جائداد کا سرمایہ معقول ہو۔[2] اگر اس سے انکار کیا گیا ہو کہ خاندانی جائداد تھی ہی نہیں۔ یا اس کا اعتراف کیا گیا ہو کہ مدعی علیہ اس جائداد پر قابض نہ تھا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مدعی ناکامیاب ہوگا اگر اس نے کسی قسم کی شہادت پیش کی ہی نہ ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے فریق پر ثبوت کا بار ڈالنے کے لئے جو شہادت ضروری ہو وہ بہت ہی خفیف ہو۔ مگر پھر بھی لازماً وہ ہر مقدمے کے واقعات کے لحاظ سے بدلتی رہے گی۔ برخلاف اس کے اگر اس کا اعتراف کرکے کہ ابتداً وہ جائداد مکسوبہ تھی یہ بیان کیا گیا ہو کہ وہ مشترکہ سرمایہ میں شامل کردی گئی تھی تو یہ دعویٰ بہت ہی قوی ہوگا بشرطیکہ ثابت کیا جائے (فقرہ ۹۷۸) مگر اس کے ثابت کرنے کا بار اس فریق پر بہت زیادہ ہوگا جس نے ایسا بیان کیا ہو۔ علیٰ ہذا اگر اس کو تسلیم کیا گیا ہو کہ ایک رکن نے خاندانی جائداد کو استعمال کرنے کے بغیر اس کو حاصل کیا تھا اور مدعی کا یہ دعویٰ ہو کہ اس نے اس کے حاصل کرنے میں اس طرح مدد کی ہے کہ وہ لازماً مشترکہ جائداد بن گئی۔ اور جب روداد سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ خاندان کے مشترکہ قبضے میں موروثی جائداد تھی مگر یہ کہ خاندان کے افراد میں سے چند نے خود اپنے سرمایے سے علٰحدہ جائداد حاصل کی تھی اور شامل اپنی جائداد کے دوسرے ارکان کو شامل کرنے کے بغیر اس پر معاملات کر رہے تھے۔ تو پریوی کونسل نے حسب ذیل تجویز فرمائی۔ "ایسے حالات سے ایک قابل لحاظ حد تک ہندو قانون

---

[1] لکشمن راؤ بنام طرراؤ جلد ۲ Kn صفحہ ۶۔ لال بہادر بنام کنیا لال جلد ۲۹ ر الہ آباد صفحہ ۲۴۴ پی سی پدرا بنام داسن گو مدراس دسمبر ۱۸۶۰ء صفحہ ۸۔ جانوکی بنام کشٹو مارش صفحہ ۱۔ کدر پا بنام رنگپا ۵ میسور صفحہ ۹۴۔

[2] پران کرسٹو بنام بھاگیرتی ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۵۸۔ مولجی لیلا بنام گوکلداس ۸ بمبئی صفحہ ۱۵۴۔ لکشمن بنام جمنا بائی ۶ بمبئی صفحہ ۲۲۵۔

کے اس قیاس کی تردید ہوتی ہے جو قانون مذکور میں جائداد کے متعلق قائم ہوتا ہے (گو کلیتہً ایسی تردید نہ ہوتی ہو) جبکہ جائداد خاندان مشترکہ کے ایک رکن کے نام پر دکھائی دے۔ اور جو لوگ اس کے دعویدار ہوں کہ وہ مشترکہ جائداد ہے ان پر اپنی حقیت ثابت کرنے کا وجوب عائد ہوگا کیونکہ انھوں نے دیگر شرکا، کو اپنے عمل سے اس کی اجازت دی تھی کہ وہ تجارت کرے اور خود کے کھاتے میں ذمہ داریاں پیدا کرے اور دنیا کے سامنے مثل قطعی مالک کے ظاہر ہو[1]۔ بدلائل قوی تر جبکہ مکسوبات ذاتی مقبولہ ہوں اور فی الواقعی تقسیم عمل میں آئی ہو۔ اس کے بعد اگر ایک رکن ایسی جائداد سے حصہ پانے کے لئے نالش کرے جو کسی ایک رکن کے ہاتھوں میں اس کی مکسوبہ کے طور پر چھوڑ دی گئی تھی اور اب یہ ادعا کرے کہ جائداد ما بہ النزاع حقیقۃً مشترکہ یا اگر ایک رکن خاندان اس کا اعتراف کرے کہ چند ارکان کے درمیان تقسیم عمل میں آچکی ہے مگر اس کا مدعی ہو کہ دیگر ارکان نے تقسیم نہیں کی ہے۔ تو ایسے دعوے کو ثابت کرنے کا بار اسی پر ہوگا[2]۔ ۸۰-

**خاندانی جائداد کا استفادہ**

**ف ۲۹۲** چوتھا عنوان جس کی تحقیق ضروری ہے وہ اس طریقے سے متعلق ہے جس سے خاندانی جائداد کا استفادہ۔ شرکائے خاندان کرسکتے ہیں۔ یہ طریقہ لازماً بدلتا رہے گا۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ خاندانی کارپوریشن (اتحاد) کی نوعیت کیا ہے۔ یعنی وہ کس قسم کا اتحاد خاندانی ہے (Malabar)۔ ملیبار اور کنارا میں جہاں جائداد ناقابل تقسیم ہوتی ہے ارکان خاندان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھیں جائداد کے ماورا حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ نہ کہ جائداد پر

---

[1] بدھ سنگھ بنام گنیش ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۳۱، ۷۔ صفحہ ۲۲۳، ۲ صدر کورٹ ۱۹ سدرلینڈ صفحہ ۲۵۶ مراری وٹھوجی بنام مکند شیوجی ۱۵ بمبئی صفحہ ۲۰۱۔

[2] اول بنام چیترو دھری ۹ سدرلینڈ صفحہ ۸۰۰۔ ہنو بنام کاشی رام ۳ کلکتہ صفحہ ۳۱۵ پی سی۔ رادھا چرن بنام کرپا ۵ کلکتہ صفحہ ۴۷۴۔ اٹھائے چرن بنام گوبند چندر ۹ کلکتہ صفحہ ۲۳۷۔ اپندر ناراٹن بنام گوپا ناتھ ایضاً صفحہ ۸۱۷ باما کرشنا بنام چنتامنی ۱۲ کلکتہ صفحہ ۲۶۲ آخری دو مقدموں میں یہ تجویز فرمائی گئی کہ اس واقعے سے کہ ایک رکن خاندان اشتراک سے علحدہ ہوچکا ہے کوئی قیاس قائم نہیں ہوتا کہ دوسرے ارکان بھی آپس میں علحدہ ہوچکے ہیں دیکھئے کرشنیا بنام رام سامی ۸ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۲۵۔

بزرگ خاندان پوری جائداد کے قبضے کا مجاز ہوتا ہے اور انتظام میں وہ بالکل مختار۔ دیگر ارکان کو صرف نفقے اور سکونت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ وہ حساب طلب نہیں کرسکتے ہاں ضمناً حساب لیا جاسکتا ہے جبکہ منتظم کی علحدگی کی استدعا اس کی بدعملی کے سبب کی گئی ہو۔ کسی مختص حصۂ محاصل کا وہ ادعا نہیں کرسکتے۔ اور نہ وہ اس کا مطالبہ کرسکتے ہیں کہ انکی پرورش یا خاندانی شان وشوکت آمدنی کے تناسب کے مطابق ہونی چاہئے۔ اس خصوص میں منتظم کا صوابدید قطعی ہوتا ہے[1]۔

متاکشرا۔ متاکشرا خاندان کی حالت بھی تقریباً اسی کے مماثل ہے۔ صرف فرق ہے تو یہ کہ انھیں تقسیم کا حق حاصل ہے اور اس حق کے سبب حساب فہمی کا۔ ایک فیصلے میں جس کا حوالہ اکثر وبیشتر دیا جاتا ہے۔ لارڈ ویسٹبری نے فرمایا۔

"ہندو قانون کے غیر منقسمہ خاندان کے حقیقی تصور کے مطابق اس خاندان کا کوئی رکن واحد جب تک کہ خاندان کی تقسیم نہیں ہوئی ہے مشترکہ اور غیر منقسمہ جائداد کے ۳۸۱
متعلق یہ دعویٰ کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ اس خاص رکن کا فلاں معین حصہ ہے۔ غیر منقسمہ کا کوئی رکن واحد اس مقام پر جاکر جہاں لگان وصول ہوتا ہے۔ لگان کے وصول کرنے والے سے خاص معین حصے کا ادعا کرکے لینے کا مجاز ہے۔ غیر منقسمہ خاندان کے نظریے کے مطابق غیر منقسمہ جائداد کی آمدنی مشترکہ تجوری میں لائی جانی چاہئے۔ اور بحیثیت ارکان خاندان غیر منقسمہ اس طریقے سے اسے استعمال کرسکتے ہیں جو کہ ہندو قانون کا بتلایا ہوا ہے[2]۔"

بنگال۔ بنگالی قانون میں خاندان مشترکہ کی حالت چند امور میں نسبتہً بہتر نہیں ہے اور چند دیگر امور میں بظاہر متاکشرا قانون کے خاندان سے بہتر ہے۔ اگر باپ غیر منقسمہ خاندان کی جائداد پر بہ حیثیت سربراہ اور وہ قابض ہو تو اس کی اولاد کو نہ تو خود اس پر کوئی قانونی حق حاصل ہے اور نہ جائداد پر بجز حق نان ونفقہ کے۔ وہ اسے جس طرح چاہے منتقل کرسکتا ہے اور وہ تقسیم کی خواہش نہیں کرسکتے (فقرہ ۲۴۸) اس لحاظ سے

---

[1] دیکھو صفحہ ۴۴ ۲ ٹھاکر بنام کمن جلد ۳۴ صفحہ ۱۰۵ دیکھئے ملیبار کی وہ رپورٹ جو ملیبار ازدواجی کمیشن نے کی تھی صفحہ ۲۰ فقرہ ۵۲۔

[2] اپو ویر بنام رام سبائن ۱۱ مرافعہ جات مور صاحب صفحہ ۸۹۔۷ سدرلینڈ پی سی صفحہ ۱۔

نہ تو وہ انتظام پہ نگرانی کرسکتے ہیں اور نہ حساب فہمی کا مطالبہ۔ لیکن جونہی وہ جائداد
معرض انتقال میں آجائے تو برادران یا دیگر شریک ورثا اپنے حصص پر بیم اشتراکی
حالت میں قابض رہتے ہیں۔ اور جب تک کہ تقسیم نہ ہو حالت مذکور میں ہر ایک کے
مرافق شامل رہتے ہیں۔ یہ مرافق خود اس کے قائم مقاموں پر منتقل ہوتا ہے عام ازیں کہ
وہ مرد ہو یا عورت یا خود اس کے منتقل الیہم[1]۔ اس امر پر رائے زنی کرنا دشوار ہے کہ
کس حد تک اصول مذکور سے شریک ورثا کے حقوق ان کے مابین بڑھ جاتے ہیں۔
بادی النظر میں ہر شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ قانون بنگال میں اس اصول کے سبب ہر
شریک وہ کام کرنے کا مجاز ہے جو بنارس کے قانون کے تحت نہیں کرسکتا۔ لارڈ
ویسٹبری کا یہی خیال ہے۔ یعنی "وہ مشترکہ اور غیر منقسمہ خاندانی جائداد کے متعلق یہ
کہنے کا مجاز ہے کہ اس خاص رکن کا فلاں معین اور مشخص حصہ ہے" مگر معلوم یہ ہوتا ہے
کہ بنگال کے سپریم کورٹ نے اسے شاید ہی تسلیم کیا ہو چنانچہ عبارت ذیل میں انھوں
نے ایسی تجاویز بیان کی ہیں جن سے اس مشترکہ جائداد کی نوعیت کی یکسوئی ہوجاتی
ہے جس پر بنگال میں غیر منقسمہ خاندان قابض ہو۔" اولاً۔ ہر ایک شریک کو تقسیم کے
مطالبے کا حق حاصل ہے۔ جب تک کہ تقسیم نہ ہو پوری جائداد مشترکہ سرمایہ رہتی ہے۔ ٣٨٢
نامکمل تقسیم سے حقوق شرکاء میں تبدیلی ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ ہر حصۂ جائداد میں
ورثاء کو مساوی طور پر مرافق حاصل ہوتے ہیں[2]۔ ثانیاً۔ اصل شریک کی وفات پر اس
کے ورثا اس کی جگہ لیتے ہیں اور ان حقوق کے وارث ہوتے ہیں جو وفات کے
وقت اسے حاصل تھے۔ اس کی زندگی میں بھی اس کے حقوق اشخاص اجنب پر
منتقل ہوسکتے ہیں۔ یا تو صریح انتقال جائداد سے۔ یا دائنین کی صورت میں قانون کے
عمل سے۔ لیکن ہر صورت میں وہ لوگ جو اصل شریک کی جگہ پر آئیں عام ازیںکہ وراثت
کے سبب۔ یا انتقال کے سبب۔ یا قانون کے عمل سے صرف وہ حقوق پائیں گے جو
اس وقت ہوں۔ اس میں تقسیم کے مطالبے کا حق بھی داخل ہے۔

[1] دیکھیے تجویز جسٹس ٹرنر سورج مونی داسی بنام دینو بندھو مور مرافعہ جات صفحہ ۲۰۳ و صدر کورٹ ہندر بیند
بی سی صفحہ ۱۱۷۔ ویا بھاگ باب ۲ فقرہ ۲۸ نوٹ ۱۱۔
[2] رگھونندن نے اس نظریے کو صریحاً بیان کیا ہے باب ۱ صفحہ ۲۱-۲۹۔

ثالثاً۔ جب جائداد کی حالت اشتراک جاری ہو تو جو کچھ بھی اضافہ مشترکہ سرمایہ میں ہو وہ اس میں شامل ہو کر اس سرمایہ کا جزو بنجاتا ہے۔ تقسیم پر وہ علی السویہ تقسیم ہوگا۔ اس کا کوئی لحاظ نہ ہوگا کہ سرمایۂ مشترکہ کا کس طرح اطلاق کیا جا کر یا کس کی محنت و مشقت سے وہ اضافہ ہوا۔ اس قاعدے کی ایک ہی استثنائی شکل ہے۔ یہ کہ اگر ایک شریک نے صرف مشترکہ سرمایہ کی مدد سے کوئی الگ جائداد حاصل کی ہو تو حاصل کرنے والا اس خاص جائداد میں دہرا حصہ لے سکتا ہے۔ وہ اضافہ عام قاعدے کا تابع ہوگا جو محاصل کے جمع ہونے سے وجود میں آیا ہو۔[1]"

**مینجر کی حیثیت**

**ف ۲۹۳** جہاں تک کہ خاندان مشترکہ کا منتظم (کرتا) مقاصد خاندان کے لئے اس کا انتظام کر رہا ہو۔ اس پر یہ وجوب عائد نہیں رہتا کہ وہ مثل ملازم کارندے یا امین کے کفایت شعاری کرے یا پس انداز کرے۔ (منتظم خاندان نہ تو کارندہ ہے اور نہ امین) مثلاً جب خاندانی کاروبار تقسیم پر ختم کر دیا جائے تو حساب یہ لیا جائے گا کہ اس نے کیا خرچ کیا اور کیا باقی ہے۔ نہ یہ کہ کیا صرف کیا جا سکتا تھا اگر کفایت شعاری اور ہنر کو کام میں لایا جاتا[2]۔ وجہ یہ ہے کہ جائداد جس کا وہ منتظم ہوتا ہے خود اس کی بھی ہوتی ہے اگر وہ اسراف کی زندگی بسر کر رہا ہو اور کرنا چاہتا ہو تو دوسروں کے لئے یہ چارۂ کار ہے کہ وہ تقسیم کرائیں۔ برخلاف اس کے "یقیناً اس پر اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ انھیں ان تمام رقوم میں سے ان کے حصص کی ۳۸۳
پابجائی کرے جن کا اس نے واقعی طور پر بیجا تصرف کیا ہو۔ یا جن رقوم کو اس نے ایسے

لہ سورج مونی داسی بنام دینو بند و ۶ م۔ا۔ اصفحہ ۶ ۲ ۵ صفحہ ۹ ۳ ۵۔ ۴ سدرلینڈ پی سی صفحہ ۱۱۴ پریوی کونسل نے وصیت کی تعبیر کرتے ہوئے اسے منسوخ تو کیا مگر تجاویز مذکورالصدر پر کوئی تنازع نہ تھا۔ نیز دیکھئے چکن بنام پورن ۹ سدرلینڈ صفحہ ۴۸۳۔

۲ہ تارا چند بنام ریب رام ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۷۷۔ چتنی بنام پروسونو مقدمات اپیل ہائیکورٹ بنگال مصنفہ سوشیری صفحہ ۲۳۱۔ جگموہن داس بنام منگلداس ۱۰ ابمبئی صفحہ ۵۷۸۔ دامودھر داس بنام اتم رام ۷ ابمبئی صفحہ ۲۷۱۔ بیرا زو بنام سبارایادو ۴۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۸۰ صفحہ ۲۸۷ صفحہ ۲۸۸-۶۱ نظائر ہند صفحہ ۱۷۴۔

مقاصد کے لئے صرف کیا ہو جن میں خاندان مشترکہ کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہندو خاندان مشترکہ کے کسی رکن پر دیگر شرکاء کے مقابلے میں اس قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کا حساب دے جو اس نے خود کے عیال واطفال زیادہ ہونے کے سبب المضاعف تصرف میں لایا ہو۔ یا جنھیں اس نے اس وجہ سے استعمال کیا ہو کہ وہ زیادہ صرفہ کرنے پر مجبور تھا۔ مثلاً یہ ہوسکتا ہے کہ ایک رکن کے لڑکیاں بہت زیادہ ہوں اور ان کی شادی کر دینا واجب

**معمولی رکن کی حیثیت**

ان میں کی ہر لڑکی کی شادی اچھے اور موزوں شخص سے کر دینے کا وجوب جب تک کہ وہ مشترک ہیں پورے خاندان پر عائد ہوتا ہے۔ اخراجات جو ایسی شادیوں کے لئے کئے جائیں ان کا بوجھ کل ارکان پر ہونا چاہیئے۔ ان کے علی الترتیب حقوق موافق کی جو خاندانی جائدادمیں ہوں کوئی بحث نہیں ہوتی"۔ بنگال کے سپریم کورٹ نے مماثل قسم کے خیالات کا اظہار اسی مقدمے میں فرمایا جس سے میں نے قبل ازیں اقتباس کیا ہے اور ان سے اضافۂ ذیل ہوتا ہے۔ "ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ فی زمانناجب کہ ذاتی عیش وعشرت میں اضافہ ہوگیا ہے اور اٹھنے بیٹھنے کے طریقوں میں تبدیلی ہونے کے باعث ارکان خاندان کے تعلقات میں بھی تغیرات ہو گئے ہیں اس لئے یہ بات کسی طرح خلاف توقع نہیں ہے کہ کھاتے میں ہر رکن کے اخراجات کا فرداً فرداً حساب کھولا جائے اور اس کے مقابلے میں حساب کیا جائے۔ اور تقسیم پر باوجود نصیب معدوم ہونے کے یا محروم نہ کئے جانے پر بھی حسابات مذکور عام حساب میں داخل کئے جائیں اور اس پر آخری تقسیم اور حصص دیئے جائیں[۳]۔"

**حساب فہمی کا حق**

**ف ۲۹۴** غیر منقسمہ ہندو خاندان کے ہر رکن کا یہ حق ہے کہ انتظام خاندان کا حساب طلب کرے نظائر رپورٹ شدہ کے مباحث میں بہت کچھ آچکا ہے۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ ہر رکن شراکت جو تقسیم کے مطالبے

---

[۱] ابھے چند بنام پیاری ۵ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۰۴ صفحہ ۳۰۹ تجویز جسٹس مٹر۔ کامو اراسا ستری بنام ویراچر لو ۳ مدراس صفحہ ۲۲۴۔

[۲] سورج مونی داسی ۲ م ۱۔ ا صفحہ ۲۵۴۔ ۷ سدرلینڈ پی۔ سی صفحہ ۱۱۴۔

[۳] شدانند بنام بونومالی ۶ سدرلینڈ صفحہ ۲۵۶۔ چکن بنام پارن ۹ سدرلینڈ صفحہ ۳۸۳۔ ابھے چندر بنام پیاری

۳۸۴ کا مجاز ہو ایسی تقسیم کی تمہید بطور لازماً حساب حاصل کرنے کا بھی مجاز ہوگا۔ ہاں جب کوئی رکن حساب کا مطالبہ بھی کرے اور غیر منقسمہ حالت میں بھی رہنے کا متمنی ہو تو ایک دوسرا سوال پیدا ہوگا۔ شراکت میں باقی رہنے والے رکن کا یہ دعویٰ کہ ان رقوم کا حساب فراہم کیا جائے جن کا اندراج اس کے نام پر علحدہ طور پر ہوا ہو مثاً شہراً قانون کے تابع خاندان میں قطعاً نا قابل پذیرائی ہوگا۔ وہ اس قسم کا ادعا اس غرض سے نہیں کرسکتا کہ وہ رقم یا اس کا کوئی جزو اسے ادا کیا جائے یا نئے حساب میں منتقل کی جائے۔ ایسا عمل معمولی معاہداتی شراکت میں ہوسکتا ہے نہ کہ ہندو شراکت میں۔ ایسے مطالبے کا جواب یہ ہوگا کہ "تمھارا حساب علحدہ طور پر رکھا نہیں گیا ہے۔ تمہارا حق خاندانی جائداد کے استعمال تک محدود ہے اور جو کچھ بھی مختص طور پر تمھارے لئے جدا نہ کیا گیا ہو خاندان سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ ارکان خاندان سے"۔ چنانچہ جبکہ اسی قسم کے حساب کا ادعا کیا گیا تو جسٹس جیاکسن نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔ "یہ امر مقبولہ معلوم ہوتا ہے کہ گو موروثی جائداد میں لڑکے کو باپ کے ساتھ ساتھ مشترکہ مرافق ہوتا ہے مگر جب تک کہ وہ جائداد مشترک رہتی ہے وہ باپ سے اس کی جائداد کے انتظام کا حساب طلب نہیں کرسکتا۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے باپ پر اس زمانے کے واصلات کے لئے نالش نہیں کرسکتا جس زمانے میں وہ جائداد اسکے باپ کے زیر انتظام تھی[1]"۔ ہاں یہ چیز دوسری ہوگی اگر وہ یہ کہے "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس اتحاد کے معاملات کی کیا حالت ہے جس میں میں ہوں"۔ ایسے مطالبے کو پورا کرنا فطری انصاف کے مطابق ہے۔ [حساب کا حق] ہر ہندو شریک خاندان کو خاندانی جائداد کی بدانتظامی کی صورت میں جو حق چارۂ کار حاصل ہے وہ یہ کہ تقسیم کرا لے۔ مگر وہ لاعلم رہتا ہے کہ آیا اس کا اس حق کو استعمال کرنا صائب ہوگا یا نہیں بجز اس کے کہ اس کو معاملات خاندان کی حالت سے واقف کرایا جاسکے۔ تاہم اس قسم کے حق حساب فہمی سے بھی چند مقدمات میں انکار کیا گیا ہے۔ بنگال کی اعلی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ۵ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۴۷۔ صدر کورٹ ۱۳ سدر لینڈ صفحہ ۵، اجلاس کامل۔
[1] شدانند بنام لوتو مالی ۶ سدر لینڈ صفحہ ۲۰۶۔ صفحہ ۲۵۹۔ گنپت بنام اناجی ۲۳ بمبئی۔ صفحہ ۱۴۴۔

عدالت مقدمات مذکور الصدر[1]- میں یہ کہتی ہے :- "دو اس قسم کے حساب کے مطالبہ کا حق جبکہ وہ موجود ہو تقسیم کے مطالبہ کے حق کے سلسلے میں ضمنی ہوتا ہے۔ حساب فہمی کی ذمہ داری کو صرف تقسیم پر نافذ کرایا جا سکتا ہے" بنگال کے ایک خاندان کے مقدمے میں جسٹس فیر ۳۸۵ (Phear, J.) ذیل کی دو حساب فہمیوں کی ذمہ داری میں فرق بتلایا۔ ایک تو اس وقت جبکہ انتظام منجانب نابالغ ہو رہا ہو اور دوسرے اس وقت جبکہ بالغ کامل کی جانب سے۔ صورت مقدم الذکر کے متعلق انھوں نے یہ فرمایا کہ منتظم صحیح معنے میں امین ہے اور یہ کہ جب اس کی امانت کی مدت اختتام کو پہنچے یعنی جب نابالغی ختم ہو جائے تو اس کا حساب دینے پر مجبور ہے کہ اس نے ان فرائض کو کس طرح انجام دیا۔ لیکن بالغ ارکان کے متعلق انھوں نے فرمایا۔ "منتظم اس کمیٹی کا جس کے ارکان خاندان ہیں محض ایک صدر نشین ہے۔ وہ سب ایک ساتھ جائداد کا انتظام کرتے ہیں اور کرتا۔ (یعنے منتظم اس جماعت کا منتخب کیا ہوا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ خود اسے بدل دے سکتے ہیں لہذا بجز اس کے کہ کچھ نہ کچھ اس کے خلاف ثابت کیا جائے خاندان غیر منقسمہ کا ہر رکن جو کرتا کے ساتھ شراکت و اتحاد میں رہتا ہو پھر اس کام میں شریک متصور ہونا چاہیئے جو وقتاً فوقتاً شراکتی جائداد کے انتظام میں کیا جائے اور اس حدتک تا بہ حد خود اور کرتا یہ سمجھا جانا چاہیئے کہ ان کاموں کی اس نے اجازت دی تھی۔ یعنے یہ کہ وہ مزید وجہ کے بغیر کرتا سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ حساب دے۔ اس میں شک نہیں کہ بطور واقعے کے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک خاص خاندان میں کرتا ایک یا زیادہ ارکان کا کارندہ ہو یا اس کا تعلق اعتمادی ہونے کے باعث حساب دینے پر مجبور ہو۔ ایسے حالات کا تصور کرنا بہ آسانی ممکن ہے جن میں وہ بہ تعلق رکن بالغ کے امین بن گیا ہو۔ یا ایسے حالات کا جن میں اس کے فریب یا دیگر بدعملی کے سبب انھیں یا ان میں کے چند کو حساب طلب کرنے کا نصفتی حق حاصل ہو گیا ہو۔ اپنے اس فیصلے میں میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ محض اس کی اس حیثیت سے کہ وہ کرتا ہے وہ حساب دینے پر قانوناً مجبور نہیں ہے"[2] اس مقدمے میں مدعی نے حساب طلب کیا۔

---

[1] سوارج موتی داسی بنام دینو بندہ ۲۶ مدراس صفحہ ۵۴۰ - ۳ سدرلینڈ پی- سی صفحہ ۱۱۴-

[2] چکن بنام پورن ۹ سدرلینڈ صفحہ ۴۴۳- دیکھئے- مقدمۂ ابھے چندر بنام پیاری ۵ بنگال لا رپورٹ

محض اطلاع کے لئے نہیں بلکہ اپنے اس حصے کے دعوے کے ضمن میں جو حصہ اس کو حساب دیکھنے پر ان زائد رقوم پر ملنا ظاہر ہوتا ہو جو منتظم نے وصول کئے ہوں۔ یہ نالش تقسیم کی نہ تھی۔ واقعے سے خود یہ چیز ظاہر ہے اس لئے کل مقدمہ خارج کیا گیا۔ اگر اس نے تقسیم کی نالش کی ہوتی تو لابد وہ اس کا مجاز ہوتا گو شرائطاً حساب وہی نہ ہوتے ۳۸۶
جن کے عائد کرنے کا وہ دعویدار تھا۔

**ف ۲۳۵**۔ اس فیصلے پر بعد کے مقدمۂ ذیل میں اعتماد فرمایا گیا۔ بنگال میں ایک بیوہ نے تقسیم جائداد کی نالش کی اور یہ استدعا کی کہ تقسیم کے ضمن میں مہاجنی (banking) شراکت ختم کر دی جائے۔ یہ کہ مدعی علیہ منتظم جائداد موروث مشترک کا و نیز مہاجنی کاروبار کا حساب دے۔ جسٹس مارکبی نے فرمایا۔ "میری صاف اور واضح رائے یہ ہے کہ عام ہندو خاندان مشترکہ میں پوری یا خاندانی جائداد کے کسی جزو کا منتظم اس حیثیت سے متصف ہونے کے سبب ارکان خاندان کو کسی قسم کا حساب دینے پر مجبور نہیں ہے"۔ اس خاص مقدمے میں انھوں نے حساب فہمی کی منظوری دی۔ سبب یہ بیان فرمایا کہ مہاجنی کاروبار مذکور معاہداتی شراکت پر چلایا جا رہا تھا جس کے منافع جب حاصل ہوں ارکان میں فرداً فرداً ایک خاص تناسب سے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو کاروبار صحیح معنی میں عام خاندانی کاروبار ہو اس کے منافع مشترکہ خاندانی سرمایہ میں داخل ہوتے ہیں۔ [فیصلۂ اجلاس کامل]۔ اس فیصلے کو اجلاس کامل نے بہ صراحت اس مقدمے میں نامنظور فرمایا جس میں مسائل ذیل کے فیصلے کے لئے استصواب کیا گیا تھا۔ (۱) کیا ہندو خاندان مشترکہ کے منتظم پر دیگر ارکان حساب کے لئے نالش کر سکتے ہیں اور (مسل سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک مدعی نابالغ تھا)۔ (۲) کیا ایسی نالش قابل سماعت

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ صفحہ ۴۲۵ جہاں جسٹس فیر نے اس کی توضیح فرمائی ہے۔ ۱۲ سدرلینڈ (اجلاس کامل) صفحہ ۵۰۷ پر بھی اس مقدمے کا ذکر ہے۔ نیز دیکھئے راجہ ستروچرلا بنام راجہ ستروچرلا ۲۲ مدراس صفحہ ۴۷۰ صدر کورٹ ۲۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۶۷۔

لے رگھمنی بنام کاسی ناتھ ۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱ صدر کورٹ ۱۲ سدرلینڈ (اجلاس کامل) صفحہ ۵۰۷ نوٹ۔

**حساب کا حق**

نہ ہوگی گو نالش کرنے والے فریقین اس زمانے میں نابالغ رہے ہوں جس زمانے کا حساب طلب کیا جارہا ہو۔ مسٹر جسٹس مٹر نے جواباً فرمایا "مثلاً فرض کیجیے کہ خاندان مشترکہ کا ایک رکن دوسروں سے علیحدہ ہونے کے خیال سے منتظم سے پوچھے کہ خاندانی آمدنی کا کس قدر حصہ اس نے اپنی مدت انتظام میں فی الواقعی پس انداز کیا ہے۔ اگر منتظم یہ کہنا پسند کرے کہ کچھ بھی پس انداز نہیں کیا گیا۔ اور ساتھ ساتھ اس آمدنی اور خرچ کا حساب دینے سے انکار کرے جو کلیتہً اس کے قابو میں تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ رکن جو علیحدہ ہونیکا متمنی ہو کس طرح معلوم کرسکتا ہے کہ فی الواقعی کس قدر سرمایہ تقسیم میں آسکتا ہے؟۔ اور قانون و معدلت کے کس اصول کے تحت یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ منتظم کے خودکردہ بیان کو بلاثبوت قبول کرلینے پر مجبور ہے کہ وہ بیان ان حالات کا صحیح بیان ہے"۔ اسی وجہ ۳۸۷
سے دونوں سوالات کے جواب اثبات میں دیے گئے۔ سابقہ تجویز منسوخ کی گئی اور حکن بنام پورن کے فیصلے کی بعد تطابق توضیح ذیل کی گئی۔ اس کے صرف یہ معنے ہیں کہ منتظمان مشترک کے متعلق یہ سمجھا جانا چاہیئے کہ چونکہ وہ ایک دوسرے کے افعال کی اجازت دیتے ہیں لہذا چند سال کے گزرنے کے بعد وہ اپنے میں کے ایک کو ان معاملات کا حساب دینے پر مجبور نہیں کرسکتے جو فی الواقعی خود ان کے افعال تھے[1]۔

**حساب کے ضمن میں دادرسی**

**ف ۲۹۶**۔ ان دو سوالات کے متعلق جن کا حوالہ اوپر دیا گیا وہ بلاشبہہ قطعی ہیچ ہے مگر میں نالش کی ترتیب کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ عرضی دعویٰ میں یہ ادعا کیا گیا کہ غیر منقولہ اور ذاتی جائداد تھی اور اس کا انتظام ۱۸۶۳ء میں مدعی علیہ نے اپنے ہاتھ میں لیا یہ کہ گو منافع بہت زیادہ تھے پھر بھی مدعیان کی پرورش مناسب اور موزوں طریقے سے نہیں کی گئی۔ یہ کہ مدعیان میں کے بزرگ مدعی نے ۱۸۶۶ء میں ایک ثلث حصے کا انتظام اپنے سر لیا۔ حصۂ مذکور خود اس کا اور اس کے نابالغ بھائی کا تھا۔ اس نے

[1] ابھے چندر بنام پیاری ۵ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۴۷-۱۳ اسد رلینڈ اجلاس کامل صفحہ ۷۵۔ دامودر داس بنام اتم رام ۱۷ بمبئی صفحہ ۲۷۱۔

استدعا کی کہ مدعی علیہ کے انتظام کی مدت انتظام من ابتدائے ۱۸۶۳ء لغایت ۱۸۶۶ء کے منافع کا ایک ثلث و نیز ذاتی جائداد کا ایک ثلث حصہ دلایا جائے جائداد غیر منقولہ کے حصے کے لئے استدعا نہیں کی گئی۔ اس دعوے کے ضمن میں حساب کی خواہش کی گئی۔ مدعی علیہ نے یہ جواب دہی کی کہ ۱۸۴۹ء میں تقسیم ہوچکی ہے۔ یہ جواب دہی اس کے خلاف ثابت ہوئی۔ ابتدائی عدالت نے غیر منقولہ اور ذاتی جائداد کے منافع کے حصے کی ڈگری مدعی کو دی۔ اصل سرمایے سے حصہ دلائے جانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس ڈگری کی مرافعے میں اصولاً تصدیق فرمائی گئی۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مدعی کا دعویٰ حسب ذیل تھا۔ ہر شریک حصہ دار کے نام سے جدا جدا حساب رکھا جائے۔ اس حساب میں پس انداز کی ہوئی رقوم سے جو کچھ حصہ اس کا ہوتا ہے لکھا جائے۔ اور جو کچھ رقم اس پر فی الواقع صرف ہوتی ہے وہ اس کے خرچ میں محسوب کی جائے۔ اور یہ کہ آمد و خرچ کے بعد جو کچھ بچے یا جیسے جیسے جمع ہو اسے سال بہ سال یا جب کبھی وہ مانگے دیا جائے۔ اگر اس اصول کی پابندی
۳۸۸ کی جائے تو ظاہر ہے کہ خاندانی جائداد میں کبھی بھی اضافہ نہ ہوسکے گا۔ اگر کل خاندان چاہتا کہ آمدنی ہی میں بسر کرے تو بیشک وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن کیا کسی ایک رکن خاندان کو اس پر اصرار کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ اس معیار سے اونچے پر رہنا چاہتا ہے جس معیار کو دیگر ارکان نے موزوں اور مناسب سمجھا تھا؟ کیا اسے یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ سالانہ اپنا حصۂ آمدنی خاندانی طریقۂ انتظام یا تجارت سے علیحدہ طور پر لے کر جس طرح چاہے خود خرچ کرلے؟۔ اگر وہ ایسا کرے تو کیا ایسی سالانہ رقوم کا ذخیرہ اور اس سے جو منفعتیں حاصل ہوں اس کی خود کی جائداد سمجھی جائیں گی یا وہ مشترکہ جائداد رہیں گی؟۔ ان میں سے کسی ایک مفروضے کو تسلیم کرنے سے متضاد چیزیں پیدا ہونگی۔ اگر وہ خود اس کی جائداد ہوجائیں تو اس قاعدے سے تصادم ہوگا کہ مشترکہ جائداد سے پس انداز کی ہوئی رقم اور وہ چیزیں جو کلیۃً جائداد مشترکہ کے ذریعے سے حاصل کی جائیں مشترک رہتی ہیں۔ اگر وہ علیحدہ ہوسکیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر منقسمہ خاندان کا رکن خاندانی جائداد کے اجزا کو محض ذخیرہ کرنے سے ایک معتدبہ ذاتی جائداد جمع کرسکتا ہے برخلاف اس کے اگر اس طرح جمع کی ہوئی چیزیں مشترکہ ہی رہیں تو لغویت ذیل پیدا ہوگی۔ یہ کہ الف ب پر نالش کرکے ایک ہزار روپوں کی ڈگری حاصل کرسکتا ہے اور دوسرے ہی ہفتے

ب الف پر اس رقم کی تقسیم اور اس سے حصہ پانے کی نالش کرسکے گا۔

**خاص خاندانی انتظام**

ف ۲۹ یہ بالکل ممکن ہے کہ عرضی دعویٰ خاندانی انتظام پر مبنی تھا۔ یہ چیز کسی طرح بعید نہیں ہے خصوصاً اس وقت جبکہ خاندان غیر منقسم حالت میں ہو اور ہر رکن جائداد کے ایک جزو پر علٰحدہ قابض ہو اور آمدنی کو خود اپنے استعمال میں لا رہا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اگر وہ حصہ جو الف کے لئے مختص کیا گیا ہو ب کی نگرانی میں دیا جائے تو آمدنی پر ب. الف کے استفادے کے لئے قابض ہوگا اور الف اس کے استعمال کا حساب لینے کا مجاز اور یہ مطالبہ کرسکے گا کہ باقی ماندہ رقم اسے دی جائے۔ لیکن ایسا عمل خاص انتظام کے تحت ہوگا کہ آمدنی کا تصرف انفرادی شاخوں میں ہو۔ ایسا عمل غیر منقسمہ ہندو خاندان کے رواج کے تحت نہ ہوگا بلکہ اس کے مغائر۔ بہرحال اس کو ماننا ہی پڑے گا کہ چیف جسٹس کوچ کے الفاظ ایسے ہیں کہ گویا انھوں نے بالکل جداگانہ نظریہ قائم کیا۔ وہ کہتے ہیں[1] "مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق مطالبۂ حساب جس اصول پر منحصر کیا گیا ہے وہ جیسا کہ فرض کرلیا گیا
۳۸۹ ہے صریح کارندگی یا شراکت معاہدہ کے وجود پر نہیں ہے جہاں انتظام کرنے والا شریک دیگر شرکا، کا کارندہ سمجھا جاسکے۔ اس کا مطالبۂ حساب انحصار اس حق پر ہوتا ہے جو ارکان ہندو خاندان مشترکہ کو جائداد کے حصے کے متعلق حاصل ہو۔ اور جب ایک فریق کل منافع حاصل کر رہا ہو تو وہ دیگر فریقوں کو جنھیں اس میں مرافق ہو ان کے حصص کی منفعتوں کا حساب دینے پر مجبور ہے۔ یہ حساب ان منہائیوں کے بعد ہوسکتا ہے جس کے منہا کرنے کا اسے حق ہو" اگر اس سے فاضل میر مجلس کا یہ مطلب تھا کہ وہ ان منفعتوں کا حساب بہ ایں معنی دینے پر مجبور ہے کہ انھیں ادا کرے۔ یا انفرادی ارکان کی طرف سے ان پر قابض رہے تو اس رائے کی بنیاد وہ امتیاز ہونا چاہئے کہ جو بنگال اور مشاکشرا قانون کے تحت شریک حصہ داران کے حقوق کے متعلق ہم دیکھتے ہیں۔ مذکور الصدر رائے کی بنیاد خیال ذیل ہونا چاہئے۔ یہ کہ ہر رکن کا کل حصہ اور لہٰذا اس حصے کی کل آمدنی دیگر ارکان کے کل دعاوی سے مبرا اس کے تصرف میں لائی جاتی ہے اور یہ کہ

---

[1] ابھے چندر بنام پیاری۔

بہ ایں سبب منتظم انھیں وصول توکرتا ہے مگر حیثیت اس کے کارندے اور امین کے۔ یقیناً یہ رائے جمہرتو وہاں ان کے نظریۂ جائداد مشترکہ کا منطقی نتیجہ ہے۔ لیکن ان کثیر عدالتی آرا کے مغائر جن کا اقتباس اوپر کیا گیا۔

**الف** **ف ۲۹۷** عالیہ عدالت مدراس نے بھی اسی مسئلے پر غور فرمایا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ مٹاکشرا قانون کے تحت وہ رکن خاندان مشترکہ جس نے تقسیم کی نالش کی ہو اور جو خاندان مشترکہ سے علحدہ نہ کیا گیا ہو مجاز نہیں ہے کہ وہ منتظم کے سابقہ معاملات کا عام حساب طلب کرے بجز اس کے کہ فریب یا تصرف بیجا ہوا ہو۔ کلکتے کے اس فیصلے سے اختلاف فرمایا گیا جس کا حوالہ اوپر دیا گیا۔ بمبئی کا ایک عالیہ مقدمہ بھی اسی نظریے پر چلا۔

تقسیم چاہنے والا رکن خاندانی جائداد کا حساب لینے کا مجاز ہے مگر اس حساب کا جو تاریخ تقسیم پر ہو۔ وہ گزشتہ حساب طلب نہیں کرسکتا۔ اور نہ اس کا ادعا کرسکتا ہے کہ خاندانی جائداد سے جو استفادہ غیر مساوی طریقے سے ہوا ہے اس کی تلافی ہو۔ اگر وہ منتظم کے سابقہ فریب یا تصرف بیجا کا ادعا کرکے اسے ثابت کرے تو قاعدۂ مذکور کا اطلاق نہ ہوگا۔ پوری مدت انتظام کے جملہ حسابات دیکھنے کا وہ مجاز ہوگا۔ ایسی صورت میں غرض حساب محض یہ نہ ہوگی کہ کس قدر خاندانی جائداد تقسیم ہوسکتی ہے بلکہ کس قدر جائداد تقسیم میں آسکتی تھی اگر فریب اور تصرف بیجا نہ ہوتا۔ ایسی صورتیں بھی ممکن ہیں جبکہ اس کی تحقیق میں کہ تقسیم کے وقت خاندانی جائداد کیا ہے دیکھنے میں سابقہ حسابات کا دیکھنا بھی ضروری ہوجائے۔ مگر ایسے حسابات کے لینے کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ یہ معلوم کریں کہ تقسیم کے وقت کس قدر مشترکہ جائداد فی الواقعی منتظم کے دست رس میں ہے۔ ایسے حسابات لینے کی بنیاد اور غرض یہ نہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے سابقہ معاملات کی جواب دہی کرے۔ جب تک کہ خاندان ۲۹۰

لے بالاکرشنا بنام متوسامی ۳۲ مدراس صفحہ ۲۷۱۔ نارائن بنام ناتھاجی ۲۸ بمبئی صفحہ ۲۰۱۔

لے دیکھئے سورج مونی اور بالکرشنا۔

لے پرمیشور دوبے بنام گوبند دوبے ۴۳ کلکتہ صفحہ ۴۵۹۔ رام ناتھ چھوٹارام بنام گوتورام رادھاکرشن

کی حالت اشتراک باقی ہے منتظم حساب رکھنے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اور تقسیم ہونے تک اس سے خاندانی اراضی کے لگان کا حساب نہیں لیا جا سکتا ہاں اس تاریخ سے جب سے کہ تقسیم کا حق پیدا ہوتا ہے منتظم اسی نوعیت کا حساب دینے پر مجبور ہے جس قسم کا حساب ایک امین یا کارندے سے طلب کیا جا سکتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس تاریخ سے حساب کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جب سے کہ کوئی ایک رکن خاندان غیر مبہم اور واضح الفاظ میں اس کا پہلی مرتبہ اعلان کرے کہ وہ تقسیم نافذ کرنے کا متمنی ہے[1]۔ لہٰذا اگر خاندان مشترکہ کا کوئی رکن ناجائز طور پر خاندانی جائداد کے استفادے سے محروم کر دیا جائے اور اس کے بعد وہ اپنی حیثیت رکنیت قائم کر دے تو اس کو نالش کا حق اس تاریخ سے پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ محروم کیا گیا تھا۔ اور وہ اس تاریخ سے اس طرح حساب لینے کا مجاز ہوگا جیسا کہ ایک امین حساب دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

**مشترکہ نالش کی ضرورت**

۲۹۸ ف۔ ملکیت یا قبضۂ خاندانی کی اس یکجہتی کا لازمی نتیجہ حسب ذیل ہے۔ یہ کہ جہاں کہیں کسی معاملے سے اس جائداد پر اثر پڑتا ہو تو کل ارکان کا اس معاملے میں متفق ہونا ضروری ہے اور جو کچھ بھی کیا جائے وہ کل کے مفاد کے لئے کیا جانا چاہئے نہ کہ واحد فرد کے لئے۔ مثلاً کوئی ایک رکن ایک خاص جزو جائداد خود لے لینے کے لئے نہ تو نالش کر سکتا ہے اور نہ صیغۂ تعمیل میں کارروائی کر سکتا ہے[2]۔ عام اس سے کہ اس نے ۳۹۱
ایک ایسے شخص غیر کے خلاف یہ دعوے کیا ہو جس کا قبضہ ناجائز ہو۔ یا خود اس کے شریک کے خلاف اگر مقدم الذکر ہو تو کل ارکان کو شریک ہونا چاہئے اور نالش اس لئے کی جانی چاہئے کہ کل جائداد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۴۴ بمبئی صفحہ ۱۷۹۔

[1] سورج نارائن بنام اقبال نارائن جلد ۴۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۰۔ ۳۵ الہ آباد صفحہ ۸۰۔ گرجا رائے بنام سدا شیو دھنراج ۴۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۱۔ ۳ ہ ک صفحہ ۱۳۱۔ رام ناتھ چھوٹو رام بنام گوتو رام رادھا کرشن ۴۴ بمبئی صفحہ ۹۱ جو خیال اس کے برعکس ظاہر کیا گیا وہ اصولاً پریوی کونسل کے فیصلوں سے منطبق ہوتا نظر نہیں آتا۔

[2] بنارسی داس بنام مہارانی کنور ۵ الہ آباد صفحہ ۲۷۔

واپس دلائی جائے اور کل کے مفاد کے لئے۔ اور یہی ہوگا عام اس سے کہ وہ اجنبی بلا کسی قسم کی حقیت کے قابض ہو۔ یا کسی ایک حصہ دار کے خارج از اختیار فعل سے[1]۔ یا منتظم کے جائز فعل سے اسے قبضہ ملا ہو۔ اگر کوئی ایک رکن مدعی بننے سے انکار کرے یا مدعی علیہ کے ساتھ ساز باز کر رہا ہو تو وہ شریک مدعی علیہم بنائے جائیں تاکہ کل کے موافق پابند ہو سکیں[2]۔ ایک رکن بذات خود دوسروں کو شریک کرنے کے بغیر یا ان کی بلا رضامندی نالش نہیں کرسکتا۔ اور اس طرح دوسروں کو بہ حیثیت مدعی علیہم شریک کر کے عیب کی تلافی نہیں کرسکتا[3]۔ اگر کسی وجہ سے جیسا کہ مرور مدت کے سبب

---

[1] شیو چرن بنام جگرا رہی ۱۵ سدرلینڈ صفحہ ۴۳۶۔ جیت نارائن بنام بنواری ۲۳ سدرلینڈ صفحہ ۲۹۵ پرومانا بنام ولالو دا مدراس ۲ ۱۸۷۵ء صفحہ ۳۵ راجہ رام تواری بنام لچھمن ۴ بنگال لا رپورٹ (مرافعہ جات) صفحہ ۱۱۸۔ صدر کورٹ ۴ سدرلینڈ صفحہ ۸۷۔ مقدمہ ہولباس بیور بنام لالہ جوگیشر ۱۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶ میں بحال رہا۔ ۷ کلکتہ صفحہ ۲۲۶۔ ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۲۸۵۔ بسوا ناتھ بنام کلکٹر مان سنگھ، بنگال لا رپورٹ ضمیمہ صفحہ ۲۴۔ ۱۲ سدرلینڈ صفحہ ۹۶ نوٹ۔ انوڈا بنام ارسکن ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۷۰۳ میں تصدیق کی گئی۔ ۲۱ سدرلینڈ صفحہ ۲۸۔ دیوکر بنام نرو بمبئی سلکٹ رپورٹ صفحہ ۱۹۔ تندی بنام لائیڈ ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۴۷۔ تملک بنام راموس ۵ شمالی مغربی ممالک صفحہ ۱۸۲۔ ناتھونی بنام ہتراج ۲ کلکتہ صفحہ ۱۴۹۔ ارجیلا بنام وشعالنگ ۷ مدراس صفحہ ۲۷۔ انگاموتھو بنام گولند او یلو ۲۳ مدراس صفحہ ۱۹۰۔ کل ضروری فریقین کا شامل کیا جانا نہ صرف مدعی کا حق ہے بلکہ مدعی علیہ کا بھی کیونکہ اس میں اس کی دلچسپی ہے کہ کل خاندان ڈگری کا پابند ہونا چاہیئے۔ ہری گوپال بنام گوکلداس ۱۲ بمبئی صفحہ ۱۵۸۔ بالکرشنا بنام ہورو کرشنا ۱۸ بمبئی صفحہ ۱۴۵۔ اگر عدم اشتمال کا عذر مقدمے کی ابتدائی منزل پر نہ کیا جائے تو مرافعے میں نہیں کیا جا سکتا۔ پراگاسیوا بنام کرشنا ۱۴ مدراس صفحہ ۴۹۸۔ اس امر کے لئے کہ مناسب فریقین کا اضافہ کر کے عرضی دعوے کی ترمیم کرنا جبکہ اس فریق ثانی کو نقصان پہنچتا ہو دیکھئے الاگپا بنام دلبین ۱۸ مدراس صفحہ ۳۳۔ وادی لال بنام شاہ کشال ۲۷ بمبئی صفحہ ۷۰۔ کشن پرشاد بنام ہرنارائن سنگھ ۳۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۵۔ ۳۳ ۸ صفحہ ۲۷۲۔

[2] راجہ رام تواری بنام لچھمن۔ جگو دمبا بنام ہرن ۱۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۰۹۔ گوکول بنام ایتواری ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۲۰۸۔ کنوشری بنام واتوج ۳ مدراس صفحہ ۴۲۳۔ پچو لال بنام ولی اللہ ۱۱ اک صفحہ ۳۳۸۔ کالی چندرا بنام راجہ کشور ۱۱ اک صفحہ ۶۱۵۔ دوارکا ناتھ متر بنام تارا پرو سونو ۱۷ اک صفحہ ۱۶۔

[3] پرشوتم بنام شنکرن ۱۳ مدراس صفحہ ۴۸۹۔ ساوتری بنام رامن ۲۴ مدراس صفحہ ۲۹۶۔

دیگر ارکان بحیثیت مدعیان شریک نہ کئے جا سکتے ہوں تو کل مقدمہ قابل اخراج ہوگا[۱]۔ اگر نالش شرکائے خاندان کے خلاف ہے تو اس کی بنیاد بھی خراب سمجھی جائیگی۔ ایک رکن کا دوسرے حصہ داران شریک کے خلاف قبضے کے لیے صرف یہ چارۂ کار ہے کہ وہ تقسیم کی نالش کرے۔ جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک اسے جائداد کے کسی جزو پر بلاشرکت احد سے قبضہ پانے کا حق نہیں ہوتا[۲] خاندانی جائداد کے متعلق ارکان خاندان کے مابین احکام ۳۹۲
امتناعی کی نالشات اتلاف۔ خاندانی جائداد کا ناجائز استعمال اور بے دخلی تک محدود ہیں[۳]۔

ایک شریک کی طرف سے نالش۔ اسی قاعدے سے حصہ داروں میں[۴] سے ایک حصہ دار کو اس کی اجازت نہیں کہ صرف وہ خود کسی اسامی کی بے دخلی کے لئے نالش کرے بجز اس کے کہ شاید اس صورت میں جبکہ مدعی دیگر شرکاء کے ایما سے کل پر بلاشرکت احد سے قابض کر دیا گیا ہو[۵] یا

---

[۱] کالی داس بنام کیولداس بنام ناتھو بھاگون ، ۷ بمبئی صفحہ ۲۱۷۔

[۲] کہپوریاس کنو۔ بنام لال جوگیشر ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۷۔ اک صفحہ ۲۲۶ ۔ ۲۵ مدراس لینڈ صفحہ ۲۸۵۔ دادجی بنام وکھل بمبئی سلکٹ رپورٹ صفحہ ۱۵۱۔ تریبک بنام نارائن ۱۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۶۹۔ گوبند چندر بنام رام کمار ۲۴ سدر لینڈ صفحہ ۳۹۶۔ راما جو بنام ویریا ۲ مدراس صفحہ ۹۰ دیکھئے نرن بھائی بنام رامچو ۲۶ بمبئی صفحہ ۱۴۱۔

[۳] اننت رام راؤ بنام گوپال بلونت ۱۹ بمبئی صفحہ ۲۶۹ گنپت بنام اناجی ۲۳ بمبئی صفحہ ۱۴۴۔ دیکھئے مقدمات جگر ناتھ بنام جانتھ ۷ ۲ الہ آباد صفحہ ۸۸ اور رامچرن بنام کانیشر ایضاً صفحہ ۴۵ ان مقدمات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس وقت ڈگری کیا ہوگی جبکہ ایک شریک اراضی کے کسی حصہ پر بلاشرکت احد سے قابض ہو۔

[۴] سری نتانا بنام نیم چند ۱۳ سدرلینڈ صفحہ ۷ ۳۳۔ جلد ۵ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ ۲۵ الم بنام اشا ۱۶ و ۱۹ سدرلینڈ صفحہ ۱۳۸ ۱ مولودھر بنام گورو ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۲۶۔ کرشنا راؤ بنام گوئند ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۸۵ سوبارام بنام گنگا ۲ ممالک شمالی مغربی صفحہ ۲۶۰۔ بالاجی بنام گوپال ۳ بمبئی صفحہ ۲۰۸۔ ریست بنام چوروبہ ک صفحہ ۷ ، ۴ گوپال بنام میاکنا ممن ۷ ک صفحہ ۱۵۷۔

[۵] امیر سنگھ بنام منظم ، ممالک شمالی مغربی صفحہ ۵۸۔

لگان کے ازدیاد کے لئے[1]۔ یا اپنے حصۂ لگان کے لئے[2] الا اس کے کہ مدعی علیہم نے اپنے
لگان خود اس کو علیحدہ طور پر دیے ہوں۔ یا اس طرح دینے کے قرار داد کئے ہوں۔ اگر یہ
صورت ہو تو وہ کسی طرح بھی اعتراض پیدا نہیں کر سکتے۔ برایں ہم ایسی صورت میں بھی دیگر
شرکا رمیں سے کوئی ایک مخل ہو سکے گا اگر وہ یہ سمجھتے ہوں کہ ان کے حقوق معرض خطر میں
آگئے ہیں[3]۔ اور اسی طرح جبکہ خاندان مشترکہ کے ایک رکن نے مشترکہ جائداد کے کسی جزو
پر اپنی رقم لگائی ہو تو وہ دیگر شرکا پر اس رقم کی واپسی کے لئے نالش نہیں کر سکتا۔ بجز
اس کے کہ صراحتہً یہ طے پایا ہو کہ اس کو وہ رقم واپس ملنی چاہئے۔ تقسیم پر ورنہ اس کا ۳۹۲
اس طرح رقم لگانے کا لحاظ کیا جا سکے گا[4]۔
برخلاف اس کے اگر جائداد مشترکہ کے متعلق شخص ثالث کا فعل ایک شریک

[1] جگندر بنام نوبن چندر ۸ ک صفحہ ۳۵۲ بالکرشنا بنام مورو کرشنا ۲۱ بمبئی صفحہ ۱۵۴ جہاں منتظم نے دوسرے
شرکا کی رضامندی سے اپنے نام سے نالش کی تھی۔
[2] اندر موہنی بنام سروپ ۱۵ سدرلینڈ صفحہ ۲۹۵۔ ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۹۴ نوٹ ہرکشور بنام جوگل
۱۶ سدرلینڈ صفحہ ۲۸۱۔ ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۹۳ نوٹ۔ بھائیرب بنام گوگا رام ۱۷ سدرلینڈ صفحہ
۴۰۸۔ ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۹۰ نوٹ۔ انودا بنام کال کمار ۴ ک صفحہ ۸۸ منوہر داس بنام منظر علی
۸۵ صفحہ ۴ ان صورتوں کے لئے جبکہ دیگر شرکا خاص اسامی سے ساز باز کر رہے ہوں مقابلہ کیجئے
جادو بنام سدرلینڈ ۴ ک صفحہ ۵۵۶ اور جادو بنام کدم بنی ۷ ک صفحہ ۱۵۔
[3] گنگا بنام سرودا ۳۰ بنگال لا رپورٹ (جرنل نظائر مرافعہ) صفحہ ۲۳۰ سدر کورٹ ۱۲ سدرلینڈ صفحہ ۵۰۔
ہرادن بنام رام نواز ۷ سدرلینڈ صفحہ ۴۱۴۔ صالح النسا بنام موہیش ایضاً صفحہ ۴۵۲۔ سری سر بنام
کروڈے ۵ سدرلینڈ صفحہ ۴۴۲۔ دنو بندھو بنام دونا تھ ۱۹ سدرلینڈ صفحہ ۱۱۲۰ جلاس کال درگا بنام
جمپا ۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۸۹ صدر کورٹ ۲۱ سدرلینڈ صفحہ ۴۲۶۔ بکھل بنام مہتاب ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۴۲۔
اس میں شک نہیں کہ شرکا اس پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ان میں کے ہر ایک کو لگان کے حصص کر کے دے۔ ایسی صورت
میں وہ اپنے اپنے حصے کے لئے علیحدہ علیحدہ نالش کر سکتے ہیں گنی بنام موران ۴ ک صفحہ ۹۶۔ لطف الحق بنام گوپی۔
[4] نکمار بنام جے دیو جلد ۲ صدر دیوانی صفحہ ۲۴۷ (۳۱۷) جلال الدولہ بنام صمصام الدولہ ۵ ک صفحہ ۴۱۴ مدراس
دسمبر ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۹۱ متوسامی بنام سبر میا مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۰۹۔

کے لئے ذاتی اور خاص طور پر باعث نقصان ہوا ہو اور اس سے دیگر شرکا پر اثر نہ پڑتا ہو تو وہ اس نقصان کے لئے علیحدہ نالش کر سکتا ہے اور دوسروں کا شریک کیا جانا ضروری نہیں[1]۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شریک ایسے شخص کو بیدخل کر سکتا ہے جو محض مداخلت بیجا کنندہ ہو بشرطیکہ اس کی غرض یہ ہو کہ جائداد مشترکہ سے ایسے شخص کو نکالدے جو مخل ہو رہا ہو اور ساتھ ساتھ وہ اس جائداد کے کسی خاص حصے کا خود دعویدار نہ ہو[2]۔ جب ہندو خاندان مشترکہ کے ایک رکن نے جو فی الواقع منتظم خاندان ہے نالش کی ہو تو دیگر امور پر غور کرنا ہوتا ہے[3]۔ یہ امر طے شدہ سمجھا جا سکتا ہے کہ خاندانی کاروبار کا منتظم رکن یا انتظام کرنے والے ارکان جبکہ ایک سے زیادہ ہوں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں مثل شرکا کے ہوتے ہیں ان امور کے متعلق جو کاروبار پر موثر ہوں دیگر ارکان کو شریک کرنے کے بغیر نالش کر سکتے ہیں اور ان پر بھی نالش ہو سکتی ہے۔ یہ اسی طرح جس طرح کہ وہ خود کے نام سے معاہدات منعقد اور ان کی تعمیل بھی کر سکتے ہیں[4]۔ پریوی کونسل نے اس کا تصفیہ قطعی طور پر نہیں کیا کہ آیا اس اصول کا اطلاق ان تمام معاملات پر کیا جانا چاہئے جن میں عام طور پر خاندانی جائداد پر اثر پڑتا ہو۔ ہند کی عدالتوں کے فیصلے اس مضمون پر متضاد ہیں۔ عالیہ عدالت کلکتہ نے ایسی نالش کو جائز سمجھنے سے انکار کیا ہے جسے منتظم نے رجوع کیا ہو بجز اس کے کہ دیگر شرکائے خاندان شریک کئے جائیں[5]۔

[1] گوپی بنام راٹیلنڈ و سدرلینڈ صفحہ ۲۷۹۔ چندے بنام میاکناٹن ۲۳ سدرلینڈ صفحہ ۳۸۶۔

[2] رادھو پرشاد بنام یوسف ۷ کلکتہ صفحہ ۴۱۴۔

[3] اردن چلا بنام وتھیا لنگا ۶ مدراس صفحہ ۲۷۔ رامیا بنام وینکٹ رتنم ۱۷ مدراس صفحہ ۱۲۲۔ جوتم بنام تاگوڈا ۱۸ بمبئی صفحہ ۱۱۹۔

[4] کشن پرشاد بنام ہرنرائن سنگھ ۳۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۴۵۔ ۳۳ الہ آباد صفحہ ۲۷۲ لالجی منسی بنام کشنجی پوسجار ۱۹ بمبئی صفحہ ۱۳۴ الگیاچٹی بنام ولن چٹی ۱۰ مدراس صفحہ ۳۳ فاضل حکام کے چند آرا پریوی کونسل کے فیصلے کے مغائر ہیں۔

[5] دیبی پرشاد سہائے بنام دھرم جی نرائن سنگھ ۱۴ کلکتہ صفحہ ۲۷۔ لالہ سورجا پرشاد بنام گلاب چند ۲۷ کلکتہ صفحہ ۷۴۲۔ لیکن دیکھئے بھولا اور بنام جنگ بہادر سنگھ ۱۹ کلکتہ راجہ نل صفحہ ۵۔

مدراس اور الہ آباد کے جدید ترین فیصلے منتظم کو خود نالش کرنے اور اس پر نالش ہونے کا مجاز سمجھتے ہیں کیونکہ وہ تمام امور میں خاندان کی نیابت کرتا ہے[۱] اس مضمون پر پریوی کونسل کے اس فیصلے کا جب سے جس کا حوالہ دیا عدالت بمبئی کو کوئی ایسا موقع ۳۹۴
نہیں ملا کہ کوئی قطعی فیصلہ کرے۔ اگر منتظم منجانب خاندان اور بہ حیثیت منتظم نالش کر رہا ہو تو اسے اپنے عرضی دعوے میں یہ بیان کرنا چاہئے کہ وہ منتظم ہے اور اسی حیثیت سے نالش کر رہا ہے۔ اگر یہ ظاہر ہوتا ہو کہ فی الواقع منتظم ہے اور نوعیت مقدمہ سے یہ واضح ہو کہ دادرسی منجانب خاندان چاہی گئی ہے تو اس کا سہواً اپنے کو منتظم نہ ظاہر کرنا نالش کی ناکامیابی کا باعث نہیں ہو سکتا۔[۲]

**حقوق شرکا خود ان کے مابین**

**ف ۲۹۹**۔ حصہ داروں کے حقوق مابین خود کا یقین اس مسلک قانون کے لحاظ سے ہوتا ہے جس کا اطلاق ان پر ہو سکتا ہو۔ ہندو خاندان کے قدیم تصور میں کسی رکن کا حق اس پر مشتمل ہوتا تھا کہ وہ دیکھے کہ جائداد کا مناسب اور معقول انتظام ہو رہا ہے اور اس طریقے سے ہو رہا ہے کہ وہ خود اور اس کے متعلقین اس کے منافع سے اچھی طرح پرورش پا سکتے ہیں۔ فرائض جن کی تعمیل اس پر ضروری ہو اور منافع جو اس کو ملنا چاہئے وہ امور ہیں جن کی تنظیم سربرآوردہ خاندان کے ذمے ہوتی تھی۔ اس زمانے میں ملیبار کے ٹارووڈ میں یہی حالت ہے۔[۳] ایسے ارکان خاندان کی حالت تقریباً اب بھی ویسی ہے جو متاکشرا قانون کے تابع ہیں بجز اس حد تک کہ اس حالت میں خاص معاہدے یا رواج کے سبب تغیر ہو گیا ہو۔[۴] بمبئی میں یہ طے کیا گیا ہے

[۱] ہری لال بنام منان کنور ۲۴ الہ آباد صفحہ ۵۴۹۔ مدن لال بنام کشن سنگھ ایضاً صفحہ ۲۰۴۔ شیخ ابراہیم تمار اگام بنام رام ایر ۳۵ مدراس صفحہ ۶۸۵ اور کلم چٹی بنام سبن چٹی ۲۷ مدراس۔ ل۔ ج صفحہ ۴۲۱۔ اگر یہی صحیح نظریہ ہو تو ذیل کے فیصلے غلط فیصلے سمجھے جانے چاہییں اگا موتو پلے بنام کولن دو ویلو پلے ۲۳ مدراس صفحہ ۱۹۰۔ سنیشن پٹر بنام ویرا راگھون پٹر ۲۲ مدراس صفحہ ۲۸۴۔ بالکرشنا مورشور کینٹے بنام بلدیہ ماہد ۱۰ بمبئی صفحہ ۲۲۔ شام ولی سنگھ بنام کشن پرشاد ۲۹ الہ آباد صفحہ ۳۱۱۔

[۲] ہری لال بنام منن کشور ۲۴ الہ آباد صفحہ ۵۴۹۔

[۳] کنی کرتو بنام ارن گدن ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۲۔ سبو ہگادی بنام ٹنگو ۴ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۹۶

[۴] دیکھئے تجویز لارڈ ویسبٹری بمقدمہ اپوویر بنام رام سبایئن ۱۱ مور کے مرافعہ صفحہ ۸۹۔ ۸ سدرلینڈ پی سی

کہ ہر مالک مشترک ہر حصۂ جائداد کے دوسرے ہر رکن کے ساتھ مساوی طور پر مشترک قبضے
کا مستحق ہے[1]۔ ظاہر ہے کہ یہ تجویز صرف ان چند چیزوں تک محدود سمجھی جا سکتی ہے جن پر
متعدد اشخاص مشترکہ قبضہ رکھ سکتے ہوں۔ یہ تجویز کرنا کہ اس حق میں محض نہیں ہو سکتی۔
جس سے وہ متعدد ارکان کو جائداد کے ایسے حصوں کو استعمال کے لئے دے سکتا
۳۹۵ ہے جو ان کے ذاتی استعمال و استفادے کے لئے ضروری ہوں۔ اور یہ بھی نہیں سمجھا
جا سکتا کہ کوئی ایک رکن اپنے اختیار تمیزی سے مشترکہ سرمایہ یا مشترکہ آمدنی کے
کسی حصے پر قبضہ کر سکتا ہے۔ بنگال میں جہاں ارکان مثل اسامیان مشترک کے
قابض ہوتے ہیں نہ کہ قابضان مشترک کے بطور ہر رکن کو ایک گونہ زیادہ مختاری حاصل
ہے[2]۔ وہاں ہر رکن کو اپنے غیر منقسم حصے کے پورے اور مکمل استفادہ کا حق حاصل ہے۔
طریقۂ استفادہ موزوں اور معقول ہونا چاہئے۔ دیگر ارکان کے حق پر اس سے مغائر
اثر نہ پڑے اور استفادہ ایسا نہ ہو جس سے ان کے حقوق انتقال و انتظام میں مداخلت
ہو[3]۔ مگر وہ بلا اجازت کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے جائداد کی قسم میں تغیر واقع
ہو۔ مثلاً اس پر کوئی تعمیر کرے[4]۔ جب ایسا فعل شرکاء کے نقصان کا باعث ہو تو عدالت
حسب صوابدید عمارت کے منہدم کرنے کی ہدایت کرے گی[5]۔ اس صوابدید کو کام میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ صفحہ ا فقرہ ۲۹۲ گزشتہ۔

[1] رام چندر بنام دامودر داس ۲۰ بمبئی صفحہ ۴۶۷۔

[2] دیکھئے تجویز جسٹس فیر مقدمہ جکن بنام پورن ۹ سدرلینڈ صفحہ ۴۸۳۔

[3] ایشر چندر بنام نندکمار ۸ سدرلینڈ صفحہ ۲۳۹۔ گوپی کشن بنام ہیمچندر ۱۳ سدرلینڈ صفحہ ۳۲۲ مندن بنام لائیڈ ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۴۷ اشا ٹکرٹ بنام گوپال ۱۲ بنگال لارپورٹ صفحہ ۱۹۷۔ صدر کورٹ ۲ سنڈر جنڈ صفحہ ۱۲۸ داس بنام رام چند دت ۱ امرالہ حات ہند صفحہ ۱۱۰ وہ اپنے حصے کو پٹے پر دے سکتا ہے رام دے بل بنام منہجیت ۱۷ سدرلینڈ صفحہ ۴۲۰۔

[4] محض معمولی کاموں کے متعلق دیکھئے مقدمہ موہن چند بنام اسحق بھائی ۲۵ بمبئی صفحہ ۲۴۸۔

[5] جانکی بنام گوری صدر دیوانی ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۷۶۔ اندر دیو نرائن بنام تلسی نرائن صدر دیوانی ۱۸۵۶ء صفحہ ۷۶۵۔ گروداس بنام بجایا ۱ بنگال لارپورٹ (مرافعہ) صفحہ ۱۰۸ اشیو پرشاد بنام لیلا ۲ بنگال لارپورٹ

لاتے وقت اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ آیا مدعی علیہ اس زمین سے زیادہ زمین پر بنا رہا ہے جو تقسیم پر اس کے حصے میں آئے گی۔ اور کیا تقسیم پر مدعی کو مناسب معاوضہ مل سکتا ہے[1]۔ اسی قاعدے کا اس وقت بھی اطلاق کیا گیا ہے جبکہ کل کی کل پیداوار اسطرح بدل دی گئی ہو کہ جو کچھ پیدا ہو وہ بیکار ہوگا بجز اس کے کہ[2].....

شریک خاندان اسامی ہوسکتا ہے :-

ایک شریک کے لئے دوسروں کا اسامی ہونے کے لئے کوئی امر مانع نہیں ہے اور اس حیثیت سے وہ انھیں لگان ادا کرسکتا ہے۔ مگر محض اس واقعے سے کہ ایک رکن بلا شرکت احدے جائداد کے کسی ایک حصے پر قابض ہے خود بخود لگان ادا کرنے کی ذمہ داری پیدا نہیں ہوتی جبکہ اس بارے میں صریح یا معنوی معاہدہ معدوم ہو[3]۔ لہذا متعدد مالکان مشترک اپنے حقوق دوسرے شریک کے پاس رہن کرسکتے ہیں مگر انفکاک میں کل کا شریک ہونا ضروری ہے بجز اس کے کہ تقسیم آگئی ہو[4]۔ 396

**تجارتی شراکت جو خاندان سے متعلق ہو۔**

ف ۳۰۰ تجارتی جماعتوں میں جائداد مشترکہ کی ایک اہم قسم وہ ہے جسے موروثی تجارتی شراکت کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ ارکان خاندان مشترکہ پر کلیۃً مشتمل ہوتی ہے اور بعض اوقات جزاً دوسرے خاندان کے اشخاص بھی ایسی جماعتوں میں شریک ہوتے ہیں۔ جب ایک یا زیادہ ارکان مشترک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ صفحہ ۱۸۸۔ ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۶۰۔ تاجو خاں بنام امتیاز الدین ۱۸ الہ آباد صفحہ ۱۱۵۔ دیکھو لال بشمبر بنام راجہ رام ۳ بنگال لارپورٹ ضمیمہ صفحہ ۱۶۰، ۱۳ سدرلینڈ صفحہ ۱۴۰ نوٹ۔ جہاں ایسی ڈگری سے انکار کیا گیا۔ اور نوبن چندر بنام موہیش چندر ۱۲ سدرلینڈ صفحہ ۶۹ ہالوے بنام محمد ۱۹ سدرلینڈ صفحہ ۲۰۰۔ ۱۴ صدر کورٹ ۲ بنگال لارپورٹ نوٹ بجندر وشا بنام چرن ۵ ک صفحہ ۱۸۸۔

[1] پارس رامو بنام شرجیت ۹ الہ آباد صفحہ ۶۶۱۔ شادی بنام انوپ سنگھ ۱۲ الہ آباد صفحہ ۴۳۶ اجلاس کامل

[2] کرودے بنام بھیکدری ۸ بنگال لارپوٹ ضمیمہ صفحہ ۵ صدر کورٹ ۱۶ سدرلینڈ صفحہ ۱۴۱۔

[3] الوینی بنام سری ناتھ ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۲۵۸۔ گوبند چندر بنام رام کمار ۲۴ سدرلینڈ صفحہ ۳۹۳۔

[4] تھسے چٹی بنام رام ناتھ ۲ مدراس صفحہ ۲۹۵۔

خود تجارت کریں یا یہ شراکت اشخاص غیر اور سرمایہ خاندانی جائداد سے نہ لیا گیا ہو۔ تو منافع جو اس سے ملے بلا شرکت احدے خود انھی کا ہوگا[1]۔ جب ارکان خاندان خود تجارت کریں اور کوئی اشخاص اجنب اس میں شریک نہ ہوں تو اس کا تعلق زیادہ تر ہندو قانون سے ہوگا نہ کہ عام قانون شراکت سے جو قانون معاہدۂ ہند میں بیان کیا گیا ہے[2]۔ چونکہ سرمایہ خاندانی جائداد سے حاصل کیا جاتا ہے اس لئے تجارت اور اس کے منافع بھی خاندانی جائداد ہوں گے[3]۔ خاندانی جائداد کی دیگر اقسام کے مثل ایسا کاروبار وراثتہً منتقل ہوتا ہے۔ اور اس میں بہت سے اجزا معمولی شراکت کے موجود رہتے ہیں[4]۔ عموماً تجارت کی سہولت کے لئے ایک منتظم نہیں ہوتا بلکہ مساوی اختیارات کے کئی ہوتے ہیں۔ گو ایسی صورتیں بھی ہیں اور پیدا ہوتی رہتی ہیں جبکہ خاندان کا سب سے بزرگ رکن ہی ایسا شخص ہوتا ہے جو خاندانی کاروبار کے چلانے میں حصہ لیتا ہے۔ جب متعدد ارکان اس کے چلانے میں شریک ہوں تو ان کی حیثیت ان معاملات میں جو بہ سلسلۂ تجارت کریں شرکا کی سمجھی جانی چاہئے۔ تجارت میں خاندان کا استحقاق
پسماندگی کے قاعدے سے منتقل ہوتا ہے لیکن اگرچہ کہ ہر رکن خاندان کو تجارتی منافع اور سرمایہ میں پیدائش سے ۹۷
حق حاصل ہوتا ہے مگر وہ محض اس وجہ سے کاروبار کا شریک نہیں ہوجاتا۔ بنابراں نابالغ رکن بالغ ہوتے ہی کاروبار کے انتظام میں شریک کرلئے جانیکا مطالبہ بطور حق نہیں کرسکتا۔ وہ صرف اسوقت شریک کیا جاسکتا ہے جبکہ ارکان جو انتظام کر رہے ہوں رضامندی دیں[5]۔ خاندانی کاروبار میں نابالغ رکن کو بوجہ اس سے

وردی لال بنام شاہ خوشحال ۲۷ بمبئی صفحہ ۱۵۷۔

رام لال بنام لکشمی چند ۱ بمبئی ہائیکورٹ ضمیمہ۔

اسی وجہ سے وارثان عورتی ایسی بیوہ کے مناسب افعال کے پابند ہونگے جو تجارتی کاروبار کی اپنے شوہر کے وارث کی حیثیت سے وارث ہوئی ہو سنکرابی بنام گمن لال ۲۹ بمبئی صفحہ ۲۰۶۔ اس مقدمہ میں ایسی جائداد کی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔

سمبل بائی بنام سیشورہ بمبئی صفحہ ۳۸۔

لچھمن چٹی بنام سیوا پراکاشا مدلیر ۲۶ کلکتہ صفحہ ۳۴۹۔ اننت رام بنام چنو لال ۲۵ الہ آباد صفحہ ۳۷۸۔

لالجی منسی بنام کساؤجی بنجا ۳ بمبئی صفحہ ۳۴۰۔

اس کا تعلق خاندان سے ہوتا ہے حق حاصل ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ کاروبار اس کی پیدائش کے وقت موجود تھا یا اس کی نابالغی کے زمانے میں قائم کیا گیا۔ اس کے اس حق کا انحصار کسی معاہدے پر نہیں ہوتا جو اس نے کیا ہو۔ اور دیگر ارکان خاندان کا اس کو شراکت کے منافع میں داخل کرنے پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین قانون معاہدہ سے نہیں ہوتا بلکہ ہندو قانون سے اس واقعے سے کہ وہ کاروبار کے چلانے میں مدد کرتا ہے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ دفعہ ۲۴۷ قانون معاہدہ کے معنی میں وہ شراکت کے منافع میں شریک کر لیا گیا ہے[1]۔ علیٰ ہذا شریک ہندو خاندان کی وفات سے یا خود اس رکن کی جو منتظم بھی ہو شراکت خود بخود ختم نہیں ہوتی[2]۔ ارکان جو کاروبار کے انتظام میں عملی حصہ لیتے ہوں ان کی یہ ذمہ داری کہ وہ خاندان کے دیگر ارکان کو حساب دیں انھی اصولوں کی تابع ہے۔ جن کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ خاندانی جائداد کے کسی دوسرے حصے کا انتظام کر رہے ہوں[3]۔ ان پر قبل ازیں فقرات ۲۹۴ اور ۲۹۷ میں بحث ہو چکی ہے۔

جب کوئی شخص اجنب ارکان ہندو خاندان مشترکہ کے ساتھ کاروبار میں
شریک ہو گیا ہو جس کا سرمایہ کلاً یا جزاً خاندان مشترکہ سے اخذ کیا ہوا ہو تو حیثیت
کچھ اور ہوگی۔ شخص اجنب نے خود کو چند معین اشخاص کے ساتھ متحد کر دیا ہے اور
اسی وجہ سے وہ اس کی مرضی کے خلاف اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ شراکت
موجودہ کے اشخاص میں تبدیلی کو منظور کرے۔ جب مشترکہ خاندان کا رکن منتظم ۲۹۸
شخص اجنب کے ساتھ شراکت میں داخل ہو جائے تو دیگر ارکان خود بخود اس
کاروبار کے شرکاء اس طرح نہیں ہو جاتے کہ ان کو شریک کے وہ تمام حقوق حاصل
ہو جائیں جن کا ذکر قانون معاہدۂ ہند میں ہے اور نہ ان پر وہ وجوب عائد ہوتے ہیں

[1] آفیشل اسائنی مدراس بنام پالا نیاپچی ۴۱ مدراس صفحہ ۸۲۴۔

[2] ہاروان محمد ۴ بمبئی صفحہ ۱۸۹۔

[3] دامودر داس مانک لال بنام اتم رام مانک لال ۱۷ بمبئی صفحہ ۲۷۱، گنپت بنام اناجی ۲۳ بمبئی صفحہ ۱۴۴۔

جو قانون مذکور میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں خاندان مثل ایک جماعت واحد کے شریک نہیں ہو جاتا بلکہ صرف وہ ارکان شریک ہو جاتے ہیں جنہوں نے واقعی طور پر معاہداتی تعلق شخص اجنبی سے قائم کیا ہو۔ شراکت مذکور قانون معاہدہ کی تابع ہوگی۔ بنا براں ایسی شراکت کے ایک رکن کے مرنے پر کل شراکت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ کاروبار بند ہو جائے گا۔ بجز اس کے کہ ان اشخاص کے باہمی معاہدے سے جو چاہتے ہوں کہ کاروبار جاری رہے اس کی تشکیل پھر سے کی جائے بیرونی اشخاص سے جو معاہدات کئے گئے ہوں اور جو ہنوز باقی ہوں ان کی تعمیل بذریعۂ تجدید کی جاسکتی ہے۔ تجدید یا تو صریح ہوسکتی ہے یا حالات سے اس کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ کاروبار کے انتظام میں دیگر ارکان خاندان کو کوئی کام نہیں ہوتا۔ وہ مثلاً ختم شراکت کے لئے نالش نہیں کر سکتے[1]۔ لیکن ارکان خاندان کی حیثیت سے انھیں اس کے سرمایے میں اسی قسم کی حقیت حاصل ہے جو خاندان کی دوسری جائداد میں انھیں ہوتی ہے۔ رکن یا ارکان منتظم کے خلاف اسی نوع کے چارۂ کار بھی حاصل ہیں۔ برخلاف اس کے تجارتی خاندان کے منتظم کے اختیارات غیر تجارتی خاندان کے منتظم کے اختیارات سے وسیع تر ہیں۔ بنیادی اصول میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ کہ جو کچھ کیا گیا ہے کہ وہ خاندان کے مفاد یا ضروریات کے لئے ہونا چاہیئے۔ گر چند افعال مثلاً قرضے کرنا یا دستاویزات قابل بیع وشری کا جاری کرنا تجارتی خاندان کے ضروریات ہیں۔ برخلاف اس کے غیر تجارتی خاندان کے یہ امور ضروریات نہ ہوں گے۔ اگر فی الواقعی منتظم کے ذاتی مقاصد کے لئے قرضے کئے بھی گئے ہوں تو خاندان ان کا پابند ہوگا بشرطیکہ خاندانی کاروبار کے چلانے میں جو اختیارات بظاہر اسے حاصل ہوں وہ اس اختیار کے اندر ہوں۔ اس طرح وہ لوگ جو اس سے معاملات کرتے ہوں اور جن سے اس نے قرضے لئے ہوں اس کی جانچ کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ آیا قرضے خاندان کے مفاد یا ضروریات کے لئے[2] ۳۹۹

[1] سکھو نادوہانی منذرہ ۲ مدراس صفحہ ۴۴۳۔
[2] گنگیا بنام ونکٹ رامیا ۴۱ مدراس صفحہ ۴۵۴۔

کئے گئے ہیں۔ پس دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ خاندانی کاروبار سے متعلق ہیں یا نہیں۔[1] لیکن اجنبی شریک کے ساتھ ان ارکان خاندان کا کوئی معاہداتی تعلق نہیں ہوتا جو عملاً کاروبار میں مصروف نہ ہوں۔ وہ اس کے خلاف براہ راست کوئی چارۂ کار اختیار نہیں کرسکتے۔ کاروبار کے دائنین کے وہ ذمہ دار ہوں گے مگر خاندانی جائداد کے اس حصے کی حد تک جو کاروبار میں ڈال دیا گیا ہو۔ اور ان خاندانوں کی صورت میں جن کا موروثی پیشہ تجارت ہو ان کی ذمہ داریاں ان کے اس حصے پر عائد ہونگی جو انھیں مجموعی طور پر خاندانی جائداد میں ہو۔ کل خاندانی جائداد کی ساکھ پر کاروبار چلایا جاتا ہے اور کاروبار کے منافع سے اس جائداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ کہنا ممکن نہ ہوگا کہ خاندانی جائداد کا ایک خاص جزو جو کل سے کم ہو کاروبار سے بطور خاص منسوب سمجھا جاتا ہے۔ غیر تجارتی خاندان کی صورت میں اس طرح کا کوئی قیاس پیدا نہ ہوگا۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ منتظم تجارت شروع کرکے خاندانی جائداد کو ان نقصانات کا ذمہ دار نہیں کرسکتا جو اس نے ایسی تجارت کے سلسلے میں کئے ہوں۔[2]

نابالغ شراکتی منافعوں میں حصہ پاسکتا ہے مگر وہ ان قرضوں کا ذاتی طور پر ذمہ دار نہ ہوگا جو اس کی نابالغی کے زمانے میں کئے گئے ہوں۔ اگرچہ کاروبار کے چلانے میں بعد بلوغ وہ عملی حصہ لے رہا ہو۔ لہذا وہ ایسے قرضوں کے لئے دیوالیہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہاں شراکت کے ان قرضوں کے لئے وہ دیوالیہ قرار دیا جاسکتا ہے جو اس نے بعد بلوغ کئے ہوں اور عملی طور پر کاروبار میں حصہ لیتا رہا ہو۔[3] اگر نابالغ تجارتی خاندان کا رکن ہو اور خاندان کی جائداد کاروبار میں لگائی گئی ہو تو نابالغ کا حصہ شراکت کے قرضوں کا ذمہ دار ہوگا۔ اور جیسا کہ قبل ازیں

---

[1] رگوناتھ جی بنام بنک آف بمبئی ۳۴ بمبئی صفحہ ۷۲، سنکا کرشنا مرتی بنام بنک آف برما ۳۵ مدراس صفحہ ۶۹۲۔

[2] ڈی۔ میاک لارن ماریسن بنام بیس۔ ورشول ۶ک۔ د۔ ن صفحہ ۲۹۔ ۴ صفحہ ۲۵۸۔

[3] آفیشل اسائنی مدراس ۱۳ مدراس صفحہ ۲۲۰۔ سنیاسی چرن منڈل بنام استونش گوش ۴۳ ک صفحہ ۲۲۵۔

کہا گیا اس کے معمولاً یہ معنے ہوں گے کہ اس کا وہ حصہ جو خاندانی جائداد میں بہ حیثیت
مجموعی اسے حاصل ہو۔ بالغ ارکان جو کاروبار کے انتظام میں حصہ لیتے ہوں۔ یا ۴۰۰
دوسروں کو اس کے چلانے کی اجازت دے رکھی ہو کاروبار کے کل قرضوں
کے مثل شرکا ذمہ دار ہوں گے[1]۔ اگر سرمایہ کا ماخذ خاندانی جائداد ہو تو تجارت
اور منافع بھی خاندانی جائداد ہوں گے۔ شراکت میں خاندان کا مرافق پسماندگی سے
منتقل ہوتا ہے شرکا، اسی اصول پر حساب دینے پر مجبور ہیں اور ان کی ذمہ داری
کے بھی وہی حدود ہیں جو کسی اور حصے کے انتظام سے متعلق ہوتے ہیں۔

[1] ہاردن صہ۔

# باب نہم

## قرضے ۴۰۱

**فائدہ** - میں نے یہ مناسب سمجھا کہ قرضے کے مضمون پر بحیثیت اس کے کہ اس سے جائداد پر اثر پڑتا ہے پہلے بحث کروں اور اس کے بعد ان انتقالات پر جو اپنی مرضی سے کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ہندو قانون کے ایک ایسے اصول کی وضاحت ہوتی ہے جو آئے دن پیش آتا ہے یعنے یہ کہ اخلاقی وجوبات کو قانونی وجوبات پر ترجیح ہے۔ یا اگر اسی خیال کو دوسرے الفاظ میں ظاہر کرنا ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ قانونی حقوق حاصل کئے جاتے ہیں مگر اس کے تابع کہ اخلاقی وجوبات کی تعمیل کی جائے۔

...داری کے ...ن ماخذ

دوسروں کے کئے ہوئے قرضوں کے ادا کرنے کی ذمہ داری تین مختلف ذرائع سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کو بہت احتیاط سے ایک دوسرے سے ممیز کرنا چاہئے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ اولاً۔ مذہبی فرض کہ وہ مدیون کو قرضوں کے گناہ سے برات دلائے۔ ثانیاً۔ ایسے شخص کے کئے ہوئے قرضوں کو ادا کرنے کا اخلاقی فرض جس کا سرمایہ دوسرے کے قبضے میں آگیا ہو۔ ثالثاً۔ اس قرضے کے ادا کرنے کا قانونی فرض جو ایک نے دوسرے کے صریح یا معنوی کارندے کی حیثیت سے کیا ہو۔ ایسی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں جن میں ایک سے زیادہ وجوہ ذمہ داری ایک ہی وقت میں پائے جائیں۔ لیکن

کوئی ایک کافی ہے۔

**باپ کے قرضے**

**ف ۳۰۲** ذمہ داری کے پیدا ہونے کا پہلا سبب (مذہبی فرض) اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ باپ مدیون ہو۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں پر ان دیون کے ادا کرنے کا مذہبی فرض ہے۔ ہندو مقننین کے خیال میں قرضہ محض وجوب نہیں ہے بلکہ گناہ ہے۔ مدیون پر دوسرے عالم میں ان کا اثر پڑتا ہے۔ ورہسپتی کہتا ہے "وہ جس نے قرض دی ہوئی رقم یا اس کے مثل حاصل کی ہو۔ اس کے مالک کو ادا نہ کرے بعد ازاں دائن کے مکان میں پیدا ہوگا مگر غلام۔ نوکر۔ عورت۔ یا ایک چوپایہ[1] اور نارد کا کہنا ہے: "جب ایک جوگی۔ یا وہ آدمی جس نے ہوم کی آگ (قربانی کی آگ) جلائی ہو اپنا قرضہ ادا کرنے کے بغیر مر جائے تو اس کے اعتکاف کا کل ثواب یا دائمی آگ کے فوائد اس کے دائنین کو مل جاتے ہیں[2]۔"

بیٹے کی ذمہ داری قطع نظر ترکے کے ۳۰۲ | مدیون کو ان بُرے نتائج سے برأت دلانے کی ذمہ داری اس کے اخلاف ذکور (دو پشت تک) پر عائد رہتی ہے۔ ابتدا میں یہ فرض حصول ترکہ پر منحصر نہیں ہوتا تھا بلکہ قطع نظر اس کے۔ نارد کہتا ہے: "پوتوں کو چاہئے کہ اپنے دادا کے ان دیون کو ادا کریں جنھیں انھوں نے بطور جائز وراثت میں پایا ہو اور ادا نہ کیا ہو۔ وجوب مذکور چوتھے خلف پر ختم ہو جاتا ہے[3]" باپ خود اپنے مفاد کے لئے اولاد کی تمنا اس توقع پر کرتے ہیں کہ "یہ لڑکا مجھے ہر دین سے جو اعلیٰ یا ادنیٰ مخلوق کو واجب الادا ہو آزاد کرے گا" لہذا اس لڑکے کو جو اس سے پیدا ہوا ہو چاہئے کہ خود اپنی جائداد سے دست بردار ہو جائے اور محنت و مشقت کرکے اپنے باپ کو نجات دلائے تاکہ وہ عذاب میں نہ گرفتار رہو[4]"

---

[1] جگناتھ ڈائجسٹ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴۔

[2] نارد باب فقرہ ۱۰ منو کا بچن ۱۱ فقرہ ۶۶ جگناتھ ۱ سے (ڈائجسٹ کی جلد صفحہ ۲۶۷) بیان کرتا ہے مگر قرضے سے متعلق۔ مگر اس سے وہ تین دیون معلوم ہوتے ہیں جن کا کہیں اور ذکر کیا گیا ہے یعنے وید کی تلاوت۔ بچہ پیدا کرانا اور قربانیاں کرنا۔ دیکھئے منو باب صفحہ ۶ ۳۵ صفحہ ۳۷۔ باب ۹ فقرہ ۱۰۶۔ وشنو باب فقرہ ۲۵۰

[3] مشمول مدیون یہ حساب ہوتا ہے جلد ۱ ڈائجسٹ صفحہ ۳۰۲ یاگنولکیا باب ۲ فقرہ ۵۰۔

[4] نارد باب فقرات ۶ تا ۴ تیسا ولم (باب فقرہ ۷) کے مطابق بلا ترکہ کے بھی بیٹوں کو چاہئے کہ اپنے باپ کے دین ادا کریں۔

اخلاف کی ذمہ داری کے مدارج کے متعلق وہ یہتی ایک اور امتیاز بیان کرتا ہے" باپ کا قرضہ پہلے ادا کیا جانا چاہیئے اور اسکے بعد وہ قرضہ جو خود اس نے کیا ہو۔ مگر دادا کا قرضہ اُن دونوں کے پہلے ادا کردیا جانا چاہئے۔ بیٹوں کو چاہئے کہ اپنے باپ کا قرضہ جب ثابت ہوجائے تو مثل اپنے قرضے کے ادا کریں بالشمول سود۔ پوتے کو اپنے دادا کا دین ادا کرنا چاہئے مگر بلا سود۔ اور اس کا لڑکا اُس دین کے ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جانا چاہیئے" جس پر یہ حاشیہ لگایا گیا ہے کہ بجز اسکے کہ وہ وارث ہو اور سرمایہ ہو۔[1] ان قواعد کی ایک استثنائی شکل کا یا گنولک اضافہ کرتا ہے۔ یہ کہ اگر باپ کی جائداد فی الواقعی دوسرے کے پاس ہو تو بیٹا ادائے دین کا ذمہ دار نہیں ہے مثلاً اگر وہ کسی نہ کسی وجہ سے وراثت سے محروم کیا گیا ہو۔[2]

**یہ وجوب مذہبی ہے۔**

دفعہ ۴۰۲ (Para) باپ کے قرضے کو ادا کرنے کی ذمہ داری اس اخلاقی اور مذہبی وجوب سے پیدا ہوتی ہے کہ جو عذاب عدم ادائے قرضہ سے باپ پر ہوگا اس سے اسے بچایا جائے۔ اور اسی وجوب سے بیٹا مساوی طور پر اس پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو پورا کرے جن کے متعلق مورث نے مقاصد مذہبی کے لئے وعدہ کیا ہو۔[3] اس سے لہذا خود بخود یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جب قرضے سے اس قسم کا مذہبی فرض پیدا نہ ہو تو بیٹا اس کے ادا کرنے پر مجبور نہیں ہے عام ازینکہ اس کے قبضے میں سرمایہ ہو یا نہ ہو۔ جب
قرضہ خلاف اخلاق یا خلاف قانون ہو تو یہ صورت پیدا ہوگی۔ اور یہی ایک ۴۰۳
صورت ہے۔

[1] جلد ا ڈائجسٹ صفحہ ۲۶۵۔ کیتاین اڈائجسٹ صفحہ ۳۰۱۔ دوھار میوکھ ۵، ۴، فقرہ ۱۷۔

[2] اڈائجسٹ صفحہ ۲۷۰ میوکھ ۵، ۴ فقرہ ۱۶۔ کیتاین اڈائجسٹ صفحہ ۲۷۲۔ بمقدمہ نیلکندن بنام مدھرن ۱ م صفحہ ۹ یہ قرار دیا گیا ہے کہ ہندو قانون کے اس اصول کا اطلاق نمبدری برہمنوں پر جو ہندو اور مارومکاتیم کے تابع ہیں نہیں ہوتا۔ گوبند بنام کرشنن ۱۵ م صفحہ ۳۳۳ ان کے رواج کے متعلق دیکھئے وشنو بنام کرشنا ۷ م صفحہ ۱۵ و اسودیون بنام وزیر ہند ۱۱ م صفحہ ۱۵۷۔

[3] کیتاین اڈائجسٹ صفحہ ۲۹۹۔

وہ صورتیں جن میں بیٹا قرض کا ذمہ دار نہیں ہوتا

عام قاعدہ یہ ہے کہ باپ کے قرضوں کی ادائی کا ذمہ دار بیٹا ہوتا ہے۔ بجز اس کے کہ وہ اس نوع کے ہوں کہ وہ قدیم سمریتوں کی تسلیم شدہ ایک نہ ایک استثنائی شکل میں آتے ہوں۔ ایسے مستثنیات کو ذیل کے اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) قرضے جو شراب کے متعلق واجب الادا ہوں (۲) زنا کاری کے قرضے (۳) قمار بازی کے قرضے (۴) جرمانے جو ادا نہ ہوئے ہوں (۵) چنگی یا تہ بازاری جو ادا نہ کی گئی ہو (۶) بیکار عطیے یا عہود بلا بدل یا وہ عہود جو خواہشات شہوانی یا غصے کے اثر میں کئے گئے ہوں (۷) ضمانت کے دیون (۸) تجارتی قرضے (۹) قرضے جو (Vyavaharika) نہ ہوں۔ آخری قسم صرف اسانتس اور ویاس میں پائی جاتی ہے۔ اور اس اصطلاح کا مختلف طریقوں سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عالیہ عدالت بمبئی نے اس کی تشریح مقدمۂ ذیل میں فرمائی ہے[ا] "اس سے مراد غیر معمولی یا وہ قرضے ہیں جن کی منظوری قانون یا رواج نے نہ دی ہو۔ اگر اسے سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو عبارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیٹا ان دیون کا ذمہ دار نہ قرار دیا جانا چاہئے جو اسے ایک ذی عزت شخص کی حیثیت سے نہ کرنا چاہئے تھا۔ وہ باپ کے ان قرضوں کا جواب دہ ہے جو اس نے جائز طور پر کئے ہوں۔ نہ ان کے لئے جو اس کے لہو و لعب سے متعلق ہوں"[۲]۔ اس تعریف کو نہایت ہی محدود سمجھا گیا ہے۔ اس کے سبب لڑکے اکثر ان صورتوں میں ذمہ داری سے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں جبکہ انھیں اسے برداشت کرنا چاہئے[۳]۔ جسٹس سداشیو ایر نے اس اصطلاح کی حسب ذیل تشریح کی ہے:۔ "اس سے وہ قرضہ مراد ہے جس کی تائید قانونی استدلال سے نہ ہوسکتی ہو اور جس پر کسی عدالت انصاف میں دائن اپنا حق قائم نہ کرا سکتا ہو"[۴]۔ یہ معیار منطقی اور سمجھ میں آنے والا ہے لیکن پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بھی بیٹے کی ذمہ داری محدود ہو جائے گی گو

---

[ا] ہنو باب صفحہ ۱۵۹۔ یا گنولک باب ۲ ۴۸ و ریسپتی باب ۱۱ صفحہ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹ اور ۵۱ گوتم باب ۱۲ صفحہ ۴۱۔ دیکھئے جسٹس کرجی کا عالمانہ فیصلہ مقدمۂ چھاکوری ماہتن بنام گنگا پرشاد ۳۰ ک صفحہ ۸۶۴۔

[۲] دربار کا جیا بنام کاچر ہر سہ ۳۲ بمبئی صفحہ ۳۴۸۔

[۳] چاکوری ماہتن بنام گنگو پرشاد ۳۰ ک صفحہ ۸۶۴ و یوگوپال نائیڈو بنام رامنادھن چیٹی ۳۲ مدراس صفحہ ۴۵۸۔ رام کرشنا ترمبک بنام نارائن ۴۰ بمبئی صفحہ ۱۲۶۔

[۴] ۴۷ ۳ م صفحہ ۴۶۰۔

منفصلہ مقدمات نے ان قیود کو تسلیم نہ کیا ہو (Vvavaharika) کا ترجمہ جسٹس مکرجی نے ہوئے وریمس اور دیگر علماء کا اتباع کرتے ہوئے۔

قانونی یا معمولی. د. ر. بدواجی سے کیا مراد ہے ۴۰۴
فیصلوں اور کتب نصاب میں باپ کے ان قرضوں کو بیان کرنے کے لئے جن کا بیٹا ذمہ دار نہیں ہوتا اصطلاح "خلاف قانون یا مخرب اخلاق" عام طور پر استعمال کی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ ابتداءً (Vvavaharika) کا ترجمہ اسی اصطلاح سے کیا گیا تھا۔ لیکن کثرت استعمال سے وہ ایک ایسی جامع اور مختصر اصطلاح ہو گئی ہے جو ان تمام صورتوں پر حاوی ہے جن کا ذکر سمرتیوں میں ہے۔ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ ظاہر ہے کہ سمرتیوں کے چند نظریوں کو مثلاً تجارتی قرضوں اور قرضے بابت ضمانت کو متروک سمجھنا ہوگا۔ جیساکہ ان میں کے چند بے شبہ متروک ہیں۔ شلک کے دوسرے معنی جس کا ترجمہ جنگی کیا گیا ہے تحفۂ ازدواجی جو دلہن کی قیمت بطور دیا جاتا ہے۔ اور اس کے متعلق یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کا ادا کرنا بیٹے کے لئے ضروری نہیں۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکور الصدر طریقۂ ازدواج خلاف قانون ہے[1] مگر عالیہ عدالت الہ آباد نے اس نظریے سے اختلاف فرمایا ہے اور قرار دیا ہے کہ چونکہ ازدواج بشکل واسور مروج ہے اس لئے جو اخراجات اس میں ہوں ان کو ادا کرنا ایسا ہی واجب ہے جیساکہ دوسری قسم کے ازدواج کے اخراجات کا[2]۔

قرضہ بابت ضمانت
ضمانتوں کے متعلق جگنا تھ انکار کرتا ہے کہ بیٹا باپ کے ان دیون کا ذمہ دار نہیں ہے جو ضمانت سے متعلق ہوں۔ اور یہ دلائل قوی کہتا ہے کہ اگر جنگی سے مراد وہ رقم ہے جو گھاٹ یا اسی طرح کے کسی مقام پر ادا کرنا ہو تو یہ سبب رواج اور اچھے اخلاق کے اصول کے مطابق ہے اور اسے ادا کرنا ہی چاہئے[3] تو ترسیتی کے مطابق ضامنوں کے

---

[1] کیشوراؤ بنام نارو ۲ بورڈیل صفحہ ۱۹۴ صفحہ ۲۱۵۔
[2] بھاگیرتی بنام جوکورام ۳۲ الہ آباد صفحہ ۵۷۵۔
[3] جلد اڈو ائجسٹ صفحہ ۳۰۵۔ منوباب ثمرات ۱۵۹ و ۱۶۰ انکارام بھٹ بنام گنگارام ۲۳ بمبئی صفحہ ۴۵۴ ستی راميا بنام ونکٹ رامنا ۱۱ م صفحہ ۳۲۹ چٹی کلم ونکٹ چلا بنام چٹی کلم کمار ۲۸ م صفحہ ۳۷۷۔ مہاراجہ بنارس بنام رام کمار ۲۶ الہ آباد صفحہ ۶۱۱۔ ماسک لال منڈل بنام شنکرسنور ۹ ۳ کلکتہ صفحہ ۸۴۳۔ پوتا ذمہ دار صرف اس وقت ہوگا جبکہ دائن کو ضمانت کا بدل ملا ہو۔ نارائن بنام ونکٹ چریا ۲۸ بمبئی صفحہ ۴۰۸۔ جرمانہ کے متعلق وجہ یہ

چار اقسام ہیں (۱) برائے حاضری (۲) برائے دیانت (۳) رقم قرضے کی ادائی کے لئے (۴) اشیا کے حوالے کرنے کے لئے۔ یاگنولک صرف پہلے تین اقسام کو تسلیم کرتا ہے[1] اب یہ امر منفصلہ ہے کہ پہلے دو اقسام کا وجوب محض ذات ضامنان سے متعلق ہے ۴۰۵
مگر جب ضمانت ادائے رقم کی ہو تو بیٹے بھی ذمہ دار ہیں[2] قانون کی حالت موجودہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے کہ اہم نظائر کا ایک نقشہ تیار کیا جائے اور دیکھیں کہ وہ کس رخ پر آتے ہیں۔

## بیٹا ذمہ دار

رقم جو ایسے حالات میں تصرف میں لائی گئی ہو کہ اس سے دیوانی اور فوجداری پیدا ہو جائے۔ جے کمار بنام سوری ناتھ ۲۸ الہ آباد صفحہ ۱۸۷۔ نیز دیکھئے مہنت گنگا دھر رام ناج داس بنام گنا شام داس ۳ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۳۴۳ (مثلاً جبکہ باپ پر یہ ذمہ داری ہو کہ وہ ان رقوم کا حساب دے جو اس نے حاصل کی ہوں اور وہ حساب دینے میں قاصر رہے اور ڈگری صادر ہو تو بیٹے رقم ڈگری ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے گو باپ نے بد دیانتی

## بیٹا ذمہ دار نہیں

اگر کسی رقم کا مجرمانہ تصرف بیجا بحیثیت کارندہ کیا گیا ہو۔ مہابیر پرشاد بنام باسدیو سنگھ ۶ الہ آباد صفحہ ۳۴۴ ﴿جگناتھ بنام جگل کشور ۱۹۲۶ء ۸۹ نظائر ہند صفحہ ۴۹۲﴾

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دی گئی ہے کہ بیٹا باپ کے اس جرمانے کا ذمہ دار نہیں ہے جو اس نے جرم کی بابت دیا ہو، کیونکہ نہ تو گناہ اور نہ ان کا کفارہ قابل توریث ہیں نہالی بنام ہری رام ابورڈیل صفحہ ۹۰ و صفحہ ۱۰۱ انگریزی قانون بھی یہی ہے کہ ٹارٹ کی نالش باقی نہیں رہتی۔

[1] باب ۲۔ ۵۳، ۵۴۔

[2] تھنگا تنگال بنام ارن چلم چیٹر ۱۴۴ صفحہ ۱۰۷ مہابیر پرشاد بنام سری نارائن ۳ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۳۹۶۔ راسک لال مندل بنام سنگیشور رائے ۳۹ کلکتہ صفحہ ۸۴۳ بستیا چرن چند بنام ستر ہوتی ۸ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۴۰

سے رقم روک رکھی ہو بشرطیکہ اسکا عمل مجرمانہ نہ ہو مثلاً خیانت مجرمانہ یا تصرف بیجا و مجرمانہ تھوشن پال بنام ڈسٹرکٹ جج آگرہ سنہ ۱۹۲۹ء ۵۱ صفحہ ۳۸۶ باپ مدرسے کی کمیٹی کا معتمد تھا۔

۲۔ ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمے کی جوابدہی کے لئے جو رقم قرضہ لی گئی ہو۔ سمر سنگھ بنام لیلا دھر ۳۳ الہ آباد صفحہ ۲۷۴

۳۔ اگر باپ نے روپیہ اس غرض سے لیا ہو کہ دوسرے کو دے۔ مگر وہ نہ تو دے اور نہ روپیہ واپس کیا ہو۔ اور ایسی رقم کی واپسی کے لئے ڈگری حاصل کی گئی ہو اور اس ڈگری کی بیباقی کے لئے رہن نامہ جاری کیا جائے تو ایسے رہن کی ادائی بیٹے پر واجب ہے۔ نہدلال بنام کلکٹر بلند ساہو ۱۴ الہ آباد لا جرنل صفحہ ۶۱۰

۴۔ تبنیت کے ثابت کرنے کے لئے نالش کے اخراجات کے لئے جو رقم لی جائے۔ کھالی لال براہمن بنام گوبند پرشاد ۲۰ ک صفحہ ۳۲۸

۵۔ واصلات کی ڈگری۔ پیارے لال سنگھ بنام چندی چرم سنگھ ۱ ک۔ و۔ ن صفحہ ۱۶۳۔ ۱۰۱

۶۔ اخراجات ان نالشات کے جن میں کامیابی نہ ہوئی ہو اور جو ناعاقبت اندیشی سے کئے گئے تھے۔ بریک ساہو بنام کوسی ساہو ۱۴ ک۔ و۔ ن صفحہ ۶۵۹

۷۔ اگر باپ کے خلاف ہرجے کی ڈگری ہرجے کی ڈگری جو حق آسائش میں مخل ہونے کے سبب صادر ہو۔ دربار کھاجر بنام کھاجر ہرسر ۳۲ بمبئی صفحہ ۳۴۸ (ہندو باپ نے ایک کٹہ بنایا جس سے پڑوسی کو پانی نہیں پہنچ رہا تھا۔ عدالت نے یہ معلوم کیا کہ باپ کو قانونا ایسی رکاوٹ پیدا کرنیکا حق نہ تھا۔ ہرجے کی ڈگری دی گئی۔ قرار دیا گیا کہ بیٹے ایسی ڈگری کی بیباقی پر مجبور نہیں کیے جا سکتے)

۳۔ سرقہ اور تصرف بیجا مجرمانہ کی ڈگری ہرجے کے لئے پرامن داس بنام بھشو مہاتن ۲۴ ک صفحہ ۶۷۲۔

۴۔ قرضہ لے کر متبنی گیرندہ ماں کو رشوت دینا کہ اسے متبنی لینے کی ترغیب ہو سیتا رام پنڈت بنام ہری ہر پنڈت ۱۲ ببمبئی لا رپورٹ صفحہ ۹۱۰

۵۔ رقم جو باپ نے ایسے حالات میں لی ہو جس کا لینا ہی بہ نفسہ مجرمانہ ہو مثلاً نابالغ کے روپے کا تصرف بیجا و مجرمانہ۔ میاکڈول اینڈ کمپنی بنام راگھو چیٹی ۲۷ مدراس صفحہ ۷۱۔ باقی مائی بنام یوسف علی سنہ ۱۹۳۱ء ۳۳ بمبئی لا رپورٹ صفحہ ۱۴۰۔ جگناتھ بنام جگل کشور ۹۸ نظائر صفحہ ۱۹۲

۶۔ اگر باپ نے جانتے ہوئے کہ دعویٰ غلط

صادر ہوئی ہو کہ اس نے نہر کو روکا اور اس سے فصل کو مضرت پہنچی تو بیٹے ایسی ڈگری کی بیباقی پر مجبور کئے جا سکتے ہیں۔ چکوری مہاتن بنام گنگا پرشاد ۲۹ ک صفحہ ۸۶۲

[یہ فیصلہ ظاہر ہے کہ دربار کھاجر کے فیصلے کے خلاف ہے مگر ادباً یہ کہنا پڑتا ہے کہ کلکتے کا فیصلہ صحیح ہے (دیکھئے نمبر ۲ جانب چپ)]

۸۔ دیوانی نقض قرض کے سلسلے میں جو رقم باپ سے واجب الادا ہو مثلاً امانت کے نقض میں ہنمنت بنام گنیش ۴۳ بمبئی صفحہ ۶۱۲ - ۵۱ نظائر ہند صفحہ ۶۱۲۔

۹۔ رقم جو بد دیانتی سے نہ کہ مجرمانہ طور پر روک رکھی گئی ہو اور حساب نہ دیا گیا ہو۔ ملو سائن بنام مینو سامی ۱۶ ام صفحہ ۹۹۔ کینیا ونکیپا بنام کرشنا چریا ۳۱ م صفحہ ۱۹۱ گرونا تھن چٹی بنام راگھو بلا چٹی ۳۱ م صفحہ ۲۷۴۔ دینکٹ لکشمن بنام موہن پانڈا ۴۴ م صفحہ ۲۱۴۔

ہے صیغۂ مفلسی میں نالش کی ہو۔ اور ایسی نالش کا خرچہ ادا کرنے کے لئے روپیہ قرض لے۔ راما اینگار بنام وزیر ہند ۲۰ مدراس لا جرنل صفحہ ۸۹

۷۔ مجرمانہ خلاف ورزی قانون کی وجہ سے اگر جرمانہ عائد کیا گیا ہو اور اس جرمانے کے ادا کرنے کے لئے قرضہ کیا جائے سا ویہ بنام نرائن چٹی ۲۵ م۔ ل۔ ج صفحہ ۶۶۱۔

*قرضوں کا باعث منفعت ہونا ضروری نہیں*

یہ بات بھی خود بخود پیدا ہوتی ہے کہ بیٹے کا یہ فرض کہ وہ قرضہ ادا کرے اس مفروضے پر مبنی نہیں ہے کہ قرضے کی وجہ سے جو اچھی باتیں پیدا ہوئی ہوں اس سے خود لڑکے یا جائداد کو فائدہ ہوا۔ اس وجوب کا انحصار اس جائداد کی نوعیت پر بھی نہیں ہے۔ جو بیٹے پر منتقل ہوئی ہو مثلاً موروثی ہونے پر یا کمو بہ۔

*موروثی جائداد بھی مساوی طور پر ذمہ دار*

۴۰۷ بجز اس کے کہ قرضے کی نوعیت ایسی تھی کہ اس کا ادا کرنا بیٹے کا فرض نہ تھا ادائے قرضہ بہر بھی بیٹے کے فرائض خیر میں سے ہے گو موروثی جائداد پر اس سے اثر پڑا ہو ہندو قانون میں باپ کے قرضے کی بیباقی کے وجوب سے بیٹا قرضے کی نوعیت

سے رقم روک رکھی ہو بشرطیکہ اسکا عمل مجرمانہ نہ ہو مثلاً خیانت مجرمانہ یا تصرف بیجا و مجرمانہ تھوشن پال بنام ڈسٹرکٹ جج آگرہ سنہ ۱۹۲۹ء ۱۵ صفحہ ۳۸۶ باپ مدرسے کی کمیٹی کا معتمد تھا۔

۲۔ ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمے کی جوابدہی کے لئے جو رقم قرضہ لی گئی ہو۔ سم سنگھ بنام لیلادھر ۳۳ الہ آباد صفحہ ۲۷۴

۳۔ اگر باپ نے روپیہ اس غرض سے لیا ہو کہ دوسرے کو دے۔ مگر وہ نہ تو دے اور نہ روپیہ واپس کیا ہو۔ اور ایسی رقم کی واپسی کے لئے ڈگری حاصل کی گئی ہو اور اس ڈگری کی بیباقی کے لئے رہن نامہ جاری کیا جائے تو ایسے رہن کی ادائی بیٹے پر واجب ہے۔ نہدلال بنام کلکٹر بلند ساہو ۱۴ الہ آباد لا جرنل صفحہ ۶۱۰

۴۔ تبنیت کے ثابت کرنے کے لئے نالش کے اخراجات کے لئے جو رقم لی جائے۔ کھالی لال براہمن بنام گوبند پرشاد ۲۰ ک صفحہ ۳۲۸

۴۰۱ ۵۔ واصلات کی ڈگری۔ پیارے لال سنگھ بنام چندمی چرم سنگھ ۱۱ ک۔ و۔ ن صفحہ ۱۹۳۔

۶۔ اخراجات ان نالشات کے جن میں کامیابی نہ ہوئی ہو اور جو عاقبت اندیشی سے کئے گئے تھے۔ بریکت ساہو بنام کاسی ساہو ۱۴ ک۔ و۔ ن۔ صفحہ ۶۵۹

۷۔ اگر باپ کے خلاف ہرجے کی ڈگری

ہرجے کی ڈگری جو حق آسائش میں مخل ہونے کے سبب صادر ہو۔ دربار کھاجی بنام کھاجی ہرسر ۴۲ بمبئی صفحہ ۳۴۴ (ہندو باپ نے ایک کٹہ بنایا جس سے پڑوسی کو پانی نہیں پہنچ رہا تھا۔ عدالت نے یہ معلوم کیا کہ باپ کو قانوناً ایسی رکاوٹ پیدا کرنیکا حق نہ تھا۔ ہرجے کی ڈگری دی گئی۔ قرار دیا گیا کہ بیٹے ایسی ڈگری کی بیباقی پر مجبور نہیں کیے جا سکتے)

۳۔ سرقہ اور تصرف بیجا مجرمانہ کی ڈگری ہرجے کے لئے پرامن داس بنام بھٹو مہاتن ۴۲ ک صفحہ ۹۷۲۔

۴۔ قرضہ لے کر متبنیٰ گیرندہ ماں کو رشوت دینا کہ اسے متبنیٰ لینے کی ترغیب ہو سیتارام پنڈت بنام ہری ہر پنڈت ۱۲ ۳۵ بمبئی لارپورٹ صفحہ ۹۱۰

۵۔ رقم جو باپ نے ایسے حالات میں لی ہو جس کا لینا ہی بہ نفسہ مجرمانہ ہو مثلاً نابالغ کے روپے کا تصرف بیجا و مجرمانہ۔ میاکڈول اینڈ کمپنی بنام راگھوجی ۲۷ مدراس صفحہ ۱۷ بانی مانی بنام یوسف علی سنہ ۱۹۳۱ء ۳۳ بمبئی لارپورٹ صفحہ ۱۳۰۔ جگناتھ بنام جگل کشور ۹ ۸ نظائر صفحہ ۱۹۲

۶۔ اگر باپ نے جانتے ہوئے کہ دعویٰ غلط

صادر ہوئی ہو کہ اس نے نہر کو روکا اور اس سے فصل کو مضرت پہنچی تو بیٹے ایسی ڈگری کی بیباقی پر مجبور کئے جا سکتے ہیں۔ چکوری مہاتن بنام گنگا پرشاد ۹ ۳ ک صفحہ ۸۶۲

[یہ فیصلہ ظاہر ہے کہ دربار کھاچر کے فیصلے کے خلاف ہے مگر ادباً یہ کہنا پڑتا ہے کہ کلکتے کا فیصلہ صحیح ہے (دیکھئے نمبر ۲ جانب چپ)]

۸۔ دیوانی نقص قرض کے سلسلے میں جو رقم باپ سے واجب الادا ہو۔ مثلاً امانت کے نقص میں ہنمنت بنام گنیش ۴۳ بمبئی صفحہ ۶۱۲۔ ۵۱ نظائر ہند صفحہ ۶۱۲۔

۹۔ رقم جو بددیانتی سے نہ کہ مجرمانہ طور پر روک رکھی گئی ہو اور حساب نہ دیا گیا ہو۔ نلوسائن بنام پیوسامی ۱۶ م صفحہ ۹۹۔ کنینا ونکیا بنام کرشناچریا ۱۳م صفحہ ۱۹۱ گرونا تھن چٹی بنام راگھوبلا چٹی ۱۳ م صفحہ ۲۷۴۔ وینکٹ لکشمن بنام موہن پانڈا ۱۴ ہ م صفحہ ۲۱۴۔

ہے صیغہ مفلسی میں نالش کی ہو۔ اور ایسی نالش کا خرچہ ادا کرنے کے لئے روپیہ قرض لے۔ راما ینگار بنام وزیر ہند ۲۰ مدراس لاجرنل صفحہ ۸۹

۷۔ مجرمانہ خلاف ورزی قانون کی وجہ سے اگر جرمانہ عائد کیا گیا ہو اور اس جرمانے کے ادا کرنے کے لئے قرضہ کیا جائے ساویہ بنام نرائن چٹی ۳ م۔ ل۔ ج صفحہ ۶۶۱۔

قرضوں کا باعث ہونا ضروری نہیں　یہ بات بھی خود بخود پیدا ہوتی ہے کہ بیٹے کا یہ فرض کہ وہ قرضہ ادا کرے اس مفروضے پر مبنی نہیں ہے کہ قرضے کی وجہ سے جو اچھی باتیں پیدا ہوئی ہوں اس سے خود لڑکے یا جائداد کو فائدہ ہوا۔ اس وجوب کا انحصار اس جائداد کی نوعیت پر بھی نہیں ہے۔ جو بیٹے پر منتقل ہوئی ہو مثلاً موروثی ہونے پر ملکموبہ۔

موروثی جائداد اور مساوی طور پر ذمہ ۲۰۷　بجز اس کے کہ قرضے کی نوعیت ایسی تھی کہ اس کا ادا کرنا بیٹے کا فرض نہ تھا ادائے قرضہ پھر بھی بیٹے کے فرائض خیر میں سے ہے گو موروثی جائداد پر اس سے اثر پڑا ہو ہندو قانون میں باپ کے قرضے کی بیباقی کے وجوب سے بیٹا قرضے کی نوعیت

کے لحاظ سے آزاد ہونا ہے نہ کہ جائداد کی نوعیت کے حوالے سے۔ عام اس سے کہ وہ موروثی ہو یا قرضہ کرنے والے کی مکسوبہ [1]

ب مذکور کا ماخذ

اگرچہ کہ ہم یہ بحث کرتے آئے ہیں کہ سنسکرت مصنفین نے بیٹے کی اس ذمہ داری کو مذہبی فرض پر منحصر کیا ہے تاہم ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی قسم کی ذمہ داری تامل قبیلوں میں موجود تھی بہ مشکل یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں اس ذمہ داری کے پیدا ہونے کا سبب مذہب تھا کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ باپ بھی مثل لڑکوں کے اپنے لڑکوں کے قرضے ادا کرنے کا ذمہ دار ہے [2]۔ غالباً اس وقت جبکہ تقسیم نافذ نہیں کرائی جا سکتی تھی کسی رکن خاندان کے مناسب اور اچھے قرضوں کا بار خاندان کی جائداد پر سمجھا جاتا تھا۔

اب اثاثے تک محدود ہے ۲۹۴ ت بجز بمبئی کے کل صوبوں میں ہماری عدالتوں نے سالہا سال سے یہ طے کیا ہے کہ وارث صرف اس اثاثے کی حد تک ذمہ دار ہے جو اس نے اس شخص سے وراثت میں حاصل کیا ہو جس کے قرضے کے ادا کرنے کے لئے اس سے مطالبہ کیا جا رہا ہو [3] لیکن جو نہی جائداد وراثت میں آ جائے ذمہ داری پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ذمہ داری جائداد کے تلف یا گم ہونے سے غائب نہیں ہوتی۔ اور نہ اس واقعے سے کسی طرح بھی ذمہ داری پر کوئی اثر پڑتا ہے کہ وارث نے اس پر قبضہ کرنا پسند نہیں کیا

---

[1] ہنومان پرشاد بنام مساۃ ببوئی ۶ مور صفحہ ۲۴۲۔ صدر کورٹ ۸ سدر لینڈ صفحہ ۱۸ نوٹ گردھری لال بنام کنتولال ۱ مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۲۱۔ ۱۴ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۸۷۔ ۲۲ سدر لینڈ صفحہ ۵۶ سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد ۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۸۔ ۵ ک صفحہ ۱۴۸۔ تیین چیٹی بنام سنگلی ۹ مرافعہ جات صفحہ ۱۲۸ نارائن سامی بنام سامی داس ۶ م صفحہ ۲۹۳ بھگیت پرشاد بنام گرجا کنور ۱۵ مرافعہ جات صفحہ ۹۹۔ ۱۵ ک صفحہ ۷۱۷۔

[2] ہندو قانون از لیان برگ صفحہ ۱۷۳۔ مینول ایڈمنسٹریشن مدراس جلد ۱ صفحہ ۱۰۷۔

[3] راماپا بنام علی صاحب ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۳۶۔ کروپن بنام وریل ۴ م ہائیکورٹ صفحہ ۱۔ آغا حاجی بنام جگت ۰۰ صفحہ ۲۷۲۔ جمونا بنام مدن ایضاً صفحہ ۲۲۷۔ دیاسنی بنام برندا بن صدر دیوانی بابت ۱۸۵۶ء صفحہ ۷۹۔ کنیا بنام بجا ور جلد ا شمال مغربی صدر دیوانی صفحہ ۴۳۔ پنیا بنام جیو دا ایگرم مدراس صفحہ ۹ صفحہ ۱۲ صفحہ ۵۴ صدر کورٹ ۸ انڈین جورنل ضمیمہ اور علی ہذا القیاس سدر لینڈ پیا بنام

باپ یہ کہ بعد وفات اسے منتقل کر دیا ہے[1] بمبئی میں لیکن سخت تر قاعدے کا اطلاق کیا گیا۔ یہ کہ باپ کے قرضے کو مع سود ادا کرنے کا ذمہ دار بیٹا ہے۔ اور دادا کے قرضوں کا بلا سود پوتا گو وراثت میں کوئی اثاثہ نہ ملا ہو مگر عدالتوں نے یہ طے فرمایا کہ قرضخواہوں کے حقوق کا نفاذ صرف جائداد خلف کے مقابلے میں ہوسکتا ہے نہ کہ اس کی ذات کے خلاف[2] لیکن ۴۰۰
اس صوبے میں بھی قانون سازی سے قانون کو زیادہ عادلانہ قاعدے کے مطابق جس کی پیروی دوسرے مقامات پر کی جاتی ہے کیا گیا ہے[3] الہ آباد میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایسے بیٹے یا پوتے پر جسے اثاثہ ملا ہو ایسی ہی ذمہ داری ہے جیسا کہ مورث پر اور بحالت سبب قرضے کو مع سود ادا کرنا اس کے لئے ضروری ہے[4]۔

**اثاثے کی شہادت**

**دفعہ ۵۰۳** اس امر کے بار ثبوت کے متعلق کہ وارث کے ہاتھوں میں اثاثہ آچکا ہے عالیہ عدالت مدراس نے یہ قاعدہ قرار دیا ہے کہ

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ وسوس نارایہ ۵ میسور صفحہ ۱۹۲ شوہر کے ذاتی قرضوں کی بیوہ اس اثاثے کی حد تک ذمہ دار ہے جو اس کے قبضے میں بہ حیثیت قائم مقام قانون آیا ہو جیسا نتی سببیا بنام الیلو منگما ۲۷ مدراس صفحہ ۴۵۔

[1] کاسی بنام بیجی ریڈی مدراس دسمبر ۱۸۶۱ء صفحہ ۸۷۔ انوپورنا بنام گنگا ۲ سدرلینڈ صفحہ ۲۹۶ کیول میاگون بنام گنپتی ۸ بمبئی صفحہ ۲۲۔ گردھر لال بنام بائی شیو ایضاً صفحہ ۳۰۹۔

[2] پرن ولپ بنام دیو کرشن بمبئی سلکٹ رپورٹ ۴۔ ہیرو جی بنام ہرگو بند نرسم ہراؤ ۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۷۴۔

[3] بمبئی۔ قانون نشان ۷ بابت ۱۸۶۶ء مورث کے قرضے کے لئے ہندوؤں کی ذمہ داری سکھا رام بنام گوبند ۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۶۳ ادارام بنام رانو ۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۷۶۔ قانون مذکور کے نافذ ہونے کے بعد سے عدالت بمبئی نے یہ قرار دیا ہے کہ دائن بیٹے کے خلاف بہ حیثیت قائم مقام پدر اس کے قرضوں کی بابت ڈگری بشمول خرچہ حاصل کرنے کا مجاز ہے گو بلا ثبوت اثاثہ ڈگری کی تعمیل نہیں ہوسکتی لالہ بھاگون بنام تریبھون موتی رام ۱۴ بمبئی صفحہ ۳۵۲۔ لیکن یہ سختی معلوم ہوتی ہے کہ بیٹے کو بے بنیاد دعوے کے ثبوت کے خرچ کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

[4] لچھمن داس بنام کنن لال ۱۹ صفحہ ۲۶۔

اولاً مدعی کو ایسی شہادت فراہم کرنی چاہئے کہ بادی النظر میں بوجوہات معقول یہ استنباط کیا جاسکے کہ مدعی علیہ کو اثاثہ مل چکا ہے یا ملنا چاہئے تھا۔ لیکن جب مدعی نے اپنے دعوے کی بنیاد اس طرح قائم کردی ہو تو پھر مدعی علیہ پر اس کے ثابت کرنے کا بار ہوگا کہ اثاثے کی رقم مدعی کے دعوے کی بیباقی کے لئے کافی نہیں ہے۔ یا یہ کہ وہ اس قسم کا تھا کہ مدعی بلحاظ حق اس سے اپنے قرضے کی بیباقی نہیں کرا سکتا تھا یا یہ کہ کسی قسم کا اثاثہ تھا ہی نہیں۔ یا یہ کہ جائز طور پر اس کا اہتمام ہو چکا اور دیگر دعاوی کی بیباقی میں وہ اثاثے منتقل کئے جاچکے ہیں۔ چنانچہ یہ قرار دیا گیا تھا کہ محض یہ واقعہ کہ صداقت نامہ لیا گیا تھا قبضۂ اثاثہ کی بادی النظری شہادت بھی نہیں ہے۔ مگر عدالت نے اس کے متعلق رائے دینے سے بھی انکار کیا کہ آیا قانون اسٹامپ کے نفاذ کے باوجود اسی قاعدے کا اطلاق ہو سکے گا کیونکہ قانون مذکور نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ رقم اثاثہ جس کا اہتمام صداقت نامے کے مطابق ہونا چاہئے اس سے ظاہر ہونا چاہئے[۱]۔ اسٹامپ کے اثر کے متعلق عالیہ عدالت نے جو شبہہ ظاہر کیا ہے اس کا احتمال ہے کہ اگر اس امر کا تصفیہ کرنا ضروری ہوتا تو حکام عالیمقام نے وہی تصفیہ کیا ہوتا صداقت نامے کی اصلی غرض قرضوں کا جمع کرنا ہے اور مقدار اسٹامپ کا تعین ان کی قیمت پر ہوگا۔ مگر یہ اس کا ثبوت نہ ہوگا کہ اثاثہ ہاتھ لگا۔

اثاثے میں کل مشترکہ جائداد شامل ہے ۱۰۹

ف ۳۰۶ دوسرا اہم سوال جس پر سابق میں بہت زیادہ بحث ہو چکی ہے وہ یہ ہے جب جائداد باپ سے بیٹے پر منتقل ہوئی ہو تو کیا کل جائداد یا اس جائداد کا کوئی کمتر جزو ایسا اثاثہ سمجھا جانا چاہئے جس کو باپ کے قرضے کی ادائی میں لیا جاسکے۔ بنگال میں ایسا سوال پیدا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ باپ کی وفات پر بیٹے کے حقوق پہلی مرتبہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مورث کی جائداد کو بالکل وارث کی حیثیت سے لیتا ہے اور جو کچھ وہ اس طرح پائے لازماً اس کا اثاثہ ہوگا جس سے وہ منتقل ہو کر آئی ہو (فقرہ ۲۵۹) لیکن تابع مثاکشرا اضلاع میں

[۱] کرشنیا بنام بینیا، ۴م صفحہ ۵۱۷۔

[۲] کوتالا بنام شنگر ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۶۱۔ جگل بنام کالی ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۲۱۴۔

صورت کچھ اور ہے وہاں ہر لڑکا کل موروثی جائداد میں جس پر باپ قابض ہوتا ہے پیدائش سے باپ کے ساتھ ساتھ اسی درجے کا حقدار ہوتا ہے۔ اور باپ کے مرنے پر بیٹا اس جائداد کو بحیثیت وارث نہیں پاتا بلکہ پسماندگی سے۔ باپ کی حقیت صرف واپس ہوتی ہے اور اس طرح اس کے اخلاف کے حصے وسیع ہو جاتے ہیں (فقرات ۲۵۳، ۲۷۰)۔ لہٰذا اس سے ظاہر ہے کہ بیٹے کی ذمہ داری کے متعلق تین نظریے ہو سکتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ذمہ داری زیر بحث کا تعلق صرف باپ کی کسوبہ جائداد سے ہے جسے بیٹے نے حقیقۃً بحیثیت وارث پایا ہو۔ ثانیاً یہ کہ اس ذمہ داری کا تعلق مشترکہ جائداد کے اس حصے سے ہے جسے باپ اپنی زندگی میں منتقل کر سکتا ہے بمبئی اور مدراس کے فیصلے یہی ہیں (فقرات ۳۵۶ و ۳۶۱)۔ ثالثاً یہ کہ اس کا اطلاق اس کل جائداد پر ہوتا ہے جو باپ کے پاس بحیثیت نمایندہ خاندان مشترکہ ہو۔ متضاد فیصلوں کے بعد نظریۂ ثالث کے متعلق ایک مقدمے میں جہاں کہ جائداد قابل تقسیم معمولی قسم کی تھی بالآخر یہ فیصلہ فرمایا گیا کہ یہی نظریہ صحیح ہے[1] اور اسی قاعدے کا اطلاق پریوی کونسل نے کیا جبکہ جائداد قدیم ناقابل تقسیم پولیم راج کی نوعیت کی تھی[2]۔

**باپ کی وفات پر ذمہ داری پیدا ہوتی ہے**

۴۱۰ ف مصنفین قدیم نے یہ کہا ہے کہ بیٹے کی ذمہ داری نہ صرف باپ کی فی الواقعی وفات پر پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کی قانونی وفات پر بھی مثلاً جبکہ وہ تارک الدنیا ہو گیا ہو یا جبکہ وہ بیس سال تک بیرون ملک ہو۔ ایسی صورت میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ مر گیا۔ یا جبکہ وہ کلیتہً مخرب اخلاق مصروفیات میں ڈوبا ہوا ہو۔ اس حالت کی توضیح جگناتھ نے یہ کی ہے کہ اس سے باپ کی ایک ایسی حالت ظاہر ہوتی ہے جو افلاس اور

---

[1] پنیا بنام پاپوانیگر ۲۴ صفحہ ۱۔ پاڈو ونکنا بنام سرینواس ڈکشتلو ۴۱ مدراس صفحہ ۱۳۶۔ شیوپرشاد بنام جنگ بہادر ۹ کلکتہ صفحہ ۳۸۹۔ جب بیٹے کو باپ کی جائداد پسماندگی کے قاعدے سے ملی ہو تو اس مسئلے کی یکسوئی کہ آیا بیٹے کی ذمہ داری کو جدید نالش سے نافذ کرانا چاہئے یا باپ کے خلاف تعمیل ڈگری کرا کے ضابطۂ دیوانی ہند کی دفعہ ۵۲ نے کر دی ہے شیورام سکھارام ۳۳ بمبئی صفحہ ۳۹۔ چندر پرشاد بنام شام کنور ۳۳ کلکتہ صفحہ ۶۷۶۔

[2] بنیین چٹی بنام سنگلی ۹ مرافعات ہند صفحہ ۱۲۸۔ ۲۳ مدراس صفحہ ۳۰۰۔ شیوگری بنام ترو ونگٹا، مدراس صفحہ ۳۳۹۔

بدتمیزی وشوخی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور یہ کہ جب اس وجہ سے کہ وہ شہوانی خواہشات کی تکمیل میں منہمک رہتا ہے دیون کی بیباقی کی نہ صرف مطلق کوشش نہیں کرتا بلکہ دائنین کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے تو کہا جائے گا کہ وہ مخرب اخلاق مشاغل میں ڈوبا ہوا تھا[۱]۔ اور علیٰ ہذا جب باپ کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہو۔ یا دیوانہ ہو۔ یا بہت بوڑھا ہوگیا ہو[۲] تو ان مسائل پر قدیم تر مقدمات میں بہت بحث کی جا چکی ہے[۳] مگر ۱۸۷۴ء سے ان کی کوئی عملی اہمیت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس سال پریوی کونسل نے یہ فیصلہ فرمایا کہ چونکہ باپ خاندانی جائداد قرضخواہ کے حق میں بیع کرسکتا ہے اور اسکا بیٹا پابند ہوتا ہے اس لئے دائن اپنے دعوے کو ڈگری سے نافذ کرا سکتا ہے اور اس ڈگری کی تعمیل کل جائداد پر کرائی جا سکتی ہے[۴] اس نظریہ کی بعد کے مقدمات میں بار بار تصدیق کی گئی ہے[۵] پریوی کونسل کی ایک عدالتی رائے سے جو ایک حالیہ مقدمے میں ظاہر فرمائی گئی سابقہ خیال ذیل کی تائید ہوتی نظر آتی ہے کہ بیٹے کی ذمہ داری باپ کے حین حیات پیدا نہیں ہوتی[۶] عالیہ عدالت مدراس نے مجلہ اسناد پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد یہ تجویز فرمائی ہے کہ زیر بحث عدالتی رائے کی

---

[۱] وشنو اڈ ڈائجسٹ۔ یاگنولک ایضاً صفحہ ۲۶۸۔ جلد ۲ ڈبلیو سیاکناٹن صفحہ ۲۸۲۔

[۲] کتیاین و برہسپتی جلد ا ڈائجسٹ صفحہ ۲۷۷ صفحہ ۲۰۸ ستلہ کرپن بنام دیریگل ۴ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ا۔ پونیا ۴ صفحہ ۲ اگرو سامی بنام چپا ۵ مدراس صفحہ ۲۷۔

[۳] گردھری لال بنام کنتو لال جلد ا مرافعہ جات ہند صفحہ ۳۲۱۔

[۵] سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد ۶ مرافعہ صفحہ ۸۸۔ منین چٹی بنام سنگلی ۹ مرافعہ صفحہ ۱۲۸ اسماۃ نانومی بابواسن بنام مدن موہن ۱۳ مرافعہ صفحہ ا۔ خلیل الرحمن بنام گوبند ۲۰ کلکتہ صفحہ ۳۲۸۔ رام سامی نادن بنام منگا ناتھم ۲۲ مدراس (اجلاس کامل) صفحہ ۴۹۔ بدری پرشاد بنام مدن لال ۱۵ F.B A. صفحہ ۷۵۔ گوبند کرشنا بنام سکھا رام ۲۹ بمبئی صفحہ ۳۸۳۔ تاترمی وشنو وشنو نرائن ۳۰ بمبئی صفحہ ۶۸۔

[۶] سا ہو رام چند ۴۴ مرافعہ صفحہ ا۔ A ۳۹ صفحہ ۴۳۷۔

[۷] یدا ونکما بنام سری نواس ڈیکشلو ۳۴ مدراس صفحہ ۱۳۹۔ اس مقدمے میں کمر سامی ساستری جسٹس یہ خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ بیٹے کا بعد وفات پدر جو کچھ بھی نیک اور باعث ثواب فرض ہو۔ باپ کے حین حیات صرف اس وقت یہ فرض عائد ہوتا ہے جبکہ باپ خود اپنی جائداد سے قرضہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو (صفحہ ۱۴۹)۔

ایسی تاویل جلد جدا انتہائے ہندوستان کے مقررہ قانون[۱] کے جو پریوی کونسل کے ساتھ فیصلوں پر مبنی ہے مغائر ہوگی۔ اس لئے اس کا اتباع اور اس کو اختیار نہ کرنا چاہئے۔

کسی زمانے میں یہ فرض کرلیا جاتا تھا[۲] کہ دائن کو بیٹے کے خلاف اس کے باپ ۲۱۱
کے قرضے کے متعلق دو جدا جدا چارۂ کار حاصل تھے۔ ایک تو اس کے باپ کی زندگی میں اس کے خلاف اپنے دعوے کا نفاذ۔ اور دوسرے اس کے متعلق باپ کے مرنے کے بعد اس پر نالش کرنا۔ زیادہ حالیہ زمانے میں یہ فیصلہ فرمایا گیا ہے کہ بنائے دعویٰ صرف ایک ہے اور یہ مساوی طور پر باپ اور بیٹے دونوں کے خلاف اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ قرضہ واجب الادا ہوچکا ہو۔ یہ کہ بنابراں قانون معیاد سماعت کا اثر باپ اور بیٹے دونوں کے خلاف اسی تاریخ سے شروع ہوتا ہے[۳]

**ف ۳ الف۔** بیٹے کا یہ نیک وجوب صرف اس وقت تک رہتا ہے جبتک کہ باپ کی ذمہ داری باقی ہے۔ مگر بیٹے کی ذمہ داری اس مفہوم میں نہ تو مشترکہ ہے اور نہ مشترکہ اور منفردہ جس میں کہ ان اصطلاحات کو انگریزی قانون میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے[۴] باپ کی حین حیات صرف بیٹے پر نالش نہیں کی جاسکتی[۵] اور جب اس نالش میں جو باپ کے خلاف دائر کی گئی ہو بیٹا شریک کیا جائے تو اس کے دو مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عدالت باپ کے اس اختیار کو استعمال کرسکے جو اسے ان قرضوں کے ادا کرنے کے لئے جائداد کے بیع کردینے کے متعلق حاصل ہے جو ناجائز اور مخرب اخلاق نہ ہوں۔ اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان قرضوں کی نوعیت پر معترض نہ ہوسکے جبکہ جائداد کے

[۱] پنیا پلے ۴۴ م صفحہ ۱۔ راما سامی نادن ۲۲ م۔ اجلاس کامل صفحہ ۴۹ چھمن داس ۵ کے (F.B.) صفحہ ۵۵۰۔ گنگا پرشاد چودھری ۴۴ ک صفحہ ۲۵، جگ بھائی للو بھائی ۱۱ بمبئی صفحہ ۳۔ انڈیٹی سنگھ ۲ بمبئی صفحہ ۳۰۵ کون سنگھ ۲۷ الہ آباد صفحہ ۱۶۔

[۲] ناما سیبن بنام مہنو سامی ۳۴ م صفحہ ۹۹۔ راما یا بنام وینکٹ رتنم ۱۷ م صفحہ ۱۲۲۔

[۳] مالیم بنام مجولا ۲۲ م (F.B.) صفحہ ۲۹۲۔ نرسنگھ سر ۲۳ الہ آباد صفحہ ۲۰۹۔

[۴] نارائن بنام ویرپا ۴۰ م صفحہ ۱۰۸۔

[۵] پیرا سامی مدلیر بنام سیتھا رام چیٹر ۲۷ م FB صفحہ ۲۴۳۔

خلاف تعمیلی کارروائی جاری ہوجائے۔ اس میں شک نہیں کہ تقسیم کے بعد بیٹا اس حصے پر جو اسے دیا گیا ہو ہر قسم کی ذمہ داری سے مبرا قابض رہتا ہے۔ تقسیم ہونے سے باپ کا یہ حق کہ وہ اپنے قرضے کی بیباقی میں بیٹے کا حصہ فروخت کرسکتا ہے زائل ہوجاتا ہے۔ دائن اس کے بعد بیٹے کے حصے کا نیلام نہیں کراسکتا۔ بالخصوص جبکہ تقسیم محض اس غرض سے نہ کی گئی ہو کہ دائنین کو شکست ہو اور ان کے دیون تاخیر میں پڑ جائیں[1]۔

**بیٹے کی ذمہ داری باپ کے حق متعلق بہ جائداد تک محدود نہیں**

۴۱۲ **۳۰۸**۔ جب بیٹے پر باپ کے قرضے کے ادا کے لئے نالش کی جائے تو جیسا کہ قبل ازیں ظاہر کیا گیا یہ امر کلیتہً غیر اہم ہے کہ آیا خاندان کے مفاد کے لئے قرضے کئے گئے تھے یا صرف باپ کے استعمال کے لئے۔ ہاں صورت موخر الذکر میں ان کا مخرب اخلاق نہ ہونا ضروری ہے[2]۔ مدراس کی عدالت نے کچھ مدت تک اس نظریے کے اطلاق کامل کی مخالفت کی۔ اس مخالفت کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اس سے باپ بالواسطہ بہت زیادہ حد تک خاندانی جائداد کو ذمہ دار بنا سکے گا۔ اپنی حین حیات وہ اپنے راست فعل سے اس طرح نہیں کرسکتا۔ جوڈیشل کمیٹی نے پھر بھی ان کے خیالات کو منسوخ کردیا۔ مقدمے کے واقعات حسب ذیل تھے۔ مدراس کی ایک ناقابل تقسیم جائداد کے قابض نے ضروری اغراض کے لئے اپنے بیٹے کی پیدائش سے قبل چند قرضے کئے۔ اس کے بعد اس نے دوسرے قرضے بھی کئے جو دونوں عدالتوں میں نہ تو ضروری ثابت ہوئے اور نہ خاندان کے لئے باعث مفاد۔ ان کے لئے اس پر ۱۸۶۷ء میں نالش کی گئی۔ ڈگری کی بیباقی کے لئے اس نے یہ انتظام کیا کہ بہ اقساط قرضہ ادا ہو۔ زمینداری کے ایک جزو کو قرضے کی کفالت میں گرو کیا۔ ادائے قرضہ میں

[1] کرشنا سامی کنن بنام راما سامی ایر ۲۲ م صفحہ ۵۱۹ وتنا نائڈو بنام آہمن چاریہ ۱۸ ام، ل۔ج صفحہ ۵۹۹۔ کامیسو ما بنام ونکٹ سبا ۲۸۰۳۰ م صفحہ ۲۰ ا پدا ادکسا بنام سندواس وشکلو ۱۸ مدراس صفحہ ۱۳۲۔

[2] دیکھئے ف ۳۰۳۔ اودارام بنام رانو ۱۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۷۶۔ صفحہ ۸۳۔ گوبردھن بنام سنگیسر ۷ک صفحہ ۵۲۔

کوتاہی کرنے سے زمینداری کا یہ حصہ اس کی زندگی میں قرق کیا گیا۔ اس کی وفات پر عدالت نے قرقی برخاست کردی۔ بیٹے اور اصلی مدیون کے جانشین پر اُن نے دو اغراض کے لئے نالش کی۔ ایک تو یہ کہ قرقی حسب حال رہے اور دوسرے یہ کہ کل جائداد اس کے قرضے کی ادائی کی ذمہ دار ہو۔ عالیہ عدالت نے یہ تجویز کی کہ جائداد قرضے کے اس جزو کی حد تک ذمہ دار ہے جو ضروری مقاصد کے لئے کئے گئے تھے لیکن بقیہ قرضے کے لئے جو بیٹے کی پیدائش کے بعد کئے گئے تھے اور جو خاندان کیلئے مفید نہ تھے جائداد کو ذمہ دار کرنے سے انکار کیا پریوی کونسل نے (جب مرافعہ کیا گیا) اس حصۂ جائداد پر قرقی بحال رکھنے سے انکار کیا جسکو مختص طور پر کفالت میں دیا گیا تھا لیکن یہ تجویز فرمائی کہ کل اسٹیٹ (جائداد جو وارث کے دست رس میں تھا) کل دیون کا ذمہ دار ہے۔ بشرطیکہ دیون فسق و فجور کے دھبے سے مبرا ہوں گو وہ ضروری نہ تھے یا اس کے لئے مفاد کا باعث[1]۔

**باپ اپنے قرضے کی بیباقی میں خاندانی جائداد منتقل کرسکتا ہے۔**

۴۱۳ **دفعہ ۳۰۹** مذکورالصدر فیصلوں کے اصول کو قابل لحاظ وسعت حاصل ہوئی ہے کیونکہ پریوی کونسل نے اس اصول کا اطلاق ان صورتوں میں بھی کیا جبکہ باپ نے اپنے خاص دیون کے چکانے میں خاندانی جائداد کو رہن یا بیع کیا یا جبکہ وہ اس ڈگری کی تعمیل میں جو اس کے خلاف ایسے قرضوں کے لئے صادر ہوئی تھی نیلام کی گئی ہو۔ اگر ایسے معاملات سے جائداد کے بڑے حصے پر اثر پڑتا ہو اور وہ خود اس کے مرافق سے زیادہ ہو تو نتیجہ ظاہر ہے یہ ہوگا کہ بیٹے بالواسطہ باپ کے عین حیات ایسے وجوب کے ایفا پر مجبور کئے جائینگے جو حقیقتہً ان سے باپ کے مرنے پر متعلق کیا جاتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون کا وہ مجموعہ جو پریوی کونسل کے فیصلوں سے اخذ کیا جاسکتا ہے عام قاعدۂ ذیل کے مسلسل مستثنیات پر مبنی ہے۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ کوئی رکن خاندان غیر منقسمہ کسی ترتیب سے بھی خود اپنے

---

[1] متین چٹی بنام سنگلی ۳ م صفحہ ۲۰۳ بصیغۂ مرافعہ ۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۸۔ بہ متابعت گردھری لال بنام کنتو لال ۱۱ الہ آباد صفحہ ۳۲۱-۱۴ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۸۷-۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۵۶۔ سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد ۶ مرافعہ صفحہ ۸۸-۵ ک صفحہ ۱۴۸۔ اور پنیا بنام پاپوانیگر ۴م صفحہ ۱ کی تصدیق کرتے ہوئے۔ دیکھئے نوٹ (۱۲) تحت فقرہ ۳۰۶۔

مفاد کے لئے خاندانی جائداد کا کوئی ایسا جزو اپنے تصرف میں نہیں لاسکتا جو اس حصے سے زیادہ ہو جسے وہ تقسیم پر حاصل کرسکتا ہے۔ اس کا استثنا یہ ہے کہ جب باپ نے ایسا قرضہ کیا ہو جس کی ادائی کا بیٹا پابند ہوگا تو دائن اپنے قرضہ کی بیباقی دو طرح سے کراسکتا ہے۔ یا تو یہ کہ باپ جائداد منتقل کرے یا کل خاندانی جائداد کے خلاف عدالتی ڈگری حاصل کرکے۔ اور یہ استثنا خود ایک اور استثنا کا تابع ہے۔ یہ کہ ایسے دائن کو جس کی یہ خواہش ہو کہ اپنے دعوے کا نفاذ بیٹوں کے مرافق کے خلاف بھی کرائے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ تعمیلی کارروائیوں میں اس کا ارادہ یہی تھا کہ ایسا ہو۔ یا یہ کہ اس کو یہ باور کرنے کی وجہ تھی کہ وہ ایسا کر رہا ہے کیونکہ جو انتقال جائداد اس کے حق میں ہوا تھا اس کی شکل ہی ایسی تھی کہ اسکو ایسا خیال پیدا ہوتا۔

گردھری لال بنام کنتولال

ان خاص قواعد کی پہلی شاخ کا فیصلہ پریوی کونسل نے حالات ذیل میں کیا کچھ جائداد کنیالال کی وفات پر اس کے دو بیٹوں بھکاری اور بجرنگ پر منتقل ہوئی۔ ان دو میں کے مقدم الذکر کا ایک بیٹا کنتو تھا۔ خاندان قانون متھلا کا تابع تھا اور چونکہ جائداد موروثی تھی اس لئے کنتو کو اس میں پیدائش سے حق حاصل ہوگیا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد بھکاری نے ایک بانڈ جاری کیا اور اس پر عدالتی فیصلہ حاصل کیا گیا اور اس کا حصہ جائداد قرق کرایا گیا۔ اس فیصلے کی رقم ادا کرنے کے لئے دونوں بھائیوں نے جائداد کا ایک جز فروخت کیا۔ واقعات پیش کردہ سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ بھکاری کا بانڈ کسی طرح بھی خاندان کے مفید تھا۔ یا یہ کہ جائداد کی بیع خاندان کے لئے مفید تھی ہاں یہ ضرور ہے اس سے ڈگری بیباق تو ہوئی اور زرثمن کا ایک جزو سرکاری مالگذاری کی ادائی میں دیا گیا۔ بس اسی حد تک خاندان نے اس سے استفادہ کیا۔ کنتولال نے تنسیخ بیع کی نالش کی کہ وہ بیع نہ تو اس کے لئے باعث مفاد تھی اور نہ اس کی رضامندی سے ۴۱۴
بیع کی گئی۔ بجرنگ کے بیٹے مہابیر نے بھی اسی قسم کی ایک نالش دائر کی عالیہ عدالت نے مہابیر کی نالش خارج کی۔ وجہ اخراج یہ بتلائی گئی کہ وہ اس وقت جبکہ بانڈ جاری کیا گیا تھا پیدا ابھی نہیں ہوا تھا۔ مگر کنتولال کو اس کے باپ کا نصف حصہ دلایا گیا۔ پریوی کونسل نے اس ڈگری کو منسوخ فرمایا۔ انھوں نے اپنے فیصلے میں یہ فرمایا:۔
"یہ کہا گیا ہے کہ وہ (بھکاری اور بجرنگ) جائداد کو فروخت نہیں کرسکتے تھے کیونکہ دستاویز بیع

کے جاری ہونے سے قبل کنتولال پیدا ہو چکا تھا۔ اور قانون متعلا کے تحت بہ سبب اس کی پیدائش کے اس کو اس جائداد میں حق حاصل ہوچکا تھا۔ اب اس پر غور کرنا اہمیت رکھتا ہے کہ کنتولال کو کس قسم کا حق حاصل ہوا۔ کیا اس نے اس جائداد میں ایسا حق حاصل کیا کہ وہ اس قرضے کے ادا کرنے کی ذمہ دار باقی نہیں رہی جو اس کے باپ نے کیا تھا؟ اگر اس کا باپ مر گیا ہوتا۔ اور اسے اپنے وارث کی حیثیت سے چھوڑا ہوتا۔ اور جائداد اس کے قبضے میں آئی ہوتی تو کیا وہ اس وجہ سے کہ جائداد موروثی ہے، جو اس کے باپ پر اس کے دادا سے منتقل ہوئی تھی یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ مطلقاً اس کے باپ کے قرضوں کے ادا کرنے کی ذمہ دار نہیں ہے" اس کے بعد انھوں نے عبارت محولہ بالا (۲ مور کے مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۱۴ فقرہ ۲۰۳) کا اقتباس فرما کر فیصلے کو بہ ایں الفاظ جاری رکھا "بہ سند ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے کہ موروثی جائداد جو متاکشرا قانون کے تحت ایک باپ پر وراثۃً منتقل ہوئی ہو محض اس سبب سے کہ اس کو لڑکا پیدا ہوا ہے اس کے قرضوں کو ادا کرنے کی ذمہ داری سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بیٹے کا یہ مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنے باپ کے قرضے ادا کرے اور چونکہ اس کا یہ فرض خیر کا باعث ہے نہ وہ اپنے باپ کے دیون ادا کرے اس لئے موروثی جائداد باپ کے دیون ادا کرنے کی ذمہ دار ہے کیونکہ اس میں بیٹا اپنے باپ کا بیٹا ہونے کے سبب پیدائش سے حق حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ لارڈ جسٹس نائٹ بروس نے بیان فرمایا قاعدہ یہ ہے کہ باپ کے قرضے کو ادا کرنے کے وجوب سے آزادی کو نوعیت قرضہ سے تعلق ہے اور نہ کہ نوعیت جائداد سے عام ازیں کہ وہ موروثی ہو یا خود قرضہ کرنے والے کی حاصل کی ہوئی۔ لہٰذا یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس قرضے کے ادا کرنے کے لئے یہ ضرورت لاحق ہوئی تھی کہ جائداد زیر بحث کو فروخت کرکے روپیہ حاصل کیا جائے اس کی نوعیت کیا تھی۔ اگر باپ کا قرضہ مخرب اخلاق مقصد کے لئے کیا گیا تھا تو اس کے ادا کرنے کا مذہبی فرض بیٹے پر عائد ہوا ہے۔ نہ ہوگا اور یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ان جائدادوں پر ادائے قرضہ کی ذمہ داری عائد ہونے پر اعتراض کرے
۴۱۵ جو باپ کے قبضے میں مثل موروثی جائداد کے ہوں۔ یہاں یہ صورت نہ تھی یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ بانڈ جس پر ڈگری حاصل کی گئی مخرب اخلاق کام کے لئے دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ بانڈ رقمی قرضے کے لئے

دیا گیا تھا اور اس پر نالش رجوع کی گئی تھی۔ بانڈ کو عدالت انصاف میں ثابت کیا گیا تھا۔ کسی چیز سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ بانڈ مخرب اخلاق کام کے لئے دیا گیا تھا۔ اور قابض نے اس پر ڈگری حاصل کر لی۔ اشارۃً بھی یہ ظاہر نہیں ہے کہ بانڈ یا ڈگری باپ کے مفاد کیلئے بنامی حاصل کی گئی تھا۔ یا محض اس غرض کے لئے کہ باپ خاندانی جائداد کو فروخت کرکے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے روپیہ حاصل کر سکے۔ برخلاف اس کے یہ ثابت کیا گیا کہ جائداد کا زرثمن باپ کے مہاجنوں (bankers) کو ادا کیا گیا اور مہاجنوں نے رقم مذکور ان کے حساب میں جمع کر لی۔ نیز یہ کہ رقم جزاً ادائے ڈگری میں دی گئی اور جزواً اس بقایا کی ادائی میں جو مہاجنوں کو باپ سے وصول طلب تھا۔ اور جزو سرکاری مالگذاری میں۔ اس کے بعد ایک چھوٹی سی رقم دی گئی تھی جس کا استعمال اور اس کا حساب نہیں تبلایا گیا۔ لیکن محض اس بنا پر کہ ایک چھوٹی سی رقم کی حساب فہمی نہیں ہوئی بیٹے کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ ایک نیک نیت خریدار کو جس نے جائداد کی قیمت بھی ادا کی ہے نکالدے۔ اور واصلات کے ساتھ اس جائداد کا قبضہ پالے۔ اگر کل زرثمن کے لینے کے لئے ضرورت نہ بھی تھی تو بیع کلیۃً باطل نہ ہوسکے گی۔[1]

**ہندوستانی فیصلے**

**ف۳** ہندوستان کے کل صوبوں کے متعدد مقدمات میں جہاں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر باپ نے خود کے سابقہ قرضوں کی بیباقی کے لئے جو نہ تو مخرب اخلاق ہوں اور نہ خاندان کے مفاد کا باعث بیع یا رہن کیا ہو تو ایسے بیع یا رہن کی پابندی بیٹوں اور پوتوں کے حصے پر ہوگی اور ساتھ ساتھ باپ کے حصے پر بھی۔ فیصلۂ مذکور الصدر کا اتباع کیا گیا ہے۔[2]

---

[1] گردھری لال بنام کنھولال جلد ۱ مرافعہ ۳۲۱ ر ۳۳ - ۱۴۔ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۸۷۔ ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۵۶۔ فقرہ ۳۱۲ میں واقعات مزید تفصیل سے دیے گئے ہیں۔ سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد ۶ مرافعہ ۸۸۔ ۵ ک صفحہ ۱۴۸۔

[2] مدن گوپال بنام ۱۳ ۵ گورن جی ۵ ۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۶۴۔ ۲۳ سدرلینڈ صفحہ ۳۰۵ اور مین بنام چودھری ۳ ک صفحہ ۲۶۲۔ ۱ بینیا ۴ م صفحہ اگنتلو بنام انچا ۴ م صفحہ ۳۰۷۔ تارائن بنام نرسوا ۲ ببئی صفحہ percuriam کشمن۔ ۲ ببئی کستور بنام بابئی ۲ ببئی صفحہ ۲۲۷۔ درسو بنام کبراجیت ۴ صفحہ ۱۲۵ سدا شیو ڈکر بنام

بنگال کے فیصلے۔ بنگال کی عدالت نے ایک امتیاز پیدا کیا ہے جو اسی کے لئے مخصوص معلوم ہوتا ہے۔ مثاکشرا فقرۂ ۲۹، باب ۱۔ دفعہ ۱۔ میں ایسے انتقال کو جائز قرار دیا گیا ہے جو ناگزیر فرائض کی تعمیل میں کیا جائے۔ حکام عالیہ عدالت کلکتہ ایسے معاملے کو دیگر ارکان خاندان کے خلاف اسی مفہوم میں جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھی تجویز فرماتے ہیں کہ ایسا انتقال بالغ ارکان کو بغیر ان کی رضامندی صریحی یا معنوی کے انھیں پابند نہیں کر سکتا گو نابالغوں کو پابند کرتا ہے۔ یہ کہ لہذا باپ کا اپنے سابقہ قرضے کی بیباقی کے لئے جائداد کو بیع یا رہن کرنا بذات خود بالغ لڑکوں کو ان کا پابند نہیں کرتا۔ اگرچہ کہ اس کی پابندی ہر اس بیٹے پر ہوگی جو اس وقت نابالغ تھے[1] عملاً بہر حال یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت یہ چاہتی ہے کہ خود کے پیدا کردہ امتیاز سے گریز کیا جائے کیونکہ یہ فیصلہ فرمایا گیا ہے کہ ایسی صورت میں بھی رہن[2] جائداد پابند ہوگی۔ درحقیقت نہ بسبب رہن بلکہ اس سبب سے کہ قرضہ پدر نالش سے پہلے کا تھا اور مشترکہ موروثی جائداد کے مقابلے میں قابل نفاذ۔ اور لہذا جائداد مرہونہ کے خلاف بہ حیثیت اس کے کہ وہ اس کا جزو ہے۔ شاید نالش کو شکل ذیل میں مرتب کرنا ہوگا۔ نالش بربنائے رہن باپ کے خلاف اور نالش قرضہ بہ حیثیت قرضۂ سابقہ بیٹوں کے ان مراتب کے مقابلے میں جو انھیں مشترکہ موروثی جائداد میں حاصل ہو۔ لیکن یہ امر محض ضابطے کا ہوگا۔[3]"

۴۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ذکر نارائن ۶ بمبئی صفحہ ۵۲۰۔ رام بھول سنگھ بنام وگ نرائن ۲ک صفحہ ۵۱۰۔ کلکتہ لاء رپورٹ صفحہ ۸۹۹ ولیا مل بنام کھاتا چٹی ۵ م صفحہ ۶۱۔ فقیر چند بنام موتی چند ۷ بمبئی صفحہ ۴۳۸۔ ترمبک بالکرشنا بنام نرائن دامودر ۸ بمبئی صفحہ ۴۸۱۔ جوہرمل بنام اکناتھ ۲۴ ک صفحہ ۲۳۴۔ پنیا بنام پالوا نیگر ۹ م صفحہ ۳۴۳۔ کونا لارنگنادھن بنام بلی کٹ رام سامی ۲۷ م صفحہ ۱۶۲۔ کنور سیل بنام سندر داس ۱۱ک صفحہ ۳۹۶۔ دتاتریا وشنو ۳۶ ب صفحہ ۶۸۔ چندر دیو سنگھ ۳۱ A صفحہ ۱۶۷۔

[1] ابوروپ بنام لالہ بندجی ۶ ک صفحہ ۹۴۷۔ صفحہ ۹۵۳۔ دیکھئے متھورا بنام لونی ۱۲ اسد لینڈ صفحہ ۳۰ contra پھول چند بنام مان سنگھ ۴ A صفحہ ۳۰۹۔

[2] لال جی بنام فقیر ۶ ک صفحہ ۱۲۵۔ صفحہ ۱۲۸۔ دیکھو باسو کنور بنام ہری داس ۹ ک صفحہ ۴۹۵۔

**نیلام جبکہ نفاذ رہن کیلئے ڈگری کی تعمیل ہورہی ہو**

**ف ۳۱۱**۔ اگر باپ نے خاندانی جائداد سابقہ قرضے کے لئے جو بہ لحاظ نوعیت مخرب اخلاق یا ناجائز نہ تھا بیع یا رہن کی ہو تو اب یہ امر طے شدہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نیلام کے لڑکے پابند ہوں گے جو معاہدۂ مذکور کے نفاذ میں اس کے خلاف ڈگری صادر ہونے سے کیا گیا ہو گو وہ (لڑکے) فریقین نالش نہ بنائے گئے ہوں[1] اس کا
۴۱۷ سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشتری یا مرتہن کا حق باپ کے جاری کردہ انتقال کی وجہ سے مکمل ہوجاتا ہے اور اس کو (یعنی انتقال کو) بیٹوں کے مقابلے میں جائز کرنے کے لئے ڈگری کی ضرورت نہیں۔ ڈگری کا صرف یہ اثر ہے کہ مطالبے کے حقیقی ہونے پر مہر لگائی جائے اور طریقۂ تعمیل معاملہ کی رہنمائی کی جائے۔ جب عدالت نے نفاذ رہن کے لئے یہ ہدایت کی ہو کہ راہن کا حق حقیقت اور مرافق نیلام کیا جائے تو ان الفاظ میں وہ کل مرافق شامل سمجھا جاسکتا ہے جس کو رہن کرنے کا وہ اس وقت مجاز تھا جبکہ اس نے دستاویز رہن جاری کی یہ (کل مرافق) اس حصے سے بالکل جداگانہ چیز ہے جس پر دائنین کو قرقی کے وقت عام طور پر مدیون کے مقابلے میں دست رس تھا[2]" بنابراں عالیہ عدالت مدراس نے یہ تجویز فرمائی ہے کہ اگر ڈگری سے بیٹے اپنے کسی ایسے حق سے محروم ہوئے ہوں جو جواز رہن کے متناقض نہ ہو۔ مثلاً حق انفکاک۔ تو ایسا حق ان سے بذریعۂ ایسی ڈگری کے نہیں لیا جاسکتا جس کے وہ فریق نہ تھے[3]۔ ہائیکورٹ الہ آباد نے اس نظریے سے اختلاف کیا ہے[4] ایک مقدمے میں

---

[1] سورج بنسی کنور ۶ مرافعہ صفحہ ۸۸۔ ۵ کلکتہ صفحہ ۱۴۸۔ پونپا ۴م صفحہ ۱۔ ۶م صفحہ ۳۴۳ بسرنواس ۵م صفحہ ۱۵۱۔ رام بھول سنگھ ۹ ک صفحہ ۵۱۷۔ کرشنا ۸ م صفحہ ۳۸۸ سداشیو ونکار ۶ ب صفحہ ۵۲۰۔ شیو رام ۳ ب صفحہ ۳۹ ہردے نارائن ۱۱ مرافعہ صفحہ ۲۶ جلد ۲۸۔ ۱۰ ک صفحہ ۶۲۶ باسال ۸ الہ آباد صفحہ ۲۰۵ متھوراپرشاد ۲۵ صفحہ ۵ لال سنگھ ۲۸ A صفحہ ۱۸۲ است رراجہ ۴م صفحہ ۱۱۱ پریوی کونسل کے فیصلے مقدمات ذیل میں ان وجوہ پر مبنی تھے جن کا ذکر آگے فقرات ۳۱۸-۳۱۴ میں کیا گیا ہے۔ بھجو ناتھ بنام گلاب سنگھ۔ اور پٹاشی جٹی بنام سوداگری نیندار جلد ۱۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۷۷ صفحہ ۸۴۔

[2] Per curim ۸ بمبئی صفحہ ۲۸۶-۴م صفحہ ۶۵-۱۷ مرافعہ صفحہ ۱۴۔

[3] پونپا ۴م صفحہ ۱ صفحہ ۶۹۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کی عالیہ عدالت نے بھی بمقدمۂ رام بھول سنگھ ۹ ک صفحہ ۵۲۵ یہی رائے قائم کی ہے۔

[4] کھوری سنگھ بنام چنی لال ۳۵ A صفحہ ۴۳۶۔

ہائیکورٹ بمبئی کو بھی اس مسئلے پر غور کرنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ باپ اور بیٹے کے مابین بعد رہن اور قبل نالش تقسیم ہو چکی تھی۔ اس عام سوال کے متعلق کہ ایسی ڈگری کا کیا اثر ہوگا جو صرف باپ کے خلاف صادر ہوئی ہو حکام نے فیصلہ کرنے سے احتراز کیا۔ انھوں نے اس امر کو واضح اور صاف سمجھا کہ تقسیم کے بعد باپ کے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ نالش مذکور میں بیٹوں کے مرافق کی نیابت کر رہا ہے۔ اور یہ کہ لہذا ان کے (بیٹوں کا) حق انفکاک پر ڈگری سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا[1]۔

دفعہ ۸۵ قانون انتقال جائداد کا اثر۔

قانون انتقال نشان ۴ بابت ۱۸۸۲ء کے نفاذ سے مزید سوال ذیل پیدا ہوا ہے کیا مذکور الصدر قاعدے میں قانون مذکور کی دفعہ ۸۵ (جواب آرڈر ۳۴ قاعدہ ۱ ضابطہ دیوانی کے سبب منسوخ ہو چکی ہے) کے سبب تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ اس پر اختلاف آرا ہے۔ عالیہ عدالت الہ آباد نے یہ طے کیا ہے کہ تحت ۴۱۸ دفعہ ۸۵ مذکور نیلام کی ڈگری بیٹوں کے خلاف مرتب نہیں کی جا سکتی بجز اسکے کہ وہ نالش میں فریق بنائے گئے تھے۔ مدراس اور بمبئی کی عدالتوں نے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے[2]۔ عدالت الہ آباد کی رائے میں مناسب اور موزوں چارہ جوئی یہ ہے کہ بیٹے کے خلاف اس ذمہ داری کے نفاذ کے لئے جدید نالش کی جائے جس کو سابقہ ڈگری (باپ کے خلاف) میں یہ بتلایا گیا تھا کہ بیٹے پر اس ذمہ داری کا ایفاء لازم تھے اگر بیٹے کے خلاف رہن کی ڈگری کی تعمیل کیلئے کارروائی کی گئی ہو۔ یا اگر لڑکے نے اس کے استقرار کی کارروائی کی ہو کہ وہ ڈگری کا

---

[1] ترمبک بالکرشن بنام نارائن دامودر ۸ بمبئی صفحہ ۴۸۱۔

[2] بھوانی پرشاد بنام کالو ۱۷ A (اجلاس کامل) صفحہ ۵۳۷ باوجود اس کے دیکھو ہیرالال بنام پرمیشر ۲۱ A صفحہ ۳۵۶۔ برخلاف اس کے راما سامی بنام ویراسامی ۲۱ م صفحہ ۲۲۲۔ پلانی گوندن بنام رنگیا ۲۲ م صفحہ ۲۰۷۔ رام کرشنا بنام ونائک ۳۴ ب صفحہ ۳۵۴۔

[3] دھرن سنگھ بنام انگن لال ۲۱ A صفحہ ۳۰۱۔ ران سنگھ بنام سبارام ۲۶ A صفحہ ۵۴۴۔

پابند نہیں ہے۔ اور صرف جواز ڈگری کے متعلق تنقیح قائم کی گئی ہو (یہ کہ ڈگری تحت دفعہ ۹۰ قانون انتقال مرتب کی گئی اور لڑکے کو حسب احکام دفعہ ۸۵ فریق نہیں بنایا گیا تھا) تو لڑکا کامیاب ہوگا بشرطیکہ یہ ثابت ہو کہ ابتدائی مدعی کو اس کے موافق کی اطلاع تھی۔ لیکن اگر مزید تنقیح ذیل پیدا کی جائے کہ رہن فی نفسہ قانوناً اس کے خلاف بے اثر ہے کیونکہ وہ مخرب اخلاق کام کے لئے کیا گیا تھا۔ یا یہ کہ بدل ناجائز تھا۔ اور اس تنقیح کی تجویز بیٹے کے خلاف ہو تو اس کی حیثیت ایسی ہی ہوگی گویا کہ وہ رہن کی نالش میں فریق نہ تھا جو داد رسی اسے ایسی صورت میں دی جاسکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس کو انفکاک کے حق کی اجازت دی جائے[1] لیکن جب رہن کی ڈگری کی تعمیل میں نیلام واقع ہو گیا ہو تو بیٹا اپنے حق انفکاک سے محروم ہو جائے گا[2]۔

**قرضۂ سابقہ کے معنی**

دفعہ ۳۱۱ الف۔ فقرات سابقہ میں جن مقدمات پر نظرثانی اور غور کیا گیا یہ دیکھا گیا کہ اصطلاح "سابقہ قرضہ" اکثر واقع ہوئی ہے۔ اس کے معنی باپ کی وہ قرضداری ہے جو خاندانی جائداد کے مخصوص معاملہ زیر بحث سے بہ لحاظ وقت پہلے کی ہو اور اس کی ابتدا کو بھی اس سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ عام ازینکہ بیع یا رہن یا کوئی اور انتقال ہو جس کو بیٹے کے خلاف نافذ کرانا مقصود ہے[3] اس کتاب کی سابقہ اشاعت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ جب تک سابقہ قرضہ اس معنی میں سابقہ نہ ہو تو بیٹے کی یہ ذمہ داری اس سے متعلق نہیں ہوتی۔ ان الفاظ سے جو چند قدیم تر مقدمات میں استعمال ہوئے تھے اس ۳۱۹
حالت کو اہمیت ہوئی۔ مگر کہنا پڑتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے[4] بیٹے پر یہ نیک وجوب عائد

---

[1] کنیا لال بنام راج بہادر ۴ A ۲ صفحہ ۲۱۱۔ لالہ سورج پرشاد بنام گلاب چند ۲۸ کلکتہ صفحہ ۸۱۰۔

[2] کھیری سنگھ بنام چنی لال ۳۳ A صفحہ ۴۳۶۔

[3] یہ ضروری نہیں ہے کہ قرضہ سابقہ اسی کا ہو جس کے حق میں یہ مخصوص انتقال عمل میں لایا گیا ہو۔ پانڈورنگ بنام بھگوان داس ۴۴ ب صفحہ ۳۴۱۔

[4] چندر دیو سنگھ بنام ماتا پرشاد ۳۱ A صفحہ ۷۰۶ (صفحہ ۹۱ ۷) میں مسٹر جان اسٹینلے چیف جسٹس کی عبارت دیکھی جائے۔

کیا گیا ہے کہ وہ باپ کے ان کل قرضوں کو ادا کرے جو نا جائز یا مخرب اخلاق کے درجے سے مبرا ہوں۔ گو جیسا کہ ہم نے دیکھا یہ وجوب بہر صورت اس سرایے تک محدود ہے جو اس کے ہاتھوں میں آیا ہو۔ حقیقی امتیاز یہ ہے۔ یہ کہ اگر باپ نے جو کفالت پیدا کی ہے یا انتقال عمل میں لایا ہے اس کا تعلق سابقہ قرضے سے ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ خاندانی جائداد پر اس کا بار ہے۔ برخلاف اس کے اگر ہم عصر قرضے سے اس کا تعلق ہو یا جیسا کہ بعض وقت کہا جاتا ہے اگر وہ فوری قرضے سے متعلق ہو تو خاندانی جائداد پر بار قائم نہ ہوگا۔ زرنقد کے دین کو بیٹے کے خلاف نافذ کرایا جا سکتا ہے اور وجوب مذکور کے سبب نافذ کرایا جا سکتا ہے اگر باپ کے خلاف ڈگری دی جا چکی تھی تو اب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ بیٹے کے خلاف نئی نالش کر کے جدید ڈگری بیٹے کے خلاف حاصل کی جائے اور اس کے بعد اس دوسری ڈگری کے تحت خاندانی جائداد پر تعمیلی کارروائی کی جائے اب دفعہ ۵۳ مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کے تحت اس ڈگری کی تعمیل جو باپ کے خلاف صادر ہوئی ہو مزید کارروائی کے بغیر اس خاندانی جائداد پر کرائی جا سکتی ہے جو بیٹے کے قبضے میں ہو۔ سابقہ قرضے اور موقتی قرضے پر زرنقد کے امتیاز کی اہمیت اس وجہ سے نہیں ہے کہ موخر الذکر ہو تو بیٹے کی یہ ذمہ داری کہ اس کو ادا کرے محدود ہوتی ہے۔ اہمیت اس لئے ہے کہ مقدم الذکر سے رہن کو تقویت ہو سکتی ہے اور بیٹوں کو اس کا پابند کیا جا سکتا ہے۔ نیز دائن کو یہ فائدہ ہے کہ اس کے نفاذ کے لئے قانون میعاد نے زیادہ مدت دی ہے برخلاف اس کے قرضۂ زرنقد کے لئے میعاد سماعت کی مدت کم ہے۔ گو ایسے قرضے کو بھی مساوی طور پر بیٹوں کے خلاف نافذ کرایا جا سکتا ہے۔ میعاد سماعت ایسی صورت میں وہی ہوگی جو معمولی معاہداتی قرضوں کے لئے ہوتی ہے۔ مثلاً اگر باپ نے خاندانی جائداد رہن کر کے بدل حاصل کیا ہو (یک زمانی معاوضہ یا بدل) تو جو ڈگری اس کے یا اس کے بیٹے کے خلاف دی جا سکتی ہے وہ سادہ زرنقد کی ڈگری ہوگی بشرطیکہ رہن خاندان کے ضروری یا قابل پابندی مقصد کے لئے نہ کیا گیا ہو۔ ڈگری مذکور اس ذاتی عہد پر مبنی ہوگی جو دستاویز رہن میں داخل ہو۔ اور دستاویز مذکور کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ جائداد پر اس کا بار عائد ہو۔ ان مقدمات میں جو اکثر و بیشتر عدالتوں کے سامنے آتے ہیں میعاد کی عذر داری کا مکمل جواب وہی ہوگی بجز اس کے کہ قرضہ فی الحقیقت سابقہ ہو اور اس

وجہ سے جائداد پر بار عائد ہوتا ہو۔

۴۲۰ اصول یہ ہے کہ بیٹے کی ذمہ داری مذکور باپ کے ان کل دیون سے متعلق ہوتی ہے جو ناجائز نہ ہوں اور جو مخرب اخلاق امور کے لئے نہ کئے گئے ہوں۔ اس اصول کو برطانوی ہند کی چند عدالتوں نے وسعت دے کر یہ فیصلے فرمائے ہیں کہ ان کل معاملات سے جو باپ نے خاندانی جائداد پر کئے ہوں اس جائداد پر کفالت قائم ہوتی ہے گو قرضہ صحیح معنی میں سابقہ نہ ہو[1] ہندوستانی عدالتوں کے دوسرے فیصلوں نے اس نظریے کو قبول کرنے سے انکار کیا[2]۔ اختلاف آرا کی حال میں پریوی کونسل نے یکسوئی کر دی ہے جس نے قطعی طور پر یہ فیصلہ فرمایا کہ کسی صورت میں بھی یک زمانی بدل اس قاعدہ کے مفہوم میں سابقہ قرضہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس حد تک واضح ہے اور پریوی کونسل نے دوبارہ اس کی تصدیق بھی کی ہے[3] لیکن بورڈ کے فیصلے میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس سے ایک نئی دشواری پیدا ہوئی ہے۔ عام اصول یہ ہے کہ اگر جائداد کے مفاد کے لئے قرضہ نہیں کیا گیا تھا تو کرتا کو رہن یا بیع کا اختیار نہیں ہے۔ لارڈ شاو نے باپ کے اس حق کو کہ وہ خاندانی جائداد کو اپنے سابقہ قرضے کے لئے بیع یا رہن کر سکتا ہے اصول مذکور کا استثنا تصور فرمایا۔ یہ ایسی استثنائی شکل ہے جس کو وسعت نہ دی جانی چاہیے بلکہ سختی کے ساتھ اس کی حفاظت ضروری ہے۔ حاکم عالیمقام چنانچہ یہ رائے ظاہر فرماتے ہیں کہ جائداد خاندان مشترکہ در موثر طریقے سے نہ تو

---

[1] دیبی دت بنام جادو رائے ۲۴ A صفحہ ۴۵۹۔ بابو سنگھ بنام بہاری لال ۴ A صفحہ ۵۹ اجید مبارلیر بنام کوٹیا پرول ۴۷م صفحہ ۳۴۳۔ مہیشور دت تواری بنام کشن سنگھ ۴ ۳ ک صفحہ ۱۸۴۔ لسوا ناتھ پرشاد مہاتا بنام جگدپ نرائن سنگھ ۳۴ صفحہ ۲۴۲۔ چنتامنر دبنام کاشی ناتھ ۱۴ اب صفحہ ۲۲۰۔ رام چند ربنام فقیریا ۴ بمبئی لا رپورٹ صفحہ ۴۵۰۔

[2] جمنا بنام نین سکھ ۹ A صفحہ ۴۹۱۔ چندر دیو سنگھ بنام ماتا پرشاد ۳۱ A صفحہ ۱۷۶ (اجلاس کامل) چنیا بنام پیرول ۴۳م صفحہ ۱۵ سامی اینگار بنام پیتال ۴۱م صفحہ ۸۰ وینکٹ رامنا پنتلو بنام وینکٹ رامنا داس ۴۶م صفحہ ۲۰ (F.B.) کشن پرشاد بنام تپن پرشاد ۲ ۳ ک صفحہ ۴۵۔ برج نندن سنگھ بنام بدیا پرشاد سنگھ ۴ ۲ ک صفحہ ۱۰۶۴ (F.B.)۔

[3] جوگی داس بنام گنگا رام ۱۲ ک۔ وسلن صفحہ ۷۵۹۔

اس طرح بیع کی جا سکتی ہے اور نہ اس پر کوئی بار عائد کیا جا سکتا ہے کہ باپ کی اولاد پر اس کی پابندی لازم آئے۔ بجز اس کے کہ بیع یا کفالت کے انعقاد کا سبب ایسے وجوب کا ایفاء ہو جو نہ صرف سابق میں عائد ہوا تھا۔ بلکہ جو کلیتۃً کیست جائداد مشترکہ کے قطع نظر یا قطع نظر اس کفالت کے جس کی ایسی جائداد متحمل ہو سکتی تھی یا جس کا دستیاب ہونا فرض کر لیا گیا تھا۔ عائد ہوا ہو۔ حکام عالیمقام کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ استثنائے مذکور کے اطلاق کی اجازت ہے مگر صرف ان صورتوں میں جبکہ باپ کے دیون ان املاک غیر منقولہ کے بھروسے پر پیدا نہ ہوئے ہوں جنھیں اس کی ذات سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ جو مشترکہ جائداد خاندانی ہوں اسناد موجودہ کے مدنظر ایسا ہی اطلاق ۴۲۱
ہونا بھی چاہئے۔ باپ اور اس کے وارثین کے حقوق کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر اصول مذکور کو مزید توسیع دی جائے تو استثنائے زیر بحث اتنا وسیع ہو جائے گا کہ عملاً خود ایسا مفید اور معقول اصول کہ کوئی منیجر۔ ولی۔ یا امین اس کا مجاز نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے اغراض کے لئے اس جائداد کو منتقل کر دے جو اس کی زیر نگرانی ہو۔ ختم ہو جائے گا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ متاکشرا قانون کے اس جزو کا قاعدہ یہ ہے کہ جائداد خاندان مشترکہ کی حیثیت حسب ذیل ہے: جبکہ جائداد اس کے انتظام میں ہے نہ تو وہ اس لئے بیع نہ خود کے مقاصد کے لئے روپیہ حاصل کر سکتا ہے اور نہ اس پر اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کوئی رقم لے سکتا ہے۔ اُس کو اس طرح اجازت دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ان حقوق کی قربانی کرے جن کا محفوظ رکھنا اس پر لازم تھا۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ صاف طور پر اسے اجازت دی جا رہی ہے کہ وہ نقض امانت کرے اور ہو سکتا ہے کہ عمداً اسے ایسا کرنے کی منظوری دی جا رہی ہے متاکشرا قانون کسی ایسے معاملے کو جائز نہیں کرتا۔ اصول استثنا کے حدود نہ لہذا یوں بتلائے گئے ہیں کیونکہ حکام عالیمقام کی رائے میں ان سے اس نزاع کی رہنمائی ہوتی ہے جو ہندوستان میں سابقہ قرضے کے موضوع پر جاری ہے[۱]"

ان الفاظ میں جن کے تحت سرخی کھینچی گئی ہے تحدید کا پہلی مرتبہ اعلان کیا گیا ہے اور گو اسے نہایت ہی باوقعت اور پر معنی اظہار رائے خیال کیا جا سکتا ہو پھر بھی یہ واضح

۱؎ سلہو رام چندر بنام لب سنگھ ۴۴ مرافعہ صفحہ ۱۲۶ - ۳۹ ۸ صفحہ ۲۳۷ -

ہے کہ وہ ایک ایسی رائے عدالتی ہے جو اس امر کے تصفیے کے لئے ضروری نہیں جس کے واقعات فیصلے کے لئے واقعی طور پر بورڈ کے ملاحظے میں پیش ہیں اگر اسے نافذ کیا جائے تو اب تک ہندوستان میں جسے ایک عرصۂ دراز سے طے شدہ قانون سمجھا جا رہا ہے وہ درہم برہم ہو جائے گا بار بار یہ فیصلہ فرمایا گیا ہے کہ ایسے رہن سے خاندانی جائداد کے انتقال مابعد کی تائید ہو سکتی ہے جو ابتداءً زر نقد کے بدلے میں کیا گیا ہو اور اس وجہ سے بذات خود قابل نفاذ نہ ہو۔ ایسا انتقال مابعد قرضۂ سابقہ کے لئے سمجھا جائے گا۔ اس نئی تحدید کو مدراس اور الہ آباد کے اجلاسوں نے قبول فرمایا ہے[1] لیکن حال میں عالیہ عدالت مدراس کے کامل اجلاس خمسہ نے تحدید پیش کردہ کو نامنظور فرمایا۔ یہ کہ وہ ایک ایسی عدالتی رائے ہے جو مسلسل ہندوستانی اسناد کے مغائر ہے جس سے بنابراں جائداد کی اکثر موجودہ حقیتوں کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور یہ کہ اس کا اتباع نہ کیا جانا ۴۲۲
چاہئے جبکہ جوڈیشل کمیٹی کی صریح تجویز شامل بلاواسطہ فیصلے کے اس امر کے متعلق معدوم ہوتے[2] (مقدمۂ ساہورام میں پریوی کونسل کے حکام ان عالیمقام یہ کہتے ہیں کہ نظریۂ قرضۂ سابقہ" اس ضرورت کے سبب کہ اشخاص ثالث کے حقوق محفوظ رہیں پیدا ہوا"۔ بمقدمہ برج نرائن رائے بنام منگل پرشاد (۷ الف) جوڈیشل کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کرنے کے بعد کہ مقدمۂ ساہورام نے اس سے زیادہ کوئی تصفیہ نہیں کیا جو فیصلے کے لئے ضروری تھا (یعنی یہ کہ جو قرضہ خود رہن سے پیدا کیا گیا ہو وہ خود قرضۂ سابقہ نہیں ہے) اس مقدمے کے اکثر آرا سے اختلاف فرمایا اور ذیل کے قضیے قرار دیے گئے۔ (الف)

---

[1] بداکالا جوگی نائڈو بنام بندلم پاپیا نائڈو ۳۵ مدراس لاجرنل صفحہ ۸۲۔ برج نرائن رائے بنام منگل پرشاد ۴۱ الہ آباد صفحہ ۲۳۵۔ رام سنگھ بنام چیٹ رام ۴۱ A صفحہ ۵۹۹ نیز دیکھو سکھ دیو جھا بنام جھابت کامت ۵ پٹنہ لاجرنل صفحہ ۱۲۰۔

[2] آرو گمو چٹی بنام موتو کوندن ۴۲ مدراس صفحہ ۷۱۱ (F B)۔ (۷ الف) ۱۹۲۴ء ۱۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۹۔ ۴۶ الہ آباد صفحہ ۹۵۔ ۱۱ نظائر ہند صفحہ ۲۸۹ (۷ ب) انتو بنام رام پرشاد ۱۹۲۴ء ۸ نظائر ہند صفحہ ۶۱۹۔ بھیم سنگھ بنام رام سنگھ ۱۹۲۴ء ۴۸ نظائر ہند صفحہ ۳۱۔ گوری شنکر بنام شیو نندن ۱۹۲۴ء ۸ نظائر ہند صفحہ ۹۱۱۔ کنیالال بنام نرنجن لال ۱۹۲۵ء ۸۶ نظائر ہند صفحہ ۹۸۔ کلدیپ بنام رام بھجادن ۱۹۲۴ء ۸۳ نظائر ہند صفحہ ۳۸۵۔

شترکہ غیر منقسمہ جائداد کا منتظم بحیثیت منتظم اس جائداد کو نہ تو منتقل کر سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی بار عائد کر سکتا ہے مقاصد ضروریات کے لئے البتہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ (ب) اگر وہ باپ ہے اور دیگر ارکان اس کے پتر تو وہ اپنے اپنے قرضوں کی ادائی کے لئے جائداد پر ڈگری کی تعمیل جائز کرا سکتا ہے (ج) اگر رہن سے وہ جائداد پر بار عائد کرنا چاہتا ہو تو بجز اس کے کہ رہن قرضۂ سابقہ کے ایفاء کے لئے کیا گیا ہو جائداد اس رہن کی پابند نہ ہوگی۔ (د) قرضۂ سابقہ کے معنی وہ قرضہ ہے جو بہ لحاظ وقت اور بہ لحاظ واقعہ سابقہ ہو۔ یعنی قرضے کو اس معاملے سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے جس پر اعتراض کیا جا رہا ہو۔ اور نہ وہ اس معاملے کا جزو ہونا چاہئے۔ (ہ) باپ کے زندہ رہنے یا اس کے مرجانے سے اس نتیجے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قرضۂ سابقہ کے مفہوم کے متعلق ایک زمانے میں اختلاف آرا تھا۔ الہ آباد اور مدراس کے فیصلے یہ کہتے ہیں کہ قرضۂ سابقہ سے ایسا قرضہ مراد ہے جو بیع یا رہن سے قبل موجود تھا۔ رقم جو بیع یا رہن کے وقت حاصل کی گئی ہو قرضۂ سابقہ نہیں سمجھی جا سکتی۔ کلکتے اور بمبئی کی تجاویز یہ ہیں کہ گو قرضہ بیع یا رہن کے پہلے موجود نہ ہو مگر اسے سابقہ تصور کیا جا سکتا ہے اگر اسے نالش مابعد میں بطور دعویٰ پیش کیا جائے بہ الفاظ دیگر اگر باپ نے مشترکہ خاندانی جائداد کو رہن کر کے روپیہ لیا ہو اور لڑکوں نے اس رہن کو منسوخ کرنے کے لئے نالش کی ہو تو بمقدمۂ بھگوان داس بنام اگر یہ عمر رہن کو جائز قرار دیا گیا۔ یہ کہ جو قرضہ اس سے حاصل کیا گیا تھا وہ نالش سے سابق کا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریہ کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ برج نرائن کے مقدمے میں قدیم مقدمات پر نظر ثانی کی گئی۔ واقعات مقدمۂ برج نرائن۔ زید اور اس کے لڑکے یوپی کے قانون متاکشرا کے تابع خاندان مشترکہ کے شرکاء ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں زید نے خاندانی جائداد بکر کے پاس رہن کی۔ ۱۹۰۶ء میں اسی جائداد کو خالد کے پاس رہن کیا۔ ۱۹۰۸ء میں دونوں سابقہ قرضے ادا کرنے کے لئے اس نے تیسری مرتبہ عمرو کے پاس جائداد رہن کی عمرو نے زید اور اس کے لڑکوں پر ۱۹۰۸ء کے رہن کی بابت نالش کی۔ یہ ثابت نہیں ہوا کہ بکر اور خالد کے رہن خاندانی ضروریات کے لئے تھے۔ قرار دیا گیا کہ عمرو کا رہن سابقہ قرضے کے متعلق تھا لہذا کل جائداد بہ شمول حصص پتر عمرو کے رہن کی پابندی ہے۔ عمرو کل جائداد کے نیلام کی ڈگری پا سکے گا۔ (ب)۔ عمرو کے معاملے پر اعتراض ہے اور وہ رہن سابقہ

قرضوں کے ادا کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اگر باپ نے ۱۹۱۸ء میں پرامیسری نوٹ پر قرضہ لیا ہو اور اس قرضے کے ادا کرنے کے لئے ۱۹۲۰ء میں جائداد رہن کرے تو ظاہر ہے کہ رہن کی وجہ قرضۂ سابقہ ہے اور بیٹے پابند ہوں گے۔]

**رقمی قرضہ**

**۳۱۲** ۔ ہندوستانی عدالتوں کے متضاد اور مابہ النزاع فیصلوں کے (چند مقدمات کی غلط فہمی کے سبب یہ نزاع پیدا ہوئی تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے کیا جائے گا) بعد اب اس کی یکسوئی ہوگئی ہے کہ اگر دائن نے باپ کے خلاف واجب الادا رقمی قرضے کی واپسی کے لئے صحیح چارۂ کار اختیار کیا ہو تو لڑکوں پر اس کی پابندی عائد ہو سکتی ہے اگرچہ کہ بیٹوں کو فریقین نالش نہ بنایا گیا ہو۔ اس امر کے متعلق رہنمائی نظیر مدن تھاکر بنام کنتولال[1] اس مقدمے کے واقعات حسب ذیل تھے۔ ۱۸۵۳ء میں کنیالال مر گیا اور اس کے پسماندگان میں دو لڑکے بھکاری اور بھجرنگ تھے۔ بھکاری کا لڑکا کنتولال ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۵۵ء میں بھکاری اور بھجرنگ نے مبلغ تین ہزار پانسو چالیس روپیہ سماۃ عصمت النسا اور دوسروں سے قرض لیا۔ اور اس رقم کے لئے بانڈ دیا گیا اس بانڈ میں بیان کیا گیا کہ مشترکہ خاندانی جائداد کے دو گاؤں مکفول کئے گئے ہیں ۱۸۵۸ء میں قابضان بانڈ نے بھکاری اور بھجرنگ کے خلاف ڈگری حاصل کی جس کے الفاظ حسب ذیل تھے:۔

"مدعیان نے مدعی علیہم پر مبلغ ۳۵۴۰ روپیوں کے لئے جو تحت بانڈ جس کی باضابطہ رجسٹری ہو چکی ہے وصول طلب ہیں نالش کی ہے۔ اور مبلغ ۱۱۸۹ روپیوں کے لئے جو تاریخ بانڈ سے تاریخ ارجاع نالش تک بحساب ایک فیصد سود ہے۔ مجموعی رقم مبلغ ۴۷۲۹ روپے ہے۔" مدعی علیہم کا اقبال قرضہ بیان کیا گیا تھا۔ اور یہ "حکم دیا گیا تھا کہ اس نالش کی ڈگری بحق مدعیان بموجب اس اقبال کے جو مدعی علیہم نے داخل کیا تھا دی جانی چاہئے۔ مدعیان یقیناً مدعی علیہم سے رقم مع خرچہ اور سود تاریخ نالش سے

[1] جلد امرافعہ جات ہند صفحہ ۳۲۱ صفحہ ۲۴۳ ۔ ۱۴ بنگال لارپورٹ صفحہ ۱۸۷، ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۵۶ دیکھئے فقرہ ۳۰۹۔ رپورٹ میں واقعات مقدمہ کی پوری تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ مگر مدراس کے چیف جسٹس نے (۹ م صفحہ ۳۴۳) اصلی ریکارڈ کی خود جانچ کرکے واقعات کو پوری طرح بیان فرمایا ہے۔

حاصل کرنے تک پانے کے محق ہیں؟ اس سے واضح ہے کہ معیان کفالت کے نفاذ کے لئے
نالش کر سکتے تھے۔ مگر انھوں نے اس بانڈ کو محض رقمی دعویٰ تصور کیا اور اس پر انھوں
نے سادہ زر نقد کی ڈگری چاہی۔ کنتولال جو اس وقت سن بلوغ کو پہنچ چکا تھا فریق نالش
نہیں بنایا گیا۔ اور نہ مہابیر بھجرنگ کا نابالغ لڑکا جو ۱۸۵۶ء کے بعد پیدا ہوا تھا۔
۱۸۵۹ء میں مدیونان کا حق، حقیت اور مرافق چند مختص جائدادوں میں بہ تعمیل ڈگری
نیلام کیا گیا اور مدن تھاکر کے بینامی دار نے اسے خریدا۔ جائدادوں کے نام دیکھنے سے ۴۲۳
یہ ظاہر ہوا کہ ان میں کے اکثر جو ۱۸۵۵ء میں مکفول کئے گئے تھے تحت تعمیل ڈگری نیلام
کئے گئے پھر بھی چند دیگر جو مکفول تھے فروخت نہیں ہوئے اور چند جو فروخت ہوئے وہ
مکفول نہ تھے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ کل تعمیل ایسی ہوئی جیسا کہ ڈگری زرنقد کی ہوتی ہے۔
نہ کہ رہن کی۔ کنتولال نے مدن تھاکر پر کل جائداد کے دلاپانے کی نالش کی یہ دادرسی ایسی تھی
جس کا وہ محق ہوتا اگر اس کا حصہ ناجائز طور پر فروخت کیا جاتا (فقرہ ۲۶۵)۔ عالیہ عدالت
بنگال نے وہ حصہ اسے دلایا جس کا وہ تقسیم پر محق ہوتا۔ جوڈیشل کمیٹی نے اس ڈگری کو
منسوخ فرمایا۔ مقدمۂ گردھرلال کے فیصلے کا اتباع کیا گیا (فقرہ ۳۰۱) جس کا وہ جزو تھا جو اصول
اس مقدمے میں بیان کیا گیا تھا اسی پر یہ فیصلہ مبنی کیا گیا۔ یہ کہ "بیٹے کا یہ فرض ہے کہ وہ
اپنے باپ کے دیون کو ادا کرے۔ اور چونکہ بیٹے کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ اپنے باپ
کے دیون ادا کرے اس لئے موروثی جائداد جس میں بیٹے پر اپنے باپ کے پتر کی حیثیت
سے پیدائش سے مرافق حاصل ہوتا ہے باپ کے دیون کی ذمہ داری ہے" اس اصول کو
اس خاص مقدمے میں یہ کہہ کر منطبق کیا گیا:۔ "قبل ازیں یہ تبلایا گیا ہے کہ اگر ڈگری صحیح ڈگری
ہوتی تو بیٹوں کے مرافق و نیز باپ کے اس جائداد میں باپ کے دیون کے ذمہ دار ہوتے
گو وہ موروثی ہو"، حکامانِ عالیمقام کی رائے میں صحت نیلام بحق خریدار نیلام فرض
کرنی ہی ہوگی۔ جلد ۹ مدراس صفحہ ۱۹۶ میں منصرم میر مجلس کرنن نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے
کہ مدن تھاکر کے مقدمے میں ڈگری کی بنیاد رہن تھی۔ یا بہر صورت یہ کہ پریوی کونسل نے
اسی نظریے پر عمل کیا۔ میرے خیال میں یہ بالکل واضح ہے کہ اس قسم کا مفروضہ غلط ہوگا
اور یہ فرض کر لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ حکامان عالیمقام کسی ایسی غلط فہمی
میں تھے۔

**پریوی کونسل نے تصدیق کی**

**ف ۳۱۳**۔ جوڈیشل کمیٹی نے بعد کے مقدمات میں فیصلۂ مذکور کو پسند فرماکر اس کا اتباع پوری پوری طرح فرمایا۔ بمقدمۂ سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد۔ حکام عالیمقام مقدمۂ مدن تھاکر کا اقتباس پسندیدہ طریقے سے فرماتے ہیں اور اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کو مسلمہ قرار دیتے ہیں" کہ جب مشترکہ موروثی جائداد خاندان مشترکہ کے قبضے سے باپ کے قرضے کے
۴۲۴ سلسلے میں نکل جائے تو اس کے لڑکے اس جائداد کو بہ سبب اس کے کہ باپ کے دیون کا ادا کرنا ان کا فرض ہے واپس نہیں پاسکتے بجز اس کے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ مخرب اخلاق مقاصد کے لئے قرضے کئے گئے تھے اور یہ کہ مشتری کو اس سے آگاہی تھی کہ وہ اس طرح کئے گئے تھے۔ تمام اس حالت کہ جائداد کا خاندان سے نکل جانے کا سبب وہ انتقال جائداد ہو جو باپ بہ عوض سابقہ قرضہ عمل میں لایا ہو۔ یا قرضۂ سابقہ کے ادا کرنے کے لئے رقم حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو۔ یا اس ڈگری کی تعمیل میں جو باپ کے قرضے کی بابت صادر ہوئی تھی نیلام کے سبب ایسا ہوا ہو[۱]"

**دین دیال بنام جگدیپ نرائن میں استثنا**

**ف ۳۱۴** جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا (فقرہ ۳۰۹) قواعد مذکورہ مزید استثنا کے تابع ہیں اس استثنا کا پہلا جزو یہ ہے کہ دائن جو یہ چاہتا ہو کہ اس کا دعویٰ بیٹوں کی حقیت کے مقابلے میں بھی نافذ ہو یہ ثابت کرے گا کہ اس کا منشا یہی تھا جیسا کہ تعمیلی کارروائیوں سے ظاہر ہے۔ اس امر پر اہم نظیر دین دیال بنام جگدیپ کی ہے[۲] مرافع علیہ کا باپ مسمی طوفانی سنگھ مرافع کا بمد ۵۰۰۰ روپے مقروض تھا۔

---

لہ ۶ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۸۔ صفحہ ۱۰۶ ۵ ک صفحہ ۸۴ صفحہ ۱۰۱ اجاگیت پرشاد بنام گرجا کنور ۱۵ مرافعہ صفحہ ۹۹ میں اتباع کیا گیا۔ ۵ اک صفحہ ۱۰۷ لکشمی نانڈو بنام اسودی کنک ۱۶ مرافعہ صفحہ ۱۔ ۱۲ م صفحہ ۱۴۲۔ دتاتری وشنو بنام وستنو نرائن ۳۶ بمبئی صفحہ ۶۸۔

لہ ۴ مرافعہ ہند صفحہ ۲۴۷۔ ۳ ک صفحہ ۱۹۸۔ اس مقدمے کے چند واقعات کو مسٹر جسٹس مٹر نے (۲۸ ک صفحہ ۳۰۹) نسبتہً زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ پریوی کونسل کی رپورٹ میں تفصیل کم ہے۔ نیز دیکھو جگدیپ بنام دین دیال ۲۰ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۰۰ (مقدمہ جس کا مرافعہ کیا گیا)۔

اس لئے مرافع کے حق میں بنگالی رہن کا ایک بانڈ جاری کیا تاکہ اس رقم کی ادائی مع سود طمانیت ہو۔ مرافع نے اس بانڈ پر نالش کی اور طوفانی سنگھ کے خلاف مبلغ ۲۲۲۰ روپلوں کی ڈگری حاصل کی۔ یہ ڈگری سادہ زر نقد کی ڈگری تھی۔ اور خاص جائداد مرہونہ کے مقابلے میں اس کی تعمیل کرانے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس حد تک یہ مقدمہ مدن ٹھاکر کے مقدمے سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ ڈگری کے چھ سال بعد مرافع نے طوفانی مدیون کے حقوق۔ اور ملکیت و مفرزی حیثیت اور حصے کو جو اسے مشترکہ خاندانی جائداد میں حاصل تھا اس وقت کی واجب الادا رقم کے لئے نیلام کرایا۔ اور خود اس نے اسے خرید لیا اور کل جائداد پر قابض ہوگیا بیٹے نے کل جائداد کی واپسی کے لئے نالش کی۔ وجہ نالش یہ بیان کی گئی کہ قانون متاکشرا کے تحت وہ جائداد اس کے باپ اور خود کی مشترکہ جائداد تھی۔ اسی وجہ سے وہ باپ کے قرضے کے لئے فروخت نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ قرضے خاندانی ضرورت کے بغیر کئے گئے۔ ایک تنقیح شامل مسل کی گئی کہ آیا طوفانی سنگھ نے مدعی علیہ سے وہ رقم قانونی ضرورت کے لئے قرض لی یا نہیں۔ اس امر کے متعلق کوئی تنقیح قائم نہیں کی گئی کہ آیا وہ قرضہ مخرب اخلاق قسم کا تھا۔ اگرچہ کہ مسئلہ ضرورت کے متعلق جو شہادت پیش کی گئی اس میں یہ بھی بتلایا گیا کہ قرضہ مخرب اخلاق قسم کا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ عدالت ابتدائی نے یہ خیال فرمایا کہ وہ ڈگری سے ہٹ کر کسی امر پر غور کرنے کی مجاز نہ تھی۔ اور یہ کہ چونکہ اس ڈگری کا صرف منشا یہ تھا کہ طوفانی سنگھ کے مرافق پر بحث کرے اس لئے لڑکا دوسرے حصے کا قبضہ پانے کا مستحق تھا حاکم عدالت ضلع نے مقدمہ خارج کیا کیونکہ اس کی رائے میں قانونی ضرورت ثابت شدہ تھی۔ یہ کہ لہذا بیٹے پر اس قرضے کی پابندی تھی اور اس کا اور اس کے باپ کا حصہ اس قرضے کی ادائی کا ذمہ دار تھا۔ واقعے کے متعلق اس تجویز کی عالیہ عدالت پابند تھی۔ تاہم نیلام کی کارروائیوں کی تاویل کرتے ہوئے عالیہ عدالت نے یہ تجویز فرمائی کہ خریدار کو کوئی چیز اس سے زیادہ نہیں مل سکتی جو نیلام کے لئے پیش کی گئی تھی۔ یعنی طوفانی سنگھ کے حقوق اور اس کا حصہ۔ مزید براں انھوں نے یہ بھی رائے ظاہر فرمائی کہ متاکشرا قانون میں (فقرہ ۲۵۶) ایسا مرافق قابل نیلام نہ تھا۔ لہذا انھوں نے مدعی کو ڈگری دی۔

جوڈیشل کمیٹی نے اسے مدعی پہلا اور اصل سوال" تصور فرمایا۔ اور اسناد کی تفصیلی

جانچ کرنے کے بعد انھوں نے فیصلہ فرمایا کہ باپ کا حق فروخت کیا جاسکتا تھا[1] اور کہ تعمیلی نیلام کا خریدار ایسی تقسیم کرانے کے قابل ہو جو نیلام نہ ہونے کی صورت میں خود مدیون تقسیم پر مجبور کرسکتا تھا۔ حاکم عدالت ضلع کی قطعی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ قانونی ضرورت کے لئے قرضہ کیا گیا تھا جوڈیشل کمیٹی نے فرمایا:۔ "تاہم حکام عالیمقام کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نالش کے لئے یہ تنقیح غیراہم ہے کیونکہ قرضے کی نوعیت کچھ ہی ہو یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ مرافع تعمیلی نیلام سے اس حق حقیت اور مرافق سے زیادہ حاصل کرسکتا ہے جو مدیون ڈگری کو حاصل تھا۔ اگر وہ چاہتا تھا کہ اس سے آگے جاکر قرضے کو کل جائداد کے خلاف اور ان شرکا کے خلاف جو بانڈ کے فریق نہ تھے نافذ کرائے تو اسے چاہئے تھا کہ اپنے دعوے کو اسی طرح مرتب کرتا اور ان شرکا کو فریقین نالش بناتا۔ جو کارروائیاں اس نے شروع کیں ان سے وہ اس سے زیادہ پانے کا مستحق نہیں تھا جو قرق کی گئی اور تعمیل میں جس کا نیلام کیا گیا یعنی حق حقیت اور مرافق پدر۔ اگر اس قضیے کے لئے کسی سند کی ضرورت لاحق ہو تو مقدمات ذیل کا حوالہ دینا کافی ہے۔ نگندرچندر گھوش بنام سری منی کامنی واسی۔ اور۔ بالجن دوبی بنام برج بھکن لال۔" نتیجۃً قرار دیا گیا کہ بیٹا کل جائداد ۴۲۶
واپس پانے کا مجاز ہے۔ مگر اس استقرار کے تابع کہ خریدار کو طوفانی سنگھ کا حصہ حاصل ہوگیا اور یہ کہ تقسیم کراکے وہ اس حصے کا تعین کرانے کا مجاز ہے[2]۔

**ہردے نرائن بنام رودرپرکاش**

**ف ۳۱۵**۔ اس کے بعد پریوی کونسل میں ہردے نرائن بنام رودرپرکاش کا مقدمہ پیش ہوا[3]۔ اس مقدمے میں واقعات بالکل وہی تھے جو دین دیال کے مقدمے میں یعنی باپ کے خلاف رقمی قرضے کی ڈگری صادر ہوئی اور تعمیل معاملے میں "ان حقوق اور مرافق کے جو مدیون مذکور کو جائداد نیلام شدہ میں حاصل تھے۔"

---

[1] ۱۱ مور مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۴۱۔ ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۷۵۔ براج لال سن بنام جیون کرشنا ۲۶ کلکتہ صفحہ ۲۸۵۔
[2] اس آخری امر کے متعلق نیز دیکھئے ہردے نرائن بنام رودرپرکاش ۱۱ مرافعہ جات ہند ۲۶۔ ۱۰ کلکتہ صفحہ ۶۲۶ ماروتی نرائن بنام لالہ چند ۶ بمبئی صفحہ ۵۶۴۔
[3] ۱۱ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶۔ ۱۰ کلکتہ صفحہ ۶۲۶۔

اس میں جوڈیشل کمیٹی نے عالیہ عدالت سے اتفاق کرتے ہوئے دین دیال بنام جگدیپ نرائن کی سند پر قرار دیا کہ دائن نے جس حق کو خریدا وہ صرف "وہ حق تھا جو مدیون باپ کو تقسیم کے متعلق حاصل تھا اور وہ حق جو اس تک تقسیم پر پہنچتا" گردھری لال بنام کنتو لال اور سورج بنسی بنام شیو پرشاد کے مقدمات استدلال میں بیان کئے گئے مگر فیصلے میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان مقدمات کا حوالہ دیتے ہوئے حکام عالیمقام نے فرمایا:- "ڈگری ادائے رقم کی معمولی ڈگری تھی۔ اور یہ مقدمہ ان مقدمات سے الگ ہے جہاں کہ باپ نے مثاکشرا قانون کے تابع مشترکہ خاندان کا رکن ہوتے ہوئے قرضہ حاصل کرنے کے لئے خاندانی جائداد رہن کی تھی۔ اور ڈگری برنائے رہن حاصل کی گئی تھی۔ اور ڈگری یہ دی گئی تھی کہ جائداد مرہونہ نیلام کر کے قرضہ وصول کیا جائے" مدن تھاکر بنام کنتو لال میں اس قسم کا کوئی امتیاز نہ تھا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حوالہ دیا گیا۔

**ان مقدمات کی وضاحت۔**

ف ۳۱۶ کچھ وقت تک ان مقدمات کو ہندوستانی عدالتوں میں ایک حد تک یہ سمجھا گیا کہ مقدمۂ مدن تھاکر کو منسوخ کر رہے ہیں اور عام اصول ذیل قرار دے رہے ہیں یہ کہ اگر باپ کے خلاف محض رقمی قرضہ کے لئے ڈگری حاصل کی گئی ہو تو اس کی تعمیل اس طرح نہیں ہو سکتی کہ بیٹوں کے حقوق اس کے پابند ہو جائیں بجز اس کے کہ وہ فریق ڈگری رہے ہوں۔ بدرجۂ اتم یہ واضح اور صاف ہے کہ جوڈیشل کمیٹی کا یہ منشا نہ تھا کہ اس فیصلے کو منسوخ کرے۔ ۴۲۷ دین دیال کے فیصلے میں شروع سے آخر تک اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ کسی کو بھی اس کا خیال تک پیدا ہونا ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو فیصلے سے کوئی تعلق ہے عدالت ابتدائی اور عالیہ عدالت دونوں نے اسے غیر نزاعی واقعہ قبول کیا کہ ڈگریدار دائن نے خود اپنے طور پر اس کو پسند کیا کہ صرف باپ کا حق، حقیت اور مرافق فروخت ہو۔ پریوی کونسل نے اس تجویز کو اختیار کر کے اس پر عمل کیا۔ دین دیال اور ہردے نرائن کے مقدمات کے مابین سورج بنسی بنام شیو پرشاد (فقرہ ۳۱۳) کا فیصلہ صادر ہوا اور اس میں مقدمۂ مدن تھاکر کے تجاویز پوری طرح اختیار کرلی گئیں

ے دیکھو ۲۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۳۔

تاہم مقدمۂ ہردے نرائن میں نہ تو مدن ٹھاکر اور نہ سورج بنسی پر فیصلے میں یہ سمجھ کر توجہ کی گئی کہ وہ غیر متعلق تھے۔ بہت بعد کے ایک مقدمے میں جس میں پریوی کونسل نے مدراس ہائیکورٹ کے اس فیصلے کو منسوخ فرمایا جو ایسی غلطی پر مبنی تھا۔ وہ کہتے ہیں "معلوم یہ ہوتا ہے کہ عالیہ عدالت نے اس قاعدے پر جو اس طرح قرار دیا گیا تھا اور جس کا بظاہر اس خاص مقدمے پر اطلاق ہو رہا تھا عمل کیا مگر اس طرح کہ وہ ایک (rigid) اٹل قاعدۂ قانونا ہے۔ لیکن فرق ظاہر ہے ہردے نرائن کے مقدمے میں کل دستاویزات یہ بتلاتے ہیں کہ عدالت صرف باپ کا حصہ فروخت کرنا چاہتی تھی اور اس لئے وہی فروخت بھی کیا۔ وہ حصہ اور مرافق جو اسے تقسیم پر ملتا اور اس سے کچھ زیادہ نہیں۔ اور یہ عدالت اپنے فیصلے کو اس پر مبنی کرتی ہے کہ ہر چیز سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ نیلام کیا گیا وہ مدیون مذکور کے وہ حقوق اور مرافق تھے جو اسے جائداد میں حاصل تھے اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔"[1] بنا بریں جس مقدمے میں یہ خیالات ظاہر فرمائے گئے تھے و نیز ایک سابقہ مقدمے میں[2] پریوی کونسل نے ان نیلام کی تصدیق فرمائی جو باپ کے خلاف ڈگری زرنقد کی تعمیل میں ہوئے تھے اور جس کے بیٹے فریقین نہ تھے۔ کیونکہ ان کی رائے میں ڈگری اور عدالت دونوں کا یہ منشا تھا کہ خاندانی جائداد کلیۃً نیلام ہو۔[3]

٣٢٨ **مسماۃ تنو می بائی اسن بنام مدن موہن**

**ف ٣١٧** اسی استثنائی شکل کی ایک شاخ حسب ذیل ہے (فقرہ ٣٩٠) یہ کہ خاندانی جائداد خریدار کے متعلق یہ سمجھا جائیگا کہ اس کا منشا ہی یہ تھا کہ کل جائداد لے اور نہ کہ محض باپ کا حق۔ یقین بھی یہی کیا جانا چاہئے کہ وہ اسی طرح لے رہا ہے عام اس سے کہ اس جائداد کو باپ کے راست فعل سے لے یا عدالتی نیلام میں فروخت ہونے کے باعث پریوی کونسل کے اکثر مقدمات میں یہی قرار

---

[1] مناکشی نائڈو بنام امودی کنک ۱۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱ صفحہ ۵ - ۱۲ ام صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۷۔
[2] بھاگبت پرشاد بنام گرج کنور ۱۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۹۹ - ۱۵ اک صفحہ ۷۱۷۔
[3] اس مسئلے کا تعین کرنے کے لئے تعمیلی کارروائیوں کی جانچ کے بغیر ڈگری کی جانچ کافی نہیں ہے کاگل گنگیا بنام منجپا ۱۲ بمبئی صفحہ ۶۹۱۔

دیا گیا تھا۔ ان میں کا پہلا مقدمہ منومی بابو اسن بنام مدن موہن[1] کا ہے۔

واقعات۔ باپ اپنے نابالغ لڑکوں کے ساتھ موروثی جائداد کا کرتا تھا۔ باپ کے خلاف بے دخلی کی نالش میں مدعی نے واصلات کی ڈگری حاصل کی۔ ہائیکورٹ نے تعمیلی کارروائیوں کے نتیجے کو جو بعد واقع ہوا الفاظ ذیل میں بیان فرمایا "تعمیل کی درخواست میں مدیون ڈگری کی جائداد کی فرد دی گئی تھی جس میں اس جائداد کو اس طرح بیان کیا گیا "کل ۱۶ آنہ میں سے مدیون ڈگری کا حق اور مرافق موضع رامپور میں ۸ رآنہ اور ۱۱ گنڈے ہے"۔ اور ایک متعاقب استدعا یہ تھی کہ اسے قرق کرکے فروخت کیا جائے قطعیت کارروائی نیلام اور صداقت نامہ نیلام کا حاصل نیلام بھی یہی ہے یعنی ۸ رآنہ اور ۱۱ گنڈے کا حصہ جائداد مدیون ہے اور یہ بیان کیا گیا کہ کل جائداد میں مدیون کا حق اور مرافق یہی ہے۔ ان الفاظ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ مختص طور پر غرض نیلام بیان کی گئی یعنی ۸ رآنہ اور ۱۱ گنڈے کے حصے کا ذکر اور یہ ذکر کہ دین کا حق اور مرافق یہی ہے محض تفصیلی ذکر ہے مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کی دفعہ یہ حکم دیتی ہے کہ اشتہار نیلام میں یہ بیان کیا جانا چاہئے کہ اس جائداد میں جس کی صراحت کی گئی ہے نیلام کا تعلق صرف مدیون ڈگری کے حق حقیت اور مرافق تک ہوگا۔ اور یہ حجت کی جاسکتی ہے کہ اگر دفعۂ مذکور کی روشنی میں اس کو دیکھا جائے تو درخواست اور صداقت نامے کا یہی مفہوم درست ہے عدالت ابتدائی نے یہی نظریہ قائم کیا"۔ اس کے بعد ہائیکورٹ نے یہ بیان کیا کہ ان کی رائے میں کل فریقین کا یہی ارادہ تھا کہ کل جائداد نیلام ہو۔ پریوی کونسل نے اس نظریے سے اتفاق فرمایا۔ انھوں نے (جلد ۱۳ مرافعہ جات ہند کے صفحہ ۱ ، امثال جلد ۱۲ کلکتہ صفحہ ۲۵ فرمایا:- "دوحکام عالیمقام کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذیل کے دو سوالات کو ایک دوسرے سے ممیز کرنے میں ہمیشہ کافی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ کس حد تک کل جائداد باپ کے قرضے کی جوابدہی کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اور کس حد تک لڑکے اس ذمہ داری پر معترض ہونے سے محروم کئے جاسکتے ہیں جبکہ صرف باپ نے کارروائی شروع کی ہو یا صرف اس کے خلاف شروع کی گئی ہو کچھ وقت سے فیصلوں نے اصول ذیل قائم کردیا ہے گو اس سے بیٹوں کے آزادانہ شراکتی حقوق کے اصول کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ یہ کہ بیٹے اپنے حقوق کو اس انتقال کے مقابلے میں پیش نہیں ۴۲۹

---

[1] ۱۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱، ۱۳ اک صفحہ ۲۔ دولت رام بنام مہرچند صفحہ ۱۸۷، ۱۵ ک صفحہ ۷۰۔ مہابیر پرشاد بنام موہیشور ناتھ، ۱۷ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۔ ۱۷ اک صفحہ ۵۸۴۔ اسن ہٹی سنگھ بنام گومن بھا ٹیجی ۲۰ بمبئی صفحہ ۳۸۵۔ عبدالعزیز بنام اپایا سامی نائیکر، ۲۷ م صفحہ ۱۳۱ (پی سی)۔ کورجی ہرجی بنام دیوسی بھوجا ۱۷ بمبئی صفحہ ۷۱۸۔

کرسکتے جو سابقہ قرضے کے لئے عمل میں آیا ہو اور نہ وہ ان چارہ جوئیوں کے مقابلے میں پیش کرسکتے ہیں جو انہیں نے اپنے دیون کے لئے اختیار کی ہوں جبکہ ان دیون پر بداخلاقی کا داغ نہ ہو۔ مشترکہ جائداد کی اس ذمہ داری کے اہم مسئلے کے متعلق حکام عالیمقام کا یہ خیال ہے کہ اب اس بارے میں کوئی متضاد سند نہیں ہے۔ موجودہ مقدمے کے حالات اس تحقیق کے مقتضی نہیں ہیں کہ جب باپ کے خلاف ڈگری صادر ہوئی ہو تو صحیح طور پر کس حد تک بیٹے نیلام کے جواز پر یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ قرضہ جو باعث نیلام تھا مخرب اخلاق اغراض کے لئے کیا گیا تھا یا محض مفروضہ تھا اور باعث فریب۔ حکام عالیمقام کا بالکل یہ خیال نہیں ہے کہ مقدمۂ دین دیال کی سند عدالت کو اس فیصلے پر مجبور کرتی ہے کہ سوائے گردھری (باپ) کے شراکتی حقیت کے نیلام سے کچھ اور منتقل نہیں ہوا۔ اگر بہ لحاظ نوعیت قرضہ ایسا تھا کہ اس کے لئے کل جائداد فروخت ہوسکتی تو وہ بلا نالش کے بہ طور جائز اس کو فروخت کرسکتا تھا۔ یا دائن نالش کر کے قانوناً اس کے نیلام کا حکم حاصل کرسکتا تھا۔ لڑکے صرف اس کا ادعا کرسکتے ہیں کہ خود ان کے مقدمے میں انھیں واقعے کی یا نوعیت قرضہ کی جانچ سے محروم نہ کیا جانا چاہئے کیونکہ نہ تو نیلام میں اور نہ تعمیلی کارروائیوں میں وہ فریق بنائے گئے تھے۔ بفرض محال اگر انھیں ایسا حق ہو بھی تو انھیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بجز اس کے کہ وہ یہ ثابت کرسکتے ہوں کہ قرضہ اس قسم کا نہ تھا کہ نیلام جائز ہو جائے۔ اگر ان الفاظ کا جن سے جائداد بحق خریدار منتقل ہوئی ہو کل جائداد پر اطلاق ہوسکتا ہو یا صرف باپ کی شراکتی حقیت پر (اور یقیناً مقدمۂ دین دیال میں اس قسم کا ابہام تھا) تو بیٹوں کا کارروائیوں میں غیر حاضر رہنا ایک ایسا واقعہ ہے جس کا لحاظ ضروری ہے۔ لیکن اگر واقعہ یہ ہو کہ خریدار نے کل جائداد کا معاملہ کیا تھا اور اسی کے لئے رقم دی تھی تو وہ اپنی حقیت کی حفاظت کسی ایسی وجہ پر مبنی کرسکتا ہے جو نیلام کے جواز کے لئے اس وقت موجب سمجھی جاتی جبکہ بیٹے تعمیلی کارروائیوں کی مخالفت کے لئے لائے گئے ہوتے"۔ اس کے بعد کمیٹی نے اس رائے کا اعلان کیا کہ جس قرضے ۴۳۰
کے لئے جائداد فروخت کی گئی تھی وہ قرضۂ خاندان مشترکہ تھا۔ اس کے بعد یہ اضافہ فرمایا:۔" اگر وہ مشترکہ خاندان کا قرضہ ہو تو اسی نیلام پر جو اس کے ایفا کے لئے

کیا گیا ہو کامیابی کے ساتھ اعتراض نہیں کیا جا سکتا عام ازیں کہ نیلام خود ڈگری دار نے کرایا ہو یا اس نالش میں ہوا ہو جو اس کے خلاف دائر کی گئی تھی"۔ بالآخر انھوں نے عدالت ہائے تحت سے اتفاق فرمایا "کہ نیلام و تعمیل کی کارروائیاں ایسی تھیں کہ خریدار نے یہ خیال کیا ہوگا کہ وہ کل جائداد خرید رہا تھا۔ علیٰ ہذا یہ بھی واضح ہے کہ کل فریقین نے ایسا ہی خیال کیا۔ لہذا خریدار اس کے ثابت کرنے میں کامیاب ہوا کہ اس نے کل جائداد خرید لی ہے۔ اور وہ بطور جائز اس کے ہاتھ فروخت کی جا سکتی تھی۔ نالش اس قابل نہیں ہے کہ ڈگری دی جائے[1]"

## سمبوناتھ بنام گلاب سنگھ

(۱۴ امرافعہ جات ہند صفحہ ۷۷۔ ۱۴ اک صفحہ ۲۷ ۵)

**ف ۲۱۳** بعد کے دو فیصلے جو جوڈیشل کمیٹی نے صادر کئے وہ اس نظریۂ قانون کے مطابق ہیں جسے مقدمۂ سابق میں بیان کیا گیا۔ ایک میں (سمبوناتھ میں) لچھمن پر ایک شخص مسمی بھشنک نے رقمی قرضے کے لئے نالش کی لچھمن کو چار لڑکے تھے۔ نالش مذکور ایک مختص رقم کی ڈگری پر ختم کی گئی۔ اس رقم کے حاصل کرنے کے لئے مدیون نے "موضع کندوا میں جو اس کا حق اور مرافق" تھا اسے رہن کیا۔ لڑکوں نے اس انتظام پر رضامندی دی۔ قاصر رہنے سے ڈگری کی تعمیل شروع کرائی گئی اور بھشنک کو جائداد فروخت کی گئی اس کو ایک صداقتنامہ دیا گیا جس میں لکھا تھا کہ "اس جائداد میں مدیون ڈگری کا جو کچھ حق حقیت اور مرافق تھا تاریخ نیلام سے ختم ہو جانے کے باعث بھشنک پر منتقل ہو گیا"۔ موضع مذکور کی کل خاندانی جائداد پر خریدار قابض ہو گیا۔ لڑکوں نے اپنے حصص پانے کے لئے نالش کی۔ اپوروپ تواری بنام لالہ بندجی[2] کی سند پر سب جج نے یہ قرار دیا کہ خاندانی جائداد اس رہن کی پابند تھی جو لچھمن نے اپنے بیٹوں کی رضامندی سے کیا تھا۔ ہائیکورٹ نے اس فیصلے کو منسوخ کیا۔ اور جوڈیشل کمیٹی نے فیصلۂ ذیل میں اس تنسیخ کی تصدیق فرمائی:۔

---

[1] اس مقدمے کی جو تاویل عالیہ عدالت مدراس نے کی ہے اس کے لئے دیکھو نرسا بنام گرپا ۴۹ مدراس صفحہ ۴۲۲ دیانند بنام داجی نرائن ۱۹۲۶ء ۹۰ نظائر ہند صفحہ ۳۵۴۔

[2] ۶ اک صفحہ ۷۴۹۔

"حکام عالیمقام سب جج (Sub-Judge) سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ لڑکوں میں سے کسی ایک نے اس گفت و شنید میں جو چھمن اور بھشک کے مابین ہوئی تھی جو کچھ بھی حصہ لیا ہو اس کی شہادت کچھ بھی نہیں ہے کہ انھوں نے خود اپنی حقیت رہن کرنے کی تحریک کی۔ جو کچھ بھی ہوا اس پر لڑکوں نے رضامندی دی ہوگی مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہوا تھا؟۔ اس کا جواب دستاویزات سے ملنا چاہئے۔

"مزید برآں اگر بھشک کو اس رضامندی پر بھروسا تھا جو بیٹوں نے دی تھی تو احتیاط کے تو یہ معنی تھے کہ وہ انھیں تعمیل کارروائیوں کا فریق بناتا۔ مقدمۂ دین دیال میں دائن کا کارروائیوں میں لڑکوں کو نہ لانا ایک اہم حالت سمجھی گئی گو وہاں راہن کا اسلوب بیان بہ نسبت ان الفاظ کے جو بیاں استعمال ہوئے ہوں کل جائداد کے انتقال کے مساعد (Favourable) تھا۔ مقدمۂ نومی میں جہاں کہ فیصلہ خریدار کے حق میں کیا گیا اسی قسم کے واقعے کو اہم تسلیم کیا گیا کہ جب وہ الفاظ اور اسلوب بیان جن سے جائداد خریدار پر منتقل کی گئی ہو ایسے ہوں کہ ان کا اطلاق یا تو کل کے کل پر ہو سکتا ہو یا صرف باپ کے شراکتی حق پر تو بیٹوں کی غیر حاضری اہمیت رکھتی ہے۔" اپوروپ تواری کے مقدمے میں مسٹر جسٹس مٹر نے یہ خیال فرمایا کہ الفاظ موضع میں "میرا ملکیتی حصہ" اس انداز سے استعمال کئے گئے تھے کہ مابہ النزاع خاندانی جائداد کے کل کی وضاحت ہو سکے اور حاکم مذکور نے الفاظ "حق حقیت اور مرافق" کے الفاظ کو ان سے ممیز کیا۔ مقدمہ ہردے نرائن میں (جلد ۱ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۶) انتقال جائداد نہ تھا بلکہ زرنقد کی ڈگری پر نیلام۔ صرف یہی ذکر تھا کہ "جو کچھ حقوق اور مرافق مدیون مذکور کے جائداد میں تھے" انھیں ہردے نرائن نے خریدا۔ ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ مدیون کے اس حق سے زیادہ کچھ بھی منتقل نہیں ہوا جس سے اسے تقسیم کا حق پیدا ہوتا۔ اور جسے ہم اختصار کے لئے اس کا ذاتی مرافق کہہ سکتے ہیں۔ اس کمیٹی نے فیصلۂ مذکور کی تصدیق کی۔ ہر مقدمے کا فیصلہ خود اس کے واقعات پر منحصر ہونا چاہئے۔ حکام عالیمقام کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام مقدمات میں کم از کم حالیہ مقدمات میں۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر انتقال عمل میں آیا تھا تو فریقین نے کس چیز کے متعلق معاہدہ کیا۔ یا یہ کہ اگر انتقال

نہ تھا بلکہ زر نقد کی ڈگری کی تعمیل میں نیلام تو خریدار بہ وجہ معقول کس چیز کے خریدنے کا خیال کر رہا تھا۔

حکام عالیمقام کو اس کا افسوس ہے کہ وہ فاضل حکام ہائیکورٹ کی اس جانچ کو سمجھنے ۴۳۱
سے قاصر ہیں جو اس درخواست کے متعلق انھوں نے کی جو دیسی زبان میں پیش کی گئی تھی۔ مگر ڈگری میں وہ اس کی بالکل کافی وجہ پاتے ہیں کہ ان سے اپنا صاف صاف اتفاق ظاہر کریں۔ وہ قیاس کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے حقوق اور مرافق منتقل کرے اور بس تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ ان حقوق اور مرافق کو بھی منتقل کرے جو فی الحال دوسروں کو حاصل ہیں۔ اگرچہ کہ قانون نے اسے ایسا کرنے کا اختیار دیا ہو۔ اور نہ وہ اس خیال کے ہیں کہ وہ خریدار ایسی دستاویز سے مطمئن ہو جائے گا جس کا مقصد یہ ہو کہ صرف باپ کا حق اور مرافق ہو جبکہ وہ کل خاندانی جائداد کا معاملہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ صداقت نامے کے الفاظ پر ضابطے کے مجموعے کا اثر پڑا ہے۔ مگر دستاویز ہی ایسی چیز ہے جس سے خریدار کو حقیقت عطا ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ سے صرف لچھمن کا ذاتی حق ظاہر کیا گیا ہے جیسا کہ قبل ازیں مقدمہ ہردے نرائن کے صداقت نامے سے۔ وہ ان الفاظ کے من وعن مطابق ہے جو اگست ۱۸۶۹ء کی ڈگری میں استعمال کئے گئے تھے۔ یہ ڈگری خود لچھمن کے دیسی الفاظ پر مبنی تھی۔ ہائیکورٹ نے الفاظ مذکور کی یہ تاویل کی کہ ان سے صرف اس کا ذاتی مرافق مراد ہے۔ مقدمے کے دیگر واقعات اس کے اثر کو کم کرنے کے بجائے بادی النظری نتیجہ اخذ کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ کیونکہ واثن نے دیگر ارکان خاندان کو پابند کرنے کے لئے کوئی چارہ جوئی نہیں کی۔ مبلغ ۶۲۵ روپے جو اسے اپنے خریدی کے لئے ملے وہ ۱/۲ کی قیمت کے قریب تر معلوم ہوتے ہیں بہ نسبت کل کے۔“

**پٹاشی چٹی بنام سواگری زمیندار**

**ف ۳۱۹** بعد کے ایک مقدمے میں[۱] جو مدراس کا تھا۔ زمیندار سواگری نے مختلف دائنین سے متعدد قرضے کئے تھے ان میں کے اکثر کے متعلق اس نے ڈگریوں کے صدور کے لئے رضامندی دی تھی۔ اس رضامندی سے اس کی ناقابل تقسیم زمینداری کے مختص اجزا ادائے قرضہ کی کفالت میں رہن کئے گئے تھے۔

---

[۱] پٹاشی چٹی ۴۴ ا مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۴۔ ۱۰ ام صفحہ ۱۴۲۔ عبد العزیز خاں بنام اپا سامی نائیکر ۳۱ مرافعجات ہند صفحہ ۱۔ ۲۷ م صفحہ ۱۳۱۔

زیر بحث دیون نہ تو ناجائز تھے اور نہ مخرب اخلاق۔ مگر یہ نہیں تبلایا گیا تھا کہ خاندان کے لئے وہ ضروری تھے یا باعث مفاد اس کے ایک لڑکا تھا جو ان ڈگریوں کے آغاز سے قبل پیدا ہوا تھا۔ مدیون ڈگری کے حین حیات اس کی کل زمینداری قرق کی گئی اور ۱۳ واثقین کے مطالبے پر اس کے نیلام کا حکم دیا گیا۔ ان میں کے کل کو بجز دو کے زمینداری پر مختص کفالت رہن حاصل تھی۔ اس کے مرنے کے بعد تک نیلام واقع نہیں ہوا۔ بہت کم شبہہ ہو سکتا ہے کہ اگر مناسب چارہ جوئی کی گئی ہوتی تو زمینداری اس طریقے سے فروخت کرنا ممکن تھا کہ لازماً بیٹے کے مرافق پر اسکی
۴۳۲ پابندی عائد ہو لیکن تعمیلی کارروائیوں کے جلد زمانے میں حاکم دیوانی نے اپنی اس رائے کا اعلان کیا کہ نیلام سے صرف باپ کے حین حیاتی مرافق پر پابندی عائد ہو سکے گی اور یہ کہ اس سے صرف وہ لگان خریدار کے حق میں منتقل ہوں گے جو باپ کی وفات کے وقت بقایا میں تھے۔ تیم چیٹی بنام سانگل[1] کے فیصلے سے پہلے ہائیکورٹ نے قانون کا یہی نظریہ لیا تھا۔ اور حاکم دیوانی نے اسی نظریے پر عمل کیا۔ بیٹے کو بعد وفات پدر اس کے قائمقام قانونی کی حیثیت سے فریق بنایا گیا تھا۔ ان واقعات پر عدالتہائے ہند کی یہ رائے تھی کہ یہ منشا ہی نہ تھا کہ خریدار نیلام کے حق میں کچھ بجز منتقل ہوا اور لہذا کچھ بھی منتقل نہیں ہوا بجز باپ کے حین حیاتی حق کے۔ اس رائے کی مرافعے میں پریوی کونسل نے تصدیق کی۔

**تعمیلی کارروائیوں کی تاویل**

**ف ۳۲۰** ایک اور قسم کے مقدمات میں جن کو ایک بالواسطہ تعلق ہمارے موجودہ مسئلے سے ہے۔ گو وہ پہلو بالواسطہ ہے مگر اہم۔ اس کے متعلق پریوی کونسل نے قاعدۂ ذیل قرار دیا ہے " یہ کہ تعمیلی کارروائیوں میں عدالت نفس معاملے کو دیکھے گی۔ اور اس کا رجحان یہ نہ ہوگا کہ محض اصطلاحی وجوہ پر تعمیل کو منسوخ کر دے جبکہ وہ یہ دیکھے کہ وہ فی نفسہ صحیح ہے" لہذا جب مدعا علیہ کی دو حیثیتیں ہوں ایک تو انفرادی اور دوسرے نیابتی۔ اور جب اس پر ایسے قرضے کے لئے نالش کی گئی ہو

[1] ۹ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۸۔ ۶ م صفحہ ۱۔

جس کی وہ کل جائداد پابند ہوگی جس کا وہ قائم مقام ہے۔ اور جب تحت ڈگری اس کے خلاف تعمیل شروع کی گئی ہو۔ تو عدالت کو آزادی حاصل ہے کہ فیصلے کو دیکھ کر معلوم کرے کہ منشا کیا تھا۔ اس کے حق حقیت اور مرافق کے کسی جزو کو بیع کرنا مقصود تھا۔ اور عدالت کل خاندان کو جس کی نیابت مدعی علیہ کر رہا ہے اس ڈگری کا پابند تصور کر سکتی ہے اور یہ بھی تصور کر سکتی ہے کہ بطور مناسب اس کی تعمیل جائداد خاندان مشترکہ کے خلاف کی گئی ہے[1]

### فیصلوں کا خلاصہ

**ف ۳۲۱** مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورالصدر فیصلوں سے قواعد ذیل قائم ہوتے ہیں:۔

۴۳۴ (۱) متاکشرا قانون کی تابع صورتوں میں باپ نہ صرف خود کا حصہ فروخت یا رہن کر سکتا ہے بلکہ لڑکوں کا حصہ بھی جو خاندانی جائداد میں ہو۔ وہ ان سابقہ قرضوں کی ادائی کے لئے اس طرح مجاز کیا گیا ہے جو ناجائز اور مخرب اخلاق قسم کے نہ ہوں اور یہ کہ اس کے لڑکوں کے خلاف ایسے معاملے کو ایسی نالش اور تعمیلی کارروائیوں میں نافذ کرایا جا سکتا ہے جس کے وہ فریق نہ ہوں[2] ہاں وہ اس طرح نہیں کر سکتا جبکہ لڑکوں کے مرافق خود اس کے قرضوں کے لئے قرق ہوں[3]۔

(۲) محض اس واقعہ سے کہ باپ اپنے بیٹوں کے مرافق منتقل کر سکتا تھا یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ایسا کیا بھی۔ جو بھی اس کے مدعی ہوں کہ اس نے ایسا کیا انھیں ثابت کرنا ہوگا۔ نہ صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ الفاظ دستاویز انتقال

[1] بیسور لال بنام کھیمی سر نگھ ۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲۳۔ ۵ ک۔ ل۔ ر صفحہ ۷۷۔ ۴۔ دربنگا بنام کمار ۴ امور صفحہ ۵۔ ۶ چنچل کشور بنام جوتندرا موہن ۱۱ مرافعہ صفحہ ۶۶۔ ۱۰ ک صفحہ ۹۸۵۔ جے رام بابا جا شٹ بنام جا کونڈیا ۱۱ بمبئی صفحہ ۳۶۱۔ جانکی بائی بنام مہادیو ۱۸ بمبئی صفحہ ۱۴۷۔ لالہ بریحالال بنام ملنی ۱۹ ک صفحہ ۱۰۴۔ ہری سرن موئترا بنام بھوبانسوری ۱۵ مرافعہ صفحہ ۱۹۵۔ ۱۶ ک صفحہ ۴۰۔ شیو پرشاد سنگھ بنام راجکمار لال ۲۰ ک صفحہ ۴۵۲۔ رادھا پرشاد بنام رام کھیلاون ۲۳ ک صفحہ ۳۰۲۔ دلوجی بنام سمبو ۲۲ ب صفحہ ۱۳۵۔ سر پپت سنگھ دگو ابنام پردت کمار گور ۴۴ مرافعہ صفحہ ۱۔ ۴۴ ک صفحہ ۲۴ ۵۔

[2] گردھری لال بنام کنتو لال قبل ازیں فقرہ ۳۰۹۔

[3] سپریا بنام ناگپا ۲۳ بمبئی صفحہ ۲۶۴۔

سے بزرگ تر حق کا منتقل ہونا ظاہر ہو سکتا ہے بلکہ یہ کہ وہ الفاظ ایسے ہیں کہ خریدار کو جس کا ارادہ تھا کہ ایسے بزرگ تر مرافق کا معاملہ کرے بہ وجہ معقول اس کی ضرورت متوقع ہو سکتی تھی۔[1]

(۳) یہ کہ دائن باپ کے ذاتی قرضے کو جو ناجائز اور مخرب اخلاق قسم کے نہ ہوں اس کل حصے کو قرق کرا کے اور نیلام کے ذریعے نافذ کرا سکتا ہے جو باپ اور بیٹوں کا خاندانی جائداد میں ہو۔ اور بالکل یہ ضروری نہیں ہے کہ بیٹوں کو خود نالش کا فریق بنایا جائے یا تعمیل کارروائیوں کا۔[2]

(۴) بحث کے لئے خود بخود یہ تسلیم نہیں کیا جائیگا کہ دائن کا ارادہ یہ ہے کہ باپ کے ذاتی قرضے کو بیٹوں کی حقیت کے خلاف تعمیل کرا کے حاصل کرے۔ ایسا ارادہ عرضی دعوے کی ترتیب سے ظاہر ہونا چاہئے۔ یا تعمیلی کارروائیوں سے یا اس جائداد کے تفصیلی بیان سے جو نیلام کے لئے پیش کی گئی ہو۔ اور یہ واقعہ کہ لڑکوں کو تعمیلی کارروائیوں میں فریق نہیں بنایا گیا اہمیت رکھتا ہے جبکہ ہمیں اس پر غور کرنا ہو کہ آیا دائن کا منشہ وسیع تر دادرسی تھی یا یہ چاہتا تھا کہ کم درجے کی دادرسی تک خود کو محدود رکھے۔[3] ۴۲۵

(۵) یہ الفاظ "حق حقیت۔ اور مدیون ڈگری کا مرافق" مبہم الفاظ ہیں۔ ان کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک تو وہ حصہ جو اسے تقسیم پر مل سکتا ہو۔ یا وہ مقدار جو قرضے کی بیباقی کے لئے وہ فروخت کر سکتا تھا۔[4]

(۶)۔ ہر صورت میں اس کے تعیین کا سوال کہ عدالت عام نیلام میں کیا فروخت کرنا چاہتی تھی اور خریدار کس چیز کے خرید نے کے متوقع تھے۔ قانون اور واقعے کا

---

[1] سمبوناتھ بنام گلاب سنگھ قبل ازیں فقرہ ۳۱۸۔

[2] مدن ٹھاکر بنام کنتولال۔ نیز ہی۔ بھانا بنام ہیندر ۱۲ بمبئی صفحہ ۲۱۶۔

[3] دین دیال بنام جگدیپ نارائن۔ ہردے نرائن۔ نیز ہی۔ ماروتی بنام بابا جی ۵ بمبئی صفحہ ۸۷۔ بی پرشاد بنام ہرندو چند ۲۳ ک صفحہ ۲۶۲ صفحہ ۲۰۷۔ محمد حسین بنام دیپ چند ۱۴ ؟ صفحہ ۱۹۰۔ گورجی ہرجی بنام دوسی بھوجا ۱۷ بمبئی صفحہ ۱۸۰۔ دیا چند بنام داجی نرائن ۱۹۲۶ء ۱۸ نظائر پٹنہ صفحہ ۳۰۷۔ عبدالعزیز بنام اپیا سامی ۲۷ م صفحہ ۱۳۱۔

[4] وہی مقدمات مذکورہ ۱۷ امرا ضلع جات پٹنہ صفحہ ۱۶۔ ۱۷ ک صفحہ ۲۰۹ ۔ ب صفحہ ۲۴۴۔ ۲۸ م صفحہ ۶۲۵۔ ۱۸ بمبئی صفحہ

مخلوط سوال ہے۔ عدالت اس سے زیادہ کا نیلام نہیں کرسکتی جس کی قانون نے اجازت دی ہو۔ اگر بطور واقعہ یہ معلوم ہو کہ عدالت کا ارادہ یہ تھا کہ کم کا نیلام ہو گو وہ زیادہ کا نیلام کرا سکتی تھی۔ یا جس قدر کا نیلام کرانا چاہتے تھا اس سے کم مقدار کا۔ اور یہ کہ اس سے خریدار واقف تھے۔ تو ایسی صورت میں اس سے زیادہ کوئی چیز منتقل نہ ہوگی جو واقعی طور پر نیلام کے لئے پیش تھی۔[1]

**کیا لڑکے قرضے کے مخرب اخلاق ہونیکے سوال کو خریدار نیلام کے مقابلے میں پیش کرسکتے ہیں؟**

ف ۳۲۲۔ دوسرا اہم امر جس کے متعلق پوری پوری یکسوئی نہیں ہوئی ہے وہ یہ ہے۔ اگر پہلے ہم یہ فرض کریں کہ ایسے قرضے کی ادائی کے لئے جو مخرب اخلاق یا ناجائز نہ ہو ڈگری کا نفاذ خاندان کی کل جائداد کے خلاف ہوسکتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا لڑکے اس ناجوازی کو خریدار نیلام کے مقابلے میں بھی پیش کرسکتے ہیں۔

اس امر کے متعلق پریوی کونسل کے تین نہایت اہم فیصلے موجود ہیں۔

مدن ٹھاکر بنام کنتو لال۔ خریدار کا یہ فرض نہیں ہے کہ ڈگری سے ہٹ کر تحقیق کرے۔

پہلے مقدمے میں لڑکے نے ایسے نیلام کی تنسیخ چاہی جو باپ کے خلاف عدالتی ڈگری کے تحت ہوا تھا۔ یہ قرضہ خاندان کے مفاد کے لئے نہیں لیا گیا تھا۔ اور نہ مخرب اخلاق کام کے لئے۔ جوڈیشل کمیٹی نے یہ قرار دیا کہ اس کو ایسا حق حاصل نہ تھا۔ انھوں نے فرمایا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ مدن ٹھاکر نے اس ڈگری کی تعمیل نیلام میں جو دو باپوں کے خلاف صادر ہوئی تھی جائداد خریدی اس نے یہ معلوم کیا کہ دو باپوں کے خلاف نالش کی گئی تھی۔ یہ کہ عدالت انصاف نے ان کے خلاف جائز ڈگری دی تھی۔ یہ کہ
عدالت نے بسلسلۂ تعمیل ڈگری یہ حکم دیا تھا کہ یہ خاص جائداد نیلام کی جائے۔ بنا برآں حکام عالیمقام ۴۲۶
کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جائداد کے خریدنے اور جائداد خریدی کے لئے نیک نیتی سے زرثمن ادا کرنے میں بالکل حق بجانب تھا۔ اس کا یہ عمل اس اصول کے مطابق تھا

---

[1] نوٹی۔ عبد العزیز۔ سمبوناتھ۔ ٹاشی چٹی محمد عبدل ۹ A صفحہ ۳۵ تمپا بنام ترسنگ تمپا ۲ بمبئی صفحہ ۱۳۱۔ ۹۳۔ جیمن داس رام دیال ۲۴ ب صفحہ ۱۷۔

جس کا قبل ازیں جلد ۲ مرافعہ جات مور صاحب صفحہ ۳۲۴ کے مقدمہ معنونان پرشاد میں حوالہ دیا گیا ہے۔ مشترکہ موروثی جائداد کے خریدار کے لئے بھی اسی قاعدے کا اطلاق کیا گیا ہے یقیناً خریدار نیلام اس کا پابند نہیں ہے کہ ڈگری سے ہٹ کر یہ معلوم کرے کہ آیا ڈگری دینے میں۔ یا دینے کے بعد اس کی تعمیل میں جائداد کا نیلام کرانے میں۔ عدالت حق پر تھی۔ قبل ازیں یہ بتلا دیا گیا۔ ہے کہ اگر ڈگری ایک صحیح ڈگری ہو تو بیٹوں اور ساتھ ساتھ باپوں کے مراق متعلق یہ جائداد باپ کے دیون کے لئے ذمہ دار ہیں اگرچہ کہ جائداد مذکور موروثی ہو۔ حکامان عالیمقام کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تعمیلی کارروائی کا خریدار اس سے زیادہ دیکھنے پر مجبور نہ تھا کہ آیا ان دونوں اشخاص کے خلاف ڈگری تھی۔ یہ کہ جائداد وہ جائداد تھی جو ڈگری کے ایفا کی ذمہ دار تھی بشرطیکہ بطور جائز ان کے خلاف ڈگری دی گئی تھی۔ اور چونکہ اس کے متعلق تحقیق کر لی گئی اور تحت تعمیل جائداد کو نیک نیتی سے خرید لیا گیا اور اس جائداد کا بدل نیک نیتی سے ادا کیا جا چکا اس لئے مدعیان اس کے مجاز نہیں ہیں کہ اگر ان تمام چیزوں کو منسوخ کرائیں جو ڈگری اور تعمیل میں مکمل ہو چکی ہیں اور مدعی علیہ سے جائداد واپس پا سکیں[1]"۔

**فیصلے پر بحث**

ف۳۲۳۔ ظاہر ہے کہ اس فیصلے میں جو عام اصول قرار دیا گیا ہے وہ ضروریات مقدمہ سے بہت زیادہ آگے چلا گیا۔ اگرچہ کہ بیٹے کو اس کی اجازت دی گئی تھی کہ ڈگری کو ادھیڑ دے مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ شہادت سے ثابت کیا گیا کہ قرضہ اس نوع کا تھا کہ کم از کم اس کے باپ کی وفات کے بعد وہ اس کی ادائی کا ذمہ دار تھا۔ لہذا اس کی بیباقی کے لئے جو نیلام عمل میں آیا وہ اس تجویز کے مطابق تھا جو گردھری لال بنام کنتو لال میں کی گئی۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ
قرضہ ایسے مقاصد کے لئے کیا گیا ہو جس سے بیٹے کو پابند کرنے کی ممانعت لازم آتی ہو۔ ۴۳۷
اس نالش میں جو باپ کے خلاف رجوع کی گئی ہو یہ حالات اور واقعات ہو سکتا ہے کہ وجہ صفائی نہ ہو سکیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باپ نے یہ عذرداری پیش ہی نہ کی ہو۔ ہر صورت میں باپ کے خلاف یہ ڈگری مناسب اور موزوں ہو گی اور اس کا نفاذ

[1] بدن ٹھاکر بنام ۴ انڈین لاء رپورٹ کلکتہ صفحہ ۸۷۔ ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۵۶۔

صحیح طور پر اس کے مرافق کے خلاف کرایا جائے گا لیکن جب وائن نے اس کی کوشش کی ہو کہ اس کا نفاذ بیٹے کے مرافق کے خلاف بھی ہو تو کیا بیٹے کو اس کے بتلانے کی اجازت دی جائے گی کہ جائداد یعنے اس میں بیٹے کی نفیست ایسی جائداد نہ تھی جو ڈگری کے ایفاء کی ذمہ دار ہو۔ گو باپ کے خلاف جائز طور پر ڈگری دی گئی۔ بہ الفاظ دیگر کیا وہ یہ ثابت کرسکتا ہے کہ ایسے واقعات معدوم تھے جن سے وائن مجاز ہوتا کہ باپ کی جائداد کو اس ڈگری کی تعمیل میں قرق کرائے جو الف کی ذات کے خلاف صادر ہوئی تھی۔ جوڈیشل کمیٹی کا فیصلہ مابعد یہ بتلاتا ہے کہ ایسا کرنے کا ایسے خریدار نیلام کے خلاف بھی مجاز نہیں ہے جو نیک نیت ہو اور جسے قرضے کے ابتدائی مقصد کی اطلاع نہ ہو۔

قرضے کے مخرب اخلاق ہونے کی اطلاع کا اثر۔ سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد

باپ کے خلاف ڈگری کی تعمیل میں جائداد مشترکہ بحق مدعی علیہ نیلام کی گئی۔ بیٹوں نے اس نیلام کی تنسیخ کے لئے نالش کی۔ عدالتہائے ماتحت نے یہ معلوم کیا کہ قرضہ خاندان کے مفاد کے لئے نہیں کیا گیا تھا اور یہ کہ قرضے پر لی ہوئی رقم باپ نے مخرب اخلاق مقاصد کی تکمیل میں صرف کی۔ ان تجاویز کی بنا پر ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا کہ خریدار نیلام اس جائداد کو بیٹوں کے جملہ دعاوی سے مبرا اپنے قبضے میں کر لینے کا مجاز تھا کیونکہ اس نے نیک نیتی سے قیمت دے کر خریدی تھی اور بلا اطلاع تھا۔ بالیں اصلی وائن اپنے دعوے کی تعمیل بیٹوں کے مقابلے میں نہیں کرا سکتا تھا۔ اس نظریے کے لئے انھوں نے اس فیصلے پر بھروسا کیا جو اس سے قبل بیان کیا گیا۔ جوڈیشل کمیٹی نے اس عبارت کا اقتباس فرمایا جس کو قبل ازیں بیان کیا گیا۔ ساتھ ساتھ یہ رائے بھی ظاہر فرمائی گئی کہ وہ کچھ ایسی بات نہیں کہنا چاہتے جس سے مقدمۂ مذکور تھا کر کی سند پر اثر پڑے یا ان مقدمات کی سند پر جو اس وقت سے اب تک ہندوستان میں اس کے مطابق فیصل کئے گئے ہوں۔ انھوں نے اس مقدمے میں ان فیصلوں کا اور مماثل قسم کے مقدمۂ گردھری لال بنام کنتو لال کا الفاظ ذیل میں خلاصہ فرمایا۔ یہ کہ وہ ”ذیل کے قضیوں کے لئے بلاشبہہ سند ہیں اولاً۔ یہ کہ جب موروثی مشترکہ جائداد خاندان مشترکہ سے باپ کے قرضے کے سلسلے میں منتقل ہوگئی ہو تو اس کے لڑکے بہ سبب اس کے کہ باپ کے قرضے ادا کرنا ان کا فرض ہے اس جائداد کو واپس نہیں پا سکتے۔ عام اس سے کہ باپ نے اپنے سابقہ قرضے کے بدل میں انتقال جائداد کیا ہو۔

۴۳۸

یا سابقہ قرضے کے ادا کرنے کے لئے جائداد منتقل کر کے رقم حاصل کی ہو۔ یا باپ کے قرضے کی ڈگری کی تعمیل میں نیلام کے سبب انتقال جائداد ہوا ہو۔ ہاں وہ اس جائداد کو واپس پا سکتے ہیں اگر یہ ثابت کر سکیں کہ مخرب اخلاق اغراض کے لئے قرضے کئے گئے تھے اور خریداروں کو اس کی اطلاع رہی ہو کہ وہ اسی وجہ سے کئے گئے تھے اور۔ ثانیاً۔ چونکہ خریداران نیلام نالش کی حد تک اجنب ہوتے ہیں اس لئے وہ اس سے زیادہ تحقیق کرنے کے پابند نہیں ہیں جو کارروائیوں کے حالات ظاہری سے ظاہر ہوں اگر انھیں اس کی اطلاع نہ ہو کہ قرضے اس وجہ سے کئے گئے تھے"۔ بہرکیف حکامان عالیمقام نے مقدمۂ زیر بحث کو مدن تھاکر کے مقدمے سے بربنائے اطلاع واقعی یا تعبیری ممیز کیا۔ یہ کہ قبل نیلام مدعیان نے اعتراض کیا تھا اور اس کی اطلاع خریدار کو ہو چکی تھی جس کی وجہ سے یہ سمجھا جانا چاہئے کہ مرافعہ علیہم نے مدعیان کے دعوے سے مطلع رہ کر خریدا اور یہ کہ یہ خریداری اس نالش کے نتیجے کی تابع تھی جس کا حوالہ مدعیان کو دیا گیا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مدعیان نے ان خریداروں و نیز اصلی دائن کے خلاف نوعیت قرضہ کے سبب اس کو منوا دیا تھا کہ نہ تو وہ خود اور نہ مشترکہ موروثی جائداد ہی ان کے مرافق ان کے باپ کے قرضے کو ادا کرنے کے ذمہ دار تھے۔

**ف ۳۲۴**۔ یقیناً یہ بات بہت ہی انوکھی معلوم ہوتی ہے کہ خریدار تحت ڈگری فریقین ثالث کے مقابلے میں ایسے واقعات کے وجود کو فرض کر لینے کا مجاز ہو جائے جن کے متعلق اس نالش میں جو صدور ڈگری کا سبب ہوئی کوئی فیصلہ نہ ہوا ہو اور نہ ہو سکتا تھا۔ جو ڈگری باپ کی ذات کے خلاف صادر ہو اس کا اصلی اثر یہ ہے کہ صرف اس کی حقیت کو پابند کیا جائے۔ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اگر ایسی ڈگری کے سلسلے کا خریدار اس کا مدعی ہو کہ اس کا عمل دوسروں کے مرافق پر بھی ہو تو اسے لازماً ایسے واقعات پیش کرنے ہوں گے جن سے اس کی توسیع کی اجازت اخذ ہو سکے۔ گو یہ تجویز بھی کی جا چکی ہو کہ اس نے اپنے حق میں ایک قیاس قائم کر لیا تھا تو یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ قیاس کی تردید کی جا سکتی ہے۔ مقدمۂ ننومی میں جو پریوی کونسل کے ملاحظے میں تھا (جس کا قبل ازیں بہ تفصیل فقرہ ۳۱۷ میں ذکر آچکا ہے) حکام عالیمقام نے اس مسئلے کو ہنوز قابل بحث تصور فرمایا۔ انھوں نے فرمایا۔ "وہ لڑکے

صرف اس کا ادعا کرسکتے ہیں کہ خود ان کے مقدمے میں انھیں واقعے کی یا نوعیت قرضہ کی
جانچ سے محروم نہ کیا جانا چاہیئے کیونکہ نہ تو نیلام میں اور نہ تعمیلی کارروائیوں وہ فریق
بنائے گئے تھے۔ بفرض محال اگر انھیں ایسا حق بھی ہو تو انھیں اس سے کوئی فائدہ ۴۳۹
نہ ہوگا بجز اس کے کہ وہ یہ ثابت کرسکتے ہوں کہ قرضہ اس قسم کا نہ تھا کہ نیلام جائز
ہو جائے[1]، بیشک جو کچھ بھی وہ چاہ سکتے تھے وہ یہی ہے۔ بعد کے مقدمات میں بظاہر
یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوڈیشل کمیٹی نے عام الفاظ میں اور ضرورت اطلاع کا حوالہ دینے کے
بغیر یہ قرار دیا کہ محض اس ثبوت سے کہ قرضہ مخرب اخلاق تھا بیٹے کامیابی کے
ساتھ نیلام کے جواز پر معترض ہو سکتے ہیں[2] لیکن ان کل مقدمات میں (جیسا کہ مقدمۂ
نئومی بابو اسن میں) بد اخلاقی کا واقعہ ثابت نہیں ہوا۔ اس لئے اطلاع کی بحث پیدا ہی
نہیں ہو سکتی تھی۔ ہندوستان میں بارہا یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر بیٹے کے خلاف اس
ڈگری کے نفاذ کے لئے جو اس کے باپ کے خلاف صادر ہوئی تھی نالش کی گئی ہو اور
وہ اس کا مقابلہ کر رہا ہو۔ یا اگر وہ اس تعمیل پر حملہ کر رہا ہو جو بہ تابعت ڈگری مذکور ہوئی ہو
یا ہونے والی ہو۔ تو اس کے منوانے کا بار اسی پر ہوگا کہ قرضہ اس نوع کا تھا کہ
اس پر بحیثیت ایک ہندو پتر کے اس قرضے کے ایفاء کا وجوب خیر عائد نہیں ہوتا[3]
ان میں کے ایک مقدمے میں وائن کا دعویٰ خارج کیا گیا کیونکہ عدالت میں یہ ثابت ہوا کہ
قرضہ مخرب اخلاق تھا۔ دیگر مقدمات میں[4] یہ قاعدہ وضع کیا گیا کہ ڈگری سے ہٹ کر

۱؎ ۱۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۸۱۔ جگ بھائی بنام وجبوھن داس ۱۱ بمبئی صفحہ ۳۷۔ کودرجی بنام دیوسی بھجا ۱۷ بمبئی صفحہ ۷۱۸۔

۲؎ بھاگبت پرشاد بنام گرجا کنور ۱۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۹۹ ۱۸۸۸ء مینکشی نائڈو ۱۷ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۔ ۱۲ ام صفحہ ۱۴۲۔ مہابیر پرشاد بنام مہیشور ناتھ ۱۷ک صفحہ ۲۸۵ پریوی کونسل۔ برج نرائن بنام منگل پرشاد ۱۹۲۴ء ۷ نظائر ہند صفحہ ۶۸۹ الہ آباد۔

۳؎ مینی مہادیو بنام باسدیو بالک ۱۲ الہ آباد صفحہ ۹۹۔ بھوانی بخش بنام رام دے ۱۳ الیضاً صفحہ ۲۱۶۔ پان سنگھ بنام پرتاب سنگھ ۱۴ الیضاً اجلاس کامل صفحہ ۱۷۹۔ گھادھر ۱۹۲۵ء ۸۰ نظائر ہند صفحہ ۳۱۔ تربنی ۱۹۳۱ء ۱۳۶ نظائر ہند صفحہ ۹۴۔ جھان سنگھ ۱۹۳۵ء ۱۵۲ نظائر ہند صفحہ ۴۸۷۔

۴؎۔ غلیاسن بنام منوسامی ۲۶ ام صفحہ ۹۹۔ پیریاسامی بنام ستیارام ۴۲ ام صفحہ ۳۴۳۔ راج کشور ۱۹۳۲ء ۱۴۳ نظائر ہند صفحہ ۴۹۲۔

کوئی چیز دیکھنے کے بیٹے مجاز نہ تھے بجز اس کے کہ یہ بتلانا مقصود ہو کہ قرض ڈگری شدہ اصلاً
ناجائز تھا یا مخرب اخلاق امور کے لئے کیا گیا تھا۔ بعد کے ایک مقدمے میں جو مدراس کا
تھا لڑکے نے اس نیلام کی تنسیخ کی نالش کی جو باپ کے جاری کئے ہوئے رہن کی ڈگری میں
عمل میں آیا تھا۔ بیٹے نے یہ ادعا کیا کہ رہن کے لئے کوئی بدل قانونی نہ تھا۔ تجویز
فرمائی گئی کہ مدعی سوال ذیل کی سماعت کرانے کا مجاز تھا۔ کیا حقیقتہً کوئی ایسا قرضہ
باپ سے وصول طلب تھا جس سے رہن کی تائید ہو سکتی تھی[1] اگر خود وائن ڈگری یافتہ
خود خریدار نیلام ہو تو وہ خود کی حفاظت اس جواب دہی سے نہیں کر سکتا کہ وہ خریدار
بلا اطلاع ہے جبکہ قرضے کی نوعیت میں کوئی سقم پایا جائے جبکہ خریدار دائن ڈگری یافتہ
کا لڑکا تھا تو سوال ذیل واقعے کا سوال سمجھا گیا۔ کیا وہ نالش کے لئے ایسا شخص اجنب
تھا کہ بلا مزید تحقیق کے اس ڈگری پر بھروسا کرنے کا مجاز ہو جائے؟۔[مقدمات
مدن تھا کر اور سورج بنسی کنور میں جوڈیشل کمیٹی نے دو قسم کے خریداران نیلام کو ممیز فرمایا۔
ایک تو وہ جو شخص اجنب ہو۔ اور دوسرے جبکہ ڈگری دار خود خریدار نیلام ہو۔ مقدمہ مدن تھا کر
سنہ ۱۸۷۴ء کا تھا اور مقدمہ سورج بنسی کنور سنہ ۱۸۷۹ء کا۔ بعد کے چند مقدمات میں جوڈیشل کمیٹی نے عام الفاظ میں اور بلا بحث
"اطلاع" یہ فیصلے فرمائے کہ لڑکے کامیابی کے ساتھ نیلام پر معترض ہو سکتے ہیں گو خریدار شخص اجنب
ہو۔ مگر ثابت یہ کرنا ہوگا کہ قرضہ مخرب اخلاق تھا۔ مگر ان کل مقدمات میں مخرب اخلاق
ہونے کا واقعہ ثابت نہیں ہوا۔ اطلاع کا سوال پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ان میں کا پہلا
مقدمہ نومی کا ہے جسمیں یہ قرار دیا گیا کہ قرضہ برا نہ تھا۔ اور دیگر مقدمات حسب ذیل ہیں۔
بھاگیت پرشاد سنگھ۔ رائے بابو مہابیر پرشاد ان کے حوالے قبل ازیں دئیے جا چکے
ہیں۔ بمقدمہ سری پت سنگھ بنام ٹیگور سنہ ۱۹۱۷ء ۳۹ نظائر ہند صفحہ ۲۵۲ جائداد مشترکہ تھی۔ اگر
قرضہ مخرب اخلاق مقاصد کے لئے کیا گیا تھا تو قانون متاکشرا کے تحت تو خاندان کی

---

[1] راما سامیان بنام ویراسامی سنہ ۱۸۹۸ء ۲۱ م صفحہ ۲۲۲
[2] لچھمن داس بنام گردھر چودھری ۵ ک صفحہ ۸۵۵۔ رام پھول سنگھ بنام دگ نارائن ۸ ک صفحہ
۵۱۷ صفحہ ۵۲۲۔ بینی پرشاد بنام پورن چند ۲۳ ک صفحہ ۲۶۲ رام چند ربنام محمد سنہ ۱۹۲۳ء ۲، نظائر ہند صفحہ ۵۶۔
[3] ترمبک بانئر شنا ۸ بمبئی صفحہ ۴۸۱۔

کل جائداد کے خلاف اس فیصلے کی تعمیل نہیں کرائی جاسکتی جو باپ کے قرضے کے متعلق ہوا تھا۔ دوسری کل صورتوں میں ڈگریدار کل جائداد پر تعمیل کرا سکتا ہے۔ بمقدمہ برج نرائن ۱۹۲۴ء ۷۷ نظائر ہند صفحہ ۶۸۹ جوڈیشل کمیٹی نے پانچ قضیے قرار دیے۔ دوسرا قضیہ حسب ذیل ہے ”اگر وہ باپ ہے اور دیگر ارکان پسر تو وہ قرضہ کر کے کل جائداد کو اس ڈگری کی تعمیل میں جو ادائے قرضہ کے لئے صادر ہوئی ہو استعمال کرا سکتا ہے جہاں تک کہ وہ قرضہ مخرب اخلاق نہ ہو“۔ یہ مقدمہ اس رہن کی بابت تھا جو باپ نے قرضہ سابقہ کے ادا کرنے کے لئے کیا تھا۔ اطلاع کا مسئلہ نہ تو استدلال میں آیا اور نہ فیصلے میں بمقدمہ گجادھر ۱۹۲۵ء ۵۸ نظائر ہند صفحہ ۱۳۱ میں بھی وہی فیصلہ کیا گیا جو سورج بنسی کنور میں کیا گیا تھا]۔

## مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کے تحت چارۂ کار

ف ۳۲۵۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مجموعۂ ضابطۂ دیوانی کے تحت لڑکوں کو اس کا کافی موقع حاصل ہے کہ اپنی آپ حفاظت کر سکیں گو صیغۂ تعمیل کے خریدار کے حقوق کو بالآخر بہت ہی سختی سے دیکھا جاتا ہو۔ زر نقد کی ڈگری میں جب جائداد نیلام ہونے کو ہو تو قبل نیلام ہمیشہ جائداد مابہ النزاع قرق کرائی جاتی ہے۔ لڑکوں کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ آرڈر ۲۱ اول ۵۸ (Or 21 r 58) کے تحت آکر ان کے مرافق کے نیلام پر اس بیان کے ساتھ معترض ہوں کہ قرضہ ناجائز تھا اور مخرب اخلاق۔ وہ فریق جس کے خلاف حکم دیا گیا ہو تحت آرڈر ۲۱ رول ۶۳ جدید نالش کرنے کا مجاز ہے جس میں کل سوال کی یکسوئی کی جاسکتی ہے[1]۔ جب رہن کی ڈگری کے نفاذ میں جائداد نیلام ہونے والی ہو تو قرقی ضروری نہیں[2] لیکن نیلام کی اطلاع ہمیشہ اشتہار سے دی جاتی ہے۔ نیلام کے وقت خواہشمند خریداروں کو عام اطلاع دینے سے لڑکے اس تجویز سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا (فقرہ ۳۲۳) مقدمہ سورج بنسی میں کی گئی تھی۔ الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ ڈگری کو

---

[1] ۱ مائیسور ۱۰۹ صفحہ ۳۷۶۔

[2] ۲ کرشنا ۱۰۹ صفحہ ۳۸۸۔

عرضی دعوے کے ساتھ پڑھنا چاہئے اور جب موخرالذکر میں ایسے صریح بیانات موجود ہوں جو یہ بتلاتے ہوں کہ قرضہ ایک ایسا ہے جس کے پابند لڑکے نہیں ہو سکتے تھے تو خریدار کے لئے یہ خود تعبیری اطلاع ہے اور اس سے اس کا مقدمہ سورج بنسی میں آتا ہے مثلاً اس خاص صورت میں اس رقم کی واپسی کا دعویٰ باپ نے تصرف بیجا مجرمانہ کیا ہو۔[1]

**الف**

**ف ۳۲۵**۔ ان کل مقدمات میں جن میں باپ کے خلاف ڈگریاں حاصل کی گئی تھیں بیٹے فریقین مقدمات نہ تھے۔ ایک مقدمے میں بیٹا فریق نالش تھا اور یہ نالش اس کے مقابلے میں خارج کی گئی۔ مگر سوال ذیل پیدا ہوا۔ کیا ڈگری دار اس ڈگری کو خاندانی جائداد کے مقابلے اسی طرح نافذ کرا سکتا ہے گویا کہ بیٹا فریق نالش نہ تھا؟ ہائیکورٹ الہ آباد نے یہ تجویز فرمائی کہ بیٹے کے مقابلے میں اخراج نالش سے اس کی ذمہ داری پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اور یہ کہ ہندو پتر کی حیثیت سے وہ باپ کے ہر اس قرضے کی ادائی کا ذمہ دار ہے جس کے متعلق یہ نہ بتلایا گیا ہو کہ اس پر بد اخلاقی کا داغ ہے۔[2]

**طریقۂ ترتیب**

**ف ۳۲۶**۔ متروکے پر باپ کے دیون کا بار مقدم و مرجح ہے۔ قبل اس کے کہ تقسیم کے لئے کچھ بچایا جا سکے قرضوں کی مکمل ادائی ہونی چاہئے۔[3] خود شرکا آپس میں دیون کا بار اسی تناسب سے تقسیم کریں گے جس تناسب سے انھیں متروکے سے فائدہ ہوا ہو۔ لیکن کل جائداد اور کل ورثا مشترکاً اور منفرداً ذمہ دار ہیں الا اس کے کہ دائنین سے خاص طور پر اس کے خلاف انتظام کر لیا گیا ہو۔[4] جب کوئی باپ اپنے لڑکوں سے جدا ہو گیا ہو اور اس کے

[1] مہابیر پرشاد بنام باسدیو سنگھ A صفحہ ۲۲۴۔

[2] شیام لال بنام گنیشی ۲۸ الہ آباد صفحہ ۳۰۸۔ اندرپال بنام دی امپیریل بنک ۳۷ A صفحہ ۲۱۴، ۲۲۰ نظائر مجد صفحہ ۵۹۳

[3] تارا چند بنام دیپ رام ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۷۷، صفحہ ۱۸۱۔ نارد باب ۳ ف ۲۳۔ ویابہار میوکھ۔

[4] کتیاین جلد ا ڈائجسٹ صفحہ ۲۹۱۔ نارد باب ۳ فقرہ ۲۔ وشنو۔ جلد ا ڈ صفحہ ۲۰۰، جلد ۲ میدودا للشیرکی صفحہ ۳۰۲۔ مقدمہ درگا پرشاد بنام کیشو پرشاد ۹ مراۃ ہند صفحہ ۲۷ میں خیال کرتا ہوں کہ خاص حالات

بعد اسے لڑکا پیدا ہوا تو کل جائداد اس لڑکے پر منتقل ہوگی۔ لہذا بعد تقسیم خاندان اس نے جو قرضے کئے ہوں اولاً اس کا یہ لڑکا ادا کرے گا۔ لیکن جگناتھ کی یہ رائے ہے کہ ایسی صورت میں بھی اگر بعد کے لڑکے کے پاس دیون کے ادا کرنے کے لئے جائداد کافی نہ ہو تو علیحدہ شدہ لڑکے قرضے ادا کریں گے[1] یقیناً قدیم قانون کے تحت جبکہ بیٹوں کو ذمہ دار کرنے کے لئے متروکے کا قبضہ ضروری نہ تھا یہی صورت پیدا ہوتی تھی۔ لیکن اب غالباً دوسرا نظریہ لیا جائے گا۔ اب دائن کو یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وفات کے بعد لڑکے کا حصہ وسیع ہوگیا ہے۔ اور یہ کہ جس ذمہ داری کے عائد کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سے اس کی پوری پوری پابجائی ہوسکتی ہے[2]۔

**متروکے کی وجہ سے وجوب کا پیدا ہونا**

۴۴۲ ف ۳۲۶ ثانیاً مساوی طور پر اس کا اعلان قطعی طور پر کر دیا گیا ہے کہ ہر شخص پر یہ وجوب عائد ہے کہ اس شخص کے دیون ادا کرے جس کی جائداد اس نے لی ہے۔ یہ وجوب اس فرض پر منحصر نہیں ہے کہ کسی صورت سے بھی متوفی کو نجات دلانی چاہئے۔ ایسی صورت بیٹے کے لئے ہے، وجوب مذکور وسیع تر عادلانہ اصول پر منحصر ہے یہ کہ جو فائدہ اٹھاتا ہے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ مقدمے پر منحصر ہونا چاہئے۔ بظاہر مقدمۂ مذکور احکام تحریری کے متضاد ہے۔ چند نابالغان کے خلاف رقم ادا کرنے کی ڈگری ایسے مقدمے میں دی گئی جن میں ان کی قائم مقامی نہیں کی گئی تھی۔ باوجود اس کے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہائیکورٹ نے جدید نالش کو رد کرنے کے لئے انھیں باپ کے قرضے کی حد تک ڈگری کا ذمہ دار کیا۔ اس قرضے کی تقسیم پر حصے قائم کئے جا چکے تھے۔ ابتداً اس قرضے کی ذمہ داری خود باپ اور دیگر ارکان خاندان پر تھی۔ فرضہ شخص اجنب کو واجب الادا تھا۔ رقم جو اس طرح باپ سے منسوب کی گئی تھی باپ اور اس کے لڑکوں کے مابین بھی وہ قرضہ تھا جس کی ادائی پر وہ عدل گستری کے تحت پابند تھے۔

[1] درہیتی جلد اڈا ئجسٹ صفحہ ۲۷۹۔

[2] کرشنا سامی کنن بنام راما سامی ۲۲ مدراس صفحہ ۵۱۹۔ اس میں اصول ذیل پر فیصلہ حصر کیا گیا۔ یہ کہ باپ کے قرضے کے لئے دائن صرف اس جائداد کو قرق کرا سکتا ہے جو قانوناً اس کے قرضے کی بیباقی میں خود باپ فروخت کر سکتا تھا۔ رام چندر بنام کندیا ۲۴ مدراس صفحہ ۵۵۵۔

اسے چاہئے کہ ذمہ داری کا بار بھی اٹھائے[1]۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وجوب منسوب رہے گا عام اس سے کہ جائداد قانون کے عمل سے وراثتہً منتقل ہوئی ہو یا اس نے وہ جائداد خود اپنے اختیار سے لے لی ہو اور جیسا کہ انگریز اہل قانون کہتا ہے وہ خود اپنے فعل بیجا سے وصی ہوا ہو (Executor de son tort) خود کے فعل بیجا سے وصی بنجانا۔ یہ انگریزی قانون کی اصطلاح ہے۔ یعنی ایک ایسا شخص جو نہ تو وصی ہو اور نہ مہتمم ترکہ مگر متوفی کی جائداد میں مداخلت کرتا ہو۔ ایسا شخص نہ صرف قانونی وصی کے مقابلے میں ذمہ دار ہوتا ہے بلکہ متوفی کے وارثین کے مقابلے میں بھی۔ اس پر کل ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں مگر حقوق نہیں۔ دیکھو۔ (English Administration of Estates Act 1925 S 28)

یہ کہا جاتا ہے کہ ذمہ داری مساوی طور پر پیدا ہوتی ہے عام ازینکہ دوسرے کی جائداد کا یا صرف اس کی زوجہ کی جائداد کا قبضہ لیا گیا ہو۔ جیسا کہ نارد کہتا ہے:۔ "وہ جو ایک غریب اور لاولد شخص کی زوجہ کو لے اس کے دیون کا ذمہ دار ہو جاتا ہے کیونکہ زوجہ کو متوفی کی جائداد سمجھا جاتا ہے[2]" خود بیوہ بھی اپنے شوہر کے دیون ادا کرنے کی ذمہ دار نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ اس کی وارث ہو۔ یا وعدہ کیا ہو کہ دیون ادا کرے گی۔ یا اس کے ساتھ معاہدے میں شریک رہی ہو[3]۔ اور اگر زوجہ نے شوہر کے عین حیات اس کے قرضے ادا کر دیے ہوں تو جائداد پر اس کی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ ایسے رقوم اس کو واپس دے۔ اور اگر ایسی رقم کے ادا کرنے کے لئے جائداد منتقل کی گئی ہو تو اس کو قائم

---

[1] "وہ جس نے کسی مالک کی جائداد حاصل کی ہو جبکہ اس نے پسر نہ چھوڑا ہو جائداد کے دیون ادا کرے گا۔ اس کے ایسا نہ کرنے پر وہ شخص اس کام کو کرے گا جس نے متوفی کی زوجہ کو لیا ہو" یاگنولک جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۲۷۰۔ کتیاین ایضاً ۱۴ صفحہ ۳۳۰ دیہستی ایضاً صفحہ ۲۷۴۔ جائداد کا پانے والا بیوہ کا یا بیٹے کا ولی جو بھی جائداد لے دیون کی ادائی کا ذمہ دار ہو جاتا ہے" نارد۔ کریم الدین بنام گوبند کرشنا ۳۱ A صفحہ ۴۹۷ پریوی کونسل۔ اس قاعدہ کا اطلاق خوجوں پر بھی ہوتا ہے۔ رشید بنام شیر بانو ۲۹ بمبئی صفحہ ۱۱۴ نیز دیکھو جگدت سنگھ ۱۹۲۹ء ۱۱۲ نظائر ہند صفحہ ۲۳۸۔

[2] نارد باب ۳ فقرات ۲۱-۲۶، دیکھئے قبل ازیں فقرہ ۷۶۵۔

[3] نارد باب ۳ فقرہ ۱۷۔ یاگنولک وشنو جلد ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۳۱۳۔

نہیں رکھا جائے گا۔[1]

**ف ۳۲۸** ۔ جس کسی کے قبضے میں اثاثہ ہو اس کا تعاقب کیا جانا چاہئے۔ دیکھو نارد جس کا ذکر جگناتھ نے جلد اول ڈائجسٹ صفحہ ۲۷۲ پر کیا ہے اور دیگر متعدد اسناد پیش کی جاسکتی ہیں اگر ایسے صاف مقدمے میں اس کی ضرورت ہو۔" یہ الفاظ مسٹر کولبروک کے ہیں جہاں انھوں نے مدراس کے ایک پنڈت کے فتوے کو پسند کیا۔ یہ کہ جب چچا اور بھتیجا غیر منقسم ارکان تھے اور بھتیجے نے رقم قرض لی ہو اور مر گیا ہو۔ جائداد چچا کی بیوہ کو ملی ہو تو اس پر قرضے کے لئے نالش کی جاسکتی ہے۔[2] علیٰ ہذا بمبئی میں متوفی مدیون ۴۴۳
کے حساب رواں پر بیوہ اور دیگر تین اشخاص غیر خاندانی پر نالش کی سماعت کی گئی۔ کیونکہ انھوں نے متوفی کی جائداد کا قبضہ لیا تھا۔ البتہ انھیں صرف مقبوضہ جائداد کی حد تک ذمہ دار قرار دیا گیا۔[3] اسی طرح مدراس میں دو مشترک مدیونان متوفی کے قائم مقاموں کے خلاف ایسے قرضے کے دلاپانے کے لئے نالش کی گئی جو خاندانی مقاصد کے لئے کیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ فرمایا گیا کہ متوفی مدیونان مشترک کے داماد اور اس کے بھائیوں کو صحیح طور پر مدعی علیہم بنایا گیا کیونکہ انھوں نے متوفی کی بیوہ کے ساتھ مل کر عمداً اور اختیاری طور پر مشترک مدیون متوفی کی کل خاندانی جائداد میں مداخلت کی اس پر کلیۃً قبضہ کر لیا تھا۔[4] ان میں کے ہر مقدمے میں قابض جائداد کا قبضہ بلا حقیت اور بلا بدل تھا۔ جیسا کہ انگلستان میں "وصی فعل بیجا" کا ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے مدراس کے مقدمۂ انتشا بنام سنجیراس (۱۸۶۱ء کے فیصلہ جات مدراس صفحہ ۲۰۷) میں۔ مدعی نے شوہر مدعی علیہ نمبر (۱) کے بانڈ پر نالش کی۔ مدعی علیہ نمبر (۲) کو شریک کیا۔ یہ داماد تھا۔ کیونکہ وہ جائداد پر قابض تھا۔ دونوں کے خلاف فیصلہ صادر کیا گیا۔ صدر عدالت نے مدعی علیہ نمبر (۲) کی حد تک فیصلہ منسوخ فرمایا۔ "یہ کہ وہ

---

[1] ہنت بہادر ۳۰ الہ آباد صفحہ ۲۵۲۔ پریوی کونسل نے جلد ۳۳ الہ آباد میں اس کی تصدیق کی ہے جلد ۳۳ صفحہ ۳۴۲۔

[2] جلد ۲ ہندو لا اسٹریکی صفحہ ۲۸۲۔

[3] گوپر چند بنام داد بھائی۔

[4] منگالوری بنام نرائن ۳ م صفحہ ۳۵۹۔ گنگا بنام وینکٹ رتنم ۲۷ م صفحہ ۵۸۶۔

شوہر مدعی علیہ نمبر (۱) کے سلسلۂ وراثت میں نہیں ہے۔ اس کا قبضۂ جائداد اسے ذاتی طور پر ذمہ دار نہیں کرتا اگرچہ کہ جائداد جو اس نے متوفی مدیون سے حاصل کی تھی بہ صیغۂ تعمیل ڈگری قرضے کے لئے ذمہ دار کی جا سکتی ہے[1]۔ اب اگر مدیون کے خلاف اس کی زندگی میں ڈگری حاصل کر لی گئی ہو تو بیشک اس کی تعمیل اس جائداد کے خلاف ہو سکتی ہے جو داماد کے ہاتھوں میں ہو۔ لیکن یہ دیکھنا دشوار ہے کہ اس جائداد تک کس طرح رسائی ہو سکتی تھی جو مدعی علیہ نمبر (۲) کے ہاتھوں میں تھی۔ رسائی کی صورت وہ نالش ہے جس میں وہ فریق ہوتے۔ اس نالش میں جو بیوہ کے خلاف رجوع ہوئی ہو وہ صرف اس اثاثے کی حد تک ذمہ دار بنائی جا سکتی تھی جو اس نے حاصل کیا تھا۔

۴۴۴ انگریزی قانون میں ترکے کی مہتمم اس اثاثے کی حد تک بھی ذمہ دار ہوتی ہے جو وہ حاصل کر سکتی تھی مگر یہ کہ عمداً کوتاہی کرنے سے ایسا نہ ہو سکا۔ اور اگر اس نے اثاثۂ مذکور کو اپنے داماد کے قبضے میں رہنے دیا ہو تو اسے دبالعمد کوتاہی رکھا جائے گا۔ مگر میں شبہہ کرتا ہوں کہ آیا ہندو بیوہ فریقین ثالث کے خلاف نالش کر کے دائنین کے مفاد کے لئے اثاثہ واپس لینے کی پابند ہے[2]۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داماد صحیح طور پر شریک کیا گیا تھا۔ اس کے دو فوائد تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ بتلا سکتا تھا کہ اس کے پاس متوفی کی کوئی جائداد نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ اس نے اس کے قبضے کے لئے بدل دیا ہے۔ اور علیٰ ہذا کلکتے کے مقدمۂ رام پرتاب بنام گوپی کشن میں متوفی کے علاتی بھائی پر اس کے بیٹوں کے ساتھ شریک کر کے قرضے کی واپسی کے لئے نالش کی گئی۔ عدالت نے یہ قرار دیا کہ بہ حیثیت وارث اس کو ذمہ دار نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر بھی یہی ہے کہ وہ ذمہ دار نہ تھا۔ ہاں وہ ذمہ دار ہو سکتا تھا اگر یہ ثابت کیا جاتا کہ متوفی کی کسی نہ کسی جائداد پر خود اس کا قبضہ تھا۔

---

[1] دیکھو آگے فقرہ ۶۴۳۔

[2] دیکھو جلد ۸ ڈبلیو میکناٹن صفحہ ۲۸۶۔ جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے بیوہ چھوڑی جو قطعی اس کی وارث تھی لیکن متوفی کے باپ اور بھائیوں نے اس کی جائداد پر تصرف کیا۔ پنڈت نے فتویٰ دیا کہ وہ قرضہ ادا کرنے کے ذمہ دار تھے نہ بیوہ

**ذمہ داری ذاتی ہے۔**

**ف ۳۲۹** چند قدیم مقدمات میں اس اصول کو ایسی وسعت دیگئی کہ یہ تاک قرار دیاگیا کہ وارث اس جائداد کو جو اس کو وراثتہً ملی ہو منتقل نہیں کرسکتا یہاں تاک کہ متوفی کے دیون ادا کردیے جائیں۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مدیون کے مرتے ہی قرض سادہ کو مخصص رہن کی پوری قوت حاصل ہوجائے گی[1]۔

**جائداد پر قرضوں کا بار عائد نہیں رہتا**

لیکن زیادہ حالیہ فیصلوں نے اس نظریہ کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اور اب یہ قرار دیاگیا ہے کہ متوفی ہندو کی جائداد اس قرضے کے لئے اس طرح مکفول نہیں ہوسکتی کہ اس کا وارث اسے شخص ثالث پر منتقل نہ کرسکے۔ یا اس سے دائن کو اس کا تعاقب کرنے کی اجازت مل جانے اور شخص ثالث کے قبضے سے جس نے نیک نیتی سے اور بدل دے کر خریدا ہو نکال سکے۔ اگر وارث نے جائداد منتقل کردی ہو تو دائن اسے ذاتی طور پر ذمہ دار قرار دلاسکتا ہے مگر وہ جائداد کا تعاقب نہیں کرسکتا[2]۔ بنگال ہائیکورٹ نے اسی فیصلے کا اطلاق ایک مقدمے میں فرمایا جبکہ موہوب لہ کو بہ تعلق اس کے قبضے کے (جو جائداد کے ایک جزو پر اسے حاصل تھا) موصی کے قرضوں کا ذمہ دار کرنے کی کوشش کی گئی تھی عدالت نے یہ طے فرمایا کہ اس قسم کی کوئی ذمہ داری اس سے متعلق نہیں ہے عام اس سے کہ ۴۴۷
اس کا قبضہ قبل وفات ہبہ سے شروع ہوا ہو۔ یا بعد وفات ہبہ بالوصیت سے[3] اس مقدمے میں انگریزی قانون کے اصولوں کے تحت بحث کی گئی۔ اس میں شک نہیں ان

---

[1] گنگا بنام ترمبک بمبئی سلکٹ رپورٹ ۲۴ کشن داس بنام کاشو ولد داس جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۔

[2] انوپرنا بنام گنگا ۲ سدرلینڈ صفحہ ۲۹۶۔ جامی تیرم بنام پربھوداس ۹ ب ہ ک صفحہ ۱۱۶ لکشمن بنام سرجوتی بائی ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۸۰۔ ویراسکہ راج بنام پاپیا ۲۶ مدراس صفحہ ۹۲۔ نیک نیتی کی نفی کن حالات سے ہوتی ہے دیکھو گرندر چندر گوم بنام کنشاش ۱۴ ک صفحہ ۹۷۔

[3] رام اتم بنام ایش ۲۱ سدرلینڈ صفحہ ۱۵۵ جسٹس پانٹیفکس نے مقدمۂ گرندر میں اس کے خلاف اظہار رائے کیا تھا۔ اس رائے کی بنیاد بھی وہ استدلال تھے جو انگریزی قوانین موضوعہ سے اخذ کئے گئے تھے۔ بالآخر اس مقدمے کا فیصلہ قانون میعاد سماعت پر ہوا۔

اصولوں کو امر زیر بحث سے کوئی تعلق نہ تھا۔ تاہم مدراس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ بلا بدل انتقال جائداد بطور ہبہ اگر نیک نیتی سے کیا گیا ہو اور نیت یہ نہ ہو کہ دائنین کو فریب ہو تو ایسا انتقال دائنین کے مقابلے میں جائز ہوگا۔ غالباً یہ طے کیا جائے گا کہ جو کچھ متوفی اپنی زندگی میں کرسکتا تھا وصیت سے بھی وہی کرسکتا ہے بجز اس کے کہ جائداد پر مختص کنندہ لت پہلے سے ہو اور اسی طرح وہ ہبہ جو وارث نے کیا ہو غالباً بحق موہوب لہ جائز قرار دیا جائے گا۔ گو اس میں شک نہیں ایسے ہبہ سے اس کی اس ذمہ داری میں کمی نہیں ہوسکتی جو اس پر دائنین کے مقابلے میں عائد ہو (فقرہ ۳۰۲)۔ ہائیکورٹ بمبئی نے بمقدمۂ جامی تیبرم بنام پربھو داس (۹ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۱۶) فرمایا کہ مسٹر کولبروک نے نہایت وسیع نظریہ بیان فرمایا۔ یہ کہ مدیون کے اثاثے کا تعاقب کیا جاسکتا ہے گو وہ کسی کے قبضے میں ہو۔ اور وہ (بمبئی ہائیکورٹ) اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ قاعدۂ مذکور کا اطلاق صرف ان پر ہوتا ہے جنھوں نے ورثہ بحیثیت ورثا پایا ہو۔ جو مقدمہ ان کے ملاحظے میں تھا وہ ایک خریدار کا تھا جس نے قیمت ادا کی تھی۔ کسی چیز سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ایسے شخص کو سبکدوش کئے ہوتے جس نے خود اپنے اختیاری فعل سے جائداد حاصل کی ہو اور جس نے نہ تو متوفی سے اور نہ قائم مقامان متوفی سے حقیقت اخذ کی ہو۔

**ان شرکا کی ذمہ داری جنھوں نے پسماندگی کے قاعدے سے جائداد حاصل کی ہو۔**

**ف ۳۴** دوسرا سوال ان صورتوں میں پیدا ہوتا ہے جبکہ مدیون کی قرابت وارث سے یک جدی مورث کی نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ اثاثے سے قرضوں کے ادا کرنے کی ذمہ داری کس حد تک حق پسماندگی کے خلاف رائج کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں اخلاقی اور مذہبی وجوب ختم ہوجاتا ہے اور محض دو حقوق قانونی مابہ النزاع ہوتے ہیں۔ آگے چلکر

---

سه گنگا بائی بنام سریو اس ۴ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۸۴ ۔ بائی بشن چند ۱۱ مرافعہ ہند صفحہ ۴۴ ۱۱ A ۲۰ صفحہ ۵۹۰۔ قانون انتقال جائداد (قانون نشان ۴ ۱۸۸۲ء) کی رو سے اگر کسی شخص کو کل جائداد دوسرے کی ہبہ سے ملی ہو تو وہ واہب کے ان کل قرضوں کا ذمہ دار ہوگا جو ہبہ کے وقت تھے مگر جائداد موصلہ کی حد تک دفعہ ۱۲۸۔

(فقرہ ۳۵۰) دیکھا جائے گا کہ قانون متاکشرا کے تحت نظریہ ذیل کی تائید میں اسناد کا نہایت ہی زبردست مجموعہ موجود ہے۔ یہ کہ شریک غیر منقسم اپنے اس حصے کو منتقل نہیں کر سکتا جو ۴۴۶
اسے جائداد مشترکہ میں ہو، دیگر شرکا کی رضامندی کے بغیر وہ ایسا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ ضرورت قانونی پیدا ہوئی ہو لیکن اب اسے ہم پریوی کونسل کا منفصلہ سمجھ سکتے ہیں کہ گو نظریہ ایسا ہی ہو پھر بھی دائن جس نے خود شریک کے ذاتی قرضے کے متعلق اس کے خلاف فیصلہ حاصل کر لیا ہو اس کی زندگی میں اسے نافذ کرا سکتا ہے۔ اس کے غیر تقسیم شدہ مرافق کو جو اسے جائداد مشترکہ میں حاصل ہو قرق اور نیلام کرا سکتا ہے[1] لیکن اس فیصلے نے مزید سوال کو تصفیے کے لئے رکھ چھوڑا۔ کیا دائن کے حقوق مدیون کے غیر منقسمہ حصے کے خلاف زائل ہو جائیں گے اگر موخر الذکر (یعنی مدیون) اس کے خلاف فیصلہ صادر ہونے کے قبل اور قبل اس کے کہ اس کی تعمیل بذریعہ قرقی ہو مر جائے؟ بہ الفاظ دیگر کیا وہ لوگ جن پر جائداد عود کرتی ہو ان نصفتی حقوق کے تابع جائداد پائیں گے جو متوفی شریک اور اس کے دائنین کے درمیان موجود ہوں؟ میں نے کہا نصفتی حقوق (Equities) کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرضہ بذات خود کفالت نہیں ہے بلکہ ایک بنائے دعویٰ جس کو تعمیلی کارروائی سے نافذ کرایا جا سکتا ہے۔ بمبئی۔ مدراس۔ اور صوبہ شمالی مغربی کی عالیہ عدالتوں نے اس مسئلے کا تصفیہ دائن کے خلاف کیا۔ اور پریوی کونسل نے بھی حسب اس کی یکسوئی اب صراحۃً کر دی ہے۔

**ہندوستان میں مقدمات۔**

**۳۳۱**۔ پہلا مقدمہ جس میں یہ مسئلہ صراحۃً پیدا ہوا کہ فیصلہ ہو جائے صوبۂ شمالی مغربی کا تھا۔[2] ایک مکان میں جو غیر تقسیم شدہ خاندانی جائداد تھا مہادیو کا حصہ اس کی زندگی میں قرق کیا گیا۔ یہ قرقی اس ڈگری کی تعمیل میں ہوئی جو اس کے خلاف اس کے ذاتی بانڈ کی بابت حاصل کی گئی تھی۔ تحت قرقی نیلام جائداد ہونے سے پہلے وہ مر گیا۔ عدالتہائے تحت نے قرقی برخاست کی۔ یہ کہ بر وقت وفات مہادیو" نے مکان سے متعلق کسی قسم

[1] دین دیال بنام جگدیپ ۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۴۷، ۳ ک صفحہ ۱۹۸۔ طریقۂ نفاذ ڈگری کے لئے دیکھیے فقرہ ۲۵۵۔
[2] گور پرشاد بنام شیو دین ۴ صوبۂ شمالی مغربی صفحہ ۱۳۷۔

کا حق ہی چھوڑا ہی نہیں اور یہ کہ لہذا اس سے متعلق کچھ تھا ہی نہیں جو نیلام ہو سکتا ہو، تاکہ
مدعی کے دعوے کی بیباقی ہو سکے۔ عالیہ عدالت نے اس فیصلے کو بحال رکھا۔ اس فیصلے کے
۷۴۴ اصول کا اتباع بمبئی کے مقدمۂ اودھ اسپنام راؤ میں کیا گیا[1]۔ واقعات۔ ایک باپ اور
بیٹا ایسی دکان پر قابض تھے جو موروثی جائداد تھی۔ لڑکے نے خود قرضہ کیا اور اس کے
بعد مر گیا۔ دائن نے باپ اور بیوہ کے خلاف ڈگری حاصل کی کہ متوفی لڑکے کی جائداد اور
متروکے سے، قرضہ ادا کیا جائے۔ اور اس کے بعد اس نے باپ پر اس امر کے استقرار
کی نالش کی کہ بیٹے کا حصہ اس دکان میں جو باپ کے قبضے میں تھی لڑکے کے قرضے
کی ذمہ دار ہے۔ ہائیکورٹ نے یہ تصفیہ فرمایا کہ اس قسم کا استقرار نہیں کیا جا سکتا۔
اولاً ہائیکورٹ نے ان مقدمات پر نظر ثانی کی اور انھیں پسند بھی فرمایا جن میں یہ فیصلے
فرمائے گئے تھے کہ ایک ایسا ہندو جس نے ہنوز تقسیم نہ کرائی ہو اپنے حصے کو فروخت
کر سکتا ہے۔ اور اس کی زندگی میں بہ سلسلۂ تعمیل اس کو قرق بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا
بھی اعتراف کیا گیا کہ ایک ہندو کی تقسیم شدہ جائداد اس ڈگری کی تعمیل
میں فروخت کی جا سکتی ہے جو اس کے وارث کے خلاف بعد اس کی وفات کے
صادر ہوئی ہو۔ اس کے بعد انھوں نے نظریۂ ذیل پر توجہ فرمائی۔ یہ کہ کل غیر منقسمہ
خاندانی جائداد جبکہ وہ بیٹوں یا پوتوں کے قبضے میں ہو باپ یا دادا کے دیون کے لئے
ذمہ دار ہوگی۔ ان چند خاص صورتوں میں ایسا نہ ہونا بھی ممکن ہے۔ اس کے
بعد انھوں نے اس پر توجہ دلائی کہ "اس فیصلے کے تصفیۂ عکسی کے لئے یعنی
یہ کہ باپ یا دادا بیٹے یا پوتے کے دیون کے لئے قطع نظر تحصیل اثاثہ کے ذمہ دار ہے۔
کوئی سند نہیں ہے" بالآخر انھوں نے یہ قرار دیا کہ دکان میں بیٹے کے حق کو اثاثۂ
مقبوضۂ پدر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ در بیٹے کو اس میں حصہ پانے کا حق اس کی
پیدائش پر وجود میں آیا تھا کیونکہ وہ موروثی جائداد تھی اور اس کے ساتھ وہ حق

---

[1] ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۶۷۔ جس کا اتباع نرسبت بنام جیو پا ۲ بمبئی صفحہ ۴۹۷ میں کیا گیا بالبدھر بنام بستی شنکر ۸ الہ آباد صفحہ ۴۵۹۔ جگناتھ پرشاد بنام سیتا رام ۱۱ A صفحہ ۳۰۲۔ نیز دیکھو تجویز ممبر مجلس پریوی کونسل مقدمہ کسد ابت پرشاد ۴ بنگال لا رپورٹ .F B ۴۴ ۲۳۔ ۲۴۔ اسد ۱۲۔ اسد صفحہ ۱۰ اور تجویز جسٹس مٹر مقدمہ گوبردھن ملک صفحہ ۴۵۔

بھی مر گیا" مقدمۂ مدراس مذکور الصدر دونوں مقدمات کے بین بین تھا۔ اس میں رکن خاندان مشترکہ کے خلاف اس کے ذاتی قرضے کے لئے ڈگری دی گئی۔ تعمیل سے قبل وہ مر گیا۔ ڈگری دار نے اس کے غیر تقسیم شدہ ابن عم کے خلاف نالش کی۔ یہ کہ ڈگری مذکور کی مرحوم کے اس حصۂ جائداد پر تعمیل کرائی جائے جس حصے کا وہ زندہ ہونے کی صورت میں مجاز ہوتا۔ بمبئی اور صوبۂ شمالی مغربی کے فیصلے پیش کئے گئے اور مدعی کا دعویٰ خارج کیا گیا۔ چیف جسٹس نے فرمایا:۔ "میں اس سے واقف نہیں ہوں کہ یہ حجت کی جاسکتی ہے کہ ہندو شریک کے غیر تقسیم شدہ حق کے خلاف تعمیل میں کارروائی کی جاسکتی ہے۔ ایسا حق اس کی وفات پر دوسرے شرکا پر قاعدۂ عودی سے منتقل ہو جاتا ہے۔ ذیل کی دو صورتوں میں امتیاز کیا جانا چاہیئے ایک تو اراضی پر مختص کفالت ہوتی ہے۔ اور دوسرے عام ڈگری جو محض ذاتی ہوتی ہے۔ ہر قرضے سے جو کوئی شخص کرے جائداد پر لازماً کفالت قائم نہیں ہوتی۔ اور یہ کہنے کے لئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اگر کسی نے خاندان مشترکہ کے غیر تقسیم شدہ ۴۴۸
رکن کے خلاف فیصلہ حاصل کیا ہو تو اس سے اس نے جائداد پر کفالت بھی قائم کر دی ہے"[1] نتیجہ یہ ہے کہ اگر مدیون متوفی معمولی شریک ہو (یعنی جس نے نہ تو کوئی مکسوبہ جائداد چھوڑی ہو اور نہ ایسی جائداد جو خاندان کی ہو) تو ایسے دائن کو جس نے مدیون کے مرنے سے پہلے اس کا حصہ قرق نہ کرایا ہو قطعاً ہر قسم کے چارۂ کار سے محروم ہوگا[2]۔ اگر مدیون پسماندگان کا باپ تھا تو اس کی ذمہ داری سابق میں صرف ایک طریقے سے نافذ کرائی جاتی تھی۔ بیٹوں کے خلاف نئی نالش کر کے[3]۔ لیکن اب (تحت دفعہ ۲۳۴ ضابطۂ دیوانی) بیٹا اپنے باپ کا قائم مقام قانونی سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ مشترکہ جائداد خاندانی جس پر بیٹا قابض ہو اس ڈگری کی تعمیل میں لی جاسکتی ہے جو باپ کے خلاف ہو۔ اگر ہندو شراکت کا کوئی رکن دیوالیہ ہو گیا ہو تو صرف ایسے رکن کا حصہ مشمول حق تقسیم آفیشل اسائنی کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر دیوالیہ رکن منتظم ہو تو آفیشل اسائنی کو مشترکہ جائداد خاندانی کے دیگر حصص کو بھی

---

[1] کپو کوتن بنام چایین ۱ مدراس لا رپورٹر صفحہ ۶۳۔

[2] رامیا بنام رنگیا ۷ ام صفحہ ۴۱۴۔

[3] سواگیری بنام اور ایتگر ۳ ام صفحہ ۳۷۔ کرنا تک ہنتنتہ ۵ ام صفحہ ۲۳۲۔ کھمی نرائن ۱۸۷۶ صفحہ ۱۴۴ بمبئی پرشاد دیکھ صفحہ ۱۹۵۔

منتقل کرنے کا ایسا اختیار حاصل ہوگا جو کرتا کو اس حیثیت میں حاصل تھا۔ مثلاً ان قرضوں کے متعلق جن کا ادا کرنا بیٹوں پر واجب تھا لڑکوں کے حصے آفیشیل اسائنی کو حاصل ہوجائینگے۔ مگر ان دیون کے متعلق حاصل نہ ہوسکیں گے جو ناجائز یا مخرب اخلاق امور کے لئے کئے گئے ہوں[1]۔ بھائی کا حصہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ وہ ایسے وجوب کے تابع نہیں ہوتا[2]۔ اگر اس اختیار انفصام کے استعمال ہونے سے قبل (جو آفیشیل اسائنی کو حاصل ہوچکا ہو) بیٹے نے اپنا حصہ منتقل کردیا ہو تو بیشک بمبئی اور مدراس میں قیاساً ایسا انتقال جائز ہوگا۔ اگر تحت دیوالیہ پن ہندو شریک کی جائداد آفیشیل اسائنی کو حاصل ہوچکی ہو تو اس کے مرنے کے بعد بھی جائداد یوں ہی رہے گی۔ اس کو قاعدہ پسماندگی سے شکست نہیں دی جاسکتی[3]۔ [دیکھئے مقدمہ ست نارائن بنام بہاری لال ۱۹۲۵ء ۴ ء نظائر ہند صفحہ ۳ ۸ ۸ لاہور۔ اس مقدمے کے فیصلے کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قانون دیوالیہ برطانوی ہند دفعہ ۱۷ اور دفعہ ۱۷ پریسیڈنسی ٹونس انسالونسی ایکٹ۔ اور دفعہ ۵۲ پراونشیل انسالونسی ایکٹ کے احکام کو اچھی طرح ذہن نشین رکھا جائے۔ مقدمہ مذکور کے فیصلے سے قبل سوال ذیل کے متعلق اختلاف آرا تھا۔ کیا ہندو باپ کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں خود اس کے بیٹے کا حصہ باپ کے دائنین کے فائدے کے لئے آفیشیل اسائنی کو حاصل ہوجاتا ہے۔ یا صرف وہ اختیار منتقل ہوتا ہے جو باپ کو اپنے ان قرضوں کے ادا کرنے کے لئے مشترکہ جائداد فروخت کرنے کے متعلق حاصل ہے۔ عالیہ عدالت بمبئی نے بمقدمہ فقیر چند یہ تجویز فرمائی کہ صرف بیٹے کا حصہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور عالیہ عدالت مدراس نے بمقدمہ نناسٹی و نیز دیگر مقدمات ذیل میں یہ قرار دیا کہ محض اختیار فروخت آفیشیل اسائنی کو حاصل ہوجاتا ہے (مقدمات۔ آفیشیل اسائنی مدراس بنام رام چندر۔ ۴۶ نظائر ہند صفحہ ۸۹۸۔ مقدمہ سلاموتو ۱۹۲۴ء ۸۰ نظائر ہند صفحہ ۵۰۱ بنکر نرائن ۱۹۲۴ء ۳۰ نظائر ہند صفحہ ۱۹۶۔)۔ مگر مقدمہ ست نارائن میں جوڈیشل کمیٹی نے یہ تجویز فرمائی

---

[1] نناسٹی بنام چندر رابونیا ۲۲ مدراس صفحہ ۲۱۴۔ سنیاسی چرن مندی بنام اسٹوش گھوش ۴۲ کلکتہ صفحہ ۲۲۵۔
[2] رنگیا چٹی بنام تھانی کچلا ۱۹ مدراس صفحہ ۷۶۔
[3] فقیر چند بنام موتی چند، بمبئی صفحہ ۳۲۸۔

کہ خود حصہ بیٹے کا حاصل نہیں ہوتا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر فرمایا گیا کہ خاندان مشترکہ
کی جائداد باپ کے قرضوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے]۔

## پریوی کونسل کا فیصلہ

ف ۳۳۲۔ اکثر مقدمات مذکورہ بصدر پر نظر ثانی کی گئی اور انھیں مقدمہ
سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد (جس کا حوالہ قبل ازیں مقرات ۳۰۴ ۴۲۹
اور ۳۰۸ میں دیا گیا ہے) پسند بھی فرمایا گیا۔ البتہ ایک سوال سے
اتفاق نہیں کیا گیا۔ اس مقدمے میں عدالت نے یہ تجویز فرمائی کہ باپ
کے اس قرضے کا پابند نہیں جو مخرب اخلاق قسم کا ہو۔ اور یہ کہ خریدار تحت ڈگری واقفہ مذکور
کی اطلاع سے متاثر سمجھا جائے گا۔ اس طرح وہ تحت محفوظ رہنے کا دعا نہیں کر سکتا۔ نتیجہ
یہ تھا کہ باپ کے قرضے کے متعلق بیٹوں کی خاص ذمہ داری باقی نہیں رکھی گئی۔ اور اسے
کلیتہً اثاثے کے قبضے پر منحصر کیا گیا۔ دوسری جانب مقدمۂ مذکور نے مقدمۂ شمالی۔مغربی سے
اتفاق کیا اور مدراس و بمبئی کے فیصلوں سے مسئلۂ ذیل میں اختلاف کیا۔ یہ کہ بعد وفات پدر
نیلام اس قرقی اور حکم نیلام کے سبب عمل میں آیا جو اس کی زندگی میں ہوا تھا۔ واقعات
کی اس افتاد پر حکام عالیمقام نے فرمایا:۔ "یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیا وہ (یعنی خریدار)
اس مقدمے میں باپ کے حصے کے متعلق دادرسی کے مجاز ہیں اور کس دادرسی کے؟ اگر قرضہ
محض بانڈ کا قرضہ ہوتا جس کے بوجہ اس وجوب کے جو بیٹوں پر ہوتا ہے کہ باپ کے قرضے
ادا کریں لڑکے پابند نہ ہوں۔ اور اس کے نفاذ کے لئے باپ کی زندگی میں کافی اور مناسب
کارروائیاں نہ کی گئی ہوں تو اسناد سے یہ امر واضح اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس
کی وفات پر اس کا حق بیٹوں پر اس طرح عود کریگا کہ بعد میں وائن کو اس پر دسترس نہیں
ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اگر فورٹ ولیم کے صوبے کا قانون۔ قانون مدراس کے مماثل ہوتا
تو ادت سہائے (باپ) کا رہن کا جو اس نے اپنی زندگی میں کیا تھا کہ قرضے کی کفالت ہو
اس کے مرنے کے بعد اثر پذیر ہوگا۔ اس کا یہ اثر ہو سکتا ہے کہ اس سے موضع بسم بھرپور
پر اس کے اس وقت کے حصے کی حد تک جائز بار عائد ہو۔ دشواری یہ ہے کہ اب تک جو
فیصلے ہو چکے ہیں قانون ایسے انتقال کے جواز کو تسلیم نہیں کرتا۔ بنگال میں قانون کا یہی
مفہوم لیا جاتا ہے۔ حکام عالیمقام یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس مقدمے میں یہ ضروری نہیں
ہے کہ اس معرکتہ الآرا مسئلے کا فیصلہ کیا جائے جس ان کے ساتھ فیصلوں نے اب تک

کھلا ہی رکھا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ تعمیلی کارروائیاں اتنی دور چلی گئی تھیں کہ ان سے بحق ڈگریدار اراضی پر کفالت جائز قائم ہونا سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر اوت سہائے کے غیر تقسیم شدہ حصے اور مرافق کی حد تک۔ موضع مذکور انھیں کارروائیوں کے سلسلے میں قرق کیا گیا تھا۔ اس کفالت کو محض اس وجہ سے شکست نہیں دی جاسکتی کہ فی الواقعی نیلام سے پہلے اوت سہائے مرگیا تھا۔ وہ اس سے بھی واقف ہیں کہ یہ رائے اس کے خلاف ہے جو صوبۂ شمالی مغربی کی ہائیکورٹ نے جس کا حوالہ قبل ازیں دیا جاچکا ۵۰۴
ہے دی تھی[۱]۔ مگر اس رائے کا اظہار کرنا ہی پڑتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عدالت نے جس سے فیصلہ صادر ہوا تھا کہ غیر منقسمہ حصے کے قابل قرقی ہونے کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ اس کے قابل قرقی ہونے کو اس عدالت نے اس کے پہلے کے فیصلے میں بمقدمۂ دین دیال قائم کردیا ہے[۲]۔ اگر ایسا ہو تو تعمیلی نیلام کا اثر بیشتر ازیں نہ تھا کہ غیر منقسمہ حصہ متعلق بہ موضع بحق مرافعہ علیہم منتقل ہو۔ یہ وہ حصہ تھا جو سابق میں اوت سہائے کا تھا جبکہ وہ زندہ تھا۔ اور حکامان عالی مقام کی رائے میں مرافعہ علیہم ان حقوق کا حساب لگانے کے مجاز ہیں جو انھوں نے تقسیم کے ذریعے حاصل کیا ہے اگرچہ کہ اودت سہائے مرگیا ہو[۳]۔"

حکام عالیمقام نے فرمایا کہ قرقی سے بحق ڈگری دار 'مواخذہ' یا 'کفالت' قائم ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حکام عالیمقام نے اصطلاح 'مواخذہ یا کفالت' کو عام مفہوم میں استعمال کیا نہ کہ کلیتہً قانونی مفہوم میں۔ کیونکہ بارہا یہ بتلایا جاچکا ہے کہ قرقی سے جائداد محض حفاظت قانونی میں آجاتی ہے[۴] تاکہ مدعی علیہ اسے منتقل نہ کرسکے۔ اس سے حقیت کی قسم کی کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔ گو صورت یہی ہو مگر اب یہ قانون

---

[۱] گور پرشاد بنام شیو دین ۴۔ ڈبلیو۔ پی صفحہ ۱۳۷۔
[۲] ۴ مرافعات ہند صفحہ ۲۴۷۔ ۳ وک صفحہ ۱۹۸۔
[۳] اس فیصلے کو دیکھو جس میں اس فیصلے کا اتباع کیا گیا ہے جبکہ بعد قرقی بیٹے کی جائداد باپ کو حاصل ہوچکی تھی۔ رائے بالکشن بنام سیتارام ۷ الہ آباد صفحہ ۷۳۱، بیلر کرشنا بنام نکشمن ۴ بمبئی صفحہ ۳۰۲۔
[۴] موتی لال بنام کراپودان ۵ ۲۴ ک ۹۷۱ پی سی۔ کرشنا سامی مدلیر بنام آفیشل اسائنی مدراس ۲۶ مدراس صفحہ ۶۷۳۔ سنکر لنگا ریڈی بنام کندا سامی تھیوان ۳۰ مدراس صفحہ ۴۱۳۔ زمیندار کر دت گر ۲۲ مدراس صفحہ ۴۳۹۔

طے شدہ ہے کہ بسلسلۂ تعمیل جو قرقی مدیون کی زندگی میں ہوئی ہو اس سے اس کے دیگر شرکاء
پسماندگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کا حصہ مذکوران پر موو نہیں کر سکتا۔[1] اگر قرقی
قرقی قبل از فیصلہ ہو تو جب تک کہ ڈگری نہ دی جائے وہ جائداد تعمیل میں نیلام کے لئے
نہیں لائی جا سکتی۔ اس طرح اگر ڈگری سے قبل مدعی علیہ مر جائے تو دائن کے لئے کوئی
چارۂ کار نہیں گو قرقی ہوئی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں قبل اس کے کہ قرقی ۴۵۱
اغراض تعمیل کے لئے قابل پذیرائی ہو حق پسماندگی اثر پذیر ہوتا ہے[2]۔ صورت ذیل کے
متعلق اختلاف آرا ہے قرقی قبل از فیصلہ ہو اور ڈگری کے بعد مگر تعمیلی کارروائیاں شروع
کرنے سے قبل مدعی علیہ مر جائے۔ سوال۔ کیا شرکائے باقیماندہ کے حقوق نافذ ہوں گے
یا اس دائن کے حقوق کو ترجیح ہوگی جس نے جائداد قرق کرائی تھی؟ عدالت بمبئی نے
شرکاء کے حق میں فیصلہ کیا ہے[3]۔ عدالت مدراس نے قرقی کرنے والے دائن کے حق میں[4]
مگر ادباً یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ موخرالذکر رائے اسناد کے عام میلان سے بہت زیادہ
موافق ہے۔ ضابطۂ دیوانی کی بھی یہی مصلحت ہے۔ جس نے بعد ڈگری اس جائداد کی
مکرر قرقی کو غیر ضروری قرار دیا ہے جو ڈگری کے پیش رفت میں قرق کی گئی تھی[5]۔

## کارندگی کے مقدمات

ف ۳۳۳ تیسری اور آخری وجہ ذمہ داری کارندگی کی ہے۔ صریح
کارندگی یا معنوی۔ گو کتنی ہی قریب ہو مگر محض رشتہ داری سے
وجوب پیدا نہیں ہوتا۔ نہ تو والدین اپنے لڑکے کے قرضے
ادا کرنے کے پابند ہیں اور نہ کوئی لڑکا اپنی ماں کا قرضہ ادا کرنے[6] کا نہ تو شوہر اپنی زوجہ

---

[1] سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد ۶ مرافعات ہند صفحہ ۸۸۔ ۵ ک صفحہ ۱۰۴۸ و ٹھل داسس بنام نند کشور ۲۳ A صفحہ ۱۰۶۔

[2] رامنیا بنام رنگپیا ۱۸ م صفحہ ۱۴۴۔

[3] سبا راؤ سنگیش بنام جھاودیوی ۳۸ بمبئی صفحہ ۱۰۵۔ عالیہ عدالت پٹنہ بھی اس سے متفق ہے۔ سندر لال بنام راگھو نندن سنہ ۱۹۲۲ء ۳ لنڈائز صفحہ ۲۱۳۔

[4] منوسامی چٹی بنام جیا جل ۲۶ مدراس لاجرنل صفحہ ۵۱۰ بسکر نگکاست سنہ ۱۹۲۵ء ۲ و نظائر صفحہ ۵۰۴۔

[5] آرڈر ۳۸ رول ۲۔ ضابطۂ دیوانی ہند۔

[6] برادر زادہ اپنے چچا کے جو خاندان کا کرتا تھا قرضوں کا ذمہ دار نہیں ہے۔ رام رتن بنام لچھمن داس ۳۰ A صفحہ ۴۶۰

کے دیون ادا کرنے پر مجبور ہے اور نہ زوجہ اپنے شوہر کے[۱]۔ بلاشبہ کوئی رکن خاندان تقسیم شدہ رکن کے ان قرضوں کے ادا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا جو بعد تقسیم کئے گئے ہوں کیونکہ ایسی حالت سے کارندگی کے نظریے کی کلیتہً نفی ہوتی ہے[۲]۔ ہاں وہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ مدیون کا وارث ہوگیا ہو۔ یا اس کے اثاثے پر قبضہ کر لیا ہو۔ صورت عکسی یہ ہے کہ کل ارکان خاندان (لہذا ان کی کل جائداد) تقسیم شدہ یا غیر منقسم ان دیون کے ذمہ دار ہونگے[۳] جو منجانب خاندان ایسے شخص نے کئے ہوں جسے قرضہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی[۴]۔ اس کی بہت عام صورت وہ ہے جبکہ خاندان کے کرتا نے قرضے کئے ہوں۔ وہ بلحاظ
۴۵۲ عہدہ خاندان کا کارندہ معتبر ہوتا ہے۔ اس کو اجازت ہوتی ہے انھیں کل موزوں اور ضروری اغراض و مقاصد کا جو اس کی کارندگی کے اندر اندر ہوں (گو دیگر شرکا نابالغ ہوں) پابند کرے[۵]۔ اگر کرتا کے خلاف ایسی ذمہ داری کے متعلق جو صحیح طور پر ضروریات خاندان کے لئے پیدا کی گئی تھی ڈگری دی گئی ہو تو دیگر ارکان کے حقوق پر کس حد تک ایسی ڈگری کی پابندی عائد ہوتی ہے۔ اس کا انحصار اس اجازت پر ہوگا جو کرتا کو ایسی ذمہ داری پیدا کرنے کے لئے حاصل تھی نہ کہ ارکان کو نالش میں فریق بنائے یا نہ بنائے جانے پر[۶]۔ لہذا اگر کرتا نے اپنی ذاتی کفالت پر خاندانی ضروریات کے لئے رقم قرض لی ہو تو

---

[۱] متوکمارا بنام ہنو فیصلجات مدراس ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۰۳۔ نارد۔ یاگنولک۔ وشنو درہسپتی۔ کیتاین۔
[۲] نارائن بنام راباپا فیصلہ جات مدراس ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۵۔
[۳] شراکتی قرضوں کے شکل میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ اصلاً مشترک جائداد ذمہ دار ہوگی۔ اور اگر مشترک جائداد کافی نہ نکلے تو غیر خاندانی جائداد۔ متوباشب فقرہ ۱۶۶۔ رگھونندن۔
[۴] غریب اللہ بنام کلک سنگھ ۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۶۵-۲۵ A صفحہ ۷، ۴ بسوا ناتھ پرشاد بنام چھبیپرشن ۴ ک صفحہ ۳۴۲۔ ضروری اغراض کیا ہیں ان کے متعلق آیندہ باب میں پوری جانچ کی جائے گی (فقرہ ۳۴۶)۔
[۵] ہری وٹھل بنام جے رام وٹھل ۱۴ بمبئی صفحہ ۵۹۷۔ مروتی نارائن ۶ بمبئی صفحہ ۵۶۴ اور لکشمن ونکٹیش ۱ بمبئی صفحہ ۳۰ ، منسوخ کرتے ہوئے۔ سکھارام بنام دیوجی ۲۳ بمبئی صفحہ ۳۷۲۔ بالدیو بنام مبارک ۲۹ ک صفحہ ۵۸۳۔
[۶] وصی ان قرضوں کا جائداد کو پابند نہیں کر سکتا جو اس نے مقاصد جائداد کے لئے کئے ہوں۔ وبندناتھ بنام ہیم چندر ۱۳ ک صفحہ ۳۵۲۔

دیگر ارکان سے وہ حصہ رسدی پانے کا حق ہوگا۔ یہ حق اسے اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ اس نے وہ رقم ان کے مفاد کے لئے خرچ کی ہو[1]۔ مگر خاندان کی ذمہ داری ان معاہدات یا قرضوں تک محدود نہیں ہے جو کرتا نے کئے ہوں۔ "سرپرست کنبہ ان کل چیزوں کا ذمہ دار ہے جو خاندان کے مفاد کے لئے شاگرد۔ کارآموز۔ غلام۔ زوجہ۔ کارندہ۔ یا ملازم تنخواہ یاب نے خرچ کیا ہو[2]"۔ بیشک اس میں یہ بات خود مضمر ہے کہ اشخاص مذکور نے صریح اجازت سے ایسا کیا ہے یا ایسی سخت ضرورت کی وجہ سے کہ اجازت مستنبط کی جا سکے[3]۔ چنانچہ نارد میں ہے: "قرضے جو زوجہ نے کیے ہوں شوہر پر عائد نہیں ہوتے بجز اس کے کہ تکلیف کے وقت یا محتاج کے لئے کئے گئے ہوں۔ کیونکہ گھریلو اخراجات کی پابجائی مرد کو کرنی چاہیئے[4]"۔ بدرجہ اتم شوہر ان قرضوں کا ذمہ دار ہے جو زوجہ نے کاروبار کے سلسلے میں کئے ہوں جس کاروبار تجارت کا انتظام شوہر نے زوجہ کے حوالے کیا ہو[5]۔ اور اسی اصول کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ "خاندانی کاروبار کرنے والے اشخاص کو جس کے منافعوں میں کل ارکان خاندان حصہ پاتے ہیں اجازت ہونی چاہیئے کہ معمولی مقاصد تجارت کے لئے وہ مشترکہ خاندانی جائدادوں کو مکفول کر سکتے ہیں۔ اور اگر مشترکہ کاروبار کے سرمایہ سے جائداد حاصل کی گئی ہو اور ارکان خاندان مشترکہ کو اس میں حقوق ہوں تو ان حقوق پر لہذا ان قرضوں کو ترجیح ۳۵۳

---

[1] اگھورناتھ مکھوپادیا بنام گرش چندر ۲۰ ک صفحہ ۱۸۔

[2] نارد باب ۳۔ وخنوذ ڈائجسٹ جلد ا صفحہ ۲۹۵۔ منو باب ۸۔ باگنولک ڈائجسٹ صفحہ ۲۱۳۔ کتیاین ڈائجسٹ صفحہ ۲۹۶۔ ۳۱۹۔ امیاکناٹن صفحہ ۲۸۶ وارث کی ان قرضوں کی ذمہ داری کے متعلق جو ادصیا نے وصیت کے سبب کئے ہوں اور جو بعد میں منسوخ کر دی گئی ہو۔ بمقدمہ فقندرو دب ۱۴ اک صفحہ ۲۱۶۔ عمل ہذا متبنیٰ لڑکے کے قرضوں کے متعلق جبکہ تبنیت ناجائز قرار دی جائے۔

[3] مدر بنام رنگ لال ۲۹ ک صفحہ ۷۹۰۔ کرتا کے کیے ہوئے قرضے کے متعلق ایسا کوئی قیاس نہیں ہے کہ وہ خاندان کے مفاد کے لئے ہے بجز اس کے کہ کرتا نے بہ تعلق تجارت خاندانی قرضے کئے ہوں۔ گنپت رائے بنام منے لال ۳۴ A صفحہ ۱۳۰۔ نیز دیکھو مقدمات مندرجہ (۵)۔

[4] نارد باب ۳ فقرہ ۱۹۔

[5] یاگنولک۔ مدراہیپق۔ جلد ا ڈائجسٹ صفحہ ۳۱۷۔ صفحہ ۳۱۸۔ جلد ۲ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۲۷۸۔ صفحہ ۲۸۱۔

ہوگی جو دیانداری سے کاروبار چلانے کے لئے کئے گئے ہوں[1]" جبکہ اس اختیار کو کارندہ استعمال کرے۔ یا کرتا کا ذاتی قائمقام تو وہ اس سے متجاوز نہیں ہوسکتا جو اصل کو حاصل ہو۔ مثلاً جبکہ خاندانی تجارتی کاروبار وراثتہً بیوہ پر منتقل ہوا ہو تو اس کا کارندہ ان محدود اختیارات سے تجاوز نہیں کرسکتا جو بیوہ کو حاصل ہوں[2]۔ خاندان کے کرتا کا آفیشیل اسائنی خاندانی جائداد منتقل نہیں کرسکتا الا ان قرضوں کی بیباقی میں جن کی پابندی کل خاندان پر ہو[3]۔ علی ہذا اس رہن کے کل ارکان خاندان پابند ہیں جو خاندانی تجارتی شراکت کے منتظمان نے مقاصد شراکت کے لیے خاندانی جائداد کا کیا ہو۔ اور اگر صرف راہنین کے خلاف ڈگری حاصل کر کے جائداد نیلام کردی گئی ہو تو نیلام مذکور محض اس وجہ سے دیگر ارکان منسوخ نہیں کراسکتے کہ وہ نالش میں فریق نہ تھے[4]۔ خاندان مشترکہ کے کسی ایک رکن کے کئے ہوئے قرضوں یا انتقالات جو خود اس کے ذاتی مفاد کے لیے کیے گئے ہوں دیگر ارکان کے حقوق کو پابند نہیں کرسکتے[5]۔ اگر ایک رکن خاندان نے بعد میں یہ وعدہ کیا ہو کہ وہ دوسرے رکن کے کیے ہوئے قرضے کو ادا کرے گا تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کا پابند ہوگا[6]۔ لیکن ایسا وعدہ ناجائز قرار دیا جائے گا کیونکہ بلا بدل ہے[8]۔

<----- ! ----->

---

[1] تجویز جسٹس پانٹیفکس بمقدمہ جوہرا بی بی اک صفحہ ۵۷۴ م تیجو پرشاد نام مہا دیو لال ۲۰ ک صفحہ ۲۵۲ ۔ رگھوناتھ جی تارا چند ۲۴ بمبئی صفحہ ۷۲۔ سنکرشنا مورتی بنام ۸ راس بنک ۲۵ م صفحہ ۲۹۶ بشمبر ناتھ ۲۹ A صفحہ ۱۴۶ نیز دیکھو دفعہ ۲۱۹ قبل ازیں۔ گرو سامی نندار ۴۲ مدراس صفحہ ۶۲۴۔

[2] شام سندر ۲۵ مرافعات ہند صفحہ ۱۸۳۔ ۲۰ A صفحہ ۱۔

[3] رنگیا چٹی ۱۹ م صفحہ ۷۴۔

[4] دولت رام بنام مہر چند ۱۴ مرافعات ہند صفحہ ۱۸۷۔ ۱۵ ک صفحہ ۷۰۔

[5] وینکٹ سامی جلد ۱ م صفحہ ۳۰۴۔ گروا پا دام صفحہ ۳۱۶۔

[6] نارد باب ۳ ۱۰ مہ ہیتی کیتابن اڈائجسٹ صفحہ ۳۱۶۔ صفحہ ۳۱۷۔

[8] قانون معاہدۂ ہند دفعہ ۲۵۔

# باب دہم

## انتقالات

**تقسیم مضمون**

**ف ۳۳۴** قانون انتقال جائداد فطری طور پر دو شعبوں میں آتا ہے۔ یہ
تقسیم بہ لحاظ نوعیت جائداد زیر بحث ہے جائداد مشترکہ اور جائداد غیر مشترکہ ۵۴
کے لحاظ سے۔ مزید امتیازات ان میں کے ہر عنوان کے تحت بہ لحاظ نوعیت کہ وہ منقولہ ہے
یا غیر منقولہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز پہلی شاخ کے تحت (مشترکہ) یہ ہو سکتا ہے کہ جائداد منتقل کرنے والے
نے بہ حیثیت پدر خاندان۔ یا منتظم کارپوریشن۔ یا محض اس کارپوریشن کے رکن خاص کی حیثیت
سے ایسا کیا ہو۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فعل زیر بحث کا مدعا یہ ہو کہ اس حصے سے زیادہ منتقل کرے جو
منتقل کنندہ کو جائداد میں حاصل تھا۔ یا ایک ایسا جزو جو اس کے حصے کے مساوی ہو یا اس سے
کم ہو۔ بالآخر ہر خاص صورت میں معاملے کا جواز بہ لحاظ مسلک مختلف ہوگا۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ کس
حد تک اسے قانون متاکشرا یا قانون دیا بھاگ نے جائز قرار دیا ہے میں سب سے اول
اس کی جانچ کرنا چاہتا ہوں کہ قانون متاکشرا میں باپ کی کیا حیثیت ہے۔

**منقولہ پر باپ کے اختیارات**

**ف ۳۳۵** میں نے قبل ازیں اس کی وضاحت کر دی ہے کہ کن کن
طریقوں سے باپ یک جدی خاندان کی سربرآوردگی سے اتر آتا ہوا
ایسے خاندان مشترکہ کا منتظم ہو گیا جس میں بیٹوں کو پیدائش سے

قریب قریب اس کے برابر کے حقوق حاصل ہوتے گئے۔ لیکن وجنانیشور (Vijnanesvara) نے باپ کا یہ حق پھر بھی جتلایا کہ منقولہ کے متعلق گو وہ موروثی ہو اس کا اختیار انتقال وغیرہ بہت زیادہ ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ رائے ان احکام پر مبنی کی ہو جو اس زمانے کے ہیں جبکہ باپ کو بہ نسبت اب کے بہت زیادہ وسیع اختیارات حاصل تھے۔ خاندان کے کرتا کو ضرورۃً چند ایسی چیزوں پر اختیارات تصرف حاصل تھے جو زمانۂ قدیم میں منقولہ کے زمرے میں شمار کی جاتی تھیں۔ بظن غالب مذکورالصدر رائے ایسے احکام پر بھی مبنی ہے جو محض اختیار کرتا کو ظاہر کرتے ہیں۔[2]

مورو ثی منقولہ پر اختیار :۔

خود وجنانیشور اس کا مدعی نہیں ہے کہ باپ کو منقولہ کے تصرفات کا قطعی
۴۵۵ اختیار ہے کہ اپنی مرضی سے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ صرف اس کا مدعی ہے کہ "ناگزیر فرض کی انجام دہی میں اسے اختیار ہے کہ انھیں اپنی مرضی سے منتقل کرے اور ان مقاصد کے لئے جو احکام قانون کے مقرر کردہ ہیں۔ مثلاً محبت فطری کے باعث عطیے۔ خاندان کی تائید میں تکلیف کو دور کرنے کے لئے اور مماثل مقاصد کے لئے" سر تھامس اسٹرینج اور ڈاکٹر میر نے یہی نظریہ قائم کیا ہے۔[3] تاہم مسٹر کولبروک اور مسٹر میکناٹن قاعدۂ ذیل قرار دیتے ہیں۔ یہ کہ موروثی منقولہ کے متعلق باپ کا اختیار تصرف صرف خود اس کی صوابدید سے محدود کیا گیا ہے۔ نیز روحانی ذمہ داری کے خیال سے۔[4] متعدد مقدمات میں ضمناً یہ مسئلہ پیدا ہوا لیکن کچھ مدت تک اس پر پوری پوری بحث

[1] دیکھئے اس سے قبل فقرات ۲۳۱ اور ۲۴۴۔

[2] فقرات ۲۵۵، ۲۵۶۔

[3] متاکشرا۔ ۱۔ ۱۔ ۲۷ وِیرمترودیا صفحہ ۱۶۔ جلد ۱ اسٹرینج کا ہندو لا صفحہ ۲ صفحہ ۲۶۱۔ میر صفحہ ۴۰۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پنجاب میں باپ موروثی منقولہ کا ورثائے ذکور کی رضامندی کے بغیر ہبہ کر سکتا ہے۔ لیکن غیر منقولہ کے متعلق ایسا نہیں کر سکتا عام ازینکہ وہ موروثی ہو یا ذاتی کسوبہ۔ (P. Customary Law)

[4] یعنی اس کو صوابدید حاصل ہے اور تصرف کرنے سے پہلے اسے چاہئے کہ اپنی روحانی ذمہ داری کا خیال رکھے عبارت موخرالذکر کا پریوی کونسل نے بمقدمۂ گوپی کرسٹ بنام گنگا پرشاد جلد ۶ مورکہ

نہ ہو سکی۔ بنگال ہائیکورٹ کے ایک مقدمہ میں یہ کہا گیا کہ "قانون متاکشرا کی رو سے بیٹے کو موروثی غیر منقولہ جائداد میں حق وراثت محصلہ ہوتا ہے برخلاف اس کے باپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی کل مکسوبہ اور کل ذاتی جائداد اپنے حسب منشا منتقل کرے" یہ موخرالذکر الفاظ محض رائے عدالتی (obiter dictum) تھے۔ مدراس میں ایک لڑکے نے جائداد کی تقسیم کے لئے باپ پر نالش کی۔ یہ جائداد جزاً مکان اور جزاً جواہرات تھے جسٹس ٹیلسٹن نے موخرالذکر کے متعلق متاکشرا (جلد ا باب ا فقرات ۲۱، ۲۴، ۲۳ کے متن کا اقتباس یہ بتلانے کے لئے کیا کہ "اس سے لازمی یہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا کہ مدعی کو اپنے باپ کے متعلق یہ شکایت کرنے کا کوئی حق حاصل ہے کہ اس نے ان کی تقسیم ناانصافانہ طریقے سے کی اور یہ کہ وہ جزاً تھی" مدعی نے جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ باپ نے جواہرات کا ایک بڑا حصہ خاندان کی لڑکیوں کو دیا تھا۔ یہ کہ صرف ایک اس کے بیٹے کی زوجہ کو دیا۔ ممکن ہے کہ یہی وہ خاندانی انتظام ہو جسے وہ کہ سربرآوردہ خاندان کے اختیارات کے اندر سمجھتا ہے۔ ہر صورت میں یہ قیل و قال غیر عدالتی تھا کیونکہ فاضل حاکم نے بالآخر یہ فیصلہ فرمایا کہ ان جائدادوں میں سے جن کے لئے نالش کی گئی کوئی جائداد بھی موروثی نہ تھی۔

مدراس کے ایک مقدمہ مابعد میں بیٹے نے استقرار حق کی نالش کی۔ یہ کہ وہ ۴.۵۶
اس کل موروثی جائداد کے (منقولہ اور غیر منقولہ) وراثتاً پانے کا مستحق ہے جو باپ کے قبضے میں ہے۔ اتلاف جائداد کے لئے حکم امتناعی کی بھی درخواست کی گئی۔ تحت کی عدالتوں نے غیر منقولہ کی حد تک اس کے حق میں فیصلہ کیا۔ لیکن منقولہ جائداد کے متعلق نہیں۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ مدعی علیہ کو قطعی حق حاصل ہے کہ وہ اس کو جس طرح چاہے دیدے۔ ہائیکورٹ نے مقدمہ خارج کیا۔ یہ کہ مدعی کل جائداد میں حق کا ادعا کر رہا ہے۔ یہ حق اسے حاصل نہیں ہے۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ مراضہ صفحہ ۱۱ پسندیدہ الفاظ میں ذکر فرمایا لیکن اس وقت ان کی سماعت میں یہ مسئلہ تھا ہی نہیں۔ گبلن (Gibelin) بھی قانون مذکور کو عام طور پر بیان کرتے ہیں جلد ا صفحہ ۱۳۰۔ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۔ جلد ۱۱ شریعۃ ہند و لا صفحہ ۹ صفحہ ۲۲۶ صفحہ ۱۴۴۔ جلد ۸ ڈبلیو میاکنا ٹن صفحہ ۳۔

سلہ سدانند بنام بونومالی۔

سلہ نلا تبھی بنام کمندا ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۵۵۔ دیکھو تجویز چیف جسٹس ٹرنر ہم صفحہ ۴۷۔

سلہ دھرمیہ کہ باب ۲ دیکھو صفحہ ۲۵۵۔

انھوں نے اس امتیاز پر توجہ بھی نہیں کی جو بحث میں منقولہ اور غیر منقولہ میں پیدا کیا گیا تھا صرف یہ رائے زنی کی گئی کہ بہ حیثیت اس کے کہ وہ اکلوتا لڑکا ہے اسے غیر تقسیم شدہ جائداد کے ایک جزو میں مالکانہ حق اس وقت بھی ہے۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہذا اس غرض کے لئے نالش کہ موجودہ حق عودی قائم کر دیا جائے یعنی یہ کہ مدعی علیہ کی وفات پر کل جائداد میں بحیثیت وارث اس کا حق قائم ہو۔ اور ایسے حقوق کے استقرار کے لئے ڈگریاں بے بنیاد ہیں[1]۔ شمالی مغربی صوبوں میں امر زیر بحث کو "مضمون مباحث کثیرہ" کہا جاتا ہے۔ عدالت کے ملاحظے میں حل طلب سوال یہ تھا کہ آیا موروثی منقولہ بقیہ کی کفالت قائم ہو سکتی ہے۔ قرار دیا گیا کہ ہاں ان پر ایسی کفالت ہو سکتی ہے۔ ان کو لینے دینے کا باپ کو جو کچھ بھی اختیار ہو مگر ان پر وہ اس طرح ملکیت نہیں جتلا سکتا کہ ہندو وراثت کی معمولی کفالتوں اور بار سے وہ ملکیت آزاد رہ سکے[2]۔ پریوی کونسل کے ایک مقدمے میں یہ معلوم کرنا اہم ہو گیا کہ باپ کس حد تک اپنی زندگی میں جائداد کے منتقل کرنے کا مجاز و مختار ہے۔ اس سوال کو اہمیت اس لئے ہوئی تاکہ اس کے اختیار وصیت کا تعین ہو سکے جوڈیشل کمیٹی نے فرمایا کہ قانون متاکشرا کے مقدمات میں "وہ ہندو جسے اخلاف ذکور نہ ہوں بذریعۂ وصیت اپنی مکسوبہ ذاتی عام ازیکہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ منتقل اور دے سکتا ہے۔ اور یہ کہ اخلاف ذکور رکھنے والا بھی اسی طرح مکسوبہ ذاتی کو دے سکتا ہے اگر منقولہ ہو۔ شاید اس قید کے تابع کہ ان میں کے کسی ایک خلف کو کلیتہً وراثت سے محروم نہیں کر سکتا[3]۔" یہاں اشارۃً بھی یہ ظاہر نہیں کیا گیا ہے کہ اسے ایسی منقولہ پر بھی اختیار حاصل ہے
جو مکسوبہ ذاتی نہ ہو بلکہ موروثی۔ بالکل اسی کا ایک مقدمہ بصیغۂ مرافعہ پریوی کونسل میں آیا۔ یہ مقدمہ ۴۵۷
مدراس کا تھا۔ اس مقدمے میں وصیت کو منسوخ کرانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس وصیت نامے سے موصی نے اپنی جائداد تقریباً ۱۱ اپنے اکلوتے لڑکے کو دی بقیہ کے متعلق یہ وصیت کی کہ وہ اس کے تقسیم شدہ

---

[1] راجا جرلو بنام وینکٹ رانیام م ہائیکورٹ صفحہ ۶۰۔
[2] شب وائے بنام درگا پرشاد وسہ دیگر۔ ڈ جمبو سیتی صفحہ ۴۳۔
[3] ہیرپرتاپ بنام مہاراجہ راجندر ۱۲ امرا غوجات ہند مود صاحب ۳۸۰-۹ سدرلینڈ صفحہ ۱۵ بی سی۔

بھائی کو دی جائے۔ کل جائداد منقولہ تھی[1]۔ عدالت تحت نے یہ معلوم کیا کہ جائداد مکسوبہ ذاتی تھی۔ اور اسی وجہ سے وصیت نامے کو جائز قرار دیا گیا۔ جوڈیشل کمیٹی کے سامنے بصیغۂ مرافعہ کل استدلال کا مقصد یہ تھا کہ اس تجویز کو بیکار کر دیا جائے یا اس کی تائید ہو کسی عدالت میں مرافعہ علیہ نے مسئلہ ذیل پر بحث کی ہی نہیں۔ یہ کہ باپ کو جائداد زیر بحث پر قطعی اختیار حاصل تھا کہ وہ اسے ایک بیٹے کو دے دے کیونکہ وہ منقولہ تھی گو وہ موروثی ہو ایسا استدلال اگر مضبوط ہوتا تو مرافعے کی حجت کا پورا پورا جواب ہوتا۔ اس میں شک نہیں یہ صرف ایک منفی استنباط ہے۔ لیکن اس کونسل کے تجربے کا لحاظ کرتے ہوئے جو مرافعہ علیہ کی جانب سے حاضر تھا اس کو وقعت دینا چاہئے۔

یہی بات بمبئی کے ایک مقدمے میں جو کچھ کچھ مشابہ تھا پیدا کی گئی تھی اور اس کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ متاکشرا قانون کا ایک ہندو فوت ہوا۔ اس کے پاس موروثی منقولہ جائداد ایک کثیر مقدار میں تھی۔ اس کے دو لڑکے تھے جنھوں نے تقسیم نہیں کرائی تھی۔ بذریعۂ وصیت نامہ اس نے تقریباً کل جائداد ایک لڑکے کے حق میں ہبہ کر دی۔ متاکشرا اور میوکھ کے احکام پر نظر ثانی کی گئی ان عدالتی آراء پر بھی غور کیا گیا جو مارشل اور جلد ۱۲ مور مرافعہ جات ہند (دیکھو نوٹ نمبر ۵ اور ۱۰۔ سدانند کا مقدمہ اور مقدمۂ بیر پرتاب) میں ہیں۔ اور جن کا اقتباس قبل ازیں کیا گیا۔ اس کے بعد عدالت نے وصیت نامے کو منسوخ کیا۔ قرار دیا گیا کہ وہ نہ تو بطور ہبہ جائز ہو سکتی تھی اور نہ بطور تقسیم۔ چنانچہ یہ فرمایا گیا "یہ ناممکن ہے کہ خاندانی جائداد کے ایک معتد بہ حصے کی ہبہ کو ایک لڑکے کے حق میں جبکہ دوسرا محروم کیا جا رہا ہو ایسی ہبہ سمجھ کر قائم رکھا جائے جو احکام قانون کی مقرر کردہ ہو کیونکہ احکام شاستر جن کا ہم اقتباس کر رہے ہیں صاف صاف ایسی غیر مساویانہ تقسیم کو منع کرتے ہیں[2]۔ اسکے

[1] رپورٹ میں اس طرح ذکر نہیں ہے۔ غالباً اس لئے کہ اس مسئلے پر کوئی استدلال نہیں کیا گیا۔ لیکن واقعہ ویسا ہی تھا۔ کل جائداد سرکاری کاغذات پر مشتمل تھی بجز دو تین چھوٹے مکانات کے۔

[2] پایم ویلو بنام پایم سوریا ۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۰۹۔ ۱ مدراس صفحہ ۲۵۲

[3] لکشمن بنام رامچندرا بمبئی صفحہ ۵۶۱۔ جلد ۷ مرافعات ہند صفحہ ۱۸۱ میں تصدیق فرمائی گئی اس فیصلے

۴۵۰ یہ معنی ہوئے کہ عدالت نے سرتامس اسٹرینج کی رائے کو اختیار کیا۔ ان کی رائے یہ ہے کہ باپ کو موروثی منقولہ جائداد پر معاملات کرنے کا خاص اختیار حاصل ہے مگر صرف چند نہایت ہی خاص مقاصد کے لئے جن کی صراحت مٹاکشرا میں ہے۔ بجز اس کے کہ خاص احکام نے ان اغراض کی اجازت دی ہو ایسا ہنود باپ جس نے تقسیم نہ کرائی ہو موروثی جائداد کا ہبہ شخص اجنب کے حق میں کر نہیں سکتا عام اس سے کہ وہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ[۱]۔ الہ آباد میں یہی قرار دیا گیا ہے کہ ایسی ہبہ ناجائز ہے جو باپ نے ایک بیٹے کے حق میں کی ہو جو دوسرے کے لئے باعث نقصان ہو اور جس کی غرض وہ خاص غرض نہ ہو جس کی صراحت مٹاکشرا نے کی ہے[۲]۔ جب کبھی پھر یہ صورت پیدا ہو تو غالباً یہ بحث کرنی ہوگی کہ انتقال مابہ النزاع ان مقاصد میں آتا ہے[۳]۔ لیکن ان مقاصد کے موجود ہونے سے بھی مشترکہ خاندانی جائداد کے بالوصیت کی تائید نہیں ہو سکتی۔ اور ایسا انتقال لازماً ناجائز ہے کیونکہ موصی کے مرنے کے وقت سے بذریعۂ پسماندگی حق شرکائے محصلہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح لہذا کوئی چیز باقی ہی نہیں رہتی جس پر وصیت کا عمل ہو سکے[۴]۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کافی طور پر مدلل ہے۔ اصول قانون کا یہ عام مسلمہ ہے کہ جو کچھ بھی ایک شخص اپنے فعل سے اپنی زندگی میں دے سکتا ہو اسی کو وصیت سے بھی دے سکتا ہے۔ سہولت اس کی مقتضی معلوم ہوتی ہے کہ اصول مذکور کو ہندو قانون کے دائرے میں لانا بہتر ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نے تقریباً سابقہ فیصلے کو جو راپچند ر بنام مہادیو (جلد ا بمبئی ہائیکورٹ ضمیمہ ۶ ، ۷ ، اشاعت دوم ہیں ہوا تھا منسوخ کر دیا۔ چتر بھوج بنام دھرمسی۔ ۹ بمبئی صفحہ ۴۳۸۔ جگموہن داس منگلداس بنام سر منگلداس۔ ۱۰ بمبئی صفحہ ۵۲۸۔ رتنم ۱۶ مدراس صفحہ ۳۵۲۔

[۱] بابو بنام تما ۱۷ مدراس صفحہ ۲۵۷ اجلاس کامل۔

[۲] نندرام بنام منگل سن ۱۳ A صفحہ ۲۵۹۔

[۳] بجو بنام منکوری بائی ۲۹ بمبئی صفحہ ۵۱۔ ۳۱ بمبئی صفحہ ۲۷۳ میں پریوی کونسل نے اس کی تصدیق کی۔

[۴] لکشمن داوا نائک بنام رامچندر داوا نائک ۷ مرافعات ہند صفحہ ۱۸۱۔ پروتی بائی بنام بھاگونت وشوانا تھ پھاٹک ۲۹ بمبئی صفحہ ۳۹۲۔

**باپ کا اختیار اولاد کے حقوق کے باعث محدود ہوتا ہے**

**ف ٣٣٦** - تحت قانون متاکشرا باپ اور اس کے لڑکوں میں کوئی امتیاز نہیں بجز اس کے کہ لڑکے اس کے قرضوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں (فقرہ ٣٠٨) اور اس استثنا کی حد تک جو اوپر بیان کیا گیا[1] وہ محض شرکا ہوتے ہیں[2]۔ جب تک کہ وہ اس قابل ہے باپ خاندان کا بزرگ اور منتظم ہوتا ہے۔ وہ قانوناً مجاز ہوتا ہے کہ مشترکہ جائداد پر قابض رہے[3]۔ اندرون خاندان وہ معاملات خاندان کی رہنمائی کرتا ہے اور تمام دنیا کے سامنے اس کی نیابت کرتا ہے[4]۔ لیکن حقیقی ملکیت کے متعلق خاندان مشترکہ میں اس کی حیثیت خود اس کے بیٹوں کی حیثیت سے زیادہ ٤٥٩
نہیں ہوتی۔ اگر جائداد موروثی ہو تو ہر ایک کو پیدائش سے خود اس کے حق کے برابر حق حاصل ہوتا ہے۔ اگر جائداد مشترکہ محنت یا مشترکہ سرمایہ سے حاصل کی گئی ہو تو خود صورت واقعہ سے کل کے کل ایک ہی منزل پر ہوتے ہیں اور اسی طریقے سے اس کے پوتے اور پڑپوتے اپنی اپنی پیدائش پر علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے باپ کے حقوق کے لحاظ سے حق پاتے ہیں۔ وہ ان کی نیابت کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے بہنا کل جائداد کے غیر مشخص حصوں میں ان کی نیابت ہوتی ہے (فقرہ ٢٤١)۔ لہذا یہ قاعدہ قائم شدہ ہے کہ باپ اس طرح مشترکہ جائداد کو دے نہیں سکتا کہ اس کی اولاد پر مضر اثر پڑے۔ اگر وہ رضامندی دینے کے قابل ہوں تو ان کی رضامندی سے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ یا اگر کوئی مسلمہ ضرورت پیدا ہو۔ یا معاملے کو حق بجانب سمجھنے کے لئے کوئی مذہبی وجوب ہو۔ جب اس کے افعال پر اعتراض ہو تو قیاس بھی اس کے حق میں قائم نہیں ہوتا کہ وہ

[1] ساہورام مین بنام بپ سنگھ ۴ مرافعات ہند صفحہ ١٢٨۔
[2] سورج بنسی بنام شیوپرشاد ۶ مرافعہ ہند صفحہ ٨٨۔ پالنی ولیپا ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ٤١٢۔ رائے جرلو ۴ ایضاً صفحہ ٦١۔ شدالنگا ۲ مدراس صفحہ ٥٦۔ للتی کنور ۵ شمالی مغربی صفحہ ٢٦٩۔
[3] سبھا سکری کسوریلو ۳۱ مدراس صفحہ ٣١٨۔
[4] بالدیو بنام شام لال الہ آباد صفحہ ٧٧۔

معاملات ضروری تھے یا قابل پذیرائی[1]۔ اور اس سے ذرا بھی فرق نہیں ہوتا کہ آیا انتقال بحق شخص اجنبی ہے یا خود خاندان کے افراد میں سے ایک کے حق میں۔ آزمائش یہ ہے کہ آیا ان کے محصلہ حقوق میں دست اندازی ہوئی[2]۔ مثلاً جبکہ باپ نے زمین کا پٹہ خاندان کے دیوان کو اس کی وفادارانہ خدمات کے انعام میں دیا تو پٹہ منسوخ کیا گیا کیونکہ پٹہ لڑکوں کی نابالغی کے زمانے کا تھا اور لہٰذا لڑکوں کی رضامندی کے بغیر تھا[3]۔ اسی اصول پر تجویز ذیل کی گئی۔ یہ کہ متعدد شرکا میں سے کوئی ایک منع کرنے کا حق رکھتا ہے کہ مشترکہ جائداد میں اس طرح دست اندازی نہ کی جائے کہ اس کی قسم میں تغیر واقع ہو مثلاً اس پر کوئی عمارت بنا کر[4]۔ یا جس سے وہ بلا شرکت احد سے کسی ایک کے قبضے میں اس طرح آ جائے کہ دوسروں کے مشترکہ حقوق کا سدباب ہو[5]۔ بے شک وہ صورت کچھ اور ہوگی اگر معمولی انتظام کے سلسلے میں یہ کام ہوئے ہوں مثلاً عمارت کی زمین پر عمارت بنائی جائے یا ان مکانوں کو پٹہ پر دیا جائے جن سے منافع حاصل کرنا مقصود ہو۔ (ایک ہندو کو بہ حیثیت باپ ہونے کے بہ نسبت دیگر شرکا کے شراکتی جائداد پر خاص اختیارات انتقال حاصل ہیں۔ وہ موروثی منقولہ جائداد کا ہبہ کر سکتا ہے مگر "اغراض خیر" کے لئے۔ نیز اپنی زندگی میں نہ کہ بذریعہ وصیت۔ عالیہ عدالت مدراس نے[6] یہ قرار دیا ہے کہ موروثی غیر منقولہ جائداد کے ایک جزو

[1] گرو سامی بنام گنپا ۵ مدراس صفحہ ۳۳۰۔ سبرینیا بنام سدا شیوہ ۸ مدراس صفحہ ۷۵۔ چنیا بنام پیرومل ۱۳ مدراس صفحہ ۵۱۔

[2] تنام سنگھ بنام مسماۃ امراؤ جلد ۲ صدر دیوانی صفحہ ۵، صفحہ ۹۲۔ موتی لال بنام منتر جیت ۹ ایضاً صفحہ ۱، صفحہ ۸۲۔ راجہ رام تواری بنام لچھمن ۸ صدر لینڈ صفحہ ۱۵۔ گنگا بشیشر بنام پریتی ۲ الہ آباد صفحہ ۶۳۵۔ بالا بنام بالاجی ۲۲ بمبئی صفحہ ۸۲۵۔ رایا کمل ۱۴ مدراس صفحہ ۸۴۔

[3] پرتاب نرائن ۳ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۱۔ ۱۱ سدر لینڈ صفحہ ۲۴۳۔ متو مرن بنام لکشمی فیصلہ جات مدراس ۱۸۶۲ء صفحہ ۲۲۷۔

[4] جانکی بنام جکو۔ فیصلہ جات صدر دیوانی ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۷۱۔ اندر دیو نرائن بنام تلسی نرائن ایضاً ۱۸۵۷ء صفحہ ۷۶۵۔ گرو داس بنام بیجا جلد ۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۰۸۔ ۱۰ سدر لینڈ صفحہ ۱۷۱۔ اشیو پرشاد بنام لیلا ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۸۸۔ ۲۰ سدر لینڈ صفحہ ۱۶۰۔

[5] اسٹالکرٹ بنام گوپال ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۹۷۔ ۲۰ سدر لینڈ صفحہ ۱۶۸۔

[6] سندرامیا بنام ستما ۱۹۱۲ء ۱۰ لغا ٹر ہند صفحہ ۵۶ (۲۰۰ ایکڑ میں سے ۱۰ ایکڑ کا ہبہ بحال رکھا گیا دیکھو نوٹ نمبر ۹ مقدمہ رایا کمل۔

کا ہبہ باپ اپنی لڑکی کے حق میں بروقت ازدواج کرسکتا ہے یا بعد میں بھی۔ اس صوبے میں ایسے ہبہ کا رواج ہے۔ بمبئی میں اس کے خلاف فیصلہ فرمایا گیا۔[1] اجنبی کے حق میں ہبہ بھی ناجائز ہے۔ دیگر قابض ارکان کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس کی تنسیخ کے لئے نالش کریں۔[2] منقولہ موروثی کا بھی معقول حدود کے اندر باپ ہبہ کرسکتا ہے۔ مقدمہ اپن بترا ایش۔[3] عالیہ عدالت مدراس نے لڑکی یا دیگر اناث ارکان کے حق میں ہبہ یا وصیت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ لڑکوں سے رضامندی لی گئی ہو۔ مگر اس فیصلے کی صحت پر اسی عدالت میں بمقدمہ سبرامی بنام راما سنہ ۱۹۲۰ء ۵۹ نظائر ہند صفحہ ۱۹۸۱ اعتراض کیا گیا۔ ہاں اگر اپنی زندگی میں وہ ہبہ کیا ہو تو جائز ہے]۔

۲۶۰ **جائداد حین حیاتی** ف ۳۳۷۔ بعض صورتوں میں قابض کی حقیقت محصلہ تو ہوتی ہے مگر صرف حین حیات کے لئے۔ یا چال چلن اچھا رہنے تک۔ یا بطور معاوضۂ خدمات جو وقتاً فوقتاً حکومت کے لئے۔ یا دیہ کے لئے۔ یا ماثل چیزوں کے لئے انجام دیے جانے والے ہوں۔ مثلاً بنگال میں گھاٹ والی اسامیت کے سلسلے میں قبضۂ اراضی۔ یا بمبئی میں وطن داری۔ یا مدراس میں کرنام۔ خود نوعیت اسامیت سے ظاہر ہے کہ اسے قابض منتقل نہیں کرسکتا اور نہ اس کے خلاف ڈگری کی تعمیل میں اسے قرق کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کی وفات پر وہ اس کے وارث کو مل جائے تو یہ وراثت نہیں سمجھی جاتی بلکہ جانشینی۔ اسی وجہ سے مثل اثاثے کے ایسی جائداد قابض آخر کے دیون کی ادائی کی ذمہ دار نہیں ہے۔[4]

---

[1] جنیا مہادیو پا سنہ ۱۹۳۵ء ۵۹ بمبئی صفحہ ۹۵۴۔
[2] ریاضت علی بنام اقبال رانے سنہ ۱۹۳۵ء ۱۵۷ نظائر ہند صفحہ ۵۷ لاہور۔
[3] ۴۰ نظائر ہند صفحہ ۸۱۱ مدراس۔
[4] لچھمی سنگھ بنام کرنا تھ ۹ مرافعات ہند صفحہ ۱۰۴۔ جگ جیون داس بنام امداد ۲ بمبئی صفحہ ۲۱۱۔ انند و رائے بنام کالی پرشاد ۱۰ کلکتہ صفحہ ۷۷۶ چیدی پاپیا بنام رامیا ۴ مدراس صفحہ ۵۰ خدمات کی موقوفی کے نتیجے کے متعلق دیکھو رادھا بائی بنام اننت راؤ ۹ بمبئی صفحہ ۱۹۸۔ ایاجی بنام بابوجی بنام کیشو شام راؤ ۱۵ بمبئی صفحہ ۱۳

**ناقابل تقسیم جائداد کے قابض کے حقوق مثاکشرا میں**

ف ۳۲۸۔ ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں قانون مثاکشرا کے تحت اہتمام جائداد کیا جاتا ہے تا حال تک یہ طے شدہ رواج تھا کہ ناقابل تقسیم موروثی جائداد کا قابض خود اپنی زندگی سے باور اس طرح منتقل نہیں کرسکتا اور نہ اس پر کوئی بار عائد رکھ سکتا ہے کہ اس کے دیگر شرکاء پابند ہوں بجز ان مقاصد کے جو خاندان کے لئے فائدے کا باعث ہوں نہ کہ صرف خود اس کے لئے۔ اس کا قوی امکان ہے کہ اس قسم کا رواج قطع نظر قانون مثاکشرا یا کسی اور قانون کی مدد کے بغیر پیدا ہوا ہوگا۔ اس قسم کی جائدادوں کی نمایاں مثالیں حقوق شاہی کی نوعیت کی تھیں۔ اس کے مالک دیسی حکومت میں اپنے حسب منشاء بہت کچھ کیا کرتے تھے۔ اگر نظام جاگیری کے ایک مقتدر اعلیٰ نے کسی ایک رعایا کو اراضی عطا کی ہو تو غالباً اس کا جانشین اسے منسوخ کر دیتا تھا کیونکہ رعیت مذکور اتنی طاقتور نہیں ہوتی تھی کہ نقصان کا مقابلہ کرسکے تنسیخ کا سبب قانون کی نفاستوں کا اس دلحاظ نہیں ہوتا تھا بلکہ محض اس بنا پر کہ اغنیاء رعایا کو اختیار استرداد عطا سے زیادہ باوقعت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اکثر دیگر قبضے فوجی خدمات کے سبب دیے جاتے تھے۔ ایسی صورت میں بیشک ان اسامیوں میں سے کوئی ایک جو یکے بعد دیگرے قابض رہے ہوں اراضی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرسکتا تھا کہ آنے والا قابض اس ذریعے سے محروم ہو جائے جس سے وہ اپنے فرائض انجام دے سکتا تھا۔

۴۶۱ ان میں کے ایک مسئلہ کی ابتدا مسلمان حکام کے عمل سے ہوئی۔ مسلمان حکام کا یہ عمل تھا کہ وہ اپنے اضلاع عہدہ داران مال کے حوالے کرتے تھے کہ وہ ان کا انتظام

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اکھاڑ گیہو گھاٹ والی بر قبضہ زمیندار کے تحت ہوتا ہے نہ کہ حکومت کے تحت۔ یہ گھاٹوالی قطعاً قابل انتقال ہے۔ محض گھاٹوال کی مدت کے لئے نہیں ٹکیٹ کالی بنام اندر رائے ۱۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۸۔ ۵ اک صفحہ ۱۴۷۔ دیکھو آگے فقرات ۳۹۸ و ۴۰۱۔ اراضی متعلق بہ جہہ جیسا کہ کرنم کے متعلق دیکھو دینکٹ جگناوہ بنام ویرا بدریا ۴۴ مم صفحہ ۶۴۳ پی۔ سی۔

له بر سفورڈ بنام رام سبا ام صفحہ ۱۹۷۔

کریں۔ یہ لوگ رعیت سے سرکاری حصۂ فصل و پیداوار جمع کیا کرتے تھے اور خود کا حق السعی میں ایک قابل لحاظ حصہ رکھ لیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ مناصب تیس حباز ہوئے اور اس کے بعد قابل ارث۔ اور بالآخر ان صاحبان منصب کو ان اضلاع کا مالک سمجھا گیا جن کا نظم و نسق ان کے ذمے تھا یہاں بھی اختیار انتقال کی سختی جاری رہی گو عہدہ دار نے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو سربرآوردہ زمیندار بنالیا۔ یہ حدبندی اس وقت تک جبتک کہ قابض کو عہدہ دار سمجھا جارہا تھا بسلسلۂ عہدہ ایک معمولی چیز تھی۔ جب اس قسم کی اراضیات و جائداد یں برطانوی عدالتوں کے اختیار و قابو میں آئیں تو یہ لازم ہو گیا کہ اس حق کے استعمال کو قانونی بنیادوں کے تابع کیا جائے۔ سابقہ صدی کے ابتدائی حصے میں صدر عدالت مدراس کے فیصلے وقتاً فوقتاً مختلف ہوتے رہے۔ اختلاف اور تائید دونوں کے وجوہ ایک ہی نوع کے تھے۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ ان فیصلوں میں اصل نظریے کو برقرار رکھا گیا۔ بالآخر ہندوؤں کی حد تک متاکشرا کے عام اصولوں پر مسئلہ زیر بحث کا انحصار کیا گیا۔ قانون متاکشرا کے عام اصول سربرآوردہ خاندان کے ان معاملات میں قیود عائد کرتے ہیں جن کا تعلق مشترکہ جائداد سے ہو۔ اصول یہ قرار دیا گیا کہ اگر ناقابل تقسیم جائداد موروثی ہو تو وہ نہ صرف ہر آیندہ قابض کی جائداد ہوگی بلکہ اس کی اور ان کی جو قابل تقسیم جائداد میں اس کے شرکاء ہوتے ہوں۔ یہ سچ تھا کہ وہ نہ تو اصلی سرمایہ سے حصہ پانے کا ادعا کرسکتے تھے اور نہ سالانہ آمدنی سے۔ مگر یہ بحث پیش کی گئی کہ جانشینی میں ان کو حقیت محصلہ ہے اور اس حقیت کو موقتی قابض اپنے حسب منشا زائل نہیں کرسکتا لہٰذا یہ کیا گیا کہ ان متضاد اور مابہ النزاع حقوق میں تطابق پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر قابض کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ انتقال جائداد کرسکتا ہے مگر خود اپنی زندگی کی مدت کے لئے لیکن اس سے زیادہ کے لئے نہیں۔ بجز اس کے کہ غرض انتقال ضرورت خاندان ہو۔ اس نظریے کی تائید میں یہ بتلادیا گیا ہے کہ پریوی کونسل نے بارہا جبکہ جانشینی کے مسائل پیدا ہوئے موروثی ناقابل تقسیم جائداد کو مشترکہ جائداد تصور فرمایا۔ اور اغراض انتقال کے لئے بھی اس کو ایسا سمجھنا مساوی طور پر معقول اور درست ہوگا[1]۔ اس طریقے سے اس نظریے کو ۶۶۲

[1] صوبۂ مدراس کے مسلسل فیصلوں میں عمل مذکورالصدر قائم کردیا گیا ہے۔ جیں نے ان فیصلوں

رواج کی بنیادوں سے علٰحدہ کیا گیا اور قانون کے چند معین قضیوں پر ان کو حصر کیا گیا۔ فطری امر یہ تھا کہ اس پر حملہ کیا جائے۔

ضبطی کا اثر:۔

بنگال ہائیکورٹ کے ایک مقدمے میں چیف جسٹس کا وُچ نے اس نظریے پر اپنے فیصلے میں جو حملہ کیا وہ پہلا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک ناقابل تقسیم جائداد پر (جس کی وراثت حسب قانون جیٹھائی ہوتی ہے (Law of primogeniture) غدر کے زمانے میں ایک باغی قابض تھا۔ اس کو سزائے موت دی گئی اور اس کی جائداد تحت قانون نشان ۲۵ بابت ۱۸۵۷ء ضبط کر لی گئی۔ (دیسی فوج۔ غدر کے لئے ضبطی)۔ خاندان تابع قانون متاکشرا تھا۔ پسر باغی نے جائداد کا ادعا کیا۔ وجہ یہ بیان کی کہ اس کو اس جائداد میں پیدائش سے مشترکہ حقیت حاصل ہو چکی تھی اور یہ کہ ضبطی کا اطلاق صرف باپ کے حین حیاتی حق پر ہو سکتا ہے۔ اس حجت کو قابل پذیرائی نہ سمجھا گیا۔ چیف جسٹس نے فرمایا "وہ سوال زیر بحث کو اس طرح بدل دیا جا سکتا ہے۔ کیا قانون متاکشرا جس سے ہر لڑکے کو کجدی یا موروثی جائداد میں پیدائش سے ملکیت حاصل ہوتی ہے اس رواج کے کہ جائداد ناقابل تقسیم ہے اور بڑے لڑکے کو وراثۃً ملتی ہے موافق ہے ؟ پیدائشی ملکیت جائداد ہر لڑکے کو یہ حق دیتی ہے کہ باپ کو تقسیم پر مجبور کرے۔ یہ حق اس کے مغائر و تناقض ہے کہ جائداد ناقابل تقسیم ہے۔ باپ کے مرنے پر کل جائداد فرزند اکبر کو پہنچ جاتی ہے اور دوسروں کی پیدائشی ملکیت بے اثر۔ ایسی جائداد میں پیدائشی ملکیت ایک حق ہے جس سے چھوٹے لڑکے کبھی بھی استفادہ نہیں کر سکتے۔ نہ صرف یہ ضروری نہیں ہے کہ فرزند اکبر کے لئے جائداد محفوظ ہو بلکہ اگر چھوٹے لڑکوں کے لئے وہ اثر پذیر ہو تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کا اعادہ کرنا غیر ضروری سمجھا۔ اشاعت چہارم کے فقرات ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴ میں آپ انھیں دیکھ سکتے ہیں۔ اور ان میں کے اکثر پر فیصلۂ پریوی کونسل میں بحث کی گئی ہے (مقدمۂ تیاپو ۲۰ مرافعات ہند صفحہ ۹۱)۔ دیکھو فقرہ ۳۴۱۔ دیکھو جلد ۳ امور کے مرافعات ہند صفحہ ۵۰۰۔ ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۵۰ ۳ مقدمات مرافعہ صفحہ ۵۰۰۔ ۵ مقدمات مرافعہ صفحہ ۲۳۹۔ نظائر مرافعہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۵۰۰۔ ان فیصلوں کو بعد میں غلط قرار دیا گیا۔

اس کا امتناع لازم آئے گا۔ قانون مناکشرا کے اس جزو کو رواج کے مطابق نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہم یہ فیصلہ کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس جائداد پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔" سچ پوچھو تو مدعی کا دعوے یہ ہے کہ صرف فرزند اکبر اپنے باپ کے ساتھ مالک مشترک ہوتا ہے۔ قانون مناکشرا ایسا نہیں ہے یا تو کل لڑکے مالکان مشترک ہوتے ہیں یا کوئی بھی نہیں ہوتا۔ بڑے لڑکے کا صرف یہ حق ہے کہ اس کے باپ کے مرنے پر وہ وارث ہو۔[1]

**پرورشی عطیوں کے اثرات**

۴۶۲ ف ۳۳۹ ٹھکم راج موتو و موٹا ناگپور[2] کے مقدمے میں پھر وہی سوال پیدا ہوا۔ راجہ کے مرنے پر اس کے جانشین نے ان عطیوں کو منسوخ کرانا چاہا جو متوفی نے دیگر ارکان کی پرورش کے لئے دیے تھے۔ مناکشرا قانون کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ جہاں تک اس کا اطلاق مقدمۂ مذکور پر ہو سکتا تھا مقدمۂ بنگال قانون کا تابع تھا استدلال یہ تھا کہ جس عطیے سے اس قسم کا راج قائم کیا گیا خود اس کی نوعیت یہ بتلا رہی ہے کہ ہر مالک عطیہ کو صرف محدود حقوق دیے گئے۔" اس کے متعلق شہادت پیش نہیں کی گئی کہ اصلی اور ابتدائی عطیے سے کوئی خاص شرائط ملحق تھے۔ اور معلوم یہ ہوا کہ اس قسم کے انتقالات رواجاً اس خاندان میں ہوا کرتے تھے۔ عدالت نے دعوے کو یہ کہتے ہوئے نامنظور کیا :-

"جائداد ناقابل تقسیم ہے۔ یہ کہ اس وجہ سے وہ جائداد فرزند اکبر کو پہنچتی ہے اور بس۔ اس سے زیادہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کا ناقابل تقسیم ہونا اس طرح اثر پذیر ہو سکتا ہے کہ معمولی قانون میں اس سے زیادہ مداخلت کر سکے۔ معمولی قانون کے تحت اس کے حق انتقال پر صرف چند خاندانی رواج کے باعث حد بندی کی جا سکتی ہے۔ خاندانی رواج عام قانون کو اپنے قابو میں رکھتا ہے اور اس پر اسے ترجیح ہوتی ہے۔" قانون

---

[1] ٹھاکر کا پنا تہ بنام گورنمنٹ ۱۳ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۵۴۴ صفحہ ۵۸۴ صفحہ ۶۰۷۔ ۲۲ سد لینڈ صفحہ ۱۷۱ عدالت نے فی الواقعی یہ معلوم کیا کہ نالش پر میعاد عارض ہے۔

[2] ۱۹ اونیاد ب بنام جدب لال ۸ کلکتہ صفحہ ۱۳ صفحہ ۱۷ پر اس قانون کا ذکر ہے جس کا اطلاق خاندان پر ہو گا۔

بنگال میں بیشک ایسا ہی ہو سکے گا۔ مرافعے میں اس فیصلے کو مصدق کیا گیا۔ جوڈیشل کمیٹی نے خود اپنے سابقہ فیصلے کا حوالہ دیا۔ یہ فیصلہ پشیٹ راج کے مقدمے میں صادر کیا گیا۔ حوالہ دینے سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ کسی جائداد کے محض ناقابل تقسیم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناقابل انتقال بھی ہے۔ لیکن یہ کہ اس کا ناقابل انتقال ہونا خاندانی رواج پر منحصر ہوگا۔ اور خاندانی رواج کا ثابت کیا جانا ضروری ہے[1]۔ یہ مقدمہ بھی قانون بنگال کے تحت تھا۔

بعد کے ایک مقدمے میں مِتاکشرا خاندان کے متعدد ارکان میں نزاع پیدا ہوئی۔ یہ خاندان پجاریوں کا تھا۔ چھوٹا ناگپور کے راجہ نے خاندان مذکور کو ایک عطیہ دیا تھا اس عطیے کو عام طور سے پترو پترودک (Putro Putrodik) کہتے تھے۔ اسے قابل ارث عطیہ کہا جاتا تھا۔ ایسے عطیے میں مِتاکشرا خاندان کے کل ارکان حصہ پاتے تھے اور جو باپ سے بیٹے کو وراثتہً مثل دیگر موروثی جائداد پہنچتا تھا۔ ان میں کے ایک رکن نے یہ ادعا کیا کہ بعد کے آنے والے راجہ نے مشترکہ عطیے کو منسوخ کرکے کل جائداد اس رکن کو عطا کر دی تھی۔ ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ ایسا استرداد خلاف قانون تھا چیف جسٹس گرتھ نے فرمایا۔ "اس واقعے سے کہ راج ناقابل تقسیم ہے یہ امتناع لازم نہیں آتا قابض مہاراجہ زمین دوبارہ عطا نہیں کر سکتا[2]۔ یہاں بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ چھوٹا ناگپور کا راج کسی اور قانون کا تابع تھا مگر یہ کہ بنگال کا۔ مقدمۂ سابق میں جسٹس مثر کی رائے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع میں جو زیر بحث ہے اسی قانون کا اطلاق ہوگا[3]۔

[1] اودتیادب بنام جادوب لال ۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۴۸۔ انند لال بنام مہاراجہ دیہراکے گردو کا ذکر کیا گیا ۵ م در مرافعات ہند صفحہ ۸۲۔

[2] نرائن کھوٹیا بنام کلے ناتھہ ۵ ک صفحہ ۲۷۶۔

[3] ۵ ک صفحہ ۱۱۶ جس مقدمے پر آگے بحث کی گئی ہے اس میں معلوم ہوتا ہے کہ ۵ کلکتے کے مقدمے کے متعلق غلط فہمی ہوئی۔ سر رچرڈ کاوچ اسے خاندان مِتاکشرا کا مقدمہ کہتے ہیں گویا کہ وہ قانون مِتاکشرا کا تابع تھا ۱۵ مرافعات ہند صفحہ ۶۵) عطیے کا جواز اور اس کا اثر قانونی معلی کے قانون پر منحصر تھا۔ معطی لہم کے درمیان قانون مِتاکشرا کی حکومت ہوگی۔

**مقدمہ رانی سرتاج کنواری۔ جلد ۵ امرافعہ جات ہند صفحہ ۱۵۔ ۱۰ الہ آباد صفحہ ۲۷۲۔ ۱۸۸۸ء**

**ف ۳۴۰** ۱۸۸۸ء میں پھر بھی پریوی کونسل نے ایک مقدمے میں جو قانون متاکشرا کا تابع تھا فیصلہ صادر کیا۔ اس فیصلے نے گزشتہ کل فیصلوں کی اصل میں جڑیں پکڑیں۔ مہولی (جو شمالی۔ مغربی صوبوں میں واقع ہے) کے راجہ نے اپنی جائداد کے ستره نہایت ہی زرخیز گاؤں اپنی چھوٹی زوجہ کے حق میں دوا ما منتقل کر دیے۔ اس کے لڑکے نے استقرار کی نالش کی۔ یہ کہ ہندو قانون کے مطابق راجہ کو کوئی حق نہ تھا وہ کسی حالت میں بھی بجز اس کے کہ اپنے حین حیات قبضۂ جائداد سے مستفید ہو" اور اسے اختیار نہ تھا کہ اس جائداد کا کوئی جزو منتقل کرے۔ بیشک اس ادعا کے درست ہونے کے متعلق نہایت وسیع الفاظ میں اعتراف کیا گیا۔ مگر زیر بحث قضیے کو عدالت نے صحیح طور پر الفاظ ذیل میں بیان فرمایا:۔ "بہ الفاظ دیگر مدعی اس کا دعویدار ہے کہ اس کے مقدمے کا تصفیہ ہندو قانون کے ان اصولوں کے مطابق کیا جانا چاہئے جن سے مشترکہ خاندانوں اور ان کی جائداد کا فیصلہ کیا جاتا ہے بجز اس کے کہ اور بجز اس حد تک کہ نوعیت جائداد ان کے اطلاق کی اجازت نہ دے"۔ جوڈیشل کمیٹی کے سابقہ فیصلوں کی جانچ کرنے کے بعد عدالت نے فرمایا:۔ "اگر ہم نے یہ تجویز صحیح طور پر کی ہے کہ مہولی راج کی جائداد مشترکہ خاندان کی جائداد ہے تو پھر کوئی ایک رکن گو اس کی حیثیت باپ کی ہو یا کرتا کی اسے یا اس کے کسی جزو کو کل کی رضامندی کے بغیر منتقل نہیں کر سکتا ضروری اخراجات خاندان یا شدید اخراجات کے لئے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ہندو قانون کا بہرکیف یہی نظریہ ہے اور اس عدالت نے جہاں تک کہ ہم واقف ہیں اسے ہمیشہ سے فیصلوں کے طول وطویل سلسلوں میں اور مسلسل طور پر تسلیم کیا ہے۔ ان سے گریز کرتے ہیں تامل ہے"۔ جوڈیشل کمیٹی کے مرافعے میں ان فیصلوں کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا جو مدراس نے اس عنوان پر کئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان فیصلوں نے اس استدلال میں کوئی اضافہ نہیں کیا جس پہ الہ آباد ہائیکورٹ نے اعتماد و بھروسا کیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ فیصلے اہم تھے کیونکہ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس وسعت اور اصرار کے ساتھ ۴۶۵
ان فیصلوں کا سلسلہ جاری رہا جنھیں اب غلط قرار دیا گیا۔ یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ

جو ویتیل کمیٹی لوزیاں کے واقعہ کے متعلق توجہ دلائی گئی۔ یہ کہ مقدمۂ ضبطی (دیکھو فقرہ ۲۳۸ نوٹ ۶) کے سوا وہ کل نظائر جن پر اعتماد کرنا ظاہر ہے حقیقتًہ یا تو قانون بنگال سے متعلق تھے۔ یا مکسوبۂ ذاتی جائداد کے انتقالات سے۔ حکامان عالیمقام نے فرمایا۔ "بلحاظ جدی یا موروثی جائداد جو ملکیت تحت قانون متاکشرا پیدائش سے حاصل ہوتی ہے۔ حکامان عالیمقام کی رائے میں حق تقسیم سے اس طرح ملی ہوئی ہے کہ ملکیت ہوتی ہی نہیں جبکہ حق تقسیم موجود نہ ہو۔ جس طرح اس مقدمے میں بوگن (Babuana) وظیفہ کا حق ہے اسی طرح ہنسپور کے مقدمے میں[1] بھی وظیفہ مذکور کے پانے کا حق حاصل تھا مگر یہ نہیں خیال کیا گیا کہ اس سے حقیت مشترک پیدا ہوئی جس سے انتقال کا امتناع لازم آتا۔ رسم یا رواج سے فرزند اکبر باپ کی وفات پر کل جائداد کو پاتا ہے۔ جیسا کہ جائداد پر انفرادی قبضہ ہونے سے وہ اس جائداد کا وارث ہوتا ہے۔ اس طریقۂ جانشینی کو خاندان مشترکہ کے حقوق سے منطبق کرنا دشوار ہے۔ نیز یہ قرار دینا بھی مشکل ہے کہ ملکیت مشترکہ ہے جس سے انتقال ممنوع ہوجاتا ہے جبکہ قابض جائداد کو پتہ نہ ہو اور اس کا فیصلہ کرنا ضروری ہو کہ کون جانشین ہوگا تو دشواری ایسی نہ ہوگی۔" "جیسا کہ حکامان عالیمقام کی رائے ہے اگر فرزند اکبر جائداد میں باپ کا شریک حصہ دار نہ بنے اور وہاں قانون متاکشرا ابھی رائج ہو نیز صرف فرزند اکبر کے وارث ہونے کا رواج بھی ہو تو جائداد کا ناقابل انتقال ہونا رواج تعینہ پر منحصر ہوگا۔ چند خاص صورتوں میں نوعیت قبضہ واسامیت پر۔" "اگر ان واقعات کی شہادت نہ دی جائے جن سے انتقال کا عمل میں آنا اغلب ہوتا ہو تو شہادت انتقال کے عدم کو اس رواج کا ثبوت نہیں سمجھا جاسکتا کہ جائداد ناقابل انتقال ہے" (دیکھو۔ چندر بنام جگدیش چندر ۱۹۱۰ء ۲۰ نظائر ہند صفحہ ۵۹۹۔ راجہ جہادو سدن گشتا یاسی ۱۹۲۱ء ۱۲ نظائر ہند صفحہ ۶۲۴ جس میں گوپال پرشاد سے اختلاف کرتے ہوئے قرار دیا گیا کہ اوڑیسہ کا کلاجت محل جسے پاٹیا قلعہ کہتے تھے قابل انتقال ہے۔)

[1] ۱۲ مرافعہ مات مور صاحب صفحہ ۱۔ اس میں راج منتقل کنندہ کا مکسوبہ ذاتی تھا (صفحہ ۴۴) اور لہذا متاکشرا میں بھی اس کو پورا پورا اختیار حاصل تھا۔

**مدراس میں اتباع کیا گیا۔**

**ف ۱۴۳۳**۔ بیشک اس فیصلے کا اتباع ہائیکورٹ مدراس نے کیا مگر بادل ناخواستہ۔ شیوا گنگا کے زمیندار نے ۲۰ سال کے لئے ایک کان کا پٹہ دیا تھا۔ بیٹے نے مرحوم باپ کے عطا کردہ پٹے کی تنسیخ کے لئے نالش کی۔ ہائیکورٹ نے تجویز کی ”کہ معاملہ ایسا نہ تھا جیسے ہندو خاندان کا کرتا منعقد کر سکتا تھا کیونکہ خاندانی جائداد پر اس کے اختیارات ۶۶۴ محدود ہوتے ہیں اور ان کے استعمال میں اسے معمولی احتیاط اور عاقبت اندیشی کو کام میں لانا پڑتا ہے“ پریوی کونسل کے حالیہ فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا۔ ”یہ فیصلے اس اصول کے براہ راست مغائر ہیں جس پر اس صوبے میں زمیندار کے حق انتقال کے متعلق کل فیصلوں کا سلسلہ منحصر ہے۔ ہمیشہ سے یہ قرار دیا گیا ہے کہ ناقابل تقسیم زمینداری کے قابض کے افعال اور انتقالات منسوخ کئے جائیں گے اگر ان کا منشا یہ ہو کہ اس کی زندگی کے بعد بھی وہ نافذ رہیں اور اگر وہ نیک نیتی پر مبنی نہ ہوں نیز اگر خاندان کے لئے مضر ہوں“ تاہم جوڈیشل کمیٹی کی سند کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے انھوں نے ایک تنقیح کی ہدایت کی تحقیق کی جائے کہ آیا امتناع انتقال کے لئے کوئی خاندانی رواج پیش کیا جا سکتا ہے۔ بیشک کوئی ایسا رواج ثابت نہیں ہو سکا۔ اس لئے مدعی کا دعوے خارج کیا گیا[1] (الف)۔

مقدمۂ بیتا پور۔

وہی سوال دوسری شکل میں پیدا ہوا۔ بیتا پور کے راجہ نے ایک لڑکے کو متبنیٰ کیا۔ مگر شادی ہونے کے باوجود ایک عرصے تک لاولد رہنے کے بعد تبنیت کے سالہا سال بعد یہ اعلان کیا گیا کہ اس کی ایک زوجہ کو پتر پیدا ہوا۔ اس کے فوری بعد راجہ مر گیا مگر ایک وصیت نامہ چھوڑا اس وصیت نامے سے اس نے کل جائداد نابالغ پتر کے حق میں ہبہ کی اور یہ لکھا کہ یہ ہبہ متبنیٰ لڑکے کی پرورش کا تابع ہوگا۔ متبنیٰ نے نالش

[1] الف۔ بیر سفورڈ بنام رام سبا ۱۳ مدراس صفحہ ۱۹۔ روپ سنگھ بنام پربھو نرائن ۱۰ الہ آباد صفحہ ۷۳۵۔ دیکھو سوا سبرا منیا بنام کرشنا ال ۱۰ مدراس صفحہ ۲۸۷۔ اس میں رواج ثابت کیا گیا کہ جائداد منتقل نہیں کی جا سکتی۔ مالک پھر بھی قانونی ضرورت کے لئے منتقل کر سکتا ہے اگرچہ کہ اس کے خلاف رواج ثابت کیا جائے۔

کی۔ یہ کہ لڑکا فرضی تھا اور یہ کہ وصیت نامہ ناجائز۔ عدالت ابتدائی نے دونوں حجتوں کا تصفیہ بحق مدعی کیا۔ ہائیکورٹ نے بصیغۂ مرافعہ وصیت نامے کی تقویت پر بحق مدعی علیہ فیصلہ کیا مگر صحیح النسبی کے سوال کو چھیڑنے کے بغیر۔ انھوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پریوی کونسل نے بمقدمۂ سرتاج کنواری یہ تصفیہ کردیا ہے کہ راجہ اپنے اسٹیٹ کا کوئی جزو بھی اجنبی کو دے سکتا تھا اس فیصلے کی اتباع میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وصیت سے بھی وہ ایسا کرنے کا مجاز تھا لہذا مدعی کو کوئی حق نہیں ہے۔ وصیت نامے سے جو سوال پیدا ہوا تھا اس کا اندراج ہم نے اس کے مناسب مقام (ف ۱۱۲) میں کیا ہے۔

پریوی کونسل کے مرافعے میں یہ ناممکن تھا کہ خود اس کے فیصلے کے خلاف حجت کی جائے۔ مگر یہ استدلال کیا گیا کہ فیصلوں کے ایک سلسلے نے (جو تقریباً پچھتر سال سے ہوتے آرہے ہیں گو وہ بفرض محال سب کے سب غلط ہوں) اس اصول کے تحت کہ غلطی عام قانون ہوجاتی ہے (Communis error facit Legem) ایک نئی صورت حال پیدا کردی ہے۔ یہ کہ اس اصول میں پریوی کونسل مداخلت نہیں کریگی۔ ذیل کا استدلال مزید پیش کیا گیا۔ یہ کہ فیصلوں میں خود ایک رواج کی شہادت موجود ہے کہ ناقابل انتقال جائداد کے قابض کے لئے امتناع انتقال لازم آتا ہے۔ بحث یہ کی گئی کہ اس رواج کا الحاق ہر اس قسم کی جائداد سے ہونا چاہئے۔ اس طرح لہذا رواج اس استثنا میں خود بخود آجاتا ہے جو جوڈیشل کمیٹی نے بمقدمۂ سرتاج کنواری بیان فرمایا۔ ان دونوں مباحث کو نامنظور فرمایا گیا۔ مقدم الذکر کے متعلق کمیٹی نے یہ فرمایا کہ مدراس کے مسلسل فیصلے وقتاً فوقتاً مختلف ہوتے رہے ہیں۔ وجوہ اختلاف وہی ہیں جن پر کہ وہ مبنی تھے۔ اور لہذا "ان کی رائے یہ ہے کہ اس مقدمے میں انھیں نظریۂ ذیل کا اطلاق نہ کرنا چاہئے۔ یہ کہ جب فیصلوں کا ایک طویل سلسلہ ہو تو انھیں منسوخ نہ کرنا چاہئے اور اس طرح قانون کو نہ بدلنا چاہئے۔" دوسری بحث کے متعلق کمیٹی نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ یہ صورت قدیم اور ایسے مسلسل رواج کی نہ تھی جس سے عمومی قانون میں ترمیم واقع ہوسکے۔ "اس رواج نے جس پر اعتماد کیا جارہا ہے قانون کی ترمیم ۴۶۷

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ گوپال پرشاد بنام رگھوناتھ ۳۲ کلکتہ صفحہ ۱۵۸۔

نہیں کی۔ قانون سے ہٹ کر اس کو کوئی قوت حاصل نہ تھی۔ انتقال جائداد کے خلاف کسی ایسے رواج یا رسم کا یہاں ثبوت نہیں ہے جسے ہندوستان کی عدالتوں کو مثل قوت قانون کے تسلیم کرنا ہی چاہیے۔[1]" اب یہ امر طے شدہ ہے کہ ناقابل تقسیم زمینداری کسی طرح بھی خاندان مشترکہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ ہندو قانون کا کوئی ایک قاعدہ جس کا اطلاق خاندان مشترکہ پر ہوتا ہو صرف رواجاً زمینداری سے متعلق کیا جاسکتا ہے۔ رواج بھی ایسا ہونا چاہیے جسے عدالتی فیصلوں نے تسلیم کیا ہو۔ یا اس خاص زمینداری کے متعلق اس رواج کو شہادت سے ثابت کیا گیا ہو۔[2] کیا بعض ناقابل تقسیم راج کے خاندان کے چھوٹے رکن کی حقیت محض امکان وراثت ہے۔[3] [ وینکٹ سوریا کے مقدمے میں جو تجویز بہ تعلق متبنیت کی گئی وہ بھی ذہن نشین ہے تبنیت سے اختیار ہبہ یا اختیار وصیت زائل نہیں ہوتا۔ متبنیٰ گیرندہ معناً یہ معاہدہ نہیں کرتا کہ وہ اپنی جائداد کا ہبہ نہ کرے گا یا وصیت سے نہ دے گا]۔

## حق اعتراض۔ پیدائش سے مرافق کا حاصل ہونا۔

**ف ۳۴۲**۔ باپ کے انتقالات پر بیشک صرف وہ معترض ہوسکتا ہے جس کو اس جائداد میں اس کے ساتھ حقیت ۴۶۸

[1] وینکٹ سوریا مہاپتی رام کرشنا راؤ بنام کورٹ آف وارڈس ۲۶ مرافعات ہند صفحہ ۸۳۔ ۲۲ مدراس صفحہ ۳۸۳ ۲۰ مدراس صفحہ ۱۶۷ کی تصدیق کرتے ہوئے۔ مدراس میں ان فیصلوں کے متعلق بے اطمینانی ظاہر کی گئی۔ چنانچہ مقامی مجلس وضع قوانین نے مداخلت کی اور اس صوبے کی حد تک عملاً انھیں منسوخ کردیا (مدراس ایکٹ ۲ سنہ ۱۹۰۲ء۔ ایکٹ ۱ سنہ ۱۹۰۳ء۔ ایکٹ ۲ سنہ ۱۹۰۴ء)۔ قطع نظر قانون سازی کے الہ آباد اور مدراس کی تجاویز وفیصلوں کا اثر (ان معاملات کے متعلق جو مذکورالصدر قوانین کے صادر ہونے سے قبل کئے گئے ہوں) جوڈیشل کمیٹی کے فیصلے سے بہت کچھ گھٹ گیا ہے۔ مقدمۂ عبدالعزیز خاں بنام اپا سامی نائیکر ۳۱ مرافعات ہند صفحہ ۱۔ ۲۷ مدراس صفحہ ۱۳۱۔ لیکن دیکھو اوا تیا نائیکر بنام سوروگیا پتھیر ۲۶ مدراس صفحہ ۳۲۵ [نیز دیکھئے پرتاب چندر سنہ ۱۹۲۷ء ۱۰۲ انظائر ہند صفحہ ۵۹۹۔ و ۱۲۱ نظائر ہند صفحہ ۴۲ سنہ ۱۹۲۸ء]۔

[2] رام راؤ بنام راجہ آف پتاپور ۴۵ مرافعات ہند صفحہ ۱۴۸۔ ۴۱ مدراس صفحہ ۷۷۸۔ اس مفروضۂ قانونی کا کہ ایسی جائداد مشترکہ خاندان کی جائداد ہے جانشینی کا تعین کرنے کیلئے تسلیم کیا گیا ہے دیکھو فقرہ ۵۴۶۔

[3] للتی شور بنام رامی شور ۳۶ کلکتہ صفحہ ۴۸۱۔

شترک حاصل ہو۔ یا تو مشترکہ حصول کے باعث۔ یا بہ سبب پیدائش)۔ جب اعتراض کی بنیاد پیدائش ہو تو یہ بتلانا ضروری ہے کہ بروقت پیدائش حق مذکور اعتراض کنندہ کو حاصل ہو چکا تھا۔ یا اس کی پیدائش سے۔ لہذا بیٹا ان انتقالات پر اعتراض نہیں کر سکتا جو باپ نے بطور جائز اس کے پیدا ہونے سے قبل کئے ہوں۔ کیونکہ صرف پیدائش ہی سے وہ اس جائداد میں حق حاصل کر سکتا ہے جو اس وقت اس کے مورث کے پاس تھی[۱]۔ بنا برآں اگر انتقال کے وقت کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جس کی رضامندی ضروری تھی[۲]۔ یا اگر اس وقت کے موجودہ اشخاص نے رضامندی دی تھی تو پھر بیٹا بعد میں اس بنا پر اعتراض نہیں کر سکتا کہ اس معاملے کے لئے ضرورت نہ تھی[۳]۔ مقدمۂ ذیل میں باپ نے ایسی خاندانی زمین کے بیع کا معاہدہ کیا جس پر وہ قابض نہ تھا۔ یہ کہ جو نہی قبضہ حاصل ہو جائے معاہدے کی تعمیل کی جائے گی۔ معاہدہ مذکور کے بعد مگر قبضے سے پہلے اسے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ قرار دیا گیا کہ تعمیل مختص کی ڈگری کا بیٹا پابند نہیں ہے کیونکہ اسے فریق نالش نہیں بنایا گیا تھا۔ عدالت نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ اگر بعد معاہدۂ بیع مگر واقعی طور پر انتقال عمل میں آنے سے پہلے لڑکا پیدا ہوا ہوتا تو یہی فیصلہ اس صورت میں بھی مناسب ہوتا[۴]۔ برخلاف اس کے اگر باپ

---

۱ چھٹن لال بنام کالو ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد صفحہ ۲۸۳۔ بھولا ناتھ بنام کاریک ۳۴ کلکتہ صفحہ ۳۰۲۔ سورج پرشاد بنام گلزار لال ۱۹۲۲ء ۹ نظائر ہند صفحہ ۱۳۰ محض یہ حق کہ فریب کے لئے نالش کر سکتا ہے۔ یا محض یہ حق کہ عطیے کے اضافے کے لئے گورنمنٹ میں درخواست کی جا سکتی ہے۔ ایسا حق نہیں ہے جو پیدائش سے متعلق ہو۔

۲ چودھری اجاگر بنام چودھری چم ۸ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹۰۔ ۴ الہ آباد صفحہ ۱۲۰۔

۳ نارائن داس بنام ہردیال ۳۵ الہ آباد صفحہ ۱۰۵۔ بشوا ناتھ پرشاد ساہو بنام گنگا دھر پرشاد ساہو ۱۹۲۱ء ۳۳ نظائر ہند صفحہ ۲۰۷۔ ۲ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۱۶۸۔

۴ جادو بنام مسماۃ رانی ۵ شمالی مغربی صوبہ صفحہ ۱۱۳۔ راجہ رام تواری بنام لچھمن ۸ سدرلینڈ صفحہ ۱۶ صفحہ ۱۰۔ گردھری لال بنام کنتو لال ۱ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۲۱۔ ۱۵ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۸۰۔ ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۵۶۔ موہن لال بنام پرشادی لال ۱۹۲۳ء ۷۴ نظائر ہند صفحہ ۹۹۹۔ جتندرا بنام سکھ دیو ۱۹۲۹ء ۱۱۵ نظائر ہند صفحہ ۸۶۔ ۸ لال بہادر بنام اسیکا پرشاد ۱۹۲۵ء ۹۱ نظائر ہند صفحہ ۷۱۴۔

۵ پورنم بالا بنام سندر پا ایر ۲۰ مدراس صفحہ ۳۵۴۔

نے بلا ضرورت جائداد منتقل کی ہو اور ان لڑکوں کی رضامندی کے بغیر جو اس وقت زندہ تھے تو ایسا انتقال ان کے مقابلے میں ناجائز ہوگا اور ایسے لڑکے کے مقابلے میں بھی جو معاملے کی توثیق سے پہلے پیدا ہوا ہو۔ اس کی پیدائش کے بعد اگر رضامندی دی گئی ہو تو ایسی رضامندی کا وہ پابند نہ ہوگا[1]۔ اس چیز کی وجہ بلاشبہ یہ نہیں ہے کہ بر وقت انتقال جائداد خاندانی جائداد میں غیر پیدا شدہ بیٹے کو کوئی حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس کے پیدا ہونے پر اسے خاندانی جائداد میں اس وقت کی حالت کے لحاظ سے حصہ ملتا ہے۔ اگر خاندانی جائداد کے کسی جزو کے انتقال سابقہ کو اس وقت کے ارکان کی رضامندی نے جائز کر دیا تھا۔ یا وہ اس وجہ
۶۶۹ سے جائز تھا کہ انھوں نے وقت پر اس کی تنسیخ نہیں کرائی تو اس کی ملکیت جائداد (جس میں اسے پیدائش کے وقت حصہ ملتا ہے) اس طرح منتقل کئے ہوئے حصے کی حد تک کم ہو جائے گی۔ اگر انتقال ناجائز تھا تو اسے کل جائداد میں بشمول اس کے جس کو منتقل کرنے کا ادعا کیا گیا تھا حصہ ملتا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ اس کے حقوق پر حملہ کیا گیا تھا (اس کو اس وقت کوئی حق تھا ہی نہیں) بلکہ اس لئے کہ وہ فعل خود برا تھا اور اس سے مشترکہ خاندانی جائداد میں کسی قسم کی کمی ہوئی ہی نہیں[2]۔

ایک مقدمے میں پنڈتوں نے صدر عدالت کو یہ مشورہ دیا کہ لڑکوں کے حقوق کا قاعدہ اس قدر وسیع ہے کہ کسی کو "یہ اختیار حاصل نہیں کہ جب تک اس میں بچہ پیدا کرانے کی قابلیت باقی ہے وہ اپنی کل جائداد دے دلا دے۔ یہ کہ اس کا ایک چھوٹا جزو وہ منتقل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس عمل سے اس کے اس وقت کے بچے۔ یا جو بچے پیدا ہو سکتے ہوں۔ پرورش کے ذرائع سے محروم نہ ہوتے ہوں[3]"۔ بظاہر اس فیصلے کی بنیاد وہ اس کا متن ہے جس کا ذکر متاکشرا میں کیا گیا ہے (باب اول افقرہ ۲۷) " وہ جو پیدا ہو چکے ہیں۔ اور وہ جو ابھی پیدا نہ کرائے گئے ہوں۔"

---

[1] ہردو دت بنام بیر نرائن ۱۱ سدر لینڈ صفحہ ۲۸۰۔ تلسی رام بنام بابو ۳۳ الہ آباد صفحہ ۶۵۴۔

[2] لچھمن نرائن پرشاد بنام کشن کشور چند ۱۹۱۶ء ۳۸ الہ آباد صفحہ ۱۲۶۔ ۳۳ نظائر ہند صفحہ ۵۱۳۔

[3] سبا پتی بنام جگا نہا مدراس کے فیصلے بابت ۱۸۵۱ء صفحہ ۳۔

اور وہ جو ہنوز رحم مادر میں ہوں پرورش کے ذرائع چاہتے ہیں لہذا نہ توہبہ کیا جانا چاہئے اور نہ بیع [1]۔ لیکن اس حکم کو ہائیکورٹ مدراس نے ان بچوں کی حد تک جو ابھی پیدا نہ کرائے گئے ہوں محض ایک اخلاقی ہدایت تصور فرمایا اور تجویز فرمائی گئی۔ یہ کہ غیر پیدا شدہ بچے کے حقوق کا تعلق صرف اس لڑکے سے ہے جو معاملۂ زیر بحث کے وقت رحم مادر میں تھا[2]۔ یہ مسئلہ کہ آیا اس انتقال بالمعاوضہ کو ایک لڑکا جو اس وقت رحم مادر میں تھا بیکار کر سکتا ہے جیسا کہ وہ عطیہ یا ہبہ بالوصیت کو کر سکتا ہے ایک ایسا مسئلہ تھا جس کا تصفیہ بالآخر لڑکے کے حق میں کیا گیا گو ایک عرصے تک اس مسئلے کی یکسوئی نہیں ہوئی تھی[3]۔

## متبنیٰ لڑکا انتقال جائداد تبنیت کا اختیار دینے کے بعد ۴۷۰

ف ۴۴۳۔ متبنیٰ لڑکے کی حیثیت بالکل وہی ہے جو ایک صلبی لڑکے کی ہوتی ہے۔ اس کو بھی باپ کے انتقالات پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔ دو مقدمات میں پنڈتوں نے ویاس کے مذکورالصدر حکم پر بھروسا کیا ہے یہ کہ حکم مذکور سے وہ لڑکا سبھی انتقالات کو منسوخ کرا سکتا ہے جو باپ کے عطا کردہ اختیار کے سبب تبنی کیا گیا ہو۔ اگر باپ نے تبنیت سے قبل مگر اختیار دینے کے بعد جائداد منتقل کی ہو تو مذکورالصدر لڑکا ایسے انتقال کو منسوخ کرا سکتا ہے۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ اجازت تبنیت جو بیوہ کے قبضے میں ہو مثل استقرار حمل کے ہے[4]۔ لیکن اس اصول کو اب ہم منسوخ

---

[1] یعنی وہ بچہ جو بوقت معاملہ رحم مادر میں نہ تھا اس کو حقوق مذکور حاصل نہیں ہوتے۔ یکیا سیان بنام اگنوارین ۴ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۰۷ دیکھو پارلیشٹ جلد ۱ مرافعات ہند صفحہ ۱۵۹ اس مقدمے میں پریوی کونسل نے امر زیر بحث پر کچھ کہنے سے انکار کیا اور مقدمۂ ذیل میں پریوی کونسل نے احکام مذکور کو اس انتقال کے خلاف متعلق کرنے سے انکار کیا جبکہ غیر پیدا شدہ بچے انتقال پر معترض ہوں۔ بلونت سنگھ بنام رانی کستوری ۲۵ مرافعات ہند صفحہ ۵۴ صفحہ ۶۸۔ ۲۰ الہ آباد صفحہ ۲۶۷ صفحہ ۲۸۵۔

[2] مناکشی بنام ویرپا ۸ مدراس صفحہ ۸۹۔ سباپتی بنام سوما سندرم ۱۶ مدراس صفحہ ۷۶۔ دلیپ نرائن سنگھ بنام گنگا سنگھ ۳۷ الہ آباد صفحہ ۱۶۲۔ سری دتلا وینکٹ سباراجو گرو بنام کستھم بنام وینکٹرا ایلو ۷۵ مدراس لا جرنل صفحہ ۵۸۰۔

[3] رام کرتن بنام سمٹاوستری متی ۳ صدر دیوانی صفحہ ۳۶۷۔ ناگا کچھمی بنام گوپو ۶ مرافعہ جات مور

سمجھ سکتے ہیں[۱]۔ اور اس میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا کہ متبنیٰ لڑکے کی حقیت پہلی مرتبہ تبنیت پر پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ کہ بعد تبنیت وہ کسی ایسے معاملے کو منسوخ نہیں کرا سکتا جو بر وقت وقوع جائز تھا۔ کم از کم اور بہر کیف متبنیٰ گیرندہ باپ کے خلاف تو وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا[۲]۔ بہ الفاظ دیگر مقدمہ سدانند و نیز مقدمہ رام بھٹ میں جن کا ذکر نوٹ ۱۱-۱۲ میں ہے یہ تجویز کی گئی کہ جو انتقال جائز تھا وہ بعد کی تبنیت سے قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔

**جائداد جو موروثی نہ ہو بلکہ علیحدہ ہو مکسوبات ذاتی۔ غیر منقولہ جائداد جو خود کی حاصل کردہ ہو**

**ف ۳۴۴**۔ بیشک وہ باپ جو اپنے لڑکوں سے علیحدہ ہو گیا ہو (تقسیم کرا کے) اپنے حسب منشا نہ صرف خود کا حصہ دے سکتا ہے بلکہ وہ کل جائداد بھی جو اس نے تقسیم کے بعد حاصل کی ہو۔ کیونکہ تا بہ حد مقدم الذکر لڑکوں نے ان حقوق کو چھوڑ دیا جو پیدائش سے حاصل کئے گئے تھے۔ اور موخر الذکر کے متعلق انھیں ہرگز ہرگز ایسے حقوق حاصل نہ تھے[۳]۔ ہو سکتا ہے کہ ہر شخص بادی النظر میں یہ تصور کرے کہ مکسوبۂ ذاتی کے لئے بھی اسی قاعدے کا اطلاق ہو سکے گا اور انھی وجوہ پر مکسوبۂ ذاتی کو جیسا کہ خود الفاظ سے واضح ہے شریک ورثا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا[۴]۔ اور ایک عبارت میں وجنانیشور صراحتاً بیان کرتا ہے کہ وہ بیٹے کو سکوت اختیار کرنا چاہئے اگر باپ نے خود اس کی ذاتی طور پر حاصل کی ہوئی جائداد دیدی ہو[۵]۔ اس سے پہلے کی عبارت میں تاہم وہ کہتا ہے کہ باپ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ صفحہ ۳۲۰۔ اور عدالتی دریا بنام کماری فیصلہ مدراس بابت ۱۸۵۵ء صفحہ ۱۱۷۔

[۱] دیکھو اس سے قبل کے فقرات ۱۹۷ و ۱۹۸۔

[۲] سدانند بنام سورج منی ۱۱ سدر لنیڈ صفحہ ۳۴۔ رام بھٹ بنام لکشمن ۵ بمبئی صفحہ ۶۳۰۔

[۳] نارد باب ۱۳ فقرہ ۴۴ ودادیچنتا منی صفحہ ۳۱۴۔ متاکشرا۔ جوائو بنام جاکی فیصلہ جات مدراس ۱۸۶۲ء صفحہ ۱۔ سابقہ قانون کے متعلق دیکھو فقرہ ۲۳۶۔

[۴] متاکشرا۔ ۱ باب ۴ فقرات ۱ و ۲۔

[۵] متاکشرا۔ باب ۵ صفحہ ۱۰۔

"جائداد غیر منقولہ کی بابت عام اس سے کہ خودکی حاصل کی ہوئی ہو یا اس کے باپ یا دیگر
پیش رو سے وراثتاً ملی ہو اپنے لڑکوں وغیرہ کے قابو واختیار میں ہے۔"[۱] اس کی سند
میں وہ اس کا متن مذکورالصدر کو پیش کرتا ہے۔ اسی وجہ سے فیصلوں میں نزاع پیدا ۱۷۴
ہوئی کہ آیا غیر منقولہ مکسوبۂ ذاتی باپ کے قطعی اختیار میں ہے یا نہیں۔

مدراس میں یہ قرار دیا گیا کہ وہ پورے پورے اختیار میں نہیں ہے۔ مسٹر
کولبروک اور سرٹامس اسٹرینج نے اس رائے سے اتفاق فرمایا۔ بقدمہ ادھاسکہ بنام
بدری (جلد اصوبۂ شمالی مغربی صفحہ ۱۵۳) ہائیکورٹ صوبجات شمالی مغربی نے بھی اسی
طرح فیصلہ فرمایا۔ ۱۸۷۵ء میں عدالت پانڈیچری نے بلا کسی قید کے ذیل کا قاعدہ
قانون قرار دیا یہ کہ باپ اپنے حسب منشا اپنی کل جائداد مکسوبۂ ذاتی منقولہ یا غیر منقولہ
قطعاً تصرف میں لانے کا مجاز ہے اگرچہ کہ یہ تصرف اس کے بچوں کے خلاف ہو۔
بعدازاں فرانسیسی عدالتوں نے ان قواعد کو پسند کیا اور انھیں اختیار کرلیا جن
سے باپ منع کیا گیا ہے کہ وہ بالکلیہ اپنے بچوں کو وراثت سے محروم نہ کرے۔ یا منع
کیا گیا ہے کہ ان کے مابین غیر مساوی طریقے سے تقسیم نہ کرے۔ اس کے بعد انھوں
نے اس کی جائداد کی اس کسر کے مقرر کرنے کی کوشش کی جس کو وہ دے سکتا
تھا اور جو اس طرح قاعدۂ مذکور کے اطلاق سے خارج تھی۔ بغیر کسی اصول کے مقرر
کرکے اسے ختم کیا۔ بقیہ کے خلاف اس کے خاندانی حقوق پر دسترس دیا گیا۔[۲]
برخلاف اس کے باپ کے اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ڈبلیو میکناٹن کہتے
ہیں "غیر منقولہ جائداد کی حد تک جو قابض سے حاصل یا واپس لی گئی ہو اس کو ہر قسم
کے انتقال یا تقسیم کرنے کی جو وہ مناسب سمجھے آزادی حاصل ہے۔ صرف روحانی

---

۱؎ متاکشرا باب ۵ نمبر ۱۰، ۲۔ اس کے پہلے کا فقرہ ۳۴۲۔ قدیم قانون پر فقرات ۲۵۱۔
۲۵۸ میں بحث کی گئی ہے۔

۲؎ جلد ادھرم شاستر مولفۂ اسٹرینج صفحہ ۲۱۔ جلد ۲ صفحات ۴۳۶، ۴۱۴۔ بہ یتو مارن بنام لکشمی مدراس
کے فیصلے بابت ۱۸۵۶ء صفحہ ۲۲۷۔ کملا بنام گنگا دھر ایضاً ۱۸۶۲ء صفحہ ۱۳۔ دیکھو میناشی بنام چتمبرا ایضاً
۱۸۵۹ء صفحہ ۱۷۔ عدالتی۔ تارا چند بنام ریب رام ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۵۵۔

۳؎ سرگی صاحب کا ہندو قانون صفحہ ۱۹۲، ۱۹۹۔

ذمہ واری کا تابع ہے[1]۔ بنگال ہائیکورٹ نے کل دیسی کتابوں کی پوری جانچ کرنے کے بعد اسی کو صراحتہً قانون قرار دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ "متاکشرا کی عبارتوں میں جو نزاع بظاہر موجود ہے اس میں مطابقت پیدا ہو جائے گی اگر باپ کی کسوبۂ ذاتی جائداد میں بیٹوں کے حقوق کو ناقص حق جس کی تعمیل نہیں ہو سکتی تصور کیا جائے[2]"۔ وداوچنتامنی جو متھلا میں نہایت مستند ہے مگر حقیقتہً وہ خود متاکشرا کے لب لباب سے کچھ ہی بڑھ کر ہے بلا کسی استثنا کے یہ کہتا ہے کہ باپ اپنی کسوبۂ ذاتی جائداد کو اپنے حسب دلخواہ دے ۲۷۴
سکتا ہے۔ پریوی کونسل نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے کہ اس ضلع کے لئے یہی قانون ہے اور جب صوبجات شمالی مغربی کی صدر عدالت سے ایک مقدمے کا مرافعہ کیا گیا تو اس میں یہی فرض کیا گیا تھا کہ قانون یہی ہے[3]۔ بمبئی۔ الہ آباد اور مدراس کی عالیہ عدالتوں نے بھی یہی قاعدہ قرار دیا ہے[4]۔ بالآخر بصیغۂ مرافعہ الہ آباد ہائیکورٹ سے راست فیصلے کے لئے مقدمہ پیش ہوا اور جوڈیشل کمیٹی نے تمام احکام اور فیصلوں کی نظر ثانی پر یہ فیصلہ فرمایا کہ متاکشرا قانون کے غیر تقسیم شدہ خاندان کے باپ کو اس کی کسوبہ غیر منقولہ جائداد پر بیع وہبہ وغیرہ کرنے کا کامل اختیار ہے۔ متاکشرا کے متضاد احکام کے متعلق انھوں نے فرمایا "یہ کل قدیم کتب قانونی اور ان کی شرحیں اس

---

[1] جلد ڈبلیو۔ سیاک صفحہ ۲ پریوی کونسل میں اس کا ذکر پسندیدہ طریقے سے کیا گیا مگر دوسرے مسئلے کے متعلق۔ گوپی کرسٹ بنام گنگا پرشاد ۶ مور صاحب کے مرافعۂ ہند صفحہ ۷۷۔ نیز دیکھو رنگما بنام اچاما ایضاً صفحہ ۱۰۳۔ ۷ سدر لینڈ پی۔ سی صفحہ ۷۵۔

[2] مدن گوپال بنام رام بخش ۶ سدر لینڈ صفحہ ۷۱۔ اجودھیا بنام رام سارن ایضاً صفحہ ۷۷۔ راجہ رام تواری بنام لچھمن ایضاً جلد ۸ صفحہ ۱۵ سدانند بنام سورج منی ایضاً جلد ۱۱ صفحہ ۴۳۶۔

[3] وداوچنتامنی صفحہ ۲۷۲ صفحہ ۲۲۹ لیکن دیکھو صفحہ ۳۰۹ بشن پرکاش بنام باوا ای۔ سی ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۴۳۰۔ ۲۰ سدر لینڈ صفحہ ۱۲۷۔ ۱۰ سدر لینڈ صفحہ ۲۸۷ کے فیصلے عدالت تحت کی تصدیق کرتے ہوئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مابہ النزاع جائداد غیر منقولہ تھی۔ نانا نرائن بنام ہری پنت ۹ مور صفحہ ۹۶ و صفحہ ۱۲۱۔

[4] گنگا بائی بنام واسن جی ۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۳۱ اسٹیل بنام مہادو ۱ الہ آباد صفحہ ۴۹۷۔ سبھیا بنام سوریا ۱۰ مدراس صفحہ ۲۵۱۔ سوماسندرا مدلیر بنام گنگا بس ۲۸ مدراس صفحہ ۳۸۶۔

پر مائل ہو سکتی ہیں کہ مذہبی اور اخلاقی امور قابل لحاظ کو باوجود اس کے کہ وہ مثبت قانون کے امور نہ ہوں ان قواعد سے مخلوط کر دیں جو مثبت قانون کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ حکام عالیمقام کا خیال ہے یہی استنباط بہت زیادہ قرین عقل ہے کہ احکام مندرجہ متاکشرا باب ۱ دفعہ ۱ مقدم الذکر قسم کے احکام ہیں اور دفعات ۴ اور ۵ کے احکام موخر الذکر قسم کے ہیں[1] اور علے ہذا ہر شخص اس جائداد کو دیدینے کا قطعی مختار ہے جو اس نے طرفی رشتہ داروں سے وراثتہً حاصل کی ہو۔ یا ایسے طریقے سے حاصل کی ہو کہ اس کے اخلاف کو اس میں پیدائش سے حق نہ حاصل ہوتا ہو[2]۔ نیز نوعیت جائداد جو کچھ بھی ہو۔ یا وہ طریقہ کچھ ہی ہو جس سے وہ جائداد حاصل کی گئی۔ اصول یہ ہے کہ ایسا شخص جسے اولاد نہ ہو اپنے حسب دلخواہ اشخاص ذیل کے خلاف اپنی جائداد دے سکتا ہے۔ خود کی زوجہ کے خلاف۔ یا لڑکیوں کے۔ یا دور کے اخلاف کے۔ یا اس کے رشتہ داران طرفی کے ظاہری حقوق کے خلاف[3]۔ اس میں شک نہیں کہ رشتہ داران طرفی کے متعلق مفروضہ ذیل ہمیشہ قائم ہوتا ہے۔ یہ کہ اس نے اس طریقے سے حاصل نہیں کیا ہے کہ رشتہ داران طرفی اس جائداد میں اس کے ساتھ شریک بنجائیں[4]۔

۴۶۴ **رضامندی**

**۳۴۵**۔ خاندانی جائداد کے منتقل کرنے کے متعلق اگر باپ کی قانونی قابلیت معدوم ہو تو شرکا کی رضامندی اس کمی کو اور عدم قابلیت کو دور کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رضامندی صریح ہو۔ یا بروقت معاملہ یا بعد معاملہ ان کے عمل سے مستنبط کی جا سکے[5]۔ یا اس کا

[1] راؤ بلونت سنگھ بنام رانی کشوری ۲۵ مرافعات ہند صفحہ ۵۴ صفحہ ۴۷۔ ۲۰ الہ آباد صفحہ ۲۶۷۔
[2] دیکھو قبل کا فقرہ صفحہ ۵۷۰۔ جگموہن داس بنام منگل داس ۱۰ بمبئی صفحہ ۵۲۸۔
[3]۔ لمراز بنام شالکنی ۲ مور صفحہ ۵۴۔ ناگالچھمی بنام گوپی ۶ مور صفحہ ۳۰۹۔ نروتم بنام سنداس ۳ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۶۔ اجودھیا بنام کاشی ۴ شمالی مغربی صفحہ ۳۱۔ یہ کل مقدمات وصیت کے تھے۔ نسبت اس انتقال کے جو بین حیات کیا جاتا ہے وصیت کے انتقالات کی کم طرفداری کی جاتی ہے۔
[4]۔ تاپوستا بنام پیرومل ۱ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۵۔
[5] اردوموگا بنام راما سامی فیصلہ مدراس بابت سنہ ۱۸۶۰ صفحہ ۱۰۲۔ وٹھل بنام اننت ایڈ سنہ ۱۸۶۱

قیاس قائم ہو سکتا ہے جبکہ جائز خاندانی غرض یا ضرورت کا وجود بتلایا جائے[1] جبکہ جائداد تجارت میں لگائی گئی ہو یا کسی دوسرے تجارتی کاروبار میں تو منتظم جائداد کے متعلق یہ فرض کر لیا جائے گا کہ اسے اسی قسم کا اختیار حاصل ہے جو ایسے کاروبار کے چلانے والے اشخاص کو حاصل ہوتا ہے اور جس کا وہ بہ سبیل تجارت عموماً استعمال کیا کرتے ہیں[2] بشرائط منظوری مابعد سے ابتدائی رضامندی کی کمی کی تلافی ہو جائے گی[3] صورت ذیل میں ایسی منظوری مستنبط کی جائے گی جبکہ لڑکا کل واقعات کا پورا پورا علم رکھتے ہوئے اس پر قبضہ کر لے اور اس کو اپنے پاس رکھے جو جائداد منتقل شدہ کے روپے سے خریدی گئی ہو[4]۔ اس سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کل شرکا کی رضامندی ضروری ہے۔ اس کا جواب دوسرے سوال پر منحصر ہے جس پر ہم اس کے بعد فقرہ ۳۵۴ میں بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ متعدد شرکا میں سے ایک کو اپنا حصہ دیدینے کا کس حد تک اختیار حاصل ہے۔ اگر قانون یہ ہے کہ وہ اپنا حصہ دیدے سکتا ہے تو لازماً یہ نتیجہ نکلے گا کہ جنہوں نے رضامندی دی ہے ان کے حصے پابند ہونگے۔ اختلاف کرنے والے ارکان کے حصوں پر اس انتقال کی پابندی عائد نہ ہوگی۔ اور اگر قانون اس کے خلاف ہو تو معاملے کو جائز کرنے کے لئے کل کی رضامندی ہوگی[5] جبکہ دادا نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ صفحہ ۷۰۲۔ ویراسامی بنام وردالیگا صفحہ ۱۴۲۔ ملر بنام رگھوناتھ ۱۲ کلکتہ صفحہ ۳۸۹۔ برج راج سنگھ بنام شیوکن سنگھ ۳۵ الہ آباد صفحہ ۳۳۷۔ ذیل کے واقعے سے جو قیاس پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق دیکھو گنجی چیٹی بنام سدایلے ۲۲ مدراس صفحہ ۱۴۶۔ یہ کہ باپ پر نالش کی گئی ہے اور اس نے خاندان کے حقوق کی اس خاص معاملے کے متعلق اچھی طرح جوابدہی کی ہے اور لڑکے اس نالش سے واقف تھے۔ ایسی رضامندی کا استنباط محض اس بنا پر نہیں کیا جا سکتا ایک شریک نے جائداد منتقل شدہ سے ادائے محاصل کے متعلق اعتراض نہیں کیا جبکہ منتقل شدہ جزو خاندانی جائداد سے الگ نہیں کیا گیا۔ کاکشی بنام چکراپنی ۳۰ مدراس صفحہ ۴۵۲۔

[1] سبوا ناتھ پرشاد مہاتو بنام جگدیپ نرائن سنگھ ۲۹ کلکتہ صفحہ ۳۴۲۔ سادھو سرن بنام برہم دیو ۱۹۳۲ء ۱۱ نظائر صفحہ ۲۰۔

[2] بھولا بنام موہن ۵ کلکتہ صفحہ ۷۹۲۔ اسمٰعیل بھائی ۵ بمبئی صفحہ ۸۰۳۔ مقدمہ ہارون محمد ۱۴ بمبئی صفحہ ۱۸۹ صفحہ ۱۹۴ نیز فقرہ ۲۲۴۔

[3] لیکن دیکھو کندا سامی اساری بنام سماسکندا ۴۸ مدراس صفحہ ۷۷۰۔ گنیش ایر بنام امرتھ سامی اودایر ۲۲ مدراس لاٹائمس صفحہ ۲۴۵۔

[4] گنگا بائی بنام وامن جی ۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۳۱۸۔ مہادیو دیال بنام کلکٹر بنگال لا رپورٹ ضمیمہ جلد صفحہ ۱۰۲۔ ۹ سدرلینڈ صفحہ ۱۱۵۔

[5] سیوا سامی ۵۲ مدراس صفحہ ۴۸۹ ایک نے اس بیع پر رضامندی دی کہ دوسرے بھی دیں گے۔

اپنے لڑکے کی رضامندی سے جائداد منتقل کی ہو تو وہ پوتا جو بعد پیدا ہوا ہو ایسی رضامندی کا
پابند ہوگا۔ لیکن جبکہ خود پوتا اس وقت موجود ہو اور اسے حق بطور حق محصلہ مل چکا ہو تو اس کے ۴۷۴
باپ کی رضامندی بذات خود اسے پابند نہیں کرسکتی[۱] [یہ دوسرا قضیہ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ بیان ذیل سے خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ یہ کہ پوتے کو بنائے دعوے ہوگی اگر وہ انتقال
جائداد کے وقت موجود تھا۔ باوجود باپ کی رضامندی کے اسے حق نالش ہوگا]۔

**ضرورت**

**ف ۳۴۶** حالات وواقعات جن سے ضرورت ظاہر ہوتی ہو باپ کو بہ حیثیت بزرگ خاندان خاندانی جائداد کے کسی جزو کو منتقل کرنے کا مجاز کرسکتے ہیں اور اس کا یہ عمل قابل پذیرائی سمجھا جائے گا۔ متاکشرا میں وپاس کے حکم کی (جس کا اقتباس ذیل میں کیا جاتا ہے[۲]) جو وضاحت کی گئی ہے اس سے اس اختیار کا ان صورتوں تک محدود ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر شرکا نابالغ ہوں اور بہ این سبب رضامندی دینے کے قابل نہ ہوں۔ ویاس کا اقتباس "فرد واحد بھی عطیہ۔ رہن۔ یا جائداد غیر منقولہ کی بیع مکمل کرسکتا ہے اگر مفلوک الحالی ہو۔ خاندان کے لئے اور خصوصاً مقاصد نیک کے لئے" نیز بنگال میں یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ ان اشخاص کی رضامندی ناگزیر ہے جو سن رشد کو پہنچ چکے ہوں۔ گو معاملہ خاندان کے لئے مفاد کا باعث ہو سکے[۳]۔ دوسرے مقدمات میں پھر بھی اس کے خلاف فیصلے کئے گئے اور مسٹر کولبروک کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے[۴]۔

کل اسناد کا میلان اس نظریے کا مؤید معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی جائداد کا کرتا (Karta) معناً مختار و مجاز ہے کہ جو بھی سب کے لئے بہتر ہو وہ کرے۔

---

[۱] براتک بنام گردھری و سدرلینڈ صفحہ ۳۳۷۔ اگر پوتا اس وقت موجود ہو تو باوجود اس کے باپ کی رضامندی کے اسے حق دعوے حاصل ہوگا۔ اسی کلیے سے مذکور الصدر قضیۂ دوم پیدا ہوا۔

[۲] متاکشرا باب ۱۔ دفعہ ۱۔ فقرات ۲۸، ۲۹۔

[۳] متھورا بنام بتن ۱۳ سدرلینڈ صفحہ ۳۰ جلد ۱ و دھرم شاستر اشٹرینج صفحہ ۲۰۔ نیز فقرہ صفحہ ۱۳۱ اس سے قبل۔

[۴] جگرناتھ بنام دو لو ۱۴ سدرلینڈ صفحہ ۸۰۔ جلد ۲ ہندو لا اشٹرینج صفحہ ۳۴۰ صفحہ ۳۴۸۔ و شمبھر بنام سداشیب اسدرلینڈ صفحہ ۹۶۔ تجویز جسٹس ستوسامی ایر بمقدمہ ۲ پولیا ۴ م صفحہ ۱۸۔

اور یہ کہ کوئی فرد محض اپنی رضامندی کو روک کر اس اختیار کرتا کو شکست نہیں دے سکتا[۱] تقسیم خاندان کو سپرد ثالثی کر سکتا ہے اور فیصلہ ثالثی اگر اور طرح بھی جائز ہو تو خاندان اس کا پابند ہو گا[۲] ہاں اس کا اختیار صرف خاندانی جائداد تک محدود ہے۔ اس کے ان معاہدات کی پابندی کل خاندانی جائداد پر عائد ہوتی ہے جو اس کے اختیار کے اندر ہوں۔ مگر ان سے کسی ایسے کی ذات پر یا خود ان کی جداگانہ جائداد پر پابندی عائد نہیں کی جا سکتی جس نے ان معاہدات پر دستخط نہ کی ہو[۳]۔

ہندو اسٹیٹ کے منتظم کے اختیارات پر پریوی کونسل نے ایک مقدمے میں پوری طرح غور فرمایا۔ اس مقدمے کا ہمیشہ حوالہ دیا جاتا ہے کہ اس مضمون پر اس نے قانون کی کسوٹی کر دی ہے[۴]۔ مقدمۂ ہنومان پرشاد۔ واقعہ اس مقدمے کا یہ تھا کہ ماں ایک نابالغ ۴۷۵
وارث کی ولی کی حیثیت سے انتظام کر رہی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ایک باپ اور بزرگ خاندان کو بہت زیادہ اختیارات ہو سکتے ہیں مگر کم نہیں ہو سکتے۔ بارہا یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ اس مقدمے کے فیصلے میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں ان کا اطلاق مساوی طور پر باپ یا دیگر مالکان مشترک پر بھی ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی جائداد کے منتظم ہوں جو قانون متاکشرا کے تابع ہو[۵]۔ صفحہ ۲۲۴ پر حکام عالیمقام نے فرمایا:۔

---

[۱] طر بنام رنگاناتھ مولک ۱۶ اک صفحہ ۲۸۹۔ چموٹیرن بنام نارائن داس ۱۱ بمبئی صفحہ ۶۰۵۔ مدت نرائن سنگھ بنام بجلال سنگھ ۲۲ ک صفحہ ۹۷۔ بسوا ناتھ پرشاد ماہتا بنام جگدیپ نرائن سنگھ ۴۱ ک صفحہ ۲۴۳۔ ساہو رام چندر بنام بھوپ سنگھ ۴۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۔ ۳۹ الہ آباد صفحہ ۴۳۷۔

[۲] جگناتھ بنام منولال ۱۶ الہ آباد صفحہ ۲۳۱۔ غریب اللہ ۲۵ الہ آباد صفحہ ۴۰۷۔ کرم چند بنام رام بھیا ۱۹۲۶ء ۹۹ نظائر ہند صفحہ ۲۴۳۔

[۳] شلامیا بنام وردیا ۲۲ م صفحہ ۱۶۶۔

[۴] ہنومان پرشاد ۶ مرافعہ جات مورصفحہ ۳۹۳۔ ۱۸ سدرصفحہ ۸۱ نوٹ۔ قابض واقعی کی صورت میں بھی یہی قواعد متعلق ہوتے ہیں گو وہ قانونی قابض نہ ہو ایضاً صفحہ ۴۱۳ شیو شنکر ۲۸ ک صفحہ ۷۰۔ فقرہ ۳۳۹ دیکھو تاکہ معلوم ہو کہ اس کی کیا حیثیت سمجھی جاتی ہے جو قابض جائداد ناقابل تقسیم سے معاملہ کرے۔

[۵] دیوتری بنام دامودر صدر دیوانی بابت ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۴۳۔ تنداواریا بنام وتی امدراس ہائیکورٹ

"ہندو قانون میں نابالغ وارث کے منتظم کا اختیار ایسی جائداد کو زیر بار کرنے
کے متعلق جو خود اس کی نہ ہو ایک محدود اور مقید اختیار ہے۔ صرف ضرورۃً یا جائداد
کے مفاد کے لئے اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب اس خاص صورت میں
کفالت ایسی ہو کہ ایک عاقبت اندیش مالک جائداد جائداد کے مفاد کے لئے اسے
قائم ہی کرے گا تو پھر قرض دینے والے پر جو نیک نیت بھی ہو سابقہ بدانتظامی کا
کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ صرف اس کا لحاظ کرنا ہوگا کہ فی الوقعی جائداد پر کسی قسم کا
دباؤ پڑ رہا تھا کس خطرے سے بچنا ضروری تھا یا اس خاص صورت میں کس قسم کا فائدہ
جائداد کو ہونے والا تھا۔[1] ہاں اگر کسی ایسی بدعملی سے وہ خطرہ پیدا ہوتا ہو یا پیدا ہوا
ہو جس میں خود قرض دینے والا بھی فریق ہو تو بیشک وہ خود اپنی بدعملی سے مستفید
نہیں ہو سکتا۔ اس کے حق میں اس کفالت کی تائید وارث کے خلاف نہیں کی جا سکتی
اپنی کفالت کی تائید میں وہ اس ضرورت کو پیش نہیں کر سکتا جو خود اس کے فعل بیجا
۴۷۶ سے پیدا ہوئی ہو۔ لہذا قرض دینے والے پر ایسی صورت میں کوئی اثر نہیں پڑ سکتا
گویہ بتلایا جائے کہ اگر انتظام بہتر ہوتا تو جائداد قرضے کے بار سے آزاد رہ سکتی تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ صفحہ ۳۹۸۔ سریندر بنام نندن ۱۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۹۶۔ بیوگان جبکہ وہ محدود
جائداد پر معاملت کر رہی ہوں کا میشہر بنام رتن بہادر ۸ مرافعات ہند صفحہ ۸۔ لالہ امرناتھ بنام
اچپن کنور ۱۹ مرافعات ہند صفحہ ۱۹۶۔ ۱۴ الہ آباد صفحہ ۳۲۰ مہیشر بخش بنام رتن سنگھ ۲۳ ایضاً
صفحہ ۵۷۰۔ ۲۳ ک صفحہ ۷۶۶۔ منتظم بت کے انتقالات کے لئے کنور درگا ناتھ ۴ ایضاً صفحہ ۲ و صفحہ ۶۳۔
مجنوں کے منتظم کے وہی اختیارات ہیں گوری ناتھ ۷ سدر صفحہ ۵۔

[1] دیکھو دیوری بنام داسودھر۔ ایک شخص جو محض منتظم ہو ایسے قرضے کی نہ تو تجدید کر سکتا ہے اور
نہ اسے ادا کر سکتا ہے جس پر میعاد عارض ہو چکی ہو خود کے خلاف کر سکتا ہے۔ اور بہ دلائل قوی تر
نہ تو ان کے حساب میں جائداد کو مکفول کرا سکتا ہے اور نہ بیع کر سکتا ہے پچنیا بنام گروناتھم ۵ م صفحہ
۱۶۹۔ وکر بنام اپاجی ۲۰ بمبئی صفحہ ۱۵۵۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ بیوہ اپنے شوہر کے دیون کے لئے ایسا کر سکتی
ہے دیکھو آگے فقرہ ۴۳۲۔ منیجر یا ولی ایسے قرضے کا سود ادا کر سکتا ہے جس پر تمادی عارض نہ ہوئی
ہو۔ یا قرضے کے وجود کا اقبال کر سکتا ہے گو اس سے میعاد کا جدید حساب شروع ہو جائے۔

ہاں اگر یہ ثابت کیا جائے کہ اس کا عمل بدنیتی پر مبنی تھا تو اس پر اثر پڑے گا۔ ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ قرض دینے والے پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ قرضے کی ضرورت کے متعلق تحقیق کرلے اور ان فریقین کا لحاظ کرتے ہوئے جن سے وہ معاملہ کر رہا ہے خود کو بہتر سے بہتر طریقے سے مطمئن کرے کہ اس خاص صورت میں منتظم کا عمل جائداد کے لئے مفید تھا۔ لیکن وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر اس نے اس طرح تحقیق کرلی ہو اور دیانتداری سے عمل کیا ہو تو کافی ہے۔ اس کی کفالت کے جواز کے لئے شرط ماقبل یہ نہیں ہے کہ جس ضرورت کا ادعا کیا گیا ہے وہ حقیقۃً موجود بھی رہی ہو[1]۔ اور وہ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ ایسے حالات میں اس کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس رقم کا استعمال کس طرح ہوگا[2]۔ یہ ظاہر ہے کہ قرضہ جائداد کی کفالت پر آسان تر شرائط پر حاصل کیا جاسکتا ہے بہ نسبت اس قرضے کے جو محض ذاتی کفالت پر حاصل کیا جائے۔ اور یہ کہ لہذا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اپاراؤ بنام رنگنا ۱۸ میسور صفحہ ۱۰۷۔ باسا لنگپا بنام گروستیا ۱۶ میسور صفحہ ۳۸۔ بھوسکرشاٹیا بنام وجالال ۷ بمبئی صفحہ ۱۵۲۔ مختصر اً منتظم خاندان قرضے کا اقبال کرسکتا ہے سود ادا کرسکتا ہے جزءاً قرضہ اس طرح ادا کرسکتا ہے کہ میعاد سماعت میں وسعت ہوجائے ٹھاکر داس بنام مساۃ پتلی ۱۹۲۴ء ۸۲ نظائر ہند صفحہ ۹۶۔

[1] دیکھو نوترن بنام بیوپوری ۲ سدر صفحہ ۱۹۳۔ پرتاب بہادر بنام چتپال سنگھ ۱۹ امر افعات ہند صفحہ ۴۳۔ لالا امرت بنام اچپن کنور ۱۹ ایضاً صفحہ ۱۹۶۔ ۴ الہ آباد صفحہ ۲۰۴۲۔ جو ضرورت کے متعلق تحقیق کرنے پر مجبور نہیں ہے مہابیر بنام جوبا ۱۴ سدر صفحہ ۲۲۱۔ ۸ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۸۔ شیوراج بنام نشیدی ۱۴ سدر صفحہ ۲۷۔ اگر شخص اجنب نے ولی سے جائداد خریدی ہو جبکہ ولی کو عدالت نے بیع یا رہن کی اجازت دی تھی (تحت قانون نشان ۴۰ بابت ۱۸۵۸ء دفعہ ۱۸ نابالغان بنگال) تو ایسا شخص محفوظ ہے بجز اس کے کہ وہ خود واقعی فریب کا مجرم ہو۔ سکھرچند بنام ولیچی ۵ کلکتہ صفحہ ۳۶۳۔ نیز دیکھو قانون ۵ بابت ۱۸۸۱ء دفعہ ۹۰ پروبیٹ جس سے معلوم ہوگا کہ وصی کے اختیارات کیا ہیں جبکہ عدالت نے انتقال کی اجازت دی ہو۔

[2] سندرو بنام نندن ۲ سدر لینڈ صفحہ ۱۹۲۔ رتنم بنام گوئند راجلو ۲ مدراس صفحہ ۳۳۹۔

[3] سندھو بنام سیتارامین مدراس کے فیصلے ۱۸۶۱ء صفحہ ۱۱ اس میں بزرگ خاندان نے قرضہ لیا مگر بیجا صرف کیا۔

مناسب قرضے کے حاصل کرنے کے لئے محض یہ واقعہ کہ کفالت قائم کرائی گئی ایسی چیز نہیں ہے جسے ہم عاقبت اندیش انتظام سمجھیں۔ واقعی صرفے کی حد تک مقاصد جس کے لئے قرضہ کیا جاتا ہے اکثر آیندہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ قرض دینے والے کو شاذ صورتوں میں اس قرضے کے واقعی تصرف کو قابو میں رکھنے کے ذرائع حاصل ہوتے ہیں بجز اس کے کہ وہ انتظام میں دخیل ہو جائے۔ اسی لئے حکامان عالیمقام کے خیال میں نیک نیت دائن کو تکلیف میں ڈالنا خلاف انصاف ہوگا جبکہ اس کا عمل دیانت پر مبنی ہو اور باوجود احتیاط کرنے کے خود دھوکا کھایا ہو۔“

جب سے کہ اس اہم فیصلے کا اعلان کیا گیا ہے اصطلاحات ’ضرورت‘ اور ’جائداد کا مفاد‘ ساتھ ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی خاندان کے لئے ضروری ہو اس کے لئے مفید بھی ہونی چاہئے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاح ’مفاد‘ اس پر دلالت کرتی ہے کہ جائداد کی ترقی یا اس کے اضافے میں صریحاً کچھ کیا گیا۔ نہ کہ اسکے مفہوم میں محض ایک منفی فعل داخل ہے مثلاً قرضوں کی بیباقی۔ یا مفلوک الحالی اور تنگ دستی کو دور کرنا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ کل منفصلہ مقدمات ان افعال سے متعلق ہیں جو ۴۷۷
ضرورت کے باعث وقوع میں آئے تھے اور مقصد یہ تھا کہ جائداد کی حفاظت ہو سکے
پریوی کونسل کے جدید ترین مستند اعلان کو اس مضمون پر لارڈ اٹکنسن نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔[1] ”کہیں بھی اس کا اظہار دکھائی نہیں دیتا کہ اس سلسلے میں ان اشیا کی صحیح صحیح نوعیت کیا ہونی چاہئے جنس الفاظ و اظہار ’جائداد کا مفاد‘ میں شامل کیا جا سکے۔ حکامان عالیمقام یہ خیال فرماتے ہیں کہ اس کی ایسی صحیح تعریف دینا ناممکن ہے جو کل صورتوں پر صادق آسکے۔ اور وہ اس کام کے کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے ہیں۔ امور ذیل اور اسی قسم کی چیزیں ظاہر ہے کہ منفعتیں ہونگی۔ جائداد کو تلف ہونے سے بچا کر محفوظ کر لینا۔ اس کے خلاف جو نالش کی گئی ہو اس کی جوابدہی۔ اس کی یا اس کے کسی جز کی

[1] بالا نیا چٹی بنام دوا سکامنی پندر ۴۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۴۰۰۰۴۳ م صفحہ ۱۰۹، اس مسئلہ پر نیز دیکھو کرشنا چندر چودھری بنام رتن رام پال ۴۲ ک ون صفحہ ۶۴۵ - ۴۳۰ ک ل ج صفحہ ۱۳۲، رام داس سنگھ بنام رامید سنگھ ۵ پٹنہ لا جرنل صفحہ ۶۲۲۔

حفاظت جبکہ اسے مضرت پہنچے۔ یا دریا برد سے محفوظ رکھنا۔ دشواری ان کی تقسیم میں پیدا ہوتی ہے کہ دیکھیں اس سلسلے میں کن چیزوں کو مفید کہا جا سکتا ہے اور کن کو نہیں کہا جا سکتا" یہ تو ظاہر ہے کہ جن افعال کی فہرست اس عبارت میں دی گئی وہ صحیح اور حقیقی مفہوم میں ضرورت کے سبب ہی وقوع میں آئیں گے۔ ایک چیز کے متعلق اشارۃً یہ کہا گیا کہ وہ جائداد کے لئے مفید ہے حکامان عالی مقام نے اس کو آخر میں ہاتھ میں لیا مگر صرف نامنظور کرنے کے لئے کہ اس کی اجازت کہیں بھی نہیں پائی جاتی " اس خیال کو تقویت دینے کے لئے کوئی سند پیش نہیں کی گئی کہ شبیت (Shebait) دیوتائی اراضی (Debuttar Lands) کو فروخت کر سکتا ہے گو واحد مقصد اس بیع کا یہ ہو کہ اس کا زر ثمن دوسرے ایسے کاروبار وغیرہ میں لگایا جائے جس سے آمدنی میں اضافہ ہو جائے۔ اور باوجود اس کے کہ جو آمدنی خود دیوتائی زمین سے مل رہی تھی وہ غالباً زیادہ محفوظ تھی اور یقیناً زیادہ مستحکم" مقدمۂ مذکور میں اس شبیت کے اختیار انتقال کی وسعت کا حوالہ دیا گیا جس کے زیر انتظام دیوتائی اراضی ہوں لیکن بنیاد ذیل پر استدلال اور فیصلہ فرمایا گیا۔ یہ کہ اسی قسم کے اصولوں کا اطلاق کیا جائے گا جن سے مشترکہ خاندانی جائداد کے منتظم کے حقوق انتقال میں ترتیب پیدا کی جاتی ہے اور جن اصولوں سے اس کے حقوق کا تعین ہوتا ہے۔ اس تشبیہ کے جواز کو اکثر دوسرے مقدمات میں تسلیم کر لیا گیا ہے[۱]۔[ لارڈ اٹکنسن کی عبارت بالا

---

[۱] درگا ناتھ رائے کنور بنام رام چندر سن ۴ مرافعات صفحہ ۶۷۰۔ ۴ کلکتہ صفحہ ۴۱۴۔ شیوشنکر بنام رام شیوک چودھری ۲۴ کلکتہ صفحہ ۷۷۔ ابھی رام گوسامی بنام شیام چرن نندی ۳۶ مرافعات ہند صفحہ ۱۴۸۔ ۳۶ کلکتہ صفحہ ۱۰۰۳۔ مروگیسام پلے ۴۴ مرافعات ہند صفحہ ۹۸۔ ۴۰ مدراس صفحہ ۴۰۲[ جدید شبیت یا سنت کا اختیار انتقال نابالغ وارث کے منتظم کے اختیار سے مشابہ ہے (ہنومان پرشاد) وہ بھی صرف ضرورت کے وقت یا جائداد کے مفاد کے لئے دیوتائی جائداد منتقل کر سکتا ہے۔ زیادہ آمدنی کی غرض سے وہ جائداد کو بیع کر کے دوسرے کاموں میں نہیں لگا سکتا دوامی پٹہ نہیں دے سکتا۔ دیکھو ودیا ورو تی سنہ ۱۹۲۶ء ۵۰ الٰہ آباد صفحہ ۱۹۱ ہنومنت سے کرشن ایضاً صفحہ ۷۰۲۔ اگر ذیلی کارندے نے شبیت کے بلا علم پٹہ دیا ہو تو مندر پابند نہ ہوگا۔ شری شری گوپال شہ بید رمہادب سنہ ۱۹۳۳ء ۱۴۴ الٰہ آباد صفحہ ۲۰۵۔

نے اختلاف آرا پید اکیا۔ ہنومان پرشاد کے الفاظ (جائداد کے مفاد کیلئے) کے مختلف مفہوم لئے گئے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ کوئی معاملہ باعث مفاد جائداد نہیں لیا جا سکتا بجز اس کے کہ اس کی نوعیت مدافعت کی ہو یعنے جائداد کو تلف ہونے سے بچایا جائے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اگر وہ معاملہ ایسا ہو کہ ہر محتاط اور عاقبت اندیش مالک۔ یا امین اسی طرح کرتا تو سمجھا جائے گا کہ وہ کام جائداد کے لئے مفید تھا (دیکھیے جدید نظائر جگل نرائن بنام متھورا داس ۱۹۲۸ء ۱۱۶ نظائر مدراس صفحہ ۸۴۸۔ مہابیر پرشاد بنام املا پرشاد ۱۹۲۴ء ۷۹ ایضاً صفحہ ۱۶۵۔ ناگنداس بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۶ ایضاً صفحہ ۹۲۳۔ راگھو بنام زاگا ۱۹۲۹ء ۱۱۸ ایضاً صفحہ ۵۵۵)۔ مگر بمقدمہ جگلت نرائن اجلاس کامل نے نظریۂ مذکورہ سے اختلاف فرمایا بلکہ معیار احتیاط اور عاقبت اندیشی قائم کیا گیا۔ اجلاس کامل نے فرمایا کہ مقدمات ذیل میں واقعات کے تحت فیصلہ بالکل صحیح تھا (بھگوان داس بنام مہادیو ۱۹۲۳ء ۱۷ نظائر صفحہ ۹۵۹۔ شنکر بنام بچو ۱۹۲۵ء ۸۶ ایضاً صفحہ ۶۹۰) تیسرے مقدمے کے متعلق (انسپکٹر سنگھ بنام کھڑک سنگھ ۱۹۲۸ء ۱۱۲ نظائر صفحہ ۱۰۸) کوئی رائے ظاہر نہیں کی گئی۔ اس مقدمہ میں یہ تجویز فرمائی گئی تھی کہ نئے کاروبار کو شروع کرنے کے لئے اگر منیجر نے رہن کیا ہو تو نابالغ ارکان اس کے پابند نہ ہوں گے)۔

ضرورت جو بیع کے لئے قابل پذیرائی ہو۔ ۴۷۸

ف ۳۴۴۔ مقدمہ ہنومان پرشاد مقدمہ رہن تھا نہ کہ مقدمہ بیع۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں وہی اصول متعلق کئے جائیں گے۔ بیشک کرتا کی عاقبت اندیشی یہ ہے کہ جب کبھی ممکن ہو بجٹ سے قرضہ ادا کرے نہ کہ کسی حصۂ جائداد کی فروخت سے[1]۔ اور رہن سے نہ کہ بیع سے رقم نکالنا زیادہ اونچے درجہ کی احتیاط سمجھی جائے گی۔ برخلاف اس کے اگر رہن کی شرح سود بہت زیادہ ہو تو بیع کر دینا بہتر ہوگا بہ نسبت تجدید کے[2] ہر صورت میں سوال واقعہ ہوگا کہ آیا

[1] بخش بنام دھونیا ۳ بنگال لا رپورٹ (نظائر مرافعہ) صفحہ ۳۲۳-۱۲-۴ اسد صفحہ ۲۳۷۔
[2] موتھورا بنام بونن ۱۳ اسد صفحہ ۳۰۔

معاملہ ایسا تھا کہ ایک عاقبت اندیش اور محتاط مالک خود اپنے فائدے کے لئے اس کو منعقد کرتا۔ صورتہائے ذیل میں روپیہ حاصل کرنے کے لئے جائداد کے کسی جزو کی بیع درست سمجھی جائے گی اگر احتیاط عاقبت اندیشی یا ضرورت پر مبنی ہو[1]۔ ایسے قرضوں کے ادا کرنے کے لئے جن کی پابندی خاندان پر ہو۔ حکومت کے مطالبات کی بیباقی کے لئے[2]۔ جبکہ ان کی بابجائی آمدنی جائداد سے نہ ہوسکتی ہو۔ خاندان کی پرورش کے لئے سرادھ کریا کرم اور شادی کے رسوم ادا کرنے کے لئے[3] اور جب قابل پابندی دیون موجود ہوں اور ان کی بابجائی اور بیباقی کسی اور طرح سے نہ ہوسکتی ہو تو ان کے ادا کرنے کے لئے بیع صحیح سمجھی جائیگی اگرچہ اس وقت واقعی طور پر وارثین کی نالشات کے سبب کوئی دباؤ اور شدت نہ ہو[4] کیونکہ کرتا نہ تو اس کا پابند ہے کہ جائداد کو نالشات کے صرفے سے زیر بار کرے اور نہ اسے ایسا کرنا بھی چاہئے۔ بیشک بہ دلائل قوی تر ایسے معاملات صحیح سمجھے جائیں گے جبکہ ڈگریاں موجود ہوں اور کسی وقت بھی ان کا نفاذ جائداد کے مقابلے میں ہوسکتا ہو عام ازیں کہ وہ ڈگریاں یکطرفہ ہوں یا

[1] بستمبر بنام سہ شہب اسمالینڈ صفحہ ۷۰۔ سکارام بنام گنتا بائی نفاذ ۱۰ دھر یری صاحب صفحہ ۹۰۳۔ سراون بنام تیا ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۷۰۔ بالاجی بنام کرشنا جی ۲ بمبئی صفحہ ۶۶۶۔ نرسیا بنام نرسیا ۵ میسور صفحہ ۱۰۔ دیکھو کلر بنام جیادیال ۵ ویین صاحب کی رپورٹ صفحہ ۲۸ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ معاملہ بہ تقاضائے ضرورت کیا جانا چاہئے۔ محض مفید ہونا کافی نہیں۔ نواسے کی شادی کے اخراجات کے لئے بطور جائز خاندانی جائداد پر کفالت نہیں ہوسکتی اسوتیا بنام سبریا ۲ میسور چیف کورٹ صفحہ ۲۲۱۔ اور نہ غیر صحیح النسب لڑکی کی پرورش کے لئے پرورتی بنام گنپت راؤ ۱۸ بمبئی صفحہ ۱۷۷۔ قابل پابندی قرضوں کے متعلق بینی رام بنام مان سنگھ ۳۴۔ الہ آباد صفحہ ۴۔ ناتھو بنام کندن لال ۳۳ الہ آباد صفحہ ۲۴۳۔

[2] غریب اللہ ۳ مرافعات ہند صفحہ ۱۰۵۔ ۲۵ الہ آباد صفحہ ۴۰۰۔

[3] کاشیشور شاستری بنام ویرا چرلو ۳۳ م صفحہ ۲۴۳۔ جہانگیری بنام جوکھو رام ۳۲ الہ آباد صفحہ ۲۷۵۔ سندربائی بنام شیو نرائن ۳۲ بمبئی صفحہ ۸۱۔

[4] کیسہاؤ بنام روپ سنگھ ۳ شمال مغربی صفحہ ۴۶۔ وسبوا ایر ۲۲ مدراس لا جرنل صفحہ ۹۳۸۔

۴۷۹ اور طرح کی[1] اور وہی حالات اور واقعات جن سے ایک جزو کا بیع صحیح سمجھا جاسکتا ہو کل جائداد کی بیع کے لئے بھی صحیح سمجھے جائیں گے گو غالباً قوی تر شہادت کی ضرورت ہوگی۔ اگر خاندانی جائداد کی کفالت پر اونچی شرح سود پر روپیہ قرض لیا گیا ہو۔ یا شرائط سخت ہوں۔ تو ان پر ثبوت ذیل کا بار ہوگا جو اس معاملے کی تائید میں ہوں۔ نہ صرف یہ بتلانا ہوگا کہ قرض لینے کی ضرورت لاحق تھی بلکہ اسی قسم کی اونچی شرح سود پر اور مماثل شرائط پر قرض لینا معقولیت کے خلاف نہ تھا۔ اور اگر یہ نہ ثابت کیا جائے کہ اس شرح اور شرائط مندرجہ رہن پر قرض لینے کی ضرورت نہ تھی۔ تو پھر وہ شرح سود اور وہ شرائط قائم نہیں رہ سکتے[2] عدالت اس معاملے کی تصدیق تو کرے گی مگر شرح سود میں تخفیف کر کے۔ یا ان شرائط سے آزاد کر دے گی جو ناواجبی طور پر سختی کا باعث ہو رہے تھے۔ بمقدمہ جیپال سنگھ بنام لچھمن سنگھ (۱۹۳۳ء لکھنو صفحہ ۷۰) میں بھی اس فیصلے کی تصدیق فرمائی گئی جس کا ذکر اس سے قبل نوٹ ۱۳ میں کیا گیا۔

**موروثی قرضے۔ باپ کو خود اپنے قرضوں کی بیباقی کیلئے بیع کرنے کا حق**

**ف ۴۸۰** متاکشرا کا یہ اصول ہے کہ لڑکوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے باپ پر خاندانی جائداد کے انتقال کی صورت میں نگرانی رکھیں۔ اس کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ اصول مذکور دوسرے اصول ذیل کے باعث تقریباً کالعدم ہوگیا ہے۔ یہ کہ باپ کی وفات کے بعد بیٹوں کا یہ فرض ہے کہ اس کے دیون کی بیباقی کریں اگرچہ کہ ضرورت کے بغیر قرضے کئے گئے ہوں۔ اور اس اصول کو جسے پریوی کونسل نے وضع کیا یہ دلائل منطقی وسعت دینے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ خود اپنے قرضوں کے ادا کرنے کے لئے باپ خاندانی جائداد کو بیع کرنے کا مجاز ہے۔ گو قرضہ خاندان کے مفاد کے لئے

---

[1] پرمیشر بنام مسماۃ گل بی ۱۱ اسد صفحہ ۲۶۴۔ شیوراج ۱۴ ایضاً صفحہ ۷۰۲۔

[2] نفیر بیگم بنام راؤ رگھوناتھ ۔ ۵ نظائر ہند صفحہ ۳۴۴ الہ آباد۔ ہرونات رائے چودھری بنام اودے سنگھ ۱۰ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۰۸ ۔ ۱۰ کلکتہ صفحہ ۳۱۱ سندر رام بنام بھوپال سنگھ ۴۴ الہ آباد صفحہ ۲۶۹ جدید ترین۔ رام بھجادن پرشاد بنام ناتھو رام ۱۹۲۳ء ۱۰ نظائر ہند صفحہ ۹۳۳ ۔ ۳ فی صدی

نہ کیا گیا ہو۔ مگر جس کی بیباقی کا اخلاقی وجوب بیٹوں پر عائد ہو۔ اصول ہیں اس وقت بلاشبہہ تنازع ہے۔ ان میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے شاید اس وقت کے قانون کا پتا چلانا ہوگا جبکہ اس قسم کا تنازع نہ تھا اور اسی طرح مطابقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ جبکہ خاندان ایک جدی حالت میں باقی تھا جیسا کہ قبل ازیں میں نے فقرہ ۔۳۴ میں کہا ہے اس وقت بزرگ خاندان محض منتظم شراکت نہ تھا۔ وہ خاندان کا حاکم مختار ہوتا تھا نیز اس کے مقبوضات کا خاندان کی جائداد اسی کی جائداد ہوتی تھی خود اسکے قرضے خاندان کے قرضے ہوتے تھے سماج کی اس ابتدائی حالت میں غالباً شاذ صورتوں میں ایسا ہوتا ہوگا کہ قرضے کئے جائیں اور ان کے لئے جائداد کے فروخت کرنے ۴۸۰
کی ضرورت لاحق ہو۔ ہاں اگر اس قسم سے بیع کرنا ناگزیر ہوتا تو یہ چیز بزرگ خاندان کے انتظامی امور کے اندر بھی جاتی تھی۔ اگر وہ بلا ادا کرنے کے مرجاتا تو پسماندگان اسے ادا کرتے تھے۔ اس کے معلوم کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی کہ آیا مشترکہ مفاد کے لئے وہ قرضے کئے گئے تھے یا اصلی مدیون کے خاص مقاصد کے لئے۔ قرضوں کے ادا کرنے کے متعلق مذہبی اور دیوانی ذمہ داری کے خیال سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے کہ برہمنی نظریے اس قانون میں داخل ہونے لگے تھے جو قانون سابق میں محض فطری انصاف پر مبنی تھا۔ یہ عام نظریہ بھی کہ متوفی مدیون کی روح کو آرام حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دیون بیباق نہ کردیے جائیں بہ لحاظ زمانہ دیر میں پیدا ہوا۔ وجوب زیر بحث کا مذہبی نظریہ ۔ نظریۂ دیوانی کے ساتھ ساتھ باقی رہ سکتا تھا کیونکہ اس سے اس ذمہ داری کے لئے جس کو یوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ماہانہ سود در سود کی ۸ فیصدی سادہ سود سے تخفیف کی گئی۔ رادھا کشن بنام جگ سا ہو ۱۹۲۳ء ۔۸ نظائر صفحہ ۱۰۷۔ سندرل بنام ستیا گنگر سلہان ۱۹۲۶ء ۸۔ ا نظائر صفحہ ۳۳۳۔ مہادیو بنام بھیسور ۱۹۲۳ء ۴ نظائر صفحہ ۶۹۵۔ پرمیشور بنام راج کشور ۱۹۲۳ء ۸ نظائر صفحہ ۴۳۔ سکھ لال بنام مرادی ۱۹۲۳ء ۵۹ نظائر صفحہ ۱۰۱۹۔ ورگا پرشاد بنام جیو دھری سنگھ ۱۹۳۵ء ۴۴ کلکتہ صفحہ ۳۳۴۔ ۸ فیصدی سود در سود کی تخفیف کی گئی گردھری لال بنام کنتولال جلد ۱۴ مراسلات ہند صفحہ ۳۲۱ ۔۱۴ انبگال لا رپورٹ صفحہ ۱۸۶۔ ۲۲ سدر لینڈ صفحہ ۵۶ فقرہ ۲۰۶۔ نیز دیکھو راج کشور بنام مدن گوپال ۱۹۳۳ء ۱۴۳ نظائر صفحہ ۶۴۴ لاہور۔

بھی تسلیم کیا جا چکا تھا مزید تہدید پر دسترس حاصل ہوا۔ احکام قدیم جن میں یہ مذہبی نظریہ بیان کیا گیا ہے بتلاتے ہیں کہ نظریہ مذکور خاندانی جکڑ بند کے کمزور ہونے سے قبل پیدا ہوا تھا۔ مثلاً بیٹوں کو اس کا مجاز کرنے سے کہ جائداد میں انکو ہم درجے کی حیثیت حاصل ہے اور یہ حق دے کر کہ وہ باپ کو روک سکتے ہیں جبکہ وہ اس جائداد پر کوئی لین دین کر رہا ہو لیکن اس ترقی مابعد کے باوجود فطری انصاف رسانی اور سہولت نے ان دیون سے ایک خاص پابندی منسوب کی جو خاندان کے قائم مقام اور قانونی بزرگ کے کیے ہوئے ہوں۔ مذہبی وجوب کے نظریے کو زیادہ وقعت اور اہمیت حاصل ہوتی گئی۔ دنیاوی وجوب کے کمزور ہونے سے مذہبی وجوب کو اسی تناسب سے اہمیت ہوتی گئی۔ فطرۃً میلان یہ ہوگا کہ ان متضاد حقوق میں مطابقت پیدا کی جائے کیونکہ حقوق کا یہ تنازع اہم ہوتا جا رہا تھا۔ مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے بیٹوں کو اجازت دی گئی کہ خاندانی جائداد کے معاملات میں وہ باپ کو روک سکتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ وہ گفت و شنید وغیرہ پختہ ہو کر معاہدات کی شکل اختیار کر لی ہو اور ان معاہدات سے دوسروں کو حقوق حاصل ہو گئے ہوں۔ اگر مرافق سیر (آبائی جائداد میں) اور دائن یا خریدار کے مراقع میں (جس کا ادعا باپ کے افعال کے باعث پیش ہو) تنازع پیدا ہو تو بطور جائز یہ تصفیہ کیا جا سکتا ہے کہ مرافق موخر الذکر کو (یعنے دائن کا) فوقیت حاصل ہونی چاہئے اور اسکا نفاذ دہری تہدید سے کیا جانے کا کیونکہ وہ قابض ہوتا ہے اور اس قسم کے حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ جبکہ مراقع بالمقابل شریک طرفی کا ہو تو فیصلہ برعکس ہوگا کیونکہ ایسے شخص پر (یعنے طرفی رشتہ دار) اس کا وجوب نہیں ہوتا کہ وہ مدیوں کی ذمہ داریوں کو بیباق کرے[1]۔

## امور خیر کے لئے عطیے

انتقالات کے جائز ہونے کی ایک اور وجہ خیر عطیوں سے متعلق ہے گو ایسے عطیے بلا ضرورت کئے گئے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ برہمنوں نے ایسے عطیوں کو ۴۸۱
خاندان کے عام مفاد کا باعث سمجھا۔ یہ کہ ایسے عطیوں سے لازماً مذہبی ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اس مضمون پہ مفصل بحث اس باب میں کیا جائے گی جو مذہبی اوقاف سے

[1] تجویز جسٹس منو سامی آیر مقدمہ پونیا نام پوا تنگرم مدراس صفحہ ۳۳۲۔ اور تجویز چیف جسٹس ٹرنر ایضاً صفحہ ۱۳۰۔

متعلق ہے (فقرہ ۳۴۳)۔

**ف ۳۴۸** ۔ الف ایک اور قسم کے انتقالات کو تسلیم کیا گیا ہے گو ضرورت کے بغیر کیئے گئے ہوں۔ دلہنوں کو بیاہ کے موقع پر تحفے دینا بہت عام ہے اور اکثر ہند و قانون کی کتابیں باپ یا دیگر قرابتداروں پر یہ وجوب عائد کرتی ہیں کہ اس طرح تحائف دینا چاہئے۔[1] عموماً اس قسم کے تحفے جواہرات کی صورت میں ہوتے ہیں یا دیگر منقول جائداد کی۔ چنانچہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ بجائے جواہرات یا دیگر منقولہ جائداد دینے کے اگر باپ نے غیر منقولہ جائداد عطا کی ہو جو حالات کے لحاظ سے معقول ہو تو ایسا انتقال قائم رکھا جائے گا۔ قرار دیا گیا ہے کہ اس واقعے سے تحفہ شادی کے کچھ وقت بعد دیا گیا تھا کوئی فرق نہیں ہوتا عام ازیں کہ باپ نے ایسا کیا ہو یا دوسرے شخص نے جو اس کا جانشین ہوا ہو۔ اگر باپ کے مرنے کے بعد شادی ہوئی ہو تو وہ لوگ بھی دلہن کے لئے ایسے تحائف سے مناسب انتظام کر سکتے ہیں جنہوں نے باپ کی جائداد پائی ہو۔[2]

**ضرورت کا بار ثبوت**

**ف ۳۴۹** ۔ جو لوگ ایسے شخص سے معاملہ کریں جسے جائداد میں صرف محدود حقیت حاصل ہے اور جو اس کا جھوٹا ادعا کرے کہ بہتر اور بہت زیادہ حقیت دے رہا ہے وہ قانوناً ظاہر ہے اس پر مجبور ہیں کہ واقعات کو ثابت کریں جن سے ایسا انتقال جائز سمجھا جائے۔ مگر ثبوت کی نوعیت اور وسعت جس کا پیش کرنا ان پر واجب ہے واقعات مقدمہ کے لحاظ سے بدلتی رہے گی۔ ہنومان پرشاد کے مقدمے میں یہ بحث کی گئی تھی کہ یہ بتلانے سے کہ کرتا کو رقم دی گئی اور یہ واقعہ ہے کہ اس نے دستاویز جاری کی ثبوت کا بار باقی نہیں رہتا۔ اور اس بحث کی تائید میں صدر عدالت آگرہ کی ایک رائے عدالتی کا اقتباس کیا گیا۔[3] اس پر جوڈیشل کمیٹی نے یہ رائے زنی ۴۸۲

---

[1] منو باب ۹ صفحہ ۱۹۴۔ نارد باب ۱۳ صفحہ ۸۔ متاکشرا۔

[2] سندر رامیا بنام ستیاہ ۵ م صفحہ ۲۸ ۔ پورامن ساہو بنام گوپی ساہو ۳۴ ک صفحہ ۱۔ بچو بنام منگونی بائی ۱۳ب صفحہ ۲۷۳۔ نیز دیکھو کملسی امل بنام چکراپنی ۳۰ م صفحہ ۲۵۴۔ نارائن بنام ہام لنگا ۳۹ م صفحہ ۵۸۷۔ تیرا چاریر بنام سرینواسس چاریر ۴۰ م صفحہ ۱۱۲۲۔

[3] بمبئی میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر کرتا نے قرضہ کیا ہو تو قانون میں کوئی ایسا قیاس خود بخود قائم

کی کہ:۔" اس قسم کے مقدمات ذیل میں یہی راستہ اختیار کرنا بہت ہی صحیح ہوسکتا ہے اس کی نوعیت یہ تھی کہ ایک زندہ باپ کے لڑکے اس نالش میں جو ایک دائن کے خلاف رجوع تھی اس کی ساز باز کا شبہہ کرتے ہوئے اس کفالت سے آزاد ہونیکی کوشش کر رہے تھے جو باپ نے موروثی جائداد پر عائد کی تھی۔ باپ کی بدعملی بیان کی گئی۔ یہ فضول خرچی کرکے اس نے جائداد تلف کی ہے کفالت کو منسوخ کرانے کے لئے یہی وجہ پیش کی گئی۔ اب اس کا اظہار کرنا ہی چاہئے کہ قرض دینے والے سے اس کی توقع کرنا قرین عقل ہے کہ وہ ان حالات کو ثابت کرے جو اس کے مخصوص قرضے سے متعلق ہوں۔ لیکن یہ توقع کرنا قرین عقل نہیں ہے کہ اس کو مالک موروثی جائداد کے سابقہ اچھے عمل اور اس کی کفایت شعاری کا بھی علم ہونا چاہئے۔ یا یہ کہ وہ ان کے امور کے ثبوت سے تیار رہ کر آنا چاہئے باپ کے سابقہ چال چلن سے بظن غالب اس کے لڑکے اور اسی خاندان کے ارکان زیادہ واقف ہوسکتے ہیں۔ شخص اجنبی کو ان کا ایسا علم نہیں ہوسکتا لہذا اس عدالتی رائے (Dictum) کی تائید اس عام اصول سے ہوسکتی ہے کہ واقعات کے ادعا اور ثبوت کو اس فریق سے مانگنا چاہئے اور اسی سے اس کی امید کی جاسکتی ہے جس کو اس کا بہتر علم ہو۔ نیز ایسی نالشات میں اس کا ہمیشہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ باپ اور بیٹوں نے ملکر دائن کو فریب دینے کے لئے ساز باز کی ہو۔ بنابرآں مذکورالصدر عدالتی رائے کی تائید اس بادی النظری سبب سے بھی ہوسکتی ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ ایسے مقدمات میں جیساکہ یہ مقدمہ ہے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نہیں ہوتا کہ قرضۂ مذکور مقاصد خاندانی کے لئے لیا گیا تھا سویٹر و بنام نارائن راؤ ۵ بمبئی صفحہ ۲۰۵ گنپت رائے بنام منی لال ۴۲ الہ آباد صفحہ ۱۳۵۔ ہاں جب حساب رواں کے سبب بقایا بطور قرض ہو تو دائن کیلئے یہ ثابت کرنا ضروری نہیں ہے کہ ان میں کس کس مد کیلئے رقم لی گئی تھی۔ یہ تلاتا کافی ہوگا کہ خاندان کو خاندان کی زندگی کیلئے ہمیشہ رقم کی ضرورت ہوا کرتی تھی یا تجارتی ضروریات کیلئے۔ اور یہ کہ کرتا کے کہنے کے سبب رقم دی گئی تھی کہ ان مقاصد کے لئے رقم کی ضرورت لاحق تھی کرشنا رامیا بنام واسدیو ۲۱ بمبئی ۸۰۸۔ مالال بنام گوری سنہ ۱۹۲۲ء نظائر صفحہ ۸۴ سوتم رام سنہ ۱۹۲۷ء ۱۰۵ انظائر صفحہ ۷۸۵۔ جواہر لال بنام جگناتھ سنہ ۱۹۲۳ء ۴ نظائر صفحہ ۴۸۴۔

کس پر ثبوت کا بار ہوتا ہے۔ حکام عالیمقام یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسا سوال ہے
جس کا جواب نہ تو عام الفاظ میں دیا جا سکتا ہے اور نہ اس کا جواب ایسا ہو سکتا ہے
جس میں لچک نہ ہو۔ وہ قیاس بھی حالات کے لحاظ سے مختلف ہوگا اور تغیر پذیر جو بطور
مناسب قائم کیا جانا چاہیئے۔ اس کا انحصار حالات پر ہونا چاہیئے اور اس کی ترتیب
واقعات وحالات کے تحت کی جانی چاہیئے۔ مثلاً۔ اگر خود مرتہن جس سے معاملہ کیا گیا
اپنے حق میں ایک ایسی کفالت پیش کرے جو محدود اختیار کے شخص کی پیدا کی ہوئی
ہو اور لازماً وہ اس کے محدود حق انتقال سے واقف رہا ہو تو اس سے بطریق معقول
ذیل کی توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ کہا ہے ان واقعات کا ادعا کرکے ثابت کرنا چاہیئے
جن کا بہتر علم قیاساً اسی کو ہو سکتا ہو نہ کہ نابالغ وارث کو۔ بہ الفاظ دیگر اسکا یہ کام ہے
کہ ان واقعات کو ثابت کرے جو جائداد کی ضروریات کے متعلق اس سے بیان
کئے گئے ہوں اور ان وجوہ کو بھی ثابت کرنا ہوگا جو اس کے فوری قرضے کے
محرک ہوئے[1]۔ اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ بیانات منتظم وارث کے خلاف
شہادت قرار دیئے گئے ہیں بشرطیکہ وہ قرضے کے وقت بطور اصلیت معاملہ اور بطور
اعلانات کارندہ اسی وقت کئے گئے ہوں گو اصل لے بطور واقعہ ان کا انتخاب نہ کیا ہو۔ ۴۸۳
اور جیسا کہ ہمیں اس کی اطلاع ملی ہے کہ ایسا بادی النظری ثبوت عام طور پر وائن اور
وارث کے درمیان کلکتے کے سپریم کورٹ میں طلب کیا جاتا ہے یہ اس وقت
جبکہ وائن اس کی کفالت کو وارث کے خلاف نافذ کرا رہا ہو۔ اس طرح ثبوت طلب
کرنے کو وہ صحیح سمجھتے ہیں اور معقول بھی۔ تاہم یہ ظاہر ہے کہ ایسا ثبوت اس سے طلب
کرنا بعید از عقل ہوگا جو اصلی فریق نہ تھا خصوصاً وقت کے اور استفادے کے گزرنے
کے بعد و نیز ظاہری طور پر ایسے سکوت کے بعد جو رضامندی کے مماثل ہوئے[2] بنا بران
جیسا کہ کفالت کے ایک جزو کے متعلق یہاں صورت پیدا ہے اگر پرانی کفالت کی

---

[1] مرتہن کے وارث کی نالش وارثان عودی کے خلاف بیوہ کے جاری کئے ہوئے رہن کے نفاذ کیلئے
دیکھو مبیشر بخش ۲۲ مرافعات ہند صفحہ ۵۰۷۔ ۲۳ ک صفحہ ۶۶۱۔

[2] مرگیسم بلیے ۴۴ مرافعات ہند صفحہ ۹۸۔ ۴۴ م صفحہ ۲۰۲۔

بجائے نئی کفالت پیدا کی جائے۔ اور یہ ثابت ہو کہ پرانی کفالت کے لئے مورث کا قرضہ سابقہ بدل تھا (جس پر سابق میں اعتراض نہیں ہوا تھا) تو اس قسم کا قیاس جسکے لئے مرافعہ حجت پیش کر رہا ہے معقول ہوگا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ مجلس وضع قوانین نے دفعہ ۴۱ قانون انتقال جائداد (ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۸۲ء) میں تجاویز مذکور الصدر کا خلاصہ کیا ہے۔ "جب کوئی شخص جسے صرف خاص حالات میں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہتے ہوں جائداد غیر منقولہ منتقل کرنے کا اختیار ہو ایسی جائداد ان حالات کا وجود ظاہر کرکے بالمعاوضہ منتقل کرے اور منتقل الیہ نے ان حالات کے دریافت کرنے کی بطور مناسب کوشش کرکے نیک نیتی سے عمل کیا ہو تو جہاں تک کہ منتقل الیہ اور منتقل کنندہ اور ان اشخاص کا تعلق ہے جن پر اس انتقال کا اثر پڑتا ہو ان حالات کا وجود تسلیم کیا جائے گا"۔ [جدید۔ رہن لینے والا نابالغ کے ولی کو ترغیب دیکر کہ عدالت سے درخواست کرکے قرضہ نکالے اپنی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا۔ اس کو تحقیق کرنا ہی پڑیگا کہ ضرورت قانونی تھی کہ نہیں (۷، الف)۔ مرتہن منتقل الیہ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ معاملہ کرتا کے اختیار میں تھا (۷۔ب)]۔

رہن نامہ یا بیع ناموں کے وہ بیانات جو انتقالات زیر بحث پر اثر ڈالتے ہوں

---

۔ لہ ہنومان پرشاد ۶ مور ۸ ا ۳ ر ۲۰ ۴ ۴۔ ۸ اسد ر صفحہ ۱۸ نوٹ۔ تنداوار بانام ولے امدراس ہائیکورٹ صفحہ ۹۸۔ ۵ والی بنام منداء ۲ ایضاً صفحہ ۷۰۔ ۴ سہ اِدنا بنام متی ۶ ایضاً صفحہ ۱۳۴۔ لالہ جنسی دھر بنام کنور بندیسری۔ امور صفحہ ۳۶۵ مہیتورسا دو تسور بنام کنج بہاری ۳ شمالی مغربی صفحہ ۸۔ چودھری بنام برجوندر ۱۸ صفحہ ۷۷، سکھرچند بنام دلپتی ۵ ک صفحہ ۳۶۲ کندی بنام سراشنک ۸ A صفحہ ۷۱، ۴ لال سنگھ بنام دیونرائن ۸ الہٰ صفحہ ۲۷۹، ۶ گروسامی بنام گنیتیا ۵ م صفحہ ۳۳۰۔ اگر باپ کے انتقال کو بیٹا لےسود کرنا چاہتا ہو یا مخرب اخلاق یا خلاف قانون کا ادعا کر کے قرضوں سے بچنا چاہتا ہو تو ان امور کا بار ثبوت اسی پر ہوگا سبرامنیا بنام سداشیو ۸ م صفحہ ۷۵، دیکھو فقرہ ۳۰۳ (۷ الف) وتاتریا گوبند جانندکرا ۳ الٰہ آباد صفحہ ۶۹۰ سنہ ۱۹۳۲ء (۷ ب) مورج بخش سنگھ سنہ ۱۹۳۲ء ۵۔ ۳ الٰہ آباد صفحہ ۷۶۹۔

۴۸۴ بذات خود ان واقعات کی شہادت نہیں ہیں جنھیں وہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ان واقعات کو قائم کردینے کے لئے بطریق دیگر کچھ اور حالات کو ثابت کرنا ہی چاہئے مگر ثبوت کی مقدار ہر مقدمے کے خاص حالات پر منحصر ہوگی۔ اور اگر وقت کے گذرنے یا دیگر اسباب سے ان بیانات کی تائید میں صرف خفیف شہادت کی توقع کی جاسکتی ہو۔ وہ بیانات اس شہادت کے مطابق ہوں تو بیانات کو قابل پذیرائی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس مضمون پر پریوی کونسل نے حال میں یہ الفاظ لارڈ ڈنکن ذیل کا اعلان فرمایا ہے اور وہ نہایت مستند ہے:۔

"یہ اچھی طرح تسلیم کرلیا گیا ہے.... کہ ان واقعات کے ثابت کرنے کے لئے جن کا ذکر ان بیانات میں ہو صرف ان بیانات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ فی الحقیقت یہ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کے ثبوت کی اجازت ہوتی تو وراثت عودی کے حقوق کو ہمیشہ شکست ہوتی۔ کیونکہ بہ احتیاط تمام وہ بیانات دستاویز میں داخل کردیے جاتے معمولی حالات کے تحت۔ اور قطع نظر قانون موضوعہ کے بیانات مندرجۂ دستاویزات شہادت ہوسکتے ہیں مگر صرف فریقین دستاویز انتقال اور ان اشخاص کے لئے جو ان کے ذریعے سے دعویدار ہوں۔

"لیکن ایسی صورت میں جیسی کہ موجودہ صورت ہے ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ ان بیانات کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ اس کے متعلق کوئی ناقابل تغییر مقررہ قاعدہ وضع کیا جاسکتا ہے کہ ایسے بیانات کس قسم کی وقعت کے مجاز ہیں۔ اگر بروقت اجرائے دستاویزات یا اس کے قریب زمانے میں دستاویزات کی صحت معرض بحث میں لائی گئی تھی تو وہ بیانات صرف خفیف طور پر ملحوظ رکھے جانے کے مستحق ہوں گے اور یقیناً ان بیانات کو بطور ثبوت واقعات قبول نہ کیا جانا چاہئے۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا جائے اور ابتدائی فریقین معاملہ اور وہ کل لوگ جو امور متعلقہ پر شہادت دے سکتے تھے ضعیف ہوگئے ہوں یا مرگئے ہوں تو ان بیانات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوجاتی ہے اور ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو

سلہ برج لال بنام اندرا کنور ۳۶ الہ آباد صفحہ ۱۸۷ (پی۔ سی)۔

حالات مقدمہ کے بظن غالب مطابق ہوں۔ کیونکہ یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ جس ضرورت کے باعث دستاویز قابل پذیرائی تھی اس کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے ضرورت کا فی الواقعی ثبوت ضروری نہیں۔ صرف یہ ضروری ہے کہ اس ضرورت کے پیدا ہونے کے متعلق خریدار سے لیا جانا چاہیئے کہ ضرورت لاحق ہے۔ اور یہ کہ خریدار نے دیانتداری سے کام لیا اور خود کو اس کی صحت سے مطمین کرنے کے لئے
اس نے مناسب تحقیق کی تفصیل زیر بحث بیان مذکور کی واضح شہادت ہے۔ اگر ۴۸۵
حالات ایسے ہوں کہ لطور معقول یہ باور کیا جا سکتا ہو کہ تحقیق کی صورت میں سچے واقعات کی تصدیق ہو سکتی تھی اور واقعی طور پر تحقیق کئے جانے کا ثبوت ناممکن ہو گیا ہو تو بیان مندرجہ دستاویز ایسے حالات کی معیت میں دستاویز کی تائید کے لئے کافی شہادت ہوگا۔ اگر اس کے خلاف قرار دیا جائے تو نتیجۃً یہ تصفیہ کرنا ہوگا کہ جیسے جیسے حقیت قدیم ہوتی جائے وہ بہت زیادہ کم قوت ہوتی جائیگی بہ ایں معنی کہ بالآخر محض وقت کے گزر جانے سے کوئی ایک معاملہ ناقابل پذیرائی ہو جائے گا گو اس وقت جبکہ وہ ہوا تھا وہ معاملہ بالکل جائز اور مبنی بر روایات تھا۔[1] پریوی کونسل کے ملاحظے میں مقدمہ یہ تھا کہ بیوہ نے جائداد منتقل کی اسی مضمون پر بحث اور نزاع تھی۔ لیکن جن اصولوں کو بیان فرمایا گیا ان کا اطلاق عالمگیر ہے۔ ہر اس انتقال پر ان کا اطلاق ہوگا جو محدود مالک نے کیا ہو۔ چنانچہ اس فیصلے کے بعد سے ان کا اطلاق ایسے انتقال پر ہونے لگا ہے جو خاندان مشترکہ کے کرتا نے کیا ہو۔[2]

| | |
|---|---|
| ف ۳۵ ۔ ایک مسئلے کے متعلق بادی النظر میں فیصلوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہ اشخاص ذیل پر ثبوت کا بار | ڈگری کی صورت میں |

[1] گنگا چندر دھر بسواس بنام جگت کشور اچاریہ چودھری ۴۳ مرافعات ہند صفحہ ۹۴۴۔۴۴ کلکتہ صفحہ ۱۰۲۔ مدہری لال بنام گوبند ۱۹۲۲ء ۱۰ نظائر صفحہ ۳۱۔ رام نرائن بنام نند رانی ۱۹۳۵ء ۴۴ نظائر صفحہ ۸۶۸۔ ٹھاکر سنگھ بنام مساۃ اتم ۱۹۲۹ء ۱۰ نظائر صفحہ ۹۴۴۔ رائے راجیشور بالی ۱۹۳۳ء ۱۰ نظائر صفحہ ۳۳۷۔

[2] اننت رام ۔ ۴۸ صفحہ ۱۷۱ پی سی ۔ رادھا رام بنام امر چند ۱۹۲۳ء ۔ نظائر ہند صفحہ ۲۲۲

کس قدر ہوگا۔ ایک تو اس خریدار پر جس نے تحت ڈگری جائداد خریدی ہو۔ دوسرے اس پر جس نے منتظم جائداد کو قرض دیا ہو کہ ڈگری بیباق کرے۔ تیسرے اس پر جس نے جائداد کا ایک جزو منتظم سے اس لئے خریدا ہو کہ منتظم کو اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے روپیہ ملے۔ کیا ایک ایسی ڈگری کا پیش کرنا جو نیک نیتی پر مبنی ہو بذات خود ضرورت کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے؟ یا خریدار یا دائن پر لازم ہے کہ وہ آگے جاکر یہ بتلائیں کہ ڈگری ایسے مقصد کے لئے صادر کی گئی تھی جس کی پابندی جائداد پر عائد ہوتی ہے؟ فیصلوں کا یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ ڈگری پر اعتماد کرنیوالا یہ سمجھنے کا مجاز ہے کہ صحیح طور پر ڈگری صادر ہوئی تھی[1]۔ بہ کہ جو کچھ بھی اس ڈگری کے سبب ہوا وہ بھی درست طور پر کیا گیا۔ ڈگری کی نوعیت پر اس کے معلوم کرنے کا انحصار ہے کہ اس سے اسے کس حد تک فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ نیز اس شخص پر جس کے خلاف ڈگری دی گئی تھی اور ان کارروائیوں پر اس کا انحصار ہوگا جو تعمیل ڈگری میں کی گئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ڈگری بادی النظر میں ایک ایسی ہوسکتی ہے جو اس کو پابند کرے جس کے خلاف وہ نافذ کرائی گئی محض اس واقعے سے کہ وہ صادر ہوئی یہ ہوسکتا ہے کہ صرف شخص مذکور ہی اس کا پابند ہو۔ یا ایسی ہوسکتی ہے جو اس کو پابند نہ کرے بجز اس کے کہ دوران مقدمہ میں کچھ ثابت کیا گیا ہو اور ہوسکتا ۴۸۶
ہے کہ کچھ ثابت ہوا ہو یا نہ ہوا ہو[1]۔ علاوہ ازیں ڈگری کی شکل اور وہ کارروائیاں جو اس کے تحت کی گئی ہوں یہ بتلا سکتی ہیں کہ دائن نے اپنے مدیون پر خاندان کے قائمقام کی حیثیت میں نالش کی" تاکہ خاندان کی جائداد پر پابندی ہو اگرچہ کہ بظاہر اور صرف رسماً مدیون پر نالش کی گئی تھی۔ اس کے خلاف دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دائن نے اس کو اچھا سمجھا ہو کہ اپنے دعوے کو اصلی مدیون اور اس مدیون کے حقوق کی حد تک محدود کرے اگرچہ کہ اسے یہ چارۂ کار حاصل رہا ہو کہ اپنے دعوے کو کل خاندان اور اس کی جائداد کے مقابلے میں نافذ کرائے[2]۔ جب ڈگری باپ کے

[1] سورج نرائن سنگھ ۲۲ ۳ ۸ صفحہ ۵۶۶۔

[2] رادھا کرشنا چندرجی بنام رام بہادر ۲۸ مدراس لاجرنل صفحہ ۷۰ پی سی۔

خلاف ہو تو اس سے قطعی طور پر یہ بات قائم ہو جاتی ہے کہ قرضہ اس سے واجب الوصول تھا۔ اور بجز اس کے کہ قرضے کی بنیاد مخرب اخلاق کام ہو اس کے بیٹوں کے خلاف اس سے زیادہ کوئی چیز ضروری نہیں جیسا کہ ہم نے اس سے قبل دکھایا یہ بتلانا ضروری نہیں کہ قرضہ خاندان کے لئے باعث مفاد تھا۔ جب ایسی ڈگری کے تحت جائداد نیلام ہو تو خریدار مجبور نہیں ہے کہ ڈگری سے ہٹ کر یہ معلوم کرے کہ آیا ڈگری دینے میں عدالت راہ راست پر تھی۔ یا دینے کے بعد عدالت تعمیل ڈگری میں اس جائداد کو نیلام کرنے میں حق بجانب تھی[1][2]

## معاملات جو ڈگری پر مبنی ہوں۔

بیشک اسی قاعدے کا اطلاق ہوگا جبکہ نابالغ کے ولی نے اس ڈگری کی ایفا اور بیباقی کے لئے جو نابالغ کے خلاف صادر ہوئی تھی بیع کی ہو اور نابالغ اس بیع کو منسوخ کرانا چاہتا ہے۔ یا جبکہ معاملے پر دارث معترض ہو (ایسا وارث جو شریک خاندان نہ ہو) تو قاعدہ مذکور کا اطلاق ہوگا کیونکہ اس پر اس شخص کے قرضے ادا کرنا لازم ہے جس کی جائداد اس نے وراثت میں لی ہے (فقرہ ۳۴۰) ہاں اگر

---

[1] مدن ٹھاکر بنام کنتولال جلد ۱ مرافعات ہند صفحہ ۳۲۱۔ صفحہ ۳۳۴۔ ۴، بنگال لاء رپورٹ صفحہ ۴۱۔ ۳۴ سدرلینڈ صفحہ ۹۰ فقرات ۳۱۳، ۳۲۲ ۳۲۲۔ بھاگپت پرشاد بنام مسماۃ گرجاکنور ۱۵ مرافعات ہند صفحہ ۹۹۔ ۱۵ کلکتہ صفحہ ۷۱۷۔ دیکھو متعدد مقدمات جو اس فیصلے کے بعد آئے۔ بھوتا بنام روپ کشور ۵ شملی صفحہ بی صفحہ ۸۹۔ بدری بنام منتی ۳۲ سدرلینڈ صفحہ ۲۶۰۔ کلدیپ بنام مجیت ۲۴ ایضاً صفحہ ۲۳۱۔ شیو پرشاد بنام سورج جنبی ایضاً صفحہ ۲۸۱۔ پرتو بنام رام پرسشر ایضاً صفحہ ۳۶۳ انوراگی بنام بیکورتی ۲۵ سدرلینڈ صفحہ دھنو رام شہاے بنام رجا بیبا ایضاً صفحہ ۱۸۰۔ واجد حسین بنام ننکو ایضاً صفحہ ۱۱۱ لچھمی نیادھ اسمن ۲ کلکتہ صفحہ ۲۱۳۔ ۲۵ سدرلینڈ صفحہ ۱۹ سیتا شکرا بنام پاروتی ۴۴ صفحہ ۹۲۔ اس کے متعلق کہ کس حد تک بیٹوں کو اس نالش میں فریق بنانا ضروری ہے جو باپ کے خلاف اس کی بیع یا رہنوں کے نفاذ کے لئے دائر کی گئی ہو۔ یا اس سے واجب الوصول قرضہ پانے کے لئے کی گئی ہو دیکھو فقرات ۳۰۹، ۳۲۱۔ اس کے متعلق کہ کس حد تک بیٹوں کے خلاف ڈگریاں قطعی ہیں دیکھو فقرات ۳۲۲، ۳۲۴۔

[2] شیو راج سامنکسبدی ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۷۷۔

شریک ہندو خاندان کے خلاف ڈگری دی گئی ہو تو صورت دوسری ہوگی اس کے خلاف
ایسی ڈگری قطعی طور پر جائز ہوگی۔ اور اس کی زندگی میں اس کا نفاذ کرایا
جا سکتا ہے۔ جائداد شراکتی میں اس کے حق کے خلاف تعمیل شروع کر کے اسے
فروخت کیا جا سکتا ہے (ف ۳) لیکن چونکہ اسکے قرضے کی پابندی اس کے دیگر شرکا پر نہیں
ہوتی یا نہ ان کے حصۂ جائداد پر اس لیے اس ڈگری سے جو اس کے خلاف ہو کوئی مزید
ذمہ داری پیدا نہیں ہو سکتی بجز اس کے قرضہ ان کی رضامندی سے یا ان کے
مفاد کے لئے کیا گیا تھا (ف ۳۳) اس سے اس کے قرضے کا تعین ہوتا ہے اور بس۔ اگر یہ ۴۸۷
مقصود ہو کہ قرضے کی بیباقی بلا واسطہ یا بالواسطہ دیگر ارکان کے حصص سے ہو تو
وائن کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ قرضوں کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ بطور جائز وہ اشخاص
بھی اس کے پابند ہیں جنھوں نے خود ذاتی طور پر قرضے نہیں کئے لہ یہ ثبوت ایسی نالش
میں دیا جانا چاہئے جس میں خاندان کے ارکان مشترک فریق ہوں۔ اور جس میں وہ
ان دعاوی کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو ان کے خلاف پیش کئے گئے ہوں۔ اگر خاندان کے
رکن منتظم نے ایسی دستاویز جاری کی ہو جس کے دوسرے ارکان پابند ہوتے ہوں
تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان سب پر نالش کی جائے۔ وائن اپنے حسب دلخواہ صرف
اس پر نالش کر سکتا ہے جس نے کہ دستاویز جاری کی تا کہ بحیثیت جاری کنندہ دستاویز
اس کی ذمہ داری نافذ کرائی جائے۔ لیکن اگر اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو تو
تعمیل صرف مدیون جاری کنندہ کے حصے پر ہو سکے گی۔ وہ اس کا نفاذ دیگر ارکان
کے خلاف (جبکہ وہ مدیون کے لڑکے نہ ہوں) محض یہ ثابت کر کے نہیں کرا سکتا کہ
معاملۂ مذکور کا انعقاد خاندان کے مفاد کے لئے کیا گیا تھا۔ اس سے صرف یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ اسے زیادہ چارۂ کار حاصل تھا جس سے اس نے فائدہ نہیں اٹھایا۔

لہ دین دیال بنام جگدیپ نرائن ۴ مرافعات ہند صفحہ ۲۴۷۔ ۳ ک صفحہ ۱۹۸ دیکھو فقرہ ۳۱۴۔
آرموگن ۵ م صفحہ ۱۲۔ سبرامنن بنام سبرامنن ایضاً ۱۲۵۔ ورا سامی بنام ابترت ۵ م صفحہ ۱۳۶۔ ویراراگھا
صفحہ ۲۰۸ گرہ یا بنام تھیا ۲ بمبئی صفحہ ۳۱۶۔ ابیلک رائے بنام روبی رائے ۱۱ ک صفحہ ۲۹۸۔ مروتی نرائن بنام
لیلا چند ۶ بمبئی صفحہ ۵۶۴۔ کشن سنگھ بنام موہر سنگھ ۲ بمبئی صفحہ ۹۱۔ دولارچند بنام لالہ چھابل ۱ مرافعات ہند صفحہ ۲۴۷

برخلاف اس کے اس کے اس منتظم پر جس نے خود اپنے نام سے لیکن منتظم ہونے کی حیثیت سے دستاویز قرضہ لکھی ہو (اور یہ مسلمہ ہو کہ قرضۂ مذکور اغراض خاندان کے لئے کیا گیا) اس دستاویز کے لئے قائم مقامانہ حیثیت میں نالش کی جاسکتی ہے۔ اور یہ ثابت ہو نے پر کہ اس نے اپنے اختیار کے اندر یہ کام کیا تھا تو ڈگری دی جائے گی اور اس ڈگری کی پابندی کل جائداد پر ہوگی نہ کہ صرف اس کی حقیت پر[1]۔ مقدمات کی ایک اور قسم ہے جن میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایک رکن کے خلاف نالش کل خاندان کے خلاف نالش سمجھی جانی چاہیئے۔ بہ ایں معنے کہ ڈگری ان کل کو پابند کرتی ہے اور اسکی تعمیل کل کے حصوں کے خلاف شروع کی جاسکتی ہے[2]۔ ایک مقدمے میں واقعہ یہ تھا کہ متعدد بھائیوں کو ایک اراضی میں مشترکہ حق مقابضت حاصل تھا۔ مگر صرف منتظم خاندان بحیثیت مالک رجسٹر کیا گیا تھا۔ اس پر لگان کے بقایا کے لئے نالش کی گئی۔ اور یہ صیغۂ تعمیل اس کا حق۔ حقیت اور مرافق نیلام کئے گئے۔ قرار دیا گیا کہ کل حق مقابضت خریدار پر منتقل ہوگیا چیف جسٹس گارتھ نے فرمایا:۔ "اگر کارروائیوں سے یہ امر واضح ہو کہ جو کچھ کہ فروخت کیا گیا اور جو کچھ فروخت کرنا مقصود تھا وہ صرف مدیون ڈگری کی حقیت ہے تو بیع و نیلام اسی حقیت تک محدود ہونا چاہیئے۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے اگرچہ کہ ڈگری دار پوری خفیت کو فروخت کرسکتا تھا اگر ایسا

---

[1] ہری وٹھل بنام جیرام وٹھل ۱۴ بمبئی صفحہ ۵۹۷ دیکھو فقرہ ۳۲۲ جبکہ معاہدہ منتظم کا یہ ہوا ہو کہ صرف منتظم پابند ہوگا کوئی اور نہیں دیکھو کشوری ۲۶ الہ آباد صفحہ ۴۷۔

[2] بسیسر بنام مہچی سر ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۳۳۔ ۵ کلکتہ لا رپورٹ صفحہ ۴۷۰۔ دیو بنام رام منوہر ۲ A صفحہ ۴۲۶۔ رام سیوک بنام رانگو پر (A) صفحہ ۲۰۷۔ رادھا کشن بنام بچا ایضاً صفحہ ۱۱۸۔ گاہا بنام راج بنسی ایضاً صفحہ ۱۹۱۔ رام نرائن بنام بھوانی ایضاً صفحہ ۲۱۴ (FB) ہری سرن موئیترا بنام بھوبا نیشوری دیبی ۱۵ مرافعات صفحہ ۱۹۵، ۱۶ اک صفحہ ۴۰۔ کھدیرو شانو بنام پرتاب چندر ۲۰ ک صفحہ ۱۱۔ نرندر ۱۰۱ تھ بنام بھوپندر ۱۳۳۲ ک صفحہ ۳۰۴۔ شیو شنکر رام بنام جادو کنور ۱۴ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۱۶ A ۲۳۷ صفحہ ۴۸۲۔ ابھیدت سنگھ بنام رانگو سنہ ۱۹۲۶ ۱۱ نظائر ہند صفحہ ۴۷۲۔ جانسٹن بنام گوپال سنگھ سنہ ۱۹۳۱ ۱۳۵ نظائر صفحہ ۴۲۸۔

کرنے کے لئے اس نے مناسب کارروائی کی ہوتی۔ یا باوجود اس کے کہ تحت نیلام خریدار کل حق کا قبضہ کرسکتا تھا۔ یا اگر برخلاف اس کے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ مدیون ڈگری پر بحیثیت قائم مقام نالش کی گئی تھی یعنے اس حیثیت سے کہ کل حق متقابضت کی وہ نیابت کررہا ہے تو یہ سمجھا جانا چاہیئے کہ نیلام سے کل حق متقابضت منتقل ہوگیا۔ یہی صورت اس وقت بھی ہوگی جبکہ نیلام کا مقصد یہ تھا کہ کل حق متقابضت نیلام ہوجائے۔ گو اس نیلام کا بظاہر یہ ادعا ہو کہ صرف مدیون ڈگری کے حق اور مرافق کا نیلام ہے۔ عدل گستری اور انصاف رسانی کے تحت نیلام کل متقابضت کا ہونا چاہیئے۔ اور اگر کارروائیوں کی ظاہری شکل پر مسئلہ مشتبہ ہو۔ یا اگر کارروائیوں کا ایک جزو دوسرے سے مغائر معلوم ہو تو عدالت کو چاہیئے کہ نفس امر زیر بحث کو دیکھے نہ کہ کارروائیوں کی شکل یا زبان کو[1] (نیز دیکھو فقرات ۳۱۴ و ۳۲۱)۔

**جبکہ دوسرے سرمایہ پر دسترس ہو۔**

**ف ۳۵۱** یہ کہا جاتا ہے کہ اگر قرضہ موروثی ہو اور اس کی پابجائی کے لئے جائداد فروخت کی جائے تو خریدار کا یہ فرض نہیں ہے کہ معلوم کرے کہ آیا دوسرے ذرائع سے قرضے کی بیباقی ہوسکتی تھی[2]۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا اطلاق صرف اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ بیع کے لئے بظاہر ضرورت لاحق ہو۔ جس مقدمے میں یہ قاعدہ قرار دیا گیا تھا عدالت نے کہا "نہ یہ کہا گیا کہ کن ذرائع سے اس کی پابجائی ہوسکتی تھی"۔

**منتظم کا فضول اسراف**

۴۸۹ بنگال کے ایک مقدمے میں صدر عدالت نے ایک اصول قرار دیا جو تقریباً اس کا اُلٹ تھا۔ انھوں نے فرمایا:- "یہ تبلایا جاسکتا ہے کہ قرضے کی ظاہری غرض سرکاری مالگزاری کا ادا کرنا تھی لیکن اس کا ثبوت بھی اطمینان بخش طریقے سے پہنچانا چاہیئے کہ ایسا قرضہ قطعی ضروری تھا کیونکہ خود جائداد کے ذرائع مسدود ہوچکے تھے۔

[1] جیولال سنگھ بنام گنگا پرشاد ۔ اک صفحہ ۹۹۶ ۔ صفحہ ۱۰۰۱ ۔ کومبی بنام لکشمی ۵ م صفحہ ۱۰۲ صفحہ ۲۰۵ ۔
[2] راجے بنام گردھری ۲ شمالی مغربی صوبے صفحہ ۱۱۰ ۔

نیز یہ کہ مالک جائداد کی فضول خرچی اور تلون مزاجی کے سبب قرضہ نہیں کیا گیا۔ یہ تو ضروری ہے تاکہ اس قرضے کی پابندی ان پر عائد کی جا سکے جن کو اس جائداد پر پسماندگی کے حقوق حاصل تھے۔[۱]"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قانون یک گونہ سختی سے وضع کیا گیا ہے۔ اس شخص کا جو جائداد خاندان مشترکہ کے منتظم سے معاملہ کرتا ہے یہ کام ہے کہ وہ اس معاملے کی جس میں مصروف ہو رہا ہے موزونیت اور ضرورت کا لحاظ کرے نہ کہ محض ادائے قرضہ کی موزونیت اور ضرورت کا جو اس معاملے کا ایک عذر اور بہانہ ہوتا ہے۔ اگر قرضہ درست نہ ہو۔ یا غیر ضروری ہو اور قرض دینے والا اس سے واقف ہو تو بلاشبہہ معاملہ ناجائز ہوگا۔ اگر قرضے کا دینا صحیح اور ضروری ہونے کے باوجود معاملہ ناجائز ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ قرض دینے والے کو یہ سمجھنے کی معقول وجہ ہو کہ اس قرضے کی بیباقی بغیر اس کی مدد کے نہیں ہو سکتی۔ دادا کا اسراف اور اس کی تلون مزاجی صرف یہ بتلانے کے لیے اہم ہے کہ مرتہنی معاملہ صحیح نہ تھی۔ یا یہ کہ اس کے لئے ضرورت کا وجود نہ تھا۔[۲]

## ادائے قرض کا ثبوت

جب ایک مرتبہ یہ قائم کر دیا جائے کہ قرضہ تھا اور اس کو ادا بھی کیا جانا چاہئے تھا۔ یہ کہ وہ بلا بیع یا قرض کے ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد اگر معاملے کے جواز پر نزاع یہ ہو کہ قبل ازیں قرض ادا کیا جا چکا ہے یا اس میں سابق میں اس میں تخفیف ہو چکی ہے تو جو شخص ایسا ادعا کرے اس پر اس کے ثبوت کا بار منحصر ہوگا۔ ادائی ایک مثبت واقعہ ہے محض اس وجہ سے کہ قرضہ قدیم ہے اس کو یونہی فرض نہیں کیا جا سکتا۔[۳]

---

[۱] دامودر بنام برجو بہاپتر صدر دیوانی ۱۸۵۴ء صفحہ ۸۰۲۔

[۲] بابو سنگھ بنام بہاری لال ۳۰ الہ آباد صفحہ ۱۵۶ تلسی رام بنام بشاتہ پرشاد ۱۹۳۶ء ۱۰۵ انڈیا ہند صفحہ ۸۸۵۔

[۳] کاڈلے ونیکٹ بنام کلکٹر جیل بندر ۱۱ مدراس صفحہ ۱۹۶ صفحہ ۲۰۳۔۱۳۲ مدراس پی سی صفحہ ۶۱۔

**منیجر کا اختیار**

**ف ۳۵۲** جائداد خاندان مشترکہ کے منیجر کے اختیارات (ایسا منیجر جو باپ نہ ہو) ان ہی اصولوں کے تابع ہیں جو قبل ازیں قرار دیے ۴۹۰
گئے[1]۔ بیشک اس کے ذاتی قرضوں کی پابندی شرکا پر عاید نہیں ہے (جیساکہ باپ کے قرضوں کی اس کے بیٹوں پر ہوتی ہے)۔ لہذا انتقالات جو اس نے ایسے قرضوں کے ادا کرنے کیلئے کیے ہوں شرکا پر قابل پابندی نہ ہوں گے۔ اس کے لئے بھی یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ بہ نسبت غیر منقولہ کے منقولہ پر اسے بہت زیادہ اختیارات ہیں بجز اس کے کہ بہ لحاظ نوعیت اختیارات وہ پیدا ہوتے ہوں اور اس طریقے کی حد تک جو عموماً ہوتا ہے۔ اس کے دیگر شرکا بھی اس کے خود کے پیدا کی ہوئی اراضی میں کوئی ادعا نہیں کر سکتے۔

**اپنے حصے کو دیدینے کا حق شریک خاندان**

**ف ۳۵۳** اب تک ہم خاندانی جائداد کے انتقالات از قسم ذیل پر بحث کر رہے تھے۔ ایک رکن خاندان بیع کرتا ہے یا کفالت پیدا کرتا ہے اور یہ ادعا کرتا ہے کہ اس بیع یا بار کے دوسرے شرکا ان کے حصص اور خود کا حصہ پابند ہیں۔ اب ہم متاکشرا خاندان کے ایک رکن کے اس حق کی جانچ کرنا چاہتے ہیں کہ کس حد تک وہ اپنے حصے کو منتقل کرنے کا مجاز ہے۔ انگریز قانوندال کے لئے ایسے حق کا وجود مسلمہ ہے۔ قدیم ہندو قانون میں اس کا یقین ہے کہ اس قسم کا کوئی حق مسلمہ نہ تھا۔ بنگال میں جیساکہ آپ آگے چلکر دیکھیں گے ایسا حق قطعی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن دوسرے صوبوں میں اس عنوان کے تحت۔ دو امور میں سخت اختلاف ہے۔ ایک تو ایسے حق کے وجود کے متعلق اور دوسرے اس کے استعمال کی حدود کے بارے میں۔ قانون متاکشرا کا نظریہ ایسے حق کے خلاف ہے میں نے قبل ازیں فقرہ ۲۷۰ میں اصول ذیل کو بیان کر دیا ہے۔ یہ کہ اس قانون

---

[1] اور دیکھو فقرات ۳۲۳، ۳۴۶۔ محض باپ کے نہ ہونے سے بیٹے کو انتقال یا رہن کے اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ وہ تو منیجر کو حاصل ہوتے ہیں۔ پٹیل بری ۱۲ بمبئی صفحہ ۳۶۲۔ سہبھا جنارڈ کے کارول کے اختیارات انتقال کے متعلق دیکھو کوبہی بنام لکشمی ۵ مدراس صفحہ ۲۰۱۔ کامینی بنام نرائن ۹ مدراس صفحہ ۲۶۶۔

کے تحت تمام شرکا جائداد کے مالکان مشترک ہیں۔ گر صرف ارکان کارپوریشن میں حصہ دار ہوتے ہیں لیکن حصے نہیں ہوتے۔ خاندانی کارپوریشن بغیر تغیر باقی رہتی ہے لیکن اس کے ارکان میں مسلسل گھٹاؤ اور اضافہ ہوتا رہتا ہے تقسیم تک کسی کا کوئی معین حصہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس وقت تک یہ کہنا ناممکن ہے کہ ہر ایک کا کیا حصہ ہوگا ایک دن جبکہ ایک رکن مرجائے حصہ زیادہ ہوگا اور دوسرے دن جب ایک رکن پیدا ہو تو کم ہو جائے گا[1]۔ ارکان کے حق تقسیم کو رفتہ رفتہ اور بادل ناخواستہ قبول کیا گیا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس حق کے سبب خاندانی جائداد کے منافعوں ۴۹۱
میں حصہ لینا منقطع ہو جاتا ہے اور آئندہ منفعتوں میں حصہ نہیں لیا جاسکتا۔ اگر آئے دن رکن خاندان کو اپنے حصے کے فروخت کرنے کی اجازت ہو اور مجبور نہ ہو کہ خود کو خاندان سے تقسیم کرکے علٰحدہ کرے۔ تو اسے تقسیم کے فوائد تو حاصل ہونگے مگر اس کی زحمتوں کا سامنا کرنے کے بغیر۔ وہ جائداد کے ایک ایسے جزو سے جو کبھی بھی اس کا نہ ہوا تھا بلا شرکت احدے استفادہ کرسکے گا۔ جائداد خاندان میں کمی ہو جائے گی اور اس طرح خاندان کو نقصان ہوگا۔ ساتھ ساتھ اس کا یہ حق باقی رہے گا کہ خاندان کے افراد کی محنت ومشقت سے جو کچھ فوائد آیندہ حاصل ہوں ان سے مستفید ہو۔ اس میں شک نہیں کہ بعد میں تقسیم ہونے سے اس رقم کو محسوب کیا جائے گا جو اس طرح دے دی گئی تھی۔ لیکن ہندو قانون کے قواعد میں خاندانی اتحاد کا جاری رہنا مضمر ہے نہ کہ اس کے ٹکڑے ہونا۔ تقسیم ہونے تک ایسا شخص غیر معمولی فائدے میں رہے گا۔ اس کی مثال ایسے شریک کی ہوگی جو اپنے حسب دلخواہ اپنے سرمایے کو اس تجارت سے ہٹا لینے کا ادعا کرے مگر خود کو ہٹا لینے کے بغیر۔

مشترکہ جائداد میں شریک کے حقوق۔

قبل تقسیم بھی ایسے انتقالات مخرب نظام خاندان ہونگے۔ اس نظام میں یہ مسلمہ ہے کہ ہر رکن خاندان کو اس کے سرمایے سے ہر چیز اسی تناسب سے دی جاتی ہے جو اس کے لئے ضروری ہو جتنی مرتبہ بھی ایسی ضرورت پیدا ہو۔ ہر سال کا دہ

[1] سدا برت پرشاد بنام فلدش کنور ۳ بنگال لا رپورٹ (F.B.) ۳۱ ۔ ۴۴ -۱۲ سد (F.B.) صفحہ ۱۔

بقایا جو صرف نہ ہوا ہو کل کے فائدے کے لئے اصل سرمایے میں داخل کر دیا جاتا ہے انفرادی جمع وخرچ کے نظام کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ ہر رکن کا کوئی کھاتہ نہیں کھولا جاتا۔ اخراجات کے خانے میں اس کے اخراجات نہیں لکھے جاتے اور بلحاظ آمدنی کوئی رقم اس کے حساب میں جمع نہیں کی جاتی۔ ہاں اگر ہر رکن کو اپنے حصے کے دبدینے کی اجازت ہو تو ایسا انتظام ضروری ہوگا۔ اور سالانہ حساب لینے پر یہ ہوسکتا ہے کہ یہ معلوم ہو کہ آمدنی کی جس مقدار کا وہ مجاز تھا اس کے اخراجات کی بابجائی کے لئے وہ مقدار کافی نہ تھی۔ اس وقت الجھن پیدا ہوگی۔ یا تو یہ ہوگا کہ غیر تقسیم شدہ خاندان کا رکن قطعاً پرورش پانے کا مستحق نہیں ہے۔ یا بطور خیرات نہ کہ بطور حق اسکی پرورش کی جائے گی۔ سب سے آخر میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ بلا تقسیم کے انتقال کی اجازت دینے سے شراکت میں غیر اشخاص اس کے ارکان کی رضامندی کے بغیر لازماً داخل
۴۹۲ ہوجائیں گے اور حق پسماندگی زائل ہو جائے گا جس کے وہ ایسا نہ ہونے کی صورت میں مستحق ہوتے ہیں۔

**اس کا اختیار انتقال**

ف ۳۵۴۔ ان کتابوں میں جو زمانہ قدیم میں اس مضمون پر لکھی گئی ہیں کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ انھوں نے اس امر پر توجہ ہی نہ کی۔ کیونکہ اس طرح کسی چیز کا واقع ہونا ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ کل کی رضامندی لے کر بھی خاندانی جائداد کا انتقال غالباً نہایت ہی شاذ واقعہ تھا۔ لیکن جوں جوں ایک سے دوسرے پر جائداد منتقل ہونے لگی تو ان حالات کی بھی صراحت شروع ہوگئی جن سے انتقال صحیح سمجھا جا سکے۔ ویاس کہتے ہیں:۔ "شرکا کی رضامندی کے بغیر کسی ایک شریک کو نہ چاہئے کہ کوئی بھی جائداد غیر منقولہ جس پر خاندان کا شراکتی قبضہ ہو فروخت کرے یا دیدے۔ مگر واحد شریک بھی غیر منقولہ جائداد دے سکتا ہے۔ رہن یا بیع کر سکتا ہے جبکہ تکلیف کا وقت ہو۔ یا خود اس کے گھریلو امور کی تائید کے لئے۔ اور خصوصیت سے مذہبی فرائض کی انجام دہی کے لئے[1] یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری

[1] جلد ا ڈائجسٹ صفحہ ۲۵۵۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹۔

ہے کہ خود اپنے خاص فائدے کے لئے خود اپنا حصہ بھی منتقل نہیں کرسکتا۔ چنانچہ نارد آٹھ قسم کی ایسی مشترکہ چیزوں کا ذکر کرتا ہے جو نہ دی جانی چاہییں اگرچہ کہ تقسیم شدہ بھائیوں کو وہ صراحتاً اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے حصوں کو اپنے حسب دلخواہ دے سکتے ہیں[1]۔ اور مصنف ودھاو چنتامنی ان احکام پر تبصرہ اور ان کو پسند کرتے ہوئے خود کی یہ دلیل پیش کرتا ہے "کیونکہ عقل سلیم کے مطابق کسی کو ان پر کوئی حق نہیں ہے"۔ دوسرے فقرے میں وہ یہ اضافہ کرتا ہے:۔ "جو متعدد اشخاص کی ملک ہے اسے ان کی رضامندی سے دیا جاسکتا ہے بشترکہ موروثی جائداد کل ورثا کی مرضی سے دی جاسکتی ہے[2]۔ [حصے کو دینے کا اختیار۔ غالبًا یہ کل فقرات باپ یا منتظم کے اختیار سے متعلق ہیں۔ متاکشرا اور میوکھ نے حق انتقال کو بیان کیا ہے مگر بظاہر وہ باپ کے اختیار کی صورت بحیثیت اس کے کہ کل خاندان کی نیابت کرتا ہے بیان کرنا چاہتے ہیں[3]۔ ان کو اس کا گمان بھی ہونا ظاہر نہیں ہوتا کہ کوئی ایک فرد خود اپنے لئے کچھ کرسکتا ہے۔ مسٹر ڈبلیو۔ میاکناٹن نے بھی بلا پس و پیش اسی نظریے کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: "مشترکہ موروثی جائداد میں جو حصہ ایک شریک کا ہوسکتا ہے اسے دینے سے شریک منع ۴۹۳
کیا گیا ہے۔ اور ایسا فعل اس جگہ جہاں کہ متاکشرا کے نظریے رائج ہیں (جو تقسیم تک کسی کے علحدہ حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ یا اصول (Factum Valet) کی بنا پر) بلاشک و شبہ خلاف قانون اور ناجائز ہوگا[4]۔ برخلاف اس کے مدراس صوبے کا حال لکھتے ہوئے مسٹر ایلس یہ خیال کرتے ہیں کہ خود منتقل کنندہ کے حصے کی حد تک بیع جائز ہوگی[5]۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسٹر کولبروک کو اس مسئلے کے متعلق یقین نہ تھا۔ ان کے مختلف

---

[1] نارد حصہ دوسرا فقرات ۴، ۵۔ فقرات ۴۲، ۴۳۔ دربمبئی ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۹۸۔

[2] ودھاو چنتامنی صفحہ ۲۷۷۔

[3] متاکشرا فقرات ۲۷، ۳۲۔ میوکھ ۳، ۵۔

[4] جلد ۱ ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۵۔

[5] ۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۳۵۰۔

خیالات کا نتیجہ حسب ذیل معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہ ایک شریک وارث نے اگر خود اپنے حصے کا ہبہ کیا ہو تو وہ ناجائز ہوگا۔ اور یہ کہ اگر سختی کے ساتھ دیکھا جائے تو بیع یا رہن بھی ناجائز ہوگا۔ لیکن یہ کہ صورت موخر الذکر میں "عدل گستری اس کی مقتضی ہوگی کہ خریدار کے نقصان کی تلافی کی جائے۔ تلافی کا طریقہ یہ ہوگا کہ کل یا کافی جزو کی تقسیم کرائی جائے تاکہ بائع کے حصے سے خریدار کے روپے کی بازیابی ہو سکے" سر تامس اسٹرینج نے اس خیال اور رائے کو اختیار کر لیا تھا اور بحیثیت حاکم عدالت اس پر انھوں نے عمل بھی کیا[1]۔

**تعمیل میں حصہ قرق کیا جاسکتا ہے۔**

**ف ۳۵۵** ظن غالب یہ ہے کہ پہلی مداخلت اصلی قانون میں اس وقت واقع ہوئی جبکہ بذریعہ تعمیل قرضوں کو نافذ کرایا گیا۔ یہ دلائل و براہین اگر دیکھا جائے تو بیشک جو کام کہ براہ راست بیع سے نہ کیا جاسکتا ہو تو بالواسطہ اس کام کی اجازت نہیں دیجا سکتی۔ بالواسطہ مثلاً ڈگری دار کی مداخلت سے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے قبل ازیں دیکھ لیا ہے ہندو قانون نے قرضے کے وجوب سے تقدس اور ثواب منسوب کر دیا ہے۔ اور اس کے سبب باپ کو اس قابل کر دیا کہ وہ اپنے دائنین کے توسط سے اپنے بیٹوں کے حق کو زائل کر سکتا ہے گو صریح انتقال جائداد کر کے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ فطری تغیر یہ ہوگا کہ تمام شرکا سے اس اصول کو متعلق کیا جائے۔ تاکہ دائن کو اجازت مل جائے کہ کسی ایک کا حصہ (مشترکہ جائداد میں) اس کے قرضے کی بیباقی کے لئے قرق کرا سکے۔ چند فیصلے ایسے بھی ہیں جن میں یہ طے کیا گیا ہے کہ متاکشرا قانون میں اس کی بھی اجازت نہیں ہوسکتی[2]۔ لیکن تمام صوبوں میں بارہا اس کا اثبات قاعدہ قرار دیا گیا ہے اور پریوی کونسل نے بھی اسے منظور کر لیا ہے۔

۱۴۹۳ یہ طے شدہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس ڈگری کے تحت جو منفرد شریک کے

[1] مس ۱۲ اشر نیج ہندولا صفحہ ۴۴۳ صفحہ ۹۴۳ صفحہ ۳۲۲۴ صفحہ ۲۳۹۔

[2] جلد ا ستر بنج ہندولا صفحہ ۲۰۰ صفحہ ۲۰۲۔ شاشلا بنام رام سامی ۲ ین۔ سی صفحہ ۲۲۴ آگے صفحہ ۲۵۷۔

[3] مانا بلدم ۱۰ صفحہ ۴۰۔ سائید و پرشاد ۲ سدر صفحہ ۲۱۔

خلاف خود اس کے قرضے کی بابت صادر ہوئی ہو وائن مدیون کی عین حیات خاندانی جائداد میں اس کی منفرد حقیت کا نیلام کرا سکتا ہے۔ ان فیصلوں پر قبل ازیں (فقرہ ۴۳۰) بحث کی جا چکی ہے جو یہ بتلاتے ہیں کہ بعد وفات مدیون ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا یقین کرنے کے لئے کہ تحت ڈگری جس نے نیلام میں جائداد خریدی ہو اس کا حق فی الواقعی کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے مزید دشواری ہو سکتی ہے۔ بنگال میں ہر رکن کو قبل تقسیم یہ حق حاصل ہے کہ اپنا حصہ مشخص کرلے اور دوسروں کی بلا شرکت اس پر قابض رہے۔ یہ اس لئے کہ وہاں شرکا کا قبضہ نیم علٰحدگی کی شکل میں ہوتا ہے۔ [خریدار کا حق]۔ بنابراں یہ قرار دیا گیا ہے کہ عدالتی نیلام میں جس نے ایک رکن کے حقوق خرید ے ہوں وہ خریدار قبضہ لینے کا مجاز ہے گو خاندانی گھر کے صرف ایک حصے پر اسے قبضہ مل سکتا ہو۔ دوسرے ارکان کے لئے یہ چارۂ کار ہے کہ مدیون کے حقوق نیلام میں خرید لیں[1]۔ لیکن ان صورتوں میں جن میں کہ قانون مشاکشرا متعلق ہوتا ہو صورت حال کچھ اور ہے۔ قانون مشاکشرا میں کوئی رکن یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ کوئی خاص حصۂ جائداد بلا شرکت احدے اس کا حصہ ہے۔ صریح معاہدے کے بعد البتہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ لہٰذا خریدار جس نے عدالتی نیلام میں جائداد خریدی ہو کسی خاص حصۂ جائداد پر قبضہ حاصل کرنے کا ادعا

[1] دلیپ دا بنام چدمبرا فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۳ء صفحہ ۲۴۴۔ سبرایا دو بنام گوپا دچلو ایضاً بابت ۱۸۶۵ء صفحہ ۲۴۷۔ ویرا سامی بنام ایا سامی ۱ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۷۱۔ واسدیو بنام وینکٹیش ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۵۰۔ پانڈورنگ بنام بھاسکر ۱۱ ایضاً صفحہ ۷۲۔ اودارام بنام رانو ایضاً صفحہ ۷۶۔ گورپرشاد بنام شیودین ۴ شمالی مغربی صفحہ ۱۳۷۔ دین دیال بنام جگدیپ ۴ مرافعات ہند صفحہ ۲۴۷۔ ۳ ک صفحہ ۱۹۸۔ جس میں جگدیپ بنام دین دیال کو منسوخ کیا گیا ۱۲ بنگال لاء رپورٹ صفحہ ۱۰۰۔ ۲۰ سدر صفحہ ۴۷۱۔ وینکٹ رامن بنام وینکٹ سبرامنی ام صفحہ ۲۰۵۔ سورج بنسی کنور بنام شیو پرشاد ۶ مرافعات ہند صفحہ ۸۸۔ ۵ ک صفحہ ۱۴۸۔ جالیہ بنام رامہ لال ۲۰ ک صفحہ ۲۲۳۔ رائے نرائن بنام نوت ایضاً صفحہ ۹۰۰۔ خریدار کی حیثیت شریک کی نہیں ہوتی جس کی رضامندی آیندہ معاملات متعلقہ جائداد کے لئے ضروری ہو۔ اب بنام سندریا A صفحہ ۴۴۔ گنراج بنام شیوزور ۲ ایضاً صفحہ ۵۹۸۔

[2] رام تنو بنام الیشر چند صدر دیوانی ۱۸۵۵ء صفحہ ۵۵۸۔ اکور بنام شاما سندری ۲ سدر صفحہ ۲۰۔ الیشا چندر بنام نند کمار ۸ سدر صفحہ ۲۳۹۔

نہیں کر سکتا[1]۔ جیسا کہ ایک مقدمے میں جوڈیشل کمیٹی نے کہا، "کوئی شبہ قائم نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا حصۂ جائداد ہے اور یہ کہ ڈگری دار اس کو لے سکتا ہے۔ وہ مختص، موجود اور معین ہے۔ مگر اس خاص طریقے کے تحت صحیح طور پر وہ ایسی چیز نہیں جو قرق ہو سکے۔ ہاں مالک کے خلاف راست کارروائی کر کے اسے قرقی اور تقرر ایسور کے ذریعے کیا جا سکتا
٤٩٥ ہے"[2]۔ اسی بنا پر جوڈیشل کمیٹی نے ذیل کے امور طے کئے۔ اس نالش میں جس میں خریدار کو قبضہ حاصل نہ ہوا ہو صحیح ڈگری یہ ہو گی کہ خریدار کے حق کا استقرار کیا جائے۔ یہ حکم کہ خریدار کو مدیون کا غیر تقسیم شدہ (یہ بتلایا جائے کہ وہ کتنا ہے) حصہ حاصل ہو گیا۔ یہ کہ ایسے حصے کی وسعت کا تعین کرنے کے لئے تقسیم کا ایسا اختیار دیا جاتا ہے جو مدیون کو اپنی زندگی میں حاصل تھا۔ یہ کہ دیگر شرکا کے قبضے کی تصدیق کی جاتی ہے۔ ایسی کل کارروائیوں کے تابع دیگر شرکا میں سے کوئی ایک اپنے ایسے حق کو نافذ کرا سکتا ہے جو خریدار نے لیا ہو۔ اور اگر خریدار نے قبضہ حاصل کر لیا ہو تو ایسی صورت کے لئے جوڈیشل کمیٹی نے تجویز ذیل کی۔ یہ کہ شرکا میں سے جو بھی مدعی ہو اسے چاہئے کہ کل خاندانی جائداد کا قبضہ حاصل کرے اور اس امر کا استقرار کرائے کہ خریدار کو شریک وارث (یعنے مدیون) کی حقیت حاصل ہو گئی اور یہ کہ کارروائیاں کر کے مجاز ہے کہ اس حقیت کا تعین بذریعۂ تقسیم کرائے[3]۔ اگر منتقل الیہ اس حصے کو پانے کا مجاز ہو جو اس کے منتقل کنندہ کو تقسیم پر مل سکتا تھا۔ اور دیگر شرکا نے منتقل شدہ مختص جائداد کے واپس پانے کے لئے نالش کی ہو تو مذکور الصدر منتقل الیہ اس پر اصرار کرنے کا مجاز ہے کہ جو دادرسی مدعیان کو عطا کی جا سکتی ہے وہ ان کے تقسیم پر راضی ہونے پر مشروط ہونی چاہئے۔ یہ تقسیم منتقل کنندہ کے حق کی حد تک محدود ہو گی تاکہ منتقل الیہ کے حق کی حفاظت ہو اور وہ نافذ ہو سکے[4]۔ بمبئی میں جو مقدمات پیش ہوئے ہیں ان میں ہائیکورٹ نے یہ قرار

---

[1] کالی بنام شونتن ۲۲ مدراس صفحہ ۲۱۴۔ کالیا بنام دیکنٹیشن ۲ بمبئی صفحہ ۶۷۶۔ منجیا بنام شموگا ۴۳ م صفحہ ۶۲۴۔ پانڈو وشنوجی بنام امارابھی ۳۴ بمبئی صفحہ ۲۷۴۔

[2] سید تفضل بنام رگھوناتھ ۱۴ مور صفحہ ۵۴۰۔

[3] سورج بنسی کنور بنام شیوپرشاد ۵ ک صفحہ ۱۴۸، ۴ ا صفحہ ۸۷۔ ہردے نرائن بنام رودرا پرکاش ۱۰ ک صفحہ ۶۲۶۔

[4] رام کشور کیدر ناتھ بنام جین نارائن رام راجپال ۴۰ ک صفحہ ۹۶۶ (پی سی)۔

دیا ہے کہ خریدار نیلام اپنے حقوق صرف ایک طریقے سے نافذ کرا سکتا ہے وہ نالش کر سکتا ہے کہ مدیون کا حصہ جو بھی اس کل جائداد میں ہو وہ تقسیم کے ذریعے اسے دیا جائے۔ ایسی نالش میں بیشک کل ارکان خاندان کو فریق بنانا ہوگا تقسیم کی ڈگری کی تعمیل کرانے میں جہاں تک عدالت دوسروں کے حقوق کی حد تک دے سکتی ہے اس کی کوشش کرے گی کہ خریدار کو بھی وہ مخصوص حصہ مل جائے جسے
۴۹۶ مدیون نے ابتداءً رہن یا بیع کیا ہو۔[1] صرف ایک حصۂ جائداد کی تقسیم کے لئے خریدار نالش نہیں کر سکتا کیونکہ پوری جائداد کا حساب ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ مدیون کا حق اگر کوئی ہے تو کس قدر۔[2] ہائیکورٹ مدراس نے یہ قرار دیا ہے کہ ایسی نالش دوسرے خریدار کے خلاف قابل سماعت ہے۔[3] مقدمۂ رام موہن لال بنام مولچند اور کلکتے کے مقدمۂ ترا فی چرن چکر برتی ۱۹۳۵ ۶۲ ک صفحہ ۵۵۶ میں یہ قرار دیا گیا کہ عام تقسیم کی نالش ضروری نہیں بلکہ مخصوص جائداد کی تقسیم کے لئے نالش کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ یہ فیصلے مشتبہ اسناد ہیں اس لئے اس بارے میں کوئی نزاع نہ ہو کہ مدیون صیغۂ تعمیل کس حصے کا مجاز ہے اور وارثین اس حصے پر قبضہ پا چکا ہو تو جس کارروائی سے وارثین کو یہ چیز حاصل ہوئی اس

---

[1] منجیا بنام شنموگا ۸ ۳ م صفحہ ۵۵۴۔ اگر وارثین کی نالش سے قبل تقسیم جائداد ہو چکی ہے اور جو جائداد رہن کی گئی تھی وہ کسی اور رکن خاندان کے حصے میں دی گئی ہو تو ایسی صورت میں رہن زیر بحث اس جائداد سے محو ہو جائے گا جو راہن کو تقسیم پر دی گئی ہو ہیم چندر بنام ٹکو سونی ۲۰ ک صفحہ ۵۳۳۔ امولک بنام چندن صفحہ ۳۸۴۔ مدراس کے مقدمے نے اس اصول کو بیع سے بھی متعلق کیا ہے لیکن دیکھو سباپتی پلے بنام تھنداوار یا ۔ وو ایل ۳ ۴۴ م صفحہ ۳۰۹۔ داوا صاحب بنام محمد سلطان صاحب ۴۴ م صفحہ ۱۶۷ جس میں یہ قرار دیا گیا کہ اس اصول کا اطلاق عدالتی نیلام کے خریدار پر نہیں ہو سکتا یا اس خریدار پر بھی نہیں ہو سکتا جس نے اصلی خریدار سے خریدا۔

[2] پانڈورنگ بنام بھاسکر ۱۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۷۲ اور دارا ماہ بنام رانو ایضاً صفحہ ۷۶۔ تارائن بنام راجہ رام ۲ ۸ بمبئی صفحہ ۲۰۱۔ بیل جھا بنام جھا ۲۲ سدر صفحہ ۱۱۶۔ جالیا بنام رام لال ۴ ک صفحہ ۳۲۴۔ مارو تی بنام لیلاچند ۶ بمبئی صفحہ ۵۶۴۔ دینکٹ راما بنام میرا لابائی ۱۳ م صفحہ ۲۷۵۔ بالائی کونن بنام ملدکونن ۲۰ م صفحہ ۴۴۲

[3] ایلیا روتن بنام تھرو ملی ۴۳ م صفحہ ۶۶۴ بمقدمۂ رام موہن لال بنام مولچند ۸ ۲۲ صفحہ ۱۳۹ اسکے برعکس رائے قائم کی گئی۔

کے لئے دیگر ارکان میں تقسیم ہونا ضروری نہیں بجز اس کے کہ وہ اس کے متمنی ہوں[١] -[بہ الفاظ دیگر حق تقسیم کے متعلق مدراس اور بمبئی میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ خریدار مذکور صرف اس جائداد کی تقسیم کرانے کا مجاز نہیں ہے بجز اس کے کہ دیگر شرکا رضامند ہوئے ہوں] شریک البتہ خریدار پر اس حصے میں سے جو منتقل کیا گیا اپنا حصہ پا لنے کے لئے نالش کرسکتا ہے پوری جائداد کی تقسیم کا ادعا کرنا ضروری نہیں[٢] بمبئی میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ تقسیم سے پہلے بھی ایک شریک کے مرافق کا خریدار دوسرے کے ساتھ اسامی مشترک ہوتا ہے[٣]۔ اس طرح اگر اس نے اس جائداد پر قبضہ پا لیا ہو جس پر اس سے قبل مدیون قابض ومتصرف تھا تو دوسرے شرکا اسے محض مداخلت بیجا کنندہ تصور نہیں کرسکتے۔ اگر وہ بحیثیت اسامیان مشترک رہنا چاہتے ہوں تو وہ اسے مجبور کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے حصے سے اس طرح استفادہ کرے کہ ان کے استعمال میں مداخلت نہ ہو۔ اگر وہ ایسی حالت میں رہنے کے متعلق معترض ہوں تو انھیں چاہئے کہ تقسیم کی نالش کریں[٤]۔

مدراس کے مقدمات مابعد میں اس نظریے کو قبول نہیں کیا گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ خریدار اسامی مشترک نہیں ہے بلکہ وہ اپنے حقوق تقسیم سے نافذ کرانے کا مجاز ہے[٥]۔

**بالعمد انتقال جائداد کے متعلق اختلاف**

ف ٣٥٦- یہ قرار دے کر کہ ڈگری کی تعمیل میں ایک رکن کا حصہ فروخت کیا جا سکتا ہے یہ قرار دینا کہ وہ خود بھی فروخت کرسکتا ہے نہایت آسان ہے۔ اسی لئے تعجب اس کا ١٧
ہے وہ جو مقدم الذکر کو قبول کرتے ہیں کس طرح دوسرے

[١] مرار راؤ بنام سیتارام ٢٣ بمبئی صفحہ ١٨٤۔

[٢] رام چرن بنام اجودھیا پرشاد ٨ صفحہ ٥٠٠۔ چنا سنیاسی بنام سورباراز ٥٠ صفحہ ٩٠١۔ بسر انیا چیٹر بنام پدمانابھا چیٹر ٥٠ صفحہ ٧٦٢۔ ہنمنداس رندیال بنام ولبہداس ٢٣ بمبئی صفحہ ١٧۔

[٣] نارو گوپال بنام پارگاوداا ٤١ بمبئی صفحہ ٣٤٧۔

[٤] مہابالیا بنام تمیا ١٢ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ١٣٨۔ باباجی بنام واسدیو ١ بمبئی صفحہ ٩٥۔ کلپا بنام وینکٹیش ٢ بمبئی صفحہ ٦٧٦۔ پٹیل ہری بنام حکم چند ١٠ بمبئی صفحہ ٣٦٣۔ یہ رائے اسکے مغائر ہے جو پانڈو بنام گاما ٤٣ بمبئی صفحہ ٤٧٢ میں دی گئی تھی۔ دیکھو ف ٣٩٣۔

[٥] سنیا بنام شانموگا ٣٨ مدراس صفحہ ٤٨٤۔ مہاراجہ بوبلی بنام وینکٹ راسنجلو نائڈو ٣٩ مدراس صفحہ ٢٦٥۔

اصول سے انکار کرسکتے ہیں۔ بنگال۔ تاہم ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بنگال اور شمالی مغربی صوبوں کے ہائیکورٹ انکار کرتے ہیں اور مدراس اور بمبئی کے ہائیکورٹ اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنگال میں ابتداءً خود ڈگری دار کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۷۱ء کے ایک فیصلے میں اس سے انکار کیا گیا تھا۔ اور اس فیصلے کی ناراضی سے مرافعہ نہیں کیا گیا[1]۔ بالآخر پریوی کونسل نے بصیغۂ مرافعہ اس حق کو قائم کر دیا۔ اس مرافعے میں بعد کا فیصلہ سنہ ۱۸۷۳ء منسوخ کیا گیا[2]۔ بنابراں مسلسل فیصلوں نے ایک ایسا عمل شروع کیا جو نظریے کے مطابق تھا۔

**دفعہ ۳۵۷**۔ مدراس اور بمبئی کے قدیم فیصلوں نے شریک کے حق کی نفی کی۔ یہ کہ شریک اپنا حصہ منتقل نہیں کرسکتا۔ مگر ڈگری دار کے حق کو تسلیم کر لیا گیا تھا اور اسی وجہ سے شریک کا حق مماثل بالآخر تسلیم کر لیا گیا۔ مدراس۔ مدراس میں سب سے پہلا مقدمہ جس کا فی الواقعی فیصلہ کیا گیا وہ سنہ ۱۸۱۳ء کا ہے جو سر ٹامس اسٹرینج کے اجلاس پر تھا۔ اس مقدمے میں واقعہ یہ تھا کہ وہ غیر تقسیم شدہ بھائیوں میں سے ایک نے اپنے خاص مقاصد کے لئے خاندانی جائداد رہن کر دی تھی۔ اولاً دوسرے بھائی نے اس امر کے استقرار کی نالش کی تھی کہ جائداد میں اس کے حصے پر اس رہن کی پابندی نہیں ہے۔ اس نالش میں حساب اور تقسیم کی ڈگری صادر ہوئی۔ مرتہن نے دعوی فکسی دونوں کے خلاف دائر کیا کہ زر رہن ادا کیا جائے اور جائداد مرہونہ کا نیلام ہو۔ اس میں یہ ڈگری دی گئی کہ یہ نالش دوسرے بھائی کے مقابلے میں خارج کی جاتی ہے۔ یہ کہ راہن کا حصہ رہن مذکور کا پابند ہے۔ اس رقم کی ادائی کے لئے جو رہن کے سبب واجب الادا ہو۔ لیکن یہ کہ اس جائداد کا کوئی جزو فروخت نہ کیا جانا چاہئے جو رہن اور بانڈ میں شامل تھی۔ تاآنکہ ابتدائی ڈگری میں جو ہدایت حساب اور تقسیم کے متعلق دی گئی تھی وہ مکمل ہو جائے۔ مسٹر کولبروک کے ملاحظے میں یہ کارروائیاں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کوٹا بالا بدرا پترو بنام کمترا داس ۲۱ م لا جرنل صفحہ ۲۷۵۔

[1] بھائیرو بیرشاد بنام باسٹو ۱۲ سدر لینڈ صفحہ ۱۳۱۔

[2] دین دیال بنام جگدیپ ۴ مرافعات ہند صفحہ ۲۴۷۔ ۳ ک صفحہ ۱۹۸۔

پیش کی گئیں اور انھوں نے ان کارروائیوں کو پسند تو کیا مگر اس شبہے کے تابع کہ آیا خود
۴۹۸ منتقل کنندہ کے حصے کی حد تک بھی یہ بار جائز تھا[۱]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کی
صدر عدالت نے ۱۸۵۳ء میں یہ تجویز فرمائی کہ شرکا میں سے ایک نے اگر بیع کی ہو تو ایسی
بیع اس کے حصے کی حد تک تقسیم کے بغیر بھی جائز ہوگی[۲]۔ برخلاف اس کے تلیشہ ری کورٹ
کے ایک پنڈت کی رائے شامل مسل ہے جو اس شبہے کی مؤید ہے جو مسٹر کولبروک نے ظاہر
کیا تھا۔ سوال کیا گیا "کیا ایسے خاندان کا ایک جو صرف دو اشخاص پر مشتمل ہو نصف
دے سکتا ہے اور اس کے شریک کے حصے کو چھیڑنے کے بغیر" اس کے جواب میں
اس نے جواب دیا:- "نارد کے متن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سابق میں تقسیم کا ہونا ضروری
ہے اور یہ تقسیم کل کے اتفاق سے ہونی چاہیئے۔ بنابراں اپنے اختیار تمیزی سے اپنے
حصے کی حد تک دیدینا جائز نہیں ہے[۳]" ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۰ء کے تین مقدمات میں صدر عدالت
نے اس اصول کا اتباع کرکے یہ قرار دیا کہ غیر تقسیم شدہ رکن کی کی ہوئی بیع خود اس کے
حصے کی حد تک بھی جائز نہیں بجز اس کے کہ ضرورت ایسی شدید ہو[۴]۔

**ہائیکورٹ مدراس کی منظوری۔**

**ف ۳۵۸**۔ ان حالات میں سوال ہائیکورٹ مدراس کے ملاحظے میں آیا۔ ارکان خاندان غیر منقسمہ کے دو بھائیوں میں سے ایک نے خاندانی جائداد کے دو مکانوں میں سے ایک کو خود اپنے ذاتی قرضے کے لئے رہن کیا تھا۔ اس کے بعد اس پر مارٹ کے ہرجے کے لئے نالش کی گئی اور فیصلہ بھی اس کے خلاف صادر ہوا۔ ڈگریدار وائن نے تعمیل شروع کرائی اور تحت حکمنامہ شرف نے مدیون کے اس حق کو قرق اور بیع کیا جو مرہونہ مکان میں اسے حاصل تھا نیز دوسرے مکان میں بھی۔ خریدار

---

۱ راما سامی بنام شیشلا ۲۔ ین۔ بی۔ صفحہ ۴۲۳ صفحہ ۲۴۰ (۴۷)۔
۲ چناپیل بنام شوکن فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۳ء صفحہ ۲۲۰۔
۳ جلد ۲ اسٹرینج ہندو لا صفحہ ۴۰۱۔
۴ رام کشی بنام کالا تورائن فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۹ء صفحہ ۶۷۔ کنک سبیا بنام شیشلا ایضاً ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۷۔ سندرا بنام نیگراج ایضاً صفحہ ۶۷۔

نے دونوں بھائیوں پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے نالش کی۔ چیف جسٹس اسکاٹ لینڈ نے یہ فیصلہ کیا کہ رہن اور تعمیل کی ایک ہی کیفیت تھی۔ یہ انتقال کنندہ کے حصے کی حد تک جائز تھا۔ اور یہ کہ ڈگری دار یا خریدار شریک خاندان صرف اس حصے کا مجاز ہے جو اسے تقسیم ہونے کی صورت میں منفرد آل سکتا تھا۔ ایسے حصے کی رقم بیشک خاندان ۴۹۹
کی حالت پر منحصر ہو گی[1]۔ مدراس میں اس فیصلے کو اس وقت سے اب تک نہایت مستند سمجھا جاتا ہے اور بار بار اس کا اتباع کیا گیا ہے[2]۔ [جدید نظائر مختص حسب ذیل جائداد کا منتقل الیہ یا غیر منقسم حقیت کا منتقل الیہ عام تقسیم کی صورت میں اس کا محق ہے کہ وہ جائداد اس کے نام پر منتقل کر دی جائے بشرطیکہ دیگر شرکا کے حق میں ناانصافی نہ ہوتی ہو[3]] اور عدالت نے حکم دیا کہ باپ اس حصے سے زیادہ منتقل نہ کرے جو غیر منقسمہ جائداد میں اسے حاصل تھا البتہ ان انتقالات میں مداخلت کرنے سے انکار کیا گیا جو اس کے حصے کے اندر معلوم ہوتے تھے[4]۔

اختیار کی وسعت:۔

ان کل مقدمات میں منتقل الیہ کے حین حیات معاملہ نافذ کرایا گیا تھا اور یہ اصول

---

[1] ویرا سامی بنام اپا سامی ۱ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۷۱۔ قانون انتقال جائداد دفعہ ۴۴۔ لیکن اگر سکونتی مکان کا منتقل الیہ (جو مکان غیر منقسمہ خاندان سے متعلق ہو) اجنبی ہو تو وہ مشترکہ قبضے یا ایسے مکان کے مشترکہ استفادے کا مجاز نہ ہو گا۔

[2] پدا ستولتی بنام تھاریڈی ۶ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۰۰۔ پالانی ولیا بنام منار وایضاً صفحہ ۴۱۴۔ رایاچیر لو سام وینکٹ راجیام ایضاً صفحہ ۶۰۔ ایاگری وینکٹ رامیا بنام ایاگری رامیا ۲۵ مدراس صفحہ ۶۹۰ (F B) چنوپلے بنام کالی متو چٹی ۲۵ مدراس صفحہ ۵۰۷ (F B) اشتمالی شریک دوسرے کے حق میں اپنے حصے سے دست بردار ہو سکتا ہے پدیا بنام راما لنگم ۱۱ مدراس صفحہ ۳۰۔ بلیبیا ۔ قانون میں تقسیم کی اجازت نہیں ہے اس لئے اس قانون میں حق انتقال کوئی چیز نہیں ہے بیارسی بنام پتا ۱۴ ام صفحہ ۳۰۳۔

[3] دھولا بھائی بنام لالہ دھولا ۱۹۲۲ء ۶۸ نظائر ہند صفحہ ۱۱۵ کندا سامی ۱۹۲۶ء ۹۶ نظائر صفحہ ۳۹۹ گرو ناگیا ۱۹۳۲ء ۱۳۱ نظائر ہند صفحہ ۶۸۶۔

[4] کتوکرتی ۱۴ م صفحہ ۱۵۳۔

بیان کیا گیا کہ چونکہ خود منتقل کنندہ تقسیم پر راضی تھا اس لئے عدالت اسے مجبور کرے گی کہ "وہ دائن کو وہ تمام جائزہ کاروائے جن کا وہ خود اسے معاملہ کے متعلق مجاز ہوتا ہے"[1] اسوقت بھی اسی قاعدے کا اطلاق کیا گیا جبکہ وفات کے باعث تقسیم ناممکن ہوگئی تھی۔ باپ نے جائداد کا ایک جزو اپنی زوجہ کو رجسٹر شدہ دستاویز کے ذریعے دیا تھا اور قبضہ بھی دیدیا تھا۔ یہ جزو کل کے نصف سے بھی کم تھا اس کے مرنے کے بعد اس کے اکلوتے لڑکے نے اس کی تنسیخ کے لئے نالش کی۔ عدالت نے اس بحث کو سننے سے بھی انکار کیا کہ ایسے عطیے کے متعلق باپ کا اختیار کیا ہے "کیونکہ یہ قانون طے شدہ ہے کہ ایک ہندو اپنے اختیار کے اندر ہبہ کرسکتا ہے اور اس مقدمے میں متوفی نے کوئی کام اس سے زیادہ نہیں کیا"[2] یہ مقدمہ اصول ذیل کے سبب منسوخ کیا گیا یہ کہ خریدار جس نے قیمت دی ہے اسے حق دیا گیا ہے کہ تقسیم کرائے۔ یہی حق محض معطی لہ یا موہوب لہ کے پہلے پیدا نہیں ہوسکتا۔ قیمت دینے والے خریدار کے حق پر اس کے بائع کے مرنے سے اثر نہیں پڑا۔ برخلاف اس کے عالیہ عدالت نے یہ تجویز فرمائی کہ کوئی شریک ہندو خاندان اپنے ۵۰۰ منتقل الیہ کو جائداد مشترکہ کا کوئی مختص حصہ نہیں دے سکتا اگرچہ کہ ایسا جزو خود اس کے حصے سے کم ہو۔ جائداد کے ہر حصے میں ہر شریک غیر منقسمہ حصے کا قابض ہوتا ہے۔ اور اسی لئے جو کچھ بھی ایک شریک فروخت کرسکتا ہے وہ اس کا حق یا مرافق ہے جو اسے اس حصے میں حاصل ہے[3]۔

| | |
|---|---|
| **ف ۳۵۹** مذکورالصدر فیصلے اس سے پہلے صادر ہوئے تھے جو کہ بنگال کے اجلاس کامل نے صادر کیا تھا۔ اس کا بیان اس کے بعد فقرہ ۳۶۲ میں آئیگا۔ | **غیر منقسمہ حصے کے متعلق ہبہ یا وصیت ناجائز ہے** |

---

۱ ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۷۰۔

۲ وینکٹ پتی بنام لچھمی ۲ مدراس جرنل۔

۳ بابا بنام تارم صفحہ ۷۵۳۔ پنو سامی بنام تھاتا ۹ م صفحہ ۳۰۴۔ رامنا بنام وینکٹ ۱۱ م صفحہ ۲۴۶۔ روتالا رنگا دسن بنام پی۔ راما سامی ۲۲ م صفحہ ۱۲۳۔

۴ وینکٹ چلا بنام چینیا ۵ م ہائیکورٹ صفحہ ۱۹۶۔ سنیا بنام شنمو گا ۸ م صفحہ ۲۰۶۔

تاہم اس فیصلے کے بعد بھی وہی سوال مکرر اٹھایا گیا سوال یہ تھا کہ آیا باپ موروثی جائداد کو ہبہ کر سکتا ہے اور اگر کر سکتا ہے تو کیا ایسا ہبہ بالوصیت اس کے اکلوتے لڑکے کے مقابلے میں جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ دو امور پر بحث کی گئی۔ اولاً یہ کہ باپ اپنی زندگی میں خود اپنا حصہ (متعلق بہ جائداد خاندان) دید سے سکتا تھا۔ ثانیاً یہ کہ اس کا جاری کردہ ہبہ بالوصیت اس حد تک جائز ہے جس تک کہ سادہ ہبہ ہو سکتا تھا عدالت نے پہلے نظریے کو منظور کیا لیکن دوسرے سے انکار۔ بنگال ہائیکورٹ نے یہ رائے قائم کی تھی کہ تقسیم سے تشخص ہونے تک کوئی بھی اپنا حصہ منتقل نہیں کر سکتا۔ اس نظریے کا حوالہ دینے کے بعد عدالت نے فرمایا: "اگر لفظ "حصہ" سے مخصص حصہ مقصود ہو تو بلاشک یہ استدلال درست ہے کہ تقسیم سے قبل کوئی شریک اپنا حصہ دوسرے پر منتقل نہیں کر سکتا کیونکہ تقسیم سے قبل اس کی تشخیص نہیں ہو سکتی کہ وہ کس قدر ہے۔ علیٰ ہذا مدراس میں بھی یہی قانون ہے کہ تقسیم سے پہلے کوئی شریک جائداد مشترکہ کے کسی مخصص حصے کو مثل اپنے موافق کے منتقل نہیں کر سکتا۔ اگر اس روشنی میں غور کیا جائے تو وہ دشواریاں غائب ہو جاتی ہیں جن سے ہائیکورٹ کلکتہ متاثر ہوئی تھی۔ اس شخص کو جس کے حق میں شریک حصہ منتقل کیا گیا ہے تقسیم پر وہی ملے گا جو شریک مذکور کا حصہ قرار پائے۔ حاصل کرنے کے وقت اور تعین اور علحدہ کئے جانے تک جو کچھ بھی وہ اس طرح حاصل کرے وہ اسی طرح گھٹاؤ بڑھاؤ کا تابع ہوگا جس طرح کہ وہ شریک کا حصہ باقی رہنے کی صورت میں تابع ہوتا۔ مناسب اور صحیح وقت پر بلا کسی دشواری کے حصے کی تشخیص کی جا سکتی ہے۔ نہ تو اس صوبے کے مروجہ ہندو قانون کے تحت اور نہ عام اصولوں کی بنیاد پر یہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس قسم کا حق ناقابل
۵۰۱ انتقال ہے۔ تیسرے مسئلے کے متعلق ہماری رائے ہے کہ وصیت زیر بحث نافذ نہیں کرائی جا سکتی۔ مرتے وقت حق عود اس حق کے متناقض ہوتا ہے جو وصیت سے پیدا ہو۔ اس وقت چونکہ حقیت بر بنائے قاعدۂ عودی مرجح ہوتی ہے اسی لئے وہ پہلے نافذ ہوتی ہے اور حقیت بر بنائے وصیت کلیتہً نظر انداز کی جاتی ہے[1]۔"

[1] وٹھلا بٹن بنام یامنامہ ہائیکورٹ صفحہ ۶۔

ی کے فیصلے

ف ۳۶۰ بمبئی میں فیصلوں نے تقریباً وہی راستہ اختیار کیا ہے
جو مدراس میں کیا گیا۔ ابتدائی مقدمات شریک کے حق انتقال
کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ فیصلے فرمائے
ہ سکتے کہ دو غیر منقسمہ بھائیوں میں سے ایک بھائی کا کیا ہوا بیع یا رہن خود اس
، حصۂ جائداد غیر منقسمہ کی حد تک بھی ناجائز ہے۔[1] بعد کے مقدمات میں معلوم
ہوتا ہے کہ صدر عدالت بمبئی نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ خریدار حصہ شریک تقسیم کی
ش کرسکتا ہے اور اس طرح اس حصے کو حاصل کرسکتا ہے جو اس نے خریدا ہے
یہ عدالت مذکور نے یہ قرار دیا تھا کہ ہندو خاندان کے شریک کے حصے کا خریدار
یم سے قبل اس جائداد کے کسی خاص حصے کے قبضے کے لئے۔ نہ تو نالش کرسکتا ہے
رنہ یہ کہنے کا مجاز ہے کہ وہ حصہ بلاشرکت احد سے اس کا ہے۔[2] سپریم کورٹ اور
دمیں ہائیکورٹ نے غیر منقسمہ رکن کے اس حق کو کہ وہ اپنا غیر منقسمہ حصہ بیع یا رہن
رسکتا ہے اور اس رواج کو بھی کہ اسے ایسا کرنا چاہئے۔ میر مجلس ویسٹراپ نے اس
یبا فیصلے میں جو ۱۸۷۳ء میں کیا گیا تھا کل سابقہ فیصلوں کو جمع فرمایا ہے۔[3] انھوں
نے اس کا اعتراف فرمایا کہ متاکشرا کا اصلی قانون (اور متیھلا اور بنارس جو رواج
س سلسلے میں قائم ہوا ہے) اس قاعدے کے مطابق ہے جو بنگال کے اجلاس
امل نے قرار دیا ہے لیکن یہ فرمایا کہ مغربی ہند میں اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔
ھوں نے اسناد پر نظر ڈالنے کے بعد یہ کہتے ہوئے ختم فرمایا:۔ "پابندی نظائر کے
سول نے سر بارنس پیکاک (Sir Barnes Peacock) اور ان کے ساتھیوں کو

[1] بالوجی بنام وینکیپا بمبئی سلکٹ رپورٹ صفحہ ۲۱۶۔ باجی بنام پانڈورنگ فیصلہ جات بارس حصۂ دوم
صفحہ ۳۰۹۔ لیکن دیکھو بمبئی سلکٹ رپورٹ صفحہ ۲۴۲ کا فتویٰ جس میں اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔
[2] واسدیو بنام وینکٹیش ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۵۶ جہاں مقدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔
[3] واسدیو بنام وینکٹیش ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۱۳۹ کا اتباع۔ فقیرپا بنام چنپا ایضاً صفحہ ۱۶۲
اجلاس کامل انگائیں بنام گنپا بھٹ ۵ بمبئی صفحہ ۶۷۳۔ پانڈورنگ نرائن بنام بھگونداس
آتارام سیٹھ ۴۴ بمبئی صفحہ ۳۴۱۔

اس کی ترغیب دی کہ وہ سختی سے ان صوبوں میں متاکشرا کے نظریۂ انتقال کی پابندی کریں جو ان کے اختیارات کے تابع ہیں اور جہاں کہ اس مقالے کو مستند سمجھا جاتا ہے۔
۵۰۲ ہندوستان کے اس حصے میں ہم خود کو اس نظریے سے ہٹ کر فیصلہ کرنے پر مجبور پاتے ہیں۔ نظریۂ مذکور ہندو شریک خاندان کے اس حق سے انکار کرتا ہے کہ وہ نہ تو بدل قیمتی کے لئے اپنا غیر منقسمہ حصۂ جائداد خاندانی بیع کرسکتا ہے نہ اس پر بار عاید کرسکتا ہے اور نہ اور طرح منتقل کرسکتا ہے۔ اسناد مذکور الصدر ہم کو نتیجۂ ذیل کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ کہ اس صوبے میں قاعدۂ ذیل مسلمۂ قانون سمجھا جانا چاہئے۔ ہندو خاندان کے شرکا میں سے کوئی ایک تقسیم سے پہلے اور دیگر شرکا کی رضامندی حاصل کرنے کے بغیر بدل قیمتی کے لئے خاندانی جائداد کا غیر منقسمہ حصہ بیع رہن یا اور طرح منتقل کرسکتا ہے۔ نیز یہ کہ ایسا حصہ اس کے دائن کے فیصلے کی تعمیل میں جو اس کے خلاف صادر ہوا ہو قرق کرایا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کے اس حصے میں عدالتوں نے ایک مدت دراز سے مسلسل طور پر اسی طرح فیصلہ کیا ہے اور فیصلوں کے اس سلسلے پر اکثر حقیتیں مبنی کی گئی ہیں۔ لہذا اگر ہم اس کے برعکس فیصلہ کریں تو بیشتر حقیتوں پر مضر اثر پڑے گا۔ ہماری نظر میں فیصلے پر جمے رہنا بہتر ہے بہ نسبت اس انحراف کے جو متاکشرا کے خاص نظریۂ حق انتقال سے کیا جائے۔"

بمبئی کی عدالت اس حق کو طریقۂ ذیل سے نافذ کرانی ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا حساب فہمی اور تقسیم کی ڈگری دی جاتی ہے[1]۔ خریدار قبضۂ مشترک کا مجاز نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا استقرار کیا جاتا ہے کہ اس کو بائع کا مرافق حاصل ہوگیا ہے۔ اس کو اس کے بعد آزادی حاصل رہتی ہے کہ اپنے حقوق کو جدید نالش تقسیم کے ذریعے نافذ کرائے[2]۔

ہبہ یا ہبہ بالوصیت ناجائز ہے | **ف ۳۶۱** گو عالیہ عدالت بمبئی ایسے خریدار

---

[1] دیکھو فقرہ ۳۵۵۔

[2] پانڈو روتھوجی بنام گوپاراجی ۳۰ بمبئی صفحہ ۲۰۷ نیز پانڈورنگ بنام بھگوانداس ۵ ملفظاً ہنڈ صفحہ ۳۴۵۔ ایشور پا بنام کرشتا ۷۶ نظائر ہند صفحہ ۳۳۳۔

کے حقوق کی موئید ہے جس نے قیمت دی ہے تاہم وہ ایسے منتقل الیہ کو کسی خاص رعایت کا مستحق نہیں قرار دیتی جس نے بدل نہ دیا ہو۔ وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ غیر منقسمہ شریک نہ تو اپنے حصے کا زندگی میں ہبہ کر سکتا ہے اور نہ وصیت سے اسے دے سکتا ہے[1]۔ ان دونوں امور میں وہ ہائیکورٹ مدراس سے متفق ہیں۔ بلاشک اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کی صورت میں تقسیم کی ڈگری کا انحصار کسی منصفتی حق پر نہیں ہو سکے گا۔ تاہم
۵۰۳ ہائیکورٹ نے اپنے فیصلے کو ذیل کی صریح وجہ پر مبنی کیا۔ یہ کہ غیر منقسمہ خاندانی جائداد کے شریک کے حصے کو حکام ہر طرح اور ہر صورت میں قابل انتقال قرار دینے پر مائل نہیں ہیں۔ صرف اس حد تک ایسے حصے کو قابل انتقال قرار دے سکتے ہیں جس حد تک کہ وہ ان نظائر کے باعث جن کا کہ حوالہ دیا گیا اور صوبہ بمبئی کے روایات سپریم کورٹ و روایات صدر عدالت کے سبب خود کو مجبور پاتے ہیں[2]۔ پریوی کونسل نے تاحال حصۂ شریک خاندان کے ہبہ کے جواز کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا گو حکام عالیمقام کی ذہنیت کا رجحان نسبتاً اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے[3] لیکن حال میں حکام عالیمقام نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اگر شریک خاندان کل شراکتی جائداد ہبہ کرنا چاہتا ہو تو معطی لہ یا موہوب لہ کو خود اس کا حصہ بھی نہیں مل سکتا[4]۔

| | |
|---|---|
| حصے کی وسعت کا تعین کس طرح کیا جاتا ہے | **ف ۳۶۲** ۔ جیسا کہ مدراس اور بمبئی کی عدالتوں نے قرار دیا ہے اگر شریک سے خرید نے والے کے |

[1] گنگو بائی بنام رامنا ۳ بمبئی ہائیکورٹ (مرافعہ جات) صفحہ ۶۶۔ تکارام بنام رامچندر ۶ ایضاً صفحہ ۲۴۷۔ اودھارام بنام رانو ۱۱ ایضاً صفحہ ۷۶۔ ورنداون بنام یامونا ۱۲ ایضاً صفحہ ۲۲۹۔ کالو بنام باسو ۱۹ بمبئی صفحہ ۸۰۳۔ سیتارام پنڈت بنام ہری بائی پنڈت ۳۵ بمبئی صفحہ ۱۰۹۔ پاروتی بائی بنام بھگونت وشوناتھ بیچالک ۳۹ بمبئی صفحہ ۵۹۳۔

[2] ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۲۳۱۔

[3] لکشمن بنام رامچندر ۷ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۹۵ صدر کورٹ ۵ بمبئی صفحہ ۴۸۔

[4] رادھاکنت لال بنام نظامی بیگم ۴۵ ک صفحہ ۳۳، پی سی۔ وصیت کے ذریعے انتقال کیلئے دیکھو وینکٹ نارائن ۳۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۲۵، ۹، ۳ م صفحہ ۱۰۷، اس قاعدے کی تصدیق کی گئی جس کا ذکر فقرہ ۳۵۹ میں ہے۔

حقوق کا تعین صرف تقسیم کے ذریعے کیا جا سکتا ہو تو مزید سوال ذیل پیدا ہوگا۔ خاندانی جائداد میں اس کا تعین کرنے کے لئے کہ اس کے مرافق کی مقدار کیا ہوگی کونسی تاریخ محسوب کی جانی چاہیئے؟ مثالاً فرض کیجئے کہ واقعات حسب ذیل ہوں۔ منجملہ دو بھائیوں کے ایک بھائی اپنے خاص مفاد کے لئے خاندانی جائداد پر رہن کار بار عائد کرے اور مزید تین بھائی کے پیدا ہونے تک رہن باقی رہے۔ اور باپ مر جائے۔ اس کے بعد دائن اپنے دعوے کو نافذ کرانے کے لئے نالش کرے۔ کیا دائن کو جائداد کی ایک ثلث پر حق ہوگا جو کہ رہن کے وقت اس کے مدیون کا مرافق تھا۔ یا صرف ایک خمس پر جو مرافق نالش کے وقت اس کا ہے؟ مدراس ہائیکورٹ کے اجلاس کامل نے ایک مرتبہ موخرالذکر رائے پر عمل کیا[1]۔ بعد کے اجلاس کامل نے اس رائے سے اختلاف فرمایا۔ اور فرمایا کہ اصولاً اور پریوی کونسل کی سابقہ رائے عدالتی (Dicta) کے مطابق حسب احکام مٹاکشرا مروجہ مدراس غیر تقسیم شدہ ہندو خاندان کا رکن اپنے اس مرافق کو منتقل کرنے کا حق رکھتا ہے جو بروقت انتقال اس کا ہو اور یہ کہ منتقل الیہ نالش مابعد میں
۵۰۴ اسی مقدار کے حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ نیز شرکا کی کمی بیشی سے نہ تو ایسا مرافق بڑھ سکتا ہے اور نہ گھٹ سکتا ہے[2]۔ ہائیکورٹ بمبئی نے بھی ایک مرتبہ حسب ذیل تجویز فرمائی۔ یہ کہ تقسیم سے پہلے دوسرے شرکا کی پیدائش کے سبب خریدار کا حصہ گھٹ جا سکتا ہے[3]۔ مگر اس کے بعد سے اسی عدالت نے اس رائے سے اختلاف فرمایا ہے[4]۔ مدراس اور بمبئی دونوں میں یہ طے شدہ ہے کہ قیمتی انتقال کا نفاذ بعد وفات منتقل کنندہ بذریعۂ نالش اسی حد تک ہو سکتا ہے جس حد تک کہ اس کی زندگی میں نالش ہونے کی صورت میں ہوتا[5]۔ پریوی کونسل نے بمقدمہ مہادیو پرشاد بنام

[1] رنگا سامی بنام کرشنایں ۱۴ مدراس صفحہ ۴۰۸۔
[2] جنوپلے کالی موتو چٹی ۳۵ مدراس صفحہ ۴۷ اجلاس کامل۔
[3] گرو لنگپا بنام نندپا ۲۱ بمبئی صفحہ ۷۹۷۔
[4] نارو گوپال بنام پارانگوڈا ۴۱ بمبئی صفحہ ۳۴۷۔
[5] الامیلا بنام رنگا سامی ۲۲ مدراس صفحہ ۱۱۳ صفحہ ۵۹۰۔ رنگا سامی بنام کرشنایں ۱۴ مدراس صفحہ ۴۰۸ ایاگری

مہربان سنگھ[۱] برعکس فیصلہ فرمایا۔ یہ مقدمہ اودھ کا تھا اور اس صحیح وجہ پر فیصلہ کیا گیا کہ مقدمۂ مذکور بنگال کورٹ کے قاعدے کا تابع ہے جس عدالت کی یہ تجویز ہے کہ متاکشرا قانون میں غیر منقسمہ خاندان کے کل انتقالات جو اس نے اپنے حصے کے متعلق کئے ہوں ناجائز ہیں۔ جدید نظائر کے فیصلے تقسیم پر منتقل الیہ وہ حصہ پائیگا جو اس کے منتقل کنندہ کا بروقت انتقال تھا۔ مثلاً زید، بکر۔ اور عمرو ہندو شراکت کے ارکان ہیں۔ زید کا حصہ فروخت کیا جاتا ہے اور اسے خالد خریدتا ہے۔ بکر بعد نیلام مرجاتا ہے۔ خالد۔ زید اور عمرو پر تقسیم کی نالش کرتا ہے۔ خالد ایک ثلث پائیگا نہ کہ نصف۔ بکر کا حصہ زید اور عمرو پر عود کرے گا۔ مگر اس اصول کا اطلاق صرف اس جزو پر ہوتا ہے جو منتقل کنندہ کا حصہ ہو۔ جائداد کے واقعی مدات کے متعلق یہ قرار دیا گیا ہے کہ خریدار کو حصہ دیتے وقت اس کل جائداد کو ملحوظ رکھا جائے گا جو بروقت نالش موجود ہو۔ موتو کارستا پتیر بنام شیو نرائن پلے سنہ ۱۹۳۳ء ۵۶ مدراس صفحہ ۵۳۴]

## بنگال اور صوبہ جات شمالی مغربی میں برعکس نظریہ

ف ۳۶۳ جب ہم صوبہ جات بنگال و شمالی مغربی کی عدالتوں پر متوجہ ہوتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نظریۂ قدیم پر کلیۃً عدالتہائے مذکور متفق ہیں۔ میتھلا کے ایک مقدمے میں دو مرتبہ پنڈتوں سے استصواب کیا گیا کیونکہ ایک پنڈت کی دیانتداری پر اشتباہ پیدا ہوا تھا۔ اس میں اعلان فرمایا گیا کہ "مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائداد کا ہبہ عام ازیں کہ وہ اصلی ہو یا ذاتی جائز نہیں ہے۔ خود واہب کے حصے کی حد تک بھی کیونکہ جائداد کی وضاحت اور یقین کرنے تک نہ تو ایسی جائداد بیع کی جاسکتی ہے اور نہ اور طرح دی جاسکتی ہے۔ وضاحت اور تعین تقسیم کے بغیر نہیں ہوسکتا[۲]"۔ دوسرے مقدمات میں جو اسی ضلع کے تھے اسی مسئلے پر صراحۃً فیصلہ فرمایا گیا[۳]۔ دوسرے اضلاع کے مقدمات میں بھی جو متاکشرا کے تابع تھے اسی قاعدے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بنام ایاگری ۵ ۲م صفحہ ۶۹۰۔ جیون بنام رام گوبند ۵ ایضاً صفحہ ۱۶۳۔

[۱] ۱۷ امراضعہ جات ہند صفحہ ۱۹۴۔ ۱۸ اک صفحہ ۱۵۷۔

[۲] نندرام بنام کاشی ۳ صدر دیوانی صفحہ ۲۳۲ صفحہ ۳۱۰۔ جلد ۱ ا ارس صفحہ ۱۷۔ ۴ صدر صفحہ ۷۰۔

[۳] شیو چرن بنام جمن ۶ صدر دیوانی صفحہ ۱۷۶ اصفحہ ۲۱۴۔ شیو سہائے بنام سری کشن ۷ ایضاً صفحہ ۱۰۵۔

پر عمل کیا گیا[1] چونکہ مدراس و بمبئی کے عالیہ عدالتوں کے بعض متضاد فیصلے ہوئے تھے اس لئے ۵۰۷
سنہ ۱۸۶۹ء میں اس مسئلے کے متعلق بنگال ہائیکورٹ کے اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا۔
کل سابقہ فیصلوں اور احکام مندرجۂ کتب قانون کی تفصیلی جانچ کی گئی اور عدالت نے
جواب دیا کہ اپنے دیگر شرکاء کی رضامندی کے بغیر قانون متاکشرا کا تابع حصہ دار خود
کے لئے روپیہ حاصل کرنے اپنا غیر منقسمہ حصہ منتقل کرنے کا مجاز نہیں ہے خاندان کے
مفاد کے لئے رقم حاصل کرنا اور چیز ہے۔ عدالت نے یہ فرمایا کہ صرف "اسناد کے اس سلسلے
کو منسوخ کرنے کے بعد جس کے سبب تقریباً نصف صدی سے قانون کا طے شدہ ہونا ظاہر
ہوتا ہے۔ اور جس قانون کے اصول کے مطابق یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان اصولوں کا یہی
مفہوم لیا گیا ہے اور بنا بر اں ان پر حسبہٗ عمل بھی ہوتا ہے[2] اس کے خلاف نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے"
پریوی کونسل نے اس فیصلے کو تا بہ حد بنگال۔ اودھ اور صوبہ جات شمالی مغربی[3] تسلیم قرار
دیا ہے۔ نتیجۃً ان ممالک میں انتقال قطعی کالعدم ہے اور خود منتقل کنندہ شریک کا حصہ
ایسے معاملے سے منتقل نہیں ہوتا۔ ایک رکن مشترک کل شراکت کے حق میں اپنے مرافق سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صفحہ ۱۲۲ مسماۃ روپینا۔ بنام رے ریوتی صدر دیوانی ۱۸۵۶ء صفحہ ۲۴۴۔

[1] شیو سرن بنام شیو سوہائے ۴ صدر دیوانی صفحہ (۱۵۸) صفحہ (۲۰۱)۔ کاسی دت بنام سودابرت ۳ صدر لینڈ صفحہ (۲۱۰) ان فیصلوں کو دیکھو جو صوبۂ شمالی مغربی کی عدالت کے ہیں اور جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ سودابرت پرشاد بنام پھول بخش کنور ۳ بنگال لا رپورٹ اجلاس کامل صفحہ (۴۲)۔ ۱۲ صدر لینڈ صفحہ (۱) اور للتی کنور بنام گنگا۔ ین۔ ڈبلیو پی صفحہ (۲۷۷) الہ آباد ہائیکورٹ نے ان فیصلوں کو پسند اور ان کا اتباع کیا۔ شاملی بنام رام پرشاد ۲ الہ آباد صفحہ (۲۶۷)۔ رامانند بنام گوبند سنگھ ۵ ایضاً صفحہ (۳۸۴) معلوم یہ ہوتا ہے کہ عدالت نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ اگر کسی رکن نے اپنا حصہ منتقل کیا ہو تو وہ دوسرے رکن کے مماثل انتقال پر معترض نہیں ہو سکتا گنراج بنام شیو زور ۲ الہ آباد صفحہ (۸۹۸)۔

[2] سدابرت پرشاد بنام پھول بخش کنور ۳ بنگال لا رپورٹ اجلاس کامل صفحہ (۳۱)۔ ۱۲ سدر لینڈ اجلاس کامل صفحہ (۱)۔

[3] ناتھو بنام ۴ بنگال لا رپورٹ (مرافعہ) صفحہ (۱۵)۔ ہنومان بنام بابو کشن ۸ ایضاً صفحہ (۳۵۸) پھول کشن کنور بنام لال جگیسر ۲ سدر لینڈ صفحہ (۳۴۰) بصیغۂ نظر ثانی ۱۰ سدر لینڈ صفحہ ۴۸۔ دوسرے مسئلے کی وجہ سے منسوخ کیا گیا ۳ مرافعہ جات ہند صفحہ ۷۰۔ اسک صفحہ ۲۲۶۔ ۲۵ سدر لینڈ صفحہ ۲۸۵ بنسی لال بنام شیخ اولاد ۲۲ سدر لینڈ

دست بردار ہو سکتا ہے مگر وہ کسی واحد رکن کے حق میں خود اپنے مفاد کے لیے اپنے حصے کو منتقل نہیں کر سکتا۔[1]

## منتقل الیہ کے حقوق

**ف ۳۶۴** بنگال میں بھی ناہم اور اجلاس کامل کے فیصلے کے وقت سے عدالت نے فریقین کے حقوق پر بحث کی ہے۔ ان کے حقوق کا تصفیہ اس طریقے سے فرمایا ہے کہ بعض حالات میں اس سے تقریباً وہی نتیجہ نکلتا ہے جو کہ مدراس اور بمبئی کے نظریے سے فطری طور پر نکالا جا سکتا ہے۔[2] اس مقدمے میں (یعنی ۵۰۶
مقدمہ مہابیر پرشاد) مدعی علیہ نمبر (۲) نے جو کہ باپ بھی تھا اور مشترکہ خاندان کا کرتا بھی خاندانی جائداد مدعی علیہ نمبر (۱) کے پاس ایسی ضرورت کے لئے رہن کی جو قانونی نہ تھی۔ بڑے لڑکے نے خود کی جانب سے اور نابالغ لڑکے کی جانب دستاویز زیر بحث کی تنسیخ کے لئے نالش کی۔ عدالت نے شہادت سے یہ معلوم کیا کہ مدعی نے معاملۂ مذکور کے متعلق رضامندی دی تھی۔ بنابراں صرف نابالغ کے مرافق کی بحث رہ گئی تھی۔ شہادت سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ نابالغ کو معاملے سے کسی طرح بھی فائدہ ہوا تھا۔ اولاً عدالت نے یہ فرمایا کہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صفحہ ۵۵۲۔ چندر کمار بنام ہربنس سہائے ۱۶ کلکتہ صفحہ (۱۳۷) مہادو پرشاد بنام ہربان سنگھ ۱۷ مراقعاجات ہند صفحہ (۱۹۴) ۱۸ کلکتہ صفحہ (۱۵۷) بال گوبند داس بنام نراین لال ۲۰ ایضاً صفحہ (۱۱۶) ۱۵ الہ آباد صفحہ (۳۳۹) بھاگرتی بنام شیو بھک ۲۰ ایضاً صفحہ (۳۲۵) کالی سنکر بنام نواب سنگھ ۳۱ ایضاً صفحہ (۵۰۷) لیکن دیکھو شیواجی راؤ بنام وسنت راؤ ۳۳ بمبئی صفحہ (۲۶۷)۔

[1] چندر کشور بنام وصیت ۱۱۶ الہ آباد صفحہ (۳۶۹)۔

[2] مہابیر پرشاد بنام رامید ۱۲ بنگال لا رپورٹ صفحہ (۹۰) ۲۰ سدرلینڈ صفحہ (۱۹۲) اتباع مقدمہ مجونا پرشاد بنام گنگا پرشاد ۱۹ کلکتہ صفحہ (۱۰۴) دیکھو اودھ ارام بنام رانو ۱۱ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ (۷۶) جب کہ رکن جو نیلام کی تنسیخ کا مدعی ہو عدم قابلیت کے سبب خود تقسیم کی نالش نہ کر سکتا ہو تو کسی صورت میں بھی حق تنسیخ نیلام نافذ نہیں کرایا جا سکتا۔ رام سہائے بنام لالہ لالجی ۹ کلکتہ صفحہ (۱۴۹) رام سندر بنام رام سہائے ایضاً صفحہ (۹۱۹) ایسا حق ذاتی ہوتا ہے اور یہ ایسے سبب ایسے شخص کے وارث کو حاصل نہیں ہو سکتا جس شخص نے کہ تنسیخ انتقال کی نالش شروع کرنے کے بعد مرگیا ہو۔ پدارت سنگھ بنام راجہ رام ۴ الہ آباد صفحہ (۲۳۵)۔

غیر مشروط طریقے پر فسخ کا نتیجہ حسب ذیل ہوگا "یہ کہ عود کرنے پر جائداد سے خاندان مشترکہ استفادہ کرے گا جیسا کہ رہن اور بیع سے قبل ہو رہا تھا۔ اور لازماً حسب احکام قانون متاکشرا انتظام جائداد بھی اسی آدمی کو ملے گا (مدعی علیہ ۲) جس نے کہ مدعی علیہ نمبر (۱) سے اس صنوعی ضمانت پر جو رہن سے حاصل ہو رہی تھی مبلغ تین ہزار روپیہ وصول کیا۔ نصفت اور دیانتداری کے اصول کا حقہٗ اس کے موئید نہیں معلوم ہوتے"۔ نیز یہ کہ فیصلۂ اجلاس کامل نے (دیکھو نوٹ ۱۱ اس کے پہلے) جس نے کہ اس کا قطعی تصفیہ کر دیا کہ دستاویز منسوخ کی جاسکتی ہے یہ کہنے سے احتراز کیا کہ کن شرائط پر ایسی دادرسی عطا کی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد عدالت نے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ کسی وقت بھی باپ (مدعی علیہ ۲) تقسیم کا ادعا کر سکتا ہے "اور بدیہی طور پر مدعی علیہ نمبر (۱) تعقبی اصول کے تحت باپ کے خلاف اس پر مصر ہونے کا مجاز ہے کہ اس کا حصہ متعین کیا جائے اور دوسروں کے مفاد کے لئے اس کو حاصل کر سکتا ہے۔ باپ نے ان کی رقم یہ ظاہر کر کے حاصل کیا کہ اسے جائداد خاندان مشترکہ پر مواخذہ عاید کرنے کا اختیار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اسے یہ اختیار حاصل نہ تھا۔ لہذا وہ کم از کم اپنی غلط بیانی کی تلافی کرنے پر مجبور ہے اس کو چاہیئے کہ جہاں تک وہ کر سکتا ہو اس جائداد پر اپنے انفرادی مالکانہ حق کو اس طرح استعمال کرے کہ تلافی ہو سکے۔ خلف اکبر پر بھی اصلاً انہی استدلال کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اس نے رہن کی تکمیل میں باپ کی مدد کی مجموعی طور پر لہذا ہماری یہ ۵۰۷
رائے ہے کہ مدعیان کو دو امور ذیل کی ڈگری دی جانی چاہیئے۔ یہ کہ مدعیان جائداد کو خاندان مشترکہ کے لئے واپس پائیں۔ اور یہ کہ اس ڈگری میں یہ استقرار بھی شامل رہنا چاہیئے کہ واپس پانے کے بعد خاندان اس جائداد پر قابض رہے اور مشخصہ حصص میں اس سے استفادہ کرے یعنی ایک ثلث باپ کا ہو (مدعی علیہ ۲) ایک ثلث خلف اکبر کا (مدعی) اور ایک ثلث دوسرے لڑکے کا جو نابالغ ہے۔ نیز اس میں اس کا بھی اعلان و استقرار کیا جانا چاہیئے کہ باپ اور خلف اکبر کے حصص پر مشترکاً اور منفرداً مدعی علیہ نمبر ۱ کا مبلغ تین ہزار روپیہ واپس پانے کے لئے حق ہونا چاہیئے یہ وہ رقم ہے جو مدعی علیہ نمبر ۱ نے مدعی علیہ نمبر ۲ کو دی تھی تاریخ قرضہ سے ادائے قرضہ تک مد رقم مذکور پر ۶ فی صدی سود محسوب کیا جانا چاہیئے"۔

## جوڈیشل کمیٹی

جوڈیشل کمیٹی نے (بمقدمہ دینہ دیال بنام جگدیپ

۴۴ مرافعہ جات ہند صفحہ (۲۵۵) ۳ ک صفحہ (۱۹۰) اس فیصلے کے لئے فرمایا۔ "جو قانون کہ
اس طرح بیان کیا گیا ہے اس میں اور وہ جو مدراس اور بمبئی میں رائج ہے ان دونوں میں
اصلاًبہت ہی کم اختلاف دکھائی دیتا ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ یہ کہ مقدم الذکر کا اطلاق اس رائے اور نظریے پر منحصر
ہو سکتا ہے جو حکام کسی خاص مقدمے کے نصفوں (یعنی حقوق متعلق بہ مقدمہ) کے متعلق قائم
کریں۔ برخلاف اس کے موخرالذکر نے ایک وسیع اور عام قاعدہ حقوق داین کے متعلق
قایم کیا ہے" (دیکھو فقرہ (۳۵۵)۔ مقدمۂ مہابیر پرشاد کے قاعدۂ من بعد پریوی کونسل نے
پسند فرمایا[1] اور بعد کے مقدمات میں اس پر عمل ہوتا آیا ہے[2] بورڈ کے ایک
جدید فیصلے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس قاعدے کا اطلاق ان صورتوں تک محدود کیا گیا ہے۔
جن میں صریح غلط بیانی یقینی طور پر ثابت کی جائے۔ حکام عالی مقام نے یہ تصفیہ
کرنے سے انکار فرمایا کہ تمام صورتوں میں ایسا بیان مضمر ہوا کرتا ہے۔ اور چنانچہ فرمایا
"قطع نظر اس کے کہ اس خاص مقدمے کا (یعنی مقدمۂ مہابیر پرشاد) تصفیہ صحیح طور پر
ہوا تھا یا نہ ہوا تھا یہاں اس کا لحاظ کرنا ضروری نہیں کیونکہ فاضل حکام نے اپنے
سلسلۂ فیصلہ کو یہ فرض کرتے ہوئے جاری رکھا۔ کہ جس بیان کا حوالہ دیا گیا ہے
وہ اس میں موجود تھا۔ واقعات کو دیکھنے کے بعد حکام عالی مقام اس تجویز سے
اتفاق کرتے ہیں کہ ایسے بیان کے متعلق شہادت اگر کوئی تھی بھی تو بہت ہی کم۔ مگر ۵۰۸
یہ کہ فیصلہ اس پر مبنی تھا کہ ایسا بیان موجود تھا۔ نیز بجز اس کے کہ فاضل حکام نے
یہ قرار دیا ہوتا کہ اس بیان سے تصفیق حق پیدا ہوا ان کے فیصلے کا مفہوم حسب ذیل
ہوگا۔ یہ کہ بعد اس رہن میں جو خاندان مشترکہ کے بزرگ کا کیا ہوا ہو خاندانی مشترکہ
جائداد پر راہن کے مرافق کی حد تک دسترس حاصل ہو سکتا ہے۔ خاص حالات کی
موجودگی میں جیسا کہ مقدمۂ محولہ میں تھے جو کچھ بھی واقع ہو مگر قانون عام ایسا نہیں ہے"[3]

[1] مہادیو پرشاد بنام مہربان سنگھ ۱۷ مرافعہ جات ہند صفحہ (۱۹۴)۔ ۱۸ اک صفحہ (۱۵۷)۔
[2] مثلاً بمقدمۂ جمونا پرشاد بنام گنگا پرشاد ایضاً اس کے پہلے۔
[3] لچھمن پرشاد بنام سرنام سنگھ ۲۹ A صفحہ (۵۰۰) پریوی کونسل۔

پریوی کونسل کا یہ فیصلہ اور اس کے بعد کے فیصلے[1] سے بظاہر اس قاعدے کا ا
محدود ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح محدود ہو جاتا ہے کہ متاکشرا کا سمت ترنظ
عود کرے بجز اس کے خاص حالات پائے جائیں جیسا کہ صریح بیان کا مختص
بظاہر نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے بعد سے مقدمۂ مہابیر پرشاد[2] کے متعلق یہ نہیں سمجھا جا
فیصلۂ مذکورہ نے ایک نیا قاعدۂ قانون وضع کیا ہے جو ہر صورت میں متعلق ہو سکے
جائداد کا منتقل کرنے والا شریک خاندان مر گیا ہو اس قسم کا نعفنی حق کسی صور
میں بھی نافذ نہیں کرایا جا سکتا۔ اس واقعے کے وقوع کے ساتھ ہی (یعنی ا
مرتے ہی) اس کا حصہ ایسے اشخاص پر عود کر جاتا ہے جو متوفی کے قرضوں ا
وجوبات کے ذمہ دار نہیں ہیں[3]۔

**انتقال کے خلاف چارۂ کار**

**دفعہ ۳۶۵** ایک رکن خاندان کا چارۂ کار ان انتقالا
کے خلاف جو دوسرے رکن نے کیا ہو اس میں شک نہ
اس رائے پر منحصر ہوتا ہے جو عدالت نے ایسے انتقالات
جواز کے متعلق قایم کی ہو۔ اس قانون کے مطابق جو مدراس اور بمبئی میں نا فذ
رائج ہے ایسے انتقالات خود منتقل کنندہ کے حصے کی حد تک جائز ہیں۔ گو انتق
سے کچھ اور منتقل کرنا ظاہر ہوتا ہو۔ چونکہ ایسے انتقال کی قطعی تنسیخ کے لئے
نالش قابل پذیرائی نہیں ہو سکتی اس لئے ہندو شراکت کا رکن کل جائداد کے
کے لئے نالش کر کے ڈگری حاصل کر سکتا ہے۔ منتقل الیہ اس حصے کے متعلق جوا
انتقال سے دیا گیا ہو اپنا حق علیحدہ نالش تقسیم کے ذریعے قایم کر سکتا ہے۔ ا
جب منتقل الیہ نے مشترکہ جائداد کے کسی مختص حصے پر بلا شرکت احدے قبض
کر لیا ہو تو دوسرے شرکا کی نالش پر وہ بے دخل کر دیا جا سکتا ہے۔ کیو ۵۰۹
تقسیم ہونے تک کل جائداد میں ہر ایک کو غیر منقسمہ حقیت حاصل رہتی ہے ا

[1] انت رام بنام کلکٹر ایٹا۔ ۴۸/صفحہ ۱۷۱ پی سی۔
[2] مہادیو پرشاد بنام ہر نرائن سنگھ ۷ امرافعجات ہند صفحہ (۱۹۴)۔ ۱۸ ک صفحہ (۱۵۷)۔
[3] قبل ازیں دفعہ ۳۵۵۔

وہ مشتری جو ایک شریک حصہ دار کے توسط سے دعویدار ہوا ہے بہتر حالت میں نہیں رہ سکتا جس کے تحت وہ دعویدار ہو[1] اور اگر خاندان غیر منقسمہ کے ایک رکن نے ہبہ رہن انتقال یا ہبہ بالوصیت سے خاندانی جائداد کے دینے میں تجاوز کیا ہو (یعنی اس سے زیادہ منتقل کیا ہو جس کا قانون نے اسے مجاز کیا تھا) تو باوجود اس کے کہ بے دخلی نہ ہوئی ہو دیگر ارکان کو حق حاصل ہے کہ وہ اس معاملے کو خلاف قانون قرار دلائیں اور جس حد تک کہ وہ ناجائز ہے اسے فسوخ کرائیں[2] اور ایسی نالش میں انتقال زیر بحث فسوخ کیا جائے گا۔ تنسیخ کلیتہً ہوگی یا جزاً۔ اس کا انحصار اس پر ہوگا کہ آیا مقدمہ مذکور پر نظریہ بنگال منطبق ہوسکتا ہے یا نظریۂ مدراس و بمبئی۔ یہ دلائل قوی ہیں ایسے بیع کو جو خاندان کے لئے قطعی فریب تھا اور جس سے مشتری واقف تھا تمام عدالتیں منسوخ کریں گی۔ کیونکہ جس حق کے ذریعے اس کو نافذ کرایا جاسکتا تھا وہ قطعاً ناقابل پذیرائی ہوجائے گا[3]۔ اس کا ذکر قبل ازیں کردیا گیا ہے[4] کہ ایسی نالش میں جو شریک خاندان نے کی ہو ڈگری کس طرح مرتب کی جائے گی۔

خود ان قواعد کے مطابق جو بنگال کی عدالتوں نے بنالیا ہے باپ کے کئے ہوئے انتقال کا ثبوت پہنچنے پر بیٹا یہ درخواست کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ رجسٹری میں اس کے باپ کے نام کے بجائے خود اس کا نام درج کیا جائے۔ وہ یہ بھی درخواست کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ صرف اس کے حق میں قبضہ اور ملکیت کی ڈگری دی جائے یہ کہ یہ عمل

---

[1] وینکٹ جیلا بنام چنیان مدراس ہائیکورٹ صفحہ (۱۶۶) فقرات (۲۹۹ اور ۳۵۵)۔

[2] کنوکرتی بنام دینکٹ رام داس ۴ مدراس جرنل صفحہ (۲۵۱) کامنتہ نارائن بنام رام لال ۳ سدرلینڈ صفحہ ۱۰۷ راجہ رام نواری بنام لچھمن ۸ سدرلینڈ صفحہ (۱۶) رینو بنام لالجی ۲۲ سدرلینڈ صفحہ (۳۹۹)۔ چنا سنیاسی بنام تریا ۵ م صفحہ (۱۹۶)۔ استقراری ڈگریوں کے لئے دیکھو درانسگا بنام کتما تاشیر ۲ مرافعہ جات ہند صفحہ (۱۶۹)۔ (۱۵) بنگال لارپورٹ صفحہ (۸۳)۔ ۲۳ سدرلینڈ صفحہ (۳۱۴) میعاد سماعت کے لئے دیکھو قانون ۱۵ بابت ۱۸۷۷ء ضمیمہ (۲) ف ۱۲۶۔ راجہ رام تواری بنام لچھمن پرشاد ایضاً اس کے قبل۔

[3] راؤجی بنام گنگا دھر بٹ ۴ بمبئی صفحہ (۲۹) سداشیو بنام دھکو بائی ۵ بمبئی صفحہ (۸۵۰)۔

[4] قبل ازیں ف ۳۵۵۔ اس سوال کے متعلق بھی کہ آیا جبراً تقسیم کے لئے نالشات مشتریان کرسکتے ہیں یا نہیں۔

اس کے بجائے کیا جائے جو سائق میں بزرگ خاندان کو حاصل تھا[1] لیکن مثل مدراس
اور بمبئی کے وہ غیر منقسمہ خاندان کی جانب سے کل جائداد کے قبضے کے لئے نالش کرنے کا
مجاز ہے۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ کل جائداد میں انتقال کرنے والے کا حصہ بھی ۵۱۰
داخل ہے۔ خریدار کارروائی کر کے بذریعۂ تقسیم اس حصے کا تشخص کرا سکتا ہے[2]۔

**تنسیخ انتقال بر حقوق**

**دفعہ ۳۶۶** تاہم اس سے یہ بات خود بخود پیدا نہیں ہوتی کہ[3]
خاندان کا کوئی ایک رکن ایسے انتقال کو بلا شرائط منسوخ
کرا سکتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ بیع کو منسوخ کرانے والے فریق کو چاہئے کہ اس رقم کی جو کہ
مشتری نے دی تھی اس حد تک پابجائی کرے جس حد تک کہ رقم مذکور سے خود اس کو
فائدہ ہوا ہے یا تو مشترکہ سرمایہ میں شامل کرنے سے یا ان مواخذات کی ادا میں خرچ
کرنے سے جن سے وہ اس جائداد پر جو اس کے قبضے میں تھی مواخذات مذکور کے متعلق
حق قائم کرنے کا مجاز ہوتا تھا[4]۔ بنگال کے مقدمے میں عدالت اجلاس کامل سے مسئلۂ ذیل
کے متعلق استصواب کیا گیا۔ "اگر لڑکے نے اپنی موروثی جائداد خریدار سے یہ ثبوت دے کر
واپس لی ہو کہ بیع کو قانوناً جائز کرنے والی ضرورت معدوم تھی اور یہ کہ انتقال کے بارے میں
اس کا سکوت بالرضانہ تھا تو کیا ایسا لڑکا قانون متاکشرا کے تحت منتقل شدہ جائداد کا قبضہ
واپس پانے سے پہلے زر ثمن واپس کرنے پر منصفی طور پر مجبور ہے" میر مجلس پیکاک
نے جواب دیا کہ "ایسے حالات کا ثبوت معدوم ہونے پر جس سے خریدار کو لڑکے سے رقم

[1] چتور بنام بجکو صدر دیوانی ۱۸۵۰ء صفحہ (۲۸۲) کانتھ نراین بنام پریم لال ۳ سدرلینڈ صفحہ ۱۰۲ ان مقدمات کو دیکھو جن کا ذکر لالتی کنور 7. N.W.P. صفحہ (۲۷۰) میں ہے۔

[2] ہنومان بنام باہو کشن ۸ بنگال لا رپورٹ صفحہ (۳۵۸)۔ ۱۵ سدرلینڈ (اجلاس کامل صفحہ ۶) دینڈیال بنام جگدیپ نراین ۴ مرافعہ جات صفحہ (۲۴۷) ۳ ک صفحہ (۱۹۸)۔ ہروے نراین بنام رودر پرشاد ۱۱ مرافعہ جات ہند صفحہ (۲۶)۔ ۱۰ ک صفحہ (۶۲۶) دیکھو بھول نشن کنور بنام للتا جگیشور ۱۰ سدرلینڈ صفحہ (۴۸) جہاں خود کے حصے کے متعلق نالش کرنے کے حق کا ذکر ہے۔

[3] پھر بھی دیکھو مرایا بنام رنگا سامی ۲۳ م صفحہ (۸۹)۔

[4] مدھو بنام کلبر بنگال لا رپورٹ ضمیمہ جلد صفحہ (۱۰۱۰) ۹ سدرلینڈ صفحہ (۵۱۱) ہنومان بنام بھگ کشن

واپس پانے کا نصفتی حق حاصل ہوتا ہو لڑکا اس کا مجاز ہوگا کہ زرثمن یا اس کا کوئی جزو واپس دینے کے بغیر قبضہ حاصل کرے۔ ہم کو المضاعف یہ کہنا چاہئے کہ اگر حسب اطمینان عدالت یہ ثابت ہو جائے کہ زرثمن جائداد مشترکہ میں شامل کر لیا گیا تھا اور یہ کہ اس سے لڑکے کے حصے کو فائدہ ہوا تو پھر وہ جائداد سے اپنا حصہ نہیں پا سکتا بجز اس کے کہ اپنے حصے سے زرثمن کا جزو واپس کر دے۔ اس لئے اگر یہ ثابت کیا جائے کہ بیع کا مقصد یہ تھا کہ جائز مواخذے کی رقم جس کا پابند لڑکا بھی تھا ادا کی جائے اور یہ کہ زرثمن جائداد کو مواخذے سے آزاد کرنے کے لئے صرف کیا گیا تو فطری طور پر خریدار اس کا مجاز ہوگا کہ مواخذہ دار کی حیثیت حاصل کرلے۔ گو مواخذہ ایسا ہو کہ مواخذہ دار 511 اس کی فوری ادا کے لئے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہ کہ لڑکے کے حق میں موروثی جائداد کے واپسی کی ڈگری یا خود اس کے حصے کی ڈگری جو بھی صورت ہو قابل پذیرائی ہوگی مگر وہ خریدار کے اس حق کی تابع ہونا چاہئے کہ اس کو مواخذہ دار کی قائمقامی حاصل ہو جائے مجھے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعی علیہ پر اس کے ثبوت کا بار رہیگا کہ زرثمن اس طرح خرچ کیا گیا تھا۔ میں اس تصفیے سے متفق نہیں ہوں جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے اور جس میں یہ کہا گیا ہے کہ شہادت اس کے خلاف معدوم ہونے کی صورت میں یہ فرض کیا جانا چاہئے کہ باپ نے جو رقم حاصل کی تھی وہ مشترکہ خاندان کے سرمایے کا جزبن گئی تھی۔ اگر جائداد فروخت کرکے باپ کو رقم حاصل کرنے کا حق نہ تھا اور بیٹا ابھی بیع کو منسوخ کرانے کا مجاز ہو تو یہ ثابت کرنے کا بار کہ بیٹے کے حصے کو زرثمن سے فائدہ ہوا اس شخص پر ہوگا کہ جس کی یہ حجت ہو کہ جائداد کو واپس پانے سے قبل بیٹے کو چاہئے کہ زرثمن واپس کرے۔ اگر یہ ظاہر ہو کہ واقعات سے آگاہ رہ کر اس نے زرثمن سے مستفید ہونے پر رضامندی دی تھی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں (۸) بنگال لا رپورٹ صفحہ (۲۰۸) میں اتباع کیا گیا۔ ۱۵ سدرلینڈ اجلاس کامل صفحہ (۶) کندی بنام سرب سکھ ۱۹ A صفحہ (۴۱۷)، تیجپال بنام گنگا ۲۵ A صفحہ (۵۹) مولوی محمد شمس ال بنام سیو کہ رام (۲) مرافعہ جات صفحہ (۷)۔ صفحہ (۱۷)۔ اجت سنگھ بنام بیجائے بہادر (۱۱) مرافعہ جات صفحہ (۲۱۱) مقابلہ کرو ولاک بنام الوردی کمپنی (۱۶) Q.B.D. صفحہ (۱۵۶)۔

لہ مدن گوپال بنام رام بخش (۶) سدرلینڈ صفحہ (۷۱)۔

تو یہ واقعہ اس کی شہادت ہو گا کہ وہ بیع پر راضی تھا۔ٹلہ

**نالش جو منتقل الیہ نے کی ہو۔**

جب کہ رکن خاندان نے بیع یا رہن کی تنسیخ کے لئے نالش نہ کی ہو بلکہ منتقل الیہ نے کی ہو جس نے ایسی حقیت حاصل کی ہو جس کے عطا کرنے کا منتقل کنندہ مجاز نہ تھا تو ایسا منتقل الیہ اس رکن خاندان کے خلاف حقیت مذکور کو نافذ نہیں کرا سکتا جو منتقل کنندہ کے فعل سے انکار کرنے کا مجاز ہو۔ وہ اس شرط کے ساتھ بھی ڈگری حاصل نہیں کر سکتا کہ اس کی تعمیل صرف اسی وقت ہونی چاہئے جب کہ مدعی علیہ معاوضہ ادا کرنے سے قاصر رہے۔ بفرضہ اگر اس کو معاوضے کا ادعا ہو تو وہ خاص نصفتوں پر مبنی ہونا چاہیے۔ نصفتیں ایسے حالات سے پیدا ہونا چاہئے جن کا اطلاق ان اشخاص پر ہو سکے جن سے کہ معاوضہ طلب کیا جا رہا ہے۔لہ

**انتقال جو باپ نے کیا ہو**

**ف ۳۶۷** مقدمۂ مذکور میں بنگال ہائیکورٹ نے جس نظریے کو قایم کیا ہے وہ اب بھی اچھا قانون ہے جب کہ ایسے شریک نے انتقال عمل میں لایا ہو جو باپ نہ ہو اور
۵۱۲ شکایت کرنے والے بیٹے نہ ہوں بلکہ دیگر شرکاء۔ لیکن اس مقدمے کے حقیقی واقعات کے تحت اور گردھاری لال بنام کنتو لال فقرہ (۳۰۹) کے فیصلے کے وقت سے اب دوسرے قاعدے اور تجویز کا اطلاق ہو گا۔ اگر سابقہ قرضے کے لئے انتقال عمل میں آیا تھا تو اس کی پابندی کل لڑکوں پر قطعی ہو گی جب کہ انتقال اس وجہ سے منسوخ کیا گیا ہو کہ وہ نہ تو سابقہ قرضے کے سلسلے میں تھا اور نہ خاندانی ضرورت کے لیے تو بہتر رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ لڑکے اس بدل کو واپس کرنے کے ذمہ دار نہیں جو خریدار نے نقدی میں باپ کو دیا تھا۔ کیونکہ بیع کے منسوخ ہونے اور خریدار کا معاوضۂ مذکور کو واپس پانے کا

لہ گنگا بائی بنام رامن جی (۲) بمبئی ہائیکورٹ صفحہ (۳۱۸)۔

ٹہ نظام الدین بنام الودی پرشاد ۱۸ A صفحہ (۳۷۳)۔

مجاز ہونے تک یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ باپ کا ایسا قرضہ موجود ہے جس کے ادا کرنے کا وجوب اس کے لڑکوں پر عائد ہے اس صورت میں بھی اس کا انحصار کہ آیا لڑکا ذمہ دار ہوگا نوعیت قرضہ پر ہونا چاہیئے۔ نیز ان اصولوں پر جو اس کی واپسی سے متعلق ہیں اور جن پر سابقہ باب میں بحث کی جا چکی ہے[1] تاہم کلکتے میں یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ اگر انتقال کی غرض سابقہ قرضے کی ادائی تھی تو لڑکے پورا زر ثمن ادا کر کے اس کو منسوخ کرا سکتے ہیں۔ تنسیخ بیع پر بدل کا فقدان ہوگا اور اس وجہ سے وہ ایک ایسا قرضہ ہوگا جس کے ادائی کی ذمہ داری باپ پر بمقابلۂ خریدار عاید ہوگی۔ بنابراں ایسے قرضے کے لئے وہ (یعنی لڑکے) اور ان کے حصص متعلقۂ جائداد بالآخر ذمہ دار ہوں گے۔ اگر جائداد جو بیع کی گئی تھی اس سے زیادہ نہ ہو جو باپ کو تقسیم پر ملتی تو عدالت اسے فوراً خریدار کو دیدے سکتی ہے۔ اس طرح فیصلہ کرتے وقت اس کا بھی اعلان کر سکتی ہے کہ باپ کے اس حصے پر بیٹوں کا نہ تو کوئی دعویٰ ہو سکتا ہے اور نہ اس پر حقوق[2]

**شریک وارث کے ذاتی قرضے کے لئے**

**ف ۳۶۸** جب کہ منتقل کنندہ کے ذاتی قرضے کی ادائی کے لیے جائداد بیع کی گئی تھی تو یہ خیال کیا گیا تھا کہ بیع کے منسوخ کئے جانے پر زر ثمن کے واپس کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ اور نہ اس سے کوئی فرق ہوتا ہے کہ مدعی علیہ خالی الذہن خریدار نیلام تھا۔ تحقیق کر لینے کا اسے موقع حاصل تھا۔ اس کو اس انتہائی خطرے کا علم رہنا چاہئے تھا کہ وہ ایک ایسی حقیت کو خرید رہا ہے
۵۱۳ جو ابتداءً غیر منقسمہ مشترکہ خاندان کے رکن واحد سے جو مشاکشرا قانون کا تابع تھا خریدی گئی تھی[3] علیٰ ہذا جب کہ اس کا اعلان و استقرار کیا گیا ہو کہ

[1] سرنیواس آینگار ۴۴ م صفحہ (۱۰۸)۔ مدن گوپال (۳۹) ۸ صفحہ (۴۸۵) کلارو کوشیا ۱۴ مدراس لا جرنل صفحہ (۱۵۴)
[2] کنور بسمنت بنام سندر داس ۱۱ک صفحہ (۳۹۶)۔
[3] ناتھو بنام چھادی ۴ بنگال لا رپورٹ (مرافعہ) صفحہ (۱۵) ۱۲ سدر لینڈ صفحہ (۴۷۴)۔

ارکان خاندان کے حقیقوں کے مقابلے میں۔ استثنا منتقل کنندہ کی حقیقت کے بے اثر ہے تو ایسے ارکان زر ثمن کا کوئی جزو واپس کرنے کے پابند نہیں[1] ہیں اسی وجہ سے جائداد کی ترقی میں جو صرفہ ہوا ہو اس کو ایسا شخص واپس نہیں پا سکتا جس نے فریب سے واقف رہ کر خریدا ہو یا جس نے فریب کا علم ہونے کے بعد رقم خرچ کی ہو لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ صورت مختلف ہوگی جب کہ محض اس وجہ سے بیع منسوخ کی گئی ہو کہ وہ بائع کے اختیار سے ماورا تھی[2]

## جب کہ بیع جزاً قابل پذیرائی ہو تنسیخ پر حقوق

**ف ۳۶۹** ۔ ایک درمیانی صورت یہ ہے کہ کل جائداد کا بیع حق بجانب نہ ہو بلکہ جز کا بیع حق بجانب ہوتا ہو یا جب کہ بدل کا ایک جزو ایسے مفید مقاصد خاندان میں صرف کیا گیا ہو کہ اس کے متعلق بمقابلہ اس رکن خاندان کے جو معاملے کو منسوخ کرانا چاہتا ہو خریدار کو حق نصفتی حاصل ہو جائے ۔ ایک مقدمے میں[3] لڑکے نے مشروطہ دستاویز بیع کی تنسیخ کے لئے نالش رجوع کی تھی ۔ اس کے باپ اور باپ کے بھائی نے دستاویز زیر بحث جاری کی تھی اور اس کا اثر صرف اس کے باپ کے حصۂ جائداد پر ہو رہا تھا ۔ معلوم یہ ہوا کہ رقمی قرضے کے لئے دستاویز جاری کی گئی تھی ۔ اس رقم کا ایک جزو قانونی ضرورت کے تحت لیا گیا تھا ۔ مگر بقیہ کے لئے ایسی ضرورت معدوم تھی معاوضے کی رقم کا ایک جزو قانونی ضرورت کے لئے لیا اور صرف کیا گیا تھا بنابراں اصل صدر امین نے دستاویز کو اراضی کے ایک جزو کی حد تک اسی تناسب سے جائز اور بقیہ انتقال اراضی کی حد تک کالعدم تصور کیا ۔ سر بارنس پیکاک (Sir Barnes Peacock) میر مجلس نے اس اصول کی صحت کو

---

[1] وبرا بھدرا بنام گرووینکٹ ۲۲ مدراس صفحہ (۳۱۲)۔

[2] سداشیو بنام دکھو بائی ۵ بمبئی صفحہ (۴۵۰)۔

[3] راجہ نوار بنام لچھمن سہ بنگال لا رپورٹ (رسالہ کمرافعہ) ۱۱۰/ ۱۲۵ - ۱۲ سدرلینڈ صفحہ (۴۷۸)۔

مشتبہ سمجھا۔ اور اشارۃً یہ فرمایا کہ ایسی صورت میں معقول تر طریقہ حسب ذیل ہوگا۔ مدعی علیہ کے یہ ثابت کرنے پر کہ جزو قرضہ کے لئے قانونی ضرورت تھی عدالت کو یہ ڈگری صادر کرنی چاہئے کہ دستاویز منسوخ کی جائے اور مدعی قبضہ واپس پائے مگر اس رقم کے ادا کرنے پر جو جائز طور پر ضروری مقاصد
۵۱۴ مسلمۂ قانون کے لئے کی گئی تھی۔ یا یہ ڈگری کہ بقدر تناسب دستاویز منسوخ کی جائے۔ تاہم کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا کیونکہ ضروری فریقین کے نہ ہونے کے باعث کوئی دادرسی عطا نہیں کی جا سکتی تھی۔ بعد کے مقدمات جو نام قاعدہ وضع کیا وہ حسب ذیل معلوم ہوتا ہے اگر ضرورت کے باعث بیع صرف جزاً حق بجانب ہو تو اعتراض کنندہ شریک خاندان کی نالش پر وہ منسوخ کیا جائیگا بشرطیکہ یہ ہو کہ وہ خریدار کو معاوضے کا وہ جزو واپس دیدے صرف جس کے لیے ایسی ضرورت ثابت کی گئی ہو جو قابل پابندی ہو[1]۔ ہاں اگر خرید و فروخت نیک نیتی پر ہو اور خریدار زرِ ثمن کے نسبتاً خفیف جزو کی حد تک ضرورت ثابت نہ کر سکے تو بیع باقی رکھا جائے گا مگر خریدار کو ایسی صورت میں چاہیے کہ قیمت کے اس جزو کو ادا کرے جو قابل پابندی نہ تھا[2]۔ [جدید۔ جب کہ جزاً ضرورت قانونی تھی تو عالیہ عدالت کلکتہ نے مشروط تنسیخ کا حکم دیا۔ یہ کہ وارث عودی کے اس رقم کے ادا کرنے پر جو ضرورت قانونی پر صرف کی گئی تھی۔ شادی کمار بال ۱۹۳۵ء ۱۵۶ نظائر ہند صـ ۲۰۹ کلکتہ]۔ مدراس اور بمبئی میں کرتا کے انتقال جائداد خاندان کا اثر اس کے حصے پر پڑتا ہے۔ اگر بدل کا صرف ایک جزو خاندان پر قابل پابندی ہو تو اعتراض کنندہ شریک خاندان تفصیلی تقسیم کے بعد

---

[1] ان مقدمات کو دیکھو جن کا ذکر دفعہ ۵۶۳ میں کیا گیا ہے۔ مقدمات مذکوران انتقالات سے متعلق ہیں جو بیوہ کے کیے ہوئے ہوں مگر اصول وہی ہیں۔

[2] تلارام رائے بنام بگلانند ۱۴ اک و ن صـ ۸۹۵۔ تھالاگر رامانی بنام کالاگری گنگیا ۲۷ م ل ج صـ ۱۳۲۔

اپنا حصہ واپس پا سکتا ہے بشرطیکہ وہ خریدار کو معاوضے کا حصہ بقدر تناسب ادا کرے۔ معاوضے کے جائز اور ناجائز اجزا کل جائداد پر بقدر حصۂ رسدی تقسیم کیے جائیں گے[1]۔ اگر انتقال بطور رہن یا مواخذہ ہو تو کفالت اس رقم تک محدود ہوگی جو قابل پابندی ثابت ہو[2]

علیٰ ہذا اگر مواخذۂ زیر بحث خاندانی اغراض کے لیے پیدا نہ کیا گیا ہو پھر بھی عدالت زرِ ثمن کے واپس کرنے پر مجبور کرے گی اگر تاخیر یا سکوت ایسا ہو کہ دستاویز کو بلا کسی شرط کے منسوخ کرنا عدل و انصاف کے مغائر ہو[3]

**واپس کرنے کے ایجاب کی ضرورت**

**ف ۴۷**۔ جب کہ چند مقدمات میں عدالت کی یہ رائے ہوئی کہ مدعی کو زرِ ثمن کی واپسی کا ایجاب کرنا چاہیے تھا اور عرضی دعوے میں اس قسم کا کوئی ایجاب نہ تھا تو مقدمہ خارج کیا گیا۔ مدعی کو آزادی دی گئی کہ دوسری
۵۱۵ طرح مرتب کرکے جدید نالش رجوع کرے[4] یہ مسئلہ محض پلیڈنگ کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر ان حالات کے ادعا ثبوت کا بار جن سے کہ مدعی علیہ رقم واپس پانے کا مستحق ہوتا ہو اسی پر ہو تو جیسا کہ سر بارنس پیکاک نے فرمایا کوئی بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ مدعی کے لیے صحیح طریقہ حسب ذیل ہوگا۔ وہ دستاویز کی تنسیخ کا اس بنا پر دعویٰ کرے کہ وہ ضرورت قانونی کے لیے جاری نہیں ہوئی تھی)۔ یا یہ کہ اس کے جاری کرتے وقت خاندان کی رضامندی حاصل نہیں کی گئی تھی۔ اور مدعی علیہ

---

۱۔ وادی ولم بنام ٹامیسم ۷ ۴م صفحہ ۴۳۵۔
۲۔ بھگوا دیال سنگھ بنام دبی دیال ساہو ۳۵ ک صفحہ ۴۲۰ پی۔سی۔
۳۔ سورب بنام شیوگوبند ۱۱ بنگال لا رپورٹ ضمیمہ صفحہ ۲۹۔
۴۔ ۱۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۴۱۶ ایضاً ضمیمہ صفحہ ۲۹۔ دیکھو درگا پرشاد بنام نوازش جلد ۱ A صفحہ ۵۱۹۔ سنگم سٹی بنجیوی ۱۳ م صفحہ ۱۵۳۔

ان حالات کو ثابت کر کے جن سے اس کے رقم واپس پانے کا حق قائم ہوتا ہو اس نالش سے برات حاصل کرے۔ مدراس کے ایک مقدمہ ما بعد میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے[۱]۔ بمقدمہ مدن گوپال بنام رام بخش[۲] واقعہ یہ تھا کہ مدعی نے عمداً بنائے دعویٰ یہ بیان کی کہ اتلاف اور اسراف کے باعث قرضہ لیا گیا۔ مگر اس ادعا کو ثابت نہ کر سکا۔ عدالت نے تنسیخ دستاویز اور زرثمن واپس دینے کی اجازت سے انکار کیا۔

**واصلات**

ف ۳۷۔ الف۔ جب کہ ہندو شریک خاندان اپنا حصہ بیع کر دے۔ یا جب کہ اس کا حصہ اس وجہ سے منتقل ہو کہ اس نے کل جائداد کے منتقل کرنے کا معاملہ کیا تھا تو خریدار کو تاریخ خریدی سے واصلات کی ڈگری نہیں دی جا سکتی بلکہ صرف ابتدائی ڈگری کی تاریخ سے جو اس کی نالش تقسیم میں صادر ہوئی ہو کیونکہ وہ اسامی مشترک نہیں ہوتا بلکہ محض اس کا مجاز ہوتا ہے کہ اپنے حقوق کو بذریعہ تقسیم نافذ کرائے[۳]۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ قبل بیع شریک نے تقسیم کر لی تھی تو صورت جداگانہ ہوگی[۴]۔ شریک جس نے تنسیخ انتقال کی نالش کی ہو صرف اس تاریخ سے واصلات حاصل کر سکتا ہے جب سے کہ اس نے معاملے کو صریحاً اور بلا شک مسترد کیا ہو[۵]۔ [جدید۔ تاریخ خریدی اور تاریخ نالش تقسیم کے مابین کا واصلات نہیں دلایا جا سکتا۔ ترمبک بنام پانڈورنگ ۱۹۲۰ء ۔ ۵ نظائر ہند صفحہ ۵۸۲۔ ہاں اگر بلا منقسمہ جائداد خاندان کی حیثیت منقسمہ ہوگئی ہو تو

[۱]۔ پاپارایادو بنام رتھا ۲۷ م صفحہ ۲۷۵۔
[۲]۔ ۲ سدر لینڈ صفحہ ۴۷۔
[۳]۔ مہاراجہ بوبلی بنام وی۔ نائڈو ۳۹ م صفحہ ۲۶۵۔
[۴]۔ ونجاپوری گوندن بنام چاچاموتو گوندن ۳۵ مدراس لاجرنل صفحہ ۲۰۹۔
[۵]۔ بھرگوناتھ شنبی بنام نرسنگ تواری ۹ ۳ صفحہ ۶۱۔

خریدار ارکان قابض سے واصلات طلب کر سکتا ہے سوار اما مرتی بنام وینکیا ۳۴ ۱۹۱۹ ۴۸ انطائر ہند ۱۰۸۶ ۔

بنگال قانون کے اصول بظاہر متضاد

ف ۴۷۱ ۔ جب ہم بنگال کے اس قانون پر متوجہ ہوتے ہیں جو جمیتو وہان (Jimuta Vahana) نے قرار دیا ہے تو مذکور الصدر کل امتیازات فوراً غائب ہو جاتے ہیں۔

مین نے قبل ازیں ( ف ۲۵۹ ) اس طریقے کو بتلادیا ہے جس سے ایسے مروجہ قانون بنارس کے اس اصول سے کہ بیٹے کو ملکیت پیدائش سے

۵۱۶ حاصل ہوتی ہے برأت حاصل کی۔ اس نے برعکس اصول قایم کیا یہ کہ لڑکا اپنے باپ کا محض ممکنہ وارث ہے۔ یہ کہ اس سے زیادہ وہ نہیں پاسکتا جس کا چھوڑنا اس کا باپ پسند کرے۔ نظریہ جس میں اس کا اعتراف تھا کہ موروثی جائداد کے انتقالات جو باپ نے کیے ہوں مخرب اخلاق تو ہیں مگر یہ بھی دعوی تھا کہ وہ جائز بھی ہیں ایک ایسا نظریہ تھا جس کا فطرۃً انگریز مقننین کے دماغوں پر گہرا اثر تھا۔ اس دعوے کو کہ وہ جائز بھی ہیں قبول کرنا ان کے لیے فطری امر تھا مگر اعتراف مذکور سے انھیں پریشانی ہوئی۔ اسی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ڈبلیو۔ میا کناٹن نے اس طرح سے قانون بنایا جو حقیقۃً شاکشرا کو دہرانے سے زیادہ نہ تھا۔ اور سر ہائیڈ ایسٹ (Sir Hyde East) نے ۱۸۱۹ء میں تقریباً یہی رائے قایم کی ( ف ۲۶ ) پنڈتوں نے بار بار جمیتو وہان کے نظریوں کے مطابق فتاوے صادر کیے۔ لیکن یہ فتاوے متضاد معلوم ہوتے تھے کیونکہ ان کا اطلاق واقعات کے

ظاہری تضاد

مختلف حالات پر کیا گیا تھا یعنے انتقالات پر اور تقسیم پر۔ انگریز مقننین کے لئے یہ امر بدیہی تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی جایداد کو غیروں کو دے سکتا ہے تو اپنے لڑکوں کو بھی دے سکے گا۔ اور یہ کہ اگر

ہر چیز ایک ہی لڑکے کو دوسروں کو محروم کرکے دے سکتا ہے تو یہ دلایل قوی تر سب کو جس تناسب میں وہ چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن ایک ہندو پنڈت نے ایک کارروائی کو انتقال اور دوسرے کو مثل تقسیم کے سمجھا۔ اس نے جمنتو وہاں کے ایک مجموعۂ احکام کو یہ بتلانے کے لیے پیش کیا کہ مقدم الذکر کارروائی جائز تھی اور دوسرے مجموعے کو وہ بھی جمنتو وہان سے یہ بتلانے کے لیے کہ موخرالذکر ناجائز تھی۔ قانون کی بالآخر یکسوئی ہونے تک کافی الجھنیں پیدا ہوئی تھیں۔ یہ واقعہ تعجب خیز نہیں ہے۔ بنگال میں باپ کے اس حق کے متعلق کہ وہ اپنے لڑکوں کے مابین غیر مساوی تقسیم کرسکتا ہے اب بھی یہ بات بہ مشکل کہی جا سکتی ہے کہ قانون کی یکسوئی ہو چکی ہے۔

**انتقالات جو باپنے کیے ہوں۔**

**ف ۳۷۲**۔ سب سے قدیم مقدمہ جس کی رپورٹ شایع ہوئی وہ سنہ ۱۷۹۲ء کا ہے۔ زمیندار نودیا (Nuddea) نے اپنی کل موروثی زمینداری اپنے خلف اکبر کو بطور عطیہ[1] دے دی تھی۔ اس عطیے کی عدالت نے تائید کی۔ دستاویز میں یہ ذکر تھا کہ زمینداری ناقابل تقسیم تھی۔ جب یہ بات تھی تو عطیہ بے ضرورت تھا۔ ملک کے مختلف مقامات کے متعدد پنڈتوں کی رائے کا ۵۱۷ طلب کرنا بیان کیا جاتا ہے۔ ان کی اکثریت نے یہ اعلان کیا کہ زمینداری کا عطیہ بحق خلف اکبر مع اس بندوبست کے کہ چھوٹوں کو بھی پلے جائز تھا عام ازیں کہ سابق میں زمینداری تقسیم سے مستثنی تھی یا نہ تھی۔ صدر عدالت نے اس رائے کو

[1] اس دستاویز کو بعض مرتبہ وصیت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور بعض وقت دستاویز ہبہ کے نام سے فی الواقعی وہ وصیت معلوم ہوتی ہے۔

پسند کیا۔ مسٹر کولبروک نے بطور ضمیمہ اس مقدمے پر ایک نوٹ دیا ہے جس میں وہ پنڈتوں کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں یہ کہ ان کی رائے جمتو وہاں کے نظریوں کے مطابق ہے وہ یہ کہتے ہوئے ختم کرتے ہیں: "اس مقدمے میں صدر عدالت کے عہدہ داران عدالت کی رائے نہیں لی گئی مگر اسے بطور نظیر قبول کر لیا گیا ہے اور اس سے باپ کے اختیار کی یکسوئی ہو گئی ہے کہ وہ اپنی جائداد کو واقعی طور پر دیدے سکتا ہے گو اس کا یہ عمل قانون امتناعات کے مغائر ہو اور عام ازیں کہ ہبہ سے ایسا کیا جائے یا وصیت سے یا تقسیم حصص سے"۔[۱] ۱۸۰۰ء میں سپریم کورٹ نے اس فیصلے کا اتباع فرمایا۔ راجہ نوبی کشن اور نیمی چرن ملک کے[۲] وصیتوں کو عدالت مذکور نے جائز قرار دیا۔ بہر صورت مقدم الذکر مقدمے میں غیر منقولہ موروثی جائداد اس طرح دی گئی تھی کہ اس سے موصی کے لڑکوں پر مضر اثر پڑ رہا تھا۔[۳] ۱۸۱۲ء میں صدر عدالت نے اپنے پنڈتوں سے مشورہ کرنے کے بعد قرار دیا کہ بڑے بیٹے کے حین حیات چھوٹے بیٹے کے حق میں باپ کا اپنی کل جائداد کو (اصلی ہو کہ ذاتی۔ موروثی ہو کہ غیر موروثی) ہبہ کر دینا جائز ہے گو مخرب اخلاق۔ کل موروثی جائداد کے ہبہ کو جو اراضی کے شکل میں ہو منع کیا گیا[۴] باوجود اس کے ۱۸۱۶ء مقدمہ بھوانی چرن بنام ورثائے رام کنت[۵] کے سبب قانون پھر بدل گیا۔ اس مقدمے پر بعد ازاں فقرہ ۴۹۱ میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔ یہاں اس قدر بتلا دینا کافی ہے کہ وہ ایسا مقدمہ تھا جس میں باپ نے لڑکوں کے مابین غیر مساوی تقسیم کی تھی۔ عملاً پنڈتوں نے یہ طے کیا کہ بحیثیت تقسیم

---

[۱] ایسا نمچند بنام ایشور چند ا صدر دیوانی صفحہ ۲۔ صدر عدالت کا فیصلہ جلد ۲ اسٹر بنج ہندو لا ص۴۴۲ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

[۲] یف۔ میاکناٹن ص۳۵۶ ت۳۴

[۳] رام کمار بنام کشن کنکر ۲ صدر دیوانی ص۴۲ م۵۲ یف میاکناٹن ص۲۷۷۔

[۴] ۲ صدر دیوانی ص۲۰۲ ص۲۵۹ یف میاکناٹن۔ ص۲۸۳ ص۲۹۴۔

وہ ناجائز تھی کیونکہ مساوات معدوم تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی تائید نہیں کی جا سکتی کیونکہ قبضے کی حوالگی معدوم تھی نتیجۃً تقسیم منسوخ کی گئی۔ اس کے فوری بعد ایک طول وطویل نوٹ ہے جس میں پنڈتوں کے آرا کی جانچ پڑتال کی گئی ہے۔ یہ وہ آرا ہیں جو پنڈتوں نے اس مقدمے اور صدر عدالت کے دو سابقہ مقدمات میں دی تھی اور لکھنے والا اشارۃً یہ کہتا ہے کہ جہاں تک موروثی جائداد کا تعلق ہے غالباً ان مقدمات کے فیصلے صحیح طور پر نہیں ہوئے بریں ہمہ یہ ظاہر ہے کہ پنڈتوں نے اس نقطۂ نگاہ سے اتفاق نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۸۲۱ء میں انھوں نے باپ کے کیے ہوئے ہبہ کی تائید میں اپنی رائے ظاہر فرمائی۔ باپ نے ایک موروثی تعلقے کا ہبہ اس کے گیارہ لڑکوں میں سے ایک کے حق میں کیا تھا۔ اور ۱۸۲۹ء میں انھوں نے اس بیع کی تائید کی جو زمیندار نے اپنے لڑکے کے حین حیات موروثی تعلقے کے متعلق عمل میں لایا تھا۔ انھوں نے اصول ذیل قرار دیا کہ "مروجہ قانون بنگال باپ کا حق ملکیت موجود رہنے تک بیٹے کے حق کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور بنا بر ال مقدمۂ مذکور میں چونکہ رام شنکر (باپ) کا حق متعلق بہ اراضی ہنوز موجود تھا موہن چند (بیٹے) کو اس پر کوئی

بیٹوں کے حقوق

۵۱۸

---

لہ۔ غالباً یہ متضاد آرا ۱۸۱۰ء میں سرہائیڈ ایسٹ کے ملاحظے میں تھے جب کہ انھوں نے (Cossinaut Bysack V. Hurroosoondry) (جلد ۲ مور کے خلاصے) میں اپنا فیصلہ صادر فرمایا۔ اس فیصلے میں انھوں نے دو متضاد احکام کے مجموعے کا ایک دوسرے کے مقابلے میں توازن کیا ہے ان کا یہ احساس (Evident Consciousness) بھی بدیہی ہے کہ وہ ایک ایسے بھول بھلیاں میں آگئے تھے جس کے راستے سے وہ واقف نہ تھے۔

لہ۔ راوج کرسنو بنام نراثی چرن لیف میاکناٹن۔ صفحہ ۲۶۳ ضمیمہ ۸۔

دعوی نہیں ہو سکتا تھا[۱]۔ بالآخر ۱۸۴۳ء میں بہ عدالت اعلی بنگال (Supreme) وہی سوال پیدا ہوا اور صدر دیوانی کے حکام سے استصواب کیا گیا۔ انھوں نے صداقت نامۂ ذیل جواباً روانہ کیا:

جن امور کے متعلق ہم سے استصواب کیا گیا ہے ان پر کامل غور و فکر کرنے کے بعد ہماری متفقہ رائے ہے کہ صدر دیوانی عدالت صرف نظریۂ ذیل قرار دے سکتی ہے اور یہ نظریہ عدالت کے فیصلوں و نیز رسم و رواج کے مطابق ہے کہ ایک ہندو جس کے لڑکے ہوں موروثی غیر منقولہ جائداد موقوعہ صوبۂ بنگال بیع یا رہن لڑکوں کے بلا رضا مندی کر سکتا ہے۔ نیز یہ کہ لڑکوں کی بلا رضامندی وہ بذریعۂ وصیت ان کے اس جائداد کو وراثتاً پانے کو منع کر سکتا ہے یا اس میں تبدیلی یا اور طرح اس پر اثر ڈال سکتا ہے[۲]۔ ان امور کے متعلق جو استصواب میں بھیجے گئے تھے اس وقت سے یہ صداقت نامہ بنگال کے قانون کے لیے قطعی سمجھا جاتا ہے[۳]۔ اور اس واقعے سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ جائداد ناقابل تقسیم ہے اور صرف بڑے لڑکے پر منتقل ہوتی ہے[۴]۔ بنگال کے مالک جائداد کے

---

[۱] کلکتہ (S. D. 4)۔

[۲] جگموہن بنام نیمو۔ مارٹن صفحہ ۹ موتی لال بنام متر جیت ۶ صدر دیوانی صفحہ ۷۳ صفحہ ۸۵۔ اس کے بعد ایک نوٹ دیا ہوا ہے کہ اس صداقت نامے سے بھوانی چرن کا مقدمہ منسوخ ہو جاتا ہے۔ حقیقتہً کوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی۔

[۳] دیکھو تجویز عدالت بہ مقدمۂ رام کشور بنام بھو بنمونی صدر دیوانی ۱۸۵۹ء صفحہ ۵۰۱ بصیغۂ نظر ثانی صدر عدالت نے تصدیق کی۔

[۴] ا دے ۵ کلکتہ صفحہ ۱۱۳۔ تارا بن بنام لکنا تھ ۶ ک صفحہ ۴۶۱۔

اس حق کے متعلق بے شک کبھی بھی شبہہ نہیں تھا کہ وہ جائداد کو اس طرح دیدے سکتا ہے کہ سوائے خود کی اولاد کے دیگر رشتہ داروں پر اس سے مضر اثر پڑتا ہو۔ مثلاً وہ اپنی بیوہ کو تقسیم پر حصہ پانے سے محروم کرسکتا ہے[۱]۔ ٥١٦

**حقوق شرکا**

**ف ۳۷۳**۔ ان اشخاص کے متعلق جو بنگال میں شرکاء ہوتے ہیں یعنے حقیقی یا عموزاد بھائیوں وغیرہ کے متعلق بھی کوئی دشواری نہیں یعنے ان لوگوں کے متعلق جنھوں نے وراثت کے سبب مشترکہ جائداد پائی ہو یا جنھوں نے مشترکہ حاصل کی ہو۔ بنگال میں ہر شریک معین حصے کا مخق ہوتا ہے (ف ۲۶۵) گو کل جائداد کے غیر متشخصہ جزو کا۔ اس کا یہ حق وراثۃً اناث یا دیگر رشتہ داروں کو ملتا ہے گویا کہ اس کی تقسیم ہوگئی ہے اور ہر مرد مالک جائداد اس کو اسی طرح دیدے سکتا ہے جیسا کہ وہ علیحدہ جائداد تھی یا مکسوبۂ ذاتی۔ اور تقسیم کے وقوع پر ایسے انتقالات کا لحاظ مثل اس کے حصے کے کیا جائے گا۔ لیکن بلا شک کوئی بھی اپنے حصے سے زیادہ منتقل نہیں کرسکتا بجز اس کے کہ دوسروں کی رضامندی حاصل کی گئی ہو۔ یا ضروری مقاصد کے لیے[۲]

---

۱۔ یف۔ یم ص ۳۶۰۔ بھوانی ۲ صدر دیوانی ص ۱۳۸ ص ۱۸۳ اسشیوداس ایضاً ص ۳۳۳ تارانی چرن ایضاً ص ۳۹۷۔ متبنے کے لیے دیکھو ص ۱۲۵۔

۲۔ و بندرا کمار ۷ اک ص ۸۸۶۔

۳۔ راج بلب بنام مساۃ بنکٹا اصدر دیوانی ص ۴۳ ص ۵۹۔ پران ناتھ بنام کالی شنکر ایضاً ص ۴۵ ص ۶۰۔ انندچند بنام کشن ایضاً ۱۱ ص ۱۹۲۔ دیکھو مسٹر کولبروک کے نوٹ۔ رام کنکی بنام بنگچند جلد ۳ صدر دیوانی ص ۱ ص ۲۳ کونلا بنام رام ہری جلد ۴ صدر دیوانی ص ۱۹۶ ص ۲۴۷ سخاوت نرلوک ایضاً جلد ۵ ص ۳۳۸ ص ۳۹۷۔ ۲ میاکناٹن ص ۲۹۱ ص ۲۹۴ ص ۲۹۶ ص ۳۰۶ نوٹ ص ۳۱۳۔

اور علیٰ ہذا بنگال میں غیر منقسمہ شریک اپنے حصے کو پٹے پر دے سکتا ہے اور اپنے پٹہ دار کو قبضہ بھی دلا سکتا ہے[1]۔ لیکن چونکہ باپ کی جائداد میں باپ کے حین حیات لڑکے کو کوئی حق نہیں ہوتا اس لیے ایسی جائداد کا بیع جو اس نے باپ کی زندگی میں کیا ہو کلیتہً باطل ہوگا۔ چنانچہ یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ اگر خریدار نے قبضہ حاصل کر لیا ہو تو لڑکا اس جائداد کو اپنی حقیت بحیثیت وارث پیدا ہونے پر خریدار سے واپس پا سکتا ہے۔ ہاں خریدار کو زرِ ثمن واپس پانے کا حق حاصل رہے گا[2]۔

**انتقال کے خلاف اقرار**

۳۷۷۔ ہائیکورٹ الہ آباد میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ شریک خاندان کا یہ معاہدہ کہ وہ اپنا حصہ کسی اور پر منتقل نہیں کرے گا بلکہ صرف دوسرے شریک پر جائز ہے۔ ایسے معاہدے کا نفاذ کرایا جا سکتا ہے اور یہ کہ اس قرار داد کے خلاف اگر کسی غیر کے حق میں جائداد منتقل کی گئی ہو تو ایسا انتقال دوسرے شرکا کی نالش پر منسوخ کیا جا سکتا ہے[3] ۵۲۰
اس تجویز کا جزو مقدم الذکر بے شک شبہے سے دور ہے، لیکن یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آیا جزو موخر الذکر کا اتباع ایسی عدالتیں بھی کریں گی جو شریک کے اس حق کو تسلیم کرتی ہیں کہ وہ اپنا حصہ دیدے سکتا ہے۔ کیا رکن خاندان کے اس معاہدے کو کہ وہ اپنے معمولی حقوق جائداد استعمال نہیں کرے گا ایسے اجنبی شخص کے خلاف نافذ کرایا جا سکتا ہے جس نے ایسے معاہدے سے لاعلم رہ کر

---

[1] ۔ رام دیبول بنام مترجیت ۱۷، سدر لینڈ صفحہ ۴۲ ۔ میا کڈ انلڈ بنام لالہ شب ۱۲ ایفاًصفحہ ۱
[2] ۔ گنگا نارائن بنام بلرام ۲ مورڈائجسٹ صفحہ ۱۵۲ ۔
[3] ۔ لکھمی بنام توری ۱ A صفحہ ۶۱۸ ۔ لچھمن بنام کا ٹبشر ۲ صفحہ ۸۲۰ دیکھو آگے فقرات ۴۲۶ ، ۴۸۶ ۔

معاملہ کیا ہو؟ بہ الفاظ دیگر کیا ایسا معاہدہ دیگر ارکان خاندان کے حق میں معاملۂ امانت سے بڑھ کر سمجھا جائے گا۔ اصولاً ایسی امانت ایسے خریدار کے مقابلے میں بے اثر ہو گی جس نے قیمت دی ہو اور جسے امانت کی اطلاع نہ ہو[1]۔ ایسے معاہدے کے متعلق یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس خریدار کے مقابلے میں بے اثر ہو گا جس نے تعمیل ڈگری کے نیلام میں جائداد خریدی ہو[2]۔

**ہبہ کے مقدمات**

**۳۷۵**۔ سابقہ فقرات میں کہیں بھی ہبہ اور انتقال بہ بدل قیمتی میں کسی قسم کا امتیاز نہیں کیا گیا۔ یہ یاد ہو گا کہ مدراس اور بمبئی کے عدالتہائے عالیہ شریک خاندان کو اپنا حصہ قیمتی بدل کے لیے منتقل کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن بطور ہبہ اجازت نہیں دیتے (فقرات ۳۵۸، ۳۶۱)۔ ہائیکورٹ بنگال کی رائے کے مطابق ایسے خریدار کو حقوق حاصل ہو سکتے ہیں جس نے قیمت دی ہو مگر موہوب لہ یا معطی لہ کو حقوق حاصل نہیں ہوتے جب کہ صرف بر بنائے ضرورت کسی معاملے کی تائید کی جا سکتی ہو تو بے شک ہبہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتا غالباً ایک استثنائی صورت ایسے عطیوں کے لیے ہو سکتی ہے جو جائداد کے چند حصوں سے متعلق ہوں اور جن کی غرض کار خیر ہو۔ باب ۱۲ مذہبی عطیوں سے متعلق ہے۔ اس باب میں اس مضمون پر تفصیلی بحث کی جائے گی جب کہ جائداد قطعاً اس کے مالک کے اختیار تصرف میں ہو تو وہ اسے ایسی آزادی سے دیدے سکتا ہے جیسا کہ وہ اسے فروخت یا رہن کر سکتا ہے[3]۔ مثلاً بنگال کے

---

[1] کناپشارودی بنام کومبی اچن ۸ مدراس صفحہ ۳۸۱۔ علی حسن بنام دھرجا ۱۴ الہ آباد صفحہ ۵۱۸۔ ترمبک جیواجی بنام سکھارام ۱۶ بمبئی صفحہ ۵۹۹۔

[2] گوکل ناتھ بنام متھورا ۲۰ ک صفحہ ۲۷۳۔

[3] سانیادین بنام درمارا جین فیصلہ جات مدراس ۱۸۵۳ء صفحہ ۲۹۱۔ اور دیکھو ان اسناد کو جو فقرہ ۳۷۳ کے تحت دیے ہوئے ہیں۔ ۲ ڈائجسٹ صفحہ ۱۵۹۔

قانون میں باپ کی جائداد یا کسی اور شخص کی مکسوبہ ذاتی۔ اس کا یہ اختیار ایک حد تک ان اشخاص کے دعاوی کا تابع ہوتا ہے جو اس سے نان و نفقہ پانے کے مجاز ہوں[۱]۔ اور جب کہ ہبہ کو جائز سمجھا جا رہا ہو (مشروط ہبہ) یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے شرائط وابستہ کیے گئے ہوں۔ مثلاً یہ کہ معطی کو اس کے حین حیات معطی لہ پرورش کرے۔ اور یہ کہ اس کے (۵۲۱) مرنے کے بعد اس ہبہ کے عوض اس کا کریا کرم (Exequial Ceremonios) کیا جائے[۲]۔ یہ کہ معطی لہ ان دعاوی سے دست بردار ہو جائے جو معطی کے مقابلے میں ہوں اور بت کے پوجا پاٹ کے اخراجات کی بجا آوری کی جائے[۳]۔ یہ کہ ایک خاص واقعے کے وقوع پر جائداد دوسرے کو ملے[۴]۔ علیٰ ہذا مرض الموت کا ہبہ (donatio mortis causa) اس شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے کہ وہ معطی کے صحت پانے کی صورت میں مسترد ہو جائے گا[۵]۔

(ناجائز) لیکن وہ ہبہ ناجائز ہوگی جس سے ایسی ملکیت جائداد پیدا کی گئی ہو جو ہندو قانون میں ممنوعہ ہو یا جس سے قانون مذکور لاعلم ہو[۶]۔ شرائط جو نوعیت عطیہ کے لیے متناقض ہوں مثلاً انتقال جائداد کا امتناع[۷] یا امتناع تقسیم ناجائز ہیں[۸]۔

---

[۱]۔ اس کی وسعت کے لیے دیکھو آگے فقرہ ۴۶۱۔

[۲]۔ رام نراین بنام مسماۃ ست بنسی ۳ صدر دیوانی صفحہ ۳۲۷ صفحہ ۵۰۳۔

[۳]۔ مہادیب چندر بنام راما سندری صدر دیوانی ۱۸۵۳ء صفحہ ۱۰۲۔ گوکل ناتھ بنام ایسٹور لیشن ۱۴ ک صفحہ ۲۲۲۔

[۴]۔ سورج منی داسی بنام دینو بندو ۹ (M. I A.) صفحہ ۱۲۳ مدالت سے ٹگور بنام ٹگور ۹ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۹۳۔

[۵]۔ وسا لچھمی ۶ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۷۰۔

[۶]۔ ٹگور صفحہ ۱۰۳۔ ۹ (B. L. R.) صفحہ ۳۷۷۔

[۷]۔ منموہن رجبی بنام انتھنی ۱۱ الہ آباد ۲۸۰ صفحہ ۸۶۲۔

[۸]۔ دیکھو صفحہ ۴۲۶۔ ییف۔ بم صفحہ ۳۲۷۔ و بنکٹ راما بنام برا منا ۲ M. H. C صفحہ ۳۴۵۔

عملی ہذ کل اپنے شرائط ناجائز ہیں جو مخرب اخلاق یا خلاف قانون ہوں۔ جب کہ ہبہ اور طرح جائز ہو تو خود ہبہ جائز ہوگی البتہ شرائط جو منافض ہوں۔ یا ناجائز یا مخرب اخلاق بے اثر ہوں گے۔ جب کہ شرط ناجائز بدل ہبہ ہو اور اس طرح اس کا جزو لاینفک تو دونوں (یعنے شرط اور خود ہبہ) بے کار ہو جائیں گے[1]۔ جب کہ ہبہ یوں بھی اس طرح مکمل ہو گئی ہو کہ جائداد قطعی طور پر معطی سے معطی لہ پر منتقل ہو گئی ہو تو شرائط جو بعد میں اضافہ کیے جائیں قطعاً باطل ہیں۔ کیونکہ اس شخص کو ایسا کرنے کا حق باقی نہیں رہا جو شرائط عائد کرنے کی کوشش کر رہا ہے[2]۔ اگر الف کے حق میں ہبہ کیا جائے اور یہ شرط عائد کی گئی ہو کہ باقیماندہ جائداد (یعنے الف کے مرنے کے بعد) ب کو ملے اور ایسا ہو کہ ہبہ بحق الف باطل ہو تو جو ملکیت جائداد ب کے لیے پیدا کی گئی تھی وہ مستعجل ہو کر (accelerated) فوراً نافذ ہو جاتی ہے[3]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امیر الدولہ بنام بنسری ۶ ایضاً صفحہ ۲۵۶۔ تھا کر تا یانا تھ بنام گورنمنٹ ۱۴ B. L. R. صفحہ ۴۵ ۲۳ صفحہ ۲۵۷۔ ۲۲ سدرلینڈ صفحہ ۱۔ انا تھا بنام ناگا موتو ۴ م صفحہ ۲۰۰۔ گوکل ناتھ ۱۴ ک صفحہ ۲۲۲۔ علی حسن بنام دھرجا ۴ A صفحہ ۵۱۸۔ نارائن بنام کشن ۷ م صفحہ ۲۱۵۔ بھرو بنام پرمیشری ۷ بھیرنا ۲ مسور صفحہ ۱۳۲۔ قانون انتقال جائداد (۱۸۸۲ء) دفعات ۱۰ و ۱۲۔ پٹے میں ایسی شرط کے لیے دیکھو وینکترو یا بنام شیورم مت ۷ بمبئی صفحہ ۲۵۶۔ تلما وصب بنام تراتم ۱۷ کلکتہ صفحہ ۸۲۶۔ رہن میں تکمی بنام منن جھوٹو ۵ م صفحہ ۱۸۶ دیکھو ٹھکور بنام گور اور ریٹا و لا رپورٹ ۲ پی سی سے ۴۷ تقسیم نہ کرنے کے لیے معاہدہ دیکھو صفحہ ۸۲۴۔

[1] رام سروپ بنام مسماۃ بیلا I. A. ۱۱ صفحہ ۴۴۔ ۶ A صفحہ ۲۱۳۔ قانون انتقال جائداد دفعات ۲۵ و ۱۸۔ ڈگڈیل ۳۸ چانسری ڈویژن صفحہ ۱۷۶۔ فدرنہ مور ۳۹ ایضاً صفحہ ۱۱۶۔

[2] رام سروپ ایضاً اوپر۔

[3] اجودھیا بخش بنام مسماۃ رکمن کنور ۱۱ I. A. صفحہ ۱۔ قانون انتقال جائداد دفعہ ۱۲ دیکھو دفعہ ۱۶

الف کے حق میں ہبہ اس شرط کے ساتھ کہ اس کا استفادہ بلوغ کے بعد تک ملتوی رہے یہ تو اچھا ہے مگر شرط خراب۔ بجز اس کے کہ کسی دوسرے کو اس درمیان میں جائداد دی گئی ہو[1]۔ اور بے شک ایسے انتقال پر بھی اسی اصول کا اطلاق ہوگا جو قیمت کے لیے ہو[2]۔ (جدید دیکھئے سراجو بالا ۱۹۳۱ء ۳۴ انظائر ہند ص ۵۴۸۔ امراؤ سنگھ بنام بالدیو سنگھ ۱۹۳۳ء ۳۴ انظائر ہند ص ۶۱۵)۔

**قبضہ**

**ف ۳۷۶** نظریہ یہ ہے کہ ہندو قانون کے تحت بلا قبضے کے ہبہ ناجائز ہے اس نظریے کو جس اعتماد اور بھروسے سے بیان کیا جاتا ہے کسی اور کو اس طرح بیان نہیں کیا جاتا۔ تاہم جسے حقیقت میں ہندو قانون کہا جاتا ہے وہ قانون کسی ایسے قاعدے پر جو بطور خاص ہبہ سے متعلق ہو بہت ہی کم زور دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ برہمن مقننین نے ہمیشہ سے عطیوں اور ہبہ کی طرفداری کی ہے۔ کیونکہ وجہ ظاہر ہے کہ عموماً برہمنوں کے حق میں ایسا کیا جاتا تھا۔ قانون ہبہ پر قدیم رشیوں نے بحث کی ہے مگر اس خاص حوالے کے ساتھ کہ وہ مسترد کیے جا سکتے ہیں۔ اس کا انحصار غرض ہبہ پر ہوتا ہے یا واہب کے خاص حالات پر۔ ورہسپتی کہتا ہے: "جو چیزیں آٹھ امور ذیل کی بابت دیے گئے ہوں واپس نہیں لیے جا سکتے۔ شعرا۔ گویئے وغیرہ سے سن کر لطف اندوز ہونے کے لیے۔ اشیائے مبیعہ کی قیمت کے لیے۔ دلھن یا اس کے خاندان کو جو چیز شادی کے سلسلے میں دی گئی ہو۔

---

[1] گورے شیو گر بنام ریوٹ کارنک ۱۳ ب ص ۴۶۳۔ گوردن داس بنام بائی منکور ۲۶ ب ص ۴۴۹۔

[2] برطانوی ہند کے ان حصوں میں جہاں کہ قانون انتقال جائداد کا اطلاق ہوتا ہے قانون مذکور کے دفعات ۱۲۳ و ۱۲۹ متعلق ہوں گے۔

محسن کو بہ سلسلۂ اعتراف احسان جو چیزیں بطور تحفہ شخص محق کو فطری محبت
یا دوستی کے سبب دی جائیں۔ جو کچھ بھی کسی نے غصے کی حالت میں
یا بہت زیادہ مسرت میں۔ یا لاپروائی سے۔ یا حالت مرض نابالغی۔
یا دیوانگی میں۔ یا خوف کے زیر اثر۔ یا ایسے نے دی ہو جو نشے میں
تھا۔ یا بہت ہی ضعیف تھا۔ یا ذات باہر شخص نے۔ یا مخبوط الحواس نے
یا ایسے شخص نے دی ہو جو رنج یا درد میں مبتلا تھا۔ یا جو کچھ کھیل کود میں
دیا گیا ہو۔ ان تمام کو باطل قرار دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی چیز ایسے بدل
کے لیے دی گئی ہو جس کی تعمیل نہ ہوئی ہو۔ یا خراب آدمی کو غلطی سے
اچھا آدمی سمجھ کر۔ یا فعل ناجائز کے لیے تو مالک اسے واپس لے سکتا
۵۲۳ ہے[۱]" کیتاین کہتا ہے کہ "وہ جس نے مرشد سے وعدہ کر کے تحفہ
نہ دیا ہو بطور قرضہ۔ اس کے دینے پر مجبور کیا جانا چاہیے اور سب سے
پہلے اس جرمانے کے ادا کرنے کا مستوجب ہوتا ہے" اور ہریت
(Harita) بہ الفاظ ذیل یہ قرار دیتا ہے کہ "قانوناً جو وعدہ
زبانی کیا گیا ہو مگر عملاً اس کی تعمیل نہ کی گئی ہو اس دنیا اور آنیوالی دنیا
دونوں میں ایسا قرضہ ہے جیسے ضمیر سے تعلق ہے[۲]" ایک مقدمے میں
جس کی رپوٹ مسٹر میاکناٹن نے کی ہے[۳] پنڈت کے پاس جو واقعات
بھیجے گئے اس میں یہ بیان تھا کہ "واضح طور پر یہ ظاہر نہیں ہے کہ
معطی لہ نے کبھی بھی دی ہوئی جائداد کا قبضہ حاصل کیا" اس کے
فتوے نے یہ کہا کہ عطیہ واپس نہیں ہوسکتا۔ سند میں منو کا اقتباس
کیا گیا کہ "ترکے کی تقسیم ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے۔ دوشیزہ کی صرف

---

۱؎۔ ۲ ڈائجسٹ ۱۷۴ اور ۱۹۷۔ نارد حصہ ۲ باب ۴۔ کیتاین ۲ D ۱۹۷ منو باب ۸۔
گوتم ۲ D ۱۶۲۔ دفعہ ۱۲۶ T. P. A. ۔
۲؎۔ ۲ D صفحہ ۱۷۰ صفحہ ۱۷۱۔
۳؎۔ جلد ۲ ڈبلیو میاکناٹن۔ صفحہ ۲۴۹۔ مقدمہ نمبر ۱۳۔ نیز دیکھو باب ۵ ۳ صفحہ ۲۴۳۔

ایک وقت شادی کردی جاتی ہے۔ اور صرف ایک مرتبہ کوئی کہہ سکتا ہے "میں دیتا ہوں" ان تین امور کو اچھے لوگ ایک مرتبہ کرتے ہیں اور مسترد نہیں کرتے "۔ اس میں شک نہیں کہ پنڈت نے یہ بھی جواب دیا کہ عطیے کے بغیر بھی معطی لہ جائداد کا اس بنا پر مجاز ہو سکتا ہے کہ اس کو کرتم شکل (Kritima form) میں متبنیٰ کیا گیا ہے۔ یاگنولک[1] نے لزوم قبول کو بہت زیادہ نمایاں طریقے سے پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "ہبہ کا قبول کیا جانا علی الاعلان ہونا چاہیے۔ بالخصوص جائداد غیر منقولہ کی صورت میں۔ جو کچھ بھی قانوناً دیا جا سکتا ہو اور جس کے دینے کے لیے معاہدہ ہوا ہو ہبہ کے بعد واپس نہ لیا جانا چاہیے"۔ اس حکم نے جواز ہبہ کے لیے قبضے کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس حد تک معلوم یہ ہوتا ہے کہ یاگنولک نے ہبہ کو اور دوسرے طریقۂ انتقالات کو ایک ہی حیثیت دے رکھی ہے اس سے پہلے کی عبارت میں وہ کہتا ہے[2] "بربنائے حقیت حاصل کرنا قبضے سے قوی تر ہے بجز اس کے کہ قبضہ اسلاف سے آیا ہو۔ لیکن حقیت سے حصول جائداد بلا قبضے کے بے سود ہے۔ گو قبضے کی مدت تھوڑی ہی ہو"۔ مصنف مٹاکشرا[3] نے کل مضمون پر بہت ہی طول وطویل بحث کی ہے۔ دو عنوانات کے تحت۔ قبضہ بلاحقیت اور حقیت بلا قبضہ ہبہ کے متعلق وہ کہتا ہے "اپنے خود کے حق سے دست برداری اور دوسرے کے لیے حق کا پیدا کرنا ہبہ ہے۔ اور دوسرے آدمی کا حق پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ دوسرا اس ہبہ کو قبول کرے کوئی اور صورت نہیں ہے۔ قبول کے تین ذرائع ہیں۔ ذہنی۔ زبانی یا جسمانی۔ ۵۲۴

[1] یاگنولک ۲ صفحہ ۱۷۶۔

[2] 〃 صفحہ ۲۷۔

[3] مٹاکشرا باب ۲ فقرات ۵ و ۶ جن کا ترجمہ ولیم میاکناٹن نے کیا ہے صفحہ ۲۱۲ صفحہ ۲۱۷۔

ذہنی قبول یعنے حزم تصرف۔ زبانی قبول یعنے الفاظ ذیل کا اظہار "یہ میری ہے یا مثل میری ہونے کے"۔ جسمانی قبول کے طریقے چند در چند ہیں۔ مثلاً "مس کر کے"۔ زمین کی صورت میں قبول تھوڑے سے قبضے کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے کیونکہ اس کے پیداوار سے استفادے سے بغیر جسمانی قبول ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسا نہ ہو تو ہبہ۔ بیع۔ یا دیگر انتقال مکمل نہ سمجھا جائے گا۔ لہذا حقیت جو پیداوار کے استفادے پر مشتمل ہو اور جسمانی قبول معدوم ہو اس حقیت سے کمزور ہو گی جو اس کے ساتھ ہو یا جن میں ایسی جسمانی قبولیت ہو۔ لیکن یہ صورت صرف اس وقت پیدا ہو گی جب کہ ان دونوں میں سے یہ معلوم کرنا مشکل ہو کہ کسے ترجیح ہے۔ لیکن جب اس کا تعین ہو جائے کہ بہ لحاظ وقت کونسی چیز اول ہے اور کونسی بعد ہے تو محض مرجح حق سے قوی تر ثبوت ملے گا۔ یا تاویل حسب ذیل ہو سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دستاویزات۔ قبضے اور گواہوں پر شہادت مشتمل ہوتی ہے۔ اس کو تمہید میں بطور عام قاعدے کے بیان کرنے کے بعد احکام ذیل پیش کیے گئے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ جب

ے۔ انگریزی قانون میں یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ معطی لہ نے ہبہ کو قبول کر لیا۔ یہ قیاس باقی رہتا ہے تاایں کہ اس کا اختلاف ظاہر ہو گو معطی لہ واقف نہ ہو کہ ہبہ ہوا ہے۔ یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس قیاس کا اطلاق ہو گا گو معطی نے یہ خواہش کی ہو کہ معطی لہ کے واقف ہونے سے پہلے کہ ہبہ کیا گیا ہے وہ مسترد کرے گا۔ دیکھو تجویز جسٹس لنڈلے ۲۱ (Q. B. D.) صـ ۵۴۱۔ ہاں جب حوالگی ضروری ہو محض دینے اور قبول کرنے کے الفاظ جنھیں معطی نے معطی لہ پہ ظاہر کیا ہو اور معطی لہ نے معطی سے تو بغیر حوالگی کے جائداد منتقل نہیں ہوتی جیسا کہ منقولہ کے زبانی ہبہ میں۔ (Cochrave V. Moore 25 Q. B. D. 57.)

تینوں قسم کی شہادت مجتمع ہو جائے تو کس کو فوقیت حاصل ہو گی۔ احکام یہ ہیں، حقیت اس قبضے سے قوی تر ہے جو موروثی جانشینی کے بغیر ہو اور جب کہ کچھ بھی قبضہ نہ ہو وہاں صرف حقیت کافی نہیں ہے۔[1] بظاہر جیمنوت کی رائے میں تکمیل ہبہ کے لیے قبول ضروری تھا کیونکہ ہندو مقنن کی رائے کے مطابق جائداد حالت التوا میں نہیں رہ سکتی۔ ایک سے دوسرے پر منتقل ہی نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوسرا اسے لے۔[2] رہن یا بیع سے قبول خود بخود لازم ہوتا ہے کیونکہ وہ ایسی کارروائی ہے جس میں دو فریق ہوتے ہیں۔ ہبہ کی صورت میں اس قسم کی کوئی چیز بطور مفروضہ موجود نہیں ہوتی۔ لیکن واقعی جسمانی قبولیت کی حد تک یا جیسا کہ وہ اسے تھوڑا سا قبضہ کہتا ہے وہ ہبہ کو بیع یا دیگر انتقال کی حیثیت دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان تینوں کے متعلق قبضے کی شہادت اہم
٥٢٥ ہوتی ہے تاکہ دعاوی متنازعہ کے مابین جب کہ ایسی نزاع موجود ہو ترجیح کا تعین ہو سکے جب کہ ایسی نزاع موجود نہ ہو تو عام قاعدے کا اطلاق ہو گا مگر رہن، ہبہ یا بیع کی صورت میں پہلے معاہدے کو زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔[3]

**نامکمل ہبہ نافذ نہیں ہو سکتا**

دفعہ ۳۷۷۔ یہ قاعدہ کہ جواز ہبہ کے لیے قبضہ واقعی ضروری ہے۔ ہندو قانون کے کسی خاص نظریے سے پیدا نہیں ہوا۔ غالباً اس عام اصول سے پیدا ہوا جو تمام نظام ہائے قانون میں پایا جاتا ہے۔ یہ کہ وعدہ بلا بدل نافذ نہیں کرایا جا سکتا گو فعل بلا بدل جب مکمل ہو جائے مسترد نہیں ہو سکتا۔[4] اس حد تک ہماری عدالتوں میں قدیم سے اس نظریے کو تسلیم کیا گیا ہے اور

[1] نوروندا اس ۲۶ بمبئی ص ۴۴۹۔
[2] مثاکشرا باب ۳ فصل ۲ ف ۵۔ جلد ۱ ڈبلیو میکناٹن ص ۲۲۱۔
[3] کالیداس ۱۱ I. A. ص ۲۳۳۔

بہت زمانے سے اس پر عمل کرایا جاتا ہے[1]۔ انگریزی نظریہ عدالتہائے انصفت یہ ہے کہ امانت کا اعلان غرض امانت کے حق میں نافذ کرایا جا سکتا ہے گو وہ قانونی انتقال کے مثل نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ آیا اس نظریے کو وسعت دے کر مقدمات ہندو قانون سے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ہنوز تصفیہ نہیں ہوا[2]۔ اس کا بالکل یقین ہے کہ بچاری کو آیندہ عطیہ دینے کے وعدے کو دنیاوی عدالتیں نافذ نہیں کریں گی گو وہ بچاری نہایت ہی مقدس ہو[3]۔ اگر معطی نے ہبہ کی تکمیل کے لیے جو کچھ اس کے امکان میں تھا کر دیا ہو۔ اور شخص ثالث اس ہبہ کو پوری طرح موثر نہ ہونے دینے کی کوشش کرے تو یہ واقعہ کہ قبضہ نہیں دیا گیا اس نالش میں جواب نہیں ہو سکتا جو معطی لہ نے

---

[1] جلد ۲ ہندو قانون مولفہ اسٹرینج ص ۴۲۶۔ ۲ ڈبلیو میاکناٹن ص ۲۴۳۔ مقدمہ ۳۶۔ کشتو سندری بنام کشٹو موتی۔ مارشل ص ۳۶۷۔ شام سنگھ بنام مساۃ امراوتی ۲ صدر دیوانی ص ۷۶ ص ۹۲۔ ہرجیون بنام نارن ہریبائی ۴ بمبئی ہائیکورٹ (مرافعہ) ص ۳۱۔ واسدیو بنام نرائن ۷ ب ص ۱۳۱۔ اباجی گنگادھر بنام کملا ۱۸ بمبئی ص ۶۸۸۔ رامامرتھا بنام گوپال ۱۹ م ص ۴۳۳۔ قانون انتقال جائداد (نشان ۴ سنہ ۱۸۸۲ء) دفعہ ۱۲۲ معطی لہ یا اس کی جانب سے قبول کی ضرورت بتلاتی ہے مگر معطی کے حین حیات قبول ہونا چاہیے اور جب کہ وہ ہنوز دینے کے قابل ہو۔ اگر معطی لہ قبل قبول مرجائے تو ہبہ کالعدم ہو گی۔ لیکن دفعہ ۱۲۹ سے مذکورۂ بالا احکام کا اطلاق ہندو قانون پر نہیں ہوتا اور نہ اس پر اثر پڑتا ہے۔

[2] وینکٹ شلا بنام تھاتما ۴ M. H. C. ص ۴۶۰۔ ہربائی بنام جان محمد ۷ ب ص ۲۲۹۔ بھاسکر پرشوتم بنام سرسوتی بائی ۱۷ بمبئی ص ۴۸۶۔ گوروند اس ۲۶ ب ص ۴۴۹ ص ۴۷۲۔

[3] منجنادھیا بنام تنگما فیصلہ جات مدراس سنہ ۱۸۶۱ء ص ۲۴۔ نرسنگ بنام مہنت صدر دیوانی سنہ ۱۸۵۷ء

محل ہونے والے کے خلاف رجوع کی جائے[1]

**قبضہ کسے کہیں گے**

**دفعہ ۳۷۸**۔ تکمیل ہبہ کے لیے معطی کو چاہیے کہ ظاہری ثبوت ملکیت معطی لہ پر منتقل کر دے[2]۔ ہاں اگر تبدیلِ قبضہ نوعیت معاملہ کے مطابق ہو تو کافی ہوگا۔ لہٰذا جب کہ ۵۲۶
ایسی زمین ہبہ کی جائے جو اسامیوں (tenants) کے قبضے میں ہو تو معطی لہ کا لگان وصول کرنا کافی ہوگا۔ گو ایسے شخص کے ذریعے وصول کیا جائے جو سابق میں معطی کے کارندے کی حیثیت سے لگان وصول کر رہا تھا۔ یا دستاویز ہبہ اور اسامیان کی جاری کردہ (Counterpart lease) کا معطی لہ کے حوالے کرنا کافی ہوگا[3]۔ بنا بر اں غیر حاضر شخص کے حق میں ہبہ کی جا سکتی ہے اگر اس کا قبول کیا جانا یقینی ہو۔ لیکن اگر اس کا علم نہ ہو کہ آیا وہ اسے قبول کرے گا یا نہیں تو معطی کا حق

---

[1] کالیداس بنام کنہیالال ۔ ۱۱ مرافعہ جات ہند صفحہ ۲۱۸ ۔ ۱۱ ک صفحہ ۱۲۱ ۔ دیکھو صفحہ ۲۸۷ جہاں اس مقدمے کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ۔ مقدمات شرع اسلام میں اس کا اتباع کیا گیا محمد بخش بنام حسینی بی بی ۱۵ I A صفحہ ۸۱ ۔ ۱۵ ک صفحہ ۶۸۴ ۔ شیخ محمد بنام زبیدہ جان ۱۶ I A صفحہ ۲۰۵ ۔ ۱۱ A صفحہ ۱۶۲ ۔ بالکند بنام بھگوان ۱۸۵ A ۱۴ ۔

[2] دستاویز ہبہ کی محض رجسٹری کرا دینا کافی نہیں ۔ کچھ نہ کچھ قبضہ یا معطی لہ کا قبول ضروری ہے لکشمی بنام تیا نند ۔ ۲ ک صفحہ ۴۶۴ اس مقدمے میں واقعہ تھا کہ معاملہ مذکور قانون انتقال جائداد کے نفاذ سے قبل ہوا تھا ۔ قانون مذکور کے بعد سے اس قسم کا جسمانی قبضہ ضروری نہیں جبکہ رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے انتقال جائداد اور اعلان امانت عمل میں لایا گیا ہو ۔ رنگنا تھ بنام بہاگیرتی ۲۹ م صفحہ ۴۱۲ ۔ معطی کا کسی طرح بھی ملکیت کو جاری رکھنا ہبہ کامل کے متناقض ہے نواب ابراہیم علی خاں بنام امۃ الزہرا ۲۳ I. A صفحہ ۱ ۔ ۱۹ ۴ صفحہ ۲۶۷ ۔

[3] بنک آف ہندوستان ۵ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۸۳ ۔ نونا تن ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۱۹۴ ۔ ہرجیون ۴ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۳ ۔ بن بہاری بنام نو بہد ۳ A صفحہ ۴ ۔ کلیانی بنام نرائن ۹ م صفحہ ۲۶۷ ۔ انوری بیگم بنام نظام الدین ۲۱ A صفحہ ۱۶۵ ۔

جاری رہے گا۔[۱] بنگال کے ایک پنڈت نے چنانچہ بیان کیا کہ گو معطی نے قبضہ باقی رکھا ہوگا ہبہ جائز ہوگی اگر دستاویز میں بہ صراحت یہ کہا گیا ہو کہ وہ اس جائداد پر عاریتہً یہ اجازت معطی لہ قابض ہے[۲] اسی باعث یہ قرار دیا گیا ہے کہ جب کہ معطی لہ قبضہ لینے کے قابل نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ نابالغ یا قاتر العقل ہو تو معطی کا قبضہ کافی ہوگا۔ ایسی صورت میں صراحتہً یہ کہنا چاہیے کہ معطی لہ کے لیے امانتہً یہ قبضہ ہے[۳] اور اگر معطی لہ قبل ہبہ تنہا قابض تھا یا معطی کے ساتھ مشترکاً تو بلا جدید حوالگی کے اس کے قبضے کا جاری رہنا کافی ہوگا۔ علیٰ ہذا جب کہ متعدد معطی لہم میں سے یوں بھی قابض ہو تو سب کی جانب سے اس کے حق میں ہبہ کا اعلان بغیر قبضہ دینے کے کافی ہے[۴] غیر مادی حق کا ہبہ کافی ہوگا اگر وہ ایسے ۵۲۷ طریقے سے کیا جائے جو انتقال شئے نالش (choses in action) کے لیے کافی ہوتا ہو[۵] مذکورالصدر اصول سے خود بخود یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ معطی لہ اس وقت جب کہ ہبہ نافذ ہو رہی ہے موجود اور ہبہ کو قبول کرنے کے قابل ہونا چاہیے عام ازیں کہ ہبہ متعلق بہ زمانۂ حال ہو یا بہ زمانۂ مستقبل[۶] صرف دو استثنائی اشکال حسب ذیل ہیں:

---

[۱] جسٹس میکفرسن نے سری کرشن کے فیصلے کا بہ مقدمہ کرشنا رامانی بنام انند ۴ بنگال لا رپورٹ ص۲۹۱ پسند کرتے ہوئے ذکر فرمایا۔

[۲] شیو داس ۳ صدر دیوانی ص۲۳۴۔

[۳] رواج پنجاب ص۷۵۔ ۲ ڈبلیو میکناٹن ص۲۴۳۔

[۴] میاجی بنام ہمتا منتخب رپورٹ بمبئی ص۸۔ ص۸۹۔ شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان ۹ بمبئی ص۱۴۶۔ یہ اس کے پہلے کے مقدمے کا شرع اسلام کے تحت فیصلہ کیا گیا۔ شرع اسلام اور ہندو قانون متفق ہیں۔ [۵] بائی خوشحال بنام لکھما نے بمبئی ص۴۵۲۔

[۶] چلیا بنام سبماء م ص۲۳۔ خورشید جی بنام پینچی ۱۲ ب ص۵۴۳۔

[۷] یہ وہ وقت ہے جب کہ فی الواقعی دینے کا عمل ہو رہا ہو یعنی تاریخ ہبہ

ایک تو اس بچے کے متعلق جو ہنوز رحم مادر میں ہو اور دوسرے اس متبنے کے متعلق جو شوہر کے مرنے کے بعد اس کی اجازت کے تحت متبنی لیا گیا ہو۔ قانونی مفروضے سے ایسے اشخاص وفات معطی کے وقت موجود سمجھے جاتے ہیں[1]۔ ایسے بت کے حق میں جو موصی کے مرنے کے وقت موجود نہ ہو ہبہ جائز ہے[2]۔

**ایسی جماعت کے حق میں ہبہ جن میں کے چند لینے کے قابل نہ ہوں**

**ف ۳۷۹**۔ اس اصول کے سبب جس کا اس سے پہلے ذکر کیا گیا ایک قسم کے مقدمات پیدا ہوئے ہیں جن کے متعلق اسناد میں خفیف سا تضاد معلوم ہوتا ہے۔ انگلستان میں اصول ذیل طے شدہ ہے کہ جب ہبہ یا ہبہ بالوصیت ایک جماعت اشخاص کے حق میں کیا جائے اور ان میں کے چند لینے کے قابل نہ ہوں تو کل کے لیے وہ معاملۂ انتقال بے کار ہو جائے گا۔ یہ اصول انگریزی قانون کی کسی اصطلاحی باریکی پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ معطی کا منشا یہ تھا کہ کل مساوی طور پر مستفید ہوں۔ اور یہ کہ یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ اس کے خواہشات کا کیا رنگ ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) جب کہ زندہ اشخاص کے مابین ہو۔ اگر وصیت سے ہو تو موصی کے وفات کا وقت۔ حاصل کرنے کے وقت سے بحث نہیں۔ اگر باقیماندہ کی تملیک ہو تو تاریخ تملیک۔ دیکھو ٹگور بنام ٹگور ۹ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۲۹۹ ۱۸ سدر لینڈ صفحہ ۳۵۹۔ سودامنی بنام جگلیش ۲ ک صفحہ ۲۶۵۔ کھیرودامنی بنام درگامنی ۴ ک صفحہ ۴۵۵۔ بائی سموبائی بنام دوساموراجی ۱۵ ابمبی صفحہ ۴۴۳۔ آگے ۳۸۴۔ رنگناتھ ۲۹ م صفحہ ۴۱۲۔

[1] ٹگور بنام ٹگور ۴ بنگال لا رپورٹ (او دھ) صفحہ ۱۰۳۔ پریوی کونسل میں مرافعہ ہونے پر جلد ۹ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۷۷ صفحہ ۳۹۷ صفحہ ۴۰۰ صفحہ ۴۰۳ ۱۸ سدر لینڈ صفحہ ۳۵۹۔

[2] بھوپتی ناتھ بنام رام لال ۳۷ ک صفحہ ۱۲۸۔ اجلاس کامل۔ چیٹر بھوج بنام چیٹرجی ۳۳ A صفحہ ۲۵۳۔ اگر بت یقینی نہ ہو تو ہبہ کالعدم۔ پھندن لال ایضاً صفحہ ۹۳۔

اگر اس کو اطلاع ہوئی ہوتی کہ اس کے منشا کے موافق وہ پورے نہ ہوں گے[1]. اس قاعدے کا اطلاق ہندوستان کے متعدد مقامات میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان مقدمات میں یہ تجاویز فرمائے گئے ہیں کہ جب ایسی جماعت اشخاص کے حق میں جائداد ہبہ کی جائے جن میں کے چند کے حق میں بوجہ بعد (remoteness) باطل ہو، یا جن میں کے چند اسے لے نہ سکتے ہوں کیونکہ جس وقت اس ہبہ کا نفاذ ہونا چاہیے تھا وہ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے تو ایسا ہبہ کل کے لیے کالعدم ہوگا.
۵۲۸ اگر پہلے سے اس کا امکان تھا کہ ارکان جماعت پیدا نہ ہوئے ہوں گے تو قاعدۂ مذکور کا اطلاق ہوگا گو اس جماعت کے کل ارکان ہبہ یا ہبہ بالوصیت کے نافذ ہونے سے پہلے پیدا ہو چکے ہوں۔ کیونکہ "یہ قاعدہ اٹل ہے کہ ممکنہ واقعات کو ملحوظ رکھنا چاہیے نہ کہ ان واقعات کو جو فی الواقعی ہوں۔ اور یہ واقعہ ہبہ کے جواز کے لیے مہلک ہے کہ وہ ایسے مقاصد پر مشتمل ہوتا ہو گا جو بہت ہی بعید ہیں[2]"۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جوڈیشل کمیٹی نے اس قاعدے کے وجود کو (ہندوستانی مقدمات میں)

---

[1] لیک بنام رابنسن جلد ۲ Merivali's ch. Re صفحہ ۳۶۳ صفحہ ۳۹۰ پرکس بنام موزرے ۵ اپیل کیس صفحہ ۷۱۴۔ عدالت عالیہ کلکتہ ۸ M. I. A. صفحہ ۷۹

[2] برہمایا بنام جگیش چندر ۸ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۳۰۔ سودامنی بنام جگیش ۲ ک صفحہ ۲۶۲۔ کھیرودیمنی بنام درگامنی ۴ ک صفحہ ۴۵۵۔ جیرام بنام ردور بائی ۹ بمبئی صفحہ ۴۹۱ صفحہ ۵۰۸۔ جور بائی بنام کیلی بائی ۵ ۱ بمبئی صفحہ ۳۲۶۔ جارمن کی کتاب وصیت اشاعت پنجم صفحہ ۲۳۲۔ اگر کسی جائداد کے انتقال کی ناجوازی کا پہلو یہ ہو کہ فلاں خاص شخص کو بچے ہونے کا امکان ہے تو اس امر کی شہادت داخل نہیں کی جا سکتی کہ سن کے بڑھنے کے سبب آئندہ اولاد کا ہونا ناممکن ہو گیا ہے مقدمہ ڈاسن ۳۹ چانسری ڈویژن صفحہ ۱۵۵ کسی اور جسمانی قابلیت کے متعلق بھی اسی قاعدے کا اطلاق ہوگا۔

اس کے صحیح اطلاق کی حد تک) ایک مقدمے میں تسلیم فرمایا۔ اگرچہ ان کی یہ رائے تھی کہ دستاویز کی صحیح تاویل کرنے میں زیر بحث انتقال قاعدے میں نہیں آتا تھا۔ مجلس وضع قوانین نے خود قاعدے کو صراحتًا ان انتقالات سے متعلق کیا ہے جو نظریۂ استمرار کے باعث ناجائز ہوں یعنے جن سے استمرار کے قاعدے کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔[2] دوسری صورت اس قاعدے کے اطلاق کی حسب ذیل ہے: مثلًا جب کہ مسلسل متعدد محدود حقیتیں ان اشخاص کے لیے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو انتقال کے وقت موجود نہ ہوں اور یہ حقیتیں سابقہ حقیت محصلہ کے ختم پر شروع ہوتی ہوں[3] یہ کہ آیا کل دیگر صورتوں سے اس قاعدے کو متعلق نہ کرنے کا ارادہ تھا امر استدلال یا امر استنباط ہے۔

**جماعت کے معنے**

**ف ۳۸۰** ۔ مسٹر جارمن نے اپنی کتاب "وصیت" جلد ا کے صـ۲۳۲ (Jarinan on Wills) پر لفظ جماعت کی اس قاعدے کے معنے میں حسب ذیل تعریف کی ہے:

"عرف عام میں ایسے متعدد اشخاص سے جماعت کی تشکیل ہونا کہا جاتا ہے جب کہ انھیں کوئی نہ کوئی عام اصطلاح سے نامزد کیا جا سکتا ہو مثلًا بچے۔ پوتے۔ بھانجے۔ بھتیجے۔ لیکن قانونی زبان میں اس سوال کا انحصار کہ آیا ہبہ جماعت کے حق میں ہے خود طریقۂ ہبہ پر ہوتا ہے نہ کہ ملحوظات بالا پر یعنے یہ کہ وہ ایک مجموعی رقم کا ہبہ ان اشخاص کے حق میں ہے جن کی تعداد ہبہ کے وقت غیر یقینی ہے۔ ان کا تعین کسی آیندہ تاریخ پر ہوتا ہے۔ اور وہ جو مساوی طور پر یا کسی اور ۵

[1] کنور تر کیشور بنام کنور شوشی ۱۰ .I. A صـ۶۰ - ۹ ک صـ۹۲۰ ۔
[2] ۔ قانون انتقال جائداد دفعہ ۵ - قانون وراثت ۱۸۶۵ء دفعہ ۱۰۲ - ہندو قانون کے کسی اصول میں ان دفعات کے سبب تبدیلی نہیں ہوئی۔ قانون ۴ ۱۸۸۲ء۔ قانون ۲۱ ۱۸۷۰ء۔ دفعہ ۳ - النگا منجوری بنام سونامنی ۸ ک صـ۶۳۷ ۔

مساوی اور معین تناسب میں لینے والے ہوں ہر ایک کے ۵۲۹
حصے کی مقدار اس تعداد اشخاص پر منحصر ہوتی ہے جو بالآخر معلوم ہو۔
جب کہ کل افراد کے نام دیے ہوئے ہیں تو قاعدے کا اطلاق نہ ہوگا کیونکہ
اس وقت ہر ایک کے متعلق معطی کا منشا واضح ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں
اگر مقصد یہ ہو کہ وہ مثل اسامیان مشترک کے اسے لیں اور چند کی
حد تک ہبہ نافذ نہ ہوسکتی ہو تو دیگر اشخاص اپنا مقررہ حصہ لیں گے۔
اگر منشا یہ ہو کہ وہ مشترکاً پائیں جو لوگ لینے کے قابل ہیں وہ کل
پانے کے مجاز ہیں[1] اور نہ اس کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ عطا شدہ
منفعت بہ لحاظ اپنی قسم کے ان اشخاص پر منحصر نہ ہو جو بالآخر یہ ثابت
کریں کہ انھیں حصہ پانے کا حق ہے۔ مثلاً خاندانی مکان میں رہنے والے[2]
جب کہ مختارانہ اور علیٰ سبیل البدل ہبہ کیے گئے ہوں جن میں کا ایک
اس وقت جب کہ دستاویز نافذ ہوتی ہو اچھا ہبہ ہوا اور دوسرا
باطل وکالعدم۔ تو مقدم الذکر نافذ ہوگا اور موخر الذکر نظر انداز
کیا جائے گا[3]۔

**بعد کے فیصلے۔ رائے شیچند بنام مسماۃ اسمید اکنور**

**ف ۳۸۱**۔ ہندوستان میں نظریۂ مذکور الصدر کے عالمگیر اطلاق کے متعلق بعد کے فیصلوں سے شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ پہلا مقدمہ جوڈیشل کمیٹی کا
فیصلہ ہے۔ بلاشک جو کچھ بھی اس فیصلے میں قرار دیا گیا

[1] جیمس بنام لارڈ ونفرڈ۔
[2] نندی سنگھ بنام سیتارام ۱۶ I. A. صفحہ ۴۴ - ۱۶ اک صفحہ ۱۴۳۔
[3] کرشناناتھ بنام آتمارام ۱۵ اب صفحہ ۵۴۳۔
[4] مقدمہ ہاروے ۳۹ چانسری ڈویژن صفحہ ۲۸۹۔ رائے کشوری بنام دیبندرناتھ ۱۵ I. A. صفحہ ۳۷ - ۱۵ اک صفحہ ۴۰۹۔

وہ قطعی ہے۔[1] اس مقدمے میں واقعہ یہ تھا کہ مٹاکشرا قانون کے تابع خاندان غیر منقسمہ میں ارکان ذیل زندہ تھے۔ ماتا دیال۔ اس کا لڑکا اودے نرائن اور اودے نرائن کا اکلوتا لڑکا ستروجت۔ اودے نرائن کی عیاشی اوباشی اور اسراف سے محفوظ رکھنے کی خاطر ماتا دیال نے بہ رضامندی اودے نرائن (جسے مبلغ پانچہزار روپے بھی دیے گئے) بحق ستروجت نرائن بشمول اس کے بھائیوں کے جو پیدا ہو چکے ہوں یا جو بعد میں پیدا ہوں جائداد منتقل کی۔ اس ہبہ کے جواز پر متعدد اعتراض پیش کیے گئے منجملہ ان کے ایک اعتراض کی بنیاد یہ تھی کہ اودے کے آیندہ ہونے والے لڑکے چونکہ نہیں لے سکتے تھے اس لیے خود ستروجت کے حق میں ہبہ ناجائز تھی کیونکہ وہ جماعت پسران اودے کا ایک رکن تھا۔ اس نقطۂ نگاہ کی تائید میں دفعہ ۱۰۲ قانون وراثت (قانون ۱۰ ۱۸۶۵ء) کا حوالہ دیا گیا۔ کمیٹی نے اس کے متعلق (یعنے قانون وراثت) یہ جواب دیا کہ زیر بحث ہبہ احکام دفعہ کے تحت نہیں آتا ہے۔[2] حکام عالی مقام نے عام سوال کے متعلق یہ تجویز فرمائی کہ ہبہ جماعت کے حق میں نہ تھا۔ بلکہ خود ستروجت کے حق میں بحیثیت ایک شخص کے کیا گیا تھا۔ منشا یہ تھا کہ وہ ایسے مقصد کے لیے فوراً نافذ ہو جو مقصد اس ہبہ کے اس طرح نافذ نہ ہونے کی صورت میں فوت ہو جائے گا۔ مزید منشا یہ تھا کہ اگر اس کو کبھی بھی چھوٹے بھائی ہوں تو وہ اس ہبہ کے منافع سے استفادہ کریں ۵۴

[1] رائے بشنچند الہ I.A. 11 ۱۶۴ ۔ ۶ A صفحہ ۵۶۰۔

[2] اس پر بہت ہی شک معلوم ہوتا ہے کہ آیا قانون ۱۰ ۱۸۶۵ء کی دفعہ ۱۰۲ کا کسی طرح بھی ہندو وصیتوں پر اطلاق ہو سکتا ہے (دیکھو (Hindu Wills Act) کا فقرہ استثنائیہ) دیکھو تجویز جسٹس ولسن ۱۲ اک صفحہ ۶۶۹ ہبہ یا دیگر انتقالات مابین زندہ اشخاص پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یہ منشا پورا نہیں ہوسکتا تھا محض اس بنا پر یہ فیصلہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ کل معاملہ کالعدم ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ ایسی صورتیں شاذ نہیں ہیں جن میں ایک عدالت تاویل و تعبیر یہ معلوم کرنے کے بعد کہ معطی جائداد کی کل تجویز نافذ نہیں کی جاسکتی۔ اس منصوبے کے جزو کو نافذ کرانا بہ نسبت یہ فیصلہ کرنے کے بہتر سمجھے گی کہ وہ کل کا کل نافذ نہ ہو۔ اس مقدمے میں بہ احسن الوجوہ یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ ستروجت کل جائداد پائے جب کہ اس کے ہونے والے ممکنہ برادران ہبہ سے استفادہ کرنے کے قابل نہ ہوں۔ وہ موجود ہے اور اس قابل کہ ہبہ کو حاصل کرے۔ وہ ایک فرد ہے جس کی بابت دستاویز میں ذکر ہے۔ اگر محض دستاویز ہوتی تو ہر صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا۔ کیا موسومہ شخص جو ایسی جماعت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہو جس کا عام الفاظ میں ذکر ہو اس جماعت میں ضم ہوگا یا نہیں۔ لیکن صرف دستاویز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس قسم کے کام کیے گئے ہیں کہ دستاویز کے بغیر بھی ان سے ہندوستان میں انتقال جائداد عمل میں آسکتا ہے۔ صاحب ضلع (کلکٹر) کی کتابوں میں ستروجت کا نام مثل واحد قابض جائداد کے داخل کیا گیا۔ اور اس کا ولی اولاً اپنے نام سے اور بعد میں اس کے وارث کی حیثیت سے قبضہ حاصل کرتا ہے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فریقین اپنے قانونی اختیار سے ماورا کچھ کرنا چاہتے تھے اور یہ کہ انھوں نے دستاویز ہبہ میں غیر دانشمندانہ زبان استعمال کی ہے۔ حکام عالی مقام یہ قرار دیتے ہیں کہ اس واقعے سے ان کے منصوبے (plan) کا وہ اہم جزو ناجائز نہ ہونا چاہیے جو تعبیر دستاویز کے مطابق و موافق ہے اور جو واقعی انتقال جائداد کے سبب صاف طور پر ثابت ہے۔"

---

ﻟﮯ I. A. 11 صفحہ ۱۷۸ A. صفحہ ۵۷۳

**کلکتے کے فیصلے**

۵۳ **ف ۳۸۲** - کلکتے کے ایک بالکل ایسے ہی مقدمے میں[۱] اس فیصلے کا اتباع کیا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک آدمی نے بذریعۂ دستاویز ہبہ کچھ جائداد مسمیان رام لال اور شام لال کو دی۔ اس شخص کے لڑکے مسمی مدصوب کے یہ دونا بالغ لڑکے تھے۔ ہدایت یہ تھی کہ وہ اور ان کے برادران اخیافی جو آیندہ کسی وقت پیدا ہوں اس جائداد کو اپنے مابین بحصص مساوی تقسیم کرلیں۔ اس کے بعد اس نے اس کا انتظام کیا کہ دونوں پوتے جن کے نام دیے ہوئے تھے قابض ہو جائیں اور ان کے اسما کی رجسٹری بھی کرا دی گئی۔ انتظام یہ کیا گیا کہ پیدا ہونے والے برادران اخیافی کے حقوق اس قبضے سے ختم نہ ہونے پائیں۔ بربنائے سند فیصلہ پریوی کونسل عدالت نے قرار دیا کہ جن اشخاص کی تخصیص کی گئی تھی ان کی حد تک ہبہ جائز ہے گو ان کے لیے جو بعد میں پیدا ہونے والے ہوں بے اثر۔ تاہم جسٹس ولسن نے (J., Wilson) کل ہندوستانی اور انگریزی اسناد کی تفصیلی جانچ کرنے کے بعد نتیجۂ ذیل اخذ فرمایا (صفحہ ۶۸۱) یہ کہ (Leake v. Robinson) کے قاعدے کا اطلاق انگلستان میں صرف ایسی ہبہ متعلق یہ جماعت پر ہوتا ہے جس پر بعد کا دھابہو۔ اور یہ کہ قانون وراثت ہند دفعہ ۱۰۲۔ اور قانون انتقال جائداد دفعہ ۱۵ کا یہ منشا واضح ہے کہ ہندوستان میں بھی اس قاعدے کا صرف مماثل صورتوں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی رائے ظاہر فرمائی۔ یہ کہ مقدمۂ رائے بشنچند کا فیصلہ ان نجی ونیز کے مغائر تھا جو مقدمات سوداملی اور کھیرودامنی میں کیے گئے تھے اور یہ کہتے ہوئے ختم فرمایا (صفحہ ۶۸۵)۔ ان وجوہ سے اگر ضرورت ہو تو میں کلیتہً اس نظریے سے اختلاف

---

[۱] رام لال سیٹ ۲ اک صفحہ ۶۰۳۔ بھوپا تارینی ۳۴ کلکتہ صفحہ ۶۳۶ صفحہ ۶۵۸۔

کرنے پر تیار ہو جاؤں گا جو ان مقدمات میں قایم کیا گیا تھا اور بطور عام قاعدے کے یہ تجویز کروں گا کہ اگر جماعت کے حق میں ہبہ ہوا ور اس جماعت میں کے چند اس کو لینے کے قابل نہ ہوں یا نا قابل ہو جائیں اور جب کہ کوئی اور اعتراض اس ہبہ کے متعلق نہ ہو تو ایسی ہبہ کو ان ارکان جماعت کے فائدے کے لیے نافذ کرایا جانا چاہیے جو لینے کے قابل ہوں۔ تاریخ ہبہ یا وفات موصی کے وقت ہنوز پیدا نہ ہونے سے نا قابلیت ہو سکتی ہے۔ جو بھی صورت ہو"

**مدراس اور بمبئی کے فیصلے**
(Madras & B'bay)

**ف ۳۸۳** ۔ اس میں شک نہیں کہ فیصلے کا آخری حصہ محض عدالتی رائے (Obiter dictum) تھی۔ اس کے باوجود مدراس اور بمبئی کی عدالتوں نے ان خیالات اور آرا کا جو فیصلۂ مذکور میں ظاہر کیے گئے ہیں بدرجۂ اتم اتباع کیا ہے۔ ایک شخص کو اس کی زندگی تک کے لیے جائداد عطا کی گئی تھی۔ اور اس کی وفات پر (بمقدمۂ مدراس اس کے بھائیوں کو۔ اور بمقدمۂ بمبئی اس کے بچوں کو) ایسے اشخاص کو جو جماعت تھے۔ ان کا ذکر اس طرح کیا گیا تھا کہ ان میں وہ اشخاص بھی مساوی طور پر داخل ہو سکتے تھے جو موصی یا تملیک کنندہ کی زندگی میں پیدا ہوئے ہوں یا زندگی کے بعد۔ ہر مقدمے میں جائداد کا دعویدار فی الواقعی دستاویز کے نافذ ہونے سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ ۵۴۲
اور اس تاریخ کے بعد کوئی اور پیدا نہیں ہوا تھا۔ عدالت نے فیصلۂ کلکتہ کے مطابق یہ قرار دیا کہ وہ اس جائداد کے پانے کا مجاز تھا۔

ے۔ منجما بنام پد بالیا ۱۲ مدراس ۳۹۳۔ رنگناسو بنام بھاگا رتی ۲۹ م صفحہ ۴۱۲۔ منگلداس بنام تری بھووند اس ۱۵ ب صفحہ ۶۵۲۔ تری بھووند اس بنام گنگا داس ۱۸ ب صفحہ۔ کرشنا راؤ بنام بینا بائی ۲۰ ب صفحہ ۵۷۱۔ لکھمی جیرام بنام مورارجی ۲۲ ب صفحہ ۵۳۳۔ گوردنداس بنام بائی منکور ۲۶ ب صفحہ ۴۴۹، ۴۶۸۔ دوسری طرف جسٹس اسٹانلی نے اس مسئلے کی بابت جو قانون بیان کیا اس کے لیے دیکھو

عالیہ عدالت بمبئی نے اپنی رائے کی مزید تائید میں جسیل ماسٹر آف رولس (Jessel M. R.) کے الفاظ کا حوالہ دیا[1] جہاں وہ کہتے ہیں "میں یہ خیال کرتا ہوں کہ موصی کے اس منشا کی تاویل کا ایک سہل طریقہ ہے اور وہ یہ ہے:- یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ موصی کے دو منشا تھے۔ ایک اصلی اور دوسرے ثانوی۔ اس کا اصلی منشا یہ ہے کہ جماعت کے کل اشخاص پائیں اور ثانوی منشا یہ ہے کہ اگر سب کے سب نہ لے سکتے ہوں تو وہ ضرور لیں جو لے سکتے ہیں"۔ اس مقدمے میں جو جسیل ماسٹر آف رولس کے ملاحظے میں تھا موصی نے کچھ جائداد "میرے مرحوم بھائی جوزف کولمن (Joseph Coleman) کے ان بچوں کو جو میرے بعد زندہ رہیں یا جو میری موجودگی میں مر گئے ہوں مگر اولاد چھوڑ کر اور جو اولاد میرے مرنے کے وقت زندہ رہے بحصص مساوی" دی تھی۔ موصی کی وفات کے وقت جوزف کے چار بچے زندہ تھے۔ اور ایک مر چکا تھا مگر اس کے بچہ تھا جو موصی کی وفات کے وقت زندہ تھا۔ ماسٹر آف رولس نے فرمایا کہ ان کا ارادہ اس بچے کے لیے انتظام کرنے کا تھا جو اولاد چھوڑ کر فوت ہوا تھا مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ انتظام کس طرح کیا جائے۔ ہبہ کا وہ جزو لہذا نافذ نہ ہوا۔ لیکن ثانوی منشا اس تجویز سے پورا کیا گیا کہ چار بچے خود کے مابین حصہ پائیں۔ لیک بنام رابنسن کے نظریہ کا اس مقدمے میں اطلاق نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس بچے کی حد تک جو موصی سے پہلے مر چکا تھا اس مقدمے کے فیصلے کا اصول بالکل مختلف تھا۔

**ف ۳۸۳ الف** ۔ اس اصول کو اب جوڈیشل کمیٹی نے پسند فرمایا ہے جو جسٹس ولسن نے قرار دیا تھا۔ حکام عالی مقام نے ان کے فیصلے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) راجو موئے بنام ترائے کولمو ۱۲ ک صـ۲۶۰ صـ۲۷۶ بالکل اسی طرح جیسا کہ ف ۳۷۹ میں اس کے پہلے بیان کیا گیا۔

[1] مقدمہ کولیان ۴ چانسری ڈویژن صـ۱۲۹ ۔

کلیتہً اتفاق کا اظہار فرمایا ہے اور اس فیصلے کی ایک عبارت کا حوالہ دے کر پر زور الفاظ میں اس پر توجہ کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی ہے چنانچہ حکام عالی مقام فرماتے ہیں ۔ "یہ کوئی جدید نظریہ نہیں ہے کہ انگریزی عدالتوں کے مقررہ قواعد تعبیر دستاویزات انگریزی کے لیے اس حیثیت سے ان معاملات میں متعلق نہیں کیے جا سکتے جو اس ملک کے
۵۲۳ دیسی اشخاص کے مابین ہوئے ہوں۔ انگریزی قواعد تعبیر ایک خاص قانون جائداد اور ایک مصنوعی نظام انتقال جائداد کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے گئے ہیں۔ ایسے قواعد کو اہل ہنود کے دستاویزات کی تاویل میں استعمال کرنا بہت ہی غور طلب ہے کیونکہ ہندو اشخاص اکثر و بیشتر معاملات کو مختلف نگاہ سے دیکھتے ہیں مختلف طریقے سے غور کرتے ہیں اور ان کی زبان بھی انگریزوں سے مختلف ہے نیز قواعد زیر بحث انھوں نے کبھی سنا ہی نہیں"[2]

**استعمال اختیار**

ف ۳۸۴ ۔ بمبئی میں وہی سوال مختلف شکل میں ان مقدمات میں پیدا ہوا جب کہ ایک اختیار وصیت سے عطا کیا گیا تھا اس اختیار کی غرض غیر معین تھی ۔ ان مقدمات میں یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ اس اختیار کو ایسے شخص کے حق میں استعمال کیا جا سکتا ہے جو موصی کے مرنے کے وقت زندہ نہ تھا۔ ایک مقدمے میں فی الواقع اختیار کو اس طرح استعمال بھی کیا گیا تھا ۔ مقدمہ اول میں موصی نے اپنے بھائی جمنا داس کو اپنا تعمیل کنندۂ وصیت مقرر کیا اور اپنی جائداد متعدد امانتوں کے لیے چھوڑی ۔ یہ امانتیں ایسے شخص یا اشخاص کے لیے قایم کی گئی تھیں جس کو جمنا داس کسی دستاویز

۱ ۔ بھاگا بتی بنام کالی چرن ۳۸ I. A. ص ۵۴ ۔ ۳۸ ک ص ۴۶۸ ۔ رادھا پرشاد ملک بنام رانی منی داسی ایضاً ص ۱۸۸ ۔

۲ ۔ جور بائی بنام کبلی بائی ۱۵ اب ص ۳۶۶ ۔ ۱۶ بمبئی ص ۴۹۲ ص ۴۹۹ ۔

یا تحریر سے مقرر کرے۔ جمنا داس نے اس جائداد کو بذریعۂ وصیت اپنی لڑکیوں مسماۃ کابلی اور موتی کے لیے چھوڑی۔ ان میں کی موتی موصی کے مرنے کے بعد پیدا ہوئی تھی جسٹس فیارن نے یہ قرار دیا کہ تحت وصیت نامہ جمنا داس کو قطعی ملکیت جائداد حاصل ہو چکی تھی۔ لہذا یہ سمجھا جائے گا کہ کابلی اور موتی نے اس سے جائداد حاصل کی نہ کہ موصی سے اور بہ ایں سبب دونوں لڑکیوں کے حق میں وصیت جائز تھی۔ عالیہ عدالت میں مرافعہ کیے جانے پر قرار دیا گیا کہ جمنا داس کو کبھی بھی ملکیت حاصل ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ امین کی جائداد بہ شمول ایک اختیار کے تھی۔ اور اس اختیار کو استعمال کیا جا سکتا تھا مگر" ان قیود کے تابع جو ہندوؤں کا قانون وصیت خود موصی پر عائد کرتا ہے یعنے یہ کہ موتمن لہم کا تقرر حین حیاتی اسامی کی زندگی میں کیا جانا چاہیے تاکہ ماموُر لہ کا جب کہ اس کے حاصل کرنے کا وقت آ پہنچے تعین ہو سکے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایک ایسا شخص ہونا چاہیے جو موصی کے مرنے کے وقت زندہ تھا۔" اس فیصلے کا اتباع ہائیکورٹ نے بعد کے مقدمے میں[لہ] کیا۔ اس میں عدالت سے یہ استدعا کی گئی تھی کہ موصی کی جائداد کا اہتمام اور وصیت کی تعبیر کرے۔ اس نے اپنے جائداد کے ۵۲۴
انتظام کے لیے امانت قایم کی تھی۔ اس دستاویز کا آخری فقرہ حسب ذیل تھا:۔ " لیکن اگر میری لڑکی مامو (Mamu) کے بطن سے کوئی بچے پیدا نہ ہوں تو مامو اور میری زوجہ موتی وہو (Motivahu) کے مرنے کے بعد یہ امانت کالعدم ہو جائے۔ اور جائداد ایسے اشخاص کو دی جائے جن کو حوالے کرنے کے متعلق میری لڑکی مامو بذریعۂ وصیت ہدایت کرے۔" جسٹس فیارن نے مثل سابقہ مقدمے کے قرار دیا کہ وصیت نے مامو کو قطعی مالک بنایا۔ یہ کہ اختیار کے متعلق سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ماموُر لہ مامو سے حاصل کرے گا۔ عدالت مرافعہ نے اپنے سابقہ فیصلے کا اتباع کیا مگر مامو کے

لہ۔ اس کے پیشتر کے ایک مقدمے میں تقریباً اسی قسم کا استقرار کیا گیا۔ اس کے لیے دیکھو ۳۴ب ۸۰۲

اختیار محصلہ کے استعمال کو ڈگری میں فقرۂ ذیل اضافہ کرکے محدود کیا[1] اور یہ عدالت مزید براں استقرار کرتی ہے کہ اس شخص کے حق میں ہبہ جو موصی کے مرنے کے وقت موجود ہو جس کو دینے کے متعلق مدعیہ ماموبائی بذریعۂ وصیت ہدایت کرے جائز ہے۔ وصیت مذکور کے فقرۂ ۸ میں اس ہبہ کا ذکر ہے۔" پریوی کونسل میں مرافعہ ہونے پر فیصلے کی تصدیق کی گئی لیکن چونکہ محدود کرنے والے فقرے میں اختیار کے متعلق ایسے الفاظ داخل کردیے گئے تھے جو وصیت میں نہ تھے اس لیے اس فقرے کو بذریعۂ استقرار ذیل بدل دیا گیا "یہ کہ جن عطیوں کا ذکر علی الترتیب ان فقرات میں ہے ایسے اشخاص کے لیے جائز عطیے ہیں جن کے لیے ماموبائی وصیت کرکے ہدایت کرے مگر جہاں تک کہ یہ ہدایت کی جاسکتی ہو کہ وہ ان اشخاص کے حوالے کی جائیں جو فی الواقعی یا قانون کے تصور میں موصی کی وفات کے وقت موجود تھے۔ نہ اس سے آگے اور نہ اس کے خلاف۔ یہ کہ یہ عدالت نہ تو اس کا تعین کرسکتی ہے اور نہ کرتی ہے کہ اگر اور جہاں تک ہوسکتا ہو ایسے اختیارات بطور جائز استعمال نہ کیے جائیں تو ان اختیارات کے تابع کن پر جائداد علی الترتیب منتقل ہوگی۔"[2]

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس فیصلے نے جسٹس اسٹارلنگ[3] کی رائے کو منسوخ کردیا۔ یہ کہ جب موصی کا یہ منشا تھا کہ امانتیں ایک دستاویز میں درج ہوں تو حدود کے جواز کا تعین کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ تاریخ دستاویز کو دیکھیں نہ کہ وفات موصی کی تاریخ کو" انگریزی قانون کا یہ قاعدہ ہے کہ محض اس وجہ سے اختیار (powers) ناجائز نہیں سمجھا جاسکتا کہ ناجائز طریقے سے

---

[1] اس کے پیشتر کے ایک مقدمے میں تقریباً اسی قسم کا استقرار کیا گیا اس کے لیے دیکھو ۲۴ I. A. صـ ۹۱۔

[2] تربھونداس بنام گنگاداس ۱۸ بمبئی صـ۔

۵۳۵ استعمال کیا جائے گا۔ اور جب اس کا استعمال جزاً جائز اور جزاً ناجائز ہو تو ناجائز جز و اگر علیحدہ ہو سکتا ہو ترک کیا جا سکتا ہے اور جائز حصے کو بحال رکھا جا سکتا ہے[1] صریح تجویز بھی موجود ہے کہ اگر ہندو قانون میں اختیارات (powers) داخل کیے گئے ہوں تو اس حد تک مسئلۂ اختیارات انگریزی قاعدۂ مذکور کا تابع ہوگا۔

**دائنین کے مقابلے میں جائز**

**ف ۳۸۵**۔ جب ایک مرتبہ حوالگی سے یا حوالگی کے مثل کسی عمل سے ہبہ کی تکمیل کی جائے تو خود معطی اور اس کے قائم مقامان پابند ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے دائنین کے خلاف بھی جائز ہوتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ نیک نیتی سے ہبہ کیا گیا ہو نیک نیتی سے یعنے اس ارادۂ صادق کے ساتھ کہ جائداد منتقل ہو۔ اور نہ کہ محض فریبانہ تدبیر سے کہ حقیقی ملکیت پوشیدہ رہے[2]۔

**حوالگی کی ضرورت جبکہ انتقال بدل کے ساتھ ہو**

**ف ۳۸۶**۔ ایک اور سوال کے باعث متعدد اور متضاد فیصلے وجود میں آئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب انتقال جائداد بطور ہبہ نہ ہو بلکہ بطریق رہن یا بہ طریق بیع اراضی تو حوالگی قبضہ کس حد تک ضروری ہے۔ ایسا معاملہ بغیر قبضے کے بھی بے شک بہ مقابلۂ منتقل کنندہ جائز اور قابل نفاذ ہوگا۔ لیکن مسئلۂ مذکور کی اہمیت اس وقت پیدا ہوگی جب کہ اشخاص ثالث کے حقوق متعلق ہوں۔ مثلاً جب کہ وہی جائداد دو مرتبہ رہن یا بیع کی گئی ہو اور آخری منتقل الیہ کو قبضہ دیا گیا ہو۔ اگر پہلا انتقال بلا قبضے کے جائز ہو تو پہلا منتقل الیہ

---

[1] ۔ اسٹارک بنام ڈاکنس جلد ۔ اجا لنسری ڈو یزن ص۳۵ ۔ نیز دیکھو
Sugden on Powers 182 Vol. I, Jarm on wills 260, 5th ed.

[2] ۔ نارد ۴ و ۲/۱۳ ۔ ۱۷ ۔ نیز دیکھو ۱۸/۲۳ و ۲۷ ۔

اراضی سے بیدخلی کے لیے نالش کرسکے گا اگر قبضہ ضروری تھا تو اس کے لیے صرف یہ چارۂ کار ہوگا کہ منتقل کنندہ کے خلاف تعمیل مختص یا ہرجے کی نالش کرے۔ ان عبارتوں میں جن کا اقتباس منددۂ مصنفین سے فقرۂ ۷۶۳ میں کیا گیا بہت کچھ مواد ہے۔ ان کی تاویل اس طرح کی جاسکتی تھی کہ کسی مختص انتقال کے نفاذ کے لیے قبضے کی فی الواقعی حوالگی ضروری ہے۔ مگر فطری طور پر بہتر توضیح یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ (یعنے ہندو مصنفین) دو مختلف امور کا حوالہ دیتے ہیں۔ ایک تو قبضے کا
۵۳۶ اثر ثبوت حق کے لیے اور دوسرے حق کے زائل کرنے کے لیے قبضے کا اثر۔ مثلاً نارد میں ہے: "تحریری ثبوت۔ گواہان اور قبضہ شہادت کے وہ تین اقسام ہیں جن پر حق متعلق بہ جائداد منحصر ہوتا ہے (اور جس کے ذریعے سے) دائن قرضہ واپس پاسکتا ہے۔ دستاویزی ثبوت دائمی ہے۔ گواہان جب تک کہ وہ زندہ ہیں اور قبضہ بعد مرور مدت۔ جس کا کوئی آدمی قابض نہ ہو وہ خود اس کی نہیں ہے اگرچہ تحریری ثبوت ہو اور باوجود اس کے کہ گواہان زندہ ہوں خصوصاً غیر منقولہ میں یہی ہوتا ہے"۔ لیکن دوسرے مصرع میں وہ بتلاتا ہے کہ وہ اس کے متعلق کہہ رہا ہے جسے قانون میعاد سماعت کہیں گے کیونکہ وہ اس مدت کا تعین کرتا ہے جس کے بعد قبضے سے واپس پانے کا حق زائل ہوجاتا ہے اور آگے وہ کہتا ہے: "جہاں قبضہ موجود ہو مگر کسی قسم کی حقیت نہ ہو وہاں حقیت حقوق ملکیت عطا کرتی ہے نہ کہ محض قبضہ۔ حقیت قوی ہونے پر قبضہ جائز ہوجاتا ہے۔ حقیت مثبتہ کے بغیر وہ ناجائز ہی رہتا ہے"۔ بالآخر یہ کہتے ہوئے وہ ختم کرتے ہیں کہ کل کاروباری معاملات میں وہ عمل باقی رہتا ہے جو سب سے آخر میں ہوا ہو۔ لیکن ہبہ۔ گرو۔ یا خریدی کی صورت میں اس فعل کو زیادہ طاقت ہوتی ہے جو پہلے کیا گیا ہو"۔ بعد کے ایک حکم میں وہ کہتے ہیں:۔ "جس بر کوئی شخص بلا حقیت کے قابض ہو اسے نہ چاہیے کہ

منتقل کرے۔[1]" پروفیسر ولسن نے سر یف۔ میاکناٹن کے ان افکار پر جو انھوں نے ہندو قانون پر ظاہر کیے ہیں ایک مقالہ لکھا ہے۔ اس مقالے میں احکام مذکورہ و دیگر احکام پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ عالیہ عدالت مدراس نے مسئلۂ تقسیم نامکمل کے استصواب میں اس مقالے کو مع مزید احکام کے جانچا ہے۔ ڈاکٹر ولسن نے اپنے خیال کو بہ طریق ذیل بیان کیا ہے۔" لہٰذا ہماری نظر میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ ہندو قانون اور عقل سلیم ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ایک شخص اپنے حقوق چھوڑ دے سکتا ہے اگر اس کی خوشی
۵۳۷ ایسی ہی ہو۔ اور اگر تلون مزاجی سے غیر معقول مدت کے لیے ان حقوق کو چھوڑ دیا گیا ہو تو انھیں ضبط کر کے اس دست برداری کی سزا دینی چاہیے۔ ہاں جب قانونی کارروائیاں۔ مخالفت۔ حادثے۔ فاصلے یا بیماری کے سبب وہ اس وقت قبضہ لے نہ سکے جب کہ وہ اولاً ایسا کر سکتا تھا تو اسے ایسی چیز سے محروم نہ کرنا چاہیے جو قانوناً اس کی ہے۔" اس پر عالیہ عدالت مدراس نے بہ اضافہ کیا کہ "ہمیں یہ نظریہ لفظ بہ لفظ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جو قانون کے کتب لکھنے والوں سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔"[2]

**مدراس کے فیصلے**

**ف ۳۸۷**۔ مدراس کی عدالتوں نے ہمیشہ یہ فیصلے کیے ہیں کہ وہ بیع جو مالک نے بلا قبضہ حوالے کرنے کے کیا ہو۔ بیع مابعد کے مقابلے میں جائز ہے گو اصلی مالک نے ایسی بیع ثانی میں قبضہ بھی دے دیا ہو۔ اور یہ کہ پہلا مشتری بمقابلۂ بائع

[1] متاکشرا باب ۳ فصل ۲ دفعہ ۶ جلد ا ڈبلیو میاکناٹن صفحہ ۲۰۔ قانون انتقال جائداد کی دفعہ ۵۴ یہی قاعدہ بیان کرتی ہے۔

[2] ولسن صاحب کے تصانیف باب ۵ صفحہ ۸۵۔ لکشمی بنام نرسما ۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۴۲۔ صفحہ ۴۶۔ تصدیق M.I.A.13 صفحہ ۱۱۳ - ۱۲ سدرلینڈ پی۔سی صفحہ ۴۲۔

اور بمقابلۂ مشتری ثانی بیدخلی کی نالش کر سکتا ہے اُسی اصول پر کہ پہلے مشتری پر منتقل کر دینے کے بعد مالک زمین کے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو وہ منتقل کر سکتا۔[۱] ان دو مقدمات کے متعلق جو پریوی کونسل کے ملاحظے میں تھے[۲] کچھ عرصے تک یہ فرض کیا جاتا تھا کہ ان کے فیصلوں سے قاعدۂ ذیل قرار دیا گیا۔ یہ کہ بیع ناجائز ہوگا اولاً اگر بائع قبضہ نہ دے سکتا ہو۔ اور ثانیاً اگر وہ قبضہ نہ دے۔ اس کتاب کی ایک سابقہ اشاعت میں میں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان مقدمات میں سے ایک نے بھی فیصلۂ ذیل نہیں کیا۔ یہ کہ دستاویز جس کا منشا یہ ہو کہ فی الوقت مختص قطعۂ اراضی کا انتقال عمل میں آئے ناجائز ہوگی اگر اس کے تحت قبضہ نہ دیا گیا ہو۔ جوڈیشل کمیٹی نے دونوں مقدمات میں یہ تجویز فرمائی کہ دستاویز کا منشا یہ نہ تھا کہ اس طرح نافذ ہو۔ نیز دونوں مقدمات میں مختص قطعۂ جائداد بیع نہیں کی گئی تھی بلکہ ایسی چیز بیع حصہ بیع کیا گیا تھا جو بعد میں حاصل کی جانے والی تھی۔ قبل اس کے کہ خریدار یہ کہہ سکتا کہ اس کو کسی معین کمیت یا گھر پر حق دعویٰ تھا فریقین کے مابین کچھ کیا جانا باقی رہ گیا تھا جب کہ بعد کے مقدمے میں وہی سوال پیدا ۵۲۸
ہوا تو[۳] پریوی کونسل نے یہی رائے اور نظریہ قائم کیا۔ رو ما ستدری نے

**پریوی کونسل کے فیصلے**

---

[۱] ۔ ولایودا بنام سوارام فیصلہ جات مدراس سنہ ۱۸۶۲ء صفحہ ۲۷۷۔ ویرا بھدرا بنام ہری رام ۱۳ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۳۵۳۔ واسدیو بھٹ بنام نرسماہ ۵ مدراس صفحہ ۶۔ راماسامی بنام ماری متو ۶ مدراس صفحہ ۳۴۴۔ بیتا گوندن بنام متو گوندن ۱۷ مدراس صفحہ ۱۴۶۔ عدالتی ڈکری کے سبب پے در پے ایک ہی جائداد اگر بیع کی گئی ہو تو ترجیح کا انحصار تاریخ نیلام پر ہوگا نہ کہ تاریخ صداقت نامہ پر۔ دگدو بنام نجین سنگھ ۱۵ بمبئی صفحہ ۲۷۵۔

[۲] ۔ پیر لباسین بنام بابو بدھو ۱۲ M.I.A. صفحہ ۳۰۶ | ۳۰۹ بنگال لاء رپورٹ (پی سی) صفحہ ۱۱۔ ۱۳ سدرلینڈ (پی سی) صفحہ ۶۔ بجو ستدری بنام ایشر چندرا بنگال لاء رپورٹ صفحہ ۳۶۔ ۱۸ سدرلینڈ صفحہ ۱۴۲۔ کملا بنام پیچو کوئی ۱۰ M.I.A. صفحہ ۳۸۶ صفحہ ۳۹۵ سے مقابلہ کرو۔

[۳] ۔ سکالیداس بنام کنہیالال ۱۱ I.A. صفحہ ۱۱۸۔ ۱۱ کلکتہ صفحہ ۱۲۱۔ محمد بخش بنام حسینی بی بی ۱۵ I.A. صفحہ ۸۱۔ ۱۵ کلکتہ صفحہ ۶۸۴ میں اتباع کیا گیا۔

رتن مونی کو جائداد دی اور اُسے قبضہ بھی دے دیا۔ اس جائداد کے مرافق کے متعلق بالآخر یہ تصفیہ کیا گیا کہ وہ صرف رتن مونی کی زندگی تک کے لیے ہے۔ ۱۸۶۴ء میں رتن مونی کی حقیت صیغۂ تعمیل میں نیلام کی گئی اور اسے کنہیالال نے خرید ا جس نے بھی قبضہ حاصل کر لیا۔ وہ (R) ۱۸۶۷ء میں فوت ہوئی۔ ۱۸۷۶ء میں روما سندری نے اسی جائداد کو کالیداس کی زوجہ کے حق میں ہبہ کیا۔ نہ تو روما سندری نے اور نہ معطی لہ ثانی نے کنہیالال سے کبھی بھی قبضہ واپس لیا۔ معطی لہ ثانی (یعنے کالیداس کی زوجہ) نے تعمیل کنندۂ وصیت نے پہلے معطی لہ کے خریدار کے خلاف واپسی قبضہ کی نالش کی۔ خود معطی کو بہ حیثیت مدعی علیہ شریک کیا گیا۔ یہ حجت کی گئی کہ دوسری دستاویز ہبہ کلیتہً ناجائز تھی کیونکہ معطی قابض نہ تھا اور معطی لہ کو کسی قسم کا قبضہ کبھی بھی نہیں دیا گیا تھا۔ جوڈیشل کمیٹی نے اس استدلال کے خلاف فیصلہ فرمایا۔ محولۂ بالا دو فیصلوں کا ذکر کرنے کے بعد وہ صفحہ ۲۳۲ پر فرماتے ہیں:۔ "ان فیصلوں میں سے کسی ایک کا بھی موجودہ مقدمے پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ شرائط معاہدۂ بیع کے تحت مدعی قبضے کا مجاز نہیں ہے۔ شرائط ہبہ کے تحت اس مقدمے میں مرافع قبضے کا مجاز ہے۔ حکام عالی مقام کو اس کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ کس لیے ہبہ یا جائداد کا معاہدۂ بیع اس طرح عملاً موثر نہ ہونا چاہیے کہ معطی لہ یا خریدار کو قبضہ حاصل کرنے کا حق حاصل ہو جائے۔ عام ازیں کہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔ اگر بہ لحاظ نوعیت وہ معاملہ ایسا نہ ہو کہ اس کو نافذ کرنا مصلحت عامہ کے خلاف ہوتا ہو تو ایسا ہونا ہی چاہیے یہ عمل ہندو قانون کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ مرافع علیہ نے جس اصول کے تحت بحث کی ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک کہ مرافع علیہ اصل مالک کو قبضے سے روک سکے گو تشدد کر کے یا ناجائز طریقے سے وہ مالک معطی لہ کو حقیت نہیں دے سکتا۔"

**کلکتے کے فیصلے** | **۳۸۸** ۔ اس مدت کے مابین جو ان فیصلوں میں

ہوئی نظری طور پر کھلتے اور بمبئی کی عدالتوں کے فیصلوں میں کافی تضاد واقع ہوا۔ مقدم الذکر عدالت کا رجحان البتہ اس نظریے کے خلاف رہا کہ انتقال یا بدل کی تکمیل کے لیے قبضہ ضروری ہے۔ پریوی کونسل کے ابتدائی فیصلوں سے پہلے جن مقدمات کا تصفیہ کیا گیا ان میں صدر عدالت اور بنگال ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا کہ ایک شخص جو قابض نہ ہو مگر جس کو حق قبضہ حاصل ہے اپنی ۵۳۶
حقیت شخص ثالث پر منتقل کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ موخر الذکر (یعنے شخص ثالث) اس حقیت پر ہر اس شخص کے خلاف بیدخلی کی نالش کر سکتا ہے جس کی حقیت کمتر ہو۔[1] پریوی کونسل کے فیصلوں کے بعد ہائیکورٹ میں پھر وہی سوال پیدا ہوا۔ اور انھوں نے (ہائیکورٹ نے) یہ قاعدہ قرار دیا کہ جوڈیشنل کمیٹی کی عدالتی رائے (obiler dictum) کو خاص مقدمات کے واقعات کے تابع سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ جب کہ بائع خاموشی اور امن کے ساتھ قابض تھا اور اس کے بعد بیدخل کیا گیا تو ہائیکورٹ نے فیصلہ فرمایا کہ حقیت کی بیع کے ساتھ ساتھ حق بیدخلی بھی حاصل ہو گیا۔[2] اس کے بعد کے مقدمات میں بھی یہی فیصلہ کیا گیا۔ ان مقدمات میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ بائع قابض نہ تھا۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ آیا سابق میں وہ قابض تھا۔[3] ۱۸۸۴ء میں اس مسئلے کے متعلق اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا کیونکہ اس سے پہلے ایک فیصلہ اصول مذکور کے خلاف ہوا تھا۔[4]

---

[1] سربونرائن بنام مہاراج صدر دیوانی ۱۸۵۸ء صفحہ ۲۰۔ پران کرشنا بنام بسو مسر ۲ B.L.R. صفحہ ۳۰۔ و نومنی ۲ سدر لینڈ صفحہ ۱۳۸ منسوخ کیا گیا۔ قمر الدین بنام شیخ بھدرو ۱۱ سدر لینڈ صفحہ ۱۳۴۔

[2] بھکن بنام مسماۃ فارجتی ۲۲ سدر لینڈ صفحہ ۹۔ گنگا ہری بنام راگھو برام ۱۴ B.L.R. صفحہ ۳۰۷۔ ۲۳ سدر لینڈ صفحہ ۱۳۱۔ نتیانند بنام شاماچرن ۲۳ سدر لینڈ صفحہ ۱۶۳۔

[3] اوتک بنام اودلک ۲۰ سدر لینڈ صفحہ ۴۸۔ بسیسور بنام جائے کشور ایضاً صفحہ ۲۲۳۔

[4] نارائن چندر بنام داتارام ۸ ک صفحہ ۵۹۷ منسوخ کیا گیا دلتونا تھ ۷ ک صفحہ ۵۳۔

اجلاس کامل نے بلا تامل اپنی رائے ظاہر فرمائی :۔ "کہ ہندو قانون کے تحت حوالگی قبضہ اس خریدار کی حقیت مکمل کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے جس نے قیمت دی ہو"۔ ایسے شخص کا کیا ہوا بیع جو قابض اس وجہ سے نہ ہو کہ دشمن دعویداروں نے مخالفانہ قبضہ رکھا ہے دفعہ ۱۳۵ قانون انتقال جائداد (نشان ۴ سنہ ۱۸۸۲ء) کے مفہوم میں دعویٰ قابل ارجاع نالش کا بیع نہیں ہے[۱]۔ دوسرے مقدمات میں یہ قرار دیا گیا کہ ایسے شخص کے کیے ہوئے انتقالات جو قابض نہ تھا ناجائز ہیں۔ ان مقدمات میں بنگال ہائیکورٹ کا یہ ادعا تھا کہ پریوی کونسل کے ابتدائی فیصلوں کی پیروی کی جا رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فیصلہ جات مذکور کے صحیح معنے کے مطابق درست فیصلے کیے گئے۔ محض قطعات اراضی حقیقتہً بیع نہیں کیے گئے تھے بلکہ ایسی جائداد کی تقسیم کے معاہدات تھے جو اس وقت معرض نالش میں تھی۔ ایسے معاہدات صاف ظاہر ہے کہ مصلحت عامہ کے مغائر تھے[۲]۔ ایک اور مقدمے میں اسی قسم کا فیصلہ صادر کیا گیا۔ اس مقدمے میں صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۴۰
کبھی بھی منتقل کنندہ اس جائداد پر قابض نہ تھا جو اس نے منتقل کی تھی[۳]۔

**بمبئی کے فیصلے** ف ۳۸۹۔ بمبئی میں رواج اور فیصلوں کا سلسلہ قبضے کے لزوم کا طرفدار رہا ہے۔ قبضہ ضروری ہے تاکہ ہر قسم کے انتقال کو مابعد خریدار نیک نیت اور بلا اطلاع کے مقابلے میں جواز حاصل ہو۔ بعد کے چند فیصلے دو مقدمات پر یوی کونسل کے مفروضہ سند پر مبنی ہیں۔ ان مقدمات کا قبل ازیں حوالہ دیا جا چکا ہے[۴]۔ مگر ان آرا (Dicta) سے پہلے اور

---

۱۔ مدن موہن ۱۳ کلکتہ صفحہ ۲۹۷۔ ۲۔ تارا سندری بنام کلکٹر میمن سنگھ ۱۳ B.L.R. صفحہ ۴۹۵۔ ۲۰ سدر لینڈ صفحہ ۴۴۶۔ بڈھن ۲۲ سدر لینڈ صفحہ ۵۳۵۔ بشوناتھ ۲۳ سدر لینڈ صفحہ ۱۲۵۔
۳۔ رام کھیلاون بنام مسماۃ اودھ ۲۱ سدر لینڈ صفحہ ۱۰۱۔
۴۔ قبل ازیں صفحہ ۳۸۷۔ گردھر بنام داجی، بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۴۳۔ کاجو بنام کچو با ۱۰ ایضاً صفحہ ۴۹۱۔

ان کے قطع نظر یہی تجاویز رائج تھے۔ اس مضمون پر ہائیکورٹ نے کل قانون کی ایک مقدمے میں نظر ثانی کی۔ اس مقدمے میں واقعہ یہ تھا کہ مالک زمین نے ایک ہی دن میں دو معاملات بیع کیے اس نے بذریعۂ دستاویز بیع اس زمین کو ایک ایسے فریق کے ہاتھ بیع کیا جس نے زرِ ثمن کا ایک جزو ادا کیا تھا۔ اور اسی دن دوسری دستاویز بیع سے دوسرے فریق کے ہاتھ بیع کیا جس نے کل زرِ ثمن ادا کر دیا تھا۔ اور اسے قابض بھی کر دیا گیا۔ پہلے مشتری نے بائع اور دوسرے مشتری کے خلاف نالش کی۔ پریوی کونسل کے فیصلوں کا حوالہ تو دیا گیا مگر ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان پر بہت کم بھروسا کیا گیا۔ دیسی اسناد اور عدالتہائے صوبۂ بمبئی کے فیصلوں کی طول و طویل جانچ کرنے کے بعد بحق مدعی علیہ فیصلہ صادر کیا گیا۔ وجہ فیصلہ نہایت وسیع تھی۔ یہ کہ ایسے خریدار مابعد کے مقابلے میں جسے اطلاع نہ ہو بلا قبضے کا بیع جائز نہیں ہے[1]۔ چیف جسٹس ویسٹراپ نے بعد کے ایک مقدمے میں فرمایا[2]۔ "اس وقت سے جب سے کہ رپورٹ کا آغاز ہوا ہمارے بمبئی کی رپورٹوں میں ایسے مقدمات موجود ہیں جن سے بہ حیثیت مجموعی یہ آسانی بطور عام قاعدے کے یہ قرار دیا جا سکتا ہے گو اسے اٹل قاعدہ نہیں کہا جا سکتا کہ معطی یا منتقل الیہ کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں میں انتقال جائداد غیر منقولہ کے لیے قبضہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ عام ازیں کہ انتقال بطور ہبہ ہو۔ یا بطور بیع یا رہن"۔ چیف جسٹس نے مذکور الصدر عام قاعدے کے مستثنیات کا بھی ذکر فرمایا۔ ایسی صورتیں منتقل کنندہ یا ان رضاکاروں کے مابین پیدا ہوتی ہیں جو منتقل کنندہ یا منتقل الیہ کے توسط سے دعویدار ہوں۔ وہ صورتیں جن میں منتقل الیہ ثانی نے قبل کے انتقال بلا قبضہ کی اطلاع کے ساتھ یہ حیثیت حاصل کی ہو۔ یا جن میں اسے ذیل کے واقعے کے سبب معناً اطلاع ہو چکی ہو۔ یہ کہ دستاویز ثانی کے

[1] للو بائی بنام بائی امرت ۲ بمبئی صفحہ ۲۹۹۔ [2] ہاشا بنام راگھو ۶ بمبئی صفحہ ۱۶۶۔

جاری ہونے سے قبل اسے اس کی اطلاع ہو چکی تھی کہ پہلے انتقال کی کسی ایک
زا نون ذیل کے تحت رجسٹری ہو چکی تھی۔ قانون نشان ۱۶ سنہ ۱۸۶۱ء۔ قانون ۵۴۱
نشان ۲۰ سنہ ۱۸۶۶ء۔ نشان ۸ سنہ ۱۸۷۱ء۔ نشان ۳ سنہ ۱۸۷۷ء یا نشان ۱۶ سنہ ۱۹۰۸ء[۱]
اس اصول کے اختیار کرنے میں کہ رجسٹری معنوی اطلاع ہے[۲] چیف جسٹس نے
اس کا اعتراف فرمایا کہ وہ امریکہ کے فیصلوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ نہ کہ
انگریزی یا نظائر آئرستان کی[۳] یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ اس مدیون کا
قبضہ جس کی حقیقت اچھی ہو اس کے اراضی کے عدالتی نیلام کے جواز
کے لیے ضروری نہیں ہے۔ ساتویں۔ یہ بھی تجویز کرنا ظاہر ہوتا ہے کہ
اس مشتری کے لیے قبضہ ضروری نہیں جو عدالتی نیلام کا مشتری ہو۔
اس کے لیے قبضہ ضروری نہیں جب کہ اس کے معاملۂ بیع کے جواز کی
بحث اشخاص ذیل کے مقابلے میں پیدا ہو۔ ایسے دائنین قرقی کنندہ کے
مقابلے میں جنھوں نے زر نقد کی ڈگریوں کے تحت بعد میں قرقی
کرائی ہو۔ یا ایسے خریداران کے مقابلے میں جنھوں نے ان عدالتی نیلاموں میں
جو ایسی ڈگریوں کے تحت ہوئے تھے جائداد خریدی ہو۔ آٹھویں۔ عدالتی نیلام کا
خریدار بلا قبضہ حاصل کرنے کے اس جائداد کو بیع کر دے سکتا ہے۔[۴]

---

[۱] دینا بنام ناتھو ۲۶ بمبئی صفحہ ۵۳۸۔

[۲] بجز اس کے کہ اخفا فریبانہ ہو۔ دھونڈو بال کرشنا بنام راؤجی ۲۰ ب صفحہ ۲۹۔ رجسٹری شدہ دستاویز کی اطلاع ایسے سابقہ غیر رجسٹری شدہ دستاویز کی اطلاع نہیں ہے جو غبن کی بنیاد ہو۔ چنی لال بنام رامچندر ۲۲ بمبئی صفحہ ۲۱۳۔ شرف الدین بنام گوبند ۲۷ بمبئی صفحہ ۴۵۲۔

[۳] مدراس اور کلکتے میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ دفعہ ۳ قانون انتقال اراضی بابت سنہ ۱۸۸۲ء کے تحت رجسٹری فی نفسہ تعبیری اطلاع نہیں ہے۔ شان موں مل بنام مدراس بلڈنگ کمپنی ۱۵ م صفحہ ۲۶۸۔ اندر دون پرشاد ۲۳ ک صفحہ ۷۹۔

[۴] لکشمن داس بنام داسرت ۶ ب صفحہ ۱۶۸ اجلاس کامل ۱۷۵ | ۱۷۷ | ۱۸۴ | ۱۸۷۔ شیورام بنام گنو ایضاً صفحہ ۴۱۵۔ دنمیا ۹ بمبئی صفحہ ۴۳۲۔ اگر چند بنام رکھما ہمنت ۱۲ ب صفحہ ۶۷۸۔ نارائن لکشمن بنام بابو ۱۷ ب صفحہ ۷۴۱۔

عدالتی نیلام کا خریدار خریدار بلا اطلاع نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ صرف اس حقیت کو خریدتا ہے جو مدیون صیغۂ تعمیل بطور جائز اس کے ہاتھ بیع کر سکتا تھا[1]۔

خریداران نیک نیت اور بلا اطلاع کے علاوہ اشخاص کے متعلق بمبئی ہائیکورٹ نے قاعدۂ ذیل قرار دیا ہے یہ کہ ہندو جس کی جائداد مداخلت بیجا کنندہ یا مرتہن کے قبضے میں اپنے حق داخلہ کو فروخت کر سکتا ہے یا حق انفکاک کو جو بھی صورت ہو۔ اور یہ کہ بنا براں خریدار نالش کر سکتا ہے کہ مداخلت بیجا کنندہ بے دخل کیا جائے۔ یا رہن کے انفکاک کے لیے نالش کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے خود اس جائداد کو بیع کرنا ظاہر کیا ہو جس پر وہ قابض نہ تھا تو ایسے مدعی کو ناکامیابی ہوگی جس نے بہ حیثیت مالک جائداد نالش[2] کی ہو۔ کیونکہ جو انتقال اس کے حق میں عمل میں لایا گیا تھا وہ بے اثر تھا۔ یہ امتیاز قریب قریب اس امتیاز کے تھا جو بلا اختلاف کے یہ ایں سبب کا لیداس بنام کنہیالال کے مقدمے کے بعد[3] ۶۴۲

بمبئی ہائیکورٹ نے فیصلۂ ذیل کیا۔ یہ کہ اس قسم کا کوئی امتیاز قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ یہ کہ نالش بے دخلی پر یہ اعتراض قابل سماعت نہیں ہو سکتا کہ مدعی کا بائع تاریخ[4] انتقال جائداد تک مخالفانہ دعوے کے باعث قبضے سے دور رکھا گیا تھا۔

**مقدمات رہن**

**ف ۳۹۰**۔ مقدمۂ رہن سے مزید دشواریاں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ خود راہن پھر بھی قابل انتقال حقیت کا حامل رہتا ہے۔ امتیاز پھر بھی پیدا ہوگا۔ وجہ امتیاز نوعیت رہن ہوگی۔

[1]۔ سبھاگچند بنام بھائی چند ۲ ب ص ۹۳۔ چنتامن بنام شیورام ۹ بمبئی ہائیکورٹ ص ۳۰۴۔ راماراپا بنام ارن چلاے م ص ۲۴۸۔

[2]۔ بائی سورج بنام دلپت رام ۶ ب ص ۳۸۰۔ واسدیو ہری بنام ٹاٹیا نرائن ایضاً ص ۳۸۷۔

[3]۔ ۲ All ص ۲۱۵۔ ۱۱ ک ص ۱۲۱۔

[4]۔ اگرچند بنام مدپا سومنا ۹ ب ص ۳۲۴۔

دیکھنا یہ ہوگا کہ آیا راہن نے اپنی ملکیت متعلق بہ اراضی منتقل کر کے صرف حق انفکاک اپنے لیے محفوظ رکھ لیا ہے۔ یا جائداد کو باقی رکھ کر بحق دائن اس جائداد کے متعلق محض ایک حق پیدا کر دیا گیا ہے۔ بہ الفاظ قانون انگریزی رہن کے قانونی (legal) یا نصفتی (equitable) کے باعث پیدا ہوگا۔ اطلاع۔ غفلت وغیرہ کے سوالات سے بھی ہر مقدمے کے فیصلے پر قابل لحاظ اثر پڑے گا۔ میرا مقصد ان امور میں دخل دینا نہیں ہے۔ امور مذکور اس کتاب کی وسعت سے باہر ہیں۔ رہن کے اعلیٰ تصانیف میں ان پر پوری پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک مسئلہ قبضے کے متعلق میں مختصراً اسناد کی صورت حال بتلاؤں گا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ عدم قبضے کا اثر زیادہ تر اس پر منحصر ہوگا کہ آیا یہ عدم قبضہ شرائط معاہدہ کے مطابق تھا یا اس کے مغائر۔ وسیع الفاظ میں نارد کہتا ہے: ”گرو کے دو اقسام بیان کیے گئے ہیں۔ منقولہ اور غیر منقولہ۔ جب فی الواقعی استفادہ کیا جا رہا ہو تو دونوں جائز ہیں۔ ورنہ نہیں“[1]۔ یہ ممکن ہے کہ وہ ایسی صورتوں کا حوالہ دے رہا ہو

**بلا قبضے کا رہن**

جنھیں گرو کے ساتھ قبضہ دیا جانا چاہیے۔ کیونکہ فطرۃً یہ صورت منقولہ میں ہوتی ہے۔ مدراس میں یہ طے شدہ ہے کہ محض رہن اراضی سے اس پر حق پیدا ہو جاتا ہے گو نہ تو قبضہ دیا گیا ہو اور نہ قبضہ دینے کا ارادہ ہو۔ حق مذکور خریدار مابعد کے مقابلے میں نافذ کرایا جا سکتا ہے[2]۔ بنگال میں بھی سپریم کورٹ نے صدر عدالت کے حکام کی رائے لینے کے بعد اسی امر کا فیصلہ کیا ہے[3]۔ مرتہنین مابعد یا خریداروں کے ۵۴۳

[1] نارد باب ۴ ف ۱۲۴۔

[2] واردن بنام لکبتی ۹ مرافعہ جات مور صاحب صفحہ ۳۰۳۔ کدراس بنام راویا ۲ مدراس ہائیکورٹ صفحہ ۲۰۲۔ گولا بنام کالی ۳ الیضاً صفحہ ۱۴۳۔ سداگوپا بنام رتنا ۶ مدراس جرنل صفحہ ۱۷۵۔

[3] کولیداس بنام سبچند سارٹن صفحہ ۱۱۱ سبچندر بنام رسک فلٹن صفحہ ۳۶۔ منذریو صفحہ ۲۷۸ اور مارٹن صفحہ ۱۰۵ کے فیصلے مقدمۂ مذکور سے منسوخ ہوتے ہیں۔ دیکھو نانک ۵ ک صفحہ ۲۶۵۔

مقابلے میں حقوق مرتہن پر بحث کرنے میں بمبئی کی عدالتیں خریدار بلا اطلاع کی حیثیت کے نظریے سے اپنی بحث کا آغاز کرتی ہیں۔ بہ استثنائے مقدمات رہن جو گجرات میں ہوتے ہیں[1] وہ قرار دیتے ہیں کہ محض مرتہن بلا قبضہ کو ایسے مرتہن یا خریدار مابعد کے مقابلے میں ترجیح نہیں ہو سکتی جس نے بلا اطلاع کے قبضہ حاصل کر لیا ہو[2]۔ خریدار جس نے سابق رہن کی صریح اطلاع کے ساتھ خریدا ہو اس کے تابع حاصل کرتا ہے۔ سابقہ رہن کے تحت قبضہ یا انتقال مابعد کے جاری ہونے سے قبل اس کی رجسٹری اطلاع کے مماثل ہے[3]۔ عام اصول یہ ہے کہ راہن کے مقابلے میں رہن کو جواز حاصل ہونے کے لیے قبضہ ضروری نہیں۔ ہائیکورٹ بمبئی نے ایک نہایت ہی طول و طویل و فاضلانہ فیصلے میں جب کہ کل سابقہ مقدمات پر نظر ثانی کی گئی تھی اصول مذکور کی تصدیق کی[4]۔ نیز یہ بھی تجویز کی گئی ہے کہ ایسا مرتہن اپنے دعوے ان اشخاص ثالث کے مقابلے میں پیش کر سکتا ہے جو ناجائز طور پر

---

[1] ان کے متعلق دیکھو سبھاچند بنام بھائی چند ۶ ب (اجلاس کامل) صفحہ ۹۳۔ العجابھائی ربالجی بنام گردھر ۲۰ ب صفحہ ۱۵۸۔

[2] پرمبا بنام سوندرے ۴ ب صفحہ ۴۵۹ صفحہ ۴۶۱۔ باپوجی بلال بنام سیتابھابائی ۹ ب صفحہ ۴۹۔ تجویز مبر مجلس ویسٹراپ ۶ ب صفحہ ۱۷۶۔ صدر عدالت کے ابتدائی فیصلوں کے لیے دیکھو تلجارام بنام میان جلد ۲ بورڈیل صفحہ ۱۳۰۔ صفحہ ۱۴۷۔ کندوجی بنام بالاجی بلاسس صفحہ ۵۔ دونڈی بنام سنترام مارس صفحہ ۵۶۔

[3] دیکھو مقدمات سابق نوٹ۔ نیز گوپال بنام کرشتاپنا ۷ بمبئی ہائیکورٹ (مرافعہ) صفحہ ۶۹۔ ہری بنام مہاواجی ۸ ایضاً (مرافعہ) صفحہ ۵۔ بالاجی بنام رامچندر ۱۱ ایضاً صفحہ ۳۷۔ قبضے کا کب نوٹس ہوتا ہے اس کے لیے دیکھو قانون ملا بابت ۱۸۷۷ء دفعہ ۲۷۔

[4] جیونداس بنام فرامجی ۷ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۴۵۔

قابض ہوں[1]۔ یا عدالتی نیلام کے خریداران کے مقابلہ میں جو صرف حق حقیت اور مرافق مدیون حاصل کرتے ہیں[2]۔

## دستاویزات رجسٹری شدہ وغیر رجسٹری شدہ میں ترجیح

(ف ۳۹۱) یہ دوسرا مسئلہ جس کے متعلق فیصلوں میں تضاد و تنازع ہے وہ دو دستاویزات میں ترجیح کا ہے۔ جن میں کی پہلی غیر رجسٹری شدہ ہو اور آخری رجسٹری شدہ۔ اگر پہلا دستاویز ایسا ہو جس کی رجسٹری قانوناً واجب ہو تو کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا غیر رجسٹری شدہ دستاویز سے حقوق پیدا نہیں ہوتے اور شہادت میں ناقابل ادخال ہے۔

(دف ۴۹) مگر مجلس وضع قوانین نے اپنی مصلحت کے تحت چند خاص قسم کے ۵۴۴
دستاویزات کے متعلق یہ اجازت دی ہے کہ قابضان کی مرضی پر ان کی رجسٹری کرانا یا نہ کرانا منحصر رہے جب کہ معاملات سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ان کی قیمت بہت کم ہے۔ قوانین رجسٹری نشان ۱۶ بابت ۱۸۶۴ء اور قانون ۲۰ ۱۸۶۶ء۔ اور قانون ۸ ۱۸۷۱ء کے تحت رجسٹری کے متعلق دستاویزات ذیل کے مابین مقابلے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ایک وہ دستاویز جس کی رجسٹری لازم ہو اور اس کی رجسٹری فی الواقعی نہ کرائی گئی ہو۔ اور دوسرے وہ دستاویز جس کی رجسٹری اختیاری ہو[3]۔ مگر موجودہ قانون رجسٹری نشان ۱۶ بابت ۱۹۰۸ء کے تحت ہر دستاویز کو جس کی رجسٹری واجب ہو (اور چند خاص قسم کے دستاویزات کو جن کی رجسٹری اختیاری ہو) اگر اس کی رجسٹری حسب ضابطہ ہوئی ہو تو اس

---

[1] کرشناجی بنام گوبند ۹ ایضاً صفحہ ۲۷۵۔

[2] چنتامن بنام شیورام ۹ بمبئی ہائیکورٹ صفحہ ۳۰۴۔ کل مضمون کے لیے دیکھو فیصلہ بمقدمہ لکشمنداس بنام دسرت ۶ ب صفحہ ۱۶۸۔

[3] دیکھو تجویز ہبہ مجلس ویسٹرا پ ۶ بمبئی صفحہ ۱۹۱ اور جن مقدمات کا ذکر کیا گیا۔

جائداد کے متعلق جس کا اس میں ذکر ہو ہر غیر رجسٹری شدہ دستاویز پر جو اسی جائداد کے متعلق ہو ترجیح ہوگی اور جو ڈگری یا حکم نہ ہو خواہ ایسی غیر رجسٹری شدہ دستاویز اسی نوعیت کی ہو یا نہ ہو جس کی رجسٹری شدہ دستاویز سے ہے"۔

توضیح دفعہ نے اس دفعہ کے اطلاق کو اثر راجع عطا کیا ہے۔ یعنے اس کا اطلاق ایسی دستاویز پر بھی ہوتا ہے جو قوانین ۱۸۷۱ء ۱۸۷۷ء اور ۱۹۰۸ء کے تحت رجسٹری کی گئی ہو اور ان دستاویزات کے خلاف بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جن کی رجسٹری سابقہ قوانین کے تحت اختیاری تھی[1]۔ اس دفعہ کے متعلق ہائیکورٹ مدراس نے پہلے یہ قرار دیا تھا کہ ہر صورت میں رجسٹری شدہ دستاویز مابعد کو اس سابقہ دستاویز پر جو اسی جائداد کے متعلق ہو جس کی رجسٹری اختیاری ہو اور جس کی فی الواقعی رجسٹری نہ ہوئی ہو ترجیح ہونی چاہیے۔ نیز یہ کہ نہ تو سابقہ دستاویز کی صریح اطلاع سے اور نہ اس کے تحت قبضے سے مقدمے میں کوئی فرق ہو سکتا ہے[2]۔ ہاں اگر دستاویز ثانی محض فریبانہ یا سازشی ہو[3]۔ یا اگر دوسرا معاملہ صراحتاً معاملہ اول کا تابع کیا گیا ہو یعنے یہ کہ دونوں دستاویزات پوری پوری طرح نافذ ہوں تو صورت بدل جائے گی۔ مثلاً جب کہ رجسٹری شدہ دستاویز سے جائداد بیع کی گئی ہو اور اس بیع کو سابقہ مرتہن کے دعاوی کا تابع کیا گیا ہو۔ رہن مذکور ۵۴۵

[1] لکشمنداس بنام دیپ چند ۲ A صفحہ ۵۵۴۔ گنگا رام بنام کالیپودا ۱۱ ک صفحہ ۲۶۰۔ منتھانا بنام علی بیگ ۲ م صفحہ ۱۴۲۔ ترکم مادو بنام ہرجی ہرگون ۱۸ ب صفحہ ۳۳۲۔ چنی لال بنام رام چندر ۲۲ ب صفحہ ۲۱۳۔ لیکن توضیح کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ رجسٹری کو غیر رجسٹر شدہ دستاویز پر ترجیح ہو۔ روپ چند بنام دولت راؤ ۶ ب صفحہ ۴۹۵۔ شبو رام بنام سایا ۱۳ ب صفحہ ۲۲۹۔ سریرام بنام بھاگیرت ۴ A صفحہ ۲۲۷ غیر رجسٹر شدہ دستاویز کی صورت میں میعاد کے اثر کے متعلق دیکھو بڈن کالیلا بنام وسیاپاکا ۲۶ م صفحہ ۴۲۔

[2] نلپا گوندن بنام ابراہیم ۵ م صفحہ ۷۳۔ کنڈیا بنام گردیا ایضاً صفحہ ۱۳۹۔

[3] نرسلو بنام سومنا ۸ م صفحہ ۱۶۷۔

غیر رجسٹری شدہ دستاویز کے تحت ہوئے[۱] تاہم ۱۸۹۱ء میں ان کل فیصلوں کے سلسلے کے متعلق اجلاس کامل سے استصواب کیا گیا اور اس عدالت نے ان کی نظر ثانی کر کے نلیا بنام ابراہیم اور کنڈیا بنام گرویا کے فیصلے کو منسوخ فرمایا، اور عدالتہائے کلکتہ، بمبئی اور الہ آباد کے تجاویز کے مطابق فیصلہ فرمایا گیا۔ یہ کہ جائز مگر غیر رجسٹری شدہ دستاویز کی صریح اطلاع سے خریدار جس نے رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے معاملہ کیا ہو اس ترجیح سے محروم ہو جاتا ہے جس کا وہ اطلاع نہ ہونے کی صورت میں مستحق ہوتا[۲]۔ عالیہ عدالت بمبئی بھی اسی وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ قرار دیتی ہے کہ اسے خریدار مابعد کے لیے جس نے رجسٹری شدہ دستاویز سے معاملہ کیا ہو اس کا قبضہ اطلاع کے مماثل ہے جس نے اختیاری غیر رجسٹری شدہ دستاویز کے تحت قبضہ حاصل کیا ہو۔ قبضہ بہ ذات خود اسے رجسٹری کے فوائد سے محروم کر دیتا ہے[۳]۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے ایک مقدمے میں صراحتًا اس کے خلاف

---

[۱] رام چندر بنام کرشن ۹ م صفحہ ۴۹۵۔

[۲] کرشنا بنام سرنما ۱۶ م صفحہ ۱۴۸ (اجلاس کامل) رام اوتار بنام دھنوری ۸ A صفحہ ۵۴۰۔ دیوان سنگھ بنام جادھو ۱۹ A صفحہ ۱۴۵۔ ۲۰ A صفحہ ۲۵۲ میں تصدیق کی گئی فضل الدین خاں بنام فقیر محمد ۵ ک صفحہ ۳۳۶۔ چندر ناتھ بنام بھائی دب چندر ۱۰ ک صفحہ ۲۵۰۔ عبدالحسین بنام رگھوناتھ ۱۳ ک صفحہ ۸۰۔ شیو رام بنام گنو ۶ ب صفحہ ۵۱۵۔ موریشور بنام دتو ۱۲ ب صفحہ ۵۶۹۔ بالکنداس بنام موتی نرائن ۱۸ ب صفحہ ۴۴۴۔ لیکن دیکھو باما سندری ۱۰ ک صفحہ ۴۲۴۔ جس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عدالت نے اس امر کو ہنوز کھلا ہوا سوال تصور کیا۔ دیکھو بھالو رائے بنام جکھو رائے ۱۱ ک صفحہ ۶۶۷۔ جورامن بنام بالی ۹ A صفحہ ۵۹۱۔ قانون ۴ سنہ ۱۸۸۲ء دفعہ ۳۔ بلیٹا اور ثابت کیا جانا چاہیے چینا بنام مانیکا راساگم ۲۵ م صفحہ ۱۔

[۳] ڈنڈیا بنام چینا باسیا ۹ ب صفحہ ۴۲۷۔ تھسی سنگھ بنام کنورجی ۱۰ ب صفحہ ۱۰۔ کندیا بنام نانا ۲۷ ب صفحہ ۴۰۔ شرف الدین بنام گوبند ایضاً صفحہ ۴۵۲۔ قبضہ اس حقیقت کے متاثر ہونا چاہیے جس پر خریدار ثانی کو استدلال ہو موریشور بنام دتو ۱۲ بمبئی صفحہ ۵۶۹۔

تجویز فرمائی۔ اس مقدمے میں اس عدالت نے خود اپنے ان فیصلوں کو منسوخ فرمایا جس میں اس کے خلاف رائے ظاہر فرمائی گئی تھی[1]۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اسی عدالت نے بعد کے مقدمات میں غیر رجسٹری شدہ دستاویز کے تحت قبضے کو ایک ایسا واقعہ تصور فرمایا جس سے اس کے وجود کی اطلاع مستنبط کی جاسکتی ہے گو لازماً ایسا کرنا ضروری نہیں[2]۔

## ڈگریوں یا احکام کی صورت میں ترجیح

**ف ۳۹۲** ۔ الفاظ "جو ڈگری یا حکم نہ ہو" کے تحت اکثر وہی ترجیح کا سوال پیدا ہوا ہے۔ الفاظ مذکور دفعہ ۵۰ قانون نشان ۳ ۱۸۷۷ء اور قانون نشان ۱۶ ۱۹۰۸ء کے مستثنیات میں سے ہے۔ یہ الفاظ یہ کہتے ہیں کہ ان ڈگریوں یا احکام پر قانون رجسٹری کا اطلاق نہ ہونا چاہیے جن سے کسی مرافق متعلق بہ اراضی کی ۵۴۶
تصدیق کی گئی ہو یا جن سے مرافق پیدا یا ختم کر دیا گیا ہو۔ لہذا یہ کہ بعد کے کسی رجسٹری شدہ معاملے سے ان کے تعمیل پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا[3]۔ اس کا تعین کرنے کے لیے کہ ڈگری کا کیا اثر ہوگا اس کا لحاظ اہمیت رکھتا ہے کہ بہ تعلق دوسرے معاملات کے وہ کب صادر ہوئی تھی۔ جب ایک جائز غیر رجسٹری شدہ دستاویز کے بعد رجسٹری شدہ دستاویز جاری ہوئی ہو تو حسب احکام دفعہ ۵۰ موخر الذکر کو ترجیح ہوگی۔ غیر رجسٹری شدہ دستاویز کے متعلق صدور ڈگری سے اس ترجیح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی جب کہ یہ ترجیح ایک مرتبہ متعلق ہو گئی ہو[4]۔ ہاں جب رجسٹری شدہ دستاویز کے جاری ہونے سے پہلے غیر رجسٹری شدہ

[1] فضل الدین خاں بنام فقیر محمد ۵ ک ۳۲۶۔ سریو ناتھ بنام آسوتوش ۲۷ ک ۳۵۸۔

[2] نارائن چندر بنام داتارام ۸ ک ۵۹۷۔ نانی دیبی بنام حفیظ اللہ ۱۰ ک ۱۰۷۳۔
نیز دیکھو رنگا سامی ۳۱ م ۴۔

[3] کولاری ناگا بشنم ۳۳ م ۱۔

[4] ہمالیہ بنک الہ آباد ۲۳ بیجناتھ، الہ آباد ۵۵ منسوخ چیتا بائی دریاجی ۲ ب ۵۵ یا شنان چندر ۸ ک ۱۳۹۔

دستاویز کے متعلق ڈگری صادر ہوگئی ہو" تو رجسٹری شدہ دستاویز کے جاری ہونے سے قبل غیر رجسٹری شدہ دستاویز ڈگری میں ضم اور منسوخ ہوجائے گا۔ ڈگری اور رجسٹری شدہ دستاویز کے درمیان مقابلہ آپڑے گا۔ اور اس ڈگری پر جو اراضی سے متعلق ہو گو غیر رجسٹری شدہ حسب احکام دفعہ ۵۰ رجسٹری شدہ دستاویز مابعد کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا[1]۔ کسی ڈگری کا یہ اثر نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ اس سے وہ حق قائم کیا گیا ہو جو دستاویز غیر رجسٹری شدہ سے پیدا ہوا تھا۔ یعنے اس دستاویز سے جو اس نالش میں زیر تنقیح رہی ہو جس میں ڈگری صادر کی گئی۔ چنانچہ جب کہ مدعی علیہ کے حق میں غیر رجسٹری شدہ جائز دستاویز کے ذریعے ۱۸۷۶ء میں زمین منتقل کی گئی اور اس نے اس زمین کو فوراً پٹے پر دے دیا۔ ان اسامیوں کے خلاف ۱۸۷۸ء میں اس نے لگان کی ڈگری حاصل کی۔ قرار دیا گیا کہ اس ڈگری سے اس دستاویز کی ترجیح پر اثر نہیں پڑ سکتا جس کی رجسٹری ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی[2]۔

## زبانی اقرار یا زبانی اعلان

**۳۹۴**۔ قانون رجسٹری نشان ۱۶ بابت ۱۹۰۸ء سے "جملہ غیر وصیتی دستاویزات جن کی حسب قانون ہذا رجسٹری ہوئی ہو اور جو کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ سے متعلق ہوں وہ اس جائداد کے متعلق کسی زبانی اقرار یا بیان کے مقابلے میں موثر ہوں گی بجز اس کے کہ اس اقرار یا بیان کے ساتھ یا اس کے بعد جائداد پر قبضہ دے دیا گیا ہو" قرضہ حاصل کرنے کے لیے زبانی اقرار کے تحت دستاویزات حقیت کا رکھ
۵۴۷ دینا اس جائداد کے متعلق زبانی اقرار یا بیان نہیں ہے[3]۔ دفعہ ۵۰ کے تحت جو کچھ نظریہ اطلاع کے اثر کے متعلق قائم کریں ظاہر یہ ہوتا ہے کہ

---

[1] مدار صاحب ۶ بم ص ۸۸۔
[2] کیشو پانڈورنگ بنام وناٹک ہری ۱۸ بمبئی ص ۳۵۶۔
[3] سروگن بنام یوگوس ۱۱ ک ص ۱۵۸۔

وہی رائے اس دفعہ کے تحت بھی قائم کی جائے گی[1]۔

**انتقال کی شکل۔ جائداد وراثت**

**ف ۳۹۴**۔ کسی معاملے کے جواز کے لیے ہندو قانون کے تحت تحریر ضروری نہیں[2]۔ طریقۂ عطا کے متعلق منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کا کوئی امتیاز بھی نہیں ہے[3] اور نہ کسی قسم کے اصطلاحی الفاظ کا استعمال ضروری ہے بشرطیکہ معطی کا منشا ظاہر ہوتا ہو۔ لہٰذا مرافق وراثت ایسے الفاظ سے عطا کیا جا سکتا ہے جو اس مرافق کو ناقص طریقے سے بیان کرتے ہوں۔ شرط یہ ہے کہ ایسے مرافق کے پیدا کرنے کا منشا ظاہر ہو۔ اور اگر صریح الفاظ وراثت کے بغیر کسی کو یونہی جائداد دی جائے تو ہندو قانون سے وراثتی مرافق منتقل ہوگا بشرطیکہ سیاق میں تنازع نہ ہو[4]۔ لگان اور منافع جائداد کا عطیہ بادی النظر میں جائداد وراثت کا عطیہ ہے[5]۔ علیٰ ہٰذا جب یہ کہا جائے کہ معطی لہٗ میری کل جائداد کا مالک ہو[6]۔ علیٰ ہٰذا فلاں آدمی اس کے

---

[1] ۔ چندر ناتھ ۔اک ص ۲۵۰۔

[2] سرینواس مل بنام ویجائے مل ۲ مدراس ہائیکورٹ ص ۳۷۔ کرشنا ۳ ایضاً ص ۹۸۔ جیونداس بنام فرامجی ۷ بمبئی ہائیکورٹ ص ۱۸۵۔ بالارام بنام ابا ۹ ایضاً ص ۱۲۱۔ بھاسکر پرشوتم بنام سرسوتی بائی ۱۷ ب ص ۴۹۲۔ رگھو بنام ہیا دوجلد اشمالی مغربی ص ۹۵۔ ہرپرشاد بنام شیودیال ۳ ۔ ۹۸ ص ۲۵۹۔ دفعہ ۹ .T.P.A

[3] ۔ تجویز پریوی کونسل سبیکسٹو بنام ایسٹ انڈیا کمپنی ۶ .M.I.A ۔ ص ۲۷۸۔

[4] ۔ تجویز جسٹس ولس ٹگور ۹ بنگال لا رپورٹ ص ۳۹۵۔ ۱۸ سدرلینڈ ص ۳۵۹۔ لکراج بنام کنہیا ۳ مرافعہ جات ہند ص ۲۲۳۔ ۳ ک ص ۲۱۰۔ چورامن بنام بالی ۹ A ص ۵۹۱۔ لالرام جیون بنام دلکنور ۲۴ ک ص ۴۰۶۔ دفعہ ۸ .T.P.A ۔

[5] ۔ ۱۲ مور مرافعہ جات ہند ص ۱۰۹۔ فیض محمد بنام محمد سعید ۵ مرافعہ جات ہند ص ۷۔ ۲۵ ک ص ۸۱۶۔

[6] ۔ للت موہن بنام چکن لال ۲۴ .I.A ص ۷۶۔ ۲۴ ک ص ۸۳۴۔ سورج منی بنام بالی ناتھ ۳۰ الہ آباد ص ۸۴۔ پی سی نیز دیکھو مراری لال بنام کندن لال ۳۱ الہ آباد ص ۳۳۹۔ موتی لال ستیل بنام اڈوکیٹ جنرل بمبئی ۳۵ ب ص ۲۷۹۔

بچے اور پوتوں کے لیے۔ بانسلاً بعد نسل۔ یا فلاں عورت یا اس نسل کے لیے
جو اس کے بطن سے پیدا ہو۔ یا وراثۃً اس کے لڑکوں اور پوتوں کے لیے
جائداد جب عطا ہو تو قرار دیا گیا کہ ان سے یہ سمجھا جائے گا کہ قطعی ملکیت
عطا کی گئی۔[1] الفاظ "ہمیشہ کے لیے" یا "دائمی طور پر" کے معنے خاص حالات
٥٧٨ کے مطابق دائمی عطیہ ہو سکتے ہیں۔ یا معطی لہ کی زندگی تک محدود۔[2] الفاظ
"آل اولاد" بعض اوقات رواجاً ذکور اخلاف تک محدود سمجھے جاتے ہیں اگرچہ کہ
اصلاً اس اصطلاح میں ذکور اور اناث اخلاف داخل ہیں۔[3] ایسا عطیہ جو ایک
خاص شخص کے حق میں سالہا سال کے لیے کیا گیا ہو اس کے مرنے کے بعد
اس کے ورثا کے فائدے کے لیے باقی رہتا ہے۔[4] الف کے حق میں اس کی
زندگی تک کے لیے عطیہ غیر محدود اختیارات کے ساتھ کہ وہ وصیت
کر کے اس جائداد کو دیدے سکتا ہے قطعی جائداد کا ہبہ سمجھا گیا ہے۔[5]

---

[1] ۔ بھوبن بنام ہرش ۵ .I.A ص ۱۳۸ ۔ ۴ ک ص ۲۳ ۔ رام لال بنام وزیر ہند
۸ مرافعہ جات ہند ص ۴۶ ۷ ک ص ۲۰۴ ۔ ہری ہر بنام امن پرشاد ۱۴ .I.A ص ۴ ۔
قرید و نجی مروانجی ۲۲ ب ص ۳۶۶ ۔ للت موہن بنام چکن لال ۲۴ مرافعہ جات ہند
ص ۷۶ ۔ ۲۴ ک ص ۸۳۴ ۔ کرشنا این ۱۸ م ص ۲۵۲ ۔ راما مرتھن ۲۴ م ص ۲۹۹ ۔
بسنت کماری ۳۲ مرافعہ جات ہند ص ۱۸۱ ۳۴ ک ص ۲۳ ۔ اتل کرشنا بنام
سنیاسی ۳۲ ک ص ۱۰۵۱ ۔ راجہ رامناد ۴۲ م ص ۵۸۱ پی۔ سی۔

[2] ۔ عزیز النسا بنام تصدق ۲۸ .I.A ص ۶۵ ۔

[3] ۔ پرکاش لال بنام رامیشور ۳۱ ک ص ۵۶۱ ۔ بھیا شیر بہادر بنام بھیا گنگا بخش
جلد ۴۱ مرافعہ جات ہند ص ۱ ۔ ۳۶ A ص ۱ ۔

[4] ۔ تیج چند بنام سری کنت گوش ۳ .M.I.A ص ۲۶۱ ۔ گوبند لال بنام
سہندرا ۱۷ اک پی۔ سی ص ۶۸۶ ۔

[5] ۔ بائی موبائی بنام دوساملدجی ۱۵ ب ص ۴۴۳ جور بائی بنام کیلی بائی ایضاً
ص ۳۲۶ ۔ کمارا زو بنام وینکٹ رتنم ۲۰ م ص ۲۹۳ ۔

علیٰ ہذا جب کہ اس عطیے میں جو شوہر نے اپنی بیوہ کے حق میں کیا تھا یہ بیان کیا گیا تھا کہ بلا کسی استثنا کے وہ اس کے کل حقوق پائے گی اور یہ کہ نہ تو خود اس کو اور نہ اس کے ورثا کو جائداد پر کوئی حق دعویٰ ہوگا تو اسے قطعی قرار دیا گیا۔[1] مگر جب کہ اس انتظام کے بعد کہ "میری زوجہ کی وفات کی صورت میں میری لڑکی مالک جائداد رہے" تقریباً اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے تو تجویز فرمائی گئی کہ بیوہ کو صرف زندگی کے لیے وہ جائداد ملے گی۔ لڑکی کو حقیت محصلہ باقیماندہ جو اس کے ورثا پر منتقل ہوگی۔[2] دائمی عطیہ مستنبط کیا جا سکتا ہے جب کہ محدود قبضے سے غرض عطیہ فوت ہو جاتی ہو مثلاً غرض عطیہ تعمیر ہو۔[3] اگر خود معطی کی حقیت جائداد محدود ہو اور یہ ظاہر ہو کہ منشا یہ تھا کہ عطیہ مذکور صرف اس وقت تک باقی رہے جس وقت تک کہ معطی کا مرافق باقی رہتا ہو تو دوام کے منشا کی نفی ہوگی۔[4]

بیٹوں کی صورت میں محض الفاظ مقرری۔ یا استمراری۔ یا مقرری استمراری کا استعمال گو دوام ظاہر کرتا ہے مگر لازماً یہ خیال اس میں مضمر ہونا ضروری نہیں۔ ۵۴۹
ان الفاظ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس شخص کی زندگی میں جس کے حق میں عطیہ کیا گیا ہو دواماً۔ یا دواماً اس کے وراثۃً منتقل ہونے کے متعلق[5] اور نہ الفاظ مذکور الصدر کے نہ ہونے سے اس پٹے کے دوام کے خلاف کوئی استنباط لازمی طور پر کیا جا سکتا ہے۔[6] سوال یہ ہے کہ آیا دستاویز کے

[1] رام نرائن بنام پرسی بھوگل ۹ ک صفحہ ۸۳۔
[2] لالو بنام جگموہن ۲۲ ب صفحہ ۴۰۹۔
[3] گنگا دھر ۸ ک صفحہ ۹۶۔
[4] لکراج ۴ .I.A صفحہ ۲۲۳۔ ۳ ک صفحہ ۲۱۔
[5] بنگال گورنمنٹ بنام جعفر حسین جلد ۵ مرافعہ جات مور صاحب صفحہ ۴۹۸۔ لیلانند سنگھ بنام منرو رنجم سنگھ ۱۳ بنگال لا رپورٹ پی سی صفحہ ۱۳۳۔
[6] ہرو مادہ بنام سری گوبند ۲۲ ک صفحہ ۶۴۸۔

دیگر شرایط سے یا ان حالات سے جن کے تحت وہ دستاویز جاری ہوئی تھی یا فریقین کے عمل مابعد سے کافی تیقن کے ساتھ فریقین کا منشا اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ الفاظ دوام کے معدوم ہونے کی صورت میں عدالت اس کا اعلان کر سکتی ہے کہ عطیہ دوامی تھا جب کہ اراضی جنگل کی بازیابی کے لیے دی گئی ہو تو بلا قیام حق مقابضت اور اراضیات میں دوامی حقیت کا تیقن ہونے کے بغیر معطی لہ کا ایسی ذمہ داری کو اپنے سر لینا اگر ایک طرف بعید از قیاس ہے تو دوسری جانب مساوی طور پر اس کا بھی کم امکان ہے کہ معطی ہمیشہ کے لیے اپنے کل مرافق سے جو اس کے اراضیات کی ترقی کے سبب اس کو حاصل ہو سکتے ہیں دست بردار ہو جا سکتا ہے۔[2] بجز اس کے کہ وہ صراحۃً منتقل کیے گئے ہوں پٹہ مذکور سے حقوق معدنیات کا وابستہ ہونا متصور نہ ہوگا۔[3]

۳۹۵۔ وہی سوال اس جائداد کے قطعی قابل انتقال اور قابل توریث ہونے کے متعلق چند خاص صورتوں میں پیدا ہوتا ہے جو جائداد بلا صریح الفاظ کے

---

[1]۔ بلاسمتی بنام شیو پرشاد مرافعہ جات ہند صـ۳۳ ۔ ۸ ک صـ۶۶۴ ۔ شیو پرشاد بنام کالیداس ۵ ک صـ۶۴۳ کی تصدیق کی گئی۔ تلکشی پرشاد بنام رام نرائن سنگھ ۲۲ مرافعہ جات ہند صـ۲۰۵ ۔ ۲۱ ک صـ۱۱۷ ۔ پرمیشر پرتاب بنام پدمانند سنگھ ۱۵ ک (ڈی۔ سی) صـ۲۴۲ ۔ راجہ رام بنام نارا سنگا ۱۵ ام صـ۱۹۹ ۔ بینی پرشاد بنام ددھ ناتھ ۲۶ مرافعہ جات ہند صـ۲۱۶ ۔ صـ۲۲۴ ۔ اگن بنام موہن ۳۰ ک صـ۲۰ ۔ نرسنگھ دیال بنام رام نارائن ۳۰ ک صـ۸۸۳ ۔ پدمانند بنام ہائبس ۲۸ مرافعہ جات ہند صـ۱۵۲ ۔ ۲۸ ک صـ۴۲۰ ۔ طویل قبضے کے متعلق نیز افعال ملکیت جن سے دوامی پٹہ ظاہر ہوتا ہو دیکھو کاسیبر نر بنام کدر ناتھ ۲۸ ک صـ۲۳۸ ۔ اپیندرا بنام اسمٰعیل خاں ۳۱ مرافعہ جات ہند صـ۱۴۴ ۔ ۳۲ ک صـ۴۱ ۔ ظفر تن بنام اسمٰعیل خاں ۳۱ مرافعہ جات ہند صـ۱۴۹ ۔ ۳۲ ک صـ۵۳ ۔

[2]۔ دھنپت سنگھ ۱۱ M.I.A. صـ۳۶۵ ۔

[3]۔ گردھاری سنگھ ۴۴ I A صـ۲۴۶ ۔

عطا کی گئی ہو۔ ان صورتوں کو بہ آسانی یہاں جمع کیا جا سکتا ہے۔

**عطیے بابت نان و نفقہ**

بزرگ خاندان پر یہ وجوب عائد رہتا ہے کہ وہ اس کے ارکان کی پرورش کرے۔ اس وجوب کو عموماً کئی طریقوں سے پورا کیا جاتا ہے۔ ۵۵۰
مشترکہ سرمایے سے ان اشخاص کے اخراجات کی پابجائی کر کے جو کہ خاندانی مکان میں رہتے ہوں۔ یا ان کے لیے رقوم مقرر کر دینا کہ انھیں ایک خاص وقت پر ملا کریں۔ البتہ بعض اوقات اراضی کے کچھ قطعات یا جداگانہ گاؤں خاص ارکان کے حق میں منتقل کیے جاتے ہیں کہ وہ ان پر اپنی پرورش کے لیے قابض رہیں[1]۔ ظاہر ہے کہ جو زمین اس طرح عطا کی جائے معطی لہ کی وفات پر عود ہو جاتی ہے[2]۔ بعض اوقات خاص رواج کے باعث معطی کی مرضی پر عود کرائی جا سکتی ہے[3]۔ بعض مرتبہ معطی کی وفات پر اس کے ورثا ایسے اراضی کو واپس لے سکتے ہیں[4]۔ جب بزرگ خاندان ناقابل تقسیم جائداد کا مالک ہو تو ہم عموماً یہ دیکھتے ہیں کہ صغیر رکن اور اس کی راست اولاد ذکور کے پرورش کے لیے گاؤں منتقل کیے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ گاؤں اصل جائداد میں عود نہیں کرتے تا ایں کہ وہ سلسلہ

[1] رنجت سنگھ بنام رودر گجراج جلد ۱ مرافعہ جات ہند صـ۹۔
[2] وڈیا دتی بنام مکند ۲۲ سدر لینڈ صـ۲۲۵۔ بھاوما بنام رام سامی ۴۳م صـ۱۔ ۵۴ک صـ۸۷۔ کچوین بنام سروپ چند ۱۰ A صـ۴۶۲۔ تنومیہ بنام کرشنا سامی ۴۱م صـ۲۷۴۔ بینی پرشاد بنام دوناتھ ۲۶ I.A. صـ۲۱۶۔ ۲۷ک صـ۱۵۶۔ رامیشر بنام ارجن ۲۸ ایضاً صـ۱۔ ۲۳ A صـ۱۹۴۔ کریم بنام ہرنج ایضاً صـ۱۹۸۔ ۲۵ب صـ۵۶۳۔ تنورام بنام کوہن ۳۲ I.A. صـ۱۸۵۔ ۳۳ک صـ۲۰۳۔
[3] اننت لال بنام دھراج گرودڈ ۵ M.I.A صـ۸۲۔ تجمین بی بی بنام چاند بی بی ۱ I.A. صـ۱۳۳۔
[4] ادے اوتا ۵ک صـ۱۱۳۔ ۸ I.A. صـ۲۴۸۔

منقطع ہو جائے[1] اور اسے معطی لہ منتقل کر سکتا ہے مگر معطی کے حقوق کے تابع[2]۔ مزید امکان یہ ہے کہ آیندہ پرورش کے دعاوی کی بے باقی کی حد تک یہ عطیہ قطعی اور ناقابل استرداد ہو۔ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو ایسے عطیے سے معطی لہ کو نہ صرف قابل توریث جائداد حاصل ہوتی ہے بلکہ قابل انتقال بھی۔ نیز اگر قبضے میں نسلاً بعد نسلٍ مداخلت نہ ہوئی ہو تو ایسا قیاس حق بجانب ہو سکے گا کہ عطیہ اسی نوعیت کا تھا[3]۔ بعض اوقات معاملہ تقسیم کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یعنے یہ کہ بڑے اور چھوٹے ارکان کے مابین تقسیم کا عمل ہوا۔ اس کا بھی وہی نتیجہ ہوگا[4]۔

**عطیہ بحق اناث**

۵۵۱ **ف ۳۹۶**۔ ہندو قانون میں کوئی قاعدہ اس قسم کا نہیں ہے کہ انتقال بحق اناث سے صرف اس نوعیت کی محدود جائداد اناث منتقل ہوتی ہے جس نوع کی وراثت میں منتقل ہوا کرتی ہے[5]۔ جب ایسے عطیے کے شرائط کا کچھ بھی

---

[1] بھیا اردوان سنگھ ۲۳ .I.A صفحہ ۶۴۔ وراور انتیبوڈرائل ۲۴ ۱۲ ایضاً صفحہ ۱۱۸۔ ۲۰م صفحہ ۲۵۶۔

[2] رامیشر بنام جبندر ۲ ۳ک صفحہ ۶۸۳۔ عطیات بابوتا کے متعلق دیکھو للتنتر سنگھ بنام مہابیشور ۵ ۳ک صفحہ ۸۲۳۔ درگادت سنگھ بنام رامیشور سنگھ ۳۶ک صفحہ ۹۴۳ رام چندر بنام مدیشور ۳۳ک صفحہ ۱۱۵۸۔

[3] نرسنگھ دیب بنام رائے کالی ناتھ ۹ .M.I.A صفحہ ۵۵۔ سالار زمیندار بنام پدا ایکر ۳۴م صفحہ ۳۷۱۔ کلدب نرائن بنام گورنمنٹ ۱۴ .M.I.A صفحہ ۲۴۷۔ راجوجی بنام پرتاسارادی ۳۰ .I.A صفحہ ۱۴۳۔ ۲۶م صفحہ ۲۰۲۔

[4] پیرساسی بنام پیرساسی .I.A صفحہ ۶۱۔ ام صفحہ ۳۲۱۔ سریا راؤ بنام چلایمی ۱۷م صفحہ ۱۵۔ وصیت سے بیوہ کو پرورش کے لیے غیر منقولہ جائداد کا قطعی ہبہ ہندوؤں کے لیے غیر مانوس نہیں ہے اور نہ ان کے تصورات جائداد کے منافی رام چندر نایکر بنام دیجایارگوالو ۳۱م صفحہ ۳۴۹۔

[5] کولانی بنام تیبی ۲۴ سدر لینڈ صفحہ ۳۹۵۔ بیترا بنام دامودر ایضاً صفحہ ۳۹۷۔ ماں کے حق میں ہبہ سے یہ قیاس لازم نہیں آتا کہ وہ صرف زندگی کے لیے ہے اتل کرشنا بنام سیانی چورا ۲ ۳ک صفحہ ۱۰۵۱۔

علم نہ ہو تو ذیل کا قیاس قانونی قائم ہی نہیں ہوتا۔ یہ کہ منشا یا تو قطعی جائداد پیدا کرنے کا تھا یا صرف حیاتی۔ قانون میں کوئی ایسا قیاس نہیں ہے۔ اور جب محض اس واقعے سے بڑھ کر کوئی اور شہادت نہ ہو کہ معطی لہٗ قابض تھا تو وہ شخص عدم ثبوت کے باعث ناکامیاب ہوگا جس کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ ان میں سے کسی ایک نوع کی تھی[ا]۔ ہاں جب خاندانی انتظام اناث رکن کے لیے کیا گیا ہو تو عطیے کی تاویل کرتے وقت یہ یاد رکھنا اہمیت رکھتا ہے کہ ایسے معاملات کی تکمیل کے لیے معمولی طریقہ کیا ہے۔ بالخصوص اگر یہ بیان کیا گیا ہو کہ انتظام مذکور اس کی مدد یا پرورش کے لیے ہے۔ یا اس کے حصے کی بے باقی ہیں اور کسی قسم کے الفاظ اس کے قابل انتقال ہونے کے متعلق یا وراثت کے متعلق استعمال نہ کیے گئے ہوں۔ جوڈیشل کمیٹی نے اسی اصول کو مقدمات ذیل میں اختیار کیا تھا۔ ایک ہنٹو[۲] دوار کانا تھ سین ایک بیوہ زہورا (Zohara) اور ایک ماں ربو تی چھوڑ کر فوت ہوا۔ دوار کانا تھ ان دو بھائیوں میں کا ایک تھا جنھوں نے اپنی جائداد تقسیم کرلی تھی۔ بیوہ نے اپنے شوہر کے حصے کا قبضہ چاہا۔ اور یہ انتظام کیا گیا کہ اس کے حصے کی قیمت مبلغ انسٹھ ہزار (۵۹۰۰۰ روپے) سمجھنا چاہیے جس دستاویز سے یہ انتظام کیا گیا تھا اس میں ذیل کا اندراج تھا۔ یہ کہ اس میں اور کل جائداد کے قائمقام میں یہ معاہدہ ہوگیا ہے کہ زہورا کو انسٹھ ہزار روپوں کا حق سمجھنا چاہیے۔ یہ کہ اس کا یہ استحقاق ان کل دعاوی کی بے باقی پر حاوی ہوگا جو اسے ایسے قائمقام کے مقابلے میں مشترکہ جائداد کے خلاف تھے۔ یا اس حصے یا مرافق کی بے باقی میں جو اسے متوفی شوہر کے حق کی بنا پر جائداد مذکور میں تھا۔ اس میں اس

ا۔ براجاکشور بنام کندن دیوی ۲۶ I.A صفحہ ۶۶۔ ۲۲م صفحہ ۴۳۱۔ راما سامی بنام پاپیا ۱۶م صفحہ ۴۶۶۔ سمبا سوا ییر بنام وسوم ۳۰م صفحہ ۳۵۶۔

۲۔ ربوتی دوسی ۶ M.I.A صفحہ ۱۔ ۱۸|۴۴۲۔ گنپت راؤ بنام رامچندر ۱۱ الٰہ آباد صفحہ ۲۹۶۔ سپاروتی امل بنام سندرا موڈے ۲۰م صفحہ ۲۹۳۔

رقم کے دیے جانے کا بھی ذکر تھا جس رقم کے لیے باہمی قرارداد سے اس کا
اعلان کیا گیا تھا کہ وہ رقم زہورا کی بلا شرکت احدے خود اس کے
قطعی اور جداگانہ استعمال کے لیے جائداد ہوگی۔" اس کے مرنے پر اس کا
باپ سبچندر اس کا وارث تھا اور ریوتی پسماندہ اس کے شوہر کے
۵۵۲ ورثا میں سے تھی۔ ان دونوں کو چھوڑ کر وہ فوت ہوئی۔ سبچندر نے
انسٹھ ہزار روپیوں پر قبضہ کرا لیا۔ اس کا ادعا یہ تھا کہ اس کا یہ قبضہ
اس کی لڑکی کے جاری کردہ دستاویز ہبہ کے تحت تھا۔ سپریم کورٹ نے
یہ تجویز کی کہ دستاویز انتظام مذکور کا مقصد یہ تھا کہ زہورا کے
کل دعوے کو یک مشت رقم سے خرید لیا جائے۔ اور یہ رقم قطعی طور پر
اس کے تصرف میں تھی۔ وہ جس طرح چاہے اسے خرچ کر سکتی تھی۔
جوڈیشنل کمیٹی نے اس فیصلے کو مسترد کیا۔ انھوں نے یہ بتلایا کہ اگر دستاویز
ایک ایسی ہوتی جس کے اندراجات میں حین حیاتی جائداد کا حوالہ دیا ہوا
ہوتا۔ اور وارثان عودی فریق رد کر اس پر متفق ہوتے ہوئے کہ
وہ اس رقم پر "خود اپنے قطعی استعمال اور فائدے کے لیے قابض رہے تو
بے شک اسے اس رقم پر قطعی حقیت حاصل ہوتی اور وہ اسے
جس طرح خود مناسب سمجھتی دیدے سکتی تھی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ زہورا کے
دعوے کی بنا دیہ تھی کہ بحیثیت اس کے کہ وہ وارکاناتھ کی بیوہ۔ وارث
اور قائمقام تھی اس لیے اسے اس کے شوہر کا حصہ ملنا چاہیے۔ اور
یہ کہ دستاویز مذکور نے صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ اسے اس حیثیت میں
وہ رقم دی جاتی ہے جس کے متعلق قرارداد ہوگئی تھی کہ وہ اس رقم کی
حد تک قائمقام ہے۔ "ہمارے لیے یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
سوا کسی اور نتیجے پر پہنچیں۔ یہ کہ اگر یہ رقوم سرمایہ تھے۔ اگر انھیں
مثل سرمایے کے ادا کیا گیا تھا۔ اور اگر وہ مدعی علیہ کے قبضے میں بھی
بطور سرمایہ ہیں تو بہ ظاہر اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ وہ اس شخص کے
حوالے کیے جانے چاہییں جو اب جائداد دوارکاناتھ کی نیابت

کررہا ہو"

بعد کے ایک مقدمے میں[۱] موصی نے وصیت نامہ تیار کیا تھا اس میں یہ بیان کیا کہ مساۃ رانی دھن کنور خود اس کے لڑکے کی بیوہ اور اس بیوہ کے دو لڑکیوں کے سوا اس کا کوئی اور قرابت دار نہیں ہے بجز مذکور العدر مساۃ رانی دھن کنور کے نہ تو کوئی میرا وارث اور مالک ہے اور نہ ہونا چاہیے۔" مزید براں اس مساۃ رانی کے بھی دو لڑکیاں جن کا اوپر ذکر کیا گیا بہ شمول ان کے بچوں کے جوان کی شادی کے بعد انھیں دیئے جائیں وارث اور مالک ہیں اور ہونا چاہیے۔" رانی نے وصیت شدہ اراضی کے ایک جزو کو فروخت کیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیع کی غرض کوئی قانونی ضرورت نہ تھی۔ آخری زندہ لڑکی کے لڑکے نے اس امر کے استقرار کی نالش کی کہ مذکور العدر اس کے مقابلے میں بے اثر تھا۔ کمیٹی نے کہا "کسی ہندو کے وصیت نامے کی تعبیر کرنے میں اس پر غور کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ہندوؤں کے تصورات وخواہشات جائداد کے وراثتۃً منتقل ہونے کے متعلق عموماً کس قسم کے ہوتے ہیں۔ ۵۵۳
یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ عموماً ایک ہندو کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جائداد بالخصوص موروثی جائداد اس کے ہی خاندان میں رہے اور یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ بہر صورت بطور عام قاعدے کے ہر ہندو اس سے واقف ہے کہ عورتیں وراثتی جائداد کے قطعی مالک نہیں ہو سکتیں۔ بہ ایں معنے کہ وہ اسے منتقل کرنے کے قابل ہوں امور قابل لحاظ کا حوالہ دیتے ہوئے، اور کل وصیت نامے پر غور کرنے کے بعد جس کے کل بیانات کو بحیثیت مجموعی دیکھا جانا چاہیے اور جس کے کسی ایک

---

[۱] مولوی محمد شمس ال بنام شیو کرم ۲۱ الہ آباد ص۱۴ ۔ لالہ بنام جگمو ہن ۲۲ ب ص۲۰۹ ۔ چنی لال بنام بائی ماں ۳۴ ب ص۳۰۰ ۔ باتا اینی بنام پیارے لال ۲۴ ک ص۴۲۶ ۔ مکاراہم بنام ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی ۲۶ I.A ص۹۷ ۔ ۲۶ ک ص۷ ۔

بیان پر دوسرے بیانات کو نظر انداز کرتے ہوئے اصرار کرنے کے بغیر حکام عالی مقام نے یہ رائے قائم کی ہے۔ یہ کہ ہندوستان کی دونو عدالتیں موصی کے منشا کی تعبیر کرنے میں حق بجانب ہیں۔ یہ کہ منشا یہ تھا کہ اس کے لڑکے کی بیوہ ایسی قطعی ملکیت حاصل نہ کر سکے جسے وہ قطعی طور پر دیدینے کی مجاز ہو جائے۔ لیکن یہ کہ اس نے جائداد تو حاصل کی مگر اس شرط کے تابع کہ اس کی لڑکیاں اس کی وارث ہوں۔ اس کو کوئی اہمیت نہیں کہ آیا وہ مثل خود اس کے ورثا کے وارث ہوں گی یا مثل ورثائے موصی کے رانی کے بارے میں پہلا فقرہ حسب ذیل ہے " کوئی اور نہ تو میرا وارث اور مالک ہے اور نہ ہونا چاہیئے"۔ اس فقرے کی مناسب تاویل ذیل ہو سکتی ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ موصی کی وارث ہوتے ہی رانی کو عین حیاتی مرافق ملنا چاہیے۔ اس کی لڑکیاں یا کوئی اور شخص اس مرافق میں حصہ پانے کے بغیر[1]۔ ایک موصی نے اپنے وصیت کے تعمیل کنندگان کو ہدایت کی تھی کہ چند واقعات وقوع پر حسب عمل کریں "میری کل جائداد اصلی اور ذاتی بہ حصص مساوی میری لڑکیوں کے حوالے اور ان کے درمیان تقسیم کی جائے۔ میں اس جائداد کو ان لڑکیوں اور ان کے لڑکوں کو دیتا ہوں۔ ہبہ بالوصیت کرتا ہوں اور عطا کرتا ہوں۔ ہاں اگر میری ان لڑکیوں میں سے کوئی ایک بلا اولاد ذکور چھوڑنے کے مرجائے لیکن میری دوسری لڑکی اس وقت بقید حیات ہو تو ایسی صورت میں باقیماندہ لڑکی اور اس کے لڑکے متوفی لڑکی کے حصے کے محق ہوں گے۔ یا جب دونوں لڑکیاں لڑکے چھوڑ کر مرجائیں تو ہر ایسی لڑکی کا حصہ اس کے لڑکوں یا لڑکے کو دیا جائے۔ تقسیم بہ حصص مساوی ہو"۔ عالیہ عدالت کلکتہ نے یہ تجویز فرمائی کہ الفاظ " اور ان کے لڑکے علی الترتیب" الفاظ حدود تھے۔ نہ کہ الفاظ خریدی۔ اور

[1] بسنت کماری دیبی بنام کامشیا کماری دیبی ۳۲ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۸۱۔ ۳۳ ک صفحہ ۲۳ سے مقابلہ کرو۔ بائی کسر بائی بنام ہنسراج مورارجی۔ ۳۰ ب صفحہ ۴۳۱۔

یہ کہ ہر لڑکی جائداد کے ایک جزو کی قطعی طور پر مختص تھی۔ پریوی کونسل نے اس فیصلے کو مسترد فرمایا۔ اولاً حکام عالی مقام نے مقدمہ محمد شمس الہدیٰ بنام شیوکرم ۳۰ دہ
کے قاعدہ ذیل کا حوالہ دیا۔ یہ کہ جائداد کے وراثۃً منتقل ہونے کے متعلق ہندوؤں کے معمولی تصورات اور خواہشات کا لحاظ کیا جانا چاہیے اس کے بعد فرمایا کہ اس مقدمے میں "موصی صاف طور سے یہ ظاہر کرتے ہیں کامیاب ہوگیا ہے کہ اس کی لڑکیاں جنھیں وہ بلا شک وشبہ مستفید کرنا چاہتا تھا اس کی جائداد میں سے اس سے زیادہ نہ پائیں جسے عرف عام میں عورت کی جائداد کہا جاتا ہے۔ ان کے حق میں" اور ان کے لڑکوں کے حق میں علی الترتیب، سے یہ ثابت ہے" اور اس فقرۂ شرطیہ سے کہ ان لڑکیوں میں سے ایک "بلا چھوڑے زندہ اولاد ذکور کے" اگر مر جائے تو متوفی لڑکی کا حصہ پسماندہ لڑکی کو اور اس کے لڑکوں کو ملے۔ دونوں صورتوں میں اولاد اناث محروم کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں دونوں لڑکیاں لڑکے چھوڑ کر فوت ہونے کی صورت میں تو ایسی ہر لڑکی کا حصہ اس کے لڑکے یا لڑکوں کو دیا جائے۔ تقسیم بحصص مساوی ہو۔ کوئی الفاظ اس سے زیادہ وضاحت سے یہ بتلا نہیں سکتے تھے کہ موصی کا منشا یہ تھا کہ اس کی لڑکیوں کی لڑکیاں اس وراثت میں شریک نہ رہیں جس کے وہ معمولی ہندو قانون کے تحت مختص ہوتے اگر ان کی ماں کی جائداد قطعی ہوتی" بنا براں انھوں نے یہ تجویز فرمائی کہ وصیت نامے کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ موصی کا منشا یہ تھا کہ اس کی لڑکیوں کے حق میں حین حیاتی جائداد پیدا کی جائے اور حقیت باقیماندہ (یعنے لڑکیوں کے مرنے کے بعد) لڑکوں کو ملے۔[1] ان دونوں مقدمات سے قیاس ذیل کی تائید ظاہر ہوتی ہے۔ یہ کہ اگر عورت کے حق میں ہبہ کیا جائے تو معمولاً جائداد بیوہ سے زیادہ کوئی چیز منتقل نہیں ہوتی عام ازیں کہ وہ رکن خاندان کی بیوہ ہو یا

---

[1] راد پرشاد ملک بنام رانی مونی داسی ۳۵ مرافعہ جات ہند صفحہ ۱۱۸۔ ۳۵ ک صفحہ ۸۹۶۔

لڑکی۔ نیز یہ کہ ہبہ کے الفاظ کی تعبیر کرنے میں ہر ہندو کے ان تصورات اور خواہشات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عورت محدود جائداد سے زیادہ کچھ نہ پائے۔ گو وہی الفاظ قطعی جائداد کے عطا کرنے کے لیے کافی ہوتے ہوں جب کہ معطی لہ عورت نہ ہو بلکہ مرد۔ لیکن تعبیر کے اس قاعدے کی ترمیم بورڈ کے فیصلہ جات مابعد سے ہو چکی ہے۔ موصی مسمی ایشور ناتھ اوجھا نے اپنی جائداد کے قطعات کا ہبہ وصیت سے اپنے دو بیوگان کے حق میں الفاظ ذیل میں کیا:۔ "میں (چند جائدادوں کا جن کی صراحت کی گئی ہے) میری پہلی زوجہ کے حق میں ہبہ کرتا ہوں۔۔۔۔

۵۵۵ اور (دوسری چند جائدادوں کا) زوجۂ ثانی کے حق میں۔۔۔۔۔ بلا بدل کے۔ شرائط یہ ہیں۔ یہ کہ میں مثل سابق کے مذکور الصدر جائداد پر میری زندگی تک قابض رہوں گا۔ نیز اس کے متعلق میرا نام پبلک رکارڈوں میں درج رہے گا۔ مذکور الصدر مسماۃ میرے ہی زیر پرورش رہیں گے۔ یہ کہ میرے مرنے کے بعد وہ اس دستاویز کے تحت ان جائدادوں کے متعلق جو علی الترتیب انھیں دی گئی ہیں اپنے نام پبلک ریکارڈوں میں درج کرالیں۔ اور ان پر اختیارات مالکانہ کے ساتھ قابض رہیں (مالک و خود مختار)۔ نیز یہ کہ اگر سوئے اتفاق سے اس کے بعد مجھے اولاد ذکور ہو تو ایسی اولاد کے خلاف یہ دستاویز کالعدم اور باطل سمجھی جائے گی۔" بیوگان میں سے ایک نے اس جائداد کو جو اس کے حق میں با وصیت ہبہ کی گئی تھی منتقل کرنا چاہا۔ ورثائے موصی نے اس امر کے استقرار کے لیے نالش کی کہ بیوہ اس جائداد کو منتقل کرنے کے ناقابل ہے۔ ایسا انتقال اس کی زندگی کے بعد نافذ نہیں رہ سکتا۔ حکام عالی مقام نے ان مقدمات کو دیکھا جن میں لفظ "مالک" کی تعبیر کی گئی ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ جب یہ لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے قطعی ملکیت جائداد کا عطا کیا جانا متصور ہوگا۔ حکام مذکور نے اس کے بعد قاعدہ ذیل بیان فرمایا۔ یہ کہ لفظ مذکور سے جو کامل حقوق ملکیت ظاہر ہوتے ہیں ان میں کمی کرنے کے لیے سیاق یا واقعات ماحول میں کچھ نہ کچھ پایا جانا چاہیے۔ محض اس واقعے سے کہ معطی لہ عورت اور ایک بیوہ ہے محدود نہیں ہو سکتے۔

یہ واقعہ کافی نہ ہوگا[1]۔ کل صورتوں میں حقیقی رہنما معطی کا منشا ہے۔ اس منشا کو اس عبارت سے معلوم کیا جانا چاہیے جو اس نے استعمال کی ہے۔ اگر مستعملہ الفاظ صاف اور غیر مبہم ہوں تو ان کے صاف صاف معنے کو اثر پذیر کیا جانا چاہیے عام اس کہ معطی لہ مرد ہو یا عورت۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ قاعدہ تعبیر متذکرہ محمد شمس الہدیٰ بنام شیو کرم صرف اس صورت میں متعلق کیا جا سکتا ہے۔ یعنے جب کہ شرائط دستاویز میں کچھ غیر یقینی کیفیت پائی جائے[2]

**ان عطیوں کی تاویل جو بیوگان کے حق میں ہو**

**ف ۹۷** ۔ وصیت نامے میں اس اندراج سے "یہ کہ لڑکیاں مالکان ہوں اور کل جائدادوں پر قبضہ کرلیں" حقیت باقی ماندہ کے بغیر قطعی ملکیت پیدا ہوتی ہے چنانچہ جب کہ بعد کے فقرے سے انتقال ممنوع کیا گیا تھا تو اس فقرے کو قابل سماعت نہیں سمجھا گیا کیونکہ وہ اندراج مذکور کے مغائر ہے[3]۔ کم از کم حال حال تک ہندوستان کی عدالتوں کا قوی رجحان
اس کے خلاف تھا کہ ان عطیوں کو جو بیوگان کے حق میں کیے گئے ہوں ۵۵۶
حین حیاتی ملکیت سے زیادہ کچھ بھی منتقل نہ ہونا تصور کریں (یعنے وہ ایسے عطیوں کو صرف حین حیاتی تصور کرنے کی طرف مائل تھے) مثلاً جب کہ لڑکے نے اپنی ماں کو ایک گھر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس سے اس کے اخراجات کی کفالت ہو سکے" میں نے میرا گھر تمھیں دیدیا ہے۔ اور تمھیں اس کا مالک بنا دیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ وہ کلیتہً تمھارا ہے۔ تم اپنی مرضی کے موافق اس کا انتظام کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں"[4]

---

[1] ۔ سوریہ بجائی بنام رابی ناتھ اوجھا ۳۵ I. A. صفحہ ۱۷ ۔ ۳۰ A صفحہ ۱۳۴ بمقدمہ فتح چند بنام روپ چند ۳۸ A صفحہ ۲۴۲ اتباع۔

[2] ۔ رامچندر راؤ بنام رامچندر راؤ ۴۲ م صفحہ ۲۸۳۔

[3] ۔ لالہ رام جیون بنام دلکنور ۲۴ ک صفحہ ۴۰۔ اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ فیصلہ مونی لال میٹھا لال بنام مشیر قانون بمبئی کا برعکس فیصلہ غلط ہے ۳۵ ب صفحہ ۲۷۹۔

[4] ۔ اناجی دتاتریا بنام چندرا بائی ۱۷ ب صفحہ ۵۰۳۔

اس میں دستاویز کی بنیاد یہ تھی کہ لڑکا ان کل وجوب سے بری ہو جائے جو اس کی ماں کی پرورش کے متعلق اس پر تھے۔[1] دوسرے مقدمے میں بھی ایسا ہی فیصلہ کیا گیا۔ ایک شخص نے جس کی ایک زوجہ اور لڑکیاں تھیں وصیت کی۔ اس وصیت نامے سے اس نے اپنی لڑکیوں کے لیے انتظام کیا۔ اور زوجہ کو ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد قبضہ حاصل کرے۔ المضاعف یہ لکھا "جس طرح میں اس وقت اس جائداد کا مالک ہوں اسی طرح میرے مرنے کے بعد میری زوجہ اجم (Ujam) مالک ہوگی"[2] علیٰ ہذا مقدمات جن میں جائداد بیوہ اور متبنیٰ لڑکے کے لیے چھوڑی گئی تھی یہ قرار دیا گیا کہ اس کو صرف حین حیاتی حق حاصل ہوا یہ کہ ایسا حق لڑکے کے اس سے قبل مرجانے سے بڑھ نہیں سکتا۔[3] تاہم اسی قسم کی ہبہ بالوصیت میں) جب کہ الفاظ وراثت بہ شمول اختیار انتقال (بیع یا ہبہ سے) استعمال کیے گئے تھے تو پریوی کونسل نے تجویز فرمائی کہ بیوہ اور لڑکے کو بہ حصص مساوی مثل اسامیان مشترک کے قطعی جائداد ملے گی۔[4] پریوی کونسل کے فیصلہ جات حالیہ کے مدنظر پیش از پیش یہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم ان عطیوں پر جو بیوہ کے سوا دوسری عورتوں کے حق میں کیے جائیں سخت تر قواعد تعبیر کا اطلاق نہ ہوگا۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے حال میں

---

[1] ہری لال بنام بائی ریوا ۲۱ ب صفحہ ۳۷۶۔ متھورا داس بنام برکین ل ۱۹ A صفحہ ۱۶۔ جمنا داس بنام رامتر ۲۷ A صفحہ ۳۶۴۔ تاہم دیکھو راج نرائن بنام اشتوش ۲۷ک صفحہ ۳۴۴۔ راج نرائن بنام کلیانی ۲۷ک صفحہ ۶۴۹۔ برج لال ۳۴ A صفحہ ۴۰۵ پی سی۔ اور جانکی ۱۹ A صفحہ ۱۳۳۔

[2] ہیرا بائی بنام لکشمی بائی ۱۱ بمبئی صفحہ ۵۷۳۔ یتیشیا بنام نرسما ۲۲ م صفحہ ۳۵۷۔ گرو داس بنام سارت چندر ۲۹ک صفحہ ۶۹۹۔

[3] جگیشر نارائن بنام رام چندت ۲۳ I.A. صفحہ ۳۷۔ ۲۳ک صفحہ ۶۷۰۔ موتھو مناکشی بنام چندر اسکھارا ۲۷ م صفحہ ۴۹۸۔ گوپی بنام مسماۃ جالدھرا ۳۳ A صفحہ ۴۱۔

یہ قاعدہ قرار دیا ہے۔ یہ کہ ماں یا لڑکی کے متعلق کوئی قیاس اس قسم کا نہیں ہے کہ ہر صورت میں وہ اس حصے سے کم پاتی ہے جو ایک مرد پاتا ہے۔ عدالت مذکور نے ایک مفصل اور مکمل فیصلے میں بتلایا۔ یہ کہ مذکورہ بالا مقدمات میں پریوی کونسل نے عام قاعدے کا ذکر کیا ہے۔ اس قاعدے کا تعلق ہر ہندو کے اس علم سے ہے کہ عورتوں کو قطعی ملکیت جائداد نہیں
ملتی۔ لورڈ نے اس کو ہندو قانون کا قاعدہ نہیں کہا ہوگا کیونکہ ماؤں اور ۵۵۷
لڑکیوں کے ہبہ کے متعلق ہندو قانون کا قاعدہ بیوگان کی صورت میں اس کے برعکس ہے[1]۔ مدراس ہائیکورٹ کے فیصلہ جات مابعد نے خود بیوگان کے ہبہ کی آزادانہ طریقے سے تعبیر کی ہے۔ اور یہ قرار دیا ہے کہ اگر الفاظ کے معمولی اور فطری مفہوم سے قطعی جائداد کا منتقل نہ ہونا ظاہر ہو تو کسی فرضی قیاس سے ان کے مفہوم میں تخفیف نہ کرنا چاہیے۔ ایسا قیاس صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ دستاویز غیر یقینی ہو یا مبہم[2]۔ کسی زمانے میں ہائیکورٹ مدراس نے یہ فرض کیا تھا کہ غیر منقولہ جائداد کے ہبہ جو شوہر نے زوجہ کے حق میں کیا ہو قابل انتقال نہیں ہیں گو الفاظ وراثت کے ساتھ ہو۔ قابل انتقال نہ ہوں گے اگرچہ کہ زوجہ کے ورثاء پر انتقال کا عمل ہوتا ہو۔ صاف اور واضح طور پر ان کے قابل انتقال ہونے کا اعلان ہو تو وہ صورت دوسری ہوگی[3]۔ ظاہر ہے کہ یہ پریوی کونسل کے فیصلوں کے مغائر ہے۔ اور اب

[1]۔ ماہیم چندر سرکار بنام ہراکماری داسی ۲۳ک صـ ۵۶۱۔ مقابلہ کرو راماسامی بنام پاپیا ۱۶م صـ ۴۶۶۔ لالہ رام جیون لال بنام دل کنور ۳۴ک صـ ۴۰۶۔ انل کرشن سرکار بنام سنیاسی چرن سرکار۔ ۳۲ک صـ ۱۰۵۱۔

[2]۔ دیکھو تجویز چیف جسٹس ولسن بمقدمہ رامچندر راؤ ۴۲م صـ ۲۸۳۔ صـ ۲۸۶ | ۲۸۷۔

[3]۔ بھاجنیہ راؤ بنام رامائن ۷م صـ ۳۸۷۔ کنج بہاری بنام پریم چند دت ۵ک صـ ۲۸۴۔ بھوباتریا ۲۴ک صـ ۲۴۶۔ تھاکر سنگھ ۲۳ ۸م صـ ۳۰۹۔

قانون نہیں۔ (جدید۔ دستاویز ہبہ[1] یا وصیت نامے میں یہ لکھا جانا کہ معطی لہ میری کل جائدادوں کا مالک ہو[2] یا اسی قسم کے الفاظ سے قابل توریث و قابل انتقال جائداد کا عطا ہونا منصور ہوگا۔[3] پورے مالکانہ حقوق کا مفہوم لیا جائے گا بجز اس کے کہ سیاق میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس سے محدود ظاہر ہوں[4])۔

## انتفاعی حق مقابضت
**Beneficial tenures**

ف ۳۹۸۔ ہندوستان میں حق مقابضت کے ایک بہت بڑے حصے پر بلا لگان کے قبضہ ہوتا ہے یا آسان لگان پر۔ ان صورتوں کی بہت بڑی اکثریت میں خود زمین عطا نہیں کی جاتی بلکہ آمدنی اس سے پیدا ہو وہ جو اس آمدنی کا مستحق ہوتا ہے (عام ازیں کہ وہ اقتدار اعلیٰ ہو یا زمیندار جس نے براہ راست اقتدار اعلیٰ سے حاصل کیا ہو) عموماً ایسے عطیے اسی کے کیے ہوئے ہوتے ہیں[5]۔ ان میں کے اکثر عطیے ابتداءً اغراض مذہبی کے تحت ہوتے تھے۔ مثلاً برہمنوں کے حق میں خود ان کے مفاد کے لیے۔ یا مذہبی یا مقاصد خیر کے لیے بطور عطیوں کے۔ ظاہر ہے کہ یہ عطیے قطعی ہوتے ہیں[6]۔ ان پر باب ۱۲ میں علیحدہ بحث کی گئی ہے۔ دیگر قسم کے عطیے یا تو گذشتہ خدمات کے سلسلے میں بطور انعام دیے جاتے ہیں[7]۔

---

۱۔ بشناتھ پرشاد سنگھ سنہ ۱۹۳۳ء ۱۴۲ نظائر ہند ص ۶۔

۲۔ ہندرا سنگھ بنام رامیشر سنگھ سنہ ۱۹۲۵ء ۸۷ نظائر ہند ص ۸۴۹۔ ٹھاکر جگموہن سنہ ۱۹۲۸ء ۱۰۷ نظائر ہند ص ۵۹۳۔ مسماۃ رام کنور ۱۳۔ نظائر ص ۵۰۶۔ کملا پرشاد سنہ ۱۹۳۴ء ۱۵۲ نظائر ہند ص ۴۴۶۔

۳۔ بسنت کمار باسو سنہ ۱۹۳۲ء ۱۳۸ نظائر ص ۸۸۲۔

۴۔ رام چندر بنام وینکٹ راؤ ۶ ب ص ۵۹۸۔

۵۔ ۷ مور کے مرافعات ہند ص ۱۳۲۔

۶۔ اگر گورنمنٹ نے زمینداری عطا کی ہو اور مالگذاری معاف نہ ہو بلکہ

یا آیندہ خدمات کی انجام دہی کے لیے۔ یا دونوں مقاصد کے لیے۔

۵۵۵

**جاگیریں اور سرانجام**

جاگیریں یا سرانجام (جیساکہ اضلاع مرہٹہ میں وہ کہے جاتے ہیں) عموماً اقتدار اعلیٰ کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ ان عطیوں کا مقصد سیاسی ہوتا ہے۔ ان پر کافی قانون سازی کی جاتی ہے اور اس قانون سازی کا منشا یہ ہوتا ہے کہ ان کے متعلق اقتدار اعلیٰ کا اختیار تمیزی محفوظ رہے[1]۔ اگر غیر معین الفاظ کے ذریعے جاگیر عطا کی گئی ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ صرف جاگیردار کی زندگی تک کے لیے ہے۔ لیکن عطیہ ایک شخص اور اس کے ورثاء کے لیے ہو اور ان الفاظ کے معمولی مفہوم کی تردید کے لیے کچھ نہ ہو تو معطی لہ کو قطعی مرافق ملتا ہے[2]۔ عموماً حق وصول مالگذاری (جو حصۂ شاہی ہوتا ہے) عطا کیا جاتا ہے نہ کہ خود زمین دے دی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے معطی اسے واپس لے سکتا ہے۔ واپس ہونے کے بعد حق مقابضت معطی لہ کو حاصل رہتا ہے مگر پورا پورا زر مالگذاری ادا کرنے پر[3]۔ بمقدمۂ گلاب داس بنام کلکٹر سورت واقعات حسب ذیل تھے۔ اقربائے نواب سورت کے اخلاف کو گورنمنٹ نے ایک پنشن دی تھی۔ اس پنشن کے ایک جزو وصولی کا ذریعہ وہ جاگیر تھی جو اسی سلسلے میں عطا کی گئی۔ صراحتاً اس کا اعلان کیا گیا تھا کہ یہ جاگیر قابل عود ہے۔ پریوی کونسل نے تجویز فرمائی کہ اخلاف کو اسی طرح جاگیریں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) خدمات گذشتہ کا انعام تو معطی لہ اسے منتقل کر سکتا ہے لچھمی بنام مکند ۲۶ A صـ۶۷۔

[1] شیخ سلطان ثانی ۲۰ مرافعہ جات ہند صـ۵۔ ۱۷ ب صـ۴۳۱۔

[2] گلاب داس جگ جیون داس بنام کلکٹر سورت ۶ I. A. صـ۵۴۔ ۳ ب صـ۱۸۶۔ دوسابائی بنام ایشور داس ۱۸ I. A. صـ۲۲۔ ۱۵ ب صـ۲۲۲۔ رام سرن لال ۶ ۴ ک صـ۶۸۳۔

[3] گرو راؤ سرینواس بنام وزیر ہند ۴۱ ب صـ۴۰۸۔

جین حیاتی وراثت حاصل ہے جس طرح کہ پنشن ہیں۔

**انعام** جنوبی ہند میں لفظ انعام اس حق مقابضت کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو سود مند ہو۔ انعام یعنے انتفاعی حق مقابضت (beneficial tenure) ابتداً اس اصطلاح کے معنے عام عطیے کے ہونے تھے۔ اس کے بعد اس کے معنے ناقابل استرداد دوامی عطیے کے لیے جانے لگے بشرطیکہ کسی اور لفظ سے محدود نہ کیا گیا ہو۔ انعام آل تمغے کے معنے ناقابل واپسی عطیہ دوامی
۵۵۹ کے تھے۔ برخلاف اس کے Amaram اور Kattubadi انعام واپس ہوسکتے تھے[1] جب کہ جاگیر کے عطا ہونے کے باعث عطیہ انعامی پیدا ہو تو اس قسم کا کوئی قیاس قایم نہیں کیا جاسکتا کہ صرف شاہی حق وصول مالگذاری عطا کیا گیا ہے۔

**خدمتی حق مقابضت کو واپس لینے کا حق۔** ف ۳۹۹۔ غیر سیاسی حق مقابضت خدمتی کے واپس لیے جانے کے اصول پر پریوی کونسل نے بمقدمۂ فاربس بنام میر محمد تقی بیان

[1] Umde Raja Bommarauze. ۱۲۸ M. I. A. صفحہ ۱۳۲۔ ولسن کی گلاسری میں ان الفاظ کی اس طرح تعریف کی گئی ہے۔ آل تمغہ ایک شاہی عطیہ ہے جس پر سابقہ شاہان ہندوستان کی مہر ہوتی ہے۔ حکومت برطانیہ اسے تسلیم کرتی ہے لگان معاف ہوتا ہے۔ دوامی۔ قابل توریث اور قابل انتقال حقیقت ہوتی ہے (Amaram) شہزادہ مالگذاری عطا کرتا ہے اس شرط پر کہ فوجی خدمت یا فرایض پولیس ادا کیے جائیں۔ اگر معطی لہ (Amarkar) مفوضہ خدمات کے ادا کرنے میں قصور کرے تو عطیہ واپس لے لیا جاتا ہے (Kallubadi) مالگذاری کی اصطلاح ہے۔ مقررہ۔ ناقابل تغیر اور آسان لگان کے لیے عموماً اس اصطلاح کو استعمال کیا جاتا ہے۔ سرکاری ملازمین کو اس قسم کی مقابضت دی جاتی ہے (Cuttoogootaga) سے کم نرخ لگان پر فوجی خدمات سابقہ کے لیے دواماً حق مقابضت کا دیا جانا ظاہر ہوتا ہے ۸ M. I. A. صفحہ ۳۲۷۔

[2] ۱۳ I. A. صفحہ ۴۳۸۔ ۳۴ ۴۶ | ۴۶۶۔ بھاجی بلونت ۳۴ ب ۸۲ گم گو دا ۴۸ ب صفحہ ۳۰۵۔ نرسیا ۴۳ م صفحہ ۲۶۲۔ سوبندری ۲۶ م صفحہ ۲۰۳۔

فرمایا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سنہ ۱۷۷۱ء میں مدعی علیہ کے مورث کو جاگیر بلا لگان عطا کی تھی۔ جاگیر اس وجہ سے عطا کی گئی تھی کہ مورث نے ہاتھیوں کے اس حملے کو روکا تھا جو پرگنے کے مزروعہ اراضی پر ہاتھیوں نے کیا تھا۔ اور اسی قسم کے آیندہ خدمات کے لیے بہ شمول خدمات گذشتہ جاگیر عطا کی گئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ زراعت کو فروغ ہو اور رعیت محفوظ رہے۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں وہ زمینداری جس میں کہ جاگیر واقع تھی سرکاری بقایۂ مالگذاری کے سلسلے میں فروخت ہوئی اور خریدار نے جاگیر کی واپسی کے لیے نالش کی! اس کا دعویٰ نامنظور ہوا کمیٹی نے تجویز ذیل فرمائی۔ یہ کہ انقضے طویل اور قبضہ بلا مداخلت کے بعد خریدار پر بار ہے کہ وہ واپسی کے حق کو ثابت کرے۔ وہ اس کو ثابت نہ کر سکا۔ انھوں نے بیان فرمایا "کہ ہر صورت میں حق واپسی بڑی حد تک اس خاص حق مقابضت کی نوعیت پر منحصر ہونا چاہیے۔ یا اس خاص عطیے کے الفاظ پر۔ وہ مسٹر جسٹس جاکسن کے خیالات سے متفق ہیں[1]۔ یہ کہ ذیل کے دو عطیوں میں بین امتیاز ہے۔ جائداد کا عطیہ کچھ خدمت کے بار کے ساتھ اور عہدے کا عطیہ جس عہدے کے فرائض کی انجام دہی کا معاوضہ جبند اراضیات کا استعمال ہو۔ انھوں نے قبل ازیں بیان کر دیا ہے کہ ان کی رائے میں عطیۂ زیر بحث موخر الذکر زمرے میں نہیں آتا۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ عطیۂ زیر بحث مقدم الذکر قسم کا تھا حکام عالی مقام کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ اس کا اظہار اس طریقے سے کیا گیا ہوگا کہ خدمات کی مسلسل انجام دہی حق مقابضت کے جاری رہنے کے لیے ایک شرط ہو جائے۔ لیکن ایسی صورت میں صرف دو پہلو ممکن ہیں۔ یا تو مسلسل تعمیل خدمت ہی کلیتاً اس عطیے کی وجہ تحریک اور بدل ہوگی۔ یا صریح الفاظ سے دستاویز اس کا اعلان کرے گی کہ خدمت کے موقوف ہوتے ہی حق مقابضت بھی ختم ہو جانا چاہیے"۔ یہاں "یہ کہا جا سکتا ہے کہ عطیۂ مذکور دو اغراض کے تحت ۵۶۰

[1] ۶ سدرلینڈ صفحہ ۲۰۹۔

کیا گیا ہوگا۔ جزاً خدمات سابقہ کے انعام بطور اور جزاً خدمات آیندہ کی ترغیب کے لیے (pro Servitus impensiset impen-dendis) نیز کسی سند میں ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے صراحتہً یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اگر ان خدمات میں سے ایک بھی خدمت انجام نہ دی جائے۔ یا جب کبھی ایسا ہو تو حق مقابضت ختم ہو جائے گا۔ انتظام جس سے معطی لہ پر محض یہ فرض عائد کیا گیا ہو کہ وہ چند فرائض کو ان کی ضرورت لاحق ہونے تک انجام دیتا رہے۔ انتظام مذکور الصدر سے بالکل مختلف ہے۔ جب خدمات کی ضرورت باقی نہ رہے تو عطیہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن صورت موخرالذکر میں (جب محض خدمت کی انجام دہی عائد ہو) اگر قدرتی اسباب خدمات کی ضرورت باقی نہ رکھیں تو معطی لہ ان اراضیات پر قابض رہے گا اور عملاً یہ قبضہ اس شرط سے آزاد ہو جائے گا جو ابتداً اس پر عائد کی گئی تھی۔ لہذا حکام عالی مقام کی یہ رائے ہے کہ معطی لہم سے اراضیات خود نہیں کرائے جا سکتے۔ اسناد کی صحیح تعبیر یہی ہے۔ گو معطی لہم پرگنوں کو جنگلی ہاتھیوں کے حملے سے جب تک کہ وہ حملے ختم ہوں محفوظ رکھنے کے پابند تھے اور اگرچیکہ وہ اب بھی اس کے پابند ہیں اگر سوئے اتفاق سے وہ حملے تازہ ہو جائیں اور اگرچیکہ ان کا حق مقابضت ضبط ہو جا سکتا ہو اگر وہ عمداً اس فرض کی تعمیل میں قصور کریں۔ اراضیات کی واپسی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس خاص قسم کی خدمت کی انجام دہی کے لیے اب مزید ضرورت باقی نہیں رہی۔[۱]

**خدمات کی نوعیت پر انحصار ہے۔ آیا ذاتی خدمات ہیں یا پبلک۔**

**ف۳۰۰** ۔ جہاں گورنمنٹ نے عوام کے مفاد کے لیے گھاٹ والی حق مقابضت قایم کی ہو (قبل بندوبست دوامی) تو

---

[۱] دیکھو دینکٹ نرسما بنام سوبندری ۲۹ م ص۵۲۔ اس میں قرار دیا گیا کہ اگر معطی لہ خدمات کی انجام دہی پر آمادہ ہو تو عطیہ ضبط نہیں کیا جا سکتا۔

زمینداری کا خریدار اس بنا پر من بعد اس حق مقابفت کو ضبط نہیں کر سکتا کہ خدمات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خریدار مذکور کو اس قسم کا حق نہیں ہو سکتا اگر گورنمنٹ کا دعویٰ قابض حق مقابفت پر بحال رکھا گیا ہو۔ یہ کہ اگر ضرورت لاحق ہو تو گورنمنٹ کو اس قسم کا حق ہوگا۔[1] اگر حق مقابفت کے شرائط میں دو خدمات مضمر ہوں. ایک تو زمینداری کے لیے ذاتی خدمات اور دوسرے اسٹیٹ کے لیے پبلک خدمات تو زمیندار ذاتی خدمات سے درگذر کر کے اراضیات کا قبضہ نہیں لے سکتا۔ اور یہ قرار نہیں دے سکتا کہ اراضیات مذکور ان وجوبات سے بری الذمہ ہو گئے ہیں جو عوام کے مفاد کے لیے عائد کیے گئے تھے۔[2] وہ صورت دوسری ہو گی جب کہ محض ذاتی خدمات کی بجا آوری کے عوض (جو خدمات کہ معطی لہ خود زمیندار کے لیے انجام دے گا) زمین عطا کی گئی ہو۔[3] ۵۷۱

### عہدہ دار کے حق میں عطیہ

جب کہ ایک منصب قائم کی گئی ہو اور اس منصب کے فرائض کی انجام دہی کے لیے زمین عطا کی گئی ہو تو منصب کے ختم کیے جانے ہی عطیہ ضبط کر لیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر وہ عہدہ موروثی ہو تو صرف اس وقت ضبطی کا عمل کیا جا سکتا ہے جب کہ کلیتہً خدمات کی انجام دہی موقوف کر دی جائے۔ جب کہ ایسے عہدہ دار کے خدمات کی ہنوز ضرورت لاحق ہو تو اشخاص جنھیں اس منصب کا موروثی حق حاصل ہو ان اراضیات سے

[1] کلدیپ نرائن بنام گورنمنٹ ۱۴ M. I. A ص ۲۴۷۔ گھاٹ والی حق مقابفت ساختہ قانون ہے اس کے متعلق دیکھو لیلا نند سنگھ بنام بنگال گورنمنٹ ۶ ایضاً ص ۱۰۱۔ نلمنی سنگھ بنام بکرناتھ ۹ I. A ص ۱۰۴۔ ٹیکٹ کالی پرشاد بنام انندرائے ۱۵ ایضاً ص ۱۸۔

[2] جے کشن بنام کلکٹر بردوان مشرقی۔ امور کے مرافعہ جات ہند ۱۶ | ۴۵۔

[3] سنیاسی راژو بنام سالار زمیندار ۲م ص ۲۶۸۔ مہادیو بنام وکرام ۱۴م ص ۳۶۵۔

جن پر وہ ایسے عہدے کے معاوضے میں قابض ہوں محروم نہیں کیے جاسکتے۔ محروم کرنے کے لیے محض یہ سبب کافی نہ ہوگا کہ مدعی اس کو بہتر سمجھتا ہے کہ دوسرے کو اس حیثیت میں کام کرنے کے لیے مامور کرے[1]۔

## انتقالات منجانب معطی لہم

**ف۱۰۴۹**۔ قابضان منصب اور قابضان حق مقابضت خدمتی کے متعلق دو مسایل پر بحث کرنا باقی ہے۔ اولاً ان کا اس عہدے یا حق مقابضت کو منتقل کرسکنے کا حق اور ثانیاً ان کا ان مشاہروں کو منتقل کرنے کا حق جو عہدے سے وابستہ ہوں۔ بقیہ مسایل ان دو امور سے متعلق ہیں۔

مذہبی اداروں اور اوقاف کے متعلق پریوی کونسل نے حسب ذیل فیصلہ فرمایا ہے۔ یہ کہ ایسے اداروں کے انتظام کے حق کا انتقال نیز اس جائداد کا جو ان سے متعلق ہو قطعی کالعدم و باطل ہے۔ اور اگر این کے مالی مفاد کے لیے انتقال عمل میں آیا تھا تو ایسے انتقال کی تائید نہیں کی جاسکتی گو کارروائی مذکور کے جواز کے لیے رواج ثابت کیا جائے[2]۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ فیصلۂ مذکور کا اطلاق ہر انتقال پر ہوگا، عام از یں کہ بیع ہو یا ہبہ۔ نیز حکام عالی مقام نے اشارۃً یہ بھی فرمایا کہ مذہبی اور خیراتی عطیوں کے مابین انتقال کی حد تک کوئی امتیاز ظاہر نہیں ہے۔ سرکاری موروثی عہدہ اور انعامات جو ان سے وابستہ ہوں ان کے متعلق بمبئی میں قانون

---

[1] راد ھا پرشاد سنگھ بنام بدھو دشہد ۲۲ک صـ۹۳۸۔

[2] راجہ ورما والیا بنام راجہ ورما ماتھیا ۴ I. A. صـ۷۶ - ۱م صـ۲۳۶۔ ایسے عہدے کا نیلام تعمیل ڈگری میں بھی نہیں ہوسکتا۔ جگنا تھ رائے بنام کشن پرشاد ۷ سدر لینڈ صـ۲۶۶۔ دیومسر بنام سرمیاس مسرہ بنگال لارپورٹ صـ۶۱۷۔ نکالی چرن بنام تنکشی موہن ۲ ایضاً صـ۲۲۷۔ حسب تجویز عدالت ۶ بمبئی صـ۳۰۰۔

حسب ذیل ہے۔ یہ کہ وہ دواماً منتقل کیے جا سکتے ہیں فرائض اور مشاہرے بھی ساتھ ساتھ منتقل ہو سکتے ہیں[1]۔ بنگال میں عام قاعدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھاٹ والی موروثی حق مقابضت بذریعۂ بیع یا ڈگری قابل انتقال نہیں ہیں۔ اور انھیں دواماً پٹے پر بھی نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن کرجیور میں بہ اجازت ۵۶۲
زمیندار منتقل کیے جا سکتے ہیں[2]۔ ۱۸۱۹ء تک بھی مدراس میں صدر عدالت نے اس بیع کے متعلق جو کرنم Kattubadi اپنے منصب کا کرنا چاہتا تھا اعلان ذیل فرمایا۔ یہ کہ ملک کے قدیم رواج اور عام فہم کے سبب فرائض عام کے کل انتقالات ناجائز ہیں[3]۔"

**انتقال محاصل**

مناصب جن کے مشاہرے یا حق مقابضت جن کے منافع ہر قابض کے تصرف میں کسی اور کی شرکت کے بغیر آتے ہیں ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قابض انھیں اپنی زندگی تک کے لیے یا کسی اور کم مدت کے لیے منتقل کر سکتا ہے مگر انھیں (یعنے ان مشاہروں یا منافعوں کو) ان فرائض سے جن سے وہ ملحق ہیں اس طرح علیحدہ نہیں کر سکتا اس کا جانشین پابند ہو جائے[4]۔

---

[1] بھیا پیا بنام رام چندر ۲۳ ب صـ۲۳۷۔ (Bombay Heredilary Officers Act) ۱۸۷۴ء دفعہ ۲۴۔

[2] تلسی سنگھ بنام بکرناتھ ۹ مرافعہ جات ہند صـ۱۰۳۔ ٹیکیٹ کالی پرشاد ۱۵ ایضاً صـ۱۸۔ نرائن ملک ۹ ک صـ۲۲۷۔ عہدہ یا حق مقابضت کے جانشین پر انتقال کا اثر۔ یا اس کے خلاف اس بارے میں فیصلے کا اثر یا میعاد سماعت کے سبب اس کے حقوق کے ختم ہو جانے کے اثر کے متعلق دیکھو رادھا بائی بنام اننت رام ۹ بمبئی صـ۱۹۸۔ گنا سمبندا I. A. صـ۶۹ ۲۳ م صـ۲۷۱۔ پائیدی گنتم بنام بما داس ۲۸ م صـ۱۹۸۔

[3] ڈگیولی بنام کنٹا موکلا ۱ فیصلہ جات مدراس صـ۲۱۳۔

[4] میبدی یا پیا بنام رامنا ۸ م صـ۸۵۔ مادھو کوٹیری ۷ ک صـ۲۱۱۔ کالو نرائن ۵ ب صـ۴۳۵۔ پسند فرمایا گیا۔ یہ مقدمہ پیا ۱۷ I. A صـ۸۶۔ رادھا بائی ۹ ب صـ۱۹۸۔ اس مقدمے میں وطنوں کے متعلق بمبئی کے قانون پر بحث کی گئی ہے۔ اپاجی بالاجی ۱۵ ب صـ۱۳۔

ہاں اگر مذہبی یا خیراتی وقف کے منتظم نے ایسی جائداد دے دی ہو جس میں اس کو صرف امینانہ مرافق حاصل ہو تو اس کا عمل انتقال قابل پابندی تو ہوگا مگر صرف اس اختیار کی حد تک جو اسے بہ حیثیت منتظم ادارۂ مذکور کے مفاد کے لیے حاصل ہو[1]۔ ایسے فیصلے بھی ہیں جن سے یہ تجاویز ظاہر ہوتے ہیں کہ ایسی صورت میں بھی انتقالات اس کی زندگی تک کے لیے جائز ہیں[2]۔ ان میں کے اکثر فیصلے قانون میعاد سماعت پر مبنی ہیں۔ وجہ فیصلہ یہ تھی کہ جب وارث نے منتقل کنندہ کے توسط سے حاصل نہ کیا ہو بلکہ جدید حقیت کی وجہ سے جو اس کے (منتقل کنندہ) مرنے پر پیدا ہوئی تھی تو بنائے دعویٰ اس وقت سے محسوب ہوگی۔ وہ اشخاص فوراً نالش رجوع کر سکتے ہیں جو ادارے کو حفاظت کرنے کے مجاز ہوں بہ شرطیکہ مناسب طریقے سے
۵۶۳ اس عطیے کے لیے مقدمہ ترتیب دیا گیا ہو[3]۔ تاہم ایسے مقدمات بھی ہیں جن میں ایسے انتقالات کا جواز نہایت ہی وسیع طریقے پر بیان کیا گیا ہے مگر منتظم کی زندگی تک کے لیے۔ بعض صورتوں میں یہ ممکن ہے کہ منتظم کو عطیے میں سود مند حقیت حاصل تھی[4]۔

## انتقال کے متعلق قانون موضوعہ کے احکام

**ف ۲۰۴**۔ قانون انتقال جائداد (نشان ۴ سنہ ۱۸۸۲ء) اشکال انتقال کے متعلق متعدد احکام ہیں۔ ان سے ہندو قانون میں ترمیم کی گئی ہے۔ معاملات جو یکم جولائی سنہ ۱۸۸۲ء کے بعد کیے جائیں ان کی حد تک قانون مذکور نے ترمیم کی ہے۔ دفعہ ۵۴ کہتی ہے کہ انتقال جائداد بذریعہ بیع جب مادی جائداد غیر منقولہ کا ہو جس کی مالیت

---

[1] ۔ نارائن ۵ بمبئی صفحہ ۳۹۳ تک ۴۳۸ آگے۔
[2] ۔ محمد بنام گنپتی ۱۳ مدراس صفحہ ۲۷۷۔ مہنت برم سروپ۔ ۲۰ سدرلینڈ صفحہ ۱۷۴۔
[3] ۔ قانون ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ء۔ دفعہ ۱۴ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۸۸۲ء دفعہ ۵۳۹۔
[4] ۔ مقابلہ کرو رامچندر سنکر باوا ۱۹ اب صفحہ ۲۷۱ کو پیر و سونو کمار ۲۲ تک صفحہ ۹۸۹ سے۔

ایک سو یا اس سے زیادہ ہو یا حق عود یا کسی غیر مادی شے کا ہو تو صرف رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے ہو سکے گا۔ جب مادی جائداد غیر منقولہ کی مالیت ایک سو سے کم ہو تو ایسا انتقال رجسٹری شدہ دستاویز سے یا جائداد کی حوالگی سے ہو سکتا ہے۔"

بمقدمہ نرائن چندر بنام واتارام (۸ ک صـ۶۱۲) میں مجلس گارتھ نے اپنی یہ رائے ظاہر فرمائی کہ اس دفعہ کے تحت اختیاری رجسٹری عملاً موقوف کر دی گئی۔ ہر تحریری دستاویز کی رجسٹری ضروری ہے۔ اسی عدالت نے بعد کے ایک مقدمے میں تاہم اس نظریے کو ناپسند فرمایا۔ مدعیان نے ایک سو روپیے سے کم قیمت کی جائداد ایسے مالکان سے خریدی تھی جو قابض نہ تھے۔ غیر رجسٹری شدہ دستاویز سے یہ معاملہ کیا گیا۔ اشخاص قابض بلا حقیت سے جائداد واپس پانے کے لیے نالش کی گئی۔ تجویز فرمائی گئی کہ بیع سے جائز حقیت حاصل ہو گئی گو نہ تو رجسٹری ہوئی تھی اور نہ قبضہ دیا گیا تھا۔ عدالت نے فرمایا: "ہماری یہ رائے ہے کہ دفعہ ۵۴ فقرۂ ۳ کل انتقال پر حاوی نہیں ہے۔ اور نہ وہ تحکمی ہے۔ بہ ایں معنے کہ غیر منقولہ جائداد مبیعہ کا انتقال جو کم قیمت کی ہو لازماً شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک کے تحت کیا جانا چاہیے تاکہ جائز حقیت حاصل ہو سکے۔ فقرۂ ۲ میں قانون صاف ہے۔ یہ کہ خاص قسم کی جائداد غیر منقولہ کا انتقال صرف رجسٹری شدہ دستاویز سے ہو سکتا ہے۔ لیکن فقرۂ ۳ میں الفاظ ہو سکتا ہے (may be made) استعمال ہوئے ہیں۔ اس میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ 564 صرف ہو سکے گا (can be made only) فقرۂ ماسبق کا استعمال کر اس میں نہیں کیا گیا۔"[1] لیکن اجلاس کامل کے ایک جلسے نے اس کے بعد اس فیصلے کو صراحتہً منسوخ کر دیا ہے۔[2]

[1] کھاتو بی بی بنام مہادورام ۱۲ اک صـ۶۲۳۔ صـ۶۲۶۔
[2] لچھمن لال پال بنام بنک بہاری گھوش ۱۹ اک صـ۶۲۳۔

**رہن**

دفعہ ۵۹ سے "جب اصل زر رہن کی تعداد ایک سو یا اس سے زائد ہو تو رہن صرف رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے ہو سکے گا جس پر راہن نے دستخط کیے ہوں اور جس پر کم از کم دو گواہوں کی گواہی ہو۔ جب اصل زر رہن کی تعداد ایک سو سے کم ہو تو رہن رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے ہو سکے گا جس پر حسب طریقہ مصرحۂ بالا دستخط اور گواہی ہو یا (بجز رہن سادہ کے) جائداد مرہونہ کی حوالگی ہو سکے گا۔" اس کے بعد دفعہ ۵۹ یہ کہتی ہے کہ دستاویزات کی حقیت کی حوالگی سے رہن کا طریقہ کلکتہ، مدراس، بمبئی، کراچی، رنگون، مولمین، بسین اور اکیاب میں رائج ہے۔ ایسے رہن میں دستاویزات حقیت دائن یا اس کے کارندے کے حوالے کیے جاتے ہیں اور منشا یہ ہوتا ہے کہ غیر منقولہ جائداد پر کفالت قایم ہو۔ دفعہ ۵۹ الفاظ مذکورالصدر کا یہ اثر نہیں ہونا چاہیے کہ رہن مذکور ناجائز ہو۔

**پٹہ**

دفعہ ۱۰۷ سے "جائداد غیر منقولہ کا پٹہ جو سال بہ سال یا ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے ہو یا جس میں سالانہ کرایہ یا لگان مقرر ہو صرف رجسٹری دستاویز کے ذریعے سے دیا جا سکتا ہے۔ جائداد غیر منقولہ کے دیگر پٹے رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے یا زبانی معاہدے سے جب کہ جائداد پر قبضہ دید یا گیا ہو دیے جا سکتے ہیں۔"

**ہبہ**

ف ۴۳۰ ۔ دفعہ ۱۲۳ سے[۱] "جب جائداد غیر منقولہ کا ہبہ مقصود ہو تو انتقال رجسٹری شدہ دستاویز سے ہونا چاہیے جس پر واہب کے یا اس کی جانب سے کسی اور شخص کے دستخط ہوں گے اور اس پر کم از کم دو گواہوں کی گواہی ثبت ہو گی جب جائداد منقولہ کا ہبہ مقصود ہو تو انتقال رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے جس پر حسب متذکرۂ صدر دستخط ہوں گے یا حوالگی سے ہو سکتا ہے۔ حوالگی اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح مال مبیعہ حوالے کیا جاتا ہے۔"

---

۱۔ تعلقداران اودھ کے کیے ہوئے ہبہ کے متعلق دیکھو قانون ۱ بابت ۱۸۶۹ء دفعہ ۱۳ اور مقدمات جلد ۱۸ I. A. ص ۱۲۱

قدیم قانون ہبہ کے تحت جو مقدمات پیش آئے تھے ان میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ دستاویز ہبہ کی رجسٹری قبضے کے مماثل تھی۔ یا اس سے اس کی کمی پوری ہو سکتی تھی[1]۔ کیا موجودہ دفعہ نے بھی قبضے سے درگذر کیا ہے؟ دفعہ ۱۲۲ نے قبولیت ہبہ کو لازم قرار دیا ہے۔ اس کا یقین ہے کہ قبولیت سے درگذر نہیں کیا گیا۔ ہندو قانون کے تحت بغیر قبضے کے (واقعی یا علامت سے) اگر قبولیت جائز نہ سمجھی جاتی ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ دفعہ ۱۲۲ نے ہندو قانون کو نہیں بدلا۔ لیکن اگر قبضے کے بغیر قبولیت کافی ہو سکتی ہو تو منقولہ جائداد کا رجسٹری شدہ ہبہ قبول ہونے پر تحت دفعہ ۱۲۳ جائز ہوگا۔ ایسا ہوگا اگرچہ کہ ہندو قانون نے معطی کے لیے حوالگی قبضہ ضروری گردانا ہے اور معطی لہ کے لیے قبولیت ہبہ دفعہ ۱۲۹ سے یہ ظاہر ہے کہ دفعہ ۱۲۲ ہندو قانون کے کسی قاعدے پر موثر نہیں ہے۔ ہائیکورٹ کلکتہ نے یہ تجویز فرمائی ہے کہ اگر دستاویز ہبہ کی رجسٹری کرائی گئی ہو تو حوالگی قبضہ غیر ضروری ہے عام ازیں کہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ[2]۔ بمبئی میں اس فیصلے کا اتباع کیا گیا ہے[3]۔ مدراس میں بھی جب کہ فریقین مقدمہ مسلمان تھے[4]۔

[1]۔ واسدیو ۷ ب ص ۱۳۱۔ واگے دیبی بنام متھورا ناتھ ۹ ک ص ۱۵۴ء۔ اسمٰعیل ۲۳ ب ص ۶۸۲۔

[2]۔ دھرم داس ۳۴ ک ص ۴۴۶۔

[3]۔ بائی رام بائی ۲۳ ب ص ۲۳۴۔

[4]۔ الابی کویا ۳۴ م ص ۵۱۳۔

# صحت نامہ

## قانون و رواج ہنود

### جلد اوّل

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | ۲ | ۳ | ۴ | ۱ | ۲ | ۳ | ۴ |
| صفحہ (۹) دیباچہ | ۲۱ | حلم | علم | ۶۳ | فٹ نوٹ ۲ سطر ۴ | بھی بی | بچی بی |
| متن صفحہ (۱۷) | فٹ نوٹ نمبر ۲ سطر ۱ | صفحہ | صفحہ (۲) | 〃 | فٹ نوٹ ۲ سطر ۵ | ہر بنام | ہرنا بھابنام |
| ۳۲ | ۱۸ | ثانیا | ثانیًا | ۶۴ | ۱۵ | تصانیصف | تصانیف |
| ۳۳ | ۷ | شاشتری | شاستری | ۶۹ | ۱۷ | با اینکہ | یا اینکہ |
| 〃 | ۱۳ | جموت واہن | جمتو واہن | ۷۳ | ۵ | حاندان | خاندان |
| ۳۴ | ۲ | اپسارکا | اپرارسکا | ۸۱ | فٹ نوٹ ۱ سطر ۱ | جوالا | جوالا |
| 〃 | ۶ | سرواھادھیکری | سروادھیکری | ۸۷ | ۱۹ | لائیفنک | لائیفک |
| 〃 | ۱۷ | چھپینے | چھپینے | 〃 | فٹ نوٹ ۱ سطر ۱ | جال ھائی | جال بھائی |
| ۳۵ | فٹ نوٹ نمبر ۱ سطر ۳ | ستابائی | سیتابائی | 〃 | فٹ نوٹ ۱ سطر ۲ | سونے کا | ہونے کا |
| ۳۸ | فٹ نوٹ ۲ سطر ۲ | نگالی | بنگالی | ۱۰۲ | فٹ نوٹ ۱ سطر ۱ | ھاین | بودھاین |
| ۳۹ | ۸ | جموت واہن | جمتو واہن | 〃 | فٹ نوٹ ۱ سطر ۲ | دلوالا | دیوالا |
| ۴۳ | ۸ | اطلاں | اطلاق | ۱۲۴ | ۱۰ | ماپ | باپ |
| ۴۸ | ۱۷ | ترحیج | ترجیح | ۱۲۹ | ۱۴ | ہوں ہمہ تو | ہوں تو |
| 〃 | ۲۳ | مفتغل | منتقل | ۱۳۰ | فٹ نوٹ ۲ سطر ۳ | دوہالی | دولھاکی |

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | ۲ | ۳ | ۴ | | ۲ | ۳ | ۴ |
| ۱۳۰ | فٹ نوٹ ۱ سطر ۴ | یروسی | پرورشی | ۲۹۴ | ۱۰ | سگے | سکے |
| ۱۳۲ | فٹ نوٹ ۱ سطر ۱ | سعداجی | سیواجی | ″ | ۱۱ | تبلت | تبنیت |
| ۱۳۴ | فٹ نوٹ ۲ سطر ۱ | الپیہا | الپتہا | ۲۹۶ | ۱۳ | سودہ متوفی | وہ متوفی |
| ″ | فٹ نوٹ ۳ سطر ۲ | ہرکے متعلق ہوگی | امر کے متعلق ہوگی | ۲۹۷ | ۸ | ا ل | اس |
| ۱۳۹ | ۱۰ | وخت | وشست | ۲۹۸ | ۷ | وہ دو جائداد | وہ جائداد |
| ″ | ۱۸ | بانع | بالغ | ″ | ۳۱ | نیارالدین | نیازالدین |
| ۱۴۱ | فٹ نوٹ ۱ سطر ۱ | جنارہ | جنازہ | ۳۰۱ | ۱۳ | متنی | متبنیٰ |
| ″ | فٹ نوٹ ۲ سطر ۱ | بتیہا | الپتسا | ۳۰۳ | ۱۳ | لڑکے یے | لڑکے کے لیے |
| ۱۴۲ | ۹ | ضرردری | ضروری | ″ | ۱۵ | حواس | جواس |
| ۱۵۹ | ۲ | عاملتا | جا ملتا | ۳۶۱ | ۴ | قابص | قابض |
| ۱۶۱ | ۱۰ | معاشرت | مباشرت | ۳۶۳ | ۶ | بیوہ لے | متبنیٰ لے |
| ۱۷۷ | حاشیہ سطر ۲ | سنکیا | سنگیا | ۳۶۵ | ۱۷ | تبنیٰ ہوئے | متبنیٰ لیے ہوئے |
| ۱۹۰ | ۲۲ | انتقال | انتقال پر | ۳۶۶ | ۱۷ | ۵۴ | ۵۲۴ |
| ۲۰۳ | ۱۴ | کلتے | کھلتے | ۳۶۸ | حاشیہ سطر ۵ | ص ۲۶۲ | صفحہ ۲۶۲ |
| ″ | فٹ نوٹ ۱ سطر ۱ | کاردلا | کارلا | ۴۱۵ | ۷ | ڈگری | ڈکری |
| ۲۴۷ | ۱ | علی الترتیب | علی الترتیب | ۴۲۳ | ۱۷ | ہرایل | ہرایک |
| ۲۵۱ | ۶ | پنجایب | پنجاب | ۴۷۴ | حاشیہ سطر ۲ | صفحہ ۱۳ | صفحہ ۳۱ |
| ″ | ۱۸ | تبیت | تبنیت | ۴۷۵ | ۷ | الف یاب | الف یا ب |
| ۲۷۰ | ۱۰ | لہذان | لہذا ان | ۵۰۰ | ۱۵ | | |
| ۲۷۲ | ۸ | متصاد | متضاد | | | | |
| ۲۷۹ | حاشیہ سطر ۲ | یچاری | بیچاری | | | | |
| ″ | ″ سطر ۴ | [illegible] | [illegible] | | | | |

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | ۲ | ۳ | ۴ | ۱ | ۲ | ۳ | ۴ |
| ۵۴۰ | ۱۴ | نابالع | نابالغ | ۶۰۶ | حاشیہ سطر ۱ | راپا | راپیا |
| ۵۶۱ | ۱۱ | اور لہذا | لہذا | ۶۳۶ | ۱۰ | ھدود | محدود |
| ۵۶۲ | ۱۱ | لے | نے | ۶۴۴ | ۷ | رہس | رہن |
| ۵۷۰ | ۸ | احتیار | اختیار | ۶۸۹ | ۷ | مقدملت جو | مقدمات میں جو |
| ۵۸۳ | ۱۶ | ہوبھی | جوبھی | ۷۱۷ | ۱۲ | مر | پر |
| ۵۹۵ | ۹ | مقبوضۂ جائداد | مقبوضہ جائداد | ۷۳۸ | ۱۷ | دے یایاگیا | دے دیا گیا |
| ۵۹۶ | ۱۱ | رگہا جاگے | رکھا جائے | ۷۳۹ | ۹ | ہندر | ہندو |
| ۶۰۳ | ۱۰ | مقدمۂ شمالی | مربۂ شمالی | ۷۴۵ | ۱ | جائدا | جائداد |